

دشتِ آرزو

آفرین غفران



WWW.PAKSOCIETY.COM

ماہنامہ آنجل ڈائجسٹ میں چھپنے والا، اقراء صغیر احمد کا مقبول ترین ناول

دشت آرزو

اقراء صغیر احمد

ڈاٹ کام

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اردو بازار، لاہور

فون : 37352332, 37232336

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	دشت آرزو
مصنف	اقراء صغیر احمد
ناشر	گل فرازا احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	ایم آر ایم احمد
سن اشاعت	جنوری 2012
قیمت	₹ 750/- روپے

..... ملنے کے پتے

وکیل بک پورٹ	خزینہ علم و ادب
اردو بازار، کراچی	انکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
اشرف بک اینجینی	کتاب گھر
اقبال روڈ کینی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ کینی چوک، راولپنڈی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طبعیت اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تائید سے اگر کوئی غلطی یا اصلاحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب!

میرے عزیز از جان والدین کے نام.....
جن کی محبت و حوصلہ افزائی میرے قلم کی حقیقی روح ہے۔
جن کی ابدی جدائی دل کو تازیست مضطرب رکھے گی۔

ڈاٹ کام

میر کی ساری زندگی بچوں کی تلاش میں گزری۔ اس راہ گزر پر ہاتھ لیو لہان اور وجود پر یہ وہ یہ۔ یہ ذکے میں سبہ ملتی تھی اگر بچی مجھتیں اپنی عظمت کے مقام پر ملیں۔ دکھ یہ نہیں کہ مجھتیں نہ ملیں۔ غم یہ کہ رشتوں نے مان کھو دیا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کرسی کی بیک سے سر کا کر آنکھیں موند لیں۔ شام ڈھلتے ہی پرندوں کی ڈار کی ڈار اپنے آشیانوں کی طرف محو پرواز تھی۔ سورج اپنی شعاعوں کو سیٹھتے تیزی سے مغرب کی سمت اپنے نشین کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ آفتن پر پھلتی شام اور ابھرتی رات کا گلابی وسیاہ احتراز اسے ہمیشہ کی طرح افسردہ و سوگوار کر دیتا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی دے بے تالی وہ اپنی رگ دے پے میں اترتی محسوس کرتی تھی۔ عجیب دے بے معنی کیفیت جس کو وہ آج تک کوئی نام نہ دے پائی تھی۔ کچھ دیر قبل بڑے شوق فضا بالکل بے سکون ہو چکی تھی اور یہ خاموشی اعلان کر رہی تھی کہ اس کے اسٹوڈنٹس جا چکے ہیں اور اب اسے بھی جانا ہوگا اور یہ سوچ اسے روز کی طرح جھنجھلاہٹ دے بے زاری میں مبتلا کر دیتی تھی۔

شام کے ان آخری لمحوں میں جب ہر ذی روح کو گھر کی طلب بے تاب دے بے چینی کر ڈالتی تھی۔ ایسے میں وہ سوچتی تھی کوئی ایسی ترکیب، کوئی ایسی جادو کی چھری ہاتھ آ جائے جس سے وہ وقت کو ایک ہندسے پر روک دے۔ جلد کر دے کہ کبھی شام نہ آ جائے۔ نہ شام آئے گی، نہ اسکول کی چھٹی ہوگی، نہ اسے گھر جانا ہوگا اور زندگی یوں ہی تمام ہو جائے گی۔

بالا شاید میرا شجرہ نسب کسی نہ کسی طرح شیخ چلی سے ملتا ہے۔ ان موصوف کو بھی جانتے میں خواب دیکھنے کی عادت تھی، بالکل میری طرح۔ اپنی سوچ پر وہ خود ہی مسکرا دی۔ "کاش! سب ہماری سوچوں جیسا ہو جائے۔ کوئی خواہش، کوئی آرزو ہو تو پھر جنت کی آرزو کون کرے گا؟"

"کرن! کرن! کیا کر چلنے کا موڈ نہیں ہے؟" اس کی ساتھی ٹیچر عادلہ چادر اوڑھتی ہوئی وہاں آ کر اس سے خطاب ہوئی تھی۔ "گھر ہی چلتا ہے، ابھی چلیں گے۔" وہ غصہ سی سانس لیتی ہوئی گویا ہوئی۔

"واہٹ یار! ابھی چلیں گے سے کیا مراد؟ عجیب ہو تم۔ چھٹی ہوتے ہی بچوں کے ساتھ ساتھ ہم ٹیچر کو بھی جلد از جلد گھر جانے کی لگتی ہے مگر تم ایک ہو۔ روزانہ تمہیں یاد دلاتا ہوں کہ تم گھر چلیں۔" وہ غصہ سی سانس لیتی ہوئی گویا ہوئی۔ "اوکے! چل رہی ہوں۔ لیکچر تو نہ دو۔" وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں کھڑی ہوئی ہوئی یوں تو عادلہ نے اسے ناقدانہ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"اوو! بہت بہت شکریہ اس سخاوت کا، تاحیات احسان مند رہوں گی۔ ہونہ! اب ایسا بھی کیا شوق تدریس کا کہ انسان گھر کا خیال ہی بھول جائے۔"

تمہاری امی، چھوٹے بہن بھائی بڑی چابست سے تمہاری راہ دیکھتے ہیں۔ گھر میں قدم رکھتے ہی محبت بھری گرم جوشی سے تمہارا

استقبال ہوتا ہے۔ ایک بڑی بہن چاہت سے تمہارے کہے بنا تمہاری چادر تہہ کر کے رکھتی ہے۔ دوسری بہن پرس احتیاط سے چمک کرتی ہے۔ ایک بھائی پانی لے کر آتا ہے تو دوسرا تمہاری سینڈلیں اٹھا کر رکھتا ہے اور تمہاری امی ٹافٹ چائے بنا کر لے آتی ہیں جس کے ہمراہ میچ ٹاشٹے کے نیچے پاپے، باقر خانی یا ٹمکین سمو سے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تازہ آلو کے بنے سمو سے بھی ہوتے ہیں۔ یہ عام اور بے حیثیت چیزیں کتنی بڑی نعمت بن جاتی ہیں، جب تم سب ساتھ بیٹے کر شیر کرتے ہو، کھاتے پیچے ہو اور میں مانتی ہوں کہ انسان کھانے کا بھوکا نہیں ہے۔ دو محبت کا بھوکا ہے۔ چاہت کا پیاسا ہے۔ وفا کا طلب گار ہے اور اپنی آخری پیدائش تک رہے گا۔ مجھے بھی انہی تائب قدروں کی تلاش ہے اور میں بھی گھر جانے کو بے قرار رہوں گی بشرطیکہ مجھے بھی وہی چاہت، محبت و اہمیت ملے جو مجھے میرے ہونے کا یقین دلانے۔ زندگی سے روشناس کرائے۔ وہ سوچتی رہی۔

"او گاڈ! پھر مرا تہہ میں چلی گئیں۔ جلدی چلو و اچ میں آ رہا ہے۔" وہ گم صم کھڑی کرن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی کاریڈور میں لے آئی تھی۔

"نیل رہی ہوں۔ ہاتھ تو چھوڑو۔"

"تاکہ تم پھر کھلی آنکھوں سے سونے لگو۔ جانتی تو ہو کہ گھر والے میرے بیاشام کی چائے نہیں پیچے اور انہیں انتظار میں جتلا رکھنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی بے زارانی و اسی عروج پر پہنچ گئی، جب ماں کو حسب معمول جاو نماز پر براہِ جان کسی وظیفے میں مشغول پایا۔ کولت دجمنجلاہٹ سے اس نے سینڈل اٹار کر پاؤں سے ہی پٹنگ کے نیچے اچھائی تھیں۔ پرس نیمل پر رکھا۔ چادر کا گولہ بنا کر دور اچھالا اور اس انداز سے دروازہ ہوئی کہ چمک کی ہر چول نے چیخ کر صدائے احتجاج بلند کی تھی۔

ماں نے تنبیہی لگا ہوں سے اسے گھورا تھا۔ ان کے انداز میں ڈھنگی دیر ہی واضح تھی مگر اس پر مطلق اثر نہ تھا۔ وہ اسی طرح اکڑی منہ پھلائے پڑی رہی۔ وہ ان گھورتی نگاہوں اور کسی نہ کسی ورد میں مجبور بننے والے لیوں کی عادی تھی کہ ان کا اون رات کے چوبیس ٹھنوں میں یہی مصروف تھا۔ بارہ گھنٹے دیگر کاموں کے لیے وقف تھے اور بارہ گھنٹے ایسے ایسے وظیفوں و اذکار میں مشغول رہ کر خود کو تو بھول ہی گئی تھیں، ساتھ اس کی ہستی بھی فراموش کر بیٹھی تھیں اور یہیں سے اس کے اخلاقات شروع ہوئے تھے۔

"یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ سارا دن کوڑھ مغز اسٹوڈنٹس کے ساتھ مغز ماری کر کے آؤ۔ مگر آکر کوئی ایک گلاس پانی، ایک کپ چائے پلانے والا نہیں ہوتا۔ تھک کر آؤ اور آکر خود ہی چائے بنا کر پیو۔ ہونہہ! میں اس زندگی سے بھگ آئی ہوں۔"

☆.....☆.....☆

وقت شروع سے ہی چلا آ رہا تھا۔ اسے بچپن سے محرومیوں و دشمنیوں کے سوا ملائی کیا تھا۔ ساتھ ماں کے سر و مہر و سخت رویے نے اسے از حد خوف زدہ و بے اعتماد کر ڈالا تھا۔ دو ماموں کے بچوں سے خاموشی سے مار کھا لیا کرتی تھی۔ ممانوں کی زبانیں اور نصرت و حقارت

برساتی لگا ہوں سے سبھی سبھی رہتی۔ اپنی ہم عمر کزنز کو خوب صورت کپڑوں اور شوز پہننے دیکھ کر اس کی بھی خواہش ابھرتی کہ وہ بھی ان کی طرح جگمگے خوب صورت کپڑے پہن کر پروں کی طرح لگے۔ ڈھیروں چاکلیٹس، جوبلیز، پاپ کارن وغیرہ خرید کر کھائے اور بھی بے شمار خواہشات تھیں جو اس کے ساتھ ہی جوان ہوئی تھیں۔

ماں کی بے انتہائی کاؤکھ ہر ڈکھ پر بھاری تھا۔ ہر طرف سے نفرتوں اور عزت نفس کو ہر لمحہ کچلنے جانے پر وہ بیٹنی کرن بیٹنی تھی۔ ہٹ دھرم، بدتمیز، اپنی من مانی کرنے والی لڑکی کا یہ رویہ کسی طور بھی کسی کو نہ بھایا تھا اور سزا کے طور پر زندگی اس پر مزید تنگ کر دی مٹی تھی مگر وہ بہادری سے میدان میں اتری تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ مرجائے گی مگر ان کے آگے اب نہیں ہٹے گی، خواہ راہیں کتنی ہی خاردار و کشن ہو جائیں اور اس نے جو کہا، اس پر ثابت قدم تھی۔

”ہاں ہاں مرجا! دندورہ کر کون سے میرے کیلجے میں غنڈک ڈال رکھی ہے۔ ہر وقت کے دوڑنے سے بہتر ہے، تین دن رو کر بیٹھ جاؤں گی۔“ وہ غیظ سے قابو ہو رہی تھی تو شاہ جیلے کئے لیجے میں مخاطب ہوئی تھیں۔

”اتنی ہی آرزو ہے مجھے مرا ہوا دیکھنے کی تو پیدا ہوتے ہی نکال دیا۔ تیس میرا۔ کیوں اتنے سال تک برداشت کیا۔“
 ”کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تو اتنی بدتمیز زبان دراز لکھے گی تو تجھے جہنم دینے سے قتل کوکھ میں ہی مار ڈالتی۔“ انہیوں نے جامہ نماز تہہ کر سائیڈ میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ابھی بھی وقت ہے، گلا گھونٹ دیں میرا، یا زہر دے کر مار دیں۔“ اس کی آنکھوں میں پانی تیزی سے جمع ہو رہا تھا لیکن زبان شیطانی اگل رہی تھی۔

”آخر ہے! اس گندے خاندان کا گندہ خون تیری رگوں میں جس میں اخلاص، صدمت کی ہر شے کے بجائے نیلا ہٹ بھرا زہر گھومتا ہے، وہی زہر ہر رے لفظوں سے نکلتا ہے۔ بڑا حساس باپ کی بڑا حساس و بد نظاں اولاد ہے تو۔ میرے دودھ کی پاکیزہ مناس بھی اس زہر کو نہ مار سکی۔“
 ”خیریت تو ہے نا، بڑی شدید بو آ رہی ہے، کچھ جل کر خاک ہونے کی۔“ حزمہ دروازہ ناک کرتا ہوا مسکین صورت بنا کر گویا ہوا۔
 ”جسبیں کبھی تیز نہیں آتے گی۔ کتنی عورتوں کی طرح لوگوں کی سن گن لیتے پھرا کر۔“ اونٹ کی طرح تھوٹھنی اٹھائے گھس آتے ہو مڑے سے۔“

”اس کے باپ کا گھر ہے۔ جب چاہے آئے جائے تم کون ہوتی ہے اعتراض کرنے والی۔ اپنے باپ کے گھر جاؤ تو اعتراض کرنا سمجھیں۔“ بیٹہ کی طرح اس خیال سے کہ کہیں بھائی سن نہ لیں یا وہ نہ اندھا نہ مان جائے کے ذرے خود ہی چیخ کر بولیں۔ بچپن سے اب تک ان کے ساتھ یہی مسئلہ رہا کہ ان لوگوں کی خوشنودی اور محبت حاصل کرنے کے لیے وہ اسے اسی طرح دہانے کی کوشش کرتی آئی تھیں، بجائے اس کی طرف واری کرنے یا خیال کرنے کے، وہ ایسا ہی بے رحمانہ سلوک کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح رہنے سے ان دونوں کی اہمیت و حیثیت بڑھ جائے گی، وہ کبھی اس سہارے سے بے سہارا نہ ہو پائیں گی۔ لیکن جب وقت الٹی چال چل رہا ہوا اور قسمت بھی

بے انتہائی کی چادر میں ملفوف ہو جائے تو سب کاوشیں، قربانیاں واستقامت وائٹ رائٹ ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے وہ ماسوائے حزنہ کے کسی کو اپنا نہ بتا سکیں اور ساتھ بیٹی سے بھی دور ہو گئی تھیں۔ جس دوری کو وہ ابھی تک نہ سمجھ پائی تھیں، نہ سیٹ پائی تھیں۔ عجیب الجھا، ٹوٹا، دکھرا سا رشتہ ان کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔

”اپنے باپ کے گھر تو میں ابھی چلی جاؤں لیکن آپ کی ناک میرا راستہ روک لیتی ہے۔“ باپ کے حوالے سے دیا گیا ہر طعنہ اسے بھڑکتے الاؤ میں پھینک دیا کرتا تھا اور اس وقت حزنہ کے سامنے وہ بالکل برداشت نہ کر سکی۔ ادھر اس کی بچی وگڑی بات نے نوشاہہ کو غصے سے کھولا دیا تھا۔ وہ اس کو مارنے کے ارادے سے جنونی انداز میں آگے بڑھی تھیں، مگر حزنہ درمیان میں نہ آ جاتا تو وہ اسے پیٹ ڈالتیں۔

”بد زبان، بد تمیز، بد تہذیب کس منہ سے باپ کے گھر جائے گی۔ بے غیرت! اس باپ کی حمایت لیتی ہے جس نے کبھی پلٹ کر یہ نہیں دیکھا کہ تو زندہ ہے یا مر گئی۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے جس نے کبھی خبر نہیں لی۔ لوگ قیہوں، مسکینوں پر بھی عید، بقر عید پر شفقت کا ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ غیر خبر لے لیتے ہیں پر تیرا باپ تجھے قیہوں سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔“ شدید اشتعال کے باعث ان کا سانس بڑی طرح پھولنے لگا تھا۔ وہ ہانپتی ہوئی بیٹھ گئی تھیں۔

”پھوپھو جان! اتنا غصہ کیوں کرتی ہیں۔ وہ بے وقوف ہے۔ آپ کو سمجھ وادی سے کام لینا چاہیے۔“ کرن اٹھ کر باہر محن میں چلی گئی تو حزنہ ان سے مخاطب ہوا۔

”مجھے خود پسند نہیں ہر وقت کی جی جی مگر وہ ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اللہ نے ایک بیٹی دی، وہ ابھی ایسی نامراد و بد بخت کہ سوچتی ہوں اس سے بے اولاد ہوتی تو بھلی تھی۔“ وہ رونے لگی تھیں۔

”خدا وارو نہیں، آپ بھی ہیں پھوپھو۔ اس کو نہ باپ سے شفقت ملی اور نہ آپ نے اسے محبت و وفا۔ میں بچپن سے آپ کا بچی رویہ دیکھتا پر ہاؤں۔ دوسرے لوگوں کی دنیا و تہوں کو تو وہ فراموش کرتی آئی تھی۔ آپ کی بے توجہی نے اسے یہ پیار و پ عطا کیا ہے۔ مسلسل گرتے پانی کی پوند پتھروں میں سوراخ کر ڈالتی ہے پھر وہ تو نرم و نازک حساس دل رکھنے والی لڑکی ہے۔“

”میں اس کی دشمن نہیں ماں ہوں، جو چاہتی ہوں اس کے بھلے کے لیے لیکن وہ یہ سب کہاں سمجھتی ہے۔ اس باپ کی حمایت لیتی ہے جس نے کبھی پلٹ کر یہ جاننے کی کوشش نہیں کی وہ کس حال میں جی رہی ہے۔“

کافی دیر تک پھوپھو کو سمجھا بجا کر وہ کرن کو ڈھونڈتا ہوا اسٹور روم میں آ گیا اور گہری تاریکی ہونے کے باعث کسی چیز سے الجھ کر وحزام سے گرا تھا۔ سرکسی سے زخمی طرح ککرایا تھا۔

”آہ! اندھے ہو گئے ہو کیا؟“ کرن نے غصے سے کہتے ہوئے اٹھ کر بلب آن کرتے ہوئے کہا۔ وہ دائیں ہاتھ سے سر سہلائی جا رہی تھی۔ زرو سیاء امتزاج کے جارحیت کے سوت میں وہ متورم آنکھوں اور سرخ چہرے پر دنیا بھر کی سنجیدگی لیے اسے گھور رہی تھی جو زمین پر پڑے پڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب اٹھ بھی چکو۔ کیا فوت ہو گئے ہو پڑے پڑے۔" وہ چڑ کر بولی۔
 "تمہیں کیا ضرورت تھی اندھیرے میں بیٹھنے کی؟" وہ اٹھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔
 "تمہیں کیا ضرورت تھی، آنکھیں بند کر کے آنے کی۔"
 "ٹھیک کہتی ہیں بچہ کو تم بد تمیز ہو چکی ہو۔" وہ بیٹھتے ہوئے ہلکو دکناس تھا۔

"ہاں، انہیں مجھے میں خامیوں اور برائیوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سب تو اس گھر میں گومتے ہیں، میں ہی فقط زبان رکھتی ہوں یہاں۔"

"اور..... کم آن کرن! تم اعلیٰ تعلیم یافتہ، واقعی سمجھ دار ہونے کے باوجود ایسا ہی بیویز کرتی ہو تو بالکل جاہل اور کنوار لگتی ہو، حالانکہ تمہیں ان کی ذہنی نگاہیں کو، بے چارگی کو بہت اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ وہ شوہر کے سلامت ہونے کے باوجود بیوہ جیسی زندگی گزار رہی ہیں اور پھر رہی سہی کسر سگوں کی بے ہمتائی، غیریت بھرے ردیے و سلوک نے پوری کر دی ہے اور تم نے اپنی بد مزاجی و چڑ سے پین کا فاضل بوجھ ڈال کر انہیں زندگی سے ہی بے باز کر ڈالا ہے۔"

"اگر وہ شوہر کے ہوتے ہوئے بیوہ جیسی زندگی گزار رہی ہیں تو میں بھی باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں کی طرح دن گزار رہی ہوں، پھر وہ مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟ دنیا میں لاکھوں ایسے لوگ ہیں جو ہماری طرح زندگی گزار رہے ہیں لیکن انہوں نے زندگی سزا نہیں، راحت و آسودگی سے گزاری ہے اور گزار رہے ہیں۔ ممانے مجھے کبھی ممتا و اپنائیت کا احساس نہیں دیا۔ ہمیشہ میرا حق دوسروں میں بانٹتی آئی ہیں، جتنی آؤ بھگت، غلامی، چالوسی، خدمت و ذلت انہوں نے اس گھر اور گھر والوں کے دلوں میں جگہ پانے کے لیے بھگتی ہے، اگر سسرال میں کرتیں تو آج ان کے ساتھ میں بھی عزت و سرخروئی سے رہ رہی ہوتی۔"

گھر والوں کا رویاں سے پوشیدہ نہ تھا مگر پھر بھی کرن کے منہ سے سن کر اس کے چہرے پر سرخی چھا گئی تھی، پھر سر جھک کر گویا ہوا۔
 "کر لو جتنا ذلیل کرنا چاہو۔ مجھے سیسا بھی تمہیں کہاں ملے گا جو انہوں کی برائیاں منہ در منہ خاموشی سے بلا ٹکلی کے سن رہا ہو۔"
 "اگر جھوٹ بول رہی ہوں تو سزا کے لیے تیار ہوں۔" وہ صاف گوئی سے گویا ہوئی۔

"بات ساری سچائی کی ہے جہی میں خاموش ہوں لیکن تمہیں بھی خود کو بدلنا ہوگا۔ ہم ہمیشہ دوسروں کے بدلنے کی توقع رکھتے ہیں۔ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔"

"میں نے خود کو حالات کے ساتھ بدلنا سیکھا ہے، جب ہی تو آج زندہ ہوں اور زندگی پانے کی جستجو میں مگن بھی ہوں، ورنہ ممانے مجھے بہت پہلے مار دیا تھا۔"

"پچھو جان سے تمہارے تازہ ترین اختلافات کی وجہ کیا ہوئی ہے؟" اس کا دل تو ہر دم کسی اندر و خیر خواہ کا ستلاشی رہتا تھا۔ حزرہ کو مہربان پا کر اپنی خواہشات بتا دیں۔

”خوابیں ایسے سمندر کی مانند ہیں جن کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا مگر جائز اور برحق خواہشیں اپنی منزل تلاش کر لیتی ہیں، بے غرضی و مردت مبر طلب ہوتی ہے۔“ ہمیشہ کی طرح تنہا نے اسے انتظار، صبر اور کامیابی کی تسلی دینا شروع کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆

”صدا کہاں جا رہے ہو؟“

”کیوں؟“ وہ انگلی پر کی رنگ گھماتا ہوا سوالیہ انداز میں بولا۔

”میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔“ وہ ٹولڈ رینگ لٹکائے تیز قدموں سے اس کے قریب آئی۔

”جنم میں جا رہا ہوں، چلو گی؟“

”چلو نہیں ایک اسٹاپ پیچھا ہمارا آگے بڑھ جاؤں گی۔ جنت دوزخ سے آگے ہے۔“ اس نے بھی اسی محسوسیت سے جواب دیا۔

”جنت! ہو نہ! تم جیسے لوگ تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکتے۔“ پیچھے آتی چھوٹی ممانی کی بیٹی زرقون طنزیہ لہجہ میں بولی۔

”جنت پر بھی کیا تمہارے پیرئس نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے؟“

”دعائیں دو میرے پیرئس کو جن کی بدولت تم ہاں بیٹی اس گھر میں عزت و سکون کی زندگی گزار رہی ہو، ورنہ فقیروں سے بدتر حشر ہوتا تم لوگوں کا اور اس پر مہنون ہونے کے بجائے تم انہیں غاصب بتا رہی ہو۔ تمک حرام ہوا ایک نمبر۔“ جتنی تحقیر زرقون کے لہجہ میں تھی، اس سے کہیں زیادہ آنکھوں میں تھی۔

”یہ سب تمہارے تمک کا ہی اثر ہے، جس طرح تمہارے خون میں کشش نہیں ہے، اسی طرح تمہارے تمک میں بھی تاثير نہیں ہے۔ تمہارا خون اور تمک دونوں ہی منافقت اور بے مروتی سے لبریز ہیں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔“ ایک ایک لفظ اس نے جما جما کر ادا کیا تھا۔ سامنے کلف شدہ کپڑے کی طرح اکڑی کھڑی زرقون اس کے لفظوں اور نہ سکون انداز پرناگن کی طرح ہلکھانے لگی تھی۔

”میرے خون کو اپنے خون کی طرح منہ مت سمجھو تمک حرام، ذلیل باپ کی ذلیل اولاد! ہمارا کھاتی ہوا اور ہم پر ہی غراتی ہو۔“

”میرے باپ کو گالی دی تم نے۔ میں تمہارا منہ تو زردوں گی۔“ باپ کے نام پر وہ ویسے ہی احساس کسری کا شکار ہو جاتی تھی اور اس وقت تو زرقون نے ادب و احترام کی تمام حد دو کر اس کر ڈائی تھیں۔ وہ پھری ہوئی اس کی جانب بڑھی۔ اسی دم ہکا بکا کھڑا صہان کے درمیان ایسا تادہ ہو گیا۔

”یہ..... یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تم دونوں کا۔“ وہ بوکھلایا۔ اسی دم گھر کے لوگ آگئے، جنہوں نے زرقون اور کرن کو وہاں سے ہٹایا۔ بظاہر معاملہ رفع و دفع ہو گیا۔ وہ جو عادلہ کے ہاں جانے کی تیاری کر کے نکلی تھی، صمد کی منتوں کے باوجود نہ گئی تھی، جبکہ زرقون اس وقت اپنی کزن کے ہاں جانے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی اور صمد کو اس سے ہنس نہس کر بات کرنا دیکھ کر وہ جوش رقابت میں جھلا ہو گئی تھی۔ جب ہوش پر جوش غالب آ جائے تو شعور سو جاتا ہے اور دل کی بات زبان پر رواں ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ہوا تھا جس کا اسے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

قلعی افسوس نہ تھا۔ وہاں بیٹی ان کی نگاہوں میں راہ میں پڑے وہ بے جان وہ تو قیر پتھر تھے جن کا کام صرف ٹھوکریں کھا کر بھی وہیں پڑے رہنا تھا، جن کو وہ بہت فراخ دلی و مستقل مزاجی سے ٹھوکر پر ٹھوکر لگاتے رہتے تھے۔

گھر کی دیگر خواتین اس موقع پر موجود نہ تھیں۔ زرتون نے رات واپسی پر ماں کو کرن کے بارے میں خوب بھڑکایا اور بیٹی کی طرح ماں کو بھی اذہ تشویش تھی کہ جڑہ کی طرح صدمہ بھی کرن کی طرف منتقل ہونے لگا ہے جو خطرے کی بات تھی۔ راجیلہ نے دونوں چھوٹی دیوانوں کے صبح خوب کان بھرے۔ جب مرد گھر کے باہر کاموں پر چلے گئے تو انہوں نے حمید ہو کر صلاح مشورے کیے اور کرن کی اسکول آمد سے قبل ہی ننڈ کی طرف آگئی تھیں۔

ایک کمرے اور درمیانے آنگن والا یہ حصہ اب جس قدر بے رونق و دیران نظر آتا تھا، ایک عرصہ قبل تمام رونقوں و مسرتوں کی کہکشاؤں سے بھرتی تھیں۔ جب اس گھر کی بنیاد رکھنے والے حکمران موجود تھے جن کی نگاہوں میں نہ رشتوں کی تقسیم تھی، نہ محبتوں کی تفریق، جن کی سریتیں و چاہتیں سب کے لیے یکساں تھیں۔ ان کی موجودگی میں یہ ایک بڑا اور خوب صورت پوشن تھا جو اب بڑی بھائی راجیلہ کے دل کی طرح تنگ اور چھوٹا ہو گیا تھا۔ جب رشتوں میں فاصلے پڑ جائیں، دل احساسات سے خالی ہو جائیں تو گھر میں بھی جگہ تنگ پڑنے لگتی ہے۔ ساس سر کی یکے بعد دیگرے وفات کے بعد انہوں نے بچوں کا بہانہ بنا کر اس طرف کے تین کمرے اور دروازے کو اپنی طرف لے لے کر ایک کمرہ اور آنگن ان کی طرف چھوڑ کر دیوار بھادی تھی۔

حسب معمول نو شاہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر وظیفے میں مشغول تھیں۔ تینوں بھادجوں کو دیکھ کر ان کا ہاتھ ٹھکا تھا، بھران کے انداز و تیور انہیں کسی گڑبڑ کا احساس دلانے کے لیے کافی تھے۔ دیکھ کر مکمل ہونے سے قبل وہ بول نہیں سکتی تھیں۔ انہوں نے اٹھ کر پلنگ پر موجود چادر کو درست کر کے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اری بنو! چھوڑا ان چیزوں کو۔ اگر دنیا ان چٹوں اور وظیفوں سے کامیاب ہونے لگے تو ہر کوئی ہاتھ میں بیچ پکڑے اور جائے نماز بچھائے نظر آئے گا۔" راجیلہ نے بیٹھے ہی کاٹ دار گفتگو کا آغاز کیا۔

"آج کا دور عمل کا دور ہے۔ جیسا کرو گے، ویسا بھر دے گے، یہ ہم نہیں کہتے ہمارے بزرگ کہہ گئے ہیں۔" منجھلی ممانی نے بھی منظر میں حصہ جتایا۔

"کل کو اچھا کرتیں تو آج کو اچھا پاتیں۔ کیا دیا ہے تمہارے کاموں نے۔ کل بھی تم ہمارے در پر پڑی تھیں اور آج بھی پڑی ہو۔ یہ سب کرنے سے بہتر تھا، اپنی زبان کو سنبھال کر بولیں تو آج یہ دن دیکھنے نہ پڑتے ہم لوگوں کو۔" چھوٹی ممانی دھسانہ بھی پوری تیاری سے میدان میں آئی تھیں۔

"تم خود تو اچھی بیوی بن سکیں نہ اچھی ہو۔ کم از کم بیٹی کو تو اچھی لڑکی بننے کی تربیت دے دیتیں۔ خود تمہاری زندگی جیسے تیسے گزر گئی اور گزر جائے گی لیکن اس بلا کا سوچو۔ اس کا کیا ہوگا جس کے آگے پوری زندگی پڑی ہے، جو بد تمیزی اور ڈھٹائی میں تو سب سے آگے

تھی ہی اب تو ہاتھ بھی چلانے لگی ہے۔"

"آئے ہائے بڑی بھائی! یہ کب کی بات ہے؟" انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"کل شام جب زرتون بڑے بھائی کے ہاں جاری تھیں، بس کرن وہیں ازمنی کہ وہ صدمہ کے ساتھ کیوں جائے گی، حالانکہ زرتون کی عادت تو سب کو معلوم ہے کہ وہ کس قدر مصحوم اور شرمیلی لڑکی ہے۔ بھلا اس دور میں کہاں ہوتی ہیں ایسی بے زبان لڑکیاں۔" حسب عادت انہوں نے اپنی منہوں کی شان میں قصیدہ گوئی شروع کر دی۔

"یہ صدمہ کتنا کڑہ کیوں آیا؟" آسیہ ممانی کے کان کھڑے ہوئے۔

"اس کی وجہ سے تو بنگامہ کھڑا ہوا۔ زرتون جانے کے لیے نکلی تھی۔ صدمہ کی خواہش تھی کہ وہ زرتون کو چھوڑ کر آئے لیکن کرن سے یہ برداشت نہیں ہوا اور اس نے بنگامہ کھڑا کر دیا۔" بڑی ممانی چھوٹی ممانی کے بگڑتے تیور دیکھ کر گریزاں آگئیں۔

"صبح تو تم بتا رہی تھیں کہ تم نے خود صدمہ سے کہا کہ زرتون تباہ جاری ہے تم چھوڑ آؤ اور اب کہہ رہی ہو کہ صدمہ نے ضد پکڑی کہ وہ خود چھوڑ آئے گا۔" غصے میں وہ بھول گئیں کہ صبح یہ پلان بنا تھا کہ ہر بات سن کر یہ اظہار کرنا ہے جیسے وہ لاطم ہیں۔

"بھائی! آپ بھول رہی ہیں صبح ہمارے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔" رخسانا ہنسنے سے ان کے کان کی طرف منہ لے جا کر گویا ہوئی۔

"میں سب سمجھتی ہوں، جو تم کرتا چاہتی ہو لیکن اپنی یادداشت میں یہ بات بھالو۔ اس گھر کی کوئی لڑکی میری بہو بننے کے قابل نہیں ہے۔ تم خواہ کتنے میرے بیٹوں پر ڈورے ڈالنے یا مجھے پٹانے کی کوشش کرو۔ دو ٹوکا وہی جو میں چاہوں گی۔"

"بھائی! عقل کے ناخن لو۔ ہم یہاں اس کا فیصلہ کرنے آئے تھے یا آپس میں لڑنے مرنے۔ یہ ماں بیٹی تو چاہتی یہی ہیں کہ ہم آپس میں لڑ جھگڑا کر الگ ہو جائیں اور یہ پیش کریں۔" ساجیہ کی ہانڈی چوراہے پر پھوٹ گئی تھی لیکن آسیہ بہت چالاک و سادھی ذہن کی مالک تھیں۔ وہ شکار کو کندھ چھری سے ہلاک کر دینے والوں میں سے تھیں۔ ایسے لوگ کبھی معاف نہیں کرتے، سو وہ بھی جیغانی کو مزہ چکھانے کا عہدہ دل میں کر کے بظاہر مصحوم و بے ضرر نظر آنے لگیں۔

"آپ بھی سوچتی سمجھتی نہیں، بس شروع ہو جاتی ہیں۔ بندے کو اتنا خند باتی بھی نہیں ہونا چاہیے۔ راجیلہ پھر ہاتھ نہ مٹھانے لگی تھیں۔" ہو جاتی ہے، عقل خراب ہے۔ ایک پریشانی ہو تو بندہ برداشت کر جائے۔ عام کاروبار کی طرف سے پریشان ہیں۔ مزہ اور صدمہ کی پڑھائی کا آخری سال چل رہا ہے۔ اس دور میں جس طرح ہم گھر چلا رہے ہیں، یہ ہم جانتے ہیں یا ہمارا اللہ۔"

"ہاں بالکل درست کہہ رہی ہیں آپ۔ مہنگائی تو بدھتی ہی جاری ہے۔ گھر کے مرد کس قدر محنت کرتے ہیں۔ اسی منہ تو سنا ہے کہ عام بھائی کو کاروبار میں لاکھوں کا فائدہ ہوا ہے اور اسی خوش میں وہ آپ کے لیے گولڈ کی چوڑیاں بنوا رہے ہیں، ڈائمنڈ جڑوا کر اب کیا کریں اتنی مہنگائی میں بے چارے چوڑیاں ہی خواہ سکتے ہیں۔"

"پھر کیا کریں۔ پیٹ کا کھایا کون دیکھتا ہے۔ تن پرانگی کپڑے اور زیور ہوں تو عزت ملتی ہے، نام ہوتا ہے، پھر ہمارا تو اعلیٰ مقام

ہے سوسائٹی میں۔ دل مار کر یہ سب کرنا پڑتا ہے، ورنہ حالات تو ایسے نہیں ہیں۔ لوگوں کو نظر آتا ہے، لاکھوں کا فائدہ ہوا ہے لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ انسران کو کتنا رانے دینے کے بعد بچتا کیا ہے۔" ان کے درمیان چلنے والی چیخاٹش جاری ہو چکی تھی، جس سے وہ اپنا مشن بھول گئی تھیں۔ نوشابہ تیزی سے اپنا وظیفہ کھل کرنے میں مشغول تھیں۔

"میں نے سنا ہے آصف نے تمہارے نام سے ڈینٹس میں چھ کمروں والا پارٹمنٹ خریدا ہے، ایک کمروں میں۔ اگلے ہفتے تمہاری ویڈیو گالری پر گنٹ کریں گے اور عامر نے کوئی شوروم خریدا ہے۔" انہوں نے بھی ان ہی کے انداز میں معصومیت سے کہا۔

"بھابی! ادھی بات آگئی کہ ہر جگہ ہاتھ چلانا ہوتا ہے۔ اس ہوشربا مہنگائی میں ایک کاروبار سے کہاں گزارا ہوتا ہے پھر نیشنل مہوش کو حالی ہاتھ ڈھخت نہیں کیا جائے گا۔ اس دور میں تو جتنا چیز دو اتنی ہی نیکی کی قدر ہوتی ہے۔"

نوشابہ اپنا وظیفہ کھل کر کے ان کے قریب نہ آئی تھی تو نہ معلوم کب تک ان کی زر، زمین و دولت کی من پسند گفتگو جاری رہتی۔ ان کو قریب دیکھ کر وہ ایک سخت اپنے حواسوں میں لوٹ آئی تھیں۔

"سنبھال کر رکھو اپنی لاڈلی کو۔ زبان تو چٹنی ہی تھی اب ہاتھ بھی چلانے لگی۔ نہ معلوم کیا گل کھلائے گی۔ تمہاری کرنی کو بھگتے کے لیے دم بھائی بھادرج موجود ہیں مگر اس کو کون بھگتے گا؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں بڑی بھابی۔ کرن کے چلن اچھے نہیں ہیں۔ اس گھر میں اور بھی لڑکیاں ہیں جن کی کوئی آواز تک نہیں سنتا۔" "رہنے دیں رخسانہ بھابی! بھینس کے آگے بین بھانے سے کیا فائدہ، جب اسے خود ہی پروا نہیں ہے۔ اس کو چھوٹ تو اس نے خود ہی دے رکھی ہے، ورنہ اس کی ہمت ہو سکتی ہے۔" ان دونوں کی طرح آسیہ کی زبان بھی زہرا گل رہی تھی۔

"اللہ گواہ ہے کہ میں نے کبھی بھی کرن کی کسی بھی معاملے میں حوصلہ افزائی نہیں کی نہ ہی خدائے اس کی مخالف رہی۔ دل بٹھنی اس خیال سے کی کہ کل کو وہ خود کو اس گھر کے لوگوں کے برابر سمجھ کر من مانی نہ کرے۔ حکمرانی کا خیال دل میں نہ لائے۔ یہ سوچ دیہ خوف مجھ پر اس قدر حاوی رہا کہ میں نے اسے وہ مقام وہ محبت بھی نہ دی جو ماں ہونے کے ناتے مجھ پر لاگو ہے۔ جب عورت کی کوکھ آبا ہوتی ہے تو متا کے جگر نے اسی دم سے پہنے لگتے ہیں۔ محبت کی فصل تب ہی سے ہریالی پانے لگتی ہے اور مجھ بد نصیب کو دیکھو کہ اپنی متا کو اپنے ہاتھوں پھل کر میں جس طرح زندہ ہوں، آپ ماں ہونے کے ناتے میری اس تڑپ کو سمجھ سکتی ہیں۔ اگر آپ بھی مجھے قصور دار سمجھتی ہیں تو جو سزا دینا چاہیں، مجھے منظور ہوگی۔" وہ کسی مجرم کی طرح ان کے درمیان بیٹھی تھیں۔

"لو کر لو بات۔ یہاں تو کہانی ہی اتنی چٹنی ہے۔ اتنا کچھ ہونے پر بھی ہمیں ہی سنایا جا رہا ہے کہ ہم قصور دار ہیں۔" راحیلہ تلخ آئینہ لہجے میں غصے سے گویا ہوئیں۔

"یہ نہیں پوچھا جا رہا کہ بات کیا ہوئی ہے اور اپنی ہانکنے لگیں۔"

"پوچھتے ہیں وہ جو لاعلم ہوں۔ میں سب جانتی ہوں۔"

”پھر خود ہی انصاف سے فیصلہ کرو۔ کرن کو ایسا کرنا چاہیے تھا؟“

”آہ! مجھ جیسے لوگ جو اپنی بد نصیبی سے اپنوں کے ہی در پر آپڑے ہوں تو کہاں حق، انصاف و فیصلوں کی استطاعت رکھتے ہیں بلکہ میں آپ لوگوں سے معافی مانگتی ہوں کرن کی طرف سے، اس کی نا وائیدوں و بے وقتیوں کی طرف سے جو نہ معلوم کس دن اپنی اوقات و حیثیت کا تعین کرنے گی۔“ دو ہاتھ جوڑ کر گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں اور وہ تینوں اٹخے کھڑی ہوئیں۔

”تم تو بے مارے کی توبہ کرواتی ہو۔ ہمارا کام تھا تمہارے علم میں یہ سب لانا۔ کل کو دو بار واپسی بات ہوئی تو اس کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے۔“ وہ جس طرح آئی تھیں اسی طرح واپس چلی گئیں اور کرن جو بہت دیر سے کھڑی ان کی اندر سے آتی آوازیں سن رہی تھی، مزید سنوں کی آڑ میں ہو گئی۔ کل ہونے والی بد مزگی سے ابھی تک اس کی طبیعت مکدر تھی اور اب ان سے کوئی بحث کرنے کی حالات وہ خود میں نہ پاتی تھی، سو خاموشی سے سب سنتی رہی تھی اور ان کے جانے کے بعد کمرے میں چلی آئی۔ نو شاہ کمرے میں نہیں تھیں۔

”یہ لو چائے پڑا۔ وہ خمرے میں دو کپ چائے لے آئی تھیں۔“

”میرا دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل کی بھی خوب رہی۔ نہیں بنا کرو تو دل چاہتا ہے۔ اب بیانی ہے تو بول نہیں چاہ رہا۔“ ان کی ناراضگی کے خیال سے دو کپ لے کر آہستہ آہستہ پیئے گئی۔

”نما! اب آپ کو فیصلہ کرنا پڑے گا، کرائے کے گھر میں رہنے کا۔ یہاں زندگی اتنی تنگ کر دی گئی ہے کہ مائیں پر بھی پہرہوں کا گماں ہوتا ہے۔“ اس کے لہجے میں شکستگی تھی۔

”کرائے آسمان سے ہاتھیں کر رہے ہیں، پھر ہم اکیلی کس طرح غیروں کے درمیان رہیں گی۔“

”بکلی اور گیس کے چار چر جس قدر ہم سے وصول کیے جاتے ہیں، اسی رقم میں مزید رقم ملا کر ہم با آسانی کرایہ افورڈ کر سکتے ہیں، پھر تو ہا ایک فرو ہوتا ہے۔ ہم دو ہیں اور دیکھئے گا غیروں کے درمیان ہمیں وہ اپنا حیات و محبت ملے گی جو انہوں میں خدا ہو گئی ہے۔“

”دیکھتی ہوں۔ پہلے بڑے بھائی سے اجازت لیتا ہوگی۔“

”ہم کو ان انجمنوں سے نکلنا ہوگا اور خود فیصلہ کرنا ہوگا۔ تینوں مائیں اپنی بیویوں کی لگا ہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان ہی کی زبان بولتے ہیں۔ ایسے میں ان سے کسی اچھی بات کی توقع رکھنا عبث ہے۔“ کرن چائے کے خالی کپ کچن کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

نو شاہ کے لبوں پر اضمحلال بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کرن اپنی کم عمری کے باعث اتنی گہرائی میں نہیں سوچ سکتی تھی جو سوچیں انہیں آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے تھیں۔

بھائیوں کے احسان تھے جکڑی ہوئی عورت کس طرح اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتی ہے۔ یہ آج نہیں بہت عرصہ قبل سے ان کی بھی خواہش رہی تھی کہ وہ ان سے علیحدہ رہیں، خواہ وہ گناہ کرایہ ادا کرنا پڑے، وہاں انہوں کی وی ہوئی اذیت بھری زندگی نہ ہوگی اور سب سے

بڑی دولت دہنی سکون ہوگا جو ان ماں بیٹی کی زندگیوں سے روٹھ گیا تھا۔

وہ موقع کی تلاش میں رہیں کہ کبھی بھائی تنہا ملیں تو بات کریں۔ شاید وہ ماں جائیں پھر کچھ دن بعد جب سب گھر والے کہیں شادی میں گئے ہوئے تھے۔ بڑے بھائی عاصم انہیں تہمال گئے اور انہوں نے ڈرتے جمکتے ہوئے اپنا مدعا بیان کر ڈالا تھا۔

"کیوں اس گھر میں کیا تکلیف ہے تمہیں۔ پورے گھر پر حکمرانی کرتی ہو۔ ایک عورت کو جو جو گھر گراہتی چلانے میں جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اس سے آزاد ہو۔ آرام و سکون سے رہتے رہتے کیا ہوتا ہے تمہیں، جو کرائے کے گھر کی بات کرتی ہو؟"۔ عاصم بھائی کے لہجے میں سخت ناپسندیدگی و ہزارہی تھی۔

"بھائی جان! تینوں بھائیوں کا رویہ ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔ اب تو بچیاں بھی کسی لحاظ و مروت کی قائل نہیں رہیں۔ میرے ساتھ جو ہوتا آیا میں برداشت کرنے کی عادی ہو گئی ہوں مگر کرن ہٹی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس میں برداشت و تحمل آئے گا۔ چند دن قبل معمولی سی بات پر کتنا ہنگامہ ہوا ہے۔ اسی....."

"معلوم ہے مجھے۔ سب بتایا تھا تمہاری بھابی نے۔ خلیل ذال کر رکھو اسے۔ دو پیسے کیا کمانے لگی ہے، خود کو منتر سمجھنے لگی ہے۔ سمجھاؤ اسے اپنی حد میں رہے، ورنہ اس گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور تم بھی اپنی اجتماعہ حرکتوں کو چھوڑ دو۔ اس مہنگائی کے دور میں تم ہمارے درمیان رو رہی ہو، شکر کرو آئندہ میں ایسی کوئی کبواس نہ سنوں۔"

دل اتنی بار لوثا تھا کہ اب مزید لٹنے کی گنجائش نہ رہی تھی مگر پھر بھی ایک دراڑی تھی جو ان کے دل سے نکل کر روح تک پہنچتی چلی گئی۔ اتنا کٹھور، اتنا سنگ دل، اتنا بدا حساس ان کا ماں جا یہ تھا۔ ان کا اپنا خون، اپنا سگا بھائی، بھائی جو بہنوں کے تحنہ و خوشیوں کی خاطر جانیں لانے کا عزم رکھتے ہیں، پھر یہ کیسے بھائی تھے جن کی خود غرضی و بے مروتی کی انتہا نہ تھی۔

☆.....☆.....☆

عادلہ کی بہن فری کی برتھ ڈی تھی۔

وہ چھٹی کے بعد اس کے گھر چلی آئی تھی۔ فری کے لیے گنٹ اس نے نکل ہی خرید لیا تھا۔ گولڈن ٹکڑ کی خوب صورت رسٹ وائچ تھی جو فری کی نازک سی کلائی پر فٹ رہی تھی۔ وہ یہ تحفہ پا کر بہت خوش تھی اور بار بار کرن کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

عادلہ کی امی نے شام کی چائے کے ساتھ چھوٹے، وہی بڑوں اور پاپڑوں کا اہتمام کیا تھا اور رات کو آلو کی طاہری تیار کی تھی۔ کرن کے علاوہ کوئی اور مدعو نہ تھا اور حسب عادت کرن ان لوگوں کے ساتھ بہت خوش تھی۔ اسے یہاں بھرپور پنڈیریائی ملتی تھی۔ ہر کوئی محبت و احترام سے پیش آتا کہ اسے اپنے ہونے کا احساس ہونے لگتا۔ گھر کی کھٹی کھٹی فضا میں ہر دم ہزار و چڑھڑی نظر آنے والی کرن ان کے درمیان سچ مچ مچکتی گئی۔ اس کا یہ ہنسا، مسکراتا روپ اسے از حد جاذبیت و دل کشی بخشتا تھا۔

رات عشاء کی نماز کے بعد نو شاہ نے حمزہ کو اسے عادلہ کے ہاں سے لینے بھیج دیا تھا۔ وہ اس کے ہمراہ چلی آئی تھی۔

”بہت خوش نظر آ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟“ ڈرائیونگ کرتے ہوئے حمزہ نے اس کی جانب دیکھا۔ لائٹ پر ہل لکھرائیڈری والے سوٹ میں سادہ چہرے کے باوجود وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دھبی مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر اجالا نکھیر دیا تھا۔

”عادہ کے گھر آکر واقعی مجھے خوشی ہوتی ہے۔ ٹوٹے فرش اور جھڑتی دیواروں والے اس چھوٹے سے گھر میں خوشیوں کے خزانے بکھرے ہوتے ہیں، جو وہاں جاتا ہے، مالا مال ہو جاتا ہے۔ ان چھوٹے گھروں میں رہنے والے لوگوں کے دل بڑے گھروں میں رہنے والوں کی طرح تنگ اور چھوٹے نہیں ہیں۔ بہت وسعت و کشادگی ہے ان کے دلوں میں۔“

”مائی گاڈ! تم نے پھر طرز کے تیر برسانے شروع کر دیے۔ کبھی تو بخش دیا کرو۔“

”آئیہ ممانی کو معلوم ہے کہ تم مجھے پک کرنے آئے ہو؟“

”نہیں، مجھے پھو جان نے کہا اور میں آ گیا۔“

”ممانی کو معلوم ہو گیا تو پھر ایک نیا ہنگامہ شروع ہو جائے گا اور میں اب کسی بھی قسم کے ہنگامے سے بچتا چاہتی ہوں۔“ اس کے لہجے میں فی اتر آئی تھی۔

”اوکے! مجھے اپنے دوست کے پاس جانا ہے، کبائٹ اسٹڈی کے لیے۔ میں وچن سے صبح یونیورسٹی نکل جاؤں گا۔ وہاں ہی شام تک ہوگی۔ میں تمہیں ایک اسٹریٹ پہلے اتار دوں گا۔ آرام سے چلی جانا۔ نہ کوئی دیکھے گا، نہ ٹریفک ہوگی۔“ عطا دروی دانیار پیشہ حمزہ کی فطرت ہی اتنی ٹیک تھی کہ وہ لبوں پر آیا پکڑ پکڑاتا جملہ بند کر گئی۔

انسان جب حالات کی نامہرمانیوں کے زیر سایہ چل رہا ہو تو ہر نئی بات بگڑ جاتی ہے۔ تمام تدبیر الٹ جاتی ہے۔ حمزہ اسے گھر سے کچھ فاصلے پر اتار کر چلا گیا تھا۔ اوپر میز پر کمرے سے عام ماسوں کا روکوندہ پچھان کے مگر کار سے اتر کر آنے والی لڑکی کو وہ اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ کوشی کے گیٹ میں داخل نہ ہو گئی، پھر وہ طوفانِ بلا خیز کی طرح نیچے آئے تھے۔

”خبردار! اپنے نجس قدموں سے اس دلہیز کو ناپاک مت کرنا۔“ وہ اس طرح گرج دار لہجے میں گویا ہوئے کہ وہ ٹھک کر وہیں رک گئی اور ان کی بلند آواز سن کر گھر کے تمام لوگ بھی وہاں آ گئے تھے جن میں نوشابہ بھی شامل تھیں۔

”اس سے قبل میں تمہاری آواز اور دوش کے متعلق سناتا تھا اور یقین نہیں کر پاتا تھا مگر آج تمہاری آواز کی وہ بد چلتی میں نے خود دیکھی ہے۔ کون تھا وہ، جو تمہیں چوروں کی طرح گھر سے دور اتار کر گیا ہے۔ ایسی حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو کسی کا سامنا کرنے کی بہت نہیں رکھتے، جنہیں کسی کا ڈر ہوتا ہے۔“

”بھائی صاحب! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ وہ کوئی غیر نہیں.....“

”تم خاموش رہو۔“ غیض و غضب میں وہ اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ انہوں نے زوردار تھپڑ نوشابہ کے چہرے پر مار دے ہوئے بات قطع کی۔

”یہ سب تمہاری ہی ڈھیل ہے جو اسے ہماری ناک، ہماری عزت مٹی میں ملاتے ہوئے رتی بھر خیال نہ آیا۔“

”وکیہ لی اپنی آنکھوں سے حقیقت! اب یقین آ گیا ہوگا۔ بات اب برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ یہ جوان بچوں کا گھر ہے۔ اس کی صحبت میں لڑکے بگڑ گئے تو کبھی نہ سدھر پائیں گے اور لڑکیاں تمام عمر گھر میں بیٹھی رہ جائیں گی۔ کوئی نہیں پوچھے گا، جس گھر میں ایسی لڑکی ہو، اس گھر میں شریف اور اچھے لوگ نہیں آتے۔ بس اب فیصلہ ہو کر رہے گا۔ یا تو یہ اس گھر میں رہیں گی یا ہم۔“ بڑی مہمانی کی آج دلی مراد برآئی تھی، سوانہوں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا تہیہ کیا۔

”بھابی اہم کیوں اپنا گھر چھوڑیں۔ جانتا تو ان قتلوں کو ہوگا“۔ آسیہ کرن کونا گواریت سے دیکھتی ہوئی راجینہ سے گویا ہوئیں۔

”نہیں آسیہ بھابی! راجیلہ بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں، اگر یہ یہاں رہیں تو ہم نہیں رہیں گے۔“ وہ سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ان کے لہجوں میں کڑواہٹ، آنکھوں سے نفرت چمٹک رہی تھی۔ نوشابہ بھائی کے طرز عمل اور تھپڑ سے کم کم کھڑی نہیں۔ زفی تو وہ بچپلے بیس سالوں سے لہہ لہہ ہوتی رہی تھیں لیکن اس وقت، جینی پر نازینہ بہتان اور بھائی کے نفرت انگیز سلوک نے ایسا کاری زخم لگایا کہ وہ مفلوج کھڑی رہی مٹی تھیں۔

”یہاں کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ اس گندگی کی پوٹ کو نلے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہماری زندگی سے نکل جاؤ۔ آج سے تم ہمارے لیے مرنے لیں اور ہم تمہارے لیے۔“ بڑے ناموں کی آواز مسکت، وصاحت کھڑی کرن کو حواسوں میں لے آئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر بھائی کے آگے گڑ گڑاتی ہوئی ماں کو تھام کر بولی۔

”مما! اتنا کچھ سننے کے بعد بھی آپ اس جگہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں۔ آپ کے رو برو آپ کی بیٹی پر بد چلتی و آوارگی کے الزامات لگائے گئے ہیں پھر بھی آپ ان کے پاؤں پکڑ کر رحم کی التجا کر رہی ہیں۔ تعجب ہے عمامہ از حد ملال۔ اب تو آنکھیں کھولیں، پہچاننے مجھے، میں آپ کی بیٹی ہوں۔ وہ بد نصیب بیٹی جو باپ سے تو دور رہی مگر ماں کے قریب رہ کر بھی ماں کا قریب نہ پاسکی۔ ان خوبی رشتوں کی خاطر آپ نے اپنے خون کی پروا نہ کی تھی۔ آج دیکھ لیں کیا اچھا دینی انجام ملا ہے، آپ کی چاکری کا۔“

”زبان بند کر ڈیل لڑکی! اس سے قتل کہ اس کے ناپاک خون سے میرے ہاتھ رنگ جائیں، دفع ہو جاؤ یہاں سے اور کبھی پلٹ کر یہاں کا رخ نہ کرنا۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا۔“ ان کے لہجے میں سختی و قطعیت تھی۔ لفظ جیسے قوت گویائی سے خروم ہو گئے تھے۔ دھشت و خاموشی بین کرنے لگی تھی۔ عام اندر چلے گئے تھے۔ وہ سب وہیں تھے۔ خاموش لب اور چنگھاڑتی ہوئی آنکھیں ان ماں بیٹی پر مرکوز کیے ہوئے گویا اور تنگ دے رہی ہوں کہ رشتہ نہ تا سب ٹوٹ گیا، اب یہاں کچھ نہیں ہے۔ دل کے درد اذے تو مدتوں قبل مقتل ہو چکے تھے۔ آج گھر کے درد اذے بھی بند کیے جاتے ہیں۔

بعض اوقات ایک فیصلے کے لیے سالوں گزر جاتے ہیں اور فیصلہ نہیں ہو پاتا اور کبھی فیصلے کے لیے ایک ہل، ایک ساعت، ایک لمحہ کافی ہوتا ہے اور یہ لمحہ نوشابہ کی زندگی میں ور آیا تھا۔ انہوں نے مضبوطی سے کرن کا ہاتھ پکڑا تھا اور ایک الوداعی نگاہ اس گھر پر ڈالی تھی

جہاں انہوں نے شاوی سے نقل حسین و حکمرانی سے بھرپور دن گزارے تھے، پھر وہی جنت و دوزخ بن گئی۔ ان کا اقتدار جہنم کی اسیری کی زندگی بھی اسی گھر میں ملی تھی۔ وہ یاد کرتا بھی چاہتی تو تکلیف و وبا تیں انہی یادوں پر حاوی ہو جاتی تھیں۔ کانچ کا برتن ٹوٹ جائے تو افسوس ہوتا ہے۔ خون کا رشتہ ٹوٹنے پر لال تک نہ تھا۔ ہمایوں، بھتیجیوں کے سرود بیگانہ رویوں نے انہیں اتنا گھماں کیا کہ وہ کرن کا ہاتھ پکڑے پکڑے لڑکھڑاتے قدموں سے گیٹ عبور کر گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"قادر کا اسیک! اپنا موڈ تو درست کرو۔"

"جہیں میرے موڈ سے کیا لینا ہے، جو تم نے چاہا وہ میں نے کیا۔ اب کیا پرالیم ہے؟"

"غبارے کی طرح منہ پھلا کر پارٹی میں جاتے ہوئے اچھے لگو گے؟"

"آئی ڈونٹ کیئر۔" لا پرواہی و بے زاری اس کے چہرے پر وجہہ نقوش سے ظاہر تھی۔

"ہاں، بھئی جہیں کیئر ہونے بھی کیوں تھی۔ بہت ہیں تمہاری پروا کرنے والیاں۔ تمہارے رُخ روشن، وجود تازہ کی اسیر۔" اس کے انداز میں قدرے شوخی و معنی خیزی تھی۔

"تمہاری اس بکواس سے مجھے المیہ ہونے لگی ہے۔" اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ٹرن لیا تھا۔ یہ ایک لمحہ غفلت کا، اس کے لیے بھاری ثابت ہوا۔ سڑک کر اس کرتی ہوئی دو خواتین اس کی کار سے ٹکرائی تھیں۔

"اوو شٹ!" وہ دونوں برق رفتاری سے کار سے نکل کر ان کی طرف بڑھے تھے جہاں نوجوان لڑکی اٹھ گئی جبکہ دوسری عمر رسیدہ خاتون کا سر پونٹ سے ٹکرانے باعث زخمی ہو گیا تھا اور اس میں سے خون نکل رہا تھا۔ خون دیکھ کر لڑکی بڑا حوی و خوف سے چیخنے پلانے لگی تھی۔ ان دونوں نے اسے سمجھا بھا کر خاموش کرایا تھا۔ کچھ وہ بھی خون دیکھ کر پریشان تھی۔ انہیں حسرت ملامت کرتی، ان کے ہمارا ہسپتال چلی آئی تھی جہاں اسے مرنے کے باعث معمولی خراشوں کے باعث ٹریینٹ دے کر فارغ کر دیا گیا تھا، البتہ دوسری خاتون کی حالت سیریس تھی۔ ان کا خون بھی خاصا بہہ چکا تھا اور بی پی لیول بھی اڑھاد بڑھا ہوا تھا۔ وہ بے ہوش تھیں۔ شعبہ نگہداشت میں انہیں ایڈمٹ کر دیا گیا تھا۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ہم پارٹی میں نہیں پہنچ سکیں گے اور وہی ہوا اور ہوتا بھی کیوں نہیں، جب تمہارا تقویر اسوجتا ہے تو کچھ نہ کچھ پراپٹو کری ایٹ ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اب قادر یہ کو کیا جواب دوں گا۔ کس طرح اس کی ناراضگی دور کروں گا۔" سعد اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ دونوں ہسپتال کے لان میں موجود تھے۔

"یہ تمہارا ایڈک ہے۔ ویسے بھی وہ محترمہ اس قدر روٹتی ہیں کہ تم کو اب تک مٹانے اور ناراضگی دور کرنے کے ہزاروں طریقے ازیر ہو جانے چاہئیں۔" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

"ہاں جیسے تمہاری محترمہ تو روٹنا جانتی ہی نہیں ہوں گی۔"

”مجھے تمہاری طرح غمخیز برداشت کرنے کی عادت نہیں ہے اور نہ ہوگی۔“

”یہ دعوے قبل از وقت ہیں میری جان! شادی کے بعد پوچھوں گا۔“

”ڈیم اسٹ! اندر چل کر دیکھو۔ ان خاتون کو ہوش آیا یا نہیں۔ ہم کب تک یہاں رہ سکتے ہیں۔ گھر پر گرینی کی نرس ڈیوٹی ناٹمنگ سے

ایک پل فالتو نہیں نکلتی۔ اس کی ناٹمنگ ختم ہونے دہلی ہے۔ مجھے لگتا ہے یہاں سے۔“ انس نے رستہ واضح دیکھتے ہوئے غمخیز مندی سے کہا۔

”چار جز بنز کی مناسبت تم نے کر دی ہے۔ چلو چل کر معلوم کرتے ہیں۔ ان کے کسی فیملی ممبر سے کنٹیکٹ کر کے صورت حال بتا دیتے

ہیں، پھر نرم آزاد ہیں۔“ وہ دونوں اس ٹرکی کے پاس پہنچے آئے جو آئی سی سی سے اسٹیجڈ کارڈز دور میں رکھے صوفے پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

”ارے آپ رو کیوں رہی ہیں۔ پلیز خاموش ہو جائیں۔ آپ کی مدد کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں، وہ

کچھ دیر بعد ہوش میں آجائیں گی۔ آپ کہاں رہتی ہیں۔ کنٹیکٹ نمبر دیں، آپ کے گھر والے آجائیں تو آپ کو قتل ہو جائے گی۔“ سعد

موبائل ہاتھ میں لے کر اس سے مخاطب ہوا مگر وہ ہنوز خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

”آپ اپنے گھر کا فون نمبر یا موبائل نمبر دیں۔ ہم انہیں انفارم کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہمارا کوئی گھر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رشتہ دار ہے۔“ لڑکی کے ہچکے چپکے لہجے میں ایسی آرزو کی وجہ چارگی کی تڑپ تھی کہ سعد جیسا

نرم خوں شدیدہ سا اثر ہوا تھا جبکہ انس نے چپکے کر کڑی تنہیدی لگا وہ اس کے جھٹکے چہرے پر ڈالی تھی۔

”سنسن کوئی نہیں ہے آپ کا؟“ سعد کے لہجے میں جتنی ہمدردی و ترس تھا، انس کے چہرے پر اتنی ہی کوفت و ناپسندیدگی تھی۔

”نہیں کوئی نہیں، کوئی بھی نہیں۔“ وہ شدتوں سے رو پڑتی تھی۔

”پھر آپ زمین سے برآمد ہوئی ہیں یا آسمان سے نازل ہوئی ہیں؟“ اس کے سر و خشک اور مضحکہ اڑاتے سوال نے اسے جھنجھوڑ

ڈالا تھا۔

”بلی ہو یو ر سیلٹ یا ر! کیا کر رہے ہو۔ وہ اتنی ڈبکی ہے۔ تم کس طرح بات کر رہے ہو؟“ سعد اس کا حزانہ جانتے ہوئے اس کو

بازو سے پکڑ کر دوڑا کر گویا ہوا۔

”عقل استعمال کرو۔ جب ان کا گھر اور رشتے دار نہیں ہیں تو وہ کہاں اور کس طرح رہیں۔ یہ اسٹوری بہت پرانی ہے۔ ان بے

سہارا اور بے گھر خواتین کو اب سب کچھ چاہیے ہوگا۔ آج سہارا اور گھر کل دو آپ کی تمام حق حلال کی کمائی لوٹ کر ایسی غائب ہوں گی کہ تم

سوچتے رہ جاؤ گے کہ انہیں زمین نکل گئی یا آسمان ہزپ کر گیا۔“

”وہ ایسی نہیں ہیں یا ر! شکل سے ہی شریف و مظلوم نظر آ رہی ہیں۔“

”سب اداکاری ہے، ڈرامہ ہے۔ مجھے لگتا ہے کار سے بھی جان بوجھ کر کھرائی ہیں۔“

”ایکسکیوز می مسٹر! آپ اپنی بکواس بند کریں۔ ضروری نہیں ہر کوئی آپ کی گھنیا سوچ کا ٹکس ہو۔ جو آپ سمجھتے ہیں، وہی ہو۔“ وہ

ان سے کچھ قافلے پر پہنچی اس وجہ سے صورت والے بددماغ و معرور شخص کی بلند گفتگو با آسانی سن رہی تھی۔ اس سے اس کی فضول گفتگو برداشت نہ ہو سکی تو آنکھ کر دیں چلی آئی۔

”اچھی دے! مجھے چپ آ کر گونیس سے چ ہے اور میں کسی لینڈی کے منہ لگتا پسند نہیں کرتا۔ میں جا رہا ہوں۔ مگرینی کی نرس جانچی ہوگی۔ تمہارا دل جب اس سوشل ورکنگ سے بھر جائے تو آ جانا۔ اوکے ہائے!“ وہ جھک آ میز لچے میں کہتا ہوں وہاں سے چلا گیا۔ سعد نے اس سے انس کے روپے کی معافی مانگی تھی۔ وہ اس سے کیا کہتی کہ ننان کے سر پر جھٹ رہی تھی، نہ قدموں کے نیچے زمین، وہ ماں بیٹی وہاں سے نکل آئی تھیں اور نہ نکلتیں تو دیکھئے مار کر نکالی جاتی تھیں کہ غلاموں کو کھلی اجازت مل چکی تھی۔ وہاں سے نکل کر اس نے سوچا تھا کہ جب تک کرائے کا گھر کا انتظام نہیں ہو جاتا تب تک وہ عادلہ کے ہاں رہ لیں گی۔ اسے یقین تھا کہ وہ فراخ دلی سے انہیں رہنے کی جگہ دیں گی لیکن جب تقدیر مذاق کرنے پر کمر بستہ ہو تو ہر تدبیر بدل جاتی ہے۔ وہاں دروازے پر پڑا ہوا بڑا سا کالا خود کو منہ چڑا تا محسوس ہوا۔ نکلنے والوں سے معلوم ہوا کہ عادلہ کے ماموں کی ڈیوٹی کی خبر سن کر وہ لوگ کچھ دیر قبل پہاؤ پر روانہ ہوئے ہیں۔ یہ پہلا و آخری ٹھکانہ ملنے سے قبل ہی گم ہو گیا تھا۔

رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا بنیے گھر، بے درجہ جھٹ رہی تھیں۔ زندگی اس وقت ایسا بوجھ بن گئی تھی جس سے چھٹکارا پانے کے لیے موت اُنہیں بڑے سکون حل نظر آنے لگی تھی۔ وہی طور پر وہ اتنی ناؤف ہو گئی تھیں کہ انہیں محسوس نہ ہوا کہ وہ سڑک کے درمیان چل رہی ہیں اور اسی دم وہ سامنے سے آتی ہوئی کار سے ٹکرائی تھیں۔ لوشاپہ آگے ہونے کے باعث گھاسل ہوئی تھیں۔ ان کی ذہنی حالت پہلے ہی ناگلتہ بہ تھی۔ مزید خرابی ایکسیڈنٹ نے کر دی تھی۔

سعد کے غلوں کی تاثیر تھی یا وہ خود ہی وہی خلفشار دور بدری کے خوف میں جکڑ کر اس پر اعتماد کر چکی تھی۔ کم و بیش تمام صورت حال اسے بتا رہی تھی۔

سعد کو گویا اس دور کی بے ثباتی و بے حسی چھو کر نہ مٹوری تھی۔ وہ سچ سچ ان کی ڈھال بن گیا۔ لوشاپہ کو چند گھنٹے بعد ہوش آ گیا تھا۔ ان کا پی پی نارل تھا۔ ڈاکٹر نے احتیاطاً انہیں دو دن ایڈمٹ کرنے کی تجویز کی تھی۔ سعد نے پرائیویٹ روم انہیں لے دیا تھا۔

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ تقدیر ان پر اس طرح بھی مہربان ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ٹھکرائے ہوئے کو فیر اس طرح اپنائیت و تحفظ دے سکتا ہے جس سے خون کا رشتہ تو درکنار جان کاری کا رشتہ بھی نہ تھا، جو چند گھنٹوں میں سگوں سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔

”بیٹی! سب سے بڑا رشتہ انسانیت کا ہوتا ہے، جب رب مہربان ہو جائے تو پتھروں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس کی قدرت ایسی ہی انوکھی و زبردست ہے۔“ سعد کے جانے کے بعد اپنے محسوسات اس نے ماں سے شیئر کیے تو وہ آہستہ سے بولیں۔

”اللہ اپنے بندے کو اس کے حوصلے سے زیادہ نہیں آزماتا۔ جہاں اس نے دیکھا، ہمارے حوصلے پست ہو رہے ہیں، برداشت کھوکھلی ہو کر زمین بوس ہو چکی ہے، وہیں اس نے انسان کے روپ میں فرشتہ بھیج دیا۔“

”مما! آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ بڑی چاچا سے اس نے ماں کا ہاتھ جو متے ہوئے محبت

سے کہا اور نو شاہ نے بھی پہلی بار متا بھرے انداز میں اس کی پیشانی چومی تھی۔

ازحد طمانیت و مسرت کا احساس اس کی رگ و پے میں دوڑتا ہوا اس کی روح تک کو شامت کر گیا تھا۔ وہ بے اختیار ان کے کھلے بازوؤں میں سما کر رونے لگی۔ سالوں کی دلوں پر جمی کسیدگی و غبار آنکھوں سے گرتے پاک و شفاف موتیوں سے دخل کر صاف ہو گیا تھا۔

"آج سے قبل مجھے آپ کے ہونے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں خود کو تنہا، کمزور، بے سہارا سمجھتی تھی لیکن اب مجھے متا کا خزانہ مل گیا ہے۔ اب میں کسی سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔"

☆.....☆.....☆

"چھو نے صاحب! نرس ملازمت چھوڑ کر چلی گئی ہے اور کبہ گئی ہے کہ اگر اسے چار گنا زیادہ رقم ملے تب بھی وہ یہ جاب نہیں کرے گی۔" اس کے لیے پریشان کن خبر موجود تھی۔ وہ چند ٹاپے کھڑا کچھ سوچتا رہا، پھر گرینی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ان کے بیلڈروم کی کمر کیوں کے شیشوں سے ابھرنے والی ٹائمٹ بلب کی روشنی نے اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"گڈ مارننگ گرینی!" وہ فریش ہو کر سیدھا ان کے کمرے میں پہنچا تھا۔

"ہیوں، گڈ مارننگ! آج صبح ہی صبح کھل دکھا رہے ہو۔ یقیناً یہ سب اس پڑیل صورت نرس کے دفع ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی، وہ محسوس جب تک یہاں منڈلاتی رہے گی، ہر خوشی، ہر سکھ مجھ سے دور ہی رہے گا۔" جواباً انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے ہشاش بشاش لہجے میں کہا۔ انس نے دائیں بائیں نیکیے اور کھنکھار کر انہیں بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ اس دوران ملازمہ مٹھنے کی ٹرائی رکھ گئی تھی۔ دو ٹیپکین پھیلا کر انہیں ناشتا کرانے لگا۔ بہت سعادت مند بیٹی کی طرح انہوں نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے ناشتا کیا اور میڈیسن لی تھیں۔

"گرینی! ایسا کب تک چلتا رہے گا۔ آپ جانتی ہیں کتنی وقت سے گورنرس ملی تھی اور فل ڈے ڈیوٹی دے رہی تھی۔ آپ نے اسے بھی بھگادیا اور وہ دوبارہ آنے پر بھی راضی نہیں ہے اس طرح....."

"ارے وہ اب آئے تو کسی۔ مسٹڈی کی باتیں تو ذکر کئے میں نہ لگا دوں۔ حرام خور کو کب سے برداشت کر رہی تھی۔ ارے میرے گھر میں آکر مجھ پر ہی حکمرانی کرنا چاہ رہی تھی۔" انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"آپ کی کسی سے نہیں بنتی۔ کوئی زیادہ کھانے والی ہوتی ہے تو کوئی از حد سونے والی۔ کوئی گونگی ہوتی ہے تو کوئی خاموش رہتا نہیں جانتی۔ بتائیں اب ایسی ہستی میں کہاں ڈھونڈوں جو آپ کے آئیڈیل کے مطابق ہو۔" اس کا لہجہ دھیمہ اور احترام سے بڑھا تھا۔ کچھ کچھ شکایتی ہونے کے ساتھ ہلکے بھی تھا۔

"بہولے آ میرے لیے۔ بس سارے دلدردور ہو جائیں گے۔"

"چند دن بعد اس کا ہاتھ بھی پکڑ کر آپ نے لال دیا تو میں کیا کروں گا۔ چار سے زیادہ کی اجازت ہمارے مذہب میں نہیں

ہے۔" وہ شوٹی سے گویا ہوا تو وہ بھی بے اختیار ہنس پڑی تھیں۔

"نہیں میرے بچے! وہ تیری ہیوی ہوگی۔ میری بہو، اس گھر کی ملکہ، تیرے حوالے سے وہ میری عزت کرے گی، مجھے چاہیے گی۔ یہ پیسے کی خاطر کام کرنے والی عورتیں صرف پیسے سے پیار کرتی ہیں۔ ان کے کام میں وہ خلوص، انداز میں وہ اپنائیت ناپید ہوتی ہے جو اپنوں کے قرب سے ملا کرتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم باپ بیٹے ان عورتوں کو زیادہ سے زیادہ پیسہ اس لیے دیتے ہو کہ وہ میرا خیال رکھیں گی، میری خوشیوں کے لیے جتن کریں گی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ انہوں جیسا کوئی نہیں ہوتا ہے۔" ان کے چہرے پر آرزو کی پھیل گئی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں گریانی ابھر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں۔ ہمیں اپنی ضرورتوں کے تحت مجبور یوں کی خاطر کپڑا مارتے کرتے پڑتا ہے۔"

"اچھا جاؤ، دیر ہو رہی ہے۔ تمہاری شاہ کی فلائٹ ہے۔ شمو سے کہہ کر میں نے پیکنگ کروادی تھی۔ دیکھ لو جا کر ایک وقفہ کوئی چیز تو نہیں رہ گئی۔" اپنی طرف سے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے انہیں بروقت یاد آیا۔

"آپ کو اس طرح چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ میں پاپا کو منع کر دیتا ہوں۔"

"ارے میری فکر مت کر، تو چلا جائے گا تو تیرا باپ آ جائے گا، میری نگرانی کے لیے۔ یہاں انسر پر انسر لگا ہے، تو فکر مت کر۔ ہاں وہ بدبو سے ڈھیر شمو سے کہہ دیتا کہ جب بھی میرے پاس آئے تو نہا کر، کپڑے بدل کر اور کوئی خوشبو لگا کر آئے، ورنہ کمرے میں قدم نہ رکھنے دوں گی۔ کم بخت مادی کے پیسے میں ایسی بو ہے کہ دماغ چٹختے لگتا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے شمو کے لیے بھی ایک ملازمہ رکھنی ہوگی۔"

"لو بھلا وہ کیوں؟" ان کی حیرانگی قابل دید تھی۔

"آپ نہیں سمجھیں گی۔ وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

ایئر پورٹ پر سدا سے سی آف کرنے آیا تھا۔ فلائٹ کسی فنی خرابی کے باعث ایک گھنٹہ لیٹ تھی۔ وہ دونوں ریسنورٹ میں آگئے تھے۔ سینڈ ویج اور کافی پینے کے دوران سدا سے کرن اور نو شاہ کی کہانی سنا تا رہا۔ انس کچھ کہہ نہیں رہا تھا مگر اس کے لبوں پر وحشی مسکراہٹ با آسانی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سدا پر ہنس رہا ہے۔

"بلیوی یا رارنگلی وہ بہت مجبور و مظلوم ہیں۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے ہمارے لوگوں کو، وہ بیٹیوں کو، احساسات کو، تنزلی دے جسے کے عروج پر ہی پہنچا ہوا ہے، آج کا انسان۔ خود غرضی، مادہ پرستی، بے احتیائی دے ٹہلی کی کڑواہٹ نے محبت کی مٹاس، مروت کی چاشنی و خلوص بھرے احساسات کو زہر آلود کر ڈالا ہے۔ نفسا نفسی نے بے سکونی و بدگمانی کو جنم دیا ہے۔" سدا اس کے احساسات کو جانتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ٹو ٹیک ٹرسٹ کھول لے" سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کے نام سے۔ رنگلی ایک ویک اینڈ کے اندر اندر ایسی مظلوم عورتوں کی قطاریں ہوں گی اور تم سب کی اسٹوریز سن کر ان کے ساتھ آنسو بہاتے رہنا۔"

"فارما ڈسک! تمہیں سمجھانا تو بھیجیں گے آگے بین بجانے کے مترادف ہے۔"

"اور تمہیں سمجھانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کسی ڈانچرس پریکٹیکل کے بعد ہی تم سوشل ورکنگ سے تائب ہو گے۔ نل اور وقت نہیں۔" کافی پیچھے دوئے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ سعد نے جواباً کچھ کہنے کے لیے لب دا کئے تھے مگر پھر اس کی طرف دیکھ کر حکمرانہ انداز میں بدلا۔

"کوئی پرالیم ہے؟ کیا وہ نرس ہائے ہائے کہہ گئی؟"

"ہاں۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔

"گرینی کو اس سے کیا شکایت ہوئی؟" سعد نے کافی کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ سوتے میں خراٹے بہت لیتی تھی۔"

"بابا بابا۔۔۔۔۔ یہ گرینی بھی درست جو کس کرتی ہیں۔" وہ بے ساختہ نرس پڑا تھا۔

پینا کل کی فلائٹ سے یہاں پہنچ جائیں گے۔ دیگر گرینی کے معاملے میں کتنے کنفٹس ہیں، تم غریب جانتے ہو پھر چند دنوں بعد ہماری مصروفیات مزید بڑھ جائیں گی اور تب تک نئی گورنرس کا انتظام نہیں ہوا تو پراپلر بڑھ جائیں گی۔ ان چند دنوں میں تمہیں نئی اور بہترین گورنرس کا انتظام کرنا ہے۔ گرینی کی چوائس تو تم جانتے ہی ہو۔" اس نے وہی فرمائش کی جس کا اسے خوف تھا۔

"گرینی کے لیے گورنرس انہ بابا۔۔۔۔۔ کوئی کستافی گورنرس سے ہوگی اور گرینی کا جو تا میرے سر پر ایسا پڑے گا کہ آنے والی سلیس سبھی پیدا ہوں گی۔" سعد نے فوراً ہی کان پکڑتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"پلیز میری پراپلر کو سمجھو۔ میں بہت جلدی واپس آ جاؤں گا۔ دراصل پراپلر نرس اب سبیں سیٹل کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے کئی کام کرنے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم میری پراپلر مل کر دو گے۔" سیاہ قمری عین سوٹ میں اس کی پرسنائی نمایاں تھی۔

"لو کے مگر اس شرط پر کہ گرینی کو معلوم نہ ہو کہ میں نے وہ مشکل کام کیا ہے، ورنہ صبح و شام جو کلاس۔۔۔۔۔ لگے گی وہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"او کے! ایسا ہی ہوگا۔ مجھے اجازت دو۔ انا ونسٹ ہو رہی ہے۔ فلائٹ ریڈی ہے۔" بڑی گرم جوشی سے وہ ایک دوسرے سے

گلے ملے تھے۔

☆.....☆.....☆

نقدیر مہربانی کی معمولی سی جھلک دکھا کر رہ گئی تھی۔ ان کے معائب و مسائل میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ مگر اور جاب کا مسئلہ نہ پھاڑے لگنے کو تیار کھڑا تھا۔

اسکول کی جاب اس سے لے لی گئی تھی، وہاں بھی ممانیوں کی سازشیں کام آتی تھیں۔

دو دن بعد آج نو شاہ کو ہاسپٹل سے چھٹی مل گئی تھی۔ سعدان و دلوں میں باقاعدگی سے چکر لگانا رہا اور اب بھی وہ ان کے چار چر مہنت کر کے آیا اور انہیں خاموش و مشکرد دیکھ کر کہنے لگا۔

”ایک در بند ہوتا ہے تو سوکل جاتے ہیں۔ رازق اور پالنے والا تو رب ہی ہے۔ میرے پاس ایک بہت اچھی جاب ہے۔ لوگ اچھے ہیں۔ ماحول بہترین ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہاں آپ کو رہائش بھی ملے گی، عزت و وقار کے ساتھ۔“

”کیا جاب ہے بھائی، جہاں اتنی سہولیات مل رہی ہیں؟“ کرن تجسس ہوئی۔

”ایک عمر رسیدہ خاتون ہیں۔ فالج کے ایک نے انہیں معذور کر ڈالا ہے۔ ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ خاتون اس گھر میں کوئی ہے نہیں۔ ان کا بیٹا اور پوتا بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر باہر رہتے ہیں۔ بیماری بلکہ لاچاری کی نوعیت اور تنہائی کے احساس نے انہیں از حد چڑچڑ اور بد مزاج بنا دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ ان سے محبت و اہمیت سے پیش آئیں گی تو وہ آپ کی گرویدہ ہو جائیں گی۔ آپ کو چند دن نہایت صبر و تحمل سے گزارنے ہوں گے۔ یہ یقین میں آپ کو دلاتا ہوں کہ آپ کو سیلری منہ مانگی ملے گی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔“

سعد کل سے سوچ سوچ کر یہی فیصلہ کر سکا تھا، وہ کرن سے بات کرے گا پھر یہاں آکر اسے کرن کی جاب چھوٹنے کا معلوم ہوا تو اس کی سوچ کو یقین مل گیا تھا۔ آج صبح مدر صاحب بھی نیویارک سے واپس آچکے تھے۔

”پیسے کی جھوک ہمیں کبھی نہیں رہی۔ عزت و چاہ کے متلاشی ضرور رہے ہیں۔ سروں پر جھٹ، پیروں تلے زمین، پیٹ میں روٹی، تن پر کپڑاں رہا ہو تو زندگی بوجھ نہیں بنتی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ آپ رہنمی ہیں۔ ذوق تعمیل کا؟ میری بہت بڑی پرابلم حل ہوئی ہے، ورنہ کلن سے میں بے حد پریشان تھا۔“

”پینا اتہار اقرض تو ہم کبھی نہیں اُتار سکتے، جو تم نے ہمارے ساتھ کیا وہ اپنے بھی نہیں کرتے۔ تم نے اس وقت ہمیں سہارا دیا جب ہمیں اپنوں نے ٹھکرا دیا تھا، پھر یہ ملازمت تو ہماری اشد ضرورت ہے۔ تمہارے دیگر احسانوں میں ایک اور احسان مندی ہے۔ بھلا اس دور میں کوئی اس قدر بے غرض و فریضہ صفت ہو سکتا ہے۔ ہم مرتے دم تک تمہارے احسان نہیں بھولیں گے۔“ نوشاہہ فرط جذبات سے رونے لگی تھیں، جبکہ کرن کی پلکیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔

”ارے ماں جی! آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں کتنا گار بندہ ہوں اور میں نے کوئی احسان نہیں کیا، البتہ اپنا قرض ضرور اُتار رہا ہوں اور وقت آپ کو بھی موقع دے گا۔ آپ بھی اسی طرح کسی کی مدد کر کے بری ہو جائیے گا۔“ وہ انہیں کار میں بٹھائے انس پیکس کی طرف روانہ ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ انہیں اپنے حالات زندگی بتاتا جا رہا تھا۔

”میرے بچپن میں ہی والدین کا سایہ میرے سر سے چھن گیا تھا۔ چچا چچی کے زیر سایہ میری تربیت اسی طرح سے ہوئی جس طرح عمو بھائی جیسے یتیم و مسکین بچے کی ہوتی ہے۔ چچا کی بے نیازی، چچی کی نفرت و ظلم اور ان کے بچوں کی بے دام غلامی کرتے کرتے میرا اپنوں کے علاوہ انسانیت سے ہی اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اگر مدر صاحب سے حادثاتی طور پر میری ملاقات نہیں ہوتی تو شاید میں آج آپ کی مدد کرنے کے بجائے اپنی محرومیوں و زیادتیوں کا حساب لینے کے لیے انسانیت کا مجرم اور معاشرے کا ناموسور بن چکا ہوتا۔ یہ مدر اکل کی مہربانی ہے جو میں آپ کے سامنے با عزت شخص بنا بیٹھا ہوں، ورنہ میرا انجام برا تھا۔ اس رات نہ میں چچا کی چھوٹی بیٹی کی فرمائش پر سوچ

پھلیاں لینے لگا، نہ جلد بازی کے باعث ان کی کار سے نکرانا نہ میری زندگی سدھرتی۔

گزرے دنوں کی تلخ یادوں نے اس کے مسکراتے چہرے پر یاسیت پھیلا دی تھی۔

"ایک میڈنٹ میں میری دائیں ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔ دو ماہ تک میں بستر پر پڑا رہا تھا۔ اس دوران اطلاع کے باوجود بچا کے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔ مڈر صاحب خود گئے تو انہوں نے بر ملا کہہ دیا کہ وہ اپنے بچوں کو پالنے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ اس نکتہ کے تحت کی تیار داری کرنے کا وقت ہے نہ پیر۔ اسے قیم خانے میں بھجوا دیں۔ مڈر صاحب پہلے ہی میرا سارا خرچ اٹھا رہے تھے۔ بچا بچی کی دست برداری و لائقیت کے بعد انہوں نے میری پوری ذمہ داری اٹھالی۔ مجھے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ بہترین ہاسٹل میں ایڈمٹ کروایا۔ آج دیکھ لیں، میرا اپنا گھر، اپنا کاروبار ہے۔"

"ہاں بیٹا! اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ بھی قسمت سے ملے ہیں اور یہ کام تو بہت اچھا ہے، دیئے سے دیا روشن کرنے والا۔" نوشاہہ دیکھنے سے بولیں۔

خوب صورت ہانڈے سے ہٹا ہٹا سے بڑے لازو کشادہ راجہاریوں والا ان کی مجلس واقعی کسی مجلس کی طرح حسین و منفرد تھا۔ اس کے شیشے جیسے فرش پر چلتے ہوئے اسے اپنا حلیہ، اپنا آپ، بہت کمتر لگ رہا تھا۔ وہ بلاوجہ احساس کسری کا شکار ہو رہی تھی۔ لمبے قد اور اسماٹ جسم کے مالک مڈر صاحب اپنی حیثیت و مرتبے کے لحاظ سے بالکل مختلف تھے۔ تکبر و تکبر نام کی ان میں معمولی سی رتق نہ تھی۔ وہ ان سے بہت اخلاق سے ملے اور سعد کے کہنے پر ہی وہ اسے جاب دینے پر راضی ہو گئے تھے۔

سر دت کو ارڈرز میں سے انہیں بھی ایک کو ارڈرز چکا تھا۔ دو کمروں والا ان اسٹینڈ بائیں اور کچن پر محیط یہ صاف سترا کو ارڈر اس ایک کمرے اور مین پر مشتمل تھیں۔ وہ دو جگہ سے بہت کشادہ و آرام دہ تھا۔ سعد انہیں ڈیوٹی کے متعلق سمجھا کر جا چکا تھا۔ آج آرام کا دن تھا۔ کل سے اسے ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔

"مما! سب خواب کی مانند لگ رہا ہے اب ہم یہیں اپنی مرضی و سکون سے جیس جگے کوئی روک ٹوک، کوئی ڈر، کوئی خوف نہ ہوگا آہا! یہ حقیقت ہے تو کبھی نہ بدسل، اگر خواب ہے تو کبھی آنکھ نہ کھلے۔" کرن سنگھ بیڈ پر بیٹھی ماں سے لپٹی ہوئی سرست سے سرشار لہجہ میں گویا ہوئی۔

"میں کہتی تھی نہ کہ اللہ کی مہربانی و رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ وہ جو کرتا ہے، ہمارے اچھے کے لیے کرتا ہے، جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" ان کا سر جھایا ہوا چہرہ کچھ شاداب ہوا تھا۔

"لیکن مجھے گریں سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ وہ بہت سخت مزاج و چڑچڑی ہیں۔ سعد بھائی اور مڈر صاحب کی باتوں سے ایسا ہی لگ رہا ہے۔" معلوم میں انہیں پینڈل کر پاؤں کی بھی یا نہیں۔ "وہ تو مکمل اس کی زبان پر آگئی تھی۔"

"ایسے نہیں سوچو۔ ان تک محنت اور غلوس کبھی رائیاں نہیں جاتے۔ مشکوں سے کبھی بھی شکست مت تسلیم کرنا۔ آج نہیں تو کل ضرور سرخرو ہو جاؤ گی۔"

ڈرتی جھپکتی بظاہر خود کو از حد نہ سکون دینے اعتماد کا بر کرتی وہ مدثر صاحب کے ساتھ گرینی کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

گھر کے دیگر کمروں کی طرح یہ کمرہ بھی دلیل ڈیکورسڈ تھا۔ بیڈ پر دراز سفید لباس میں لمبوس شخصیت میں شاہانہ جاہ و جلال نمایاں تھا۔ مدثر صاحب نے اس کا تعارف کرایا۔ کرن نے آہستگی سے سلام کیا تھا، جبکہ وہ بڑی تنقیدی نگاہوں سے اسے جانچ رہی تھیں۔ وہ اعتماد کے دامن کو بھٹک رہی تھی۔

”اس ننھی چڑیا کو لا رہا ہے میرے لیے۔ جب وہ ہاتھی جیسی جسامت رکھنے والی مسندیاں نہ بھبرکیں تو یہ چھپکلی کیا کر سکے گی؟“ یہ ان کے جائزے کی رپورٹ تھی۔

”پلیز اماں! کرن اتنی محبت سے آپ کے پاس آئی ہیں لیکن آپ کا رویہ بالکل اچھا نہیں ہے۔ پلیز اسے اپنی خدمت کا موقع تو دیں۔“ مدثر امان کی ٹانگوں کے قریب بیٹھ کر دھیرے دھیرے ٹانگیں دہاتے ہوئے مسات سے سمجھانے لگے۔

”تم باپ بیٹا آخر کب تک مجھ پر غیر محروقتوں سے تجربات کرواتے رہو گے۔“ مجھے اس گھر میں گھر کی ملکہ چاہیے جو گھر کو گھر بنائے، وارث دے۔ ملازموں کی لائنیں لگا دینے سے گھر سنور نہیں جاتا، گھر سورتا ہے گھر والی سے۔ تو نے بہو کے مرنے کے بعد شادی نہیں کی مگر بیٹے کو تو سمجھا۔ وہ کب تک ذمہ داریوں سے بھگتا رہے گا۔“ ان کی سخت بارعب آواز میں آنسوؤں کی نمی کھل گئی تھی۔ کچھ دیر قبل پتھر کی طرح سخت دبے لپک نظر آنے والی گرینی سوم کی طرح پھیل رہی تھیں۔ عجب شعلہ و شبنم بیسار روپ تھا ان کا۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں اُداسی پھیل گئی تھی۔

”اماں! یہ آپ کا کام ہے۔ اس معاملے میں میری پکڑ میں نہیں آتا وہ۔“ یہ ذمہ داری انہیں سوئپ کر دو بری الذمہ ہو گئے تھے پھر اسے دواؤں اور غذا کا چارٹ سمجھا کر چلے گئے تھے۔ ان کے باہر نکلتے ہی دو بھران کی کڑی نگاہوں کی زد میں تھی۔

”بیٹھے جایا تجھے انوی نیشن دینا ہو گا جیننے کے لیے۔“ وہ پوچھا کر بیٹھ گئی۔

”اتنا ڈر کیوں رہی ہے۔ تجھے کھائیں جاؤں گی۔“ دوسری سے گویا ہوئیں۔

”جوس۔۔۔ جوس لاؤں آپ کے لیے؟“

”میں ٹھنڈی چیزیں نہیں لیتی۔ ہاں کافی لے آؤ۔“ وہ سیدھی پچن کی طرف آگئی۔

بے حد خوب صورت امریکن طرز کے پچن میں گندگی داہتری پھیلی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر پر سبزیاں پھیلی ہوئی تھیں، جو فریج سے نکال کر تقریباً دوپہ کے کھانے کی تیاریوں کے سلسلے میں تھیں۔ قریب ہی پچن کے پلاسٹک بیگ سے خون کی دھاریں نکل کر کپھنڑ کو خراب کرتی ہوئی نیچے ٹاپر پر گر رہی تھیں۔ سائڈ میں گئے رسک میں گندے برتنوں کا ڈھیر تھا جو شاید کل سے نہیں دھلے تھے۔ برنز یونی جنرل رہے تھے۔ بہر حال مالک کے اعتماد و پیسے کا فراغ دینی سے استعمال ہو رہا تھا۔ لمحے بھر کو اس کی نقاست پسند طبیعت متلا کر رہی گئی۔ جبراً اس نے کافی تلاش کر کے کافی بنائی۔ وہ کافی لے کر نکل رہی تھی، جب شو اور اس کی فوجوان بیٹی چندا وہاں آئیں اور اسے وہاں دیکھ کر جھپٹتی ہوئی بولی۔

”مجھے بتا دیا ہوتا میں بنا دیتی۔“ وہ اس کے ہاتھ میں مگڑی کر لے کر بولی۔

”پہلے اپنا کام تو دے داری سے کر ڈ۔“ وہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔ ایک مگڑ صاحب کو وے کر گری کے پاس آگئی جو اسے دیکھ کر استعجابیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”اتنی جلدی کافی لے آئیں۔ کافی بھائی بھی آتی ہے یا نہیں؟“

”آپ پی کر دیکھیں۔“ اس نے انہیں نکلیوں کے سہارے بٹھا کر ساسر کی مدد سے کافی پلائی اور گری کے چہرے پر نرمی کے تاثرات نمودار ہوتے دیکھ کر وہ کچھ شانت ہوئی تھی۔

”بہت عرصے بعد مزے دار کافی پی ہے۔ لڑکی! تم نے کافی اچھی پٹی ہے۔“ یہ اس کے اور گری کے درمیان پہلی انڈر اسٹینڈنگ تھی جو چند دنوں میں بہت پائیدار ہوئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ گری نے ایک کافی مگ کے عوض اس کے اندر پوشیدہ اچھائیوں و بہترین صلاحیتوں کو کھوجا تھا یا اس کی تابعداری و خوش اخلاقی نے یکدم ہی انہیں اسیر کر ڈالا ہو، ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس کے ہر دم چوکنا و مستعد رہنے کے باوجود انہوں نے اس کی بھی وہی درگت بھائی تھی جو اس سے قبل آنے والیوں کی بھانجی تھیں مگر اس کی ثابت قدمی و تحمل مزاجی نے رفتہ رفتہ انہیں اس کے وجود کا غاوی بنا دیا تھا۔ اب انہوں نے بے جا فرمائشوں اور زچ کر دینے والی حرکات از حد کم کر دی تھیں۔ مگر اس کی کاوشوں سے بہت مطمئن تھے۔ ان کا رویہ بہت مشفقانہ تھا۔ ان کے اسرار پر پوشاہ نے مگر کے دیگر امور مستجاب لیے تھے جن میں سرفہرست اپنی نگرانی میں صفائی کروانا، کھانا بنوانا، لان کی تراش خراش اور ڈسٹنگ وغیرہ وغیرہ۔ باہر سے خوب صورت نظر آنے والا انہیں ٹیلیس اندر سے بھی اتنا ہی خوب صورت ہو گیا تھا۔ سعد بھی وقتاً فوقتاً آتا رہتا تھا۔ دو دو مرتبہ اپنے ساتھ اپنی مگتیر فاریہ کو بھی لایا تھا۔ وہ اسی کی طرح پُر خلوص اور سادہ مزاج تھی۔ پہلی ملاقات میں کل مل گئی تھی اور دوسری ملاقات میں وہ کرن کی اچھی دوست بن گئی تھی۔

زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ سکون و طمانیت نے ان کے سراپوں میں اعتقاد و شادابی کو تانی شروع کر دی تھی۔ وہ دونوں جو کبھی ایک دوسرے کے وجود سے تنفر و بدظن رہتی تھیں، اب ایک جان و قلب تھیں۔

☆.....☆.....☆

”گری! اگر پی آ نکھیں کھولیں۔ میں جانتی ہوں، آپ سوئیں رہیں۔ پلیز یہ ٹیلیس آپ کو لازمی لینی ہیں۔“ دو جگہ ہوئی ان سے کہہ رہی تھی جو آنکھیں بند کیے خود کو سوئی ہوئی ظاہر کر رہی تھیں۔

”بھاگ جا لڑکی! دماغ مت چاٹ میرا۔ جا بھاگ جا۔“ وہ آنکھیں کھول کر سخت غصے سے گویا ہوئیں۔

”جی چلی جاؤں گی مگر پہلے آپ یہ دوائیں کھائیں۔“

”کیوں کھاؤں۔ تیرے باپ کی ملازمہ ہوں جو حیران حکم مانوں۔“ ان کا موڈ آج پوری طرح سے بگڑا ہوا تھا۔ کرن کے بڑے ہوئے ہاتھوں کو انہوں نے نرمی طرح سے جھٹکا تھا۔

”ملاؤ رات میں آپ کی ہوں۔ آپ جو چاہے میرے ساتھ سلوک کریں، مجھے منکوحہ ہے مگر دوائیں تو آپ کو ناظم پر لیتی ہوں گی۔“ اس کی برداشت قابلِ داد تھی۔

”تو لڑکی نہیں ہے، بھلے بھری ہے۔ پیچھے لگ گئی ہے میرے۔ نہ معلوم کیا کر کے چھوڑے گی؟“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اس کے بہارے سے اٹھ بیٹھی تھیں اور دوائی تھی۔

”رات کو کھانے میں کیا لیں گی؟“ اس نے گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”سوپ اور بریڈ لے لوں گی۔“ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

”اوکے! اب آپ تھوڑی دیر اسکرسائز کریں گی۔ اس کے بعد آدھا گھنٹہ ریست کریں گی پھر میں آپ کو شام کی سیر کے لیے باہر لے کر چلوں گی۔“

”اچھا جو تیرا دل چاہے وہ کر۔“ باہر جانے کے نام پر وہ سرور ہو جایا کرتی تھیں۔ اب بھی آسانی سے مان گئی تھیں۔ کرن بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

”بااں ہاں نکال لے دانت۔ ان چند دنوں میں مجھے اپنا اتنا غاوی بنا دیا ہے کہ میں تیرے بن خود کو ادھر سمجھتی ہوں۔“ روانی میں ان کے منہ سے نکل گیا۔

کرن کے اندر ان کے بے ساختہ اطباء سے سرشاری سی دوڑ گئی تھی، حالانکہ وہ انہیں جینچے دیکھ کر بیگانہ بن گئی تھی۔ یہ خوشی اسے سرور کر رہی تھی کہ اس کی محنت، برداشت و مہربانیاں نہیں جا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ہی سبھی وہ گرینی کی توقعات پر پوری اتر رہی تھی جواز حد مشکل ترین مراحل تھے۔

☆.....☆.....☆

رات کو اس واپس آ گیا تھا۔

گرینی اس وقت سوچتی تھیں۔ مڈر صاحب سے مل کر ان کی خیریت معلوم کرنا رہا۔ مڈر صاحب بھی اسے پہلے کی نسبت خاصے مطمئن و بہتر نظر آئے۔ گرینی کی ادران کی گفتگو و خیریت فون دینٹ کے ذریعے معلوم ہوتی رہتی لیکن اسے باپ کو مطمئن دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ پولیس کی ضروری باتیں دوکانی دیر تک کرتے رہے تھے۔ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر دو گرینی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اندر سے کسی لڑکی کی آواز آ رہی تھی جو انہیں اخبار پڑھ کر خارجہ تھی۔ دو دروازہ تاک کر کے اندر داخل ہو تو اس لڑکی کی اس کی طرف پشت تھی۔ اس نے چونک کر سر کو دوپٹے سے ڈھانپا تھا۔ گرینی نے اسے دیکھتے ہوئے کرن کا ہاتھ جس میں اس نے اخبار پکڑا ہوا تھا، دوڑ کرتے ہوئے کہا۔

”لڑکی اب جا! میرا بچہ آ گیا ہے۔ مجھے کچھ گھنٹوں تک پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ کرن نے خاموشی سے اخبار سمیٹے اور کمرے سے نکل آئی۔ گرینی کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج سے دو دانت نہیں ہوتی تو اس وقت ان کا رکھائی دیکھائی سے پُر لہجہ سے بے

حد دکھ دیتا لیکن دہ عادی ہو چکی تھی۔

گر جینی انس کو دیکھ کر حسب عادت کھل اٹھی تھی۔ وہ بھی انہیں پہلے سے بہتر صحت مند دیکھ کر طمانیت محسوس کر رہا تھا۔

”چنانچی گورننس کی بے حد تعریف کرتے رہے ہیں۔ وہاں تو مجھے یقین نہیں تھا مگر یہاں آپ کو دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ چنانچی تعریفیں غلط نہیں تھیں۔ آپ پہلے سے زیادہ میلیدی انڈیکوٹ ہو گئی ہیں۔ سعد کی سلیکشن ہم سے زیادہ بیسٹ ہے۔“ دہ گر جینی کی طرف دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”کیا سعد سے لے کر آیا ان ماں بیٹی کو؟“ ان کے انداز میں حیرانگی تھی۔

”جی۔“ ماں بیٹی کے نام پر وہ چلا تھا۔

”میرے پاس تو اکثر آیا ہے لیکن اس نے ذکر نہیں کیا۔“

اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ گر جینی کو نہیں بتاتا ہے۔ اگر گورننس سے کوئی مس ٹیک ہوئی تو جوتے میرے سر پر پڑیں گے۔“ دہ مسکرا کر گویا ہوا لیکن اس کے اندر وہ دہ نام برابر گردش کر رہے تھے جس سے اس کے ذہن میں ایک خاکہ ابھر رہا تھا اور اس کی چنانچی کو جانچنے کے لیے اسے فوراً سعد سے ملنا تھا۔ گر جینی اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑ چھیٹی تھیں۔ کسی اور موضوع پر دہ کچھ کہیں نہ کہیں مگر اس کی شادی کے موضوع پر دہ گفتگوں سے بچکان بول سکتی تھیں اور وہی ہوا تھا۔ دہ کہہ رہی تھیں۔

”گر جینی! میری آزادی آپ کو نہیں بھاری۔ ابھی ہم مل جل کر رہ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا خیال ہے۔ آپس میں محبت ہے۔ آنے والی سنے کہاں یہ سب برداشت ہوگا۔ دہ مگر میں قدم رکھتے ہی اپنی حاکمیت جتائے گی اور باقی لوگوں کو کھن میں پڑے ہال کی طرح نکال پھینکے گی۔ آج کل کی بہوئیں ایسی ہی ہوتی ہیں خود غرض، خود پسند، بد تمیز کسی کو خاطر میں نہ لانے والی۔“ اس نے انہیں خوف زدہ کرنے کی پوری کوشش کی۔

”ہماری لگرمٹ کر نہیں سمجھے ہیں دہ نہ کرے ہماری پروا نہ جوشن آئے ہمارے ساتھ محبت سے، پڑے رہیں گے ہم کھولنے سکوں کی طرح ایک طرف، لیکن تجھے تو سمجھے گی۔ تیری تنہائی مٹ جائے گی تو محبت کرنا جان جائے گا۔ تیری زندگی بن جائے گی۔ ہماری پروا مت کر، روکتی گئی ہے مگر نہ جانے گی۔ تو جو خزاں رسید دیتے کی طرح اڑتا پھرتا ہے وہ بے یقین، بے کل، بے رنگ اس طرح تجھے دیکھ کر ہمارا دم بھی نہ نکل سکے گا۔“ دہ رد ہانسی ہو گئی تھیں۔

”ادہ گر جینی! ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا ہے۔“ اس نے ان کے گلے میں باغیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”سب سمجھتی ہوں میں، مجھے مت بنا۔ اس چڑیل کو تو بھول نہیں سکا ہے ابھی تک۔ ارے اس ہر جانی میں دکھا ہی کیا ہے۔ کیوں بھول نہیں پاتا تو اسے؟“

”مرگنی پلیز! اس ٹاپک پر بات مت کیا کیجئے۔“ وہ بے قراری سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر سوز و اضطراب چھا گیا تھا پھر وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ ان سے اجازت لے کر نکل آیا تھا۔

”سردیوں کے یہی قاعدے ہیں۔ سبزیاں بہت فریش ہو کر زیادہ تعداد میں آتی ہیں۔ گاجر، مٹر، پیٹھی، مولیٰ بہت ہی لذیذ لگتی ہیں پھر کئی طرح کی مزے دار ڈشز بن سکتی ہیں۔“ کرن مڑ چٹکوں سے لالچی ہوئی ماں سے مخاطب تھی۔ وہ مرگنی کے موڈ سے سمجھ گئی تھی کہ وہ شام سے قبل اسے طلب کرنے والی نہیں ہیں۔ ان کا چہیتا پوتا آگیا تھا جس کے ذکر و فکر میں وہ ہمدقت مشغول رہتی ہیں۔ اسے رو بردہا کر گفتگو کا سلسلہ طویل ہو گا۔ اب وہ شام تک فارغ تھی۔ موسم اچھا تھا۔ سردی قدرے کم تھی۔ برسوں پہلی ہوئی سنہری دھوپ صحن کے عقبی حصے میں بھی در آئی تھی جہاں تیلوں کی چٹائی بچھائے نوشاپہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

”گھر کا سامان ختم ہونے کو ہے۔ تمہیں آج فراغت ہے تو جا کر لے آؤ۔ میں ایک ہفتے سے جانے کا سوچ رہی ہوں مگر اس موسم میں میرے گھینے درد سے اکر جاتے ہیں۔ درد کے باعث میں خریداری نہ کر سکوں گی۔“ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ کرن سے گویا ہوئی تھیں۔

”ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔ امی! میں سوچ رہی ہوں سعد بھائی اور فارہ کے لیے کچھ گفٹس لے آؤں۔ دو لوگ کئی بار سوٹ بین، کاسٹیکس گفٹ کر چکے ہیں۔ سعد بھائی کی اینورسری بھی قریب ہے۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اتنا ٹیک بچہ ہے۔ اسی کی وجہ سے آج ہم یہ کچھ بھرے دن دیکھ رہے ہیں، ورنہ انہوں نے تو مرنے سے بدتر کر دیا تھا۔“ بیٹے دنوں کی یادیں کرب بین کر ان کی آنکھوں میں جھلملانے لگی تھیں۔

”تمہیں لیا کریں امی ان لوگوں کا نام میرے سامنے۔ درد و زلت کا احساس رکھوں میں ذکھ بن کر دروازے لگتا ہے۔ کتنا گھٹیا اور کس قدر گھناؤنا الزام لگایا تھا۔ مہانیاں کہیں تو کوئی ملال نہ تھا لیکن ماموں کے انداز مجھے بھلائے نہیں بھولتے۔“ کرن کے لہجے میں ٹونے ہوئے احتماؤ کی کرچیاں تھیں۔ وہ دونوں اپنے اپنے آنسو ضبط کرنے کے چکر میں خاموش ہو گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”مرگنی کے لیے جو گورنرس تم نے اپائنٹ کی ہیں، وہ کون ہیں؟“ اسی شام وہ سعد کے ہاں پہنچ گیا تھا اور پہلا سوال یہی کیا تھا۔

”انسان ہیں اور کون ہیں۔“ جوا بکہ وہ نہیں کر گویا ہوا۔

”خود کو زیادہ اسمارٹ نہ سمجھا کرو۔“ وہ چڑ کر بولا۔

”فارہ تو یہی کہتی ہے کہ اس جہاں میں مجھ سا اسمارٹ کوئی نہیں ہے۔“

”سعد بی سیریس! اس ڈپریشن ہوں۔“ اس کے لہجے میں تنجید کی محسوس کر کے سعد سنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

”اس ڈپریشن کی وجہ؟“

”گھر میں جو نئے سروٹ آئے ہیں۔ آئی مین گریٹی کے لیے جو گورنرس اپائنٹ ہوئی ہیں وہ انہی خاتون کی لڑکی ہے جو کارے لکرائی تھیں؟“

”ہاں۔“ سعد نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیوں؟ تمہیں معلوم ہے مجھے اس قسم کے فراڈی لوگ بالکل پسند نہیں ہیں اور یہ بات تم بخوبی جانتے ہو کہ گریٹی سوچ نہیں کر سکتیں۔ ڈیڈی بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر گھر سے باہر رہتے ہیں۔ ایسے میں وہ گھر کا صفایا کر جائیں جیسا کہ اس سے قبل متعدد بار ہو چکا ہے۔ تم سب کچھ جانتے ہو پھر کس طرح یہ غلطی کر بیٹھے ہو؟“ وہ استعجابیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

”میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں۔ اچھے اور برے لوگوں کی پہچان مجھے تم سے زیادہ ہے اور تمہارے گھر کی تمام پراہٹوں سے بھی واقف ہوں پھر میں کس طرح نالودلوگ رکھ سکتا ہوں۔ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ گریٹی نے کسی گورنرس کو کہی خوشی پورے تین ماہ برداشت کیا ہے اور انہیں اس سے کوئی معمولی سی بھی شکایت نہیں رہی ہے۔ اس میں سب سے زیادہ دخل کرن کی محنت، برداشت و محنت کا رہا ہے، ورنہ تم جانتے ہو کہ گریٹی کو خوش رکھنا، ان کے کہنے پر عمل کرنا کوئی آسان نہیں ہے۔“ جواباً سعد نے جذباتی انداز میں تقریر کر ڈالی تھی۔

”تم نے خود غور کیا بلکہ بنا غور کیے ہی گریٹی کی طبیعت و محنت بہتر نظر آ رہی ہوگی، پھر سب سے اسٹرونگ پوائنٹ یہ ہے کہ گریٹی کی کیئرنگروہی لڑکی تین ماہ سے ہے۔ کچھ نہ کچھ کو الیگز تو اس میں ہیں جو گریٹی نے ان سے جان نہیں چھڑائی بلکہ وہ انہی کو بھی کافی پسند کرتی ہیں تاکہ انہیں اپنے پاس بلواتی ہیں۔“

”بائی وے وے تم کچھ بھی کمٹس دو، میں مطمئن نہیں ہوں گا۔ تمہیں ہر لڑکی مظلوم و مجبور نظر آتی ہے اور ہر عورت تمہاری خالہ، بیہوش، تائی ہوتی ہے۔ میں ایسی باتوں اور رشتوں پر یقین نہیں رکھتا ہوں۔“

”جس کو سانپ ڈس لے وہ رسی سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ تمہارا حساب بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ایک کی محبت تمہیں اس صنف سے نفرت کروا گئی ہے اور یہ باشعور لوگوں کا انداز نہیں ہوتا۔“

”بات کو گھماؤ مت۔“ وہ مضطرب سا گویا ہوا۔

”اچھا یار، میں نے بہت سوچ سمجھ کر، وکی بھال کر کرن اور آنٹی کو وہاں رکھا ہے۔ وہ اچھے گھرانے کی نرے نصیب سے مار کھائی ہوئی عورتیں ہیں۔ ان احسان فراموش اور بے ضمیر عورتوں کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے نہ صرف چوریاں کیوں بلکہ گریٹی کو بھی بہت تکلیف پہنچائی تھی، اگر تم اب بھی مطمئن نہیں ہو تو پھر انکل سے بات کرو۔“ وہ خجیدگی سے گویا ہوا۔

”چپا سے کیا بات کروں۔ وہ بھی تمہاری قبیل کے ہیں۔ کسی صورت نہیں مانیں گے۔ ان کی محبت میں وہ تم سے بھی کہیں آگے ہیں۔“

”میری مائو تو کچھ عرصہ تم بھی انہیں دیکھو اور اگر وہ تمہاری توقعات پر پوری نہیں اترتی تو تم جو فیصلہ کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا اور فریج سے بنانا ٹھیک بنانے کے لیے کیلے اور دو دو کالے لے لگا۔

☆---☆---☆

"کرن! کرن! او مائی گاڈ! یہ تم ہی ہونا کرن!" دو شاہک کر کے رکشے کے انتظار میں کمزری تھی۔ جب اچانک مائوس آواز اس کے کانوں سے نکرائی تھی اور بے اختیار اس نے مڑ کر دیکھا۔ حزرہ تقریباً بھاگتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

کرن کے چہرے پر بھی مسرت کے رنگ پھیل گئے تھے۔ اتنے عرصے بعد وہ اس طرح اس سے اچانک ہو جانے والی ملاقات پر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ دو شاہک بیگز اور پرس سنبھالے اس کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک دہی تو تھا جو غلام و جبر کے سیاہ ہولناک اندھیروں میں روشنی و زندگی کی کرن بن کر جگمگا تھا، زندہ رہنے، زندگی گزارنے کے درس دیتا تھا۔

"کرن! کتنی کیوٹ ہو گئی ہو تم۔ میں کتنی دیر سے تمہیں شاہک سینئر کی سیز جیوں سے اترا تا دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ لگ تو یہ وہی رہی ہے مگر ایسی سرخ و سفید رنگت میری اس سڑیل مزاج و چڑچڑی کرن کی نہیں تھی جو ہمیں جھوڑ کر ایسی لگی ہیں کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی کہاں چلی گئی تھیں؟ پھو جان کیسی ہیں؟ کہاں ہو تم لوگ؟ میں نے اور صمد نے ہر جگہ تلاش کیا ہے تمہیں اور پھو کو اور ناکام رہے ہیں۔" مسرت و استغراب کی کیفیت میں سرشار حزرہ نے یکے بعد دیگرے کئی سوال کر ڈالے۔

"تمہارے کسی بھی سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے حزرہ!" لمحے کے ہزار دیں صمد نے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"آئندہ کبھی ایسا اتفاق ہو تو مجھے مخاطب کرنے کی کوشش مت کرنا۔ بڑی مشکل سے زندگی سے آٹھائی ہوئی ہے۔ آزادی کے حشرے، مسروقوں کے رنگوں کو دیکھنا شروع کیا ہے۔ گو کہ یہ سب اتنا مہل نہیں ہے مگر انہوں کی بے انتہائی سے غیروں کی بے انتہائی بری نہیں لگتی۔"

"میں جانتا ہوں۔ مجھے رات کو ہی صمد نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ اس وقت گھر میں ہی تھا مگر پاپا کے خوف سے نیچے نہیں آیا تھا۔ مجھے سکون نہیں ہے۔ اس رات سے آج تک ہر چہرے میں نہیں سمجھ سکتا ہوں۔ پھو کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ میں ان کے رویوں کی تم سے معافی مانگتا ہوں۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ میں نے پاپا سے کہا تھا کہ تمہیں ڈراپ کر کے کیا تھا اور انہیں یقین بھی آ جاتا مگر آسیہ آئی یہ نہ کہیں کہ میں تمہیں بچانے کے لیے جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ پاپا اس وقت اس قدر غصے میں تھے کہ انہوں نے میری بات پر یقین نہیں کیا لیکن انہیں یقین کرنا پڑے گا، جب میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا تو انہیں یقین آ جائے گا۔ سچائی جب زبرد ہوتی ہزار جھوٹ بھی اپنا وقار نہیں کر سکتے۔"

"حزرہ ادھاں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم ان کے لیے مر گئے ہیں اور فروے کبھی لوٹ کر دنیا میں نہیں آتے۔ آئندہ کبھی نہ ملنا۔" وہ کہتی ہوئی مضبوط قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ حزرہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ شدید ترین اذیت کے تاثرات اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

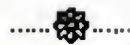
"کرن! کرن! پلیز ان کی سزا مجھے تو مت دو۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گویا ہوا۔

"مت آؤ میرے ساتھ۔"

”مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔ مجھے بچنے کی کوشش کرو۔“ بے حد خاص بات اس نے عام سے انداز میں کی تھی جو غصے و خنجر میں وہ محسوس نہیں کر سکتی تھی۔

”ہلیز اب ہم جینا چاہتے ہیں۔ ہمیں جینے دو۔ ماضی کے ہر پہلو، ہر ذرات کو ہم بھلا چکے ہیں۔ ہلیز تم ہمیں خوش دیکھنا چاہتے ہو تو کبھی بھی ہمارے راستے میں مت آنا۔ اجنبی بن کر گزر جانا۔ ان رشتوں کا کیا فائدہ جو نشتر بن کر لگتے ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ میری اور ماما کی زندگی میں کوئی نشتر ہو۔“

دو قریب سے گزرتے دیکھنے کو ہاتھ دے کر اس کی جانب بڑھ گئی تھی۔ حزمہ بے قرار اور عجیدہ نگاہوں سے اسے اوجھل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دو لگا ہوں سے جتنی دور ہو رہی تھی، دل سے اتنی قریب ہو رہی تھی۔ اتنی قریب..... اتنی قریب کے وہ اپنی سانپوں میں اس کی خوشبو محسوس کر رہا تھا۔



وہ رات اس کے لیے بے خوابی اپنے پروں میں سیٹھ لائی تھی۔

آج اچانک ایک عرصے بعد حزمہ کا دل جانا اسے خوش گوار تحیر زدگی میں مبتلا کر گیا تھا اور اس نے جانا کسی اپنے کا اس طرح اتفاقاً مل جانا کسی انوکھی مسرت سے ہلکا کر دیتا ہے۔ لیکن دوسرے، دو قہر آمیز شادمانی لہجوں کی تھی۔ لاشعور ہی طور پر وہ آگے بڑھی تھی اور اسی دم شعور کے دروازہ ہوئے تو سرخوشی پر رسوائی و ذلت کی ردا چھا گئی۔ خود پر اُچھالے گئے غلامت کے چھینٹے صاف نظر آنے لگے اور وہ وہیں جامد ہو گئی۔ اپنا اپنا سامہان و یکساٹی ویسے والا حزمہ ہلے بھر میں اجنبی ولا تعلق نظر آنے لگا، دل پر چھائی شرافت زبان پر لفظوں کی صورت بننے لگی۔ دماغ پر جب جذبات کی حکمرانی ہو تو زبان کسی جلاوڑ کے ہاتھ میں پکڑی تلوار کی طرح سلا کی سے چلنے لگتی ہے، بلا سوچے سمجھے جو بھی سامنے آتا ہے، بریدہ ہو جاتا ہے، خواہ وہ بے گناہ ہو یا گناہ گار، خطا کی ہو یا بے خطا، مگر نکل نہیں پاتا، یہی حزمہ کے ساتھ ہوا، وہ کتنی خوشی سے پرجوش انداز میں اس کی جانب بڑھا تھا۔

پھر اس کے بے رحم و بیگانگی بھرے طرز عمل و گفتگو سے کس قدر پریشان و حواس باختہ ششدر رہ گیا تھا۔ خوشی سے دھکا چہرہ لمحے بھر میں بجھ گیا تھا، آواز میں اداسیاں اُتر آئی تھیں اور آنکھوں کی طرح لہجہ بھی بھگ سا گیا تھا۔

”معاشرے میں پھیلی ذاتی تعصب و تعصب کیوں میں ایک یہ تعصب کیوں بھی ہے کہ ہم جب تک اپنا قصہ کسی دوسرے فرد پر نکال نہ لیں تو بے سکون رہتے ہیں۔ اب وہ فرد متعلقہ ہو یا غیر متعلقہ، ہمیں اپنا بوجھ ہلکا کرنا ہوتا ہے، پھر تم تو اسی خاندان کے ایک فرد ہو جہاں میری ماں کو بے عزت کیا گیا، اس کی تربیت پر کچھ اُچھالی گئی اور میرے کردار کو گالی دی گئی..... گالی کبھی برداشت نہیں ہوتی، اگر بالفرض بحال برداشت کر بھی لی جائے تو کوئی بھی عورت کردار پر گالی برداشت نہیں کرے گی، کیونکہ کردار کی مضبوطی ہی عورت کی سب سے معتبر دولت ہے، اگر کردار چلا جائے تو عورت عورت نہیں گالی بن جاتی ہے۔“

وہ دائیں کروٹ کے بل لیٹ سوچوں کے جنگل میں بھٹک رہی تھی۔ کمرے میں ٹائٹ بلب کی نیکیوں روشنی ہر سمت سکون آمیز سکوت پھیلائے ہوئے تھی۔ دوسرے بڈ پر ٹوشا بے خبر سو رہی تھیں۔ یہاں آکر انہیں ان وظیفوں سے چھٹکا رمل گیا تھا جو بھائیوں کے گھر میں حالات کی بہتری کے لیے وہ کیا کرتی تھیں۔

”حمزہ! اما کہتی ہیں، میں بد لحاظ اور بے مروت ہوں۔ آنکھیں بدلنے میں لمحہ بھی صرف نہیں کرتی، مجھ میں برداشت بالکل صفر ہے اور مجھے اعتراف ہے ماما کا ایک لفظ غلط بھی نہیں ہوتا۔ میں ایسی ہی ہوں، نہ غلط کہتی ہوں اور نہ برداشت کرتی ہوں اور خصوصاً جہاں مجھے یا مجھ سے وابستہ کسی تعلق کو بلا وجہ، بلا تصور برا بھلا کہا جائے۔ مجھے سے قلعی برداشت نہیں ہوتا اور اس وقت تک مجھے سکون و قرار میسر نہیں آتا، تب تک جو اپنی کارروائی مکمل نہ کر لوں، یہ وقت کا تقاضا ہے جیسا کرو یا بکرو، لیکن تم ایسے نہیں ہو، بہت اچھے، بے حد نیک انسان ہو جس پر آج زیادتی کر کے میرا ضمیر مجھے سزا دے رہا ہے کہ میں بد لحاظ، بد قیصر، بے مروت و منہ پھٹ ہوں مگر میرے اندر کچھ مثبت سوچیں بھی ہیں جن میں سے ایک یہ ضمیر صاحب ہیں جن کا وجود نا دیدہ ہے مگر ہمہ وقت یہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ بنیام سے اب تک تمہاری مہربانیوں و احسانات کو اتنی مرتبہ یاد کر چکے ہیں کہ مجھے اپنی زیادتی کا احساس شدت سے ہونے لگا ہے۔ جو کچھ بھی ہوا، یہ سب نادانگی و جلد بازی میں ہوا یا گھروالوں کے بارودا سلوک کے شکار تم ہو گئے، غصے میں عقل پر پٹی بندھ جاتی ہے اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں چاہتی ہوں ماما اس راہ پر اب لوٹ کر نہ جائیں جس راہ پر کائنات کا سننے ہیں جو بدن کو ہی نہیں، روح کو بھی گھائل کر دیتے ہیں۔ ایک مدت تک میری ماں ان ریتے زخموں کے سنگ رہی ہیں، اب دوبارہ ان زخموں سے کھر بڑھتے، میں نہیں دیکھ سکتی، میں تم سے خوش دلی سے ملتی اور یہاں آنے سے نہیں روک سکتی تھی اور تمہیں دیکھ کر ماما کے دل میں بھائیوں، بھانجیوں کی وہی ہوئی محبت از سر نو جاگ اُٹھتی اور ورنہ یادہ دن خود پر جبر نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ سب کچھ بھلا کر ان کی طرف ددڑتیں جو انہیں دھچکا کرنا یا الزام ان کی بنی پر لگا کر زندگی و موت کے تعلق توڑ چکے تھے۔ میری ماں کی وسعت قلبی و ورگزار معاف کر دینے کی پرانی عادت ہے لیکن میں اپنی ماں سے متغیر و طبیعت کی مالک ہوں۔ میرا ضمیر، انا و خدا سے اٹھا ہے اپنی انا کے خلاف مجھے کچھ گوارا نہیں ہوتا، بلا کی انا پر سہ ہوں، مجھے معاف کر دینا حمزہ ڈیر! اپنے سلوک پر تم سے شرمندہ ہوں مگر سوچتی ہوں میرا رویہ درست تھا۔“ وہ تصور میں حمزہ سے مخاطب تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ موسم سبز چٹوں کا
سنہری دھوپ کرلوں کا
گلاب کے مہکنے کا
ہمیں کب راس آیا ہے
ہماری زرد آنکھوں نے غجر خواب ہی دیکھے

کساہی خواب ہستی میں

عقاب آلو ہستی میں

کوئی خوشبو نہ آجھل ہے

کوئی جھونکا نہ بادل ہے

”ایکسکیم زمی۔ میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“ خوب صورت کھنک دار آواز اس کی سماعتوں سے نکلرائی تو اس نے سرسری سی نگاہ اٹھا

کر دیکھا۔ بلیک جھوڑا ریڈ اینڈ بلیک بڑے بڑے پھولوں کے پرنت والے شارت کرتے میں سرخی مائل گولڈن بالوں کی پونی میں جھونک چلائی، بائیں ہاتھ سے پرس شولڈر پر ڈالے وہ بہت پر اعتماد انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

”ییس..... شیور..... وائے ٹاٹ“۔ اس نے میگزین بند کر کے آگے کھسکایا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”جسٹکس اے ٹوٹ“۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سرخ پرس ٹیبل پر رکھا اور جھڑکھٹ کر بیٹھ گئی۔ انکچ ٹیلی، میں کسی اور کے ساتھ بھی شیئرز کر سکتی تھی لیکن اس پورے ہال میں مجھے آپ ہی بہت شریف دے ضرر محسوس ہوئے اور میرے دل نے کہا کہ میں یہاں بیٹھ جاؤں، یہاں تمام ٹیبلوریز روڑ ہیں۔“ وہ چہرے سے جتنی بولڈ نظر آ رہی تھی، انداز میں اس کے اتنا ہی بھولپن و معصومیت تھی۔ انس اس کے خصوصی ریمارکس پر بے ساختہ مسکرا اٹھا تھا۔

”کتنا ایکسپریس ہے، آپ کو لوگوں کی آغیز بیٹھی کا؟“

”جتنی میری لائف ہے۔“ سابقہ انداز میں جواب آیا تھا۔

”اوہ..... آپ نے پیدا ہوتے ہی لوگوں کو شناخت کرنا شروع کر دیا تھا کہ کون بد معاش ہے، کون شریف ہے؟“

”شاید..... آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟ چہرے پر آتی لٹ کو وہ کان کے پیچھے کرتی ہوئی کنفیوزی گویا ہوئی تھی۔

”ارے نہیں..... میں تو ایسے ہی معطوم کر رہا تھا، آپ نے بات ہی ایسی کی جیسے بہت مہر ہوں، جس کے باعث چہرہ دیکھتے ہی

محسوس کر لیتی ہوں اچھائی و برائی کو، ویسے آپ کی عمر کیا ہوگی؟“ نہ معطوم کیا ہوا تھا اس لڑکی کا زرد و زرد چہرہ و اضطرابی حرکات و سکنات اسے گنگنٹھو پر اکسار رہے تھے۔

”اوہ سوری، میں بھول گیا تھا کہ کسی خاتون سے ان کی عمر پوچھنا سخت ترین گستاخی ہوتی ہے۔“ وہ دل کشی سے مسکراتا ہوا

معذرت کرنے لگا تھا۔

”مر کے معاملے میں اب خواتین سے زیادہ مرد حساس ہو گئے ہیں۔ عموماً شو بزنس سے تعلق رکھنے والے یا کسی اور وجہ سے پاپولر

ہونے والے مرد بھی صرف برتھ ڈے ڈیٹ مانتے ہیں، انٹر نہیں، یہ اور بات کپلیکس آپ کی جنریشن میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ صرف پلیئرز

ہیں جن کی درست عمر سب کو معطوم ہوتی ہیں۔“

"ارے ارے..... آپ تو مائندہ کر گئیں، میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔"

"میں نے مائندہ نہیں کیا، بتا رہی ہوں آپ کو، پہلے صرف عورتوں کو کہا جاتا تھا کہ عمر میں ڈنڈی مارتی ہیں، اب یہ مرد "ڈنڈا" مارنے لگے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"عورتوں مردوں کو شانہ بٹانہ چلنا چاہیے نا۔ اسی کی عملی تفسیر ہے۔"

"آپ کو تو اپنی قوم کا دفاع کرنا ہی ہے۔"

"آف کورس، کیا کھائیں گی آپ؟" ڈیڑھ کو قریب آتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... میں اپنی فریڈز کا انتظار کر رہی ہوں، وہ آئے والی ہیں۔" وہ رست وایج دیکھتی ہوئی قطعی اعزاز میں بولی۔

"آپ نے مجھے اتنے سوٹ مائل دیئے ہیں، اب میری شرافت کا تقاضہ ہے کہ آپ کو اس طرح کیسے جانے دوں، لیکن جس تو آپ کو پتا چلے گا۔" ڈیڑھ کو دو گلاس لیمن جوس کا آرڈر دے کر وہ اس سے گویا ہوا تھا۔

"ٹھیکس گاڈ! میں بھی آپ نے بُرا مانا ہے۔" وہ کھل کر مسکرائی۔

"آپ نے مجھے معتبر کر دیا ہے، اب میں اپنے فریڈز کو فخر سے کہہ سکتا ہوں جو ہمیشہ کہتے ہیں انہی اہم بڑے کہنے و بد معاش ہوں۔"

"آپ کا نام انہی ہے؟"

"جی، ایلس مرشد خان۔"

"بہت پیارا نام ہے، میرا نام مثال خان ہے۔" جواہا اس نے بھی متعارف کروایا۔

"اب میں ہرگز نہیں کہوں گا کہ بہت پیارا نام ہے۔" ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ مزید بڑھتا کہ سامنے سے آتی اپنی فریڈز کو دیکھ کر وہ خوشی سے چپکٹی ہوئی آنکھ لگی، ادرالس کو یا ٹرالس کی کیفیت میں بیٹھا دیکھتا رہ گیا۔

ایک دم زور سے چھٹا کا ہوا تھا اس نے چونک کر ماضی سے حال میں چھلانگ لگائی تھی۔ سینئر فیل پر رکھا گلاس کالین پر گر کر ٹوٹا تھا جو شاید اس کے ہاتھ کی زد میں آ گیا تھا۔ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے لائٹ بلو کالین پر بکھرے کالج کے ٹکڑوں کو دیکھا۔ ہونٹوں کو زور سے بھینچ لیا، گویا کالین پر کالج نہیں دل کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہوں۔

☆.....☆.....☆

"چھوٹے صاحب! بیگم صلابہ یا دفتر مارتی ہیں۔" ملازمہ دستک دے کر اندر آ کر بولی۔

"اچھا..... آ رہا ہوں۔"

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ گرینی لمبے بھر اس کے چہرے پر پریشانی محسوس کر لیتی اور پھر نتیجتاً ایک لمبا لہجہ اینڈ کرنے کی اس کی اس وقت قطعی استطاعت نہ تھی کہ جب ماضی کی گرفت اس پر حاوی ہوتی تو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے میں وہ بند کمرے

میں ہر شے کو فراموش کر دیتا تھا۔

تو تھو برش استعمال کرنے کے بعد ہاتھ لیا اور کپڑے بدل کر گرہنی کے پاس چلا آیا جو خاصی ناراض دکھائی دے رہی تھیں۔
 ”جی گرہنی! آپ نے یاد کیا ہے؟“ وہ چہرے پر بٹا شست لانے میں کامیاب ہوا تھا، جواباً گرہنی اسے گھور کر بولیں۔

”تم کون سا سابق ہو جو تمہیں یاد کروں گی۔“

”خیریت تو ہے نا، کوئی بات ہو گئی ہے؟“

”اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ انہوں نے ہوتے ہوئے میں ملازماؤں کے آسرے پر پڑی ہوں، دو جیسا چاہیں سلوک کریں میرے ساتھ، کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔“ گرہنی تیز تیز کہہ رہی تھیں۔ اندر داخل ہوتی کرن کے قدم ان کے لیے اور انیس کی موجودگی کی باعث قدرے ست پڑ گئے تھے۔

”کسی سرورٹ کی جرات نہیں ہو سکتی گرہنی کہ آپ کی خدمت میں کوتاہی برتیں یا بد تمیزی کی جسارت کریں، اگر کسی نے ایسی گستاخی کرنے کی کوشش کی بھی ہے تو مجھے بتائیں۔“

”بیمیزی خاطر کس کس سے اُلجھو گے، کس کس کو سزا دو گے، پتھر مارا دینا ہے تو ٹھوکرؤں کی زد میں رہتا ہے، اگر دیوار میں چن جائے تو عمارت کھلتا ہے۔ میری قدر و قیمت جب تم ہی نہیں جانتے تو یہ نوکر چاکر کیا جانیں گے۔“ ان کے لیے میں آرزو کی چھانے لگی تھی۔
 ”یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے، ہمارے دل میں آپ کی محبت و عزت نہیں ہے۔“ وہ ان کے نزدیک بیٹھتا ہوا اپنا نیت سے گویا ہوا۔

”میری بات مان رہا ہے ٹو؟“

”گھر کا سکون اور میری محبت بلکہ خالص محبت آپ سے گوارا نہیں ہو رہی ہے گرہنی۔“ اس نے مزہ کر دواڑ سے پرکھڑی کرن کو وہاں سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”ٹو رٹی رٹائی باتوں کو کیوں رہتا ہے، جب میں نے کہہ دیا، آنے والی جو سلوک کرے گی مجھے گوارا ہے، وہ سیاہ کرے، سفید کرے، لڑے، جھگڑے، چاہے کچھ بھی کرے، کم از کم گھر میں تو ہوگی۔“ گرہنی اپنے اس پسندیدہ موضوع پر بلا ٹکان بول سکتی تھیں اور بول رہی تھیں۔ وہ جتنا اس موضوع سے بھگتا تھا، وہ اتنا ہی اس کا درد کرتی رہتی تھیں۔

”ہماری نیت کا شر، سوچوں کا رد عمل ہی ہمیں بھگتنا ہوتا ہے، ہمارے اعمال ہماری کھیتی ہے، گلاب بوئیں گے تو گلاب اُگیں گے، پیار پائیں گے، پیار پائیں گے۔ یہ دنیا عمل، رد عمل، سزا و جزا کی میزان پر دھری ہے۔“

”گرہنی! آپ کو مجھے کچھ ناگم دینا ہے، تھوڑا وقت لگے گا۔“ وہ ان کا ٹیف و زوار ہاتھ اپنے مضبوط دھونا ہاتھ میں لے کر عاجزی سے گویا ہوا۔

”جتم۔۔۔ جتم۔۔۔ جتم۔۔۔ نہ مظلوم کب ختم ہوگا یہ ناگم تیرا، پچھلے ایک سال سے یہی الالہ جا رہا ہے، جیسے کسی بچے کو لالی پوپ

دے کر بیلا دیا جاتا ہے، یہی تو میرے ساتھ کرتا ہے، لگتا ہے تیرا "ناتم" فتم نہیں ہوگا اور میرا سانس فتم ہو جائے گا، میری زندگی فتم....."

"گر بی! پلیز ایسی باتیں مت کریں۔" وہ تڑپ اٹھا۔

"کیوں نہیں کر دوں، تو جانتا ہے، شوگر، ہارٹ ایک اور یہ معذوری، ہر سمت سے بیماریوں میں جکڑی ہوئی ہوں، نہ معلوم کب ایسی رات آجائے جس کی صبح مجھ سے ہمیشہ کے لیے روٹھی ہوئی ہو یا ایسی صبح آجائے جس کی کبھی رات نہ ہو، موت تو ایک حقیقت ہے۔ جینے اور پھر مسلمان کبھی بھی موت سے نہیں گھبراتے کہ موت مومن کے لیے راحت ہے، نجات ہے۔"

"بے شک گر بی! میں نے کب اس سے انکار کیا ہے (کہ اب میری خواہش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس ہرجائی دنیا کو چھوڑ دینے کی ہے) لیکن آپ ایسا نہ سوچا کریں۔"

"باتی! اجائے پی۔ لیس اور یہ پنس کھاؤ، بڑے مزے کے ہیں۔" چندا چھوٹی ٹرے میں چائے کاکہ اور پنس رکھے اس کے پاس لے آئی تھی جو پنس کے اشارہ کرنے پر لاؤج میں آکر بیٹھ گئی تھی۔

"میں ناشتہ کر کے آتی ہوں، تمہیں معلوم ہے۔"

"تو کیا ہوا باتی! ایک کپ چائے، ایک پنس سے موتی تھوڑی ہو جاؤ گی۔ میں دس کھا جاؤں اور ڈکار بھی نہ ناروں۔" وہ بے فکری سے ہنسی ہوئی بولی۔

"ست کھایا کرو اس قدر چکنائی والی چیزیں، کبھی پنس کی طرح ہی پھول جاؤ گی۔ آج کل سلم ہونے کا کتنا کر بڑھل رہا ہے جس کو دیکھو دبلا ہونے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرنا نظر آتا ہے، تم تو ابھی کافی اسارت ہو۔" وہ اس کے بے حد اصرار پر چائے پیتے ہوئے بولی، اس کے منع کرنے پر چندا کا رہٹ پر بیٹھ کر پنس کھاتے ہوئے بولی۔

"نہ باتی مجھے شوق نہیں ہے دبلے ہونے کا، مونے تازے لوگ اچھے ہوتے ہیں اور لڑکیاں ہونی ہوں تو اچھی لگتی ہیں، کپڑے زیور پہنے بھی اچھے لگتے ہیں، سوکھی سڑی لڑکیاں ہوتی ہیں کوئی، شکل سے لگتی ہیں فاقے زدہ، سوکھے کی سر بیض، کلکریوں کی طرح۔" وہ جتنی تیزی سے کھا رہی تھی، زبان بھی اتنی تیزی سے چل رہی تھی، گرین وینک سوٹ میں اس کی گندمی رنگت نمایاں تھی۔

"آہا..... کیا بات ہے۔ کاش تمہارے خیالات سے استفادہ کوئی حاصل کر سکے۔"

"اماں کہتی ہے اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ اپنی صحت سے بچانے جانتے ہیں، دیے ہماری برداری میں ہمارا گھرانہ زیادہ عزت دار ہے۔"

"اچھا....."

"ہماری طرح کھانا پینا کوئی نہیں ہے، ابا کی تو بہت ہی عزت ہے۔"

"تمہارا ابا تو پہلوانوں سے مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔"

”نہ باقی! ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔“ چند اس کی بات کو نہیں سمجھی تھی، اسی دم اس کی ماں نے آواز دی تو وہ چلی گئی۔ کرن نے وال کھلاک دیکھا، ناٹم گز رہا تھا اس وقت تک دو گرینی کوڈشتہ اور میڈیسن دے کر فارغ کر چکی ہوئی تھی اور آج سب کچھ اتالیٹ ہو رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا انس کے آنے سے قبل وہ اس سے بہت مانوس ہو گئی تھیں۔ خاصی حد تک انحصار، اس کی ذات پر کرنے لگی تھیں۔ اکٹھین اور بے زاری جوان کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی، کبھی کبھی وہ موڈ ان پر طاری ہوتا تھا مگر جب سے وہ آیا تھا، گرینی بدلتی جا رہی تھیں۔ ان کی کوشش ہوتی وہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنے پوتے کے ہمراہ گزاریں اور وہ ٹائٹ ان کی نگاہوں سے ادھل ہو جائے اور ان کے اس رویے کے سبب وہ مضرب ہو رہی تھی۔ ایک خرابی کی خرابیوں کی جزئی ہے، ان کی ایک لاپرواہی میڈیسن کی ٹائٹنگ کو خراب کر رہی تھی جوان کی صحت کے لیے سخت نقصان دو تھی اور وہ اس بات کو ماننے کو تیار نہ تھیں۔

”اوہ..... یہاں ناشتہ چل رہا ہے وہاں گرینی کا نہ صرف بریک فاسٹ بلکہ میڈیسن کا شیڈول بھی آؤٹ ہو رہا ہے۔“ دو اسی گھر میں غلط چائے پی رہی تھی کہ اس کی سخت آواز سن کر بوکھلا کر کھڑی ہوئی تھی جو بیک ڈور سے اس کی پشت پر آن کھڑا ہوا تھا۔

”سس..... سراؤ.....“

”مجھے کوئی آؤٹ کو میٹس نہیں چاہیے، مجھے ڈیوٹی کے ناٹم صرف ڈیوٹی چاہیے، آج غرسٹ اینڈ لاسٹ وارننگ ہے، تمہارے لیے ٹیکسٹ ناٹم میں ایسی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔ مجھے ایسے غیر ذمہ دار ملازمین کی ضرورت نہیں۔ جو اپنے پیٹ کی پرواہ کریں اور مالک بھوکا انتظار کرتا رہ جائے۔“ جتنی سختی و جلدی اس کے سبج میں تھی، اس سے زیادہ کڑواہٹ و تنفر اس کے لفظوں میں تھا، بے حد تنبیہی لگا ہوں سے اس نے کرن کے ہاتھ میں پکڑے گ اور سینئر نیپل پر رکھی ڈے میں بکھرے بخش کے ذرات کو دیکھا اور دھپ دھپ کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور وہ تو جیسے ذلت دے عزی کے احساس سے گنگ کھڑی رہی گئی تھی۔ خوش ذائقہ چائے کا گھونٹ کڑ دے سیال میں بدل گیا، دگوں میں گویا تیزاب کی جلن چھلکے لگی۔

اس قدر اہانت، اس قدر ذلت، اس قدر سفاکی؟

لاؤنج کسی دائرے کی صورت میں گھومنے لگا، ہاتھ میں پکڑے گ میں باقی ماندہ چائے..... چائے نہیں خون تھا، خون اس کی عزت نفس کا، خون اس کی محنت و وقار داری کا جو وہ بڑی دیانت داری کے ساتھ ملازمت کی صورت میں ادا کرتی رہی تھی۔

اسے ان سے ہاتھیں کرتے وقت کوئی شیڈول یاد نہ رہا تھا۔ اسے جب بڑی حقارت سے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا، جب بھی اسے کوئی ٹائٹنگ یاد نہ آتی تھی۔ کتنی آسانی سے، کیسی سفاکی سے وہ اسے غیر ذمہ دار ہونے کا طعنہ دے گیا تھا۔

کیا غیر ذمہ داری کی تھی اس نے؟ ایک طرح سے اس نے اسے تنگ حرام ہی کہا تھا۔ بے شک سارا وقت گرینی کی خدمت میں گزارنے کے باوجود کھانے کے اوقات وہ سروسٹ کوادر جاکر کھا کر آتی تھی۔ پہلی بار آج چندا کے اصرار پر دو چائے کے چند گھونٹ پینے کی گناہ گار ضرور ہوئی تھی جو ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ سزا کے طور پر کیا کچھ نہ سننے کو مل گیا تھا۔

اس تک آہستگی سے نیکل پر رکھا اور اپنے مشتعل حواسوں کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بڑے گھر میں رہنے والے چھوٹے دل کے شخص، اگر مجھے کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر ہوتا تو اسی پہل ملازمت تیرے منہ پر مار کر جا چکی ہوتی، کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا، بلاوجہ کسی کی عزت نفس مجروح کرنے کا، یہاں جو کچھ بھی ملتا ہے، وہ نہ احسان ہوتا ہے اور نہ نمک، وہ محنت کا معاوضہ ہوتا ہے۔" حسب عادت اس نے غائبانہ طور پر اسے کھری کھری سنائی تھیں۔

پہلی بار عزت نفس مجروح نہ ہوئی تھی۔

پہلی بار ذلت و توہین کا احساس نہ جاگھا تھا۔

یہ ارزانیست و بے مانگی کا احساس اس کے ساتھ سائے کی طرح رہا تھا اور حیرت اس امر کی تھی کہ وہ ابھی تک اس کی عادی نہ ہو سکی تھی۔

دو اپنے نفس کے وادیوں کو نظر انداز کرتی، دماغ کی ہدایت پر مگرینی کے ددم کی طرف بڑھ گئی کہ وقت، حالات اس کے تابع نہ تھے، وہ ان کی محکوم تھی۔

مگرینی کا موڈ حد سے زیادہ آف تھا۔ وہ کسی ضدی و خود سر پہنے کی طرح غرے کر رہی تھیں۔ ناشتہ سوخروں سے کیا تو ہزار تازا اٹھوا کر میڈیسن لی تھیں اور اسے بے نقط سنائی الگ، آج اس کا ستارہ گردش میں تھا۔

"بہت چپ چپ ہو کر نا طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اس کے سنے ہوئے چہرے، نرم آنکھوں کو دیکھ کر نو شاہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"طبیعت نہیں، نصیب خراب ہیں ماما!" دو یاسیت کا شدید شکار تھی اس وقت۔

"کیا ہوا؟ کسی سے کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ پریشانی سے بولیں۔

"وہی دلت بھری زندگی کا زرخ ایک عرصے بعد پھر دیکھا ہے میں نے، جس کو چند ماہ قبل میں چھوڑ آئی تھی، خطرہ و تحقیر بے شک جنس بدل لیں مگر کٹ نہیں بدل پاتے، ایک ایک لفظ بندے کو گھناہل کر کے ترہپنے، سسکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

"کیوں پسلیاں بھوار ہی ہو، صاف صاف بتاتی کیوں نہیں ہو، کیا ہوا ہے؟" ان کی متا میں فطری بے قراری عود کرتی تھی۔

اس نے انہیں دو سب کچھ بتا دیا جو صبح سے اس کے ذہن و احصاب پر جو کھوں کی طرح چپنے ہوئے تھے، وہ ہاؤ جود کوشش کے خود کو اس تکلف سے باز نہ رکھ سکی تھی۔

"کیا کریں؟ بات ہے تو اخلاقیات کے لبادے سے نکل ہوئی مگر پھر وہی بات آتی ہے، ہمارا ان سے کوئی قریبی تعلق یا خون کا رشتہ نہیں ہے، ہمارا تعلق تو کرو مالک کا ہے۔ ہم خواہ کچھ بھی کر لیں، اپنے کو ان سے بڑھ کر نہیں پاسکتے، سمجھ رہی ہوں میری بات، مالک کی کسی بات کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنانا۔"

”انا اور عزت نفس! ان احساسات کا تو لگتا ہے، سودا کر بیٹھی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح زندگی کی گاڑی چلے گی۔ ہمارا جیون بھی کسی کشمن پر خادما سے کی مانند ہے جہاں کے نشیب و فراز، کشمئیاں اس قدر پر پہنچیں کہ جہاں آسانوں و آزمائشوں کے اختتام کی کوئی منزل ہی نظر نہیں آتی، ہاں تو وہ اوقت کسی اچھے خواب کی مانند گزرا ضرور ہے۔ اب آنکھ کھلی ہے تو وہی حالات ہیں، چہرے بدل گئے ہیں، خود خال بدل گئے ہیں مگر مظلوم و مظلومہ، حقارت و بے مائیگی نمایاں کرنے کے مظاہرے وہی ہیں۔“

اس پر پوری طرح سے یاسیت و یسرورگی چھا گئی تھی، وجہ شاید یہ بھی تھی ماسوں کے گھر میں وہ برابر کے جواب دے کر حساب بے باک کر دیا کرتی تھی۔ یہاں اس شخص نے اسے جس طرح بے بھاد کی سنائی تھیں، مستر اس کا لہجہ و انداز اسے بھلائے نہ بھول رہے تھے۔ قصور نہ دوتے ہوئے بھی اسے سب سننا پڑا، پھر کوئی صفائی کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ بے شک و واسپے اور اس کے مرتبے کو پہچانتی تھی، سو بد تمیزی سے نہیں ادب سے ہی وہ اسے سمجھا سکتی تھی کہ وہ تو خود اس بات سے پریشان ہو رہی تھی مگر مئی کے مٹاتے اور میڈیسن کا ٹائم آؤٹ ہو رہا تھا اور ان کے شدید مرض کے نوعیت کی باعث کسی بھی معاملے میں ویر نہیں ہونی چاہیے مگر وہ اپنی حیثیت کے تعین کے باعث صبر کر کے بیٹھی رہی تھی اور اس کو پوری گفتگو کرنے کے بعد خیال آیا تو بڑی آسانی سے وہ اسے مور و التزام ٹھہرا کر بے عزت کر گیا تھا۔

”نشیب و فراز، دھوپ و چھاؤں ہی تو ہم کو زندگی کی حیثیتوں سے روشناس کرتی ہیں، جو تو دنیا موت ہے۔ متحرک رہتا ہی حیات ہے۔ چھوڑ دو، وہ ہمارے کوئی عزیز تو ہیں نہیں، جو شکایت کرنے پہنچ جائیں، قدموں کے نیچے زمین اور سروں کے اوپر چھت کی قیمت ہمیں اسی طرح چکانی پڑے گی، پھر جا بھی کہاں سکتے ہیں بھلا؟“ بیٹی کی بیگی آنکھیں اور اتری شکل ان کے دل کو آری کی طرح کاٹ رہی تھیں۔ وہ اپنے خون کے شاہانہ پن کو جانتی تھیں جس ماحول میں اور جس طرح کرن کو نامساعد حالات میں ایک ایک ضرورت کی چیزوں کے لیے تڑپنا اور جھڑکیاں دھنسنے کو ملتے تھے، ایسے میں کوئی بھی دوسری بچی ہوتی تو وہ عزت نفس، وقار و ناجہول کر لوگوں کے اشارے پر چلنے والی بے حیثیت و بے مول لڑکی ہوتی، لیکن وہ سب جھگٹنے کے باوجود الگ مزاج کی لڑکی تھی، کسی کا جھوٹا لہانے سے بہتر وہ بھوکے اسکو ل جانا پسند کرتی تھی، کسی کی آترن سے بہتر اسے اپنے ٹمکے پرانے کپڑے عزیز تھے، اپنے پھٹے جوتوں میں وہ اس کردار سے چلتی جیسے کوئی شہزادی بڑے مطہراق و تفاخر سے چل رہی ہو، فقیری زندگی گزارنے کے باوجود اس کے مزاج بچپن سے شاہانہ تھے، کسی سے ناجائز نہ بتایا، کسی سے سننا تو اسے گوارا ہی نہ تھا۔ بھائیاں طعنے میں کہتی تھیں۔

”سنبھال کر رکھا کر دہائی ملکہ نور جہاں کو۔ ابھی بھی وقت ہے سنبھالو اسے، چھوڑ دے ایسی حرکتیں ورنہ اگلے گھر پہلے دن ہی چوٹی پکڑ کر نکال دی جائے گی، تمہیں تو تمہارے بھائی بھگت رہے ہیں، اسے کون برداشت کرے گا؟“

”اللہ نہ کرے جو میری قسمت میری بیٹی کی پر چھائیں نہیں۔“ وہ فوراً دل میں لہزہ کرو عا مل کر کرتی تھیں۔

اب بھی اس کی لوابی طبیعت، شاہانہ مزاج پر اس کا رویہ کوڑے برسا رہا تھا اور بچپن کی طرح اب بھی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھی۔

”لا حول ولا ایسے انسان نما جانور سے میں رشتے داری کا سوچ بھی نہیں سکتی۔“ وہ منہ بنا کر تیزی سے بولی تھی۔

”ارے آواز تو جیسی رکھنا سمجھ، جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر، کچھ تو عقل کا استعمال کرنا سیکھ جاؤ۔“

”ساری احتیاطیں، ساری سمجھ داری ہمارے ہی کھاتے میں آتی ہے آخر کیوں؟“

”بس چھوڑ فضول کی بحث، کھانا کھاؤ، پھر اندر سے بلاوا آئے گا۔“ وہ اٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

”تم نہیں کھاؤ گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ یہ کوئی بات نہیں ہوئی کہ جہاں کوئی بات ہوئی، تم نے کھانے سے انکار مسمی شروع کر دی۔“

”مما! میرا دل نہیں چاہ رہا۔“

”کھانے کا تعلق معدے سے ہوتا ہے، دل سے نہیں۔ کھانے بیٹھو گی تو بھوک لگے گی، ویسے بھی ان چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز

کرنا سیکھو، ورنہ بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے اور سوچ لینا اس لٹکانے کے بعد ہمارے پاس کوئی اور دور نہیں ہے۔ زندگی ہماری ایک جلد

مسلل ہے۔ پھر کیوں اس میں مزید رکاوٹیں بڑھانے کی سعی کر رہی ہو، سختی تھی بارہ سال بعد گھوڑے کے ون بھی بدل جاتے ہیں مگر بیس

سال بعد بھی ہمارا وقت نہ بدلا، شاید ہمارے مقدر میں اسی طرح رہنا لکھا ہے تو ہمیں اب بھی سنبھال لینا ہے، خود سے جو ہو رہا ہے، اچھا ہو

رہا ہے، سمجھ کے رہنا ہے۔“

☆.....☆.....☆

”دشت تمہائی میں اے جان جہاں ا

لرزاں ہیں تیری یادوں کے کنول، تیرے ہونٹوں کے سراب

دشت تمہائی میں.....“

”مائی فٹ، اسٹاپ اٹ۔“ اس نے جھنجھلا کر نیپ آف کیا تھا۔

”یہ سنو پھر۔“ سعد نے دوسری کیسٹ پلے کرتے ہوئے کہا۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن!

جیسے رہیں تصور جاناں کیسے ہوئے.....

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی.....“

”سعد..... سعد! تم ہاں نہیں آئے تو میں کار کسی درخت سے نکلادوں گا۔ حد ہوتی ہے کسی کو زچ کرنے کی بھی۔“ حسب عادت دو

برہی طرح تڑپ اٹھا۔

”زچ تم کر رہے ہوتا کہ میں؟ ہر وقت تمہو بڑا سو جائے رکھتے ہو، کوئی شرافت والی بات نہیں ہے۔ تمہارا چہرہ دو کیے کر لیا لگتا ہے،

گویا قبرستان سے اپنی محبوبہ دل نواز کو دفن کر آ رہے ہو، غم و الم کی تصویر بنے۔“

”مث اپ یار! بات تو اچھی کیا کردار یاد آگئی ہو گئی مث لیس دینے سے پرہیز کیا کرڈ۔“

”ہاں سب کچھ میں کروں، تمہیں تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ اس بار وہ نئی طرح جل کر گویا ہوا تو اس نے بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

”تمہاری پرابلم کا کیا حال چال ہے؟ جب سے آیا ہوں ملاقات نہیں ہوئی ہے۔“ بہت خوب صورتی سے وہ اس کا موڈ پہنچ کر چکا تھا۔
 ”پرابلم نہیں، خوشی کہو، شادمانی کہو، دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہے وہ، اسے دیکھتے ہی تو اس قدر فرح میں رنگ بھر جاتے ہیں، چاند کی چاندنی اس کے وجود سے ہے، پھولوں میں دل کشی، ستاروں میں تابندگی، اس کے دم سے ہے، تم کیا جانو وہ کیا ہے۔“
 ”مجھے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، تم جانتے ہو یہ کافی ہے۔“ وہ کارکلفٹ اسٹریٹ کی جانب موڑتے ہوئے بولا۔
 ”تم کہہ رہے تھے، کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ کیا بات ہے؟“ وہ ریٹورنٹ میں آگئے تھے۔ ویٹر سینڈوچز اور کافی سرو کر گیا تھا۔
 ”کل فاریہ کے چھانے بلوایا تھا مجھے، وہ شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ سعد نے سینڈوچ کھاتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔
 ”وہ چاہتے ہیں شادی کرنا؟ یومین سکیٹھ میرج؟“
 ”اوہ شٹ، مطلب وہ چاہتے ہیں، میں جلد از جلد فاریہ کو سزاوار یہ سعد بنا کر گھر لے آؤں گا کہ اس سے چھوٹی بہنوں کا بھی نمبر آسکے۔“ وہ اس کی شوخی پر گھورتا ہوا وضاحتی انداز میں بولا۔

”پھر تمہیں کیا پرابلم ہے، تمہاری تو ولی مراد برآ رہی ہے، کیا سوچ رہے ہو اور کیوں؟ میرے تو خیال میں تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیے، کوئی تو طلب کے راستوں میں سرخوردگی کی منزل کو حاصل کرے، ورنہ یہ ایسا دھبہ لا حاصل ہے جہاں عمریں تمام ہو جاتی ہیں اور ہاتھ صرف خوابوں کے، کچھ اور نہیں ملتا۔“ انس نے کافی سنگ سے نکلتی بھاپ کو گھورتے ہوئے تجھدی سے کہا۔
 ”لگن ہی ہو تو ہر شے حاصل ہو جاتی ہے جیسے تالی بجانے کے لیے دو ہاتھ درکار ہوتے ہیں، ایسے ہی طلب کی راہ پر چلنے کے لیے جذبے بھی کھوٹ سے پاک ہونے چاہئیں تو کامیابی کبھی نہ کبھی ضرور قدم چومتی ہے۔“
 ”اچھا تو تم اب مجھے گائیڈ کرو گے“ سنگ ہونٹوں سے لگا تا وہ مسکرا کر بولا۔
 ”اونیوں، میری کیا مجال ہے جو شخص خود کس گائیڈ ہونا چاہے وہ کس طرح گائیڈ ہونا پسند کرے گا، اپنی دے، تم نے اب اپنی فیوچر پلاننگ کیا کی ہے؟“

”بات تمہارے فیوچر پلان کی ہو رہی ہے، مجھے بھول کر اپنی سوچ، فاریہ کے فادر کی بات مان لو اور اگلے ہفتے ہمارے لے کر پہنچ جاؤ۔“
 ”میں تو یہی چاہتا ہوں، مگر وہ کہتے ہیں میرے بزرگوں سے ملیں گے، پھر شادی کی ڈیٹ فکس ہوگی۔“ کل سے وہ جس الجھن میں مبتلا تھا وہ اس کے لبوں پر جاری تھی جو انس بڑے دھیان سے سن رہا تھا۔
 ”جی کو کھلی آزادی دیتے وقت ان فادر کی آنکھیں کیوں بند ہو جاتی ہیں۔ اب جب کہ ہر بات طے ہونے کے بعد انہیں کیوں تمہاری ٹیلی فون فریاد آتے ہیں۔ اس سے قبل کہاں تھے وہ؟“ وہ بگڑے موڈ سے بولا۔

”میں نے آنٹی سے کہا تھا، وہ معذرت کرتے ہوئے گویا ہوئیں کہ انہوں نے یہ معاملہ ان سے اوجھل رکھا ہوا تھا۔ انہیں اب معلوم ہوا ہے تو وہ میرے خاندان و حسب و نسب سے مکمل آگاہی چاہتے ہیں اور مجھے فاریہ کے حصول کی خاطر انہیں مطمئن کرنا بھی پڑے گا، ورنہ.....“ وہ یکثرت چپ ہو گیا۔

”ورنہ..... کیا ورنہ“ اس نے غل پر کہتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

”فاریہ کا حصول میرے لیے ناممکن ہے۔“ اس نے دھواں دھواں لہجے میں بتایا۔

”وہاٹ؟ یہ کیسے ممکن ہے۔ کسی کے جذباتوں سے کھیلنا کوئی مذاق نہیں ہوتا یا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”انکل بہت فصدور ہیں پہلی ملاقات میں، اسی مجھے معلوم ہو گیا ہے، وہ اپنی تلی کیے بغیر کسی صورت نہیں مانیں گے۔“

”شادی کے لیے اتنی فضولیات، ویسے ہاتھوں کے لڑکی کسی کے ساتھ گھومتی پھرے، جب انہیں اپنی عزت و خاندانی وقار کا خیال نہیں آتا ہے۔“

”انکی بات نہیں ہے یا راز اور میں“ کسی“ تھوڑی ہوں۔ فاریہ سے بچی محبت کرتا ہوں، ہمارے درمیان از حد مضبوط تعلق بن گیا ہے۔“ اسے خود کو غیر کہلاتا اس کے منہ سے پسند نہ آیا تو ریجیدگی سے بولا۔

”ماہیخند نہ کرو تم بلا کسی معتبر رشتے کے ان کے لیے غیر ہی ہو، اب تم نے نکپ ہا تک رکھی ہے کہ وہ تمہاری فیاضی ہے، تم نے اس کی برکت دے پڑ گولڈ رنگ پیناوی اور سب سے تعلق استوار ہو گیا۔“

”آنٹی نے یہی کہا تھا کہ دو رشتہ رشتہ اکل کو منالیں گی، ویسے میں رشتے کو پکا سمجھوں اور میں کیا کرتا، جو انہوں نے کہا وہ میں نے کیا۔“

”مجھے ان نام نہاد عزت داروں کی بات سمجھ میں نہیں آتی، جن سے بیٹیوں کی جوانیاں سنبھالی نہیں جاتیں، پھر پانی سر سے اونچا ہو جائے تو ایسے لوگ دوسروں کی پکڑیاں اچھالنے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔“ ان کے لہجے سے انداز کا دور و سبب ہو رہا تھا۔

”دلوں کے درمیان محکمہ خاموشی چھائی تھی۔ سوچوں کے گرداب میں پھنسے کافی پی رہے تھے، پھر کچھ وقف کے بعد انس بولا۔

”اب تم ہٹاؤ کیا چاہتے ہو، یہ کوئی قسمی استوری تو ہے نہیں جو تم کرائے پر ماں، باپ و دیگر عزیز و اقارب اکٹھا کر کے لے جاؤ گے۔ یہ رٹل لائف ہے، یہاں جتنے کریکٹرز ہوں گے، سب رٹل پرسنالٹیز والے چاہئیں۔“

”میں تمام حقیقت انہیں بتا چکا ہوں، پھر بھی نہ معلوم وہ کیوں بھند ہیں۔“

”ان جیسے پیرٹس کو ان ہی موقعوں پر اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس ہوتا ہے، ویسے یہ ہر معاملے سے لاتعلقی رہتے ہیں۔ تم فکر مت کرو، میں چلوں گا تمہارے ساتھ اور ان کی ہر تلی کو مکمل کر دوں گا۔“ وہ اطمینان سے بولا تو سعد کا سر جھکایا ہوا چہرہ ایک دم مکمل اٹھا اور وہ مسکرا کر بولا۔

”رٹیل، تم چلو گے نا؟ وراصل میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ چلو، کیونکہ تم مجھے اچھی طرح کنوئس کر سکتے ہو وہاں پر۔“

”تم نے خود آخر کیوں نہیں کی؟“ اس نے سعد کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس..... مجھے ڈر تھا کہ..... تم انکار نہ کر دو۔“

”یہی دوستی ہے؟ اتنا سمجھ پائے ہو مجھے؟“ اس کے بھاری لہجے میں خفگی تھی۔

”نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ہے یا راجہ! محبت بڑی ظالم شے ہے جب ہوتی ہے تو بندے کو بڑا عجیب سا بنا دیتی ہے یہ اس کا کرشمہ ہے جو میں پُر یقین ہونے کے باوجود بس دوسوے کا شکار تھا کہ کسی وجہ سے تم نے انکار کر دیا تو میں اسے کھودوں گا اور میں اسے کھوتا نہیں چاہتا۔“

”او کے، او کے اگر میں تمہاری کیفیت سمجھ نہیں پا رہا ہوتا تو پھر میں دماغ درست کر دیتا۔“ وہ ایشور کو بل پے کرنے کے بعد اٹھتے ہوئے بولا، تو سعد کے لبوں پر بھی جان دار مسکراہٹ ابھرا آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

دروازے پر دستک ہوئی تھی، نوشابہ نے اندر سے آنے والے کا نام دریافت کیا تو جواب نام کے بجائے خاموشی سننے کو ملی تھی۔

”کون ہے یہ؟“ جواب کیوں نہیں دیتے؟“ خاصے توقف سے وہ گویا ہوئیں۔

”پھوپھو! میں ہوں حمزہ۔“

”حمزہ!“ چند لمحے اس نام کی گونج ان کے اندر بھیلی رہی تھی، انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا وہ گوگو کی کیفیت میں دروازے کو نکلے جا رہی تھیں جس کے دوسری جانب وہ کھڑا تھا جو ان کے سب سے قریب تھا، جس کی بے لوث محبت اور ہمدردی جو وہ نے انہیں کبھی بیٹے کی کی محسوس نہ ہونے دی تھی۔ ”کیا وہ سچ کا حمزہ ہے؟ اگر وہی ہے تو یہاں کیسے پہنچا؟ کس نے بتایا! دھڑکا ٹھکانا؟“

”پھوپھو! دروازہ کھولیں۔“ اس بار حمزہ کی آواز نے انہیں دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسرا نے کھڑا تھا فردوس کے شاپرڈ ہاتھوں میں پکڑے ایک عرصے بعد اسے سامنے دیکھا تھا جس کو صبح و شام دیکھنے کی عادی تھیں۔ دل کو نہ معلوم کیا، وا کہ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکیں۔

”السلام علیکم، پھوپھو جان! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“

وہ خود ہی اندر آ گیا تھا اور شاپرڈ چیز پر رکھتا ہوا بولا تو نوشابہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

”کتنے عرصے بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں، آنکھوں پر یقین نہیں آرہا، دل میں کیسی طمانیت پھیلی ہے، لٹھروں میں بیان نہیں کر

سکتی۔“ وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولیں۔

”یہاں ہینک پر نہ تھا آرام سے، اور سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں، بھائی، بھابھیاں، بچے وغیرہ سب ٹھیک ہیں؟“ وہ بھی وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

”جی سب ٹھیک ہیں۔“ گھر والوں کے ذکر پر وہ جھینپ گیا تھا۔ وہ بڑے لگاؤ سے ایک ایک کا پوچھ رہی تھیں، ان کے اعزاز میں

کوئی طویا نفرت نہ تھی۔ دی محبت سے گوشت حاشد آگئیں لہجہ، وہ ویسے ہی تھیں بے قصور، مار کھا کر بھی ڈعا دیتے والی، دبے نفس، صبر و شکر کا پیکر،

مراپائے ایثار و وفا، ورنہ وہ تو آتے ہوئے ڈور ہاتھ کہ پھپھو کہیں دھکے دے کر نکال باہر نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کرتی بھی تو بے جا نہ تھا، جس تذلیل و مکندے بہتان لگا کر ان کو اور کرن کو در بدر کیا گیا تھا، ایسے سلوک پر ان کا رد عمل بے جا نہ ہوتا، اس دن جو کچھ ہوا اس میں سراسر قصور واردہ بھی تھا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ کچھ بہادری کا مظاہرہ کرتا، کرن کو گیت سے دور اتارنے کے بجائے گیت کے پاس ہی اتار جاتا تو ہر گز یہ نہیں ہوتا جو ہوا۔

”پھپھو! میں بہت شرمندہ ہوں۔ اس دن جو کچھ ہوا بہت غلط، بہت بُرا ہوا۔ آپ کو وہ گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، پاپا نے آپ کو گھر سے نکالا اور آپ نکل گئیں، ان کی آنکھوں پر تو سازشوں کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کے باعث نہ انہیں معلوم، بہن کی بے بسی نظر آئی اور نہ ہی جوان بھانجی کی عزت، میں شام کو یونیورسٹی سے واپس آیا تو باہری مہر نے مجھے پوری تفصیل سنا ڈالی تھی اور میں اسی وقت اسے لے کر آپ کو اور کرن کو ڈھونڈنے نکل گیا تھا۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا آپ کو، امید می ہوم تک کھنگال آئے تھے پھر مرنی چکر کرن کی دوست عادلہ کی طرف لگاے ہر بار اس کے دروازے پر پڑا اتالا اور پریشانی میں جلا کر گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ لوگ ہیں کہاں۔ پہلی بار پاپا کے روبرو بھی ہوا، آپ کی سائڈ لی، پاپا نے کہا انہیں خود یقین نہیں تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ مئی اور اکتوبر کی زبانی سب سن کر بھی یقین نہیں کرتے تھے، میں نے قسم کھا کر بتایا کہ وہ میں تھا کوئی اور نہیں جو کرن کو جلدی کی وجہ سے ڈاب کر کے گیا تھا۔ پاپا کو یقین آ گیا تھا مگر ان کا کہنا آج تک یہی ہے کہ وہ غصے میں انہیں گھر سے جانے کا کہہ بھی بیٹھے تھے تو وہ مگر چھوڑ کر کیوں گئیں؟ جب اس گھر کے ہوا کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں تھا تو کیوں دلہیز بھلا گئیں، اگر حق پر تھیں تو یہیں رہ کر اپنے بچ کو ثابت کرتیں، کوئی آس، کسی سے کوئی امید تھی جس کے سہارے مگر چھوڑ کر گئی ہیں۔“

”امید، آس، ہی نہیں، یقین تھا کہ جس نے پیدا کیا ہے جو تنقید میں بنانے والا ہے جس نے پانی کی تہوں میں کیڑوں کے گھر بنائے ہیں، جس نے پتھروں میں بھی اپنی تلوں کو وزن پہنچانے کی ڈے داری اٹھائی ہے، وہ بھلا ہم سے غافل کس طرح رہ سکتا ہے، پھر وہ خود فرماتا ہے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، وہ جیسا گمان رکھتا ہے مجھ سے، میں ویسا ہی لوازمات ہوں تو دیکھ لو، اپنوں نے سر سے چھت چھین کر بے آسرا سمجھا تھا، بیرون تھے زمین کھینچ کر بے سہارا کیا تھا، آج اس مہربان ذات کی عنایت سے مجھے چھت بھی میسر ہے اور زمین بھی، بہت سکون سے زندگی گزار رہے ہیں، کرن کل بھی ملازمت کر رہی تھی اور آج بھی کر رہی ہے۔“ وہ آہستگی سے اسے بتا رہی تھیں۔

”مجھے معلوم ہے پھپھو! گھر والوں کے بد صورت رویوں کے متعلق، لیکن پھر بھی کہوں گا آپ کو گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔“

”عمسوس کرنا اور سہنا الگ الگ کیفیت ہیں بیٹا! پھر گھر تو چھوڑنا ہی تھا، خیر چھوڑ دینا تو، جہیں یہاں کا پتہ کہاں سے ملا؟ کس نے بتایا؟ وہ اس تکلیف دہ موضوع کو چھیڑ کرتے ہوئے ہڈ اشتیاق لہجے میں بولیں۔

اس دوران وہ حمزہ کے منع کرنے کے باوجود شربت بنا چکی تھیں اور دو گلاس بھر بھر کر اسے پلاؤ چکی تھیں، ان کے چہرے پر ایسی روشنی تھی جو کئی راتیں اماؤس کے سیاہ اندھیروں کے بعد چمکتی ہے۔

”آپ کو کرن نے نہیں بتایا، ایک ہفتہ قبل میری اس کی شاپنگ سینٹر کے باہر ملاقات ہوئی تھی اور اس نے حسب حادثہ میری طبیعت صاف کی تھی۔ حالانکہ اس نے سختی سے منع کیا تھا کہ اگر پھر دوبارہ ملاقات ہو جائے تو بیچا لگی سے گزر جاؤں اور میں نے سوچا تھا کہ ایسا ہی کروں گا مگر..... نہ کر سکا۔ بہت احتیاط سے اس کے رکشے کا پیچھا کرتا ہوا میں یہ دیکھ چکا تھا، جب سے آج میں ہمت کر چکا ہوں یہاں آنے کی، کرن کا رویہ کچھ بھی سہی، مگر میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ اس نے جذباتی انداز میں ان کا ہاتھ آنکھوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

”تم دل چھو نہ کرو، میں کرن کو سمجھاؤں گی، پوچھوں گی اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔“ نوشاہہ کو کرن کی اس حرکت نے ڈک

پہنچایا تھا۔

”میرے خیال میں ابھی آپ اس سے میرے آنے کا ذکر نہ کریں تو بہتر ہے۔“

”کیوں..... میں کس طرح چھپاؤں گی؟“ وہ متحیر ہوئیں۔

اس کا غصہ اتر جائے تو پھر بتائیے گا۔ ابھی نہیں۔“ وہ اس کی مندی طبیعت سے واقف تھا کہ جو کبھی تھی وہ کر کے بھی دکھائی تھی۔ اس کے عزائم شروع سے خطرناک ہوتے تھے، ایک مرتبہ بعد دو ملی تھی اور اس بار وہ اسے پا کر کھونے کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔

☆.....☆.....☆

انس مڈرکسی آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگ گیا تھا، نہ معلوم اسے اس سے کیلئے خاش تھی، ہر کام میں وہ عیب نکالتا تھا اور آج تو حد ہی ہوئی تھی۔ گرینی کے کمرے میں سے اسے منٹائی رکھی ہوئی مل گئی تھی۔ گرینی کا شوگر لیول آج کافی ہائی ہو رہا تھا۔ وہ خوب بھی خاصی پریشان ہو رہی تھی کہ اتنی احتیاط دیکھ بھال کے باوجود شوگر کنٹرول کیوں نہیں ہو رہی تھی، حالانکہ وہ دو اور غذا نہیں ٹائم پر دے رہی تھی۔ وہ یہ معمہ حل کر بھی نہیں پاتی تھی کہ شاید بھی اس کے ہاتھ لگا تھا جس کی شخصیت بظاہر بہت پڑ دھار مہذب دکھائی دیتی تھی مگر مزاج اس کا شخصیت کے متعا تھا، وہ لفظوں کی مار سے انسان کو نہ حال کرو یا کرتا تھا۔

وہ کچن میں گرینی کے لیے دلیہ بنانے کے لیے کریوں کا جوس بنا رہی تھی، جب وہ ہاتھ میں منٹائی کا ڈبہ پکڑے وہ دانتا ہوا اس کے سر پر پھینک گیا۔

”ایسی ڈیوٹی دینی بہتر یہ تمہاری اپنی شہسی ہے؟“ اس نے اس کے قریب کاؤنٹر پر منٹائی کا ڈبہ اچھالتے ہوئے چیخ کر کہا تھا۔ اس کے اس طرح اچھالتے سے ڈبے سے نکل کر گلاب جانیں ادھر ادھر بکھر گئی تھیں۔ شیرے کی پیمیں، اچھل کر اس کے چہرے پر آ گری تھیں۔

”یہ..... یہ کہاں سے ملا ہے مڑ۔“ وہ بوکھلا گئی تھی اور کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی ہوئیں شو اور چہا ابھی اس کے انداز سے ہم کرا ایک طرف کھڑی ہو گئی تھیں۔

”گرینی کی بیڈ کی دراز سے ملا ہے، تمہیں معلوم ہے، کنڈیشن کتنی ویک مل رہی ہے۔ وہ پہلے ہی جیڈ لانڈ ڈائف گز رہی ہیں اور اپنی ڈائلی سے کیا مزید چاہتی ہو تم، کسی اور پرابلم کی متجائش ہے کیا؟“

شمو نے اپنی بات سمجھانے کے لیے اپنی عقل کے مطابق ہی دلیل دی تھی۔

”شکل و صورت سے کچھ بھی نہیں ہوتا شمو۔ انسان کو چلانے والی شے کا نام نصیب ہے۔ اس کے آگے ہر صورت، ہر سیرت مات ہے۔“ وہ ٹرے میں دلیہ اور جوس رکھتی ہوئی بوٹی اور ٹرے اٹھا کر گریٹی کے کمرے میں چلی آئی جو سو کر اٹھ چکی تھیں اور بڑے جارحانہ تیوروں سے اسے اندر داخل ہوتے دیکھ رہی تھیں۔

”میرے کمرے کی غاشیاں بھی ہوا کریں گی اب؟“ وہ کڑک کر پوچھیں۔

”کیوں..... کوئی خاص بات ہوئی ہے؟“ وہ ٹرے ان کے نزدیک رکھتے ہوئے انجان بن کر گویا ہوئی۔ ساتھ اپہرٹ اٹھا کر ان کے گلے میں سیٹ کرنے لگی تھی۔

”ہوں میرے کمرے میں کون آیا ابھی تب میں سو رہی تھی۔“ وہ گول مول انداز میں اس کے چہرے کو ٹٹولتے ہوئے پوچھیں۔

”انس سر آئے تھے۔“ وہ پلیٹ میں دلیہ لٹا رہی ہوئی پوچھیں۔

”ہاں، مجھے شہ قادیان کی کارستانی ہو سکتی ہے۔ کہاں ہے بلا کر لاؤ، اسے میں پوچھتی ہوں اس سے اس گھر میں، میں مرضی سے کچھ کھانی بھی نہیں سکتی۔“

وہ ایک دم آگ بگول ہو گئی تھیں۔ اپہرٹ بھی انہوں نے لوج کر پیٹک دیا تھا۔

”میڈم! میڈم! پلیز آپ غصے نہ ہوں، میں انہیں بلاتی ہوں۔“ انہیں جیننے چلاتے دیکھ کر وہ پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے باہر بھاگی تھی تاکہ کسی سے کہہ کر انس کو بلا سکے کہ اندر آتے انس سے ٹکراتے ٹکراتے چلی۔

”کیا پراہلم ہے؟“ وہ ایک سائیلنس میں ہوتا ہوا بولا۔

”وہ..... میڈم! کھانا نہیں کھا رہی ہیں۔ بہت غصے میں ہیں۔“

”شمو سے کہو میرا کھانا سیں لے آئے، گریٹی کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔“ اس بار اس کا رویہ کچھ بہتر تھا۔ کرن نے شمو کو ہدایت دے دی تھی اور واپس کمرے میں آئی تو گریٹی غصہ، جنون سب بھول بھال کر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”موت تو برحق ہے بیٹا، پھر جب مرنا ہی ہے تو کھا کر مرد کیوں ترس ترس کر مر جائے، میں ان ڈھکوسلوں کو نہیں مانتی ہوں۔“

”یہ سراسر خودکشی ہے۔ میں نہیں مانتا آپ کی من گھڑت تاویلوں کو۔“

”تو مانتا ہی کب ہے میری، جواب مانے گا۔“

”گریٹی! پلیز یہ بچوں کی طرح بی بیوہ کرنا چھوڑیں آپ، آپ کی زندگی ہمارے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔“ وہ از حد لگ رہی تھیں۔

”بس، رہنے دے خوب جانتی ہوں، کتنی محبت کرتا ہے۔“

”محبت کسی فیشن یا دکھاوے کا نام نہیں ہے جو سب کو نظر آئے، یہ تو دل میں اتر جانے والی سانسوں کا نام ہے کہ جب تک

دعائیں ہیں، دُعا کی ہے۔"

"بس یہ باقی بنانے کے علاوہ آتا کیا ہے تجھے؟ کچھ میری بھی مرضی اس گھر میں چلے گی یا نہیں۔ بہو میری خواہش پر اس گھر میں نہیں آسکتی اور منجائی....."

"پلیز..... پلیز مگر جی! اس ٹاپک کو میں اب کلوز کر دینا چاہتا ہوں۔" وہ جھجکا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"اچھا..... اچھا زیادہ ہوشیار نہ بن، جب بھی شادی کی بات کر دو، تجھے پٹھے کیوں لگ جاتے ہیں، دجائز بات کرتی ہوں نا جائز نہیں۔" مگر جی بھی اسی کے انداز میں پولیس تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"میڈم! کھانا....." اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ٹوکی رہے یا جائے، کیونکہ اس وقت وہ پرسنل لنگو کر رہے تھے جس کے دوران اسے اپنا یہاں موجود رہنا بالکل مناسب نہ لگ رہا تھا، سو ہمت جمع کر کے بولی۔

"آپ جائیں، مگر جی میرے ساتھ کھانا کھائیں گی۔" وہ اس سے مخاطب ہوا تو کرن فوراً ہی کمرے سے نکل آئی تھی۔ شوگرلی پکڑے چلی آ رہی تھی۔ وہ اپنے کوارٹر میں آگئی۔ کرسی پر رکھے فرانس نے اس کی توجہ فوراً ہی اپنی طرف مبذول کرائی تھی، وہ شاپرز سے جھانکتے ہوئے سب، دیکھو اور اسٹریڈری کے باکس دیکھ کر نو شاہ کی طرف مڑی تھی جو ابھی غلبر کی نماز پڑھ کر اٹھ رہی تھیں۔

"مما! یہ کہاں سے آئے کون لایا ہے؟"

"عزہ لایا تھا۔" انہوں نے جائے نماز قبر کرتے ہوئے جتنے اطمینان سے کہا تھا، دو دن کراتی ہی حیران و پریشان ہوئی تھی۔

"عزہ..... لایا تھا..... وہ کس طرح پہنچا یہاں پر۔ وہ یہیں کس طرح آسکتا ہے؟ اسے یہاں کا انڈرٹیس کس نے دیا؟"

"اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔"

"حیران نہیں، پریشان ہو رہی ہوں، آج وہ پہنچ گیا ہے، کل دوسرے آئیں گے اور پرسوں وہ سازشی کھوپڑیاں پہنچ جائیں گی اور ہم یہاں سے بھی نکال دیئے جائیں گے۔" وہ سخت مضطرب تھی۔

"کیوں فضول کے دوسروں کا شکار ہوتی ہو، ایسا کچھ نہیں ہوگا، مگر تم حزد کو اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ ایسا بچہ ہے؟ اس نے قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیا ہے، اپنی ماں کی نہیں، ہماری پرواہ کی ہے، دیکو بھولتی ہو اس کے احسا لوں کو دیکھا کچھ نہیں کیا تھا اس نے ہمارے لیے۔"

"یہ اچھا نہیں ہوا ہے، ماما وہ یہاں پہنچ کیسے گیا ہے؟" اس کا ذہن اسی اوجیز بن میں لگا ہوا تھا۔

"جس دن وہ تمہیں بازار میں ملا تھا وہیں سے تمہارے رکشے کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور جگہ دیکھ گیا تھا۔ بہت ڈرتا، جھپٹتا آیا تھا، کہہ رہا تھا کرن کو چاند چلے کر میں آیا تھا، اسے تمہارے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ تم نے مجھے بتایا یہی نہیں کہ اس سے مارکیٹ میں تمہاری ملاقات ہوئی ہے۔ اس کی محبت دیکھ لو، پہنچ ہی گیا وہ یہاں پر۔" پیچھے سے ملاقات ہونے پر وہ خاصی خوش و سرور دکھائی دے رہی تھیں۔

کرن غور سے ماں کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس کو محسوس کر کے وہ کہہ رہی تھیں۔

”کیا ہوا ایسا کیا دیکھ رہی ہو؟“

”حزہ سے مل کر کتنی خوش ہیں، ایسا کیوں ہے؟“

”اپنوں سے مل کر خوشی کس کو نہیں ہوتی، پھر حزہ میرا خون ہے، میرے بھائی کی اولاد۔“

”میں بھی تو کسی کا خون ہوں، کسی کی اولاد ہوں، میرے بھی تو اپنے ہوں گے، پھر انہیں خون کی کشش تڑپ میں جٹا کیوں نہیں کرتی؟ ایک بار بھی کوئی پکارنا نہیں آخر کیوں؟“ اس کی ذہنی رود پھر بجی تھی۔

”زبردستی کے بندھنوں میں کشش نہیں ہوتی اور محبت تو بالکل بھی نہیں۔ تمہارے باپ سے میری شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی اور مزید ستم یہ ہوا کہ ان کی خواہش کے بغیر ہی تم دنیا میں آ گئیں۔ ان سے تمہارا وجود ہی برداشت نہ ہوتا تھا، چہ جائیکہ ہم دو ہو گئے تھے۔ تمہاری رادی کی خواہش تھی پوتے کی اور تمہاری پیدائش نے ان کی اُمیدوں کے چراغ ہی گل کر دیئے تھے۔ مجھے اپنی ناقدری و بے وقعتی گوارا تھی مگر میں تمہیں ان کی نفرتوں کا شکار بننے دیکھنا برداشت نہ کر سکی اور مگر چھوڑ کر چلی گئی اور ان کی دلی مراد برآئی۔ وہاں سے پھر کوئی ٹیٹل رشت نہیں ہوئی۔ اس وقت امی، ابا، زندہ تھے، مگر کی حکمرانی میرے ہاتھ میں تھی، بھائی بھی جان چھڑکتے تھے، بھائیوں کی ہمت نہ تھی آواز نکالنے کی۔ بہت اچھی زندگی گزار رہی تھی، پھر خاندان کے بزرگوں نے کہا کہ شادی شدہ بیٹیاں گھر بیٹھی بچی نہیں ہیں۔ ان کا اصل مقام سسرال ہے، امی، ابا، بھائیوں کو سب نے سمجھایا کہ معاملہ درست کر کے مجھے اور کرن کو گھر بھجوائیں کہ آج ماں باپ کی موجودگی میں بھائی، بھائیاں برداشت کر رہی ہیں، ان کے بعد کوئی نہیں سمجھے گا، مجھے بھی بہت کچھ سمجھایا گیا، اونچ نیچ بتائی گئی اور مجھے بھی سمجھا آگئی کہ واقع آج میری بچی چھماو کی ہے، کل بڑی ہوگی تو ضرور اپنے باپ کا پوچھے گی، اپنے سے وابستہ رشتوں کا پوچھے گی تو کس طرح سمجھا پاؤں گی؟ گھر میں جب اپنے ماموں کے بچوں کو باپ سے لاڈ اٹھواتے، داد، دادی سے پیار بیٹھے دیکھنے کی تو احساس کسری کا شکار نہ ہوگی؟ ان ہی سوچوں، انہی خیالات نے مجھے اس زمانے میں دوبارہ جانے پر راضی کر لیا، جہاں سے میں ہمیشہ کے لیے نکل آئی تھی مگر ان لوگوں کے سینوں میں دھڑکنے والے دلوں میں گداز ہے نہ محبت، انہوں نے ہمیں اپنانے سے انکار کر دیا تو تمہارے باپ نے صاف کہہ دیا کہ اس گھر میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، اگر وہ آنا چاہیں تو خود ہی آئیں، یہاں سے کوئی نہیں جائے گا انہیں لینے۔“ انہوں نے ایک سرو آؤ بھری۔

”بس پھر کیا تھا، ماں باپ تو ہوتے ہی اولاد کے لیے محبت و ایثار کے پیکر، ان دنوں بھائیوں کی محبتوں کو ابھی بھائیوں کی جلن و حسد کی دیمک نہ لگی تھی، دو میری محبتوں میں پوری طرح سرشار فیصلہ نہایتیٹھے کہ ہماری بہن ہم پر بوجھ نہیں ہے، ہماری عزیمت ان دونوں کو سر آنگھوں پر رکھ سکتے ہیں۔ ہماری بہن اور بھانجی اسی صورت میں یہاں سے جائیں گی، جب وہ خود آ کر عزت و احترام کے ساتھ لے کر جائیں۔ انہیں کیا غرض پڑی تھی جو وہ زبردستی کے بندھن کو نبھاتے، نہ وہ آئے اور نہ ہی مجھے اجازت ملی گھر سے قدم باہر نکالنے کی، وقت گزر رہا تھا گیا، آٹھ دو سال کی ہوئیں تو اماں کے بعد ابا بھی ساتھ چھوڑ گئے، مگر کی حکمرانی از خود ہی بھائیوں کے ہاتھوں میں آ گئی، بھائی اپنے بزنس میں اتنے مصروف ہوئے کہ رفتہ رفتہ تقریباً بھول ہی گئے کہ اس گھر میں اپنی جس بہن و بھانجی کو اتنے فخر دمان سے رکھا تھا، ان کا کیا

حال ہے، پھر تمام صورت حال سے تم واقف ہو، آج میں نے تمہیں وہ حقیقت بتا دی ہے جس کو سننے کو تم ہمیشہ سے متنی رہی ہو۔

آج بلا ارادہ ہی وہ اسے سب کچھ بتا چکی تھیں جو وہ شعور کے آتے ہی بڑی شدت سے جاننے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ اب حقیقت جان کر جو دکھ و تکلیف اس کے چہرے سے عیاں ہوئی تھی، اسی تکلیف، اسی بے وقعتی کے احساس سے بچانے کی سعی وہ کرتی رہی تھیں، لیکن حقیقت پھر حقیقت ہوتی ہے جو کبھی نہ کبھی آشکارا ہونا ہوتی ہے۔

"اپ سیٹ ہو گئی ہو۔" انہوں نے اس کے زرد پڑتے چہرے، بھرا آنے والی آنکھیں دیکھ کر ملامت سے کہا۔

"میں اسی لیے تم سے یہ حقیقت چھپاتی آئی تھی کہ شاید تم برداشت نہ کر سکو۔ اپنی ذات کی نفی، اپنے وجود کا ناپسندیدہ ہونا کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔" انہوں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے بھرائے لہجے میں کہا اور وہ جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

☆.....☆.....☆

اپریل کی وہ رات بے حد خوشگوار اور روشن تھی۔

بہار کا موسم تھا۔ اُن مکت پھول لان میں مہک رہے تھے۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور پورے چاند کی دل کش چاندنی ہر سو پھیلی روشنی پھیلا رہی تھی اور اس کے اندر یادوں کی نرم جھم پھوار پڑنے لگی۔

یہی مہینہ تھا، بہار کے اوائل دن ہی تھے جب وہ سرایا بہار بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی اور بڑے کروفر سے اس دل کی سلطنت پر حکمرانی کرنے لگی تھی۔ مثال خان سے دوسری ملاقات بھی ایسی ہی اتفاقیہ تھی۔

وہ ان دنوں بزنس میٹنگ کے لیے اسلام آباد آیا ہوا تھا، جب وہ اسے فیصل مسجد کے باہر آئس کریم کھاتی ہوئی ملی، پھر نہ معلوم کیا ہوا، وہ اندر خود کسی اُن دیکھی طاقت کے زیر اثر اس کی جانب کھینچا چلا گیا۔

"ہیلو، کیسی ہیں مثال خان؟"

"ارے آپ..... انس مرشد خان۔ آئٹم فائن، آپ یہاں کیسے؟" وہ جو کچھ بھینکا ہوا اس خوف سے کہ وہ نہ معلوم کس رد عمل کا اظہار کرے، پچھانے یا نہ پچھانے تو بے عزتی نہ کر ڈالے مگر خلاف توقع وہ بڑے ہمدردانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی اور اپنا سفید خردلی ہاتھ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تو اس نے بڑھ کر اپنے مضبوط ہاتھ میں اس کا نازک ہاتھ تمام کر دیر سے سے دبا کر چھوڑ دیا تھا۔

"بزنس کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"میں یہاں اسپرنگ انجوائے کرنے آئی ہوں۔"

"اپنے شہر میں بہار نہیں آئی؟" اس نے منسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں، آئی تو ہے پہلے تھری پرسنٹ پالوشن کی نذر ہو کر ون پرسنٹ مل جایا کرتی تھی، اب جگہ جگہ ترقیاتی کاموں سے پیدا شدہ گڑھوں اور دھول، مٹی، کوڑا کرکٹ کی نذر ہو کر وہ بھی مٹ گئی ہے۔ پورے سال خزاں کا موسم ہی کراچی میں چھایا رہتا ہے۔"

وہ آنکس کریم شتم کر کے رومال سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی یولی۔

”اتنی محبت ہے آپ کو بہار سے۔“

”خوب صورت چیزوں سے سب کو محبت ہوتی ہے۔“

”لوگ کہتے ہیں خوب صورتی یا بد صورتی ہمارے اندر ہوتی ہے جو ہمارے اندر کے موسم کے تحت ہمیں نکھرتی ہے۔“

”لوگوں کو چھوڑ دو آپ اپنی بات کریں، لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے کچھ نہ کچھ کہنے کی۔ لوگوں کی باتوں میں نہ آیا کریں، آپ کا

دل کیا کہتا ہے وہ سنا کریں۔“ وہ شرارتی انداز میں گویا تھی۔ میرون اور بلیک خوب صورت کڑھائی والے سوٹ میں، سلکی بالوں کو شانوں پر بکھرائے وہ پہلے دن سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس نے شو لڈریک کھول کر دو چھ تکم کے پکٹ نکالے، ایک کارپیر ہٹا کر منہ میں رکھا اور دوسرا اس کی طرف بڑھایا تھا۔

”تو تھکنس۔ مجھے پسند نہیں ہے۔“ اس نے معذرت کی تھی۔

”اوہ..... خالصے بد ذوق آدمی ہیں آپ۔“ وہ دوسری بیل کا بھی رپیر پینک کڑھیل منہ میں رکھتے ہوئے یولی۔ ”اوہ سوری.....“

آپ نے مانعہ تو نہیں کیا؟“ اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا تو گھبرا کر یولی۔

”ارے نہیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو ناسنڈ کر کے اپنی انرجی ویسٹ کرنے کا عادی نہیں ہوں میں۔“

”ویری گڈ..... کول ماسنڈ ہیں آپ۔“

”ساری باتیں یہاں کھڑے کھڑے ہی کریں گی؟“ وہ اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے گویا ہوں۔

”کھڑے کھڑے کیوں بیٹھ جائیں۔ آرام سے جواب آیا تھا۔

”یہاں نہیں..... کسی انجی کی جگہ پر جہاں کافی مل سکے۔“

”اس کی تجویز پر اس کے دل کش چہرے پر سوچوں کی پرچھائیاں پھیل گئی تھیں جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پاری ہو۔

”پاسل نہیں ہے تو ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے، دراصل میں اپنی فیملی کے ساتھ یہاں نہیں آئی ہوں، اپنے فادر کے کزن کے ہاں آئی ہوں، یہ لوگ بہت

نیر و ماسنڈ ہیں۔ یہ لوگ کسی سے ریلیشن نہیں رکھتے، صرف اپنے لوگوں میں خوش ہیں، اگر میں آپ کے ساتھ چلی گئی تو کزن بڑھ جائے گی۔ وہ

اندر گئے ہیں، بس باہر آتے ہی ہوں گے، ایسا کریں آپ مجھے اپنا کنٹیکٹ نمبر دے دیں، موقع دیکھتے ہی میں آپ سے کنٹیکٹ کر لوں گی۔“

وہ بے ہمین نظروں سے مرکزی گیٹ کی جانب دیکھتی ہوئی یولی۔ اس نے کوٹ کی جیب سے اپنا وینٹگ کارڈ نکال کر اس کی

جانب بڑھایا جس کو بڑی احتیاط سے اس نے اپنے بیگ میں رکھا اور اسے ہائے بائے کہتی آ کے بڑھ گئی۔



جب دل دنیا کی رنگینوں سے لاتعلقی ہو جائے۔ چہتوں کے چہرے بے لباس ہو جائیں، زندگی بہاروں کے بزمِ ہواہنوں سے بے نیاز ہو کر خزاؤں کی عزائیت اٹھالے تو نقطہ وقت گزرتا ہے، دن اور رات کے سانچوں میں دخل کر، جہاں پھر خوشیوں کے اُجالے بھی نہیں پھیلتے، صرف اور صرف غموں کے سائے اور دُکھوں کے اندھیرے میں ہرست پر، ہر شے پر اپنے دبیز وجود محیط کر دیتے ہیں۔ ایسے گھور اندھیروں میں جب آس کے دیے، اُمید کے چراغ، آرزوؤں کے جگنو اپنی روشنی کو تینیس تو خیالات کی زمین پر تصورات کے رنگ اُبھرنے لگتے ہیں اور دل کی دنیا میں محبت کے عکس مجسم ہو کر ماضی کی متحرک تصویروں میں دخل جاتے ہیں، پھر چھڑانے سے بھی دامن نہیں چھوڑتے، تمہائی میں آپ کے رفیق بن جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔

مناں سے ملاقات سے قبل وہ بچکاموں کا شیدائی تھا۔

چمک، پارٹیز اور ہلاٹھا، زندگی کی تمام خوب صورتیاں و شوخیاں اس کے وجود سے ہم آہنگ تھیں، لمحے لمحے سے زندگی کا راس کشید کرنا اسے بخوبی آتا تھا۔ ایک وہ وقت تھا جب وہ جمود کو بے جان و جوہر کر داتا تھا اور اب اس وقت وہ کوئی تحریک، کوئی لچل اپنے اندر نہ پاتا تھا، ماسوائے اس کے کہ تمہائی موقع پاتے ہی ماضی کی مودی چپکے سے رنی و اسٹو کر دیتی تھی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان خیالات میں کھو جاتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”دیکھی تم نے بڑی بھابی چلتے بازیاں؟ کیسی چالاکی سے ان کی بیٹی کا پتا بھی صاف کیا اور ان کے پورشن پر غاصبانہ قبضہ بھی جما کر بیٹھ گئیں۔“ آسیہ جو کافی دنوں سے راحیلہ بھابی کی طرف سے دل میں بھرنے والا غبار لیے بیٹھی تھیں، ان کے گھر سے نکلتے ہی وہ دل کی بڑاس رخسانہ کے سامنے نکالنے لگیں۔ رخسانہ بالوں میں بڑبڑ کر رہی تھیں، ان کے انداز پر سیدھی ہوئی تھیں۔

”ہاں بھئی، کیا کریں بڑی بھو جو ہیں اس گھر کی۔ اماں بی کو مرتے وقت کلے کی اتنی ٹکڑ نہ تھی جتنی اس گھر کی چابیوں کی تھی۔ چابیوں کا کچھا بھابی کو کھاتے ہی وہ سکون سے ہمیشہ کے لیے سو گئی تھیں۔ خود تو سکون سے سو گئیں بڑی بی اور ہماری ناتواں جالوں پر اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئیں۔“

”ہات تو تم سو فیصد درست کہہ رہی ہو، بڑی بھابی کی مکاریوں نے میرا دل خراب کر ڈالا ہے۔ اماں بی کے بعد گھر کی سربراہ بن بیٹھی ہیں مگر سربراہی صرف اپنی ذات اور فیملی کی لالچ دے بہو تک ہی محدود ہے۔ بڑے ایسے ہوتے ہیں بھلا؟ ان ماں، بیٹی کو یہاں سے لگوانے کے لیے ان کے ساتھ ہم نے برابر ساتھ دیا۔ کیا کیا جتن نہ کیے، ہزاروں جھوٹ بولے، بے شمار غلط بیانیوں سے کام لیا اور بھی نہ معلوم کیا کیا ان کی پڑھائی گئی بیٹیوں میں پڑ کر کیا، وہ تو نکل گئیں، سوچا تھا وہ پورشن مین گیٹ سے ملحقہ ہے اس کو گیٹ روم بنادیں گے، کوئی نہ کوئی مہمان دور و نزدیک سے آکر قیام پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے مہمانوں کے لیے بالکل درست رہے گا وہ پورشن، جوان بچیوں کا

گھر ہے، احتیاطی بہترین شے ثابت ہوتی ہے اس دور میں، مگر بھابی نیگم نے تو صاف جواب دے دیا کہ وہ پورشن ان کے پورشن سے ملتی ہے اور انہیں سخت ضرورت ہے مزید کمروں کی۔ وہ اسے گیسٹ روم نہیں بنا سکتی، پھر دیکھ لو اسی ہفتے میں انہوں نے وہ حصہ تڑا کر از سر نو تعمیر کر دیا، کتنا کشادہ اور خوب صورت پورشن ہو گیا ہے ان کا۔"

"پیسہ بھی تو دل سے نکایا ہے۔ دیواروں پر اپو پورٹیلڈ ٹائلز، موزائیک کے فرش، مائریکن کچن کا تمام سامان اپو رٹیلڈ ہے، ہاتھ روٹر میں سرائکس ٹائلز کا استعمال ہوا ہے، ہر شے میچنگ کی اور اپو رٹیلڈ ہے پھر کیوں نہ ان کا پورشن لشکارے مارے گا؟ اپو رٹیلڈ چیزیں تو نفاست و خوب صورتی میں سب میں نمایاں ہوتی ہیں، ہماری لوکل چیزوں کی طرح تھوڑی آج استعمال کی ہل ہاتھ میں آگئی۔"

"ویسے تو بڑی بھابی کا ایک روپیہ خرچ کرتے ہوئے دم لگتا ہے، اب کیسے لاکھوں لکال کر دیئے ہوں گے۔ اول نمبر سنجوس کبھی چوس ہیں۔"

وہ مثال ہے، تاہم حجاب نے اپنی اپنی میں ریوڑھیاں، تو وہی مثال ان کی ہے اپنی پر خرچ کرتے وقت تو وہ حاتم طائی کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہیں۔ پیسہ نہ ہونے کا مسئلہ تو ہم ساتھ ہوں، جب اٹھتا ہے۔ آسپر راجیلہ سے از حد تھلا حاسد نظر آ رہی تھیں۔

"در اصل بات یہ نہیں ہے جن کو صرف لینے کی عادت پڑ چکی ہو، وہ پھر وصول کرنا جانتے ہیں۔ بڑی بھابی کو اول روز سے ہی کل عتار ہٹایا گیا، تمام سیاہ و سفید انہیں سوئپ دیا گیا، ہر ماں کی طرح ان کی جان بھی بیٹی میں تھی جو بڑی بھابی نے بہت جلد جان لیا اور بہت جلد انہوں نے اماں کی دھتکی رنگ، نو شاہ کو بہت اہمیت و محبت دینی شروع کی جو بتدریج بڑھتی چلی گئی اور ان کی حسب توقع اماں بی کے ساتھ ساتھ لبا بھی ان کے گردیدہ ہو گئے۔ عام بھائی تو پہلے ہی ان کی مٹھی میں تھے۔ بہن بھائیوں اور ماں باپ سے بیوی کی محبت نے انہیں ان کا بے دام غلام بنالالا۔"

"ہاں۔ بھر ساس، سر کے مرتے ہی وہ اپنی اصلیت پر آگئیں اور ان ماں بیٹی کو دودھ میں پڑی بکھی کی طرح لکال پیٹکا۔" آسپر منہ بڑا کر گویا ہوئیں پھر اچانک ہی وہ چونک کر آگے کوچھکی تھیں۔

ارے رخسانہ! تمہارے بال تو آگے سے سفید ہو رہے ہیں، بالکل ٹکسی اسٹائل میں۔" وہ انہیں کر گویا ہوئیں، رخسانہ جو اس معاملے میں خاصی حساس تھیں غیر ارادی طور پر دایاں ہاتھ پیشانی کے اوپری حصے پر رکھ کر کھسکا کر بولیں۔

"یہ سب نزلے کی کارستانیوں ہیں، ورنہ میری تو ایسی عمر نہیں ہے جو بال سفید ہوں۔"

"خیر ماشاء اللہ۔ عمر تو ٹھیک ہی ہے۔ اب تم نہ مانو تو یہ تمہاری مرضی، لیکن یہ بال پول کھول رہے ہیں۔ تم ڈاکی کیوں نہیں کر لیتیں؟" کچھ لمبے قلم وہ راجیلہ کی برائیاں کر کے دل ٹھنڈا کر رہی تھیں۔ اب رخسانہ کا چہرہ دیکھ کر اپنے مزاج کو تسکین پہنچا رہی تھیں جبکہ مارے فحالت و غصے سے ان کی بری حالت تھی۔

"گو لڈن کلر ڈاکی کروانا ساتھ ریڈ کلر کی لیرز ڈالوا لیتا، اچھی لگو گی بھر ڈاکی میں یہ کلر بہت ان ہیں۔ میں نے بھی چند دن قلم کروا لیے ہیں۔" وہ اپنے چمکتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مشورہ دیتے لگیں۔

”نہ بابا! مجھے ایسے فیشن نہیں چاہئیں، جسے دیکھ کر لوگ کہنا نہیں، یوزمی گھوڑی لال لکام، فیشن ہمیشہ عمر کے حساب سے ہی سوٹ کرتا ہے۔“ دشانہ نے ایک ہی جھلے میں حساب برابر کر دیا تھا۔ وہ بہانہ بنا کر اٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیے جلانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

گر مینی کے کمرے میں داخل ہوتا اس ٹنک کر ڈک گیا تھا۔ دو گرینی کے بیڈ کے نزدیک چیز پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں شاید کوئی کتاب تھی، اپنی جانب اس کی پشت ہونے کے باعث وہ کتاب نہ دیکھ سکا تھا۔

خود فریبی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی سہانے لگے
داغ دل ہم کو یاد آنے لگے

وایسی کے لیے اس کے اٹھتے قدم وہیں تھم سے گئے تھے۔ اے سی کی کو لنگ سے ٹخنڈے سے کمرے کی پڑ سکون فضا میں اس کی دھیمی لہجے میں ابھرتی آواز میں ایک اسرار تھا، ایک سحر، ایک دل کی گہرائیوں میں اتر کر روم روم کو شانت کر دینے والی، مست و بخود کر دینے والی پڑکشش آواز تھی۔

اب تو ہوتا ہے ہر قدم پر لگاں
ہم یہ کیسا قدم اٹھانے لگے
ایک پنہاں میں وہاں سے ہم اٹھے
بیٹھنے میں جہاں زمانے لگے

آواز تھی کہ زنجیر، لفظ تھے کہ حال زار، ودا گئے نہ بڑھ سکا۔

اپنی قسمت سے ہے مگر کس کو
تیر پر از کے بھی نشانے لگے
شام کا وقت ہو گیا باقی
بستیوں سے حیا مانے لگے

"جاؤ، مجھے فائدہ آنے لگی ہے۔" گرینی کی خمار آلو آواز نے اس ظلماتی ماحول کا ظلم توڑا تھا۔ وہ بھی چونک کر عاسوں میں لوہا تھا، پھر جس طرح بے آواز قدموں سے آیا تھا، واپس لوٹ گیا تھا۔

"شب بخیر میڈم!" وہ نائٹ بلب بند کر کے دروازہ لاک کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ پچھلے دنوں کی نسبت آج گرینی کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس کا دل بھی اچھا گزرا تھا، پھر آج ایک دفعہ بھی اس کی مذہب پھڑانس سے نہیں ہوئی تھی جو سخت وطن پرست تھیں سناٹا اسے اپنی ڈیوٹی بنا چکا تھا۔

"شکر ہے تم آگئیں، میں ابھی تمہیں دیکھنے! دھر آئی رہی تھی کہ نہ معلوم کیا ہو گیا جو تم ابھی تک نہیں آئی ہو۔" نوشاہی اسے دیکھ کر ہمانیت بھرا سانس لیتی ہوئی پلنگ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"میڈم کے مزاج کی طرح پسند و ناپسند بھی بدلتی رہتی ہے۔ پچھلے ماہ سے پرانے نلکی گیت سی ڈی پلیئر پر سننے کی دمن لگی ہوئی تھی۔ آج کہنے لگیں لو بھلا اب بڑھاپے میں، میں یہ سننے لگیں آجھی لگوں گی، میرا لال دوپٹہ مل کا، ہوا میں اڑتا جائے، جھکا کر اسے بریلی کے بازار میں۔ کہنے لگیں، کسی وقت میں یہ گانے خود گاتی تھی۔ شاوی بیوا کی تقریبات میں بڑی دھوم مچتی تھیں۔"

"کچھ دھوم مچ جاتی ہوگی۔ آواز تو ابھی بھی بہت اچھی ہے ان کی۔"

"آج سے انہیں ادب و شاعری کا ذوق چڑھا ہے، کھانے کے بعد سے اب تک غزلیں اور اشعار سنا کر میرا سر گھوم چکا ہے۔"

وہ تھکے تھکے انداز میں اپنے بستر پر دراز ہوتی ہوئی بولی۔

"مجھے احساس ہے تمہاری محنت کا، میں تو چاہتی ہوں وہیں اگر کچھ تمہارا ہاتھ بناؤں، تاکہ تمہیں کچھ آرام مل سکے۔" نوشاہی بیٹی کی تسلی صحت پر متا بھری نظر ڈالتی ہوئی بولیں۔

"مگر تم نے وہاں آنے سے منع کر رکھا ہے، اس خیال سے ڈک جاتی ہوں۔"

"نہیں ماما! جہاں عزت نفس بھروسہ ہوئے کا خدشہ ہو وہاں قدم نہ رکھنا ہی دانش مندی ہے۔ بڑے سر کی بات سمجھاؤ ہے۔ یہ انس صاحب تو بہت بدتمیز و بدگلاظ انسان ہیں۔ ذرا سی دیر میں بے عزت کر دیتے ہیں۔ بہت گھمنڈ ہے انہیں اپنی دولت اور جائیداد پر، کسی کو کچھ اپنے آگے گردانتے ہی نہیں ہیں۔"

"سو جاؤ میں دعا گو ہوں، کبھی نہ کبھی تو ہمیں اطمینان و سرخروئی حاصل ہوگی۔"

"شاید جب دل ان احساسات سے دست بردار ہو چکا ہوگا۔ طلب کی کوٹلیں کھٹنے سے قبل ہی نواز نیدی کی موت مر چکی ہیں۔ تب تک خواہشوں کے کنول بھی مرجھا کر اپنے وجود کو پیٹھے ہوں گے۔"

☆.....☆.....☆

مردیوں کی اداس شاخیں سرد راتیں اللہ دے کہہ کر ختم ہو چکی تھیں۔ موسم گرما اپنے تمام جاوہر جلال و تپش کے ہمراہ دور ہو چکا تھا۔

آج بھی گری زدروں پر تھی۔

سورج کی زرد شعاعیں ہر سمت آگ سی دہکارتی تھیں۔

وہ آفس کے ٹائم سے قبل اٹھ گیا تھا کہ آج اسے سعد کے ساتھ اس کے سرسراں جانا تھا۔ ناریہ کے والد نے انہیں بلایا تھا۔

”کیا یوریت ہے یا رابری میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ کیوں اس قدر خود کو ہلکان کر رہے ہو۔ ناریہ کے قادر سے ملنا ہے، ملاقات

کرتی ہے، کوئی ہمارا تے کر نہیں جا رہے ہو۔“

وہ جو گزشتہ دو گھنٹے سے سعد کو ڈرینگ ٹیبل کے سامنے بیٹھا مختلف کریمیز اور اسپرے استعمال کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی تیاری

کمل ہوئے نہ دیکھ کر چڑ کر بولا۔

”وہ مجھے پہلی بار دیکھیں گے اور تم تو جاننے ہی ہو گے کہ پہلی نظری آخری نظر ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں ان کے رویہ و ایسا پنڈ سم

و اسٹارٹ بن کر جاؤں، انہیں یقین ہو جائے کہ یہی وہ ماہ کا کل ہے جو ان کی بیٹی کے سیاہ راتوں جیسے نصیب کو جگمگا سکتا ہے۔ اسے خوشیاں

دے سکتا ہے۔“

”امیردوں کی بیٹیوں کے نصیب بھی سیاہ راتوں جیسے نہیں ہوتے۔ باپ کی دولت انہیں ہمیشہ روشن رکھتی ہے، البتہ تم جیسے ماہ

کامل راتوں دن ان کے آس پاس رہتے ہیں۔“ وہ فریج سے آکس کریم کی ڈش نکالتا ہوا بولا۔

”وہ نکلی چاند ہوتے ہوں گے۔ میری طرح ریشل مون نہیں۔“ سعد بھلا اس کی باتوں کو سمجھنے کی سے کب لینے والا تھا۔

”آکس کریم بہت نیسی ہے۔ کون سا فلیور ہے یہ؟“ اس نے تو مٹی لہجہ میں دریافت کیا تھا۔

”کھو یا فلیور ہے تم نے بھی اتنی نیسی آکس کریم کھائی نہ ہوگی۔“

”ہاں فرسٹ ہانڈ میں نے ٹیسٹ کیا ہے۔ لا جواب ہے۔ ڈش تو گھر کی لگ رہی ہے۔ کون سی اسنوپی سے لائے ہو؟“ وہ بڑی

رغبت سے کھاتے ہوئے بولا۔

”ایسے اعلیٰ ڈائنے کسی بھی اسنوپی سے نہیں ملتے، میری جان! یہ محبت کا فلیور ہے جو بے لوث و بے ریا جذبوں سے بنائی گئی

ہے۔ پرسوں میں تمہارے پاس گیا تم ملے نہیں۔ گرینی کے پاس تنہا جانے کی میری استطاعت کہاں، میں لوٹا جا آئی کے پاس چلا گیا۔

وہاں باتوں باتوں میں لکٹی کاڈ کر کل گیا، میں نے کہا وہ لکٹی کھانے کو بڑا دل کرتا ہے جو دو دو اور کھوئے۔ سے بنی ہوتی تھی۔ اس وقت تو آئی

خاموش رہی تھیں، مگر کل کرن آفس میں مجھے یہ ڈش پکڑا گئی۔“ وہ خود پر اسپرے کرتا ہوا بولا۔

”بری اپ۔ وہاں لیٹ پہنچو تو تمہارا سارا امپریشن دھرا رہ جائے گا۔“ اس کا موڈ خواہ مخواہ ہی آف ہو گیا۔ خالی پیالی اور بیچ اس

نے جھکے سے رکھی تھی۔ دل کی مزید لینے کی خواہش کو بھی دبا گیا۔

”بس۔ بس آٹم ریڈی یا رابری یہ بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں؟“ بالوں میں برش کر کے وہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر بولا۔

”دیری ڈینٹ اینڈ میری انریکٹو“۔ وہ اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھتا ہوا مطمئن انداز میں گویا ہوا۔

”بندل آف تھینکس۔ پہلے یہ بتاؤ کوئی کی تو نہیں رہی مئی؟“

”ہوں، ہر وہ تو گئی ہے۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولا

”رو مئی ہے؟ کیا کیا جلدی بتاؤ۔“ وہ منظر پر ہوا تھا۔

”جھومر، ٹیکہ، عروسی لباس کی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”اوو شٹ، میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں مستی سو بھور رہی ہے۔“

”انتا خوف و بے اعتمادی کس لیے، فار یہ کے فار سے ملاقات کرنے جا رہے ہو یا عزرائیل سے؟“

”لا حول ولاقوۃ، شکل تو تمہاری اچھی ہے مگر باتیں اچھی نہیں کرتے تم۔“

شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے، جب دو دہاں پہنچے۔

فار یہ کے والدین سمجھ کر مداخلت پر تھے۔ اپنے حلقہ احباب میں خالصے ممتاز تھے۔ ان دونوں سے بڑے پڑتاک انداز میں ملے۔

ان کی پیچھے تامل بھی از حد شفقت و محبت سے چین آئی تھیں۔ کولڈ ڈرنکس کے دوران ان کے درمیان تعارف و دیگر سرسری باتوں کا مرحلہ طے ہوتا رہا، وہ سعد کو پسند کر چکے تھے کہ سعد بڑا سن میں ہونے کے علاوہ شخصیت کے لحاظ سے بھی مکمل و خوب وقتا۔

پھر انیس مرشد کے ساتھ اس کی دوستی و دیرینہ مراسم نے بھی انہیں مطمئن کر ڈالا تھا اور وہ جو چاہتے تھے، اس کے خاندان، حسب و نسب کے بارے میں مکمل معلومات تو اس کی ہر ذرا روئے اعتماد و شخصیت نے تمام دوسرے دور کر دیے تھے۔ انہوں نے زبردستی ڈرنک کے لیے روک لیا تھا۔

کھانا بے حد تکلف تھا۔ خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ فار یہ سے ملاقات ٹیبل پر ہی ہوئی تھی۔ چمک لباس، چمک دوپٹے میں مٹی سمنائی سی فار یہ نے سلام کے علاوہ کوئی اور بات نہ کی تھی۔

سعد بھی کرم واہ کی بارعب شخصیت کے رعب میں آچکا تھا۔ اس نے بھی نگاہ اٹھا کر فار یہ کی طرف نہ دیکھا تھا۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا تھا۔ انیس نے اصل موضوع کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے اُمید ہے اگلے! آپ سعد سے مطمئن ہو گئے ہوں گے۔“

”ہاں بیٹا! میں نے معلومات تو پہلے ہی کروالی تھیں۔ ان سے مل کر دل کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ دراصل فیصلے کرنے والا تو اوپر بیٹنا

ہے، وہی جوڑے بناتا ہے۔ اس کے حکم سے ہی رشتے، تعلق وجود میں آتے ہیں۔ یہ رشتہ بھی اس کے حکم سے ہے تو باپ ہونے کے ناتے فار میلنیز پوری کرتی تھیں، سو کر لیں۔“ وہ سر جھکائے بیٹھے سعد کی جانب مشتعلانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ سعد کے چہرے پر

ایک طمانیت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں کھڑکی سے کان لگائے فار یہ بھی خوشی سے کھل اٹھی تھیں۔

"پھر آپ ڈیٹ کب لکھ کر رہے ہیں شادی کی؟" انس ڈے دار اور محبت کرنے والے دوست کا پورا حق ادا کر رہا تھا۔
 "ٹیکسٹ منہ کی کوئی ڈیٹ لکھ کر دیں گے، دراصل اس کے لیے آپ کو مجھے کچھ ٹائم دینا ہوگا۔ مجھے اپنے بہنوں بھائیوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔ شادی کے معاملات خاصے نازک ہوتے ہیں۔ سب کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔ میری ناریہ سے چھوٹی دوڑوں بیٹیاں بھی گھر نہیں ہیں۔"

"او کے ٹیکسٹ منہ لکھ کر دے چکا ہے۔ ڈیٹ آپ بتا دیجئے گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا تو کرم داد بھی مصافحہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

☆.....☆.....☆

"تمہاری ماں نے یہاں آنا بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، ایسی کیا مصروفیات پال لی ہیں انہوں نے، جو گھڑی دو گھڑی کسی کی دل جوئی کرنے کے لیے بھی نہیں ہیں ان کے پاس۔" گرینی اکرن سے مخاطب تھیں جوان کا کمرہ صاف کر رہی تھی۔ وہ اس کے کچن، کتابوں کے شیلف ترتیب دے رہی تھی۔

"ان کی ایسی کوئی مصروفیت نہیں ہیں اور وہ آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔" وہ شیلف میں کتابیں لگاتے ہوئی بولی۔
 "ایسی کوئی مصروفیت پاؤں کی زنجیر بھی نہیں۔ کوارٹر کا قاصد بھی یہاں سے چند قدم کا ہے، پھر کیا وجہ ہے جو انہیں یہاں آنے سے روکتی ہے؟"

"میں نے منع کر رکھا ہے میڈم!"

"تم نے؟ کیوں ایسی کیا بات ہو گئی؟" گرینی سخت متعجب تھیں۔ کرن چند لمحوں خاموش رہی پھر ان کی گھورتی نگاہوں کا احساس ہوا تو آہستگی سے گویا ہوئی۔

"انس سر کی وجہ سے۔ اندر داخل ہوتا انس اپنے نام پر وہیں ٹوک گیا تھا۔"

"کیوں اس نے کیا کیا؟"

"معلوم نہیں، مجھے یہ بات کہنی چاہیے یا نہیں مگر کبے بغیر آپ کی بات کا جواب نہیں مل سکتا۔ انس سراسر اول روز سے ہی مجھے اور ماما کو اچھا نہیں سمجھتے۔ ان کے خیالی میں ہم ایسی عورتیں ہیں جو لوگوں کو اعتماد میں لے کر ان کے گھروں کا منانا کرتی ہیں۔ عرف عام میں ہم خراب کردار کی عورتیں ہیں۔"

"دباں کھڑی کھڑی کیا کہہ رہی ہو، یہاں بیٹھ کر بات کرنا۔" گرینی کو اس کے سادو بے چارگی بھرے انداز پر بے حد ترس آیا تھا۔
 "انس سے کب ملی تھیں؟ ایسا کیا ہوا جو وہ ایسا سمجھنے لگا؟" ان کی کھوجتی نگاہیں اس کے سر پرے کا تڑپا لینے لگیں اور ماموں، ممانیوں کے سلوک، مگر سے الزام لگا کر لالے جانا، راستے میں انس کی کار سے ٹکرانا اور ہاسپٹل میں انس کی تلخ کلائی، سجدہ کی

مہربانیاں، اس کے توسط سے یہاں آنا۔ سب مختصر اہمائی چلی گئی۔ مگر بی خویشت سے سن رہی تھی۔ سعد کی شادی کے بارے میں بتانے کے لیے آنے والا انس بھی دروازے کی اوٹ میں پر وے کے پیچھے دم بخود سنا چلا گیا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا میڈم! بیان کا گھر ہے در نہ میں کسی قیمت پر یہاں جاب نہیں کرتی۔ تدریس و تفتیر مجھ سے برواشت نہیں ہوتی ہے۔ پیار سے کوئی مانتے تو میں جان بھی دے دوں۔ دھونس دز یا دلتی مجھ سے برواشت نہیں ہوتی ہے۔“ آنکھوں میں موجزن پانی کو ٹپکیں جھپک جھپک کر روکنے کی کوشش کرتی کرن انہیں بہت مختلف لگ رہی تھی۔

”یہ بات نہیں ہے بیٹا! میرا بس تو بہت رحم دل دلی واقعہ ہے۔ ماں تو اس کی بچپن میں مر گئی۔ تعلیم کے سلسلے میں زیادہ تر ملک سے باہر رہا۔ عورتوں کے کئی روپ دیکھے اس نے اور سب کے سب خود غرض و مفاد پرست۔“ اپنے ذکر پر وہ چپ چاپ وہاں سے نکل گیا تھا۔

”اس کی ساتھی لڑکیاں پیسے کی پیار نہیں لگیں۔ یہاں آیا تو میری دیکھ بھال کے لیے رکھی جانے والی عورتوں نے یہی رنگ ڈھنگ اٹھائے ہوتے تھے، بلکہ کتنبوں نے تو رفتہ رفتہ گھر کا صفایا ہی کر کے رکھ دیا تھا۔ بس جب سے دو کچھ زیادہ وہی اجنبیوں پر اعتماد کرنے سے گریز کرتا ہے۔“

جواباً وہ خاموش رہی تھی۔

”مڈثر کو بیوی سے اور بیٹے سے اس قدر محبت تھی کہ میرے ہزار بار یار کہنے کے باوجود اس نے شادی نہ کی۔ بہانہ بھی تھا کہ سوتلی ماں سوتلی ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو سوتلی ماں کے چنگل میں نہیں چھوڑنے دے گا۔ اس نے جو کہا، کر کے دکھایا۔ بیٹے کا تو بہانہ تھا وہ بیوی کی یادوں سے خود کو آزاد نہ کر پایا تھا۔ پھر وقت گزر گیا مگر اپنی ساری ول کشی و بہاریں سیٹ کر کسی بیو کی طرح اجڑا ہوا بے رنگ، بے روپ، باپ تو اپنی تاریک زندگی کے ساتھ بھجھوٹ کر چکا تھا۔ بیٹا بھی چند مہینوں کی محبت کا ایسا روگ لگا بیٹھا کہ اسے عورت ذات سے چڑ ہو گئی۔ بیٹے کا صدمہ میں جھیل گئی تھی مگر پوتے کی اجڑی زندگی مجھے نیم مردو کر گئی۔ انہی دنوں مجھے پہلا فالج کا ایک ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا اور پھر میں خود کو سنبھال نہ سکی اور معذور ہو کر پڑ گئی۔“ ان کے کمزور و ناتواں لہجے میں گز رہے دنوں کی عمر وہیاں و دکھ بول رہے تھے۔

”اپنی ماں کو ضرور بھیجتا۔ اس سے بات کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔“

☆.....☆.....☆

”تم نے آخر وہی کیا جس کا مجھے ڈر تھا۔ آخر ضرورت کیا آن پڑی تھی تمہیں زہان کو لے کر۔ انہوں نے اپنے پوتے سے کچھ کہا اور اگر انہیں بات ناگوار گزری تو جاتی ہو نتیجہ کیا نکلے گا؟“ کرن نے خوشی خوشی ماں کو گریٹی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا تو وہ اندیشوں میں گھر کر بولیں۔

”مما! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ان کا موڈ بہت اچھا تھا آج، جب ان کا موڈ اچھا ہو تو کچھ بچت ہی بچت ہے۔“ وہ خاصی سرور تھی۔

دل سے بوجھ ہٹ جانے پر۔

”خیر اٹھی خیر کرے۔ مجھے تو دور ہی لگا رہتا ہے۔ فی الحال تیار رہنا۔ شام میں سعد آیا تھا وہ شادی کی شاپنگ کرنا چاہ رہا ہے، کچھ مدد کرو اس کی۔“

مما! وہ قاریہ کی پسند کی شاپنگ کریں۔ کیوں ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ ”وہ پنگ کی چادر تہہ لے کر تے ہوئے ہوئی۔“
 ”قاریہ کی پسند تو ساری زندگی چلے گی۔ اب تمام چیزیں میری بہن کی پسند کی ہونی چاہئیں۔“ سعد اندر داخل ہوتا ہوا نوحا بہ کو سلام کر کے اس سے گویا ہوا۔

”اوہ سعد بھائی! بالکل ٹپ کی چال چلتے ہوئے آئے ہیں جو ذرا بھی آہستہ نہیں ابھری۔“ وہ پنگ پر بیٹھتے سعد سے منس کر ہوئی۔
 ”اب تو نہ معلوم کون کون سی چالیں اچانی پڑیں گی، شادی جو کر رہے ہیں۔“ جواباً سعد بھی منس کر ہوا۔
 ”شادی کر رہے ہیں سعد بھائی! کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔“
 ”شادی بھی سیاست سے کم نہیں ہے۔“

”وہ کل زندگی کی شروعات کی طرف بڑھ رہے ہو بیٹا! بہتر یہی ہے اپنے دل و دماغ کو فضولیات سے پاک کر دینا۔ شادی محض دو صنفوں کو ایک رشتے میں باندھے گا نام نہیں ہے، یہ دو خاندانوں کو یکجا کرنے کا نام ہے۔ ایک نئی نسل کو اعلیٰ و بہترین پروان چڑھانے کا نام ہے، اس بندھن میں بہت راحتیں ہیں تو تکلیفیں بھی کم نہیں ہیں، جیسے پھولوں کے سنگ کا سٹے ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوشیوں کے ساتھ پریشانیاں ہوتی ہیں۔ کانٹوں سے اُلجھے بغیر پھولوں کا حصول تو ہمارے لیے ممکن ہے، مگر زندگی کے شیب و فراز میں ہمارا سابقہ سب سے پڑتا ہے جن کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہی جیت کی نشانی ہے۔“

”بہتر ہے آئی! جن کی رہنمائی بزرگ کرتے ہیں وہ خوش نصیب ہوتے ہیں اور میں بھی ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں جو آپ جیسی ہستی میری رہنمائی کے لیے موجود ہے۔“ سعد کے لہجے میں محبت تھی۔

”تمہاری محبت ہے یہ، جو ایسا سمجھتے ہو، ورنہ میں کس قابل ہوں۔“ نوحا بہ اس کے خلوص کے آگے شرمندہ ہو جایا کرتی تھیں۔
 ”بہرے کو اپنی قیمت کا اندازہ کب ہوتا ہے۔ اپنی دیز میں ذرا گزرتی اور انس سے مل کر آ رہا ہوں، اتنے میں آپ دونوں تیار ہو جائیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے ہوا۔

”میں نہیں جاسکوں گی۔ عرصہ ہو گیا مجھے ہزار کی شکل دیکھے ہوئے۔ اب اگر شاپنگ کرنا چاہوں تو نہ کر سکوں گی۔ تم کرن کو لے جاؤ بلکہ کرن صحیح کہہ رہی ہے کہ قاریہ بیٹی کو لے لو۔ وہ اپنی پسند کی چیزیں خرید لے گی، آخر کار اسے ہی استعمال کرنا ہے۔“
 ”اس کے والدہ اجازت نہیں دیں گے پھر میں بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان ایک حد ابھی سے قائم ہو جائے تو بہتر ہے۔“ ان کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

”کیا مقصد..... قاریہ سے اپنی پسند سے شادی کر رہے ہو۔“ اس کے انداز نے نوحا بہ کے ساتھ ساتھ کرن کو بھی چونکا دیا تھا۔

"بالکل..... لیکن میں چاہتا ہوں میاں بیوی کے درمیان محبت کے علاوہ احترام کا رشتہ بھی ہو۔ جب عورت یہ چاہتی ہے کہ شوہر اس کے والدین، بہن، بھائی اور دیگر عزیز و اقارب کی عزت کرے تو اسے بھی جواباً یہی سب کرنا چاہیے مگر جہاں مرد اس کی راہ پر چلنے لگتا ہے تو وہ اس کے رشتے داروں کو ٹھوکر دوں میں اُڑا دیتی ہے۔ یہ عورت کی بہادری نہیں، مرد کی کمزوری ہوتی ہے جو ایسا کرنے دیتا ہے۔" سعد کے لہجے میں بچپن کے ذکے بول رہے تھے۔ آنکھوں میں ماضی پانی بن کر چھپنے لگا تھا۔

"بچا چچی سے محبت میں بھی ایک حد قائم رکھتے تو انہیں جرات نہ ہوتی، مجھے اس طرح بے مگر دے نام کرنے کی۔ آج بھری بڑی برداری کے ہوتے ہوئے بھی میں تنہا ہوں، اگر انس کی فیملی اور آپ لوگوں کا ساتھ نہ ہوتا تو میں نہ معلوم کیا کرتا، اور کہاں ہوتا؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

جب سے فارہ کے والد نے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھا تھا، تب سے وہ عجیب سی بے کلی دے چینی اپنے اندر پانے لگا تھا اور اب شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں اسے ای ملو کی یادیں بڑی تڑپانے لگی تھیں۔

"خوشی کے موقع پر کیوں اُداس ہوتے ہو۔ خوشی خوشی تیاریاں کرو۔" نوحہ شاہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولیں تو اس نے ان کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ وہ اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانا چاہتا تھا۔

مگر یہی اس کی شادی کا سن کر بڑی خوش ہوئی تھیں، خاصی دیر اس کی ہونے والی بیوی کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں۔

"مجھ سے ملانے اسے ضرور لانا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی تمہاری شادی کا سن کر۔ شادی اس عمر میں ہو جائے تو کامیاب رہتی ہے، ہر کام وقت پر ہی اچھا لگتا ہے۔"

"میں سیدھا آپ کے پاس ہی لے کر آؤں گا اسے، آپ کی دعاؤں کے بغیر نئی زندگی کی ابتداء کس طرح کر سکتا ہوں بھلا۔"

مگر یہی کے اچھے اور خوشگوار موڈ نے اسے خوب حوصلہ بخشا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میری دعاؤں تمہارے ساتھ ہیں تم نے تو بروقت فیصلہ کر لیا اب اس کوڑھ مغز گھما کر کو بھی سمجھاؤ کہ وقت گزر رہا ہے اور گزرتا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ تمہیں دعاؤں میں نے دے دیں۔ شاید اسے دعاؤں دینے کے لیے میں موجود بھی نہ ہوں۔" انہوں نے سعد کے برابر بیٹھنے انس کی طرف اشارہ کیا تو وہ اُنٹھ کھڑا ہوا۔

"پلیز..... پلیز مگر یہی آپ کیوں اس قسم کی باتیں کرتی ہیں؟"

"تجھے مجھ سے یہی شکوہ رہتا ہے، میں اس قسم کی باتیں کیوں کرتی ہوں، کبھی اپنے گریبان میں بھی جمائیک کر دیکھ کہ میں کیا بُرا کہتی ہوں۔"

حسب عادت ان کی فیصلی طبیعت بیدار ہو چکی تھی۔

"یہ موقع ان باتوں کا نہیں ہے۔ آپ ان کی خوشیاں تو ملایا میٹ نہ کریں۔"

"میں کیوں ملیا میٹ کرنے لگی اس کی خوشی، تیری طرح یہ بھی مجھے عزیز ہے۔"

کچھ دیر قبل خوشگوار ماحول ایک دم بد بھل ہو گیا۔ شوگرالی میں چائے اور دیگر لوازمات لے آئی تو موضوع ایک دم ہی بدل گیا تھا، مگر سعد نے محسوس کیا تھا گریٹی کے چہرے پر ممکن آئینہ یا سیت چھا گئی ہے۔

"گریٹی کی خواہش تمہیں جلد از جلد پوری کر دینی چاہیے انس! وہ باہر آئے تو سعد نے اس سے کہا تھا۔

"اب تم بھی مجھے ٹیڑ کر دے۔" اس کے انداز میں مضمحلہ ہوتی تھی۔

"اب فضول قومیت دفع کرو۔ گریٹی کی حالت پر رحم کھاؤ۔ شادی کر لو کہ یہ نہ صرف گریٹی، بلکہ مدثر اکل کی بھی دیرینہ آرزو ہے، پھر اس گھر کو ایک عورت کی، اس گھر کی اصل مالکین کی اشد ضرورت ہے۔"

"تم اپنی لگڑ کرو، یہاں کی مت سوچو، ادھر سب درست ہے۔"

حقیقت سے فراد کب تک کرتے رہو گے انس! وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا تو وہ ڈھیلے انداز میں آنکھیں موند کر موندنے پر بیٹھ گیا۔

"فراد حاصل کرنا تو میں زندگی کی سانسوں سے چاہ رہا ہوں۔"

"بزدلوں کی طرح باتیں مت کرو، پھر تہنیدی اور منال کی محبت کو ایسے.....

"پلیز..... میں اس کا نام اپنے ذہن کی سلیٹ سے مٹا چکا ہوں۔"

"مگر دل کی سلیٹ سے دھٹکے؟"

"نہیں۔ جن سے ہم محبت کرتے ہیں، انہیں بھلا نہیں سکتے اور جن سے نفرت کرتے ہیں وہ تو بالکل ناقابل فراموش ہوتے ہیں۔" اس نے ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"یہ نفرت کا کون سا روپ ہے جس کی خاطر تم نے خود کو تنہائیوں میں مقید کر لیا ہے۔ اپنی خواہشیں، آرزوئیں مدفون کی ہی تھیں، ساتھ گھروالوں کی تمناؤں کے پھول بھی خاکستر کر ڈالے ہیں، یہ تم کس سے انتقام لے رہے ہو.....؟ خود سے یا اس سے..... جو تمہیں بھلا کر زندگی کے مزے لوٹ رہی ہے۔ اسے ملال تک نہیں ہے اور تم روگ لگا بیٹھے ہو پھر کہتے: نفرت کرتے ہو اس سے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے نہ صرف اس سے بلکہ دنیا کی ہر لڑکی سے نفرت ہو گئی ہے۔ بھولی صورت، مصحوم اداؤں والی یہ صنف نازک نامن سے زیادہ زہریلی، لومڑی سے زیادہ عیار ہوتی ہے۔ انسان چھانسی کے پھندے سے بچ سکتا ہے مگر عورت کے بچھائے حال سے بچنا ناممکن ہے..... ناممکن۔"

اس کے وجہ چہرے پر بیتے وقت کے سائے سرخی بن کر چھا گئے تھے، آنکھوں میں انگارے سے دھکنے لگے تھے۔

"سب ایک جیسی نہیں ہوتیں میرے یار! سعد کے لہجے میں اس کا ڈک تھا۔

”شاید لیکن دل کو یقین آئے تب بات ہے۔“

”آجائے گا یقین بھی۔ ہو جائے گا پیار بھی۔ بس اب میرے بعد تمہارا نمبر ہے۔“

”ہوں پہلے اپنی تو ہو جائے دو۔“ وہ مسکرایا تھا۔

☆.....☆.....☆

”می اکون آیا تھا؟“ حمزہ یونیورسٹی سے آیا تو نیل پر رکے برتن اور ماں کے پاس بیٹھی بچیوں کو دیکھ کر حیرانگی سے گویا ہوا تھا۔

”و.....کو.....کو..... کوئی بھی نہیں۔“ حمزہ کی آمد بالکل غیر متوقع تھی جو ان کو بُری طرح بوکھلا گئی تھی۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو

بوکھلائے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں ایک دوسرے میں ابھی یہ سوال کر رہی تھیں۔

”کیا بتائیں؟ کیا جواب دیں؟ یہ غلط موقع پر آ گیا۔ نو شاہ کا چچہ کرن کا خیر خواہ، اگر اسے اصل معاملے کی بجھک بھی پڑ گئی تو نہ

معلوم کیا کر بیٹھے گا۔“

”آپ کی معنی خیز خاموشی اور ساتھ مل بیٹھنے کا انداز بتا رہا ہے کہ پھر کسی کے خلاف سازش تیار کی جا رہی ہے۔ بہت لوں کی گندگی

مچنے کی جا رہی ہے۔ جھوٹ کے افسانہ سیاست کے نت نئے دائے کھیلے جا رہے ہیں۔“ ان کے ہوائیاں اڑتے چروں نے اس کے اندر

خطرے کی بجھتی، بجاوادی تھی پھر فیملی پر کسی اعلیٰ کراکزی اور ان میں عمدہ قسم کے لوازمات نے ظاہر کر دیا تھا کہ آنے والی شخصیت بہت سبیر اور

معاشی طور پر بے حد اعلیٰ استحکام کی حامل ہے۔

”حمزہ اشرم کرو کچھ۔ یہ ماں اور بچیوں سے بات کرنے کا طریقہ ہے؟ پھر ہم نے ایسا کیا کر دیا جو تم ابھی تک دو بھولے نہیں جو

صحیح تھا پھر ہم کون سی ایسی مگر ہوئی عورتیں ہیں جن پر تمہیں یقین نہیں ہے۔“ راحیلہ غصے سے بولیں۔

”ہم ساتھ ساتھ تو سدا سے رہتے آئے ہیں۔ تمہیں آج محسوس ہوا؟“

”معاف کیجئے گا می حضور! اور آئندہ آپ بھی زندگی کے تمام سال ہم اس گھر میں آپ لوگوں کے درمیان گزارتے آئے ہیں،

آپ لوگوں کے تمام چہروں سے واقفیت از بر ہو چکی ہے۔ کون کس کے لیے کیا جذبات رکھتا ہے، اس سے آپ لوگ بھی واقف ہیں، جس

قدر و زودیک آپ بیٹھی ہیں، آپ کے دلوں میں فاصلے لامحدود وسعت تک ہیں، دکھاوے و حسد کی زندگی مٹی رہی ہیں آپ۔ جب تک پھپھو

اس گھر میں تھیں، تب برائے نام ہی سہی آپ لوگوں میں محبت و خلوص تو تھا۔ اب تو محض دھوکہ ہی دھوکہ، دشمنی ہی دشمنی ہے۔ پھپھو تھیں تو

صرف ایک دیوار تھی، جو انہیں ایک طرف و کھیل کر کھینچ دی گئی تھی۔ آج دیواریں ہی دیواریں ہیں۔ گھروں کے درمیان، دلوں کے درمیان،

جذبوں کے درمیان اور محبتوں کے درمیان۔“ وہ بولا تو بولتا ہی چلا گیا اور وہ سنتی ہوئیں ایک دوسرے سے لگا ہیں چہرہ ہی تھیں۔ اس کا ایک

ایک لفظ سچ تھا۔ پہلے نو شاہ کو یہاں کی آسائشوں سے بے دخل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے اور اس کے درمیان دیوار کھڑی کروائی تھی،

پھر کچن علیحدہ کر دیا تھا اور رفتہ رفتہ وہاں بیٹی بوجہ بناوادی مٹی تھیں۔ اب مکانات عمل کچھ یوں ہی شروع ہوا تھا۔ راحیلہ کے نو شاہ کے حصے پر

بقعہ اور تعمیر نے ان کے درمیان شدید جھگڑا ڈال دی تھی۔ پہلے تو معاملہ اندری اور سنگھار ہا بھارت لگی تو زبردست جھگڑے کے بعد ان تینوں کے درمیان ویواریں کھڑی کر کے پورشنر علیحدہ علیحدہ کر دیے گئے تھے۔ کچھ بھی الگ الگ، کھانا پینا بھی علیحدہ ہو گیا تھا۔

”حزہ بیٹا! ہم تو جاہل ہیں۔ اچھے بُرے کی تمیز نہیں رکھتے مگر تم اپنے علم پر کیا عمل کر رہے ہو، بدوں سے بات کرنے کا یہ طریقہ کار بہت لفظ اور نامناسب ہے میرے بچے۔“ آسیہ بات سنہالتے ہوئے بولی۔

”ارے میرے لال! کو کیا پتا کیا کہہ رہا ہے، یہ تو جاو کے زبردست ہے۔ اس جاو دگرنی کے جو خود تو وفان ہو گئی مگر اسے ہاندہ مٹی۔“ راجیلہ نے تڑپ کر فوراً بیٹے کی حمایت لی۔

”اوہ گا! انہ معلوم کیا چاہتے ہیں آپ لوگ۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود ابھی بھی کوئی کسرا پاتی ہے۔“ وہ غصے میں سب بھول بھال کر کھل گیا۔

”شکر ہے بلائی۔ ورنہ میں تو ذریعہ ملی تھی، ابھی سب معلوم ہو جائے گا حزہ کو اور ہماری کہانی ختم ہو جائے گی۔“ راجیلہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تو رخسانہ اور آسیہ بھی مطمئن ہو کر بیٹھ گئیں۔

”بھائی! جلدی بتائیں یہ سب ہوا کیسے؟ مجھے جیسے ہی آسیہ بھائی نے بتایا کہ برہان آئے تھے، نوشابہ اور کرن کو لینے میں تو آپا سے معذرت کرتی ہوئی سیدھی چلی آئی یہاں آکر چٹکی سی تھی کہ حزہ چلے آئے۔ اُفت تو جبہ آغرایا کیا ہوا جو میں بائیس سال بعد بیوی و بیٹی کی محبت میں خراشاں خراشاں چلے آئے۔ ہاسی کڑھی میں یہ بال کیہ مگر؟“

”اُبال تو آتا ہی تھا۔ وہ جدی ہشتی زمین دار لوگ ہیں جس طرح ان کی زمین کے ایک انچ کھڑے پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا، اسی طرح اپنے خون کو بھی کسی کی گرفت میں نہیں دیکھ سکتے۔ نوشابہ سے تو انہیں ابھی بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دو کرن کی وجہ سے آئے تھے۔“

”آپ نے کیا کہا؟“

”ووہ..... وہ کچھ کہا ہے کہ وہ خواب میں بھی انہیں دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔“ راجیلہ اور آسیہ پوری بات بتانے کے بعد ہنستے ہوئے بولیں۔

”مگر انہیں اصلیت معلوم ہو گئی تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ دو کوئی معمولی آدمی تو انہیں ہیں جو بلا تحقیق کے یقین کر کے بیٹھ جائیں گے۔“

”آدمی معمولی ہو یا غیر معمولی، اہم ہو یا عام بات جب مردانہ غیرت کی آجاتی ہے تو عقلوں پر ان کے پردے پڑ جاتے ہیں۔“

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، پھر اس کی آنکھوں میں سزا دینے کا جذبہ ہوتا ہے، مارنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ جب میں نے روتے ہوئے انہیں بتایا کہ وہ ہماری عزت مٹی میں ملا کر اپنے آئینہ کے ساتھ بھاگ گئی ہیں تو پوچھو نہیں اس وقت کس قدر غضب ناک ان کا چہرہ ہو گیا تھا، گویا خون چھٹک پڑا ہو۔

”ان کی بد چٹنی و آوارگی کے ایسے ایسے قصے سنائے ہیں کہ اگر وہ کسی سے تصدیق بھی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔“

"بھابی! انہیں یقین تو آگیا تھا؟ کہیں بات لوز ہوئی تو سمجھ لیجئے گا، ہم تینوں بھی خوب بے عزت کر کے یہاں سے ہمیشہ کے لیے نکالے جائیں گے۔ ابھی ان بھائیوں کی آنکھوں پر ہماری باتوں کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کبھی کل گئی تو پھر مجھے قیامت نظر آنے لگتی ہے۔" رخسانہ کان پکڑتے ہوئے بولی۔

"ارے تم فکر ہی مت کرو۔ بڑی بھابی کی اداکاری اور ڈائلاگ ڈیلیری اتنی زبردست ہے کہ بے گناہ از خود ہی اپنے گناہ قبول کر لے۔" آسیہ راحیلہ کی جانب دیکھتے ہوئے ستائشی لہجے میں بولی۔

☆.....☆.....☆

سعد کی بری کی تمام تیاریاں لو شاہ اور کرن نے کی تھیں۔ سعد نے سکے بیٹے کی طرح ہر موقع پر ان کا بھرپور خیال رکھا تھا تو انہوں نے بھی اس کی دل جوئی و دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

مدر صاحب آجیجے تھے اور ان کی خواہش پر ہی سعد کی شادی کی تمام تقریبات انس و جنس میں ہی اریج کی گئی تھیں۔ پوری کوٹھی بچہ نور بنی ہوئی تھی۔ مدر صاحب کے علاوہ گرینی کے چہرے پر بھی کئی خوشیوں کے رنگ تھے۔ انہوں نے اوپر پورشن میں اس کے لیے بیڈروم ڈیکوریت کروایا تھا۔ رقصتی کے بعد ولہن یہیں آئی تھی اور ویسے کے دوسرے دن ہی مومن نور پر شمالی علاقہ جات کی جانب عازم سفر ہو جاتے جس کا تمام انتظام اس کی طرف سے گنٹ کے طور پر تھا۔

وہاں سے واپسی پر سعد کو اجازت ہوتی اپنے گھر جانے کی۔ تمام پروگرام گرینی کی ہدایت پر ترتیب دیا گیا تھا۔ "جی! ایک کپل جائے تو تھکن اتر جائے گی۔" نائل چپک کرتے ہوئے انس نے ایک لگا واپ کی طرف دیکھا جو وہاں سے گزرتی کرن سے مخاطب ہوئے تھے۔ کرن "جی اچھا" کہتی ہوئی فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ آپ کے چہرے پر کچھ ناگوار تاثر نظر آ رہے ہیں۔" وہ بیٹے کی لگاہ پچگان کر سچ طب ہوئے۔ "ڈیڑی ما لک اور ملازم کے درمیان ایک حد ایک فاصلہ رہے تو بہتر ہوتا ہے، ورنہ اجتماع و اعتبار کا خون ہوتے دیر نہیں لگتی۔" اس کا دھیمہ لہجہ بے حد مہذبانہ و شائستہ تھا۔

"مائی ڈیئر سن! لوگوں کو پرکھنا سیکھو، دولت کے انبار پر انسانی قدروں، خلوص کے پندار کو پکھنا پھور کرنے والے بڑی دشمنی کرتے ہیں اپنے آپ سے، دولت و طاقت آپ کو بڑائی عطا نہیں کرتی ہے، محبت و عزت آپ کا خالصانہ ملرز عمل آپ کو دیتا ہے، اگر کوئی محنت کر کے اپنا پیٹ پالتا ہے تو وہ ہم سے کم تر و حقیر نہیں ہو گیا، کیونکہ محنت تو ہم سب کرتے ہیں، بس ذرائع مختلف ہیں۔" ان کا لہجہ شیریں و ناسخاندہ تھا۔ "سوری ڈیل! میرا یہ مقدمہ تھا۔" وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گیا تھا۔

"زندگی کے روشن پہلو چھوڑ کر جب انسان تاریک پہلوؤں کو دیریت کا جزو بنا لیتا ہے تو کچھ ایسی ہی بے زاری و بے اعتمادی ہر شے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ بطور ہاپ نہیں بلکہ ایک فریڈ کے، میری اینڈ وائرنگی ہے کہ زندگی اس طرح سے گزاریں جس طرح مدر خان

کے جیسے کو سوٹ کرتی ہے۔

”جو حکم ڈیڑی! میں آپ کی دیشتر کا شکر رہتا ہوں۔“

”ہماری دُعاؤں کے حصار تو آپ کے گرد ہی تو قائم ہیں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

☆.....☆.....☆

سعد کی بارات کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

گرینی کی رات سے اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ وہ دواؤں کے زیر اثر سوری تھیں، مگر شہ دنوں سعد کی مایوں اور رسم حنا کے ہنگاموں کے باعث انس بلیس میں خاصا ہنگامہ ہو رہا تھا۔ گرینی وکیل چیئر کے سہارے ہر کام میں پیش پیش رہتی تھیں۔ نوشاہہ سعد کی طرف سے تو مکمل ذمہ داری بھاری تھیں، مزید بوجھ مدثر صاحب نے گھر کی تمام ذمہ داریاں بھی انہیں سونپ کر ڈال دیا تھا۔

شاوی کے باعث ملازموں کی تعداد بھی بڑھاوی گئی تھی، پھر بھی سب کی دیکھ بھال، بری کے سامان کی پیکنگ اور حفاظت بہت ذمہ داری کے کام تھے جو ان ماں فٹیوں نے احسن طریقے سے نبھائے تھے۔

آف وہائٹ شیر وائی وہائٹ ٹھگ پانچا ہے اور آف وہائٹ خوب صورت کھٹے میں سعد ولہا بن کر خوب سج رہا تھا۔

بارات کا استقبال شان دار طریقے سے کیا گیا تھا۔ شہر کے میپتے میرج لان میں انتظام تھا۔ ذرق برق لمبوسات کی سرسراہٹیں، خوشبوئیں، تہتے، خوشیاں ہر سمت بکھری ہوئی تھیں۔ نکاح ہوا تو مبارک باد کی صدائیں پھیلنے لگیں۔ طویل مدت بعد آج نوشاہہ ڈھنگ سے تیار ہوئی تھیں۔ پرہلی ہیلوں کی ساڑھی پر ڈاک پرہلی اینڈ بلیک ہاریک ستاروں اور موتیوں کے دیدہ زیب فینسی کام والی ساڑھی میں ہم رنگ میچنگ جیولری اور لپ اسٹیک، بالون میں جوڑا ہاندھے وہ بہت سوہرگ رہی تھیں۔ کرن نے سلک کا جگ پانچامہ کرتہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ سلی ستاروں سے سجاس کا سوت جھلمل کر رہا تھا، میچنگ نازکی جیولری لائٹ میک اپ میں اس کا سویا حسن دکھ اٹھا تھا۔ کئی ستاحی لگاؤ اس کے چہرے کی جانب انہی ہوئی تھیں۔

”مما! کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ میں ایک نظر میڈم کو دیکھ کر آؤں۔“ بہن کو نکاح کے بعد اسٹیج پر بٹھایا جا رہا تھا۔ سوویہ بن رہی تھیں۔ گرین عروسی جوڑے میں بھی سنوری فاریہ دوستوں اور کزنز کے جھرمٹ میں خراماں خراماں اسٹیج کی جانب بڑھ رہی تھی، اچانک کرن کو خیال آیا تو ماں سے مخاطب ہوئی۔

”شمو اور چندا ان کا دھیان رکھ رہی ہوں گی، پھر بھی تم ایک دلعزہ کیجے آؤ تو اچھا ہی ہوگا۔ ابھی تو بہت وقت لگے گا یہاں پر۔“

وہ ڈرائیور کے ہمراہ آگئی تھیں، گرینی سکون سے سوری تھیں۔ شمو اور چندا آرام سے وہیں براہمان تھیں، اسے دیکھ کر چندا بولی۔

”قسم سے باقی! آج تو آپ آفت لگ رہی ہو، پہچانی ہی نہیں جا رہی ہو۔“ وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے بولی۔

”چپ بے وقوف، جو دل میں آتا ہے، وہ منہ پھاڑ کر کہہ دیتی ہے۔“

”لو! ماں! کیا کسی کی تعریف کرنا جرم ہے؟“۔

”تیری سوٹی عقل میں ایسی باتیں نہیں آئیں گی، جب کسی کی تعریف کرتے ہیں تو پہلے ماشاء اللہ کہتے ہیں۔“

”لو! آگئی میری عقل میں بات، تم کہہ رہی تھیں آئے گی نہیں۔“ وہ منہ پھلا کر بولی تو کرن بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

”شہنا! اس کو مت ڈانٹا کرو، سمجھ تو جاتی ہے پھر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو تم ڈانٹ رہی ہو۔“ وہ شہنا کو ضروری ہدایات دے

کر باہر نکلے تو کاریڈور کو تازہ گلاب کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا پایا۔

”یہ مہک کہاں سے آ رہی ہے؟ کتنی زبردست ہے۔“

”انس صاحب لائے ہیں کسی کمرہ بنانے والے کو، لایا تھا نوکریاں بھر بھر کر پھولوں کی، سعد صاحب کا کمرہ بنانے کے واسطے دو آدمی تھے، کمرہ بنا کر گئے ہیں کچھ دیر ہوئی۔“ چندا نے اطلاع دی تھی۔

”اچھا تم دروازہ اندر سے بند کر لو، میں ڈرائیور کے ساتھ جا رہی ہوں۔“

وہ کاریڈور سے باہر نکل کر ٹکڑے ٹکڑے میز کے باہر آئی تھی تو ڈرائیور کا سمیت وہاں سے عائب تھا، وہاں انس کی کار کھڑی تھی۔

”کس کو دیکھ رہی ہیں آپ؟“ انس اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا، اسے ادھر ادھر سے دیکھ کر استفسار کر بیٹھا۔

”جی..... وہ ڈرائیور کو دیکھ رہی ہوں۔“ اسے اچانک دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی تھی۔ لائٹ بلکوت سوٹ میں اس کی شان دار پر سنائی

نمایاں تھی۔

”آپ کو وہاں شادی میں ہونا چاہیے تھا، یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟“ وہ جیب سے کار کی چابی نکالتا ہوا گویا ہوا۔

”میں وہیں سے آئی ہوں۔“

”آپ وہیں سے آئی ہیں..... لیکن کیوں؟“ وہ ڈرائیور کو ڈرکھولتے ہوئے چونک کر ڈرائیور کی جانب استغیاب سے نگاہوں

سے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”میڈم کو کچھ میڈم سن رہی تھی۔ وہ دیکھنے آئی تھی مگر وہ سو رہی ہیں، شہنا کو سمجھا کر آگئی ہوں۔ میڈم کے جانے کے بعد وہ دے

دے گی۔“ وہ گھبرائی ہو کر کھڑکی کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔ اس نے بے ارادہ نگاہیں اٹھائی تھیں اور ذہن میں جھماکے ہوئے لگے۔

”وہی اندازہ وہی نقوش، معمولی سے تغیر کے ساتھ بھلا اس قدر مشابہت دیکھنا کتنی بھی چہروں میں ہو سکتی ہے؟“ اس نے گہرا

سانس لے کر دروازہ کھولا، پھر اس سے مخاطب ہوا جو اس کے اس طرح دیکھنے سے پریشان ہو گئی تھی۔

”ڈرائیور کو میں نے کام سے بھیجا ہوا ہے۔ آپ آجائیں میں وہیں جا رہا ہوں۔“ اس نے فرنٹ ڈرکھولتے ہوئے کہا تو وہ

خاموشی سے آکر بیٹھ گئی۔

”آپ تقریب چھوڑ کر گری کی خاطر آئیں۔ آپ کے اس غلوں نے میری تمام ساجھ غلط فہمیاں و بدگمانیاں زائل کر دی ہیں۔“

دراصل میں یہی چاہتا تھا کہ کوئی ایسا ہو جو اپنی ڈیوٹی محض ڈیوٹی نہیں، محبت سمجھ کر انجام دے، کیونکہ ملازمت و محبت دو الگ جذبوں کے نام ہیں۔ ملازمت کا تعلق ضرورت سے اور محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور یہ بہت پاؤں فل جذبہ ہے۔" وہ کارڈ رائیو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں ایکسپوز کرتا ہوں آپ سے اپنے تمام اہل سینئر ڈی بی سیوز کی۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں سہرا" وہ اس کے معذرتی انداز پر خود کنیوڈز ہو گئی تھی۔

میرج لان تک ان کے درمیان پھر کوئی بات نہ ہوئی تھی، اس نے کار پارکنگ لائٹ میں کمزری کی تو دو اونچا پرس اور دو پشہ ورسٹ کرتی ہوئی اندر بڑھ گئی، جبکہ انس کا رلا کڈ کر کے پلاٹا تو گویا آگے بڑھنے کی سکت نہ رہی تھی۔

بلیک جملہ لاتی سائز می، بغیر آستینوں کے مختصر بلاؤز میں اس کے شاداب جسم کی رعنائیاں عروج پر تھیں۔ سیاہ تراشیدہ بال شانوں پر چہرہ دے رہے تھے۔ مہارت سے کیے گئے میک اپ نے اس کے بے باک حسن کو مزید دو آئندہ کر ڈالا تھا۔ بلیک ڈیپنڈنٹ کی جیولری کی جگہ گھٹ اس کے سرخ عارضوں اور براؤن آنکھوں میں کوند رہی تھی۔

"ہیلو انس! ہوا آریو؟" وہ مست ہوا کے جھونکے کے مانند اس کی جانب بڑھی۔

"فائن" اس کے چہرے پر یکفخت تھا و بھیل گیا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟" وہ مسرت سے کھلی پڑ رہی تھی۔

"جیسے آپ ہیں۔" وہ کہتا ہوا مسرت سے آگے بڑھا تھا کہ اس نے آگے بڑھ کے اس کا بازو پکڑ لیا، پھر جذباتی لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

"اتنی بے گنجی، اتنی سرد مہری، ابھی تک نہیں بھول پائے، ان باتوں کو؟"

"ایسی باتیں کبھی بھلائی نہیں جاسکتی ہیں، جن میں جسم کے ساتھ روح بھی گھائل کر دی گئی ہو۔" وہ ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے بناتا آگے بڑھا تھا۔

"ماما!" پانچ سالہ بے حد کیونٹ سا سرخ و سفید رنگت دھپولے پھولے کالوں والا بچہ اندر سے آکر منڈل کے قدموں سے لپٹ گیا تھا۔

"انس! یہ میرا بیٹا ہے۔" جو اہانس نے کوئی جواب نہ دیا تھا اور تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ سدا سے ڈھونڈنا باہر ہی آ رہا تھا۔

"ایسے اہم موقع پر مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہو، جانتے ہو مجھے تمہاری کتنی ضرورت ہے اور تمہیں کوئی فکر نہیں ہے۔" بولتے بولتے اس کی نگاہ انس کے چہرے پر پڑی۔

"ارے کیا ہوا؟ یہ تمہارا رنگ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے اور اتنا پینہ کیوں آ رہا ہے؟"

"کچھ..... نہیں..... ہوا تو ہوا سنا پانی پلدا"۔ وہ سر ہکا کر بیٹھتا ہوا بولا، وہاں سے گزرتے دینر سے پانی منگوا کر اسے دیا، پانی پی کر اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔

"کیا ہوا یا ر؟ ایسا کیا ہوا جس نے تمہیں اتنی تکلیف پہنچائی ہے؟"

"پانچ سال میں جو زخم بھرے تھے، یکفخت ہی تازہ ہوئے تو یہ حال ہونا ہی تھا۔ مثال یہاں موجود ہے اپنے بیٹے کے ہمراہ"۔ وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

"اوہ..... یار العنت بھیج ایسی خبیث عورت پر، کیوں دل پر لیتا ہے۔"

"وہاں سب پوچھ رہے ہیں اور آپ دولوں یہاں پر کیا کر رہے ہیں"۔ مڈر صاحب وہاں آکر گویا ہوئے۔

"ڈیئر! سعد کے بیڑوم کا فائل فلاور ڈیکور ہٹ کپلیٹ کروا کر آ رہا ہوں۔ وہی سعد کو بریف کر رہا تھا"۔ انہیں سامنے دیکھ کر دولوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

"اوکے۔ وہاں پٹلیں کچھ سلائی وغیرہ کی رسمیں جین، اس کے بعد ڈنکا اور جھنٹ ہے، میں شرابی کروں گا رخصتی جلدی کرنے کی"۔ وہ ان کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے۔

"جوتا چھپائی کی رسم ہو رہی ہے، آپ ہائیں کتنی رقم مناسب رہے گی۔ پچیاں خوش ہو جائیں اتنی رقم تو ہونی چاہیے"۔ مڈر صاحب نوشابہ سے مخاطب ہوئے تھے اور قبل اس کے نوشابہ کوئی جواب دے پاتیں، لاسٹ براؤن قمری بیس سوٹ میں ملیوں، منہ میں سگار دہائے اپنی جانب جا رہا تھا، نماز میں بڑھتے شخص کو دیکھ کر وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑی رہ گئیں۔

چہرے سے چھلکنی رگڑت۔

مزاج سے جھپٹی جا رہی ت۔

آنکھوں سے چھلکنی نظر ت۔

کچھ بھی نہ بدلاتھا، ماسوائے کپٹیوں کے ہوئے سنید بالوں کے، وہ آکر ان کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے، کیونہ توڑ لگا ہوں سے مڈر صاحب کو گھورتے ہوئے۔

"ہر..... ہا..... ان!" نوشابہ سکتے کی کیفیت سے نکل کر یقین کی زمین پر پاؤں رکھ چکی تھیں۔ ان کے درمیان سالوں کی طویل مسافت رہی تھی۔ اتنی مدت بھی ان کے مزاج کو بدل نہ پائی تھی۔

"ہاں میں، چونک گئی ہاں، تم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اس طرح رنجے ہاتھ پکڑوں گا تمہیں رنگ رلیاں مٹاتے ہوئے"۔ دو قہر آلود لہجے میں بولے۔

"یہ..... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" نوشابہ کو لگا کہ زمین ان کے قدموں سے سرک گئی ہے۔ آسمان ٹوٹ کر سر پر آگرا ہے۔

”مسٹر برہان لغاری اسٹ یور ماؤتھ۔“ مڈر صاحب بھی اس پھوٹیشن کو سمجھ نہ پائے تھے اور جب بات ان کی سمجھ میں آئی تو وہ غصے سے دھاڑے تھے۔

”جیو مت، چلاتا مجھے بھی آتا ہے اور تم سے زیادہ بلند آواز میں چیخ سکتا ہوں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میرے عزیز فرینڈ کی بیٹی کی شادی میں کوئی پرہیز کر لیا جائے۔“

”آپ میری بات تو سنیں برہان! خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے مڈر صاحب کی میں بھائیوں کی طرح عزت کرتی ہوں۔“

نوشاہہ روتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھ گئی تھیں۔

”تم جیسی عورتوں کے پاس ایسے بھائیوں کی کمی نہیں ہوتی جو دن میں شرافت کا خواب لگا کر دھوکہ دیتے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں.....“

”اپنی زبان کو لنگھام و لغاری اور نہ میں تمہیں شوٹ کروں گا۔“ مڈر صاحب کی حمیت برداشت نہ کر سکی، اتنی تھل تھل وہ بری طرح بھڑک رہے تھے۔

کرن جو ماں کو دیکھنے کی خاطر اس طرف آئی تھی، یہ سب دیکھ کر ٹھنک کر رک گئی تھی۔ وہ چہرہ اس کے سامنے تھا جس کو دیکھنے کی حسرت زندگی کی اذیتیں تمنا بن گئی تھی، وہ جو اس کے سامنے تھا جس کا شفقت بھرا اس پائے کو وہ بے گھر رہ گئی تھی۔ آج وہ سامنے تھے جن کو سامنے دیکھنے کی وہ دعا نہیں کرتی آئی تھی لیکن یہ انداز کیا تھا ان کا؟ یہ روپ کون سا تھا ان کا؟ جس نے اس کے قدم زمین سے جوڑ دیے تھے۔ اسے پھر کا بنا دیا تھا۔

”ڈیڑی اڈیڑی! پلینز..... کول ڈاؤن سنبالیں خود کو اندر لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ تراشہ بن جائے گا۔“ انس کسی گوشے سے برآمد ہوا تھا اور باپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اندر لان کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ یہ ہیر دنی حساس وقت سننا تھا، کیونکہ اندر دلچسپ رسموں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ سو اس وجہ سے لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول ہونے کے باعث ان کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو سکا تھا، کوئی اس طرف نہ آیا تھا۔

”میری بیٹی نے تمہارے بیٹے کو زک پہنچائی تھی، اس کا بدلہ ہے نا یہ..... تو یاور کھ لینا، آج سے میرا انتقام کا آغاز ہوتا ہے مڈر خان! ایسا بدلہ لوں گا کہ تمہاری آنے والی خلیس میرے نام سے کانپیں گی۔“ ان کا لہجہ بے حد خوف ناک تھا۔

”اپنی رذیل ذہنیت اور غلط فہمی کو دور کر دو گے تو ساری حقیقت تمہیں سمجھ آ جائے گی اور اس عورت کی پاکیزگی و پاک دامنی کی میں قسم کھا سکتا ہوں۔“

”مجھے نہ تم پر اعتبار ہے نہ اس عورت پر اور نہ تمہاری قسموں پر۔ شاید میں اعتبار کر بھی لیتا، اگر میں اس کی اور اس کی بیٹی کی آوارگی اور بد چلتی کی داستانیں اس کے اپنوں کے منہ سے نہ سن لیتا۔ ایک عرصے بعد میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا تھا اور میں انہیں لینے اس کے باپ

کے گھر گیا، وہاں جا کر مطمئن ہوا یہ اور اس کی بیٹی ان کے چہروں پر کالک مل کر اپنے آشناؤں کے ساتھ بھاگ چکی ہیں۔
 "آؤ....." بڑا شدید وار تھا خنجر پیچھے سے ہی حسب عادت گھونپا گیا تھا۔

ہاتھ وہی تھے جنہیں اپنا سیت کا دعویٰ تھا، ضرب بڑی کاری پڑی تھی۔ تکلیف کا احساس ہر شے پر محیط ہوتا چلا گیا۔ کچھ دیر قبل جھلکا تا ماحول تاریکی میں بدلنے لگا تھا جس ایک دم اتنا بڑھا کہ نوشابہ کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔
 "ایسی عورت سے میں کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا، جو کام مجھے آج سے بہت سال قبل کروینا چاہیے تھا وہ آج کر رہا ہوں۔ نوشابہ بیگم! میں بھائی ہوش و حواس، تمہاری بد کرداری کو مد نظر رکھتے ہوئے تمہیں.....

طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں۔

جس لفظوں کا یہ تعلق جو دو لوگوں کو ایک رشتے سے جوڑ دیتا ہے اور تین لفظ ہی اسے توڑنے میں بھی کافی ہوتے ہیں۔ بڑا متنازعہ رشتہ ہے۔ یہ بھی پہاڑ سے زیادہ مضبوط تو کبھی وصال کے سے بھی کچا۔ محبت، اعتماد اور اعتبار اس رشتے کی اساس ہیں جہاں یہ جذبے ناپید ہوتے ہیں وہاں شک کے یہ ناگ اسی طرح ڈستے ہیں۔ نوشابہ کہنے ہوئے فہمیر کی طرح زمین بوس ہوئی تھیں۔
 "مما!" کرن کی وحشت زدہ چیخ ماحول میں گونج اٹھی تھی۔



وہ بھاگ کر ماں کی طرف بڑھی تھی۔ اس سے پہلے انس ان تک پہنچ چکا تھا۔ انہیں ہوش میں لانے کی ہر تدبیر ناکام ثابت ہوئی تھی۔ انس نے انہیں اٹھا کر بیک سیٹ پر لٹایا۔ کرن نے وہاں سے جاتے ہوئے باپ کی پشت پر چلتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی، اس لمحے برہان لغاری نے بھی غیر ارادی طور پر جاتے ہوئے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔
 باپ بیٹی کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔

باپ کی نگاہوں میں اشتعال، برہمی و بد اعتمادی کی سرخی تھی تو کرن کی ذہنوں و حواس ہوتی غم لگا ہوں میں غرت ہی غرت تھی۔ چند لمحے دو ایک دوسرے کو کینہ توڑ لگا ہوں سے دیکھتے رہے تھے، پھر برہان لغاری تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے تو دو کار کی طرف بڑھ آئی تھی۔
 "پریشان مت ہوں، اللہ بہتر کرے گا۔" مڈر صاحب جو اچانک پیدا ہونے والی صورت حال سے شدید آپ سیٹ تھے، کرن کی جانب دیکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولے تو وہ سر جھکا کر رو گئی تھی۔

"ڈیڑی! یہاں سب کچھ آپ کو سنبھالنا ہے۔ مسجد کو ذرا بھی محسوس نہ ہو۔" انس باپ کی جانب دیکھتے ہوئے آہستگی سے مخاطب ہوا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔ اس نے کار اشارت کر دی تھی۔ کرن نوشابہ کا سر گود میں رکھ کر ان کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر قبل یہ چہرہ کتاہشاش بٹاش، بچی خوشیوں سے جھلکارہا تھا، پہلی بار اس نے انہیں اتنے اچھے انداز میں دیکھا تھا۔ کتنی باوقار و خوب صورت لگ رہی تھیں وہ۔ بار بار ان کی جانب نگاہ اٹھ رہی تھی۔ کئی بار اس نے انہیں آج کے دن نگاہوں کے ذریعے دل میں اُتار رکھا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ آنے والے لمحات اس کے لیے کیسے کشن دنا قابل برداشت درو لیے چلے آ رہے ہیں۔ بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

واقعہ اتنا بڑا تھا کہ سوچنے بکھنے کی صلاحیتیں ایک دم ہی منطوق ہو گئی تھیں تین دن تک وہ آئی سی یو میں موت و زیست کی حالت میں رہی تھیں۔ چوتھے دن موت نے زیست کو شکست دے دی تھی۔ وہ جو ساری زندگی سہر و خاموشی سے گزارتی آئی تھیں، اسی خاموشی سے دنیا سے چلی گئیں۔ تین روز قبل جس گھر میں شادی کے شادیانے بچ رہے تھے، اس گھر میں اب موت کی بوجھل و خاموش ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ زندگی سے دیا وہ ناقابل اعتبار و ناانیدار کوئی شے نہیں ہوتی، انسان کیسے کیسے خواب و یکتا ہے، تصورات میں گم رہتا ہے، خواہشوں کے تاج محل بناتا ہے، آرزوؤں کے شیش محل تیار کرتا ہے، تمناؤں کے دیپ جلاتا ہے، موت کی حقیقت کو فراموش کیے زندگی کے جھوٹے پہلاؤں میں بھٹکتا ہوا موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

نوشابہ کو دفن ہوئے چھ گھنٹے تھا، مڈر صاحب نے نوشابہ کی ڈیڈ باڈی ہاسٹل سے وصول کرتے وقت کرن سے سوال کیا تھا کہ ڈیڈ باڈی گھر لے کر جائیں یا وہ اپنے ماموں کے ہاں جانا پسند کرے گی۔ جواباً اس نے ماموں کے گھر جانے سے انکار کر دیا تھا اور پھر مڈر صاحب نے ان کی ڈیڈ باڈی اپنے گھر سے ہی اٹھوائی تھی۔ ان کے توسط سے خاصے طے والے آگے تھے جو سوئم تک رہے تھے۔ انہوں نے نوشابہ کو اپنی کزن کے طور پر ہی حعارف کرایا تھا۔

کرن کی حالت از حد دگرگوں تھی۔

اس کے ہونٹ مضبوطی سے بند تھے، بولنا جیسے وہ بھول ہی گئی تھی۔ اس کی آنکھیں برستی رہتیں، خواہ غارغ بیٹھے یا نماز و تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہو۔ کوارٹر میں تالا لگ چکا تھا۔ گرمی نے اس کے لیے ایک بیڈ اپنے کمرے میں لگوا لیا تھا تا کہ تنہائی محسوس نہ کرے۔

"لڑکی! اس طرح خاموش رہنے سے کیا ہوگا، کیوں تو نے اپنے ہونٹ ہی لیے جین، بھلا اس طرح بھی ہوتا ہے۔ موت تو اسی طرح اچانک آنے والی شے ہے۔ بندے کو معلوم نہیں ہوتا مگر وہاں تو اس کا پورا ناٹم نچل لکھا ہوا ہے، وہاں ناٹم ختم ہوتا ہے اور یہاں جلاوا آ جاتا ہے تو جانا پڑتا ہے۔ موت کا ڈانڈ تو ہر ذی روح کو چکھنا ہے، اس سے مفر کسی کو حاصل نہیں ہے۔"

"کیا کہوں میڈم اور کیسے کہوں؟ امی کے ساتھ میں بھی مر گئی ہوں۔" اس کی دھیمی آواز آلسوؤں کے بوجھ سے لرز رہی تھی۔

"ملاہ بات ہے، مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرتا۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتیں میڈم! جو ہمارے ساتھ ہوا ہے۔" وہ شدت سے رو پڑی۔

"بجھتی ہوں، انس نے مجھے سب بتا دیا ہے۔"

”جیسے سمجھ سکتیں آپ، میں بچھتاؤں کے جس الاؤ میں جل رہی ہوں، وہ تکلیف صرف میں محسوس کر رہی ہوں یا وہ محسوس کرے گا جو میرے جیسے حالات سے گزر رہا ہو۔“

”یہاں آؤ، میرے پاس آکر بیٹھو۔“ گرنی کے اندر ایک دم متا جاگ اٹھی تھی۔ وہ بیڑہ اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

”ہاں، جو تمہارے دل میں ہے، جو تم سوچ رہی ہو، جس بات کا تمہیں بچھتاوا ہے، جو یاد تمہیں تکلیف دے رہی ہے، سب مجھ کو بتاؤ، کچھ بھی مت چھپانا، تمہارے دل پر جو بوجھ ہے، وہ سب اتار بیٹھو، مجھے بتاؤ۔ ان لمحوں میں تم مجھے اپنی ماں ہی سمجھ لو۔“ گرنی نے اسے رونے دیا، کافی دیر بعد وہ خاموش ہوئی تو انہوں نے انٹرکام پر شہسو سے پانی کا کہا، وہ پانی لے آئی تو چائے کا آرڈر دے دیا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا ابھی تک کہ می مجھے چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ اتنی جلدی، اتنا اچانک وہ سب ہوا کہ مجھے یقین نہیں آ رہا می کی جدائی کا۔“

گرنی کی شفقت نے اسے کھل کر رونے کا موقع دیا تھا۔ وہ جو گزشتہ دنوں کی کٹھن کا شکار تھی، طبیعت، ہلکی پھلکی محسوس کرنے لگی تھی۔

”انہ تمہیں بھر دے (آمین)۔“ گرنی دعا گو ہوئیں۔

”میری می نے بہت نکالیت افحاشیں، بے حد ڈکے جھیلے۔ انہوں کے ہاتھوں بچنے والی ہر ذلت، اذیت کو اپنا مقدر سمجھ کر برداشت کرتی رہیں، اس امید پر کہ کبھی تو اس شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا خیال ہوگا، کبھی تو انہیں خیال آئے گا کہ ان کے نام سے وابستہ دو بہنیاں بھی اس دنیا میں موجود ہیں، سو یا ہوا نصیر کبھی نہ کبھی تو بیدار ہوگا اور جس دن وہ بیدار ہوگا وہی دن ہمارا یوم نجات ہوگا۔“ اُنڈ آنے والے آنسوؤں نے اس کی آواز بھاری کر دی۔

”میری ماں بہت خود دار، صابر اور نیک تھیں، اپنی ذات کے لیے وہ کسی سے لڑنا نہیں جانتی تھیں۔ لوگوں کی زیادتی و ظلم کے جواب میں ان کے پاس واحد ہتھیار خاموشی ہوتی تھی۔ اب بھی وہ اسی خاموشی سے چلی گئیں۔“

”بہت اچھی عورت تھی تمہاری ماں، بے حد نیک اور ملن سار۔“ اسی دم شہسو روانہ کھول کر اندر آئی اور بولی۔

”باہر کوئی ملے آئے ہیں آپ سے۔“ وہ کرن سے مخاطب ہوئی تھی۔

”کون؟“ وہ بے بدھانی سے بولی تھی پھر اک دم ذہن میں جھماکا ہوا کہ یہاں تو ایک دینی آسکا ہے اور کوئی نہیں۔

☆.....☆.....☆

”کرن... کرن اوہ چوکیدار کیا کہہ رہا ہے؟ پچھو کہاں ہیں؟ گیٹ پر تالا کیوں لگا ہوا ہے؟“ اس کی آواز، اس کے چہرے سے وحشت چمک رہی تھی۔ گیٹ پر چوکیدار نے اسے جو خبر دی تھی اس نے اسے بدحواس کر ڈالا تھا۔ وہ چوکیدار سے کوئی بات کیے بنا بھاگتا ہوا کوارٹر کی طرف گیا تھا، وہاں دروازے پر پڑے تالے نے اس کے حواسوں کو مزید منتشر کر دیا تھا۔ اس نے چوکیدار سے کرن کے متعلق پوچھا تو اس نے ملازمہ سے کرن کو بلانے کو کہا تھا۔ کرن کے آنے تک وہ بے کل سا ذرا غائبن ماکھتا رہا تھا۔

"اللہ کرے یہ بات جھوٹ ہو، جو میرے کانوں نے سنا ہے، وہ غلط ہو۔ پیپھو، میری پیار پیپھو اس طرح کیسے جاسکتی ہیں۔" وہ سوچ رہا تھا لیکن جس طرح سوچا ہوا پورا نہیں ہوتا ایسے ہی ہر وہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ وائٹ بڑھن لباس، اُلجھے بکھرے بال، شدت گریہ سے سرخ و نوجبی ہوئی آنکھیں، رنج و الم کی تصویر بننا سراپا، حیح حیح کر کہہ رہا تھا جو اس نے سنا ہے، وہ درست ہے۔

"کرن ایڈوکیٹا، خاموش کیوں ہو؟ کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا یہ سب؟" اتنا بڑا سانحہ گزر گیا اور تم نے ہمیں اطلاع تک نہیں دی۔ پیپھو کے آخری دیدار سے بھی مرحوم رکھا، کیوں کیا تم نے ایسے، کیوں کیا؟" وہ جو ہمیشہ ہنستا سکراتا رہتا تھا، اس وقت بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"تم اتنی کٹھور و سنگ دل ہوگی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اپنوں کے ہوتے ہوئے پیپھو غیروں کے کامدھوں کے سہارے سطر آخرت پر روانہ ہوئیں۔ تم ضدی، خود سر قضیں، حالات کو دیکھتے ہوئے میں تمہیں ان رویوں میں حق بجانب سمجھتا تھا لیکن اب جو تم نے کیا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ تم بے حس، بے رحم لڑکی ہو۔ آنا پرست و خود پسند لڑکی۔" روتے روتے وہ چپٹا تھا۔

"تم نے اتنا بڑا ظلم کیا ہے، اتنی بڑی زیادتی کی ہے کہ میں آئندہ خواب میں بھی تمہاری صورت تو کیا پر جھانکوں دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میں نے تمہارے حوالے سے کتنے خواب دیکھے تھے، ایک اچھی دکا میاب زندگی گزارنے کے، دُعا بھری خوشیوں سے تمہارا دامن بھرنے کے، اُن خوابوں میں شخص ہمارے ہی وجود نہ تھے بلکہ پیپھو جان کے وجود کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ ہمارے ہر سکھ، ہر راحت، ہر خوشی کی ابتدا اُن کے وجود سے تھی، میرے خواب آکھ کھلنے سے قبل ہی ٹوٹ گئے تھے۔ میری مسافیں ہمیشہ کے لیے منزل کھو بیٹھی ہیں۔ تم میری زندگی کی اولین خواہش تھی، آخری آرزو تھیں، جو اب ہمیشہ کے لیے میرے لیے کسک بن جائے گی۔ بہت بُرا کیا ہے تم نے، ناقابل معافی جرم ہے تمہارا۔" وہ کرن کو نفرت سے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اوپر ٹیرس پر کھڑا اس کیلے ہال ٹاؤل سے رگڑتا وہاں آیا تھا، لان میں کھڑے، اجنبی لوجوان کو دیکھ کر ڈک گیا، پھر کرن آگئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو نے غیر ارادی طور پر اُسے زکے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خاموش کھڑا ہاں سن رہا تھا۔

"اگر کہہ چکے ہو تو چلے جاؤ یہاں سے اور کبھی پلٹ کر مت آنا، جو تعلق ورد کے ہوں انہیں توڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ میں اپنی ماں کے قاتلوں سے کوئی واسطہ رکھنا بھی نہیں چاہتی ہوں۔" اس کی ہیکل آنکھوں و شیطانی بکھٹے ہوئے چہرے پر ایسی کوئی بات ضرور تھی جو حزن و ہزار ہا غصے و اشتعال کے باوجود چونک اٹھا تھا، پھر اس کے آخری جملے نے اسے بے چہن کر ڈالا تھا۔

"ہمیں ہمارے حق سے محروم رکھنے کے باوجود تمہاری یہ بدظنی و نفرت شتم نہیں ہوئی۔ کیا چاہتی ہو تم آخر؟ اب کیا رو گیا ہے؟" وہ چیخ اٹھا۔

"میری ماں جن سانچوں کو ڈو وہ پلائی رہی، انہوں نے ہی اسے اُس لیا۔ میری ماں کو مار کر مجھ سے حساب مانگنے آئے ہو اور کیوں نہیں مانگو، خون تو اُن کا ہی ہو، جو مارتے ہیں اور روئے بھی نہیں دیتے، چسپ کر وار کرتے ہیں پھر نشانہ بھی خطا نہیں ہونے دیتے۔" وہ بھی پھر اٹھی تھی۔ اندر سے شوچتہ تیز آوازیں سن کر باہر نکل آئی تھی۔

نیرس پر سے انس اندر چلا گیا تھا، چند لمحوں بعد وہ نیچے آ رہا تھا۔

”میری ماں کا خون اپنی آستیں میں اپنے چہرے پر دیکھو“ وہ کہہ کر اندر چلی گئی۔ پیچھے شواہد چندا بھی چلی گئی تھیں۔ حذرہ گوگو کی حالت میں کھڑا اسے اندر جاتا دیکھ رہا تھا۔

اس کا جارحانہ انداز، مبہم لہجہ اسے ذہنی غلبان میں مبتلا کر چکے تھے۔ کرن سے اکثر اس کی کھٹ پٹ ہو جاتی تھی، وہ منہ پھٹ د صاف گوسدا کی تھی، وہ بات بغیر کسی لپٹی مقابل کے منہ در منہ کہا کرتی تھی۔ اب بھی اس کا اعزاز وہی تھا لیکن لہجہ بالکل مختلف تھا۔

”السلام علیکم، آئم انس مدثر۔ آپ مجھے کچھ وقت دیں گے؟“ حذرہ جو اسی کیفیت میں کھڑا تھا، اندر سے آتے دجیہہ اسمارٹ ففص کو دیکھ کر ڈک گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

لینڈ کرور، دور سے آتی دیکھ کر چوکیداروں نے مستعدی سے وہ بھاری بھر کم گیٹ کھول دیا تھا۔ اندر کا سرسبز و شاداب منظر نگاہوں کو ترواٹ بٹھنے کے لیے کافی تھا۔ وسیع و عریض لانز کے سبزے، ستاؤ درختوں، پتھروں و پھولوں کے درمیان ایسا دوسنگ مرمر کی خوب صورت عمارت پر جدید دور کے تاج کلن کا گمان ہو رہا تھا۔ لینڈ کرور روانی سے چلتی ہوئی گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی اور کچھ قاصلے پر ڈک گئی تھی۔ گاڑی زکے تھی وہ ملازم نہ معلوم کس کو نے سے برآمد ہوا اور جھٹ آگے بڑھ کر دروازہ بے آواز انداز میں کھولا تھا۔

”سلام مالک!“ اس نے گاڑی سے نکلے برہان لغاری کو مودبانہ انداز میں سلام کیا تھا۔ ڈارک قمیڑی پیس سوٹ میں لمبوس برہان لغاری کے چہرے پر ہلاکی و عونت دہنتی تھی۔ وہ گردن اکڑائے حاکمانہ انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

ملازم کے سلام کا جواب دینا تو درکنار انہوں نے ایک نگاہ اس کی جانب دیکھا بھی گوارا نہ کیا جو بریف کیس اٹھائے غلامانہ انداز میں پیچھے آ رہا تھا۔ کوریڈور، لاؤنج عبور کرتے ہوئے کئی ملازم و ملازمتیں تھیں جنہوں نے انہیں ایسے ہی جھک جھک کر بے حد مودبانہ انداز میں سلام کیا تھا اور وہ اسی کوریڈور سے آگے بڑھتے رہے تھے۔ ملازم بریف کیس لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ ایک کمرے میں آگئے جہاں ایک معمر خاتون نماز کی چوکی پر بیٹھی تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھیں۔ سفید سوٹ میں اُن کے سرخ و سپید چہرے کا جاودہ جلال نمایاں تھا۔ برہان لغاری نے محبت بھری نگاہ اُن کے چہرے پر ڈالی، پھر مودبانہ انداز میں اُن کے قریب بیٹھ گئے تھے۔

کمرے کی ٹھنڈی و خاموش فضا میں تلاوت کی وحشی آواز گونج رہی تھی۔ برہان کی آمد بھی اُن کے انتہاک کو بڑبڑ نہ کر سکی تھی۔ بہت اطمینان سے انہوں نے سپارہ مکمل کیا تھا۔ قرآن چوم کر جزان میں لپیٹ کر ریک میں رکھا تھا پھر چہرے پر ہاتھ پھیرتی ہوئیں وہ اُن کی طرف متوجہ ہوئیں اور مسکراتے ہوئے اُن پر پھونک مارنے لگی تھیں۔

”السلام علیکم والدہ حضور!“ ماں کو فارغ دیکھ کر انہوں نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام، سدا خوش رہو“۔ انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"والدہ حضور! اُسے آپ نے بلوالیا ہے؟"

"نہیں۔"

"نہیں، کیوں؟"

"تمہارے لیے ایک خبر ہے۔"

"کیا خبر ہے؟"

"نوشابہ مرچکی ہے۔"

"یہ بہت اچھی خبر ہے، اگر وہ مرنے تو میں اسے مار دیتا۔" برہان کے لہجے میں زخمی بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی۔

"تمہارے والد کو کتنا سبھایا تھا کہ غیر برادری کی لڑکی مت لاؤ، رشتے داری ہم پلہ، برابر حیثیت والوں سے جوڑنی چاہیے، مگر وہ

نہیں مانے، اسے آئے بے حیثیت خاندان کی ادنیٰ لڑکی اور آتے ہی دکھادی اس نے اپنی اوقات۔ ایک سال بھی وہ نک نہ نکلی تھی۔"

"وہ وقت گزر گیا، ہم نے بھی اُس کی من مانی کی پوری پوری سزا دی تھی بلکہ وہ اس قابل نہ تھی کہ اتنے سال ہمارے کام کے

ساتھ عیاشیاں کرتی۔ ہمیں بہت پہلے اس کی ناک چوٹی کاٹ کر نکال پھینکنا چاہیے تھا۔" نوشابہ کے ذکر پر وہ اشتعال کا شکار تھے۔

"چھوڑو اس ذکر کو، وہ مر گئی، جس کم جہاں پاک۔ تم نے اسے طلاق دے دی تھی، بہت اچھا کیا۔ ہم تو پہلے کہہ رہے تھے جان

چھڑاؤ اس سے، خیر اب مسئلہ رہ جاتا ہے کرن کا۔ اس نے تربیت ایک غلط عورت کی گود میں پائی ہے تو اسے وہی تربیت ملی ہے جو دی گئی

تھی۔ ہمارے درمیان رہے گی تو بدل جائے گی وہ! اسے یہاں بلواؤ، وہ ہمارا خون ہے اور ہم اپنی زمینیں اور اولاد کسی دان نہیں کرتے۔ کل

رات کی تاریکی سے قبل ہم اسے یہاں اپنے زور و دیکھنا چاہتے ہیں۔" اُن کی ہارعب آواز میں محکم پیدا ہو گیا تھا۔ اسی دم پردے کے پیچھے

سے منال اندر آئی تھی۔

"اوہ ڈیڈی! آپ آگئے، دو دن کا کہہ کر گئے تھے، پورا ہفتہ لگا دیا آپ نے۔" وہ مسکراتی ہوئی باپ کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

"مشینری میں نے جانتے ہی خریدی تھی موسم کی خرابی کے باعث لکائٹ نہیں مل رہی تھی۔" وہ اس بے خوش گوار انداز میں

مخاطب تھے۔

"اوکے، یہ کس کو گھرانے کی ہاتھیں ہو رہی ہیں؟"

"کرن! آپ کی جو میر سسز، اب سہیں رہے گی۔"

"سسز! اس ٹاٹ لٹی، میری کوئی بہن نہیں ہے۔" وہ سخت کیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

"تمہارے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، اس حقیقت کو تمہیں تسلیم کرنا ہوگا۔" والدہ حضور سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

"فضول میں، ڈیڈی کی تمام دولت دجا نیدا کی میں مالک ہوں۔ میرے علاوہ اس میں کوئی شیئر نہیں کر سکتا۔"

”مثال! اجہ ادب کے دائرے سے باہر مت لکھو۔ والدہ حضور سے بات کرتے ہوئے آپ کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ بچپن سے آج تک ہم نے ان کی ہر بات مانی ہے اور آخری سانس تک مانیں گے۔ آئندہ ایسی بدتمیزی ہم بالکل برداشت نہیں کریں گے۔ سوری کرو وادی حضور سے۔“ مثال کا تیز لہجہ دباغیانہ انداز برہان کو نہ بھایا تو وہ تختی لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے۔

”سوری گرینڈ مبرا سوری ڈیڈی! مجھے قصہ کیا تھا۔“

”اچھا اچھا، ٹھیک ہے جاؤ اب میں عصر کی اذان تک آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ چوکی سے اٹھ کر لمحہ کمرے میں آرام کرنے چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆

سننے ہیں اپنے ہی تھے مگر نونے والے

اچھا ہوا میں نے یہ تماشا نہیں دیکھا

یہ شہر صداقت بھی عجب شہر ہے شبنم

میں نے یہاں ایک شخص بھی چاہ نہیں دیکھا

انہی نے اسے سعد کی شادی میں زور دیا ہونے والے اس واقعے کی تفصیل بتادی تھی اور وہ دم بخود سا بیٹھا رہ گیا تھا۔

”میں اپنی ماں کے قاتلوں سے کوئی واسطہ رکھنا بھی نہیں چاہتی ہوں۔ میری ماں جن سانپوں کو دودھ پلاتی رہی، اُن ہی سانپوں نے اُسے ڈس لیا۔“ کرن کی بھینکی آواز اُس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کانپنے ہاتھوں سے وہ کادر ڈرائیور کے گھر آیا تھا اور بے جان قدموں سے اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔ سب گھر والے شادی کی تقریب اینڈ کرنے گئے ہوئے تھے، لہذا گھر میں گہری خاموشی کا راج تھا۔ وہ جو تے اُتارے بغیر بیڈ پر اوندھ حالت گیا۔ اس کی رگ رگ میں انگارے سلگ رہے تھے۔ دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا اور دماغ مآؤف سا ہو گیا تھا۔

آج اُس پر ایک قیامت گزری تھی، پے در پے ڈکھوں کا شکار ہوا تھا وہ۔ جان سے بڑھ کر چاہنے والی پھپھو کی ابدی جدائی اس کے لیے زبردست شاک تھا۔ اُس دن تو وہ اُن کو ہنستا مسکراتا چھوڑ کر آیا تھا۔ جب وہ واپسی کے لیے اٹھا تھا تو وہ بڑے پیار سے اُسے دوبارہ آنے کی تاکید کرتی رہی تھیں، اس بات سے بے خبر کہ پھر ملائے مقدر میں کہاں تھا۔

”پھپھو..... پھپھو! کہاں دھوئیں آپ کو؟ اتنی زور چلی گئیں، میں کتنا غلط تھا۔ نہ معلوم کیوں آپ کی موت کی خبر مجھے حواسوں سے بیگانہ کر گئی تھی، یہ احساس ہر شے پر حاوی تھا کہ میں آپ کو اب کبھی نہ دھوئیں پاؤں گا، دنیا کے جمیلوں میں گن لاکھوں، کروڑوں لوگوں کے چہروں میں کبھی مجھے آپ کا چہرہ نظر نہ آئے گا اور میں کیسے ہی پاؤں گا؟“ یکھت ہی وہ اٹھ کر بیٹھا تھا اور شدت سے رونے لگا تھا۔

”میں نے کبھی کرن کو اُس کی زیادتی پر بھی کچھ نہیں کہا، اس کا قصہ اس کی کڑوی باتیں، اس کی ہرزایاوتی مجھے کبھی ناگوار نہ گزری

تھی لیکن اس نے جو آپ کے آخری دیدار سے محروم رکھا کہ مر میر کا زخم دیا ہے، شاید اس زخم کے بھرنے تک میں اسے معاف نہ کر سکوں اور مگر میں رہنے والے پتھر دل لوگوں کو تو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔ وہ سکیہ اچھال کر جوئی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وارڈروب سے اپنے کپڑے اور اہم ڈاکومنٹس نکال کر سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔

دوسرے دن سنڈے تھا۔

رات سب شادی ہال سے لیٹ آئے تھے پھر چھٹی کی وجہ سے سب سی سو کر دیے سے اٹھے تھے۔ چھٹی والے دن ناشتہ تینوں بھائی، بیوی، بچوں کے ہمراہ لائیک روم میں کرتے تھے جس کے لیے وہ تینوں دیوارنیاں، جھانپیاں مل کر خاصا اہتمام کرتی تھیں۔ ابھی وسیع دستر خوان انواع و اقسام کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا، دسترخوان کے گرد سب بیٹھ گئے تھے۔ آسیہ چائے پھر اس میں بھر کر لائیں تو کمرے میں مزہ کی غیر موجودگی پر صدمہ کو اسے بلانے بھیجا تھا۔

”وہ کبہ رہے ہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔“ صدمہ کا انداز پریشان کن تھا جو وہاں تو کسی نے محسوس نہیں کیا مگر آسیہ کی زیرک نگاہوں سے صدمہ کی گونگولیت چھپ نہ سکی تھی۔

”آپ لوگ شروع کریں میں بلا کر لاتی ہوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں صدمہ سے لاپرواہ ہے، ذرا اپنی صحت کا خیال نہیں ہے اسے۔“ وہ کبھی بوٹی وہاں سے گئیں تو رخسانہ اور راجیلہ نے متنی خیرنگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے ناشتے کے لوازمات شروع کیے تھے۔

”تم دن بدن تیز رفترازیب بھولتے جا رہے ہو، تمہیں معلوم ہے پنجے میں ایک دن تمہارے پایا اور چھاسب کے ساتھ ناشتہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی پوری فیملی ان کے ساتھ ہو۔“ دو آتے ہی برسی تھیں، پیچھے صدمہ بھی چلا آیا تھا۔ مزہ کی حالت نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

”مگر تم ہرگز رتے دن کے ساتھ ہم سے دور ہوتے جا رہے ہو، گویا ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ من مانی کی عادت اچھی نہیں ہوتی ہے۔ کسی اور کی نہیں اپنی پھپھو کی ناکام زندگی سے سبق سیکھو، اس کی بھی من مانی کرنے کی عادت.....“

”فارگاڈ سیک ماما! اب تو ان کا بچھا چھوڑ دیں، قبر کی تاریک گہرائیوں میں پہنچانے کے باوجود آپ لوگوں کو چین نہیں آیا۔“ وہ جو خاموش کھڑا تھا آسیہ کو لوشاہ کے خلاف اشارت لیتے ہوئے دیکھ کر چلا یا تھا۔

”بھیا! کیا کہہ رہے ہو؟ پھپھو کے لیے ایسے لفظ استعمال کر رہے ہو.....“ صدمہ کی سماعتوں پر گویا بجلی سی گری تھی، وہ ایک مست میں اس کے قریب آیا، جبکہ آسیہ بھی بکا بکا کھڑی اس کے لظفوں کو سمجھنے کے چکر میں اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

بکھرے بال، سرخ بے خواب آنکھیں، بڑھی شیواور بڑھن لباس.....

”پھپھو ہمیں چھوڑ گئیں صدمہ! وہ ہم سے اتنی دور چلی گئیں کہ کبھی ہم انہیں ڈھونڈ ہی نہ پائیں گے۔“ وہ صدمہ سے سینے سے لگا کر رو

پڑا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، تمہیں کیا معلوم وہ کہاں ہے؟ تمہیں کس نے بتایا وہ مر گئی؟“ آسیہ دھیسے و مضطرب آمیز لہجے میں استفسار کر رہی تھیں۔

”یہ کس طرح ہوا بھائی! مجھے یقین نہیں آ رہا، پیچھو پیچھو کے لیے چلی گئیں۔“

صمد کو بھی مہربان و شفیق پیچھو کی جدائی کا گہرا صدمہ ہوا تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا تو کیا بکواس کر رہا ہے حمزہ۔“ وہ نئی طرح سراپستگی کا شکار ہو کر گویا ہوئی تھیں۔! دھریہاں سے جاتی آوازوں نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔ پہلے رحسانہ، پھر راحیلہ اندر داخل ہوئی تھیں، پیچھے ان کے ذرقون اور مہرون تھیں۔

”خدا یا غمراہ کیا ہوا بیوی بھائی دیدہ کیا: وہ رہا ہے؟“ وہاں کے منظر نے انہیں بدحواس کر دیا تھا۔ وہ گھبرا کر بولی تھیں۔

”یہ حمزہ..... کہہ رہا ہے..... نوشاہہ..... مر..... گئی.....“

اود اکب، کس طرح.....؟“ راحیلہ بڑھکھلا کر بولیں جب کہ ذرقون فوراً یہ خبر باپ اور چچاؤں کو سننے کے لیے دوڑی تھی اور پھر ان واحد میں حمزہ کا بیزروم گھر کے تمام لوگوں سے بھر گیا تھا اس وقت ان کے پیروں سے بے یقینی و تجسس جھلک رہا تھا۔ نگاہیں دگرگوں حالت والے حمزہ پر جمی تھیں۔

”کیا الفوائد ہے یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟“ عامم کڑے انداز میں حمزہ کو گھورتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

”وہ مگر چھوڑ کر چلی گئی تھیں، اپنا کوئی پتہ، ٹھکانہ نہیں بتایا تھا پھر آپ کو الہام ہوا ہے یا کوئی خواب میں بتا کر گیا ہے۔“ بھلے چچا آصف جو بھوک کے کچے تھے صبح ہی ایسی بات وہ بھی لوازمات سے بھرے دسترخوان کو چھوڑ کر اٹھنے پر سخت بد مزاجی کا شکار ہو کر بولے۔

”تمہیں، یہ معلوم کرنے کا طریقہ مناسب نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں حمزہ بیٹا! ایسی بات بغیر کسی ثبوت یا یقین کے نہیں کہہ سکتا۔“ نوشی سے اس کی محبت کی انتہا سے سب ہی واقف ہیں۔ ”چھوٹے چچا جو دونوں بڑے بھائیوں سے مزاج ٹھنڈا رکھتے تھے، بے حد صلح جو و ذی فہم تھے۔ حمزہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا تھے۔

”آپ نوشی سے ملتے رہے تھے؟ آپ اس کے ٹھکانے سے واقف تھے؟ کیسے ہوا یہ سب؟ وہ بہت حوصلہ مند اور صابر تھی، بڑے بڑے طوفانوں کا تنہا مقابلہ کرنے والی۔ ہر ظلم و جبر کو خاموشی سے سہنے والی، ایسی کیا زک بچی اسے جو وہ دنیا ہی چھوڑ گئی۔ یقیناً کوئی بڑی تکلیف، کوئی ایسی اذیت جو وہ برداشت نہ کر سکی، کیا ہوا ہے حمزہ! مجھے بتاؤ۔“

”یہ مجھ سے زیادہ اچھی طرح سے ان خواتین کو معلوم ہے، ان سے پوچھئے۔“ وہ ان تینوں کے سفید پڑے پیروں کو ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھتا ہوا گویا ہوا تو اپنی جانب سب کی نگاہوں کا رخ دیکھ کر اس نئی طرح بڑھکھلائی کہ سچ از خود ہی ان کے منہ سے نکلنے لگا۔

”یہ سب بیوی بھائی اور آسیہ بھائی نے کیا ہے، میرا کوئی قصور نہیں ہے، میں تو اس دن گھر میں نہیں تھی جس دن برہان لغاری نوشاہہ اور کرن کو لینے آئے تھے۔“ راجیہ نے عامر کی خشکیوں سے لگا ہوا خود پر محسوس کر کے تیزی سے کہا تھا۔

”کیا..... یہاں لغاری یہاں آئے تھے؟ کرن اور لوشابہ کو لینے مگر کب؟ اور ہمیں کیوں ان کی آمد سے بے خبر رکھا گیا؟“ عاصم بے یقینی سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے گرجے تھے۔

”وہ... وہ... دو آسیر! تم کہو نا“۔ رخسانہ جو ان میں سب سے زیادہ حاضر دماغ، چالاک و متنبہ پردہ تھیں، اس وقت ان کی مکاریوں و چال بازیوں نے بالکل ساتھ چھوڑ کر انہیں بے دست و پا کر دیا تھا۔ دوسروں کو مزے سے نساو دے کھٹے کا درس دینے والی کو کوئی راہ فرار نظر نہیں آ رہی تھی۔

”میں کیا کہوں، آپ نے کچھ کہنے کے قابل چھوڑا ہی کہاں ہے۔ یہ آپ کا کیا حرام ہے، میں تو ذرے مارے آپ کی باتوں میں آگئی کہ حکمرانی گھر میں آپ کی چلتی ہے، مگر ساتھ نہ دیا تو وہی مثال ہو جائے گی کہ دریا میں رو کر مگر مجھ سے بیز“۔ راحیلہ کو آنسو بہاتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی تھیں۔ آنسو بہانے میں انہیں دشواری کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا تھا کہ جو کہا تھا اس کا پل اس طرح ان کے سامنے ہی کھل جائے گا جن سے وہ چھپاتی رہی تھیں، کس کس طرح لگاؤ کی بجائے سے انہوں نے ان بھائیوں کے دل سے بہن و بھائی کی محبت نکال چکی تھی، اب وہی بازی جیسے وہ جیت بھجور رہی تھیں، شکست بن کر ان پر اُلٹی تھی تو خود کو بچانے کے لیے وہ ایک دوسرے پر ہی الزام ٹھوپ رہی تھیں۔

”اور تم دونوں تو بڑی ذودہ کی و جلی ہو، مجھ پر الزام لگا کر کبھی ہونج جاؤ گی۔ ہرگز میں ایسا نہیں ہونے دوں گی“۔ رخسانہ غصے سے چیخیں تھیں۔ اسی لمحے عاصم صاحب نے آگے بڑھ کر پے در پے پتھروں سے ان کا چہرہ لال کر دیا تھا۔ عاصم اور آصف نے مشکل سے انہیں پکڑ کر ڈر کیا تھا۔

”بھائی جان! خود کو سنبھالے، یہ وقت ان ناہنجار عورتوں سے غصے کا نہیں ہے، پہلے پوری تفصیل معلوم کریں، ان کا فیصلہ بعد میں ہوگا“۔ آصف اپنی بیوی راحیلہ پر قہر آلود لگاؤ ڈال کر گویا ہوئے۔

مزہ نے ان سے پہلی ملاقات پر کل کرن اور پھر اس سے ہونے والی تمام گفتگو حرف بہ حرف دہرا دی تھی۔ کمرے میں موت کا سا سکوت چھا گیا تھا۔

تینوں بھائیوں کے چیزوں پر رنج و اَلَم کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ انہیں آج اپنی ایک ایک غلطی، ایک ایک کوتاہی کا احساس ہو رہا تھا۔ تین بھائیوں کی اکٹوتی بہن جو چھوٹی ہونے کے ناتے، تینوں کی بے حد لاڈلی تھی، آنکھ کا تار تھی، شادی سے قبل وہی مرکز نگاہ تھی، مگر میں داخل ہونے کے بعد ان کی نگاہوں کا محور وہی ہوتی تھی۔

عاصم اس کے لیے چاکلیٹ اور فروٹ لانا نہیں بھولتے تھے تو آصف کا روز کا معمول تقاریر کو کھانے کے بعد اسے آئس کریم کھلانے لے کر جانا اور عاصم اس کے لیے رنگ برنگے ربین، اسٹوری بکس اور کٹر مشینوں پابندی سے لاتا تھا اور وہ بھی ان پر جان چڑھتی تھی، عاصم کو چائے پینے کی عادت تھی، ہر بار وہ بغیر کہے اسرونگ چائے کالک بڑی محبت سے انہیں تھماتی تھی۔

آصف کو ڈریسنگ کا بڑا شوق تھا، ان کے تمام کپڑے وہی پریس کرتی تھی۔ عاصم کی بکھری ہوئی چیزوں و پہیلے ہوئے کمرے کو

سنوار نے کانہ صرف وہی جانتی تھی۔ بے حد مستعدی و جہت، پھر قی اس میں موجود تھی۔ اُن تینوں کے ساتھ ساتھ وہ اماں ابا اور گھر کا خیال بڑی نفاست سے رکھتی تھی۔ اس کی شادی پر تینوں بھائیوں کی آنکھیں نم تھیں۔

شادی کے بعد برہان کار دیبا اور ساس کی بے جا تنقید و جھگڑوں نے انہیں پریشان کر ڈالا۔ وہ تینوں ہی خوشابہ کو وہاں چھوڑنے پر راضی نہ تھے مگر ابا کا وہاں، خاندان والوں کی مداخلت پر وہ بالکل خوشابہ کو وہاں چھوڑنے پر راضی ہوئے تھے کہ کرن کی پیدائش پر جب زندگی ان لوگوں نے ان پر بالکل ہی تنگ کر دی تو عام خود جا کر اسے لے آئے تھے اور کہہ آئے تھے کہ اگر برہان کو بیٹی اور بیوی کے حقوق کی پاسداری کا احساس ہو جائے تو اسے آکر لے جائیں، اب خوشابہ از خود یہاں نہیں آئے گی۔ وہ بہن و بھائی کو گھر لے آئے تھے، بہت مان و پیار سے دکھاتا تھا۔

پھر نہ معلوم کیا ہوا۔

کیسا وقت بدلا تھا جو ان کی لگا ہیں، احساسات و جذبات بھی بدل گئے تھے۔ کار وہاں مصریاتیات از حد جڑتی چلی گئیں، تینوں بھائیوں نے بچوں اور بیویوں کی نازیرداریوں میں سب کچھ فراہم کر ڈالا تھا۔

”وہ بچپن سے میری ہر بات پر عمل کرتی تھی، دیکھو مرتے مرتے بھی اسی تابعداری کا مظاہرہ کر کے گئی ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ ہمارے لیے سرگئی، ہم اس کے لیے۔ کبھی شکل مت دکھانا تو اس نے وہی کیا۔ آخری دیدار سے ہمیں محروم رکھا، ہمارا کاندھا تک لینا گوارا نہ کیا۔“ عام بے ساختہ رو پڑے تھے۔ عام اور آصف ان کے بازوؤں سے پٹ گئے تھے۔

”ہمارے گلشن میں محبت و چاہت کے پھول کھلتے تھے، پتھری خوشیوں کے گیت گاتے تھے، ہر سو لگاوت و مروت کی خوشبوئیں مچھکتی تھیں۔۔۔ نظروں و بے گانگی کے ہیول ان حاسد عورتوں نے بوئے اور اس قدر صفائی و مہارت سے جو ہماری آنکھوں میں، ہمارے دلوں میں بیوست ہو گئے اور ہم محسوس بھی نہ کر سکے۔“ جانے والی جا چکی تھی، جس محبت و اہلیت کو وہ ترستی چلی گئی وہ لب اس کے جانے کے بعد بیدار ہوئی بھی تو بے مصرف تھی۔ کل جن اپنوں نے اس بد نصیب عورت کو خون کے آنسو لایا تھا، آقا وہ اسے یاد کر کے رو رہے تھے۔

لیکن پانی کی پیاس تشنگی بروقت ضرورت پوری نہ ہو تو بے مصرف ہے۔ وہ محبت و خلوص کے چند قطرہوں کو ترستی پیاسی چلی گئی تھی، اب اُن کا ہر انسوس، ہر آہ بے کار تھی۔

☆.....☆.....☆

سعدا درکار یہاں سے لینے آئے تھے۔

کھانے کے بعد وہ مڈ صاحب کی معیت میں لیونگ روم میں بیٹھے تھے، انس بھی موجود تھا۔ گری اپنی وکیل چیئر پر وہاں تھیں۔ مڈ صاحب کار وہی اقل روز سے ہی اس کے ساتھ بہت مشتقانہ و نرم رہا تھا، اس واقعے کے بعد وہ بہت زیادہ اس کا خیال رکھنے لگے تھے۔ اُن ہی کے اصرار پر وہ یہاں رہ رہی تھی۔ سرورٹ کوادر پر تالا لگا دیا گیا تھا۔

”گر بی! لوشا بہ آنٹی نے مجھے بیٹا پایا تھا، میں جو رشتوں کے معاملے میں بالکل تلاش تھا، ان جیسی فرشتہ مفت عورت کو میں نے دل و جان سے ماں کے درجے پر فائز کیا تھا، وہ میری توقعات سے بڑھ کر بامروت دے خلوص ثابت ہوئی تھیں۔“ سعد جیسے اعزاز میں کہہ رہا تھا اور ماں کے ذکر پر کرن ہونٹ بھیج کر آنسو ضبط کر رہی تھی۔

”اُن کے بھائی ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے کرن کی ذمہ داری جھانا، میں اسے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔“

”کرن کو یہاں کیا تکلیف ہے، یہ یہاں رو سکتی ہے۔“ گر بی پولیس۔

”گستاخی معاف گر بی! دراصل بات یہ ہے کہ کرن یہاں جاب کرتی ہے، میں بہت پہلے انہیں یہاں سے لے جانا چاہتا تھا مگر جب مسئلہ جھانا کی خودداری اور میرا تہا ہونا، اب فار یہ مگر میں ہے، کوئی اپنی گری ہوئی سوچوں پر عمل بھرانہ ہو سکے گا۔ میں اسے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔

”تم پچھ دنوں کے لیے اسے لے جا سکتے ہو۔“ اس کی کھلی وضاحت کے باوجود گر بی سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

سعد نے الجھن آمیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا، جواباً اس نے اس اعزاز میں شانے اچکائے تھے، گویا کبر رہا ہو، ”میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

”سعد بیٹے! ماما کی کرن سے محبت اپنی جگہ مگر اصل فیصلہ کرن کو کرنا ہے، یہ با شعور ہے، فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کو اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہے۔“ مڈر صاحب نے گنیمت ماحول میں گفتگو سے کہا تھا۔

”کرن! الکل کی بات درست ہے، فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے۔“ قاریہ نے کہا۔

”رشتوں کے جو مکروہ چہرے میں نے دیکھے ہیں اگر آپ سب لوگوں کی بے عرض اور بے لوث مہربانیاں، ہم پر واروندہ ہوتیں تو انسانیت پر سے ہی میرا یقین حشرزل ہو چکا ہوتا، سعد بھائی نے اس وقت سہارا نہ دیا ہوتا تو نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا ہوتا، پھر یہاں کے لوگوں کی مہربانیوں کو بھی میں بھلا نہیں سکتی۔ سعد بھائی! میں آپ کے جذباتوں اور خلوص کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کو رشتوں کا مان رکھنا آتا ہے، مجھے فخر ہے ایسے بھائی کو پانے پر، مگر میں گر بی کی خدمت سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ مجھے ماں کی خدمت کا موقع نڈل سکا، وہ حسرت میں گر بی کی خدمت کر کے پوری کروں گی۔“

انس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا جس کے لہجے کی صداقت نے اُسے متاثر کیا تھا۔ گر بی کے لیے اس کی خدمت و توجہ کو وہ پہلے فراڈ اور دھماکہ سمجھتا تھا، پھر آہستہ آہستہ سچ اس کے سامنے آ گیا تھا اور اب جبکہ وہ گر بی جیسی پل پل مولد بستی چار داپاچ کے وجود سے جان چھڑانے کا بہترین موقع ضائع کر رہی تھی تو یہ اس کی اعلیٰ تربیت و بہترین حسن سلوک کی اعلیٰ نشانی تھی۔

سعد اور قاریہ چلے گئے تھے۔ دو گر بی کی چیز دھکیلتی ہوئی کمرے میں لے آئی اور بیڈ پر لیٹنے میں ان کی مدد کرنے لگی۔ ان کے بیڈ پر لیٹنے کے بعد وہ وکیل جیتر اسنو روم میں دیکھ کر نکل رہی تھی، جب اس نے شمو کو اپنی جانب آتے دیکھا تھا۔

”بڑے صاحبِ بلا رہے ہیں۔“ اس نے اطلاع دی تھی، وہ ان کے روم کی طرف چلی آئی تھی۔ دروازے پر ناک کر کے اندر چلی گئی تھی۔

”آئیں کرن! یہاں بیٹھیں۔“ وہ صوفے پر بیٹھے تھے اور دوسرے صوفے کی طرف اشارہ کر کے مخاطب ہوئے تھے۔ وہ بیٹھ گئی تھی، ایک طرف منگول صوفے پر اس بھی بیٹھا ہوا تھا اور دونوں باپ بیٹے کے چہروں پر غیر معمولی سنجیدگی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

”آپ نے مجھے بلایا ہے سہرا“ اس نے شک ہوئوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”آپ کے فادر کی کال آئی تھی، وہ آپ کو یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔“ مڈر بلا کسی تہید کے گویا ہوئے تھے۔

”آپ نے کیا کہا؟“ اس کے اندر سکتی آگ اب باپ کے نام سے بھڑک اٹھی تھی، جو باپ کی پہلی نفرت بھری نگاہوں نے نکالی تھی۔

”کال میرے سیکرٹری کے پاس آئی تھی، انہوں نے نتیجہ مجھے تک کوئے کیا ہے، وہ چند لمحوں بعد کال بیک کریں گے، آپ جو فیصلہ کریں، بات دیجئے گا۔ آپ اپنا فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں، کسی بھی قسم کا باؤ اور لحاظ واجساں مندی کا آپ خیال نہیں کریں گی، کیونکہ آپ آزاد ہیں، بہت سوچ کر فیصلہ کیجئے گا، کیونکہ برہان لغاری کی بیٹی کی حیثیت سے اب آپ یہاں ہیں۔“

”میں ایسے آدمی کو باپ کا درجہ نہیں دے سکتی جس نے میں، بائیس سال بیٹی کی پردائش کی، اپنی ماں کا فیصلہ میں اللہ پر چھوڑ چکی ہوں، پہلی ملاقات میں ہی جس شخص نے اس کی خوشیوں کے گلستان میں آگ لگا دی ہو، پیار، محبت، مان و فخر کی جگہ الزام و بہتان کے ٹنجرؤں سے زخم زخم کر دیا ہو، ایسے شقی القلب، ظالم و بے حس شخص کو میں باپ ہی نہیں مانتی تو ان کے ساتھ جانے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ میں ان کے ساتھ نہیں جاسکتی، نہیں جاؤں گی۔“ اس کا فیصلہ اٹل تھا، لہجہ میں پتھر کی سی سختی اور چہرے پر غم تھا۔

”آپ کے نہ ماننے سے اس شخص کی حیثیت بدل نہیں جائے گی، آپ کے برعکس سرٹیفکیٹ پر یہ حیثیت فادر ان کا نام ہوگا، ہمارے کلچر میں بیٹے باپ کے نام سے آئینہ نی فانی کیے جاتے ہیں، ان کو لے گئی سپورٹ حاصل ہوگی، اگر وہ آپ کو ساتھ لے جانا چاہیں تو... بہت سوچ کر فیصلہ کریں۔“ انہوں نے سمجھایا تھا۔

”میں ان کے ساتھ کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی، وہ باپ نہیں میری ماں کے قاتل ہیں۔ ان کے نام سے ماسوائے محرومیوں، ذلت و کمبری کی زندگی کے علاوہ کیا ملا ہے۔ آخر میں انہوں نے مجھے میری جنت سے ہی محروم کر دیا۔“ وہ ضبط کرنے کے باوجود رو پڑی تھی۔

”میں اس چہرے کو دیکھنا نہیں چاہتی جس چہرے پر میری ماں کا خون نظر آئے گا۔“

”آپ روئیں مت، خود کو تہامت سمجھیں۔ اگر آپ وہاں جانا نہیں چاہتیں تو یہاں سے کوئی آپ کو مجبور نہیں کرے گا۔“ مڈر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

”ڈیڈی! آپ برہان لغاری کے چیلنج کو بھول گئے ہیں، آپ بخوبی جانتے ہیں، وہ خود کو ”بگ مین“ اعلان کرنے کے لیے کس حد تک جاسکتے ہیں۔“

"میں یہاں نہیں رہوں گی، کہیں اور چلی جاؤں گی۔ میری وجہ سے آپ کسی پرانے گھر میں پڑیں، میں گوارا نہیں کر سکتی گی۔" وہ کھڑی ہو کر بولی۔

"آپ بیٹیاں رہیں گی، کچھ نہیں ہوگا، خوب اچھی طرح نمٹنا جانتا ہوں ایسے لوگوں سے۔ پہلے میں نے شکست کھائی تھی تو صرف آپ کی وجہ سے، آپ کی محبت اور جذبات کی وجہ سے، ورنہ تمہارا باپ نہ جب کمزور تھا، نہ آج کمزور ہے۔"

قل اس کے کہ ان میں مزید گفتگو ہوتی، موبائل فون سے آتی باپ نے انہیں خاموش کر دیا تھا، وہ دونوں باپ بیٹے کمرے سے نکل گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا تھا۔

"دراغیور گاڑی لے کر آ رہا ہے فوراً جاؤ، میں نہیں چاہتا میرے دشمن کے ہاں تم ایک لمحہ بھی مزید گزارو۔" دوسری جانب سے بیماری اور حکم بھری آواز سنائی دی۔

"آپ کون ہوتے ہیں مجھے یہ حکم دینے والے اور یہ کیسے سوچ لیا کہ آپ بلائیں گے اور میں آ جاؤں گی؟" وہ بغیر ہٹے لہجے میں بول رہی تھی۔

"دہانت..... دماغ ڈرست ہے تمہارا..... کس سے بات کر رہی ہو معلوم نہیں ہے تمہیں؟" دوسری جانب سے پوری طاقت سے چیخ کر کہا گیا تھا۔ آواز میں ایسی دھمک تھی کہ اسے اپنی سماعتوں میں سناسماٹ دوڑتی محسوس ہوتی تھی۔

"بہت اچھی طرح معلوم ہے۔" وہ ڈراما خوب نہ ہوئی تھی۔

"ہوں..... جانتا ہوں، ناگن کا زودھ پیا ہے تم نے، زہری اگلو گی۔"

"میری ماں کے زودھ میں شہد تھا، یہ کڑواہٹ آپ کے خون کے زہری ہے۔"

"ہوں..... ہوں، بہت زبان دراز ہو، بہت گھمنڈی، اس عورت کی طرح جس کو ہم اپنے جوتوں کی خاک سے زیادہ کم تر سمجھتے تھے۔"

"خود کو سب سے اعلیٰ وارفع سمجھنے والے مالکِ دن منہ کے بل گرے خاک چاٹنے نظر آتے ہیں آپ کے بھی دو دن دور نہیں ہیں۔"

"ہا..... س..... خاموش، میرے دشمنوں میں رہ کر دشمنوں کی ہی زبان بولو گی۔ تمہارا بھی نہیں ہے۔" اس طرف جیسے خود کو سنبھالا گیا تھا۔ آگ اٹھا لہجہ ایک دم ہی پھواری برسانے لگا تھا۔

"نہ معلوم طے میں کیا کیا کہہ گیا ہوں، سوری۔ میں اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے ترس رہا ہوں۔ پہلے اس عورت نے پہرے لگائے تھے اب میرے دشمنوں میں پھنس کر تم اپنے باپ سے بدظن ہو رہی ہو۔" ان کے لہجے میں حیرت انگیز نرمی و محبت آگئی تھی، اگر وہ ان کے اصل چہرے سے آگاہ نہ ہوتی تو کچھ بھی یہاں نہ کہنی مگر اب اسے ان سے کراہیت آ رہی تھی۔

"باپ ہونے کے ناتے میں تمہاری فیملی کو سمجھ رہا ہوں اور نہ چاہتے ہوئے بھی صرف ایک دن دے رہا ہوں آپ کو وہاں گزارنے کا، ان لوگوں سے ہوشیار رہنا، بہت خطرناک ہیں وہ، میری وجہ سے تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"شکریہ انعام کرنے کا"۔ اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔
 "کل شام ڈرامہ پورے گا، سیدھی چلی آؤ"۔ رابطہ ختم ہو چکا تھا۔
 "اس نے سوبائیکل ٹیکس پر رکھا، کمرے سے باہر نکل آئی۔ مڈر صاحب اور انس اپنے بیڈروم میں جا چکے تھے۔ وہ گریٹی کے کمرے میں آئی۔ نیلگوں ڈم لائنٹ میں گریٹی بے خبر سو رہی تھیں، وہ وہاں سے باہر آ گئی۔
 "انس صاحب نے چائے مانگی تھی، میں نے دو کپ بنا لیے ہیں"۔ شو چائے کاگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔
 "شکریہ شوا بہت خیال رکھتی ہو میرا"۔ وہ گ لے کر سی پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔
 جب سے ان پر انکشاف ہوا تھا کہ کرن بڑے باپ کی بیٹی ہے، وہ دونوں ماں بیٹی اور دوسرے ملازم اس کی مالکوں کی طرح عزت کرنے لگے۔ وہ سب ان تکلیف دہ باتوں سے ناواقف تھے جو ان کے درمیان ہوئی تھیں۔ شوا اور چھا اس کا بہت خیال رکھنے لگی تھیں۔ شوا اکثر ملازموں سے یہ جملے دہراتی نظر آتی تھی۔
 "میں تو پہلے ہی تھی، وہ ادھے گھرانے کی لگی ہیں، وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ کوئی مجھ سے نہیں لے کر یہاں آئی تھی، وہ ہم میں سے لگی نہ تھیں۔"

چھاماں کی ہاں میں ہاں ملاتی، فخر سے۔
 "وہ..... ایک بات کہنی ہے آپ سے"۔ شو چچی انداز میں مخاطب ہوئی تھی۔
 "ہاں..... کہو کیا بات ہے؟" کرن چائے کا گھونٹ لے کر بولی۔
 "موقع تو نہیں ہے، دل بھی نہیں مانتا مگر وہ لوگ نہیں مان رہے۔"
 "کون لوگ؟ تم کس کی بات کر رہی ہو؟" کرن اس کی گفتگو پر ابھی تھی۔
 "چھا کے سرال والے، وہ کہتے ہیں شکر کریں گے، انگوٹھی پہنا نہیں گے، میں نے منع کر دیا کہ ہمارے مالکوں کے غم میں ہم خوشیاں مناتے ایسے نہیں لگیں گے۔ پر وہ کہتے ہیں اسی ننھے کے اندر اندر منگنی نہ کی تو وہ اپنے بیٹے کا رشتہ کہیں اور ڈال دیں گے۔ انہیں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور سچ کہتے ہیں اس دور میں اچھے لڑکے ہاں ہر کسی کو ملتے ہیں ہلڑکیاں انتظار میں عمر گزارتی ہیں۔"
 "تم کیوں منع کر رہی ہو ان کو، لڑکا تمہارے معیار پر پورا اترتا ہے ہے بلا لوان لوگوں کو، کیوں منع کر رہی ہو؟"
 "یہاں ڈکھ....."

"خوشی اور ڈکھ، زندگی اور موت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا۔ تم بلا لوان لوگوں کو، ہمیں خوشی ہوگی"۔ شو کے چہرے پر اطمینان جما کھنے لگا تھا۔

"لڑکا کیا کام کرتا ہے؟ کچھ پڑھا لکھا ہے؟" کرن نے چائے پی کر کھگ خالی کر کے نیل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں جی، غلط لکھ لیتا ہے، اخبار پڑھ لیتا ہے۔ ذرا دیر کی دکان ہے ان کی، لوگ بھی تھوڑے ہیں، ہندیں اپنے گھر کی ہو گئیں، دیوار، جینے کوئی ہے نہیں، صرف ساس سر ہیں، بیٹھ کرے گی اکلوتی، بھوین کر چھوڑا۔" شو کے سانولے چہرے پر پھیلتی مسکائی چمک اس کے اندر برقی بن کر لہرائی تھی اور ہلکے آنکھیں تھیں، وہ اس مستائے محروم ہو چکی ہے۔ ماں کی قدر و رو جانتے ہیں جو اس نایاب رشتے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ انسانی رشتے ہوں یا بے جان چیزیں، وہ ہماری دسترس میں ہوں تو اپنی قدر و منزلت کھوٹے لگتی ہیں اور جب وہ کھو جاتی ہیں، پھٹ جاتی ہیں تو ہمیں اپنی بے پروائی اور بے حسی پر خفا آتا ہے، ملال ہوتا ہے اور ہم سوچتے ہیں کاش کسی طرح وہ ہمیں واپس مل جائیں تو کبھی ہم انہیں لگا ہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں، لیکن ایسا کب ہوا ہے کہ جانے والے پلٹ کر آگئے ہوں، کھونے والے مل گئے ہوں.....

ماں کی یاد و رو دین کر دل میں جا گئی تھی۔

دل کا دروازہ لسمین کرائیکھوں میں ابھرنے لگا تھا۔ شو کیا کہہ رہی تھی؟ اُسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا، ماضی کی فلم لگا ہوں میں چلنے لگی تھی۔ وہ شو کو وہیں چھوڑ کر باہر لاؤنج میں نکل آئی تھی اور بوگن دیلیا کے ستون سے لپک لگا کر گھٹنوں میں سر دے کر روسنے لگی۔

اُس نے کون سا ماں کو شکہ دیا تھا، بچپن سے جلاتی آئی تھی۔ باپ کو کھونے کے جنون میں وہ ماں کو قصور وار ٹھہراتی رہی تھی، یہاں آنے کے بعد ان میں دوری ختم ہوئی تھی، محبت بڑھی تھی۔ ماں اپنی ممتا کے خزانے شروع سے ہی اُس پر بھجوا کر رہی تھی، ان کی قدر اُسے یہاں آ کر ہوئی تھی، ابھی وہ جی بھر کر ممتا کے خزانے سمیٹ بھی نہ پائی تھی کہ ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھٹ پڑا تھا۔ اُس کی بے چین نگاہیں ہر سمت ان کو ڈھونڈتی تھیں اور کہیں دور سے صدا ابھرتی تھی۔

زندگی سے ہار مانی اور لحد میں کھو گئے
خاک کا تکیہ بنایا اور سکوں سے سو گئے
ایک بنگلے آئی اور سامان دنیا لٹ گیا
دیکھتے دیکھتے ہی برسوں کا ساتھ چھٹ گیا
کس قدر تم کو پکارا، کس قدر آواز دی
تم مگر خاموش تھے، میری ہی بس آواز تھی
ایسا لگتا ہے جیسے ساتھ رہتے ہی نہ تھے
اس طرح زخمت ہوئے جیسے کہ جانتے ہی نہ تھے
کوئی سرگوشی، کوئی آواز آتی ہی نہیں
کیا ہماری بھی کوئی آواز جاتی ہی نہیں

☆.....☆.....☆

منال، برہان لغاری کی بیٹی تھی جو ان کی پہلی بیوی سے پیدا ہوئی تھی۔ ان کی پہلی شادی کو میرج تھی۔ منال کی پیدائش سے قبل برہان اور فائقہ میں بے حد محبت اور اثر و اسٹیڈنگ تھی۔ وہ ایک جاں دو کا لب تھے۔ برہان لغاری نے اپنی تمام وفائیں ان کے لیے وقف کر دی تھیں۔ دل و جان سے چاہا تھا کہ منال کی پیدائش کے بعد ان میں آہستہ آہستہ ہونے والے ٹھنڈے روابط و اختلافات نے شدت اختیار کر لی تھی۔ فائقہ کے بعد وہ کسی عورت کو اس کا اصل مقام نہ دے سکے تھے۔ بے شمار عورتیں ان کی زندگی میں آئیں جو لمحوں کی ساتھی بنیں، زیست کی ساتھی نہ بن پائی تھیں۔ وہ ایسے کسی ساتھی کے تمنائی بھی نہ رہے تھے۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ عیش و عشرت میں گم ہو کر وہ اپنے بعد و ملت و جائیداد، خاندانی حسب و نسب کو زہر و زہرے والے وارث کی ضرورت کو بھول چکے تھے مگر ان کے والد ہارون لغاری اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرنے لگے تھے اور ان کی کوششوں سے نوشاہہ دوسری بیوی بن کر ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھیں۔ برہان لغاری نے انہیں دل سے قبول نہ کیا تھا، اگر ہارون لغاری عاق کرنے کی دھمکی ان کو نہ دیتے تو وہ کبھی بھی اس زنجیر کو بھروں میں نہ باندھتے، دو کٹی گئی، پھول پھول منزل لانے والے تصور سے بن چکے تھے۔ ایک ڈال پر قناعت کیونکر ممکن ہوتی۔

نوشاہہ کے نو خیز حسن و شاداب کے دیکھنے والے انہیں کچھ عرصے کے لیے سحر زدہ و سرور کیا تھا مگر ساری حیات کے لیے اسیر نہ کر پایا تھا۔ چند ماہ نوشاہہ کے ساتھ گزار کر وہ پرنس کے سلسلے میں بیرون ملک گئے، واپسی میں کئی دوستیاں ساتھ لگا کر لائے تھے۔ نوشاہہ کے ساتھ گزرے دنوں کا شمار بھاپ بن کر اڑ چکا تھا۔ وہ ان کے لیے بڑے کشش نہ رہی تھیں۔ ان کی بے گانگی و سرور بھری بڑھتی ہی گئی، پھر ایک جگہ رہتے ہوئے انہوں نے لائقہ کی تعمیر کر لی تھی اور ایسا کرنے میں ان کی ماں کی سازش تھی۔ ساس، بہو کی ازلی چپقلش نے غریبوں کی جھوپڑی سے امیروں کے ٹھکان تک رسائی حاصل کر رکھی ہے، کسی نہ کسی دو عورتوں کے درمیان یہ نفرت و بغض کی دیوار عائلہ رکھتی ہے، یہاں بھی برہان لغاری کی والدہ رقیہ بیگم کو یہ بات ہنسنہ ہو رہی تھی کہ ان کی بہو ان کی ہم پلہ، ہم جوڑ نہیں ہے۔ وہ اپنے سے کم امیر، کم حیثیت بہو کو قبول نہ کر پائیں اور انہوں نے برہان کے فضول کان بھرنے شروع کر دیے تھے۔ ہارون لغاری نے بیٹے کے مجزے چال چلن دیکھ کر اپنے سے کم حیثیت لوگوں میں سے بھولانے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ ایسے گھرانے کی لڑکیاں ہر حال میں اٹھ جھٹ ہو جاتی ہیں۔ سب جان کر بھی اپنی اور خاندان کی عزت کی خاطر خاموشی سے گزارا کرتی ہیں۔ ان کی مصیحت کا مایہ باہت ثابت بھی ہوئی تھی، کرن کی پیدائش سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کے بعد رقیہ کو سن مانی کرنے کا پورا پورا موقع مل گیا تھا۔

کرن کی پیدائش پر جو ایک آس و امید کی ڈور بندھی تھی، پوتا ہونے کی دو ٹوٹ گئی تو ان ماں بیٹی کا وجود ڈھوکروں میں آ گیا تھا، جو وہ چاہتی تھیں وہی ہوا۔ نوشاہہ کرن کو لے کر چلی گئیں۔ انہوں نے کبھی انہیں واپس لانے کی ضرورت محسوس ہی نہ کی۔

منال نے اس خوب صورت وسیع و عریض حویلی میں شروع سے اپنی حکومت دیکھی تھی۔ یہاں کی ہر شے پر اس کی اجارہ داری تھی۔ ملازم ہاتھ ہاندھے اس کے آگے پیچھے رہتے تھے، وہ جو چاہتی وہی کرتی تھی۔ برہان لغاری اس سے کوئی باز پرس کرتے نہ تھے، رقیہ بیگم بھی اس کی گستاخانہ و بدگمان فطرت کے باعث زیادہ فری نہیں تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اس احساس سے وہ ہر وقت سرشار رہتی تھی کراپنے باپ کی وسیع جائیداد کی دواکلوٹی وارث ہے، اس کے سوا کوئی شراکت دار نہ تھا اور جب یہ احساس یقین کی منزلوں سے گزر کر مستحکم ہو گیا تو اچانک ہی اس کی ملکیت کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے اس کو لایا جا رہا تھا جس کے وجود کو وہ بھولی بھگی تھی۔ کل سے آج تک وہ کانٹوں پر چلتی رہی تھی۔ کسی پل، کسی لمحے سکون نہیں ملا تھا۔ باپ کے تیرودو دیکھ چکی تھی، دادی سے کوئی بات شیئر کرنا وہ اپنی توہین سمجھتی تھی۔ کوئی فریڈ اتنی کلوز نہ تھی جس سے اتنی اہم بات وکس کی جاتی۔ اس کے پاس فقط ایک سہارا تھا قاتل کا، جو اس سے دُور رہ کر بھی ہمیشہ نزدیک رہی تھیں، لیکن کل سے وہ بھی فون ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔

وہ ابھی اسی سوچ میں گم تھی کہ کس طرح ماما سے رابطہ کرے کہ ایسے حالات میں وہی گائیڈ کر سکتی تھیں۔ فون کی بیل ہوئی تھی، اسکرین پر ٹپکتے نمبرز دیکھ اس نے پھرتی سے فون اٹھایا تھا۔

”ہیلو ماما! کہاں ہیں آپ؟ میں کل سے رنج کر رہی ہوں آپ کو اور آپ مل ہی نہیں رہی ہیں، کتنی پریشان ہوں، آپ مل نہیں کر سکتی ہیں۔“

”ریلیکس..... ریلیکس مائی بے بی! پہلے میری بات سنو، میں سٹریڈے کو مافوسر چلی گئی تھی، آج واپس آئی ہوں۔ میج ریکارڈ میں آپ کے نمبرز دیکھ کر میں نے ڈائریکٹ کال کی ہے۔“

ماما کی بڑا اعتماد آواز سن کر اس کے کشیدہ اعصاب بند سکون ہونے لگے۔

”ہوں، اب بتاؤ، کیا ہوا ہے ایسا جس نے آپ کو اتنا ڈسٹرب کیا کہ آپ نے کل سے اب تک ففنی سے زائد کالز کی ہیں؟“

”ماما! پاپا نے اپنی سیکرٹ وائف کو ڈائیوڈس دے دی ہے۔“

”ڈی طور پر وہ اسے بہت پہلے چھوڑ چکا تھا۔“ اُن کی مسکراتی آواز ابھری۔

”آپ کو حیرت نہیں ہوئی ماما؟“

”یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے، مجھے معلوم تھا یہی ہوگا۔ دو جواکے شخص ہے برہان لغاری نام کا، اس کی رگ رگ سے میں واقف

ہوں۔“

”دو کرن کو یہاں لار ہے ہیں، کرن مائی اسٹیپ سسٹر۔ میں نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا وہ میری جائیداد میں پارٹنر نہیں بن سکتی تو

پہلی بار پاپا نے بھی مجھے انکو رکھا اور گرینڈ مرنے بھی ڈانٹا۔ مجھے فوراً ہی اُن سے ایکسکسج ذکرنا پڑا تھا۔“

”یہ کیا اسٹوڈ حرکت کی ہے تم نے ضرورت کیا پڑ گئی تھی تمہیں ایسی چپ حرکت کرنے کی؟“ اس کے لہجے میں ناگہری دور آئی تھی۔

”آپ ہی تو کہتی ہیں ماما! یہ سب میرا ہے، بھریوں نیز کر رہی ہیں مجھے۔“ قاتل کا سخت لہجہ اسے بالکل نہ بھنا تھا وہ غصے میں بولی۔

”میری باتوں کو مانڈ مت کیا کرو، جو کہتی ہوں تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔ کانونٹ اتج سے گائیڈ کر رہی ہوں، میری ہی گائیڈنس

کی وجہ سے آپ پر اپنی کی مالک ہو، ورنہ اس اڈلڈ وومن نے کیا کیا حرکتیں نہ کی تھیں۔ تھرڈ اسٹیپ بدر اور اس کے ذریعے اسٹیپ برادر کو

لانے کی، ایسا ہوتا تو کس کے پاس جاتی پراپٹی اور آپ کو کیا ملتا؟" نائقہ نے حسب عادت اس کی طبیعت صاف کر کے رکھ دی تھی۔

"سوری ماما! میں کل سے بے حد شینس ہوں اسی وجہ سے....."

"اُس ادکے، اگر کامیاب زندگی گزارنے کی خواہاں ہو تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا اپنے دل کی بات، اپنے پرستار بھی کسی کے آگے مت کہنا، اپنے کب غیر بن جائیں، دوست کس لئے دشمن ہو جائیں، کچھ پتا نہیں ہوتا ہے۔ اپنے دل کی بات ان کے سامنے کہہ کر تم نے سب سے بڑی بے وقوفی کی ہے۔"

"سو سوری ماما! میں گشتی لپل کر رہی ہوں، اب کرنا کیا ہے یہ بتائیں؟"

"وہ آجائے تو اپنا درد بیک سسر جیسا ہی رکھنا۔ کرن کے ساتھ کسی کو بھی محسوس نہ ہو کہ آپ اس کے آنے پر غصہ نہیں ہیں۔ آئندہ کا پروگرام اس کے آنے کے بعد ہی ہم طے کریں گے۔ ادکے، گڈ بائی۔" ریسپورڈر کہتے ہوئے دو مطمئن تھی، ہسٹری لینٹن غائب ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

حزہ نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جس نے سنا وہ دم بخود رہ گیا۔ رات بھر اسے فیصلہ کرنے اور فیصلے پر عمل درآمد کرنے کے لیے کافی تھی۔ نہیں وحس طبیعت رکھنے والے، محبتوں و رشتوں کے تقدس کی پاسداری کرنے والے حزہ کے لیے یہ ایسی کاری ضرب تھی جس سے دو گھائل ہو گیا تھا۔ گھر میں تناؤ دشمن پہلے ہی تھی مزید پریشانی مزد کے فیصلے نے بڑھا دی تھی۔

"تم اس طرح کیسے جاسکتے ہو، میں تمہیں کبھی اجازت نہیں دوں گی حزہ!" رخسانہ تڑپ اٹھی تھیں۔

"اگر آپ مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو آپ کو اجازت دینی ہوگی، ورنہ میں یہاں رہا تو خودکشی کر لوں گا یا پاگل ہو جاؤں گا۔" اُس کے انداز میں جنون تھا۔

"بیٹا! کوئی اس طرح بھی جاتا ہے، ابھی آپ زیر تعلیم ہو، کہاں جاؤ گے، پھر بھائی، بھائی، ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔" راحیلہ نے سمجھانے کی سعی کی۔

"میں نہیں مان سکتا، کسی طرح یقین نہیں کر سکتا کہ اس گھر میں رہنے والے لوگوں کو رشتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ آپ لوگ ان راہوں سے بھٹک چکے ہیں، رشتوں کی توہین، انانیت کا خون جس بے ہنگامی سے یہاں بہایا جاتا ہے، ایسا قصائی بھی نہیں کرتے ہیں۔ یہ گھر نہیں ہے، قتل ہے، یہاں کی گھناؤنی اور بدبودار فضا میں رہا تو حواس کو بیٹھوں گا۔" وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر سسکتے لگا تھا۔ بیٹے کی حالت نے رخسانہ کو پہلے ہی بے چین کر رکھا تھا، پھر شوہر کا بدلا بدلا رویہ، طعنے و گالیاں ان کی زندگی ایک دم ہی بدل گئی۔

کل تک دو جنت کی باسی تھیں، آج لکھنت ہی جہنم میں گر گئی تھیں۔ اب حزہ کی ضد نے انہیں زندہ درگور کر ڈالا تھا۔ سب نے ہی سمجھایا تھا اُسے مگر وہ نہیں مانتا تھا۔ اُس نے کبھی ضد نہ کی تھی، اب کی تو پوری کر کے ہی چھوڑی تھی۔

عام صاحب گم صم ہو کر رہ گئے تھے۔

انہوں نے اسے روکنے کی ایک مرتبہ بھی کوشش نہ کی تھی۔

”آپ کیوں خاموش ہیں، روکیں اسے یہ جا رہا ہے، میری جنس مان رہا“۔ وہ روتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”جانے دو اسے تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو، جب کوئی اپنا جان سے پیارا جدا ہوتا ہے تو دل کی دنیا کس طرح اندھیر ہوتی ہے۔“

انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

”تم نے خود کے لیے فیصلہ کر لیا اور جا رہے ہو، میرے لیے کچھ سوچا ہوتا مجھے اس جہنم میں چھوڑ کر جا رہے ہو“۔ صمد راستے میں

اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”میرے جانے کے بعد گھر منت بن جائے گا، لیکن خاصا وقت لگے گا۔ دراصل جن لوگوں کو تواتر سے خوشیاں، آسائشیں و

دولت مل جاتی ہے، وہ بھر سدا رحی، مروت و خلوص، لحاظ و محبت کے جذباتوں سے عاری ہو کر ان سفلی عادات کا شکار ہو جاتے ہیں جن کا

ہمارے گھر والے ہوئے ہیں، انہیں غم و دکھ نہیں ملے تھے، اس لیے یہ حاکم بے در بن جیسے تھے، اب سب ٹھیک ہو جائے گا، گھر کے مردوں

کو عقل آ چکی ہے۔“

”بڑا ہنگامہ ہوا تھا وہ پہر گھر میں، چپا گھر میں ماما کو رکھنے پر راضی نہ تھے، بڑے اور بچے پاپا کا بھی یہی فیصلہ تھا۔ ماما اور دونوں

آستینوں نے بڑی منت و سماجت کے بعد انہیں منایا ہے، ان کی ویلیوز بالکل ڈاؤن ہو گئی ہیں۔ مجھے ایسا بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے۔“ صمد نے

افسوس سے کہا۔

”فی الحال میرے جذبات بالکل صفر ہیں“۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

”کہاں جا رہے ہو اور کب لوٹ کر آؤ گے؟“

”کہاں جا رہا ہوں یہ خبر خود مجھے بھی ذہنک سے نہیں، کب آؤں گا؟ جب رشتوں کا اعتبار آ جائے گا۔“

”مجھ سے بھی چھپا رہے ہو؟“ صمد ہنسی سے بولا۔

”بالکل نہیں، مالیک تم ہی تو ہو جس نے تعلق کا مان دیا ہے۔“

”کرن سے نہیں ملو گے؟“ کار کی رفتار تیز کرتے ہوئے صمد نے سوال کیا۔

”نہیں۔“ خاصے توقف کے بعد جواب ملا تھا۔

”کیوں؟ اُس ڈک کی گھڑی میں اسے تبا چھوڑنا محبت نہیں ہے۔“

”وہ بہت بہت دھرم و ہندی ہے، جان سے گزر جائے گی اپنی انا نہیں توڑے گی، غلطی کسی صورت قبول نہیں کرے گی۔ میں ہمیشہ

اُس کی مانتا آیا ہوں، کیا جانا اگر وہ کال کر کے مجھے مطلع کرو تھی۔ میرا نمبر تھا اس کے پاس، جو وہ کہتی میں کرتا، وہ گھر والوں کے سلوک کا

جواب دینا چاہتی تھی، میں بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتا مگر وہ مجھے نہ سمجھ سکی اور میں اس کو اب سمجھنا چاہتا بھی نہیں۔

”وقتی غصہ ہے یہ آترے گا تو پچھتاؤ گے، پھر غیروں کے پاس اُسے چھوڑ دینا کہاں کی دانش مندی ہے یا! حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے ہیں، پچھو کی موت نے اُن کے دل بدل دیے ہیں۔ تم بڑے چاچا، پاپا اکل کو کرن کا ایڈریس بتا دو تو اچھا ہے وہ اُسے گھر لے آئیں گے۔“

”تمہارے خیال میں وہ آجائے گی؟“

”آف کورس، وہ اتنی بڑی نہیں ہوئی ہے کہ اپنے ماموں کی کوئی بات نہ مانے یا اُن کے ساتھ نہ آئے، وہ دل کی بجز اس کا لے کے بعد آجائے گی۔“

”نہیں، ہرگز نہیں۔ تم اُسے ابھی سمجھ ہی نہیں سکے ہو، وہ کسی قیمت پر نہیں آئے گی، اسی وجہ سے میں نے کسی کو مانگنے کے باوجود وہاں کا ایڈریس نہیں دیا تھا، ویسے بھی وہ وہاں ایڈریسٹ ہو چکی ہے، بہت اچھے لوگ ہیں، بہت زیادہ اس کی کیئر کرتے ہیں، جس محبت و تحفظ کی توقع وہ اپنوں سے کرتی تھی وہ اسے غیروں سے مل رہی ہے، وہ خوش ہے، میرے دل کو یہی اطمینان ہے۔“

☆.....☆.....☆

بڈا صاحب کو اس نے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا، جواباً وہ اُسے دعا میں دے کر آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ گہری سانس لیتی لان کے اُس گوشے میں بیٹھ گئی تھی جہاں مویجے کے پودوں کی بہتا تھی۔ سبز پتوں کے درمیان کھلے کنواری نما سفید سفید پھولوں سے نکلنے والی پاکیزہ خوشبو جسم و روح کو معطر کر رہی تھی، وہ ماریش کی بیخ پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

اوائل راتوں کا بڑا شباب مانتا، اپنی تانیاں نکھیر رہا تھا۔ مینجی ہوا دھبی تھی۔ آج اُس کی یہاں پر آخری رات تھی، پھر نہ معلوم زندگی یہاں آنے کا موقع دے یا نہ دے، اس لیے وہ آج کی رات جاگ کر گزارنا چاہتی ہے تاکہ یہاں کی یادیں اُس کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔

یہ گھر اس کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا، یہاں آکر اس نے ماں کی محبت کو محسوس کیا تھا، اس کی ممتا کی قدر جانی تھی، اس کی مجبوری سمجھ سکی تھی۔ اس گھر میں اُسے زندگی گزارنے کے اصول ملے تھے، یہیں سے اُس نے زندگی کو زندگی سمجھا تھا، ماں کے سبک خوب صورت یادگاروں گزارے تھے۔

”کیا میں اس گھر کو چھوڑ سکوں گی؟ اس گھر میں جہاں میری ماں کی یادیں بہتی ہیں، ماما کا دوس کہیں اور کیونکر پاؤں گی؟“ اس نے گہری سانس لی تھی۔

”بہرہاں لغاری جس کو باپ ماننے کو دل نہیں مانتا مگر ماں کی حرمت کی خاطر مجھے اُس کے حق کو ماننا ہے، وہ خطرناک ہے، جو شخص لمبے پھر میں گزرت کی طرح دیکھ بولے اُس پر اعتبار کس طرح کیا جاسکتا ہے اور میں اعتبار کروں گی بھی نہیں، جس اذیت اور ذلت سے بائیس سال پہلے ہمکنار کیا گیا تھا، اب وہی میں اُسے لوٹانے جارہی ہوں اور میں کامیاب رہوں گی۔ مجھے کامیاب رہنا ہے، خواہ اس کے

لیے مجھے جان کی بازی ہی لگانی کیوں نہ پڑے۔"

"کیا سوچا جا رہے ہے، غینہ نہیں آرہی آپ کو؟ ادوہ میں بھول گیا، آج آپ کو غینہ کہاں آئے گی، بھل آپ کو آپ کے قادر کے ہاں جو جاتا ہے۔" انس باہر سے آیا تو اسے وہاں دیکھ کر چلا آیا تھا۔

"آپ سے مجھے ایسے گھٹیا مذاں کی توقع نہیں تھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ادوہ کے، آپ مائنڈ کر لیں، دیری سوری امیں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" انس کچھ بوکھلا کر گویا ہوا تھا۔

"تمام اسٹوری آپ کے سامنے ہے، پھر بھی آپ ایسی باتیں کریں گے تو میں ہرٹ نہ ہوں گی؟" اس کے اشارے پر دو بیٹھ گئی تھی۔

"یہی تو سمجھا نا چاہ رہا ہوں، کیوں ہرٹ ہو رہی ہیں آپ، انہوں کے پاس جارہی ہیں تو گزری نا گوار باتوں کو ذہن سے نکال جائیں تو اچھا دکا۔"

یہ مت بھولیں وہ میری ماں کے قاتل بھی ہیں، ہائیکس سال اپنے نام کا پسند الگا کر اتھوں بے میری ماں کو اذیت ناک زندگی دی اور پھر محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے میری ماں کے گلے سے دو پسند اکھینچ لیا، مار دیا انہیں۔"

"پھر کس لیے جارہی ہیں؟" وہ متوجہ ہوا۔

"اُن سے انتقام لینے، بدتر موت مارنے۔" وہ سخت مشتعل تھی۔

"وہ آپ کی دسترس سے بہت دُور کی شے ہیں، جارہی ہیں تو سب بھول کر جائیں، ورنہ مت جائیں، اس طرح آپ خود کو نقصان پہنچائیں گی۔"

"اُنہیں مار کر ہی مروں گی، خون اُن کا ہی ہوں۔"

"مگر بی کو بتایا ہے جانے کا؟" اس نے بات بدلی تھی۔

"نہیں..... مجھے جانے نہیں دیں گی۔"

"ہاں۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، اگر آپ کے کزن حزوہ آجائیں تو انہیں کیا بتایا جائے کہ آپ کہاں ہیں۔"

"وہ نہیں آئے گا۔" حزوہ کے نام پر اس کی آنکھیں پھٹنے لگی تھیں۔

"آپ کو کیسے معلوم؟ ملاقات ہوئی ہے اُن سے؟" انس کو اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا، وہ نہ جانے کس جذبے کے تحت

کنکھ کو کھول دے رہا تھا۔

"نہیں، لیکن میں جانتی ہوں وہ پلٹ کر نہیں آئے گا۔"

"آپ کے اور اُن کے درمیان کافی اسٹینڈنک رہی ہے شاید؟"

"جی بالکل۔"

”سعد اور فارسیہ بھابی سے نہیں ملو گی؟“ اس کے لہجے میں اضطراب سمٹ آیا تھا۔

”میں کسی ایسے رشتے سے نہیں ملوں گی جو میرے پاؤں کی زنجیر بن جائے۔ کچھ پانے کے لیے قربانی دینی پڑتی ہے اور میں ان نایاب اور قیمتی رشتوں کی قربانی دے رہی ہوں اور نہیں چاہتی کہ ان میں سے کسی کا سامنا ہو اور میں اپنا مشن بھول جاؤں۔“ وہ مضطربانہ لہجے میں بولی تھی۔ اُن کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔

وہ مگرون جھکا کر بار بار اُٹھ آنے والے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

وہ بغور اُس چہرے کو دیکھ رہا تھا جس میں ایک اور چہرہ نظر آ رہا تھا۔

سعد کی شادی والے دن جب وہ گرینی کو دیکھنے آئی تھی اور وہ سعد کے کمرے میں پھول ڈیکور بیٹ کر وانے آیا تھا، اُسے اور اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے حکم پر ڈیکور ہیرز کو چھوڑنے چاہ گیا تھا۔

وہ جانے کے لیے پارکنگ لائٹ میں آیا تو اسے پریشان سا ملتا پایا تھا اور جب پہلی بار اُس نے اسے غور سے دیکھا تھا تو دیکھتا رہ گیا تھا۔

وہ مختلف اجسام، دو مختلف خاندانوں و علاقوں سے تعلق رکھنے والے ہم شکل کس طرح ہو سکتے ہیں، وہ مثال کی کاپی تھی، معمولی سی تبدیلی کے ساتھ۔ پھر اس حیرانگی میں اسے زیادہ وقت گزارنا نہ پڑا تھا، بہت جلد اُس کا تجسس، تجسس نہ رہا تھا۔

بڑا دردناک، درخت انگیز ڈراپ سین ہوا تھا۔

”خیر، سے آپ کی انڈر اسٹینڈنگ تھی یا تو انڈر اسٹینڈنگ تھی۔“ بالآخر وہ دل کی بات زبان پر لے آیا تھا۔ وہ بُری طرح چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

”آپ..... آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

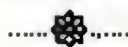
”میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ بہت خاص بات اس نے عام سے لہجے میں کی تھی۔ وہ بُری طرح گھبرا گئی اور اُنھ کھڑی ہوئی۔

”میں نے ایسی کوئی خوف ناک بات نہیں کی جو آپ اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں۔“ اس کے انداز پر وہ ہنس مچا۔

”یہ کس طرح ممکن ہے؟“ وہ سخت سراپسگی کا شکار تھی۔

”یہ ناممکن کو ممکن بنانے کا دور ہے، پھر شادی کرنا ناممکن نہیں ہے۔“

”سوری، اپنی ماں کی اجڑی زندگی اور باپ کا سٹاک ڈراپ دیکھ کر میں نے کبھی بھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“



”یہ جواب بلکہ احساس بالکل بچکانہ ہے۔ نصیب سب کے الگ الگ ہوتے ہیں۔ کسی کی ناکام زندگی ہر ایک زندگی پر اثر انداز

نہیں ہوتی۔ کسی کو پانی میں ڈوبے دیکھیں گی تو کیا پانی پینا چھوڑ دیں گی؟ کسی کو بلندی سے گرتا دیکھیں گی تو بلندی پر چڑھنا چھوڑ دیں گی؟“

وہ بہت بڑا اعتماد لہجے میں کبر رہا تھا۔

”میری ماں کی زندگی میرے لیے مشعل راہ ہے۔ اس کی روشنی میں ہی مجھے اب ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے۔“ وہ اس کی طرف سے رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

”وائے ٹاٹ، میں آپ کے اس خیال سے متفق ہوں۔ آپ ہاشمور ہیں۔ بہت ذہین و فطین بھی۔ ایسی خوبیاں خواتین میں بہت نایاب ہیں، میرا فیصلہ کوئی لکھوں کے زیر اثر نہیں ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر میں نے آپ کو پرہیز کیا ہے۔ آپ پر کوئی زبردستی نہیں ہے لیکن پھر بھی میں کبھی ناامید نہیں ہوں گا۔“ وہ چند ثانیے وہاں نہ کارہا پھر چلا گیا۔
وہ گم صمسی کھڑی رہ گئی۔

انس کا پرہیز کرنا بالکل غیر متوقع بات تھی۔ بھلا اس نے کب ایسا چاہا، کون سی اولہ کون سی بات اس حد تک اسے اس کی طرف راغب کر گئی؟ وہ سمجھ نہیں پاری تھی۔ بے درپے صدقات نے اس کی سوچے سمجھے کی صلاحیتیں وحیات محمد کر دی تھیں۔
ماں کی موت، باپ سے ملن، دونوں تعلق اسے عزیز از جان رہے تھے۔ وہ شعور کی آگہی کے بعد سے باپ کی محبت اور انہیں دیکھنے، ان کے قریب رہنے کی خواہش مندری تھی۔ باپ کے ذکر پر ماں کا بگڑا حراج اور گھر میں موجود ممانیوں اور کزنز کے طعنے اسے مشتعل کر دیتے تھے، پھر وہ بلا سوچے سمجھے ان سے لڑنے لگتی۔ اس سے اکثر رہنے والی آن من کا سبب وہی ہستی تھی۔

باپ..... اس کے لیے ایک ایسے ذن دیکھے سے جزیرے کی مانند تھا، جہاں پر محبتوں کی فضا تھی۔ سکون و چین کی زمین پر آسودگی و طمانیت کے ہاؤل سایہ لگن تھے، جس کا تصور کرتے ہی اس کے دگ وپے میں عجیب سی خوشی دوڑنے لگتی اور اس کا دل چاہتا کہ کسی طرح وہ اس جہنم سے نکل کر اس جنت میں پہنچ جائے جہاں چاہتوں و مسرتوں کی رم جہم ہر سو رہتی تھی۔ طویل و مبرآ زمانہ انتظار کے بعد وہ اپنی جنت سے ملی تھی۔ ایک قیامت کے بعد وہ جنت، وہ جنت نہ تھی، جس کے اس نے خواب دیکھے تھے۔

وہ کسی طوفان کی صورت میں سامنے آئے تھے اور اس کے خوابوں کا ”چمن“ آرزوؤں کے مرغزار، تصورات کے شیش محل آن واحد میں کرچی کرچی کر گئے تھے۔ وہ کوشش کے باوجود بھی خود کو سنبھال نہیں پاری تھی۔ انس کے پرہیز نے اسے اپنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ گریہ کے بتانے کی وجہ سے اس کے ماضی سے واقف تھی تو یہاں رہنے کے باعث اس کے حال سے بھی خاصی حد تک آگہی حاصل کر چکی تھی۔
وہ اسے سخت مزاج و مغرور اور انتہا پسند شخص کے روپ میں ملا تھا اس نے دیکھا تھا وہ ”نظرت و محبت“ دونوں جذبوں میں انتہا پسند تھا۔
جن سے وہ محبت کرتا تھا، ان کی ایک آہ پر اپنا آپ برباد کر دینے والا اور جو اس کے ناپسندیدہ ہوں ان کو اپنے رویے سے خوار کر دینے والا۔ پھر نہ معلوم کون سا لمحہ اس کی گردن میں آیا جو وہ اس سے سیدھے منہ بات نہ کرنے والا، جیون ساتھی بنانے کی خواہش کر بیٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

نفاست و خوب صورتی سے بچے کرے میں وہ والدہ حضور کے قریب صوفے پر سر جھکائے سو دبا نہ انداز میں بیٹھے تھے۔ قریب ہی دوسرے سنگل صوفے پر منال بیٹھی تھی۔ گو کہ اس کا انداز باپ کی طرح از حد سو دبا نہ تھا۔ باپ کی ناراضگی کے خوف سے وہ احتراماً بیٹھی تھی اور بہت اطمینان سے گاہے بگاہے ادھر ادھر دیکھ لیتی تھی۔ خصوصاً کمرے کی دہلی دیوار میں آویزاں قد آدم گلاس ڈور سے نظر آتا باہر لان کا دلکش منظر سرسبز درختوں و پودوں کے درمیان بے تحاشہ حسین پھولوں کی سنگت میں لگاؤ دار و سحر انگیزی کا مظہر تھا۔ وہ بار بار اس طرف دیکھ رہی تھی۔

”ہوں۔۔۔ جیسی مائی، ویسی جانی! دکھا دی تا اس نے ماں جیسی فطرت۔ نہیں دی تمہاری بات کو کوئی اہمیت۔ اپنی ماں کی طرح رنج کہہ گئے تھے اچھے لوگ، بیٹی ماں کا نکس ہوتی ہے۔ ماں کی ہی فطرت پاتی ہے۔“

والدہ حضور کی آواز ان کی شخصیت کی طرح ہی بارعب و سخت تھی۔

”آپ پریشان نہ ہوں والدہ حضور! میں آج لے آؤں گا اسے۔“

”اس کی مرضی کے مطابق لاؤ گے، اپنی مرضی سے نہیں۔“ ان کا انداز ٹیکھا تھا۔

”میں سمجھ نہیں آپ کی بات۔“ انہوں نے ماں کی طرف دیکھا۔

”تمہاری نا جگہی نے ہی یہ دن دکھایا ہے جو پہلے دو عورتیں تمہاری بے عقلی سے قائمہ اٹھاتی رہیں اور اب ان کی اولادیں اپنی من مانی کر رہی ہیں۔“ وہ تنقید اندہ لگا ہوں سے سامنے بیٹھی منال کو گھور کر بولیں۔ جس کا غیر مہذبانہ انداز نشست و گستاخانہ انداز بصارت انہیں ہمیشہ سے ناگوار گزرتا تھا۔ وہ ہر ایک سے حاکمانہ رویہ ردارکنے کی عادی تھیں اور برہان جیسا بے حجاب و آداب والا انداز دیکھنے کی عادی تھیں۔ منال کی لاپرواہی، گستاخی، بے نیازی و بے جا لگی انہیں بخیر نہ لگتی تھی، اس کی ذات سے۔ مگر برہان سے کبھی شکایت نہ کرتیں کہ اپنی ذات کی نفی انہیں کبھی گوارا نہ تھی۔ سو بہت خاموشی سے ان کے درمیان یہ سرد جنگ چل رہی تھی، جس سے برہان قطعی بے خبر تھے۔

”وادی ماں! پلیز میری ماما کا نام مت لیں، ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اس گھر سے۔“ منال تیز کر گیا ہوئی تھی۔

”تمہاری صورت میں تعلق موجود ہے۔“ وہ بھی تیزی بہ ترکی گویا: ”کیں۔“

”ہات میری ہو رہی ہے تو میرا تعلق باپ سے وابستہ ہے۔ میری ماں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ باپ کے چہرے کے بگڑتے زاویے اس کے لہجے کو دھما کر گئے مگر وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

”وہ کم ذات و کم نسل ہمارے خاندان سے تعلق جوڑنے کے لائق بھی نہ تھی۔ اپنے بیٹے کے پیار اور متا کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہم نے اسے اس اعلیٰ و برتر خاندان میں جگہ دی۔ اپنے گھر کی حکمرانی اسے سونپ دی اور اس نے کیا ثابت کیا۔ یہی کہ کچھ کا پتھر گل کی دیوار میں نصب نہیں ہو سکتا۔ اس کی اصل جگہ ہی کچھڑ کی گندگی ہی ہوتی ہے جہاں وہ دوبارہ جا کر گر گئی۔“ والدہ حضور کے لہجے میں کراہیت، نفرت و حقارت اس نے باپ کی آنکھوں میں بھی اُمنڈتی دیکھی تو پھر کرکڑی ہو گئی۔

"زبان سنجال کر بات کریں دادی ماں! میں اپنی ماما کے خلاف کچھ نہیں....."

"شٹ اپ..... لہجہ درست کرو اپنا۔" ماما ایک دم چیختے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ انہیں اشتعال میں دیکھ کر ہونٹ کانٹے لگی تھی۔

"چلاؤ مت ماما! لازم متوجہ ہوں گے۔ اس گھر کی آواز کبھی دیواروں سے باہر نہیں نکلی ہے۔" منال خصہ ورنج سے کانپ رہی تھی۔ اس کا غصہ تیز تھا۔ آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا۔ وہ غصہ و جھون ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ کاٹ رہی تھی جبکہ والدہ حضور اس کی حالت کی بہ نسبت ہالٹس نہ سکون وبے فکر نظر آ رہی تھیں۔ ان کے لبوں پر چڑانے والی وحشی مسکراہٹ تھی۔

"نیا آپ سے بد تمیزی کرے، میں کس طرح برداشت کر سکتا ہوں؟" وہ منال پر قہر آلود نگاہیں ڈال کر گویا ہوئے۔

"چاند پر تھوکنے والا خود اپنا چہرہ گندہ کرتا ہے۔ ہم اتنے کم ظرف نہیں جو ایسی فضول و غیر اہم باتوں کو اپنی توہین سمجھیں۔ منال، ہم سے کتنی ہی کبیڈہ خاطر و خنصر ہو مگر ہمیں تمہاری بیٹی، تمہارا خون ہونے کی وجہ سے اتنی ہی عزیز ہے جتنی تمہیں ہے۔" وہ بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"بونہہ مکار و منافق بڑھیا! ان ہی حرکات و جارحیت پسندی کے باعث دونوں مرتبہ بیٹے کا گھر بسنے نہ دیا۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتی تھی۔

"یہ سب آپ کا بڑا اپن اور محبت ہے والدہ حضور!" وہ ممنونیت سے گویا ہوئے اور ساتھ ہی بیٹی کو معافی مانگنے کا اشارہ بھی کیا۔

"سوری دادی ماں! مجھے خصہ آگیا تھا۔" وہ بادل خواستہ معافی مانگ رہی تھی۔

"میں نے بڑا نہیں مانا مگر میری نصیحت پر عمل کرو تو خصہ بھول جاؤ۔ ہر برے اور گمراہ سے کام کی اس میں یہی غصہ ہوتا ہے، جس نے غصہ پر قابو پالیا سمجھو اس نے کامیاب زندگی کا راز پالیا اور تم تو ویسے ہی شادی شدہ بیٹی ہو۔"

"جی بہتر، ہم بات کر رہے تھے کرن کی آمد کی۔ وہ بات تو وہیں رہ گئی اور ہم نہ جانے کس طرف نکل گئے، بلا وجہ کی بدحرکی بھیل گئی۔" موضوع کو اپنی طرف گھومتے دیکھ کر سمجھ داری سے خود کو بچا گئی تھی۔

"اس کا ارادہ شام تک آنے کا ہے مگر تم ابھی بلاؤ اسے۔ اس گھر میں عورتوں کی مرضی نہیں چلا کرتی۔" وہ اپنے مخصوص حکمیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"جی بہتر۔ میں ابھی لینے جا رہا ہوں۔" وہ فوراً کھڑے ہو گئے تھے۔

"تم..... تم کیوں جاؤ گے؟ ڈرائیور مر گیا ہے کیا؟"

"میں..... وہ پہلی مرتبہ آئے گی گھر میں تو....." وہ قہر سے ہو گئے۔

"تو کیا ہوا؟ اس کی ماں کو تم لینے نہیں گئے تھے۔ اس کی یہی خواہش تھی کہ تم لینے جاؤ تو وہ آئے، پھر اب اس کی بیٹی کو کیوں لینے

جاؤ گے۔ اس مری ہوئی کی روح کو خوش کرنے کے لیے۔" منال انہیں دیکھتی رہ گئی۔ کسی ظالم دے بغیر عورت نہیں کہ زندہ و مردہ سب سے انتقام لینے کی عادی تھیں۔

بے حد اثر و رسوخ، سماجی و سیاسی سمجھ بوجھ و بصیرت رکھنے والے برہان لغاری ماں کے سامنے کسی کم عقل و نا سمجھ بچے کی طرح رہتے تھے۔ تمام تیزی و طراری، خود اعتمادی ماں کے سامنے ہوا بوجاتی تھی۔ وہ بچپن سے باپ سے زیادہ ماں کے رعب و دبدبے میں رہے تھے۔ والدان کے بے حد نرم مزاج، خوش اخلاق و انسان دوست تھے۔ بچوں کے ساتھ وہ بالکل بچہ بن جایا کرتے تھے۔

ماں کی سخت خود پسند و بار عجب شخصیت نے ان کے سامنے کبھی ان کو خود اعتمادی نہ بخشی تھی۔ وہ ہر فیصلے میں ان پر مسلط رہی تھیں۔ وہ شرمندہ و شرمندہ اٹھے اور اپنے ذاتی ذرا نیور کو حکم دینے لگے۔

☆.....☆.....☆

جب انسان محبت میں دھوکا کھاتا ہے تو ہر شے سے اعتماد و اعتبار کو بیٹھتا ہے۔ یہ احساسات وقتی طور پر بہت شدت سے حاوی ہوتے ہیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، ہر احساس اپنی اصلی شکل میں آ جاتا ہے۔ آج میں خوش ہوں کہ آپ کے احساسات کی نوعیت اپنی حالت میں واپس آگئی لیکن ایک جگہ دل میں کچھ گوی رو گئی ہے۔ مگر صاحب اس کی جانب دیکھتے مبہم لہجے میں گویا ہوئے۔

"اس گروہ کو کھول دیجئے ڈیڈی۔ میں نے ہمیشہ آپ کو ایک ایک بات سے باخبر رکھا ہے۔ ہر پر اہم آپ سے ڈسکس کی ہے۔ ہر راز آپ سے شیئر کیا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا: واقعات کرن سے بات کرنے کے بعد صبح ناشتے پر وہ انہیں بتا چکا تھا۔

"مجھے آپ کے اس دوستانہ رویے سے ہمیشہ خوشی ملی ہے۔ ہماری اعزاز اسٹینڈمک مثالی ہے مگر بات یہاں ایک زندہ وجود کی آتی ہے جس سے میں غیبی کی طرح محبت کرتا ہوں۔ اس کی تابع داری و سعادت مندی نے میرے دل میں ایک نرم و گداز جذبہ پیدا کر دیا ہے جو ایک باپ صرف اپنی غیبی کے لیے ہی محسوس کرتا ہے۔ اس حوالے سے میں آپ کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ کرن آپ کے انتقام کی بجائے چڑھاؤ میں خود کو مصافحہ نہ کر سکوں۔" ان کا لہجہ سچا و کھرا تھا۔ اس کو ان کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آگئی تھی۔

"بیٹے کی محبت پر چند ماہ کی فرماں برداری حاوی ہوگئی ڈیڈی؟"

"مجھ میں لالچ و غرض سے پاک ہوں تو ایسا ہی تعلق مربوط کرتی ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ڈیڈی آپ میری خواہش پر شک کے کاٹنے پھیلانے کو تکلیف میں مبتلا کر رہے ہیں۔ یہ آپ نے کس طرح سوچ لیا کہ میں کسی بے قصور سے انتقام لوں گا؟"

"کرن، منال کی سوتیلی بہن ہے۔ برہان لغاری کی اصل غیبی، کیا یہ حقیقت کافی نہیں ہے، میرے شک کو تقویت دینے کے لیے۔"

"آپ اس تکلیف و حقیقت کو کیوں بھول رہے ہیں جو ان رشتوں کے انکشاف کی وجہ بنی۔ کرن اپنی مدرکی ڈیڈی کی وجہ بھول سکتی ہے؟ برہان جیسا ڈپلویچک، انجک ذہن شخص کرن کے لیے ایسا ہی محبت کرنے والا باپ بن سکتا ہے جیسے باپ ہوتے ہیں؟"

”کچھ کہا نہیں جاسکتا یقین کے ساتھ۔ وہ پل پل موڑ بدلنے والا شخص ہے۔ اپنی عقل دیکھ سے زیادہ لالچی و خوشامدی لوگوں کی باتوں پر یقین کرنے والا۔“

”مجھے آپ کے حکم کا انتظار ہے۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

”اس کا رشتہ مانگتے ہمیں برہان بخاری کے پاس جانا پڑے گا۔ اس کا جواب کیا ہوگا۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے رسائیت سے سمجھانے لگے تھے۔ ”جس آگ کے شعلے بڑی مشکلوں سے سرد ہوئے ہیں۔ انہیں پھر سے ہوامت دو۔ اسی میں بہتری دامن ہے۔“

”ڈیڑی! اب نکلتا ہمارا مقدر نہیں بن سکتی۔“

”یہ جنگ میں لڑنا ہی نہیں چاہتا تو نکلتا دُفع سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

دو آنکھ کر چلے گئے تھے۔ انس نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔ پھر ایزی ہو کر نیم دراز ہوا اور سوچوں کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔ باپ کے گریز داغ کتاب کی وجہ وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔ برہان بخاری کی شرائط نگیناں اور بد قاشیاں ان جیسا شریف و صلح جو شخص کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے قدم پیچھے ہٹانا ہی سوچنا ہی سمجھا تھا لیکن اس بار وہ پوری طرح تہیہ کر چکا تھا ان سے ٹکرانے کا۔

☆.....☆.....☆

جب سے گرینی نے سنا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ انہیں چپ لگ گئی تھی، نہ وہ کوئی فرمائش کر رہی تھیں، نہ ضد۔ بالکل خاموشی سے کام کر رہی تھیں۔ ان کی خاموشی نے اسے وحشت زدہ کر دیا تھا۔ ایسی وحشت، ایسی بے چینی وہ اس وقت بھی محسوس نہ کرتی تھی، جب وہ ہات بے ہات اس کو کھرنی کھرنی سنا رہی تھیں۔ نخرے و ضدیں کر کے زنج کر ڈالتی تھیں۔ ان کی فرمائشوں کے نت نئے انداز بھی اسے اتار پڑھان نہ کرتے تھے۔ پتا تھا اس وقت ان کی خاموشی کر رہی تھی۔

”تم آج چلی جاؤ گی۔ تم کو سمجھا جاتا وہ صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔“ وہ انہیں ناشتہ کروا کر فارغ ہوئی تو وہ گویا ہوئیں۔

”میں اسے سمجھا چکی ہوں۔ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“ بالآخر ہمت کر کے اس نے پوچھ لیا۔

”جاؤ..... میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

”میڈم پلیز! میری مجبوری سمجھیں۔“ وہ ان کی طرف جھکی تھی۔

”میں تم سے ناراض کیوں ہوں گی۔ تمہارا ہوتا میری قسمت میں لکھا ہے۔ اس میں تمہارا کیا دوش؟ جہاں رہو خوش رہو۔ میری دعا ہے تمہارے لیے۔“ انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، تاکہ وہ وہاں پھلتا ٹھیکین پانی دیکھ نہ پائے۔ رات سے اس کا دل بھی بھر بھر آ رہا تھا۔ کئی مرتبہ وہ رو جھکی تھی۔ گرینی کے کمرے سے نکل کر وہ اپنے کوارٹر میں آ گئی۔

دلیز بار کرتے ہی ماں کی یاد، ماں کی خوشبو، ہر سوت پھیلی محسوس ہوئی۔ اس کی قربت کا لمس، دلچہ کی محاسن از سر نو بیدار ہو گئی تھی

اور وہ خالی خالی تھکے ہوئے ان دروہ پوار کو نکلنے لگی تھی جو کل تک ماں کی موجودگی میں سکون و آسودگی، نجات و عافیت کا مسکن لگتے تھے اور اب خاص و معمول میں آنے کسی دیرانے کا مہر پیش کر رہے تھے۔

”ہاں ماما! ہمارے ستارے آپس میں کبھی ملے ہی نہیں۔ ہمیشہ گروش کے دائروں میں متحرک رہے اور پھر ابدی جدائی کے دبیز اندھروں میں کھو گئے۔“ وہ رو پڑی۔

”بڑے صاحب آپ کو بتا رہے ہیں۔“ شمو کی آمد پر اس نے آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آئی۔ دل تھا کہ پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

”یہ ذکی الدین صاحب آپ کو لینے آئے ہیں۔“ وہ اندر داخل ہوئی تو مدثر صاحب صوفے پر بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئے۔

”آداب مس! مجھے برہان صاحب نے بھیجا ہے۔ وہ کسی اہم میٹنگ کی وجہ سے نہیں آ سکے ہیں۔“ وہ اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہوا اور وضاحتی لہجے میں گویا ہوا۔

”لیکن مجھے شام کو جانا تھا۔“

”سر کا حکم ہے، آپ ابھی میرے ساتھ چلیں گی۔“ ذکی الدین کا لہجہ نرم مگر قلعیت و خدوا تھا وی سے بھر پور تھا۔ وہ گہری رنگت، عام نقوش و کرسٹ چہرے والا شخص برہان الدین کا ہم عمر تھا۔

”ابھی میں نے ان کی ویلیر پر قدم رکھا بھی نہیں اور احکامات لاگو ہو گئے؟“

”سرنے اس میں آپ کی بہتری دیکھی ہوگی بس۔“ ذکی الدین اس کے بگڑے تے تیردیکھ کر رمانیت سے گویا ہوا۔

”سفر کی محنتوں پر مشتمل ہے۔ ابھی روانہ ہوں گی تو رات تک وہاں پہنچیں گی۔ پھر جب جانا ہی ہے تو صبح دشام کا کیا انتظار کرتا۔“ مدثر نے کہا۔

”چلیں مس! باہر ڈرائیور گاڑی لیے کھڑا ہے۔ سڑکا آرڈر ہے یہاں سے آپ کوئی سامان لے کر نہیں جائیں گی۔“ ذکی الدین مدثر اور برہان کے درمیان کشید و خراب تعلقات کو جانتا تھا۔ وہ برہان الدین للاری کا بے حد خاص ملازم، بلکہ دست راست تھا۔ اس نے اپنی وفاداری کا ثبوت یہاں آکر پوری طرح دیا تھا۔ مدثر صاحب سے اس نے رسی علیک ملےک بھی نہ کی تھی۔ چوکی دار سے گیٹ کے باہر سے ہی اٹھاندا کھلوایا تھا۔

یہ مدثر صاحب کی خوش اخلاقی و اعلیٰ طرفی تھی جو وہ اسے لیوگ روم تک لائے۔ اس کی خاطر تو منع کرنا چاہی مگر اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کے ہر انداز سے تکلف، اجتناب و گریز عیاں تھا۔

کرن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سامان وہ پہلے ہی چھدا اور شمو میں ہانٹ چکی تھی، پھر سامان تھا، چند سوٹ، کپڑے، کچھ

روز مرہ استعمال کے برتن اور دو بستر یا چند چھوٹی موٹی ضروری اشیاء تھیں۔

”جب ضرورت محسوس ہو پکار لیتا، اپنے قریب ہی پائیں گی۔“ مدثر نے جاتے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا تھا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔ انگوں کی دیر تہہ تھی جو آنکھوں سے چھائے جارہی تھی۔ وہ رو نہ تھیں چاہتی تھی۔

اپنے باپ کے گھر میں وہ پہلی بار تنگ آنکھوں، بلند حوصلوں و مضبوط اعصاب کے ساتھ داخل ہونا چاہتی تھی۔ بہادر و نڈر بن کر۔ چند اور شمعوں سے روتے ہوئے رخصت کیا تھا اور گیٹ تک آئی تھیں۔ گریٹی سو رہی تھیں، پھر بھی اس کی ہمت نہ ہو سکی انہیں الوداعی نگاہوں سے دیکھنے کی بھی کہ کچھ ایسی ہی محبت ان سے ہو چکی تھی۔

انس سے نکلتے سے گمراہ ہوا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

”تم نے میرے پر پول کا جواب تسلی بخش یا ذمہ دار نہیں دیا تھا مگر ذمہ امید پر قائم ہے اور میں بھی برو و تمہارے جواب۔ تمہاری“ ہاں ”کا خضر ہوں گا“۔ اس کے تمہیر لہجہ میں نہ معلوم کیا تھا کہ پہلی بار اس نے دل کی دھڑکن کو عجیب سا پایا اور ہٹا کچھ کہے آگے بڑھ گئی تھی۔ گاڑی سبک رقیاری سے رواں دواں تھی۔

باوردی ڈرائیور سودا خانہ نما زمین ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ فرٹ سیٹ پر ڈی الدین بیٹھے تھے۔ دو آنکھیں نشست پر بیٹھی بلا سنڈر گلاس ڈور سے باہر کے بھاسے دوڑتے مناظر بے رحمانی سے دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

بڑی ہوئی شیو، بکھرے بال، دھنگا شکن آنکھوں لباس دینے سے بے نیاز سرخ آنکھیں، بیمار چہرے و اضطرابی کیفیت رکھنے والا وہ وجود حذر کا تھا۔ وہ گھر سے نکل کر سیدھا ایر پورٹ گیا تھا، وہاں فلائٹ کئی گھنٹے لیٹ روانگی کی اناؤنسمنٹ ہوئی تو وہ باہر نکل آیا تھا۔ صدمہ اس کے لاؤنج میں جانے کے بعد جا چکا تھا۔ وہ وہیں ٹی شاپ میں آکر بیٹھ گیا۔ ویٹر کو اس نے چائے اور سینڈوچز کا آرڈر دیا تھا اور خود کرسی کی بیک سے سرنگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ پے در پے گٹنے والے اعصابی و ذہنی شدید ترین ہلکوں کو سہہ نہیں پایا تھا۔ سوچنے بجھنے کی تمام حسیات سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔

انسوس درانسوس..... جنون ورجنون..... اضطراب وراضطراب.....

بے سکونی کے درپے واپس آئے تھے۔ وہ بہت بڑے خلیجان میں جتلا ہو گیا تھا۔ ویٹر کی سوبہانہ آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور سیدھا اٹھ بیٹھا تھا۔ چائے کی مہک، خوب صورتی سے ڈیکورٹ کیے گئے میٹھ وچرنے اسے احساس دلایا کہ گزشتہ کئی گھنٹوں سے بھوکا ہے اور جب بھوک کا احساس غالب آجائے تو ہر جذبہ، ہر احساس شکم سیری تک دور نہیں ہو جاتے ہیں۔

بھوک مٹی تو کچھ قرار ملا، جسم و جاں میں نئے اعزاز سے توانائیاں بیدار ہوئیں۔ شل وماغ و پوجمل اعصاب میں شوریدہ سری جاگتی تھی اور گمراہ و اہل پل اسے یاد آتے لگا۔

دوسرے پہاڑ پر بیٹھ گیا کہ وہ یہ کیا کر آیا ہے؟ مگر والوں کے ساتھ اس کا رویہ حق بجانب تھا مگر کرن کے ساتھ وہ بہت زیادتی کر بیٹھا ہے۔ اس احساس نے اسے اتنا مضطرب و پریشان کر ڈالا تھا کہ وہ واپس ایئر پورٹ جانے کے بجائے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں کمرہ بک کر وہ چکا تھا۔ کل تک وہ کرن سے اتنا بدظن و متنفر ہو چکا تھا کہ اس کی صورت دیکھنا تو دردِ کنار اس کی آواز تک سننے کا دردِ اوار نہ تھا۔

اب آنکھوں سے غصے و جنون کی تاریکی چھٹی تو صورت حال کا ادراک ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ پرندہ بین کر آ کر وہاں پہنچ جائے، جہاں وہ لڑکی رہتی ہے جس سے وہ کبھی ناراض ہوئی نہیں سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی ظالم، کٹھور، سنگ دل اور بے مروت کیوں نہ ہو۔ وہ اس کی ہر جھانڈی و فٹا سے بھانپتا آیا تھا، پھر کس طرح اس سے منہ موڑ سکتا تھا، جبکہ اسے اب وہ کسی صورت تنہا نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ ذہنی کشمکش، اعصابی توڑ پھوڑ اور صدموں نے اسے ایک لخت ہی بچا کر ڈالا۔ ایک دن، ایک رات وہ بخار کی کیفیت میں مدھوش پڑا رہا تھا۔

دوسرے دن بھی خود میں ہمت نہ پا کر مجبوراً اسے صدمہ کو موبائل کرنا پڑا۔ حسبِ توقع صدمہ اس کی کال پر فوراً دوا چلا آیا تھا اور اسے اسی شہر میں اپنے رہبر و دیکھ کر اسے خوشی و حیرانگی کے احساسات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ غمزہ نے ہمیشگی طرح اسکا پانی سوچوں و خیالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"سکیئر کلاس ہوٹل تم نے کیوں چوز کیا؟" ساری باتوں کے جواب میں صدمہ کا سوال اسے بے چین سا کر گیا تھا۔
"مجھے یقین تھا، مگر والے اس طرح میری روائی کو مضحکہ خیزداشت کر گئے ہیں مگر اتنی آسانی سے فراموش نہ کر سکیں گے اور میری تلاش شہر کے اندر اور باہر ایسے ہوٹلز میں ہوگی۔ ایسے ہوٹلز کا تو انہیں خیال بھی نہیں آئے گا۔" دو صدمہ کے چہرے کی جانب کھوجتی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خواہ تو ادائیگی اے کی ڈگری حاصل کی ہے تم نے۔ تمہیں تو سیکرٹ سروسز کے لیے چاہائی کرنا چاہیے تھا۔"
"مشورے کا شکریہ لیکن اب وہ بات بتاؤ جس کو تم چھپانے کی سعی کر رہے ہو۔ میں نے تم سے کہا کہ کرن کے پاس چلنا ہے، اسے مٹا کر لانا ہے اور تم نے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا، جس کا مطلب ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔" صدمہ نے افسردہ نگاہوں سے بھائی کے بے چین و مضطرب چہرے کو دیکھا تو اپنے دل کو چند ہونے محسوس کیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"صدمہ۔۔۔ صدمہ! کارڈ سیکٹ۔ تمہاری یہ خاموشی میرا دماغ بلاست کر دے گی۔ پلیز۔۔۔ جو بھی بات ہے بتاؤ۔"
"میں کل کیا تھا وہاں۔۔۔۔۔" صدمہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کرن وہاں نہیں ہے۔ اس کے خاوند اسے وہاں سے لے گئے ہیں۔"
"و۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔ ٹا۔" یہ کس طرح ممکن ہے؟ وہ سراسیمگی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا مگر مدثر صاحب نے وہاں کا کنٹیکٹ نمبر دیا تھا، وہاں آپریٹر نے بات کی۔ پہلے تو وہ محذرت کرتا رہا، پھر راضی ہوا تو برہان لغاری سے رابطہ کر دیا تھا۔" وہ لمحہ بھر توقف کے بعد گویا ہوا۔

"پہلی بار میں نے پتھر دل کو بولتے سنا۔۔۔۔۔! گاڈ! کیسا پتھر پلاؤ سنگلاخ لہجہ تھا۔ دعوت و نغوت سے بھرپور۔ میرے تعارف کے جواب میں گویا ہوئے۔ کرن سے کسی کا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے بھول کر بھی یاد نہ کیا جائے۔ اگر دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ زندگی سے

باتحد دھو بیٹھے گا۔" ان کا لہجہ ان کا انداز بتا رہا تھا، وہ جو کہتے ہیں وہ کر دکھاتے بھی ہیں ان جیسوں سے مخالف سمت چلنا ہی بہتر ہے۔"

"وہ اتنا ہی طاقتور اور رئیس آدمی ہے تو بیوی دینی کو کیوں اس قدر کسمپرسی دے بی بی کی حالت میں چھوڑا تھا؟ ساری زندگی بی بی کی یاد نہیں جاگی، پھر اب کس حساب میں رعب چما رہے ہیں۔" حمزہ کا غم و غصے سے برا حال ہونے لگا۔

"جو لوگ جائز طریقوں سے دولت کماتے ہیں، ان کے دل کشادہ و گداز ہوتے ہیں اور جو کالا دھن بناتے ہیں وہ اسی طرح سیاہ دل، بے ضمیر و بے حس ہو جاتے ہیں پھر انہیں اپنے قول و فعل کے تضاد کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ اپنا عاصیہ کرنا پسند کرتے ہیں، جو چاہیں جس طرح چاہیں اپنے ہر سلوک کو جائز سمجھتے ہیں۔" محمد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں کرن سے ملوں گا اور دیکھتا ہوں کہ کون روکتا ہے مجھے، اس سے ملنے سے۔"

"کول ڈاؤن۔ کول ڈاؤن۔ اپنی کنڈیشن دیکھو۔ پہلے ہی اتنا تیز بخار ہو رہا ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے تو کچھ کرتے ہیں۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ ٹھیک ہوں میں۔ ہم ابھی چلیں گے۔" وہ واش روم کی طرف بڑھتا ہوا قطعی انداز میں گویا ہوا۔

"اُسی بھی کیا جلد بازی ہے یا راکرن کو وہاں ایڈجسٹ ہونے دو۔"

"وہ وہاں گئی ہے لیکن میں جانتا ہوں، وہ بہت بے صبری و جلدی باز لڑکی ہے۔ بے حد متکبر مزاج بھی۔ بدلہ لینے اور جواب دینے میں دیر کرنے والی نہیں۔"

"کیا بخار تمہارے دماغ پر اثر انداز ہونے لگا ہے جو ابھی بھکی باتیں کرنے لگے ہو۔"

"میں بہک نہیں رہا یا رازنہ دماغ خراب ہوا ہے میرا۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"تم بخوبی جانتے ہو، کرن کو اپنے ویڈیو سے ملنے، ان کے ساتھ رہنے کی کتنی خواہش تھی، جواب پوری ہوئی ہے تو وہ خوش نہ سہی، مطمئن تو ہوگی۔"

"نہیں۔۔۔۔۔ جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد وہ ایسی کسی خواہش کی آرزو مند نہ رہی ہوگی۔ وہ وہاں گئی ہے تو نیک ارادوں سے نہیں گئی ہوگی۔۔۔۔۔ وہ کیا کر گزرنے کی نیت سے وہاں گئی ہے۔ یہ میں نہیں جانتا مگر یہ میرا دل گواہی دے رہا ہے، وہ کچھ کر گزرنے میں اپنی جان کی

بھی پروا نہیں کرے گی۔ ایسی ہی ضدی بوٹ دھرم ہے وہ۔"

حمزہ کے چہرے سے نلکڑا اضطراب جھلک رہا تھا جس سے واقف ہو کے صدمہ بھی شکر ہو گیا تھا۔

"اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا۔ کبھی نہیں۔۔۔۔۔"

"ڈونٹ ڈری۔ چلو تم تیار ہو۔ پہلے ہم ہسپتال چلیں گے، تاکہ تمہیں کچھ ٹیسٹ مل سکے، کیوں کہ بخار بہت زیادہ ہے۔ اس کے

بعد ہم چلتے ہیں۔"

☆---☆---☆

105

گازی عظیم الشان گیٹ کے آگے پہنچی ہی تھی کہ وہ آنویجک انداز میں کھٹکا چلا گیا اور گاڑی آگے بڑھ کر چند منٹ کا فاصلہ طے کر کے ٹوک مئی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ دروازہ کھولنے کے لیے لاک کا مشن پیش کرتی، ذکی الدین پھرتی سے اپنی سیٹ سے اتر کر اس طرف آ گئے اور گیٹ کھول کر مود بانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"ہلیز کم بے پی!" اور دو خاموشی سے ہا ہر کل آئی تھی۔

ذکی الدین کی رہنمائی میں وہ خوب صورت روش پر دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ دل میں عجیب سا جوار بھانا اُٹھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کبھی اس جگہ سے اس کی ماں بھی گزری تھی۔ جبکہ یہی تھی۔ مقام یہی تھا لیکن ستیس چھدا تھا نہیں۔ وہ اندر کی جانب بڑھ رہی تھی اور وہ باہر کی سمت جا رہی تھی۔

راستہ ہی تھا..... منزل جدِ احمی.....

وہ اسے گود میں بھر کر بھی خود کو تنہا محسوس کر رہی تھیں۔ وہ تباہ ہو کر اُنہیں اپنے ساتھ محسوس کر رہی تھی۔ چند سیز حیاں عبور کر کے وہ اوپر آئی تو سامنے کولڈن فریم میں آویزاں پینٹنگا مزہ والے خوب صورت گیٹ کو بند دیکھ کر وہ رک گئی۔ ذکی الدین نے کچھ حیرانگی سے آگے بڑھ کر دل کی تھل تھل کا کولڈن پینٹل پکڑ کر گیٹ کھولنا چاہا تو اسے اندر سے لاکھڑ دیکھ کر ان کے چہرے پر حیرانگی کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی عموماً آتی۔ ”کیا بات ہے؟ یہاں آنے والوں کو دیکھ کر اس انداز میں کیا جاتا ہے؟“ کرن بند گیٹ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے طنزیہ لہجہ میں بولی۔

"تمہیں بے بی! میں پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں اسے بہہ دیکھ رہا ہوں۔"

"اجما... اس کا مطلب سمجھیں گے آپ... یا آپ سمجھ چکے ہیں؟"

"مطلب..... میں سمجھا نہیں۔" وہ ہلکا ہلکا کرن کا بدلہ دے گا موزڈ دیکھ کر گویا ہوا۔

”اس گھر کے ہی نہیں، دل کے دروازے بھی میرے لیے بند ہیں۔ یہ مطلب ہوا اس سلوک کا فوکی الدین صاحب! انسان کی اس سے بڑی تڑپیل کیا ہوگی کہ گھر بلا کر دروازے بند کر دیتے جائیں۔ سمجھ رہے ہیں ناں آپ؟“

”جی..... جی..... نہیں..... نہیں..... جانتے ہیں“۔ دوہری طرح ہنستا کر رہ گیا۔

اسی دم ایک ملازمہ عقیقی ہست سے آکر گویا ہوئی۔

”تاہم حکم ہے کہ مہمان کو اس گیٹ سے اندر لے کر آئیں۔“ دوڑ کی الدین سے مخاطب ہوئی۔ اس کی نگاہیں کرن پر مرکوز تھیں۔

"بیک سائٹ، وہاں سے کس کی آمدورفت ہوتی ہے؟" وہ براہ راست ملازمہ سے مخاطب ہوئی۔ ذکی الدین کو بولنے کا موقع

نہیں دیا۔

"ہم تمام ملازمین کا راستہ وہی ہے۔ مزارعوں کی بیویاں، بیٹیاں، ماں، دھو بن اور وہ....." اسی لئے اس کی نگاہ ذکی الدین کے چہرے پر پڑی تو وہ چپ ہو گئی۔

"جاؤ۔ چلیں بے بی!" ملازمہ سے کہہ کر وہ کرن سے مخاطب ہوا۔

"وہاں سے اندر جاؤں گی میں؟ جہاں سے وہ لوگ جاتے ہیں جو یہاں بسنے والے فرعونوں کے لیے بے حیثیت و کتر دہرہ رکھتے ہیں، جن کی ان کی نگاہوں میں کوئی قدر و منزلت نہیں، کوئی عزت و وقار نہیں۔ زمین پر ریختے والے کیزوں اور ان لوگوں میں یہ لوگ کوئی فرق نہیں سمجھتے ہیں۔ میں وہاں سے جاؤں گی؟" وہ پوری قوت سے چیلنی تھی۔

"آپ..... آپ غلط سمجھ رہی ہیں"۔ وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"تم نے حق نمک ادا کر دیا۔ نمک حلائی کا ثبوت دے دیا۔ اب چلے جاؤ۔ تمہاری رہنمائی کی مجھے مزید ضرورت نہیں ہے اور میں یہاں مہمان نہیں ہوں۔ برہان لغاری کی بیٹی ہوں اور ان کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اس جگہ پر، اس کی ہر شے پر میرا پورا پورا حق ہے، اگر اس حوالے سے کسی کو کوئی غلط فہمی ہے تو وہ بھول جائے۔" وہ چیخ مچی کر کہہ رہی تھی۔

ذکی الدین برا پھنسا تھا۔ وہ نہ رک سکتا تھا اور نہ جاسکتا تھا۔ کرن وہیں رکھی کہیں کی کر سچوں میں سے ایک پر بڑے طعنائی سے بیٹھ گئی تھی۔ وہ یہاں پہلی بار آئی تھی لیکن اس کے انداز سے کوئی اجنبیت یا گھبراہٹ ظاہر نہ ہو رہی تھی جو پہلی بار کسی نئی جگہ پر آنے کے بعد محسوس ہوتی ہے۔

"ذکی الدین صاحب! آپ جانیں"۔ اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر کرن بولی۔

"آپ کو اس طرح چھوڑ کر کیسے جاسکتا ہوں؟"

"یہ میرا گھر ہے۔ آپ کو میری نگرانی پر کس نے نامور کیا ہے؟"

"نو بے بی! میرا مقصد یہ نہیں ہے۔"

"اوکے بے بی! گڈ بائے"۔ وہ الجھا الجھا، اس کے اسرار پر وہاں سے نکل آیا تھا۔ کیٹ سے باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس میں بیٹھ کر اس نے برہان لغاری کو کال کی جو پہلی بل پر ریسو کی گئی تھی۔ اس نے تمام صورت حال من و عن انہیں سنا کر مشورہ مانگا تھا۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا ہے ذکی! تم جاؤ۔ ہم آرہے ہیں راستے میں ہیں"۔ موبائل آف کرتے ہوئے ذکی الدین کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی تھی۔ وہ کار لے کر چلا گیا۔

ذکی الدین کے جانے کے بعد وہ ڈھیلے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ غصے تو وہیں کے احساس سے اس کے اندر شعلے بھڑک رہے تھے۔ اسے معلوم تھا، اس کا استقبال شان وادار طریقے سے نہیں کیا جائے گا لیکن اس طریقے سے کیا جائے گا کہ داخلی دروازے بند کر کے وہ دروازہ کھولا جائے گا جو اسے تیسرے درجے کے لوگوں کی صف میں لاکھڑا کر دے گا جو اسے کسی طور پر بھی گوارا نہ تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ جب تک برہان لغاری نہیں آئیں گے، وہ یہیں بیٹھے گی۔ دونوں اطراف میں بنائے لائنز بہت سرسبز و شاداب تھے۔ ملکی وغیر ملکی پھولوں کی مسکراتیں ہوا کے جھونکوں کو مسخر کر رہی تھیں۔ سامنے پہاڑ کی چوٹی پر سورج اپنی الوداعی شعاعیں نکھیر رہا تھا جو ہر سو پھیل کر ایک اداس کروینے والا تاثر پھیلا رہی تھیں۔

دورانق پر باولوں کے ٹکڑے تیز رہے تھے۔ پرندوں کی قطاریں تھیں جو ترتیب سے ایک دوسرے کے پیچھے ٹو پر واز تھے۔ دوسب دیکھ رہی تھیں۔ پچھلی شام کی تمام اُلواسیاں اسے اپنے وجود کے اندر مسوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے سر جھٹک کر آنکھوں میں آتی نمی سے چھٹکارا پایا۔ وہ طے کر کے آئی تھی کہ یہاں ایک آنسو نہیں بہائے گی۔

ملازما میں کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں آ جا رہی تھیں۔ دو دور دور سے چور نظروں سے اس کی جانب دیکھتے اور اس کی نگاہ اٹھتے ہی سر جھٹکا کر آگے بڑھ جاتیں۔ اس طرف آنے کی کسی ملازمہ کو اجازت نہ تھی۔ یہ وہ سمجھ چکی تھی۔

ایک دم ہی ملازمین میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ دوسب تیزی سے الٹت ہوئے گئے تھے۔ ان کی نگاہوں کے تعاقب میں اس نے دیکھا تو گیٹ سے پچھرا اندر داخل ہو رہی تھی، اس کی نگاہیں سرعت سے اس جانب متوجہ ہوئیں۔

گاڑی زکے ہی ایک ملازم پھرتی سے آگے بڑھا اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر سائٹل میں سر جھٹکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر بڑی شان و دبہ سے اس نے اس شخص کو باہر نکلنے دیکھا تھا جس کو دیکھنے کی آرزو میں ایک جیون گزرا تھا۔ تھری ٹیس سوٹ میں اس کی سرخ و سپید رنگت و بارعب شخصیت نمایاں تھی۔ انہوں نے چہرہ گہما کر ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی، پھر ملازم سے کچھ کہہ کر بڑے کدھر سے آگے بڑھ گئے تھے۔

”منا صاحب بلار ہے ہیں آپ کو“۔ ملازم نے آکر اطلاع دی تو وہ طویل سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

برہان لغاری اوپر پہنچے تو گیٹ واقفا۔ اسی لمحے کرن بھی ان کے نزدیک پہنچ چکی تھی، اس نے سلام کیا۔ سر کی جنبش سے جواب دیا گیا۔ وہ اسے پیچھا آنے کا اشارہ کرتے اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چل دی۔

چھت کے وسط میں آویزاں خوب صورت فانوس سے دو وحیائی روشنیاں نکل کر ہر شے کو منور کر رہی تھیں۔ بالکل الف لیلوٰی ماحول تھا۔

حسین و جمیل خوب صورت..... خواب ناک تصوراتی، مینوں کی دولت و ثروت کا منہ بولا ثبوت۔ کئی کمرے، لاؤنج، دراوداریاں میور کرتے دو ایک کمرے کے آگے ٹوک گئے تھے۔ دروازہ ناک کرنے پر ایک ملازمہ باہر نکلی تھی۔

”مالکن کا حکم ہے، وہ ابھی آرام کر رہی ہیں، کسی سے نہیں ملیں گی۔“ سوہانہ انداز میں وہ برہان لغاری کو سلام کرنے کے بعد گویا ہوئی۔ وہ ہٹا کچھ کہے والی مزلے تو اسے بھی ان کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

”مائی سکیڈ!“ برہان لغاری نے آواز لگائی تو نہ معلوم کس گوشے سے بوتل کے جن کی طرح ایک اوجیز عمر عورت نوراً حاضر ہوئی تھی۔

”حکم سائیں حکم!“ وہ گردن جھٹکا کر ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”بلی بلی کو کمرہ دکھاؤ۔“ وہ حکم دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

”مجھے یہاں بلائے کا مقصد کیا یہی تھا؟“ وہ سیکڑہ کو نظر انداز کرتی تیزی سے ان کے مقابل آگئی تھی۔

”کون سا مقصد؟“ وہ اس کی جانب دیکھے ہاتھ انداز میں بولے۔

”دروازے بند کر کے میری تذلیل و اہانت کرنے کا، یہاں آنے والوں کا استقبال اسی طرح ہوتا ہے؟“ اس کے انداز میں بے خوفی تھی۔

”ہر جگہ کے اصول علیحدہ ہوتے ہیں اور یہی بات آنے والوں کی توان کی توقیر۔۔۔ تو شخصیت اور ولیوں کی بیک پر کی جاتی ہے۔“ وہ گویا بھرپور مظاہر کر دار و عزت کے حوالے سے اس کے منہ پر مار کر جا چکے تھے اور وہ بت بنی ان کے دور ہوتے وجود کو دیکھتی رہی۔۔۔۔۔ ساری زندگی کر دار، حرمت و ملین بنانے کی جنگ و دو میں جس عورت نے گزاری تھی۔ بد کرداری و بد چلتی کے التزام نے جس کی جان لی تھی۔ مرکز بھی اس کی روح کو بے سکون اب اس طرح کیا جاتا تھا۔

مائی سیکڑہ نہایت احترام سے اسے ایک کمرے میں لے آئی تھی۔ اعلیٰ فرنیچر، بہترین پردوں، اسپورٹڈ وال ٹوال کا رپٹ سے ڈیکور شدہ کمرہ اس کے اندر کی تشنگی کو فرو نہ کر سکا تھا۔ وہ بے جان انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ خواہشیں وہ خوش رنگ و گل رخ تھلیاں ہیں کہ جن کے حصول کی خاطر ہم پیچھے بھاگ بھاگ کر پاؤں ٹکا کر لیتے ہیں۔ اٹھکھیاں لہو لہان اور جسم نیم مروہ ہو جاتے ہیں۔ جب نامرادی و ناامیدی کی کک سوز حیات بن جاتی ہے، جن کے بغیر رہنے کی عادت ہو جائے تو پھر وہی خواہشات ان تھلیوں کی طرح ہاتھوں میں آتی ہیں جن کے رنگ کھو گئے ہیں۔۔۔۔۔ جن کے پٹوٹ گئے ہیں۔۔۔۔۔ جن کے وجود کا کھٹکا بکھر گئے ہیں۔۔۔۔۔

بے کشش و بے مصرف چیزوں کا حصول بے معنی ہوتا ہے۔ شدید بھوک میں روٹی کا حصول وقت کی اولین و شدید ضرورت ہوتی ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد ہر طلب اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔

وہ باپ سے ملنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔ وہ خیال سے ملنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔ اس گھر میں رہنا چاہتی تھی، جہاں اب موجود تھی۔ خواہشیں پوری ہو گئی تھیں، اُمیدیں برباد آئی تھیں۔۔۔۔۔ لیکن مرد و تھلیوں کی طرح۔۔۔۔۔ آنکھوں سے پھر ٹھنکیں سمندر موجزن ہونے لگا تھا۔

ماں کی یاد رگوں میں خون کی روانی کی طرح گردش کرنے لگی تھی۔ وہ طویل سانس لے کر سیدھی ہوئی تو مائی سیکڑہ کو بخود اسی پوزیشن میں کھڑا دیکھ کر حیرانگی سے ہوئی۔

”تم! مائی نہیں؟“

”بلی بلی صاحبہ کا حکم ہو گا تو جاؤں گی۔“ وہ اسی طرح ہاتھ جوڑے، گردن جھکائے نگو مانہ انداز میں بولی۔

”جاؤ۔“

”جو حکم بی بی صاحبہ!“ وہ آہستگی سے چلی گئی۔ کرن نے اٹھ کر دروازہ لاکھ کیا۔ سیڈل اُتار کر سائیڈ میں رکھے اور سامنے بیڑی کی طرف بڑھ گئی۔ براؤن اور گولڈن شیڈز کا خوب صورت بیڑہ زکوری بے شکن تھا اور دم پہچنگ سے خوب صورت لگ رہا تھا۔ اسے سی کی وجہ سے پہلے ہی کمرے میں خاصی شہدک تھی۔ وہ بالوں سے کچر نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر دروازہ ہو گئی۔ اچھے جذبات لے کر وہ یہاں داخل نہیں ہوئی تھی۔ کبیدگی و غلگی اس کے اندر شدت سے موجود تھی، مگر جس اہانت آمیز انداز میں اس کا استقبال کیا گیا تھا۔ اس کی اسے اُمید نہ تھی کہ گھبرا کر ذلیل کرنا بے ضمیروں و کم ظرفوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ ان کی ایسی صفات سے وہ پہلے ہی واقف ہو چکی تھی۔ یہاں آ کر مہر تصدیق حبت ہو گئی تھی اور ساتھ ہی اس کے اندر بغاوت و نفرت کی کبھی نہ بجھنے والی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

پورے دن وہ صبر کو ساتھ لے کر برہان لغاری کی جستجو میں رہا اور اس کی رہائش گاہ ڈھونڈنے میں ناکام رہا تھا۔ حالانکہ برہان لغاری کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کو تلاش کرنے میں دشواری یا ناکامی ہو۔ وہ اعلیٰ طبقات میں باحیثیت مقام رکھتا تھا، ہائرو پور شخصیت کا مالک تھا لیکن..... اسے نکو بنے سے معلوم ہوا وہ اپنے چہرے کو کئی نقایوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ اس کی پرستانی مضبوط مگر کچھ بڑے اسرار بھی تھی۔ بزنس ورلڈ میں وہ کنگ تھا۔ ظاہر و خفیہ کئی کاروبار کا وہ مالک تھا۔ اس کی کئی رہائش گاہوں پر وہ کرن کو تلاش کر چکا تھا۔ وہ اسے کہیں نہیں ملی تھی۔ چالاک اور فریڈ چوکی داروں سے وہ بڑے محتاط اور دلچسپ منشا نہ انداز میں معلوم کرتا رہا تھا۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ کوئی خالی ہے۔ نہ معلوم صاحب کے گھر والے کدھر ہیں اور ان کی باتوں کی تصدیق خاموش و دیران نظر آنے والی جگہوں سے ہو جاتی تھی۔ وہاں سے ناکام ہو کر اس نے ڈائریکٹ برہان لغاری سے ملنے کی کوشش کی مگر وہاں بھی اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی تو بدول ہو کر واپس ہو گیا تھا۔

”صبر سے کام لو پار! اپنی طبیعت دیکھو۔ سارے دن کی خواری نے تمہاری حالت بگاڑ دی ہے۔“ سعد اس کا سرخ چہرہ اور آداس آنکھیں دیکھ کر بولا۔

”مجھے ڈر ہے وہ اتنی خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔“ وہ غمناک حال میں پراپتا ہوا فکر مندی سے بولا۔

”تم جتنا کرن کو بچھنے کا دعویٰ کرتے ہو، اتنا ہی میں بھی کرتا ہوں۔ وہ ایسی اتنی ہرگز نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔ لڑنے بھڑنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ یہ تم جانتے ہو۔ اس کے غصے کے آگے بڑے بڑے لوگ نہیں ٹھہر سکتے۔ پھر یہ نوزائیدہ تعلقات کیا اہمیت رکھتے ہیں؟“ سعد ہنستے ہوئے بولا۔

”وہ ٹوٹ چکی ہے۔ اس میں پہلے جیسی بات کہاں رہی ہوگی؟“

”تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے کہ تم دل سے سوچتے ہو اور میں دماغ سے۔ دل کے معاملے میں تو دیے بھی کون ہوش مند رہا ہے جو تم رہو گے۔“

”میری چاہت کی کلیاں تو بن کھلے ہی مرجھا گئی ہیں، جہاں کل گلستان تھا، وہاں آج صحراؤں کی دھول اُڑتی ہے۔ بے ارمانوں کی راکھ اُڑتی ہے۔“

”اوو..... گاڑ دیکھو بھائی! میں ویسے بھی خاصا بد دل و بے زار ہو گیا ہوں، ان جذباتی دغم زدہ مکالموں سے۔ گھر میں کمی کچھتا دؤں دیکھوں کی تصویر نظر آتی ہیں تو ڈیڑی دکھ غم کا چہل پھرتا دجو۔ ان سے گھبرا کر ہار آیا تو تم..... سوگوار محبت کا مزار بنے بیٹھے ہو، جو ہونا تھا ہو گیا، جو ہونے والا ہے اسے روکنے پر نہ تم قادر ہو اور نہ میں، پھر کیوں اندیشوں و دوسوؤں میں مبتلا ہو کر پریشان ہوں۔“ صد نے اس بار خاصے چڑ کر خیسے سے کہا۔

”اچھا فضول لرزمت کرو۔ روم سروں پر کھانے کا آرڈر دو۔ میں اتنے میں کپڑے پہنچ کر کے آتا ہوں۔ خالی پیٹ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔“ حزا اٹھ بڑا تھک کی جانب جاتا ہوا گویا ہوا۔

”کھانے سے پیٹ بھر جائے گا مگر خالی“ واماغ“ کس سے بھروسے؟“ صد نے شوخی سے کہا، جوا حزا کی جانب سے کٹن بھنچ کر مارا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ہیلو ماما!“ منال نے رسیور کان سے لگ کر چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہاؤ آر یو سیٹ گرل!“ خاصی چہکتی ہوئی آواز آ رہی ہے میری چڑیا کی۔ یقیناً کوئی گڈ نیوز ہے۔“ جواباً وہ بھی شوخی سے یونیس۔

”ہوں۔ ہے تو گڈ نیوز، مگر مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس طرح بتا کہے سمجھ جاتی ہیں؟“ منال ماں کی ایسی باتوں پر ہمیشہ حیران ہو جاتی تھی کہ وہ کہہ بھی نہ پاتی اور ادھر سے وہی بات کی جاتی جوا سے حیرانگی میں مبتلا کر دیتی تھی۔

”سمجھ دار کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے میری جان۔“

”آٹم نوٹ ایگری ماما! آپ کے پاس کوئی بچک ہے۔“

”برین سے بڑھ کر بھی کوئی بچک ہو سکتا ہے سوئی؟“

”آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔“ وہ اُلجھتے ہوئے بولی۔

”پہلے بہت سمجھ دار تھیں، اب لگتا ہے اپنے قادر کی طرح چند دن سمجھ ہوتی جا رہی ہو۔ بات بات پر بچوں کی طرح سوالات کرنے بیٹھ جاتی ہو۔“

”اوو..... سوری ماما! کچھ تکی میں آج کل بہت اپ سیٹ ہوں۔ شاید اس وجہ سے ایسا رویہ کر رہی ہوں۔“ وہ کونشس ہو گئی۔

”ابھی کہہ رہی تھیں کہ گڈ نیوز ہے۔ اب کہہ رہی ہے کوئی ٹینشن ہے۔ کیا سمجھوں میں، کیوں اتنی پریشاں ہو؟“

”آپ ٹینس مت ہوں۔ چلیں پہلے میں آپ کو گڈ نیوز سناتی ہوں۔ ڈیڈ کی سکیڈ ڈائری آج آگئی ہے اور گریڈ ۱۲ دے کلوزڈور سے

اسے دیکھ کہا ہے۔

کرن کے ذکر پر اس کے چہرے پر چھائی پریشانی کھلکھلاہٹ میں بدل گئی تھی۔

”وہ بہت ڈیپلے چمک دو من ہیں۔ پہلے ڈیڈ کو پریشر انڈیا کیا کہ دو اسے کل کے بجائے آج بلوائیں۔ پھر اس کے آنے سے قبل انہیں نہ معلوم کس کام سے فیکٹری روانہ کر دیا اور پھر اس کی آمد سے پانچ منٹ قبل تمام ڈورز کھل کر داویسے اور لو کرڈ کو بھی حکم دے دیا کہ کوئی اس سے بات نہیں کرے گا۔“

”ہوں۔۔۔ آپ کی دادی کے دماغ میں شیطان عسکرانی کرتا ہے۔ لوگوں کو کس طرح زچ کیا جاتا ہے؟ کس طرح ستایا جاتا ہے؟ یہ نہیں بتوئی علم ہوتا ہے۔ ہاں پھر آگے سناؤ کیا ہوا؟“ فاکتہ بھی ہنستے ہوئی بولیں۔

”وہ آئی اور دروازہ بند ملا۔ بے چاری کی حالت اس وقت دیکھنے والی تھی۔ وہ سوچ رہی ہوگی اتنے اصرار سے بلوایا گیا ہے تو پر ڈو کو ل بھی دی آئی پانی ملے گا میاں تو بند دروازوں نے دیکھ کہا تھا۔ دہکا بکا رو گئی تھی۔“

”آپ کہاں سے دیکھ رہی تھیں؟“

”اپنے کمرے کی کھڑکی سے۔ ڈیڈا سے اندر لے کر آئے پھر بھی مگر چند دیر نے اس سے ملنے سے منع کر دیا کہ وہ آہٹ نہ کرنے کے بعد ملاقات کر سکی گی۔“

”جھینکس گاڈا! آپ کے لیے راستہ کلیئر ہے، ورنہ مجھے خدشہ تھا کہ وہ مکار بڑھیا اس لڑکی کے ساتھ مل کر کوئی اور ٹیم کھیلنا شروع کر دے۔ اپنی دے، کس وجہ سے اتنی ڈسٹرب ہو، جلدی سے بتاؤ۔ مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے جس کے لیے تیاری کرنی ہے۔“ ان کے لہجے میں غلٹ درآئی تھی۔

”میں سرور شاہ سے ڈائریکٹ لینا چاہتی ہوں۔“

”کیوں.....؟“ ان کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

”میں اس کے ساتھ نہیں روکتی۔“

”ہوں..... پھر انس مدر کی محبت نے بے چین کیا ہے؟“ ان کے سنجیدہ لہجے میں معنی خیزی درآئی تھی، جبکہ اس کی آنکھوں میں چراغ سے جل اٹھے تھے۔ چہرے پر رنگ در آئے تھے۔

”نہیں ماما! ڈیڈ کے کہنے پر میں نے وہ سب کر تو دیا مگر میرے دل میں آج تک اس کی محبت کی آگ بجڑ رہی ہے، جس نے اتنے عرصے بعد بھی مجھے اس سے دور نہیں ہونے دیا۔“ اس کے دھیمے لہجے میں ٹھنگی تھی۔ قبل اس کے کہ بات مزید آگے بڑھتی، دروازے پر باہر سے ہونے والی دستک نے اسے روک دیا کہنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو باہر ملازمہ تھی جو کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ اسے ابھی آنے کا کہہ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب آئی تھی۔ قمری سائینڈ ڈمرز میں اس کا ٹکس نمایاں تھا۔

وہاں ایئر بلو کٹن کے ویدہ زیب سوٹ میں اس کا ملکوٹی حسن اپنی رعنائیاں نکھیر رہا تھا۔ پیٹنگ ڈائمنڈ جیوہری کی دھمک اس کی آنکھوں سے مشابہ تھی۔ شانوں پر بکھرے اخروئی بالوں سے خوشبوئیں پھیل رہی تھیں۔ وہ خوش تھی۔ گزرتے وقت نے اس پر اپنے کوئی اثرات مرتب نہیں کیے تھے بلکہ اسے پہلے سے زیادہ نکھار عطا کیا تھا۔

ہرزادیے سے اچٹا جاترہ لینے کے بعد وہ مطمئن ہو گئی۔ ہیز برش بالوں میں بھرنے کے بعد شاگنگ پنک لپ اسٹک ہونٹوں پر لگانے کے بعد وہ پر لیوم اسپرے کر کے کمرے سے نکل آئی اور ڈائننگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

فالوسوں کی دو دھار وشنیوں میں منور ڈائننگ ہال میں وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل کے گرد ڈیڑ اور گرچندر پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ برہان لغاری بیٹی کو دیکھ کر شفقت سے مسکرائے تھے۔ والدہ حضور کے سپاٹ و بنجیدہ چہرہ پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہ کلف شدہ کپڑے کی طرح اکڑی بیٹھی تھیں۔

”بڑی مزے دار خوشبوئیں آرہی ہیں۔“ وہ ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

”تمام ڈشز آپ کی پسند کی ہیں۔“ برہان نے کہا۔

”پھر تو مزہ آ جائے گا۔“ بھی دو کہاں ہیں ہماری سویت اینڈ پلن سسر۔ ہماری تو ملاقات ہی نہیں ہوئی ان سے۔“

”آرہی ہیں دا بھی ملاقات کر لیجئے گا۔“

”گرچندر بڑی خاموش ہیں۔ کیا ہماری سسر کی آمدنا گوار گزاری ہے آپ کو؟“ وہ بڑی معصومیت سے ان سے مخاطب ہوئی۔

”والدہ حضور کے اسرار پر ہی ہم اسے یہاں لائے ہیں پھر تا گوار کی کمی؟“

”جو ہم نے چاہا وہی اس گھر میں ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ یہ تا پسندیدگی و نا گوار کی جیسے الفاظ ہمارے اختیارات کی ڈکشنری میں نہیں ہیں۔ ہم حکم دیتا اور حکم موانا جاتے ہیں۔ ایسے لفظوں دا ایسے جذیوں کی ہمارے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ حسب توقع ان کی باوقار و سپاٹ دار آواز نے بے لچک انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

برہان لغاری اثبات میں سر ہلا ہلا کر ان کی باتوں کی تائید کر رہے تھے جبکہ ان کا انداز اسے ہمیشہ کی طرح جلا گیا تھا۔

”سرور شاہ کا فون آیا تھا۔“ وہ ایک نگاہ مثال پر ڈالتے ہوئے برہان لغاری سے مخاطب ہوئیں جو ماں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر

سیدھے ہو بیٹھے تھے۔

”وہ شکایت کر رہے تھے کہ گزشتہ چھ ماہ سے مثال نے ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھا ہے، نہ ملنے کو تیار ہے اور نہ فون اٹینڈ کرنے

کو۔“ بچہ بھی ماں سے ملنے کو بے چین ہو رہا ہے۔“

”وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ نہیں ہوں میں اس کی ماں۔“ وہ ترخ کر بولی۔

”یہ تمہیں اسی دقت سوچنا چاہیے تھا جب تم اس کی ماں بننے کو تیار ہوئی۔“ وہ سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

"غلطی تھی وہ میری۔ اب میں اس غلطی کو وہرانا نہیں چاہتی۔"

"اگر کوئی پرالٹ ہے تو بتائیں۔ سرور شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے جس کو اس طرح نظر انداز کیا جائے، پھر اس سے ہمارے پرنس ٹرمز ہیں جو بہت مضبوط ہیں۔" برہان لغاری ٹنگر انداز میں بیٹی سے مخاطب تھے۔

"ڈیڈ! ہم اس میٹر کو پھر کبھی ڈسکس کریں تو بہتر نہ ہوگا؟..... لعل سسٹر سے پہلی بار مل رہی ہوں۔ ایسے میں ہمارے ذاتی معاملات منکشف ہو جائیں تو ہماری پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے ہم رات کو یہ ٹاپک ڈسکس کریں گے۔"

"ڈیڈ! یہ رات تو ہو گئی ہے۔ آپ کس رات کی بات کر رہے ہیں۔" وہ مسکراتی تو برہان بھی دیر سے مسکرا دیے تھے۔ ان کی نگاہیں رستہ واضح پر تھیں۔ مائی سیکر کو کرن کو بلانے گئے وہی منٹ ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔

پندرہ منٹ بعد واپس آئی بھی تو تنہا تھی۔

"بہن! صابن کو بھوک نہیں ہے۔ دو کھانا نہیں کھائیں گی۔" دوا کر اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی۔ یہ انکار ایک تحفظ تھا۔

جوان ماں بیٹے کے منہ پر بھرپور طریقے سے ضرب ہوا تھا۔ لیو بھر کو والدہ حضور کے چہرے پر سرخی نمودار ہو کر غائب ہو گئی۔

برہان لغاری غم وقفے کے باعث ساکت رہ گئے تھے کدایا کب ہوا تھا یہاں اور کون اتنا دلیر تھا کہ ان کے حکم سے نوکر دانی کی ہمت کر سکے۔ ان کے بلا دے کو سرے سے اہمیت ہی نہ دے۔

وہ ایک جھگڑے سے اٹھے۔

"بیٹھ جاؤ برہان! والدہ حضور ان کا ارادہ بھانپ کر بولیں۔"

"اس کی یہ ہمت! ہماری چھت تلے وہ کڑھاری حکیم عدولی کرے۔"

"ہم کوئی تماشہ نہیں چاہتے۔ بیٹھ جاؤ۔"

"اس کی گستاخی کی سزا فوراً سنائی گئی تو وہ مزید بڑھ رہا ہو جائے گی۔" طوباؤ کرہاں کے حکم پر بیٹھے ہوئے دوا تنقیدیں لہجے میں بولے۔

"جہاں وہ جیون گزار کر آئی ہے وہاں ایسی خاموشی و عجیب الطریقین تربیت کہاں ہوتی ہے۔ گھٹیا خاندان کے کمتر لوگ بھلا

ہمارے مرتبے تک کہاں پہنچ سکتے ہیں، جہاں دوری وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"میں والدہ حضور! میں اس گستاخی کی سزا سے ضرور دوں گا۔"

"کچھ میں پتھر پھینکو گے تو چھینٹوں سے خود کو بھی نہ بچا پاؤ گے۔ وہ بدتمیز اور گستاخ ہی نہیں، ضدی و سرکش بھی ہے۔ اس کا مزاج

اس کی اس ایک ادانے ہی بتا دیا ہے۔"

”بڑے بڑے سرکش واژیل جانور یہاں سدھر جاتے ہیں۔ وہ کیا شے ہے؟“ برہان لغاری کے لہجے سے شعلے لکھ رہے تھے۔
 ”اس کے لیے ایک تکمیل ہی کافی ہے، جس کا انتظام میں نے قتل از وقت کر رکھا ہے۔“ والدہ حضور کے لہجے میں بڑے اصرار سے
 جھٹک آئی تھی۔ برہان لغاری نے چونک کر ماں کی جانب دیکھا تھا۔

”کامران مرزا کی بڑی خواہش ہے ہمارے خاندان سے اپنے تعلقات مربوط کرنے کی تو میں نے سوچا ہم کیوں پیچھے نہیں۔ دیکھو
 بمائے خاندانی لوگ ہیں۔ کرن کو ہم ان کے اگوتے صاحب زادے عمران کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کر کے کیوں نہ سرخرو ہو جائیں؟“
 ”مگر بیٹہ در او عمران.....“ خاموش بیٹھی منال نے کچھ بولنا چاہا تو انہوں نے بارعب آواز میں اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔
 ”جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو چھوٹوں کو خاموش بیٹھنا چاہیے۔“ ان کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا، چلتی پر تیل چھڑکنے والا اور
 منال جو سراپا شعلہ تھی، ان کے اس انداز پر شعلہ جوالہ بن جاتی تھی مگر بہت ساری مصلحتوں کے تحت اپنے غصے و جنون، نفرت و حسد کو ظاہر
 نہیں ہونے دیتی تھی۔

☆.....☆.....☆

مالی سیکڑ کو واپس کر کے ان تمام دیکھنے انگڑوں پر گویا شبنم کرنے لگی تھی جو اس دلہیز کو عبور کرتے ہی اس کے اندر دھبک اٹھتے تھے۔
 ایک کیف و سرور کی کیفیت تھی جو رنگ و پے میں دوڑتی اس کے اکھ اکھ کو شامت کرنے لگی تھی۔ خانے سے عرصے بعد اس کے لبوں پر آسودہ
 مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس نے بیٹے پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالا اور ہاتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ واش ٹین کے اوپر آدیزاں آئیے میں
 اس نے اپنا چہرہ مدت بعد غور سے دیکھا تھا۔
 سفید رنگت میں زردیاں اٹھ چکی تھیں۔

ڈارک براؤن وراز پٹکوں والی آنکھیں بچھے دیوں کی مانند تھیں۔ ڈراک براؤں وراز بالوں کی چوٹی سے بال بے ترتیبی سے نکل
 رہے تھے۔ اتنا بے روزی چہرہ و پڑ سرد و جو اس کا اس وقت بھی نہ تھا جب وہ ماسوؤں کے ہاں رات دن کی چٹا چٹا میں جتلا رہی تھی۔
 عادلہ اس کی واحد دوست تھی، وہی اسے احساس دلانے کی سعی میں رہتی کہ وہ بے حد حسین ہے، اگر ہر وقت چڑچڑے پن وغصے
 سے باہر نکلے تو شاداب رنگ و روپ مزید نکھر جائے۔

مگر اس نے کبھی خود پر توجہ نہ دی تھی۔ بننا سنو نہ، آرائش و زیبائش جیسے جذبات سے وہ کوسوں دور رہی تھی پھر..... نہ معلوم کیوں
 اس لیے اسے اپنی مانند پڑتی رنگت و کشش کھوتے حسن کا خیال ورا آیا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ بال بنانے لگی۔ اسی اثناء میں دروازہ تاک کرتی منال اندر داخل ہوئی، اسے دیکھ کر کرن کھڑی ہو گئی۔
 ”جسبیں تو ہم سے ملنے کا شوق نہیں ہے مگر ہم تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتے۔“ وہ بڑے کردار سے صوفے میں بیٹھتی ہوئی بے تکلفانہ
 انداز میں گویا ہوئی۔

”آپ منال ہیں؟“ کرن اس کی جانب متوجہ ہو کر نارمل انداز میں بولی۔

”ہیں..... ہم منال ہیں۔ شکریہ تم نے ہمارے نام کے ساتھ وجہی، آپا، آپا جیسے بیک در در و ڈنڈ نہیں لگائے جو ہمیں پسند نہیں ہیں۔“

”ہاجی، آپا، آپا یہ محض لفظ نہیں، ایسے جذبے ہیں جن کی گہرائی ول کی زمین کی جڑوں تک رسائی رکھتی ہے۔ محبت کے تعلقات مربوط ہوتے ہیں۔ آپ نہیں سمجھ سکتیں ان فیلنگز کو۔“

”آف کورس۔ یہ منال کلاس کی فیلنگز ہوتی ہیں۔ ہماری کلاس کا ہیئت تمہاری کلاس سے بچ نہیں ہوتا۔“ اس کے انداز سے غوت و برتری کا کلی احساس اجاگر ہو رہا تھا۔ وہ اس کی جانب تحقیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی بھی طور اس سے مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ان کے لیے اس کے دل میں کوئی نرمی پہلے ہی نہ تھی۔ اب ان کے رویوں نے اسے بالکل ہی بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ ان سے مروا بھی اخلاق پر مٹنے کو تیار نہ تھی۔

”ڈیڈ ہمارے تھے، تم نے اس مڈر کے ہاں جاب کی ہے۔ کیا پایا ان لوگوں کو..... آئی مین کیسے لوگ ہیں وہ؟“ وہ کرن کی جانب بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

”یہ مجھ سے زیادہ آپ بہتر جانتی ہیں۔“ وہ اطمینان سے بولی۔



کرن کے پُر اعتماد انداز میں ایسی آن دیکھی جہن تھی جس نے منال کو سر نہ پا بے چین کر کے رکھ دیا تھا، چند لمحوں کے بعد وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔ چند لمحوں کے درمیان سکوت رہا تھا پھر منال نے کہا۔

”تمہارا ان کا ہر وقت کا ساتھ رہا ہے، مجھ سے فریڈ شپ اتنی کلوز ڈنڈی کہ میں ان کو بخوبی جان سکتی۔“

”میں نے وہاں ملازمت کی ہے اور اپنے کام سے کام رکھا ہے۔ ملازم اور مالک میں جو فرق ہوتا ہے، جو قاصد ہوتا ہے، اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔“

”تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔“ منال بے وجہ ہنرک اٹھی تھی۔

”مجھے ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”تمہارے اور ان کے درمیان مالک اور ملازم کا رشتہ ہوتا تو وہ تمہیں یہاں بھیجے پر اتنے معترض کیوں ہوئے؟ پھر جو تمہارے وہاں فحاشا ہوتی ہے، وہ کسی ملازم کے نہیں ہوتے۔ تم ان کے ساتھ بیٹھ رہی ہو، کھا رہی ہو، رہ رہی ہو، ہر شے پر مالکوں کی طرح حکمرانی کر رہی ہو، پھر یہاں بھیجے پر سانس راضی تھا اور نہ اس کا باپ! پھر تم کہتی ہو تم وہاں ملازمت کر رہی تھیں۔“

کرن نے مسکراتی نگاہوں سے اس کے خوب صورت چہرے کے بگڑے زاویوں کو دیکھا، کچھ لمحوں قبل بے تحاشا حسین نظر آنے والا کا چہرہ شدید غصے و خف کے باعث بگڑ کر رہ گیا تھا۔

”میں جو بھی کر رہی تھی، میرا ذاتی معاملہ تھا مگر آپ کی جاسوسی اور اب تفتیشی انداز کو میں کیا معنی دوں؟“ وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

”میرے جوتے کے برابر بھی تمہاری حیثیت نہیں ہے، میں تمہاری جاسوسی کیوں کراؤں گی؟“

”پھر ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟“

”تمہیں، تمہاری اوقات یا دولائے رکھنے کے لیے، اس محل میں آ کر خود کو یہاں کی حق و ارمیت سمجھنے لگنا۔ یہ سب میرا ہے، تمام دولت و جائیداد کی میں بلا شرکت غیرے مالک ہوں۔“ کرن کا اعتماد اسے دیکھا رہا تھا۔

”اس پر شکوہ ہم پھر کبھی کریں گے، فی الوقت میں آرام کرنا چاہتی ہوں اور جب میں آرام کرتی ہوں تو کسی کی موجودگی برداشت نہیں کرتی۔“ دوسرے معنی میں وہ اسے وہاں سے جانے کا کہہ رہی تھی۔

کرن کے اس انداز پر لمبے بھر کو اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہوا تھا۔ تنگ پیشانی پر بے شمار سلونٹیں ابجرتی تھیں۔ آنکھیں شعلے سے اگلنے لگی تھیں، اس نے الٹی لٹا ہوں سے کرن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوکے، سی پوائیکن۔“ اور تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی۔

کرن نے اس کے قدموں کی دھمک بندھواڑے کے پار دور تک سنی تھی۔

وہ کیا جانا چاہتی تھی؟

اس کی لٹا ہوں میں کیا کونج تھی؟

اس سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ وہاں بھی، بن بلائی گئی تھی، مجبوری کی چابک برداشت کرنے ہوئے محبت، اجنبیت، انسیت و لاتعلقی کے نئے انداز دیکھے تھے، وہاں بھی اور یہاں آ کر جس انداز میں پذیرائی ہوئی تھی وہ انداز بھی یا برداشت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا تھا۔ ہر مزاج، ہر انداز، ہر طبیعت سے واقف ہونے کے باوجود وہ آج تک کسی ایک انسان کو بھی کھل طور پر سمجھ نہ پائی تھی۔

انسان..... سب کائنات کی بہترین تخلیق، جس کو اس نے اشرف المخلوقات کا اعلیٰ و مجرب تہہ دیا۔ اس کی اصلاح و ہدایت کے لیے بے حد ذرائع مختلف انداز و صورتوں میں پیدا کیے اور اپنی محبتوں کی، محتاجوں کی، رستوں کی نوازشیں بے بہا کرویں۔ انسان ازل کا شکر، شکر کے کلمات سے ناواقف ہے۔ اس نے یہی دیکھا تھا شکر و مہرب، برداشت و تحمل، رواداری و انکساری کے وہ جذبات جو انسان کو ایک دوسرے کی محبت سے سرشار کرنے کا باعث تھے، مفتو و ہو چکے تھے۔ ایک سے خد و خال اجسام رکھتے والے لوگ ہاں نکل مختلف تھے۔ کسی ایسی وحیدہ، کبھی نہ سمجھ آنے والی مشینری کی طرح۔ اس نے طویل سانس لے کر پشت کی جانب نظر آنے والی کھڑکی کو کھولا چاہا تو کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ کھڑکی کے شفاف شیشے سے نظر آنے والا لان کا حصہ ہزرے سے ڈھکا ہوا تھا۔ سرو کے درخت شان سے سر بلند کھڑے تھے۔ ہمارے اندر سکون، ہمانیت، سرشاری و بے فکری کی حکمرانی ہو تو صحرا بھی گلستان نظر آتا ہے، برائی میں بھی اچھائی کے پہلو نکل آتے ہیں اور جب احساسات کی دنیا میں تسلسل سے پریشانیاں، تنگرات، مصائب کا سلسلہ دراز عی رہے تو خوب صورتی یا بد صورتی کوئی کشش نہیں

رکھتی۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

وہ تقدیر کے لیے تختہ مشق تھی جو مسائل و مصائب کا ہر تیرا اس پر آزمائی آئی تھی۔ اب نئے انداز میں وہ اس کے نشانے پر تھی۔
یکے بعد دیگرے وہ تینوں سستوں میں آویزاں کھڑکیوں کے شیشے چپک کرتی گئی۔ تمام ہی لاکھڑے تھے۔ وہ بے جان انداز میں بیٹھ پر
بیٹھ گئی۔

”یہ کمرہ ہے یا قید خانہ اور مجھے اس طرح قید کرنے کا مقصد؟“ وہ پوچھتی تھی۔ اسی دم دروازے پر دستک ہوئی تھی، اس نے
وہ پتہ درست کر کے اس طرف دیکھا تو برہان لغاری اندر آ رہے تھے۔ وہ سبہ اختیار کھڑی ہوئی تھی۔

انہوں نے بے آواز دروازہ بند کیا پھر درشت لہجے میں گویا ہوئے۔

”اس صورت نے تمہیں صبر و ایمنی کیلے نہیں سکھائے؟“

مجھے بھوک نہیں تھی، میں نے منع کر دیا۔ اس میں سبزی کی کیا بات ہے؟“

”اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ تربیت، بڑوں کی تعظیم و عزت ہماری روایات کا سب سے بلند درجہ رہا ہے۔ بچپن سے آج تک ہم نے والدہ
حضور کی حکم ندولی نہیں کی اور کڑتا تو ایک طرف کبھی سوچا بھی نہیں۔ ان کی ہر پکار پر ہم رات ہو یا دن دوڑے چلے جاتے ہیں کہ ان کی
وہاؤں کے طفیل، ان کے قدموں کی برکت سے آج برہان لغاری کو ایک دنیا جانتی ہے، مانتی ہے، ان کے آگے تمہارے باپ کی جرات
نہیں ہوتی نگاہ اٹھا کر بات کرنے کی اور تم نے..... تم نے انکار کر دیا ان کے ساتھ کھانا کھانے سے۔“ وہ بھرے ہاتھوں کی طرح برس رہے
تھے، مگر ج رہے تھے۔ کرن ان کی شیطانی آغوش کی آنکھوں کی تپش اپنے چہرے پر بخوبی محسوس کر رہی تھی۔

”آپ بلاوجہ اتنے سیریس ہو رہے ہیں، میں نے کوئی بد تمیزی یا گستاخی نہیں کی ہے نہ وہ ان کے گرجنے، برسنے سے ذرا
مرعوب نہ ہوئی تھی۔“

”بد تمیزی، گستاخی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے جس میں سکھایا گیا ہے بلکہ اب تو میرے دشمنوں نے اس سے بھی زیادہ ذہر بھرا
ہوگا، تاکہ میرا تماشہ دیکھ سکیں۔ مگر ایسا کبھی بھی ممکن نہیں ہوگا، میرے دشمن یہ حسرت لیے قبروں میں دفن ہو جائیں گے۔ برہان لغاری نے
کبھی شکست نہیں کھائی۔ برہان لغاری فاتح ہے، وہ جیتنے کے لیے پیدا ہوا ہے، بڑے بڑے سوہا یہ حسرت دلوں میں لیے چلے گئے ہیں۔“
غور تکبر، دعوت بن کر ان کے چہرے پر چھا گئے تھے، بلند قامت و بھرپور شخصیت کے مالک برہان لغاری کرن کو اس وقت بہت کوتاہ
قامت و کم تر لگ رہے تھے۔

”کیا سوچ رہی ہو سچ بچاؤ، کیا پلان کیا ہے تم نے مڈا ارنالس کے ساتھ مل کر۔ سیدھی طرح بتا دو گی تو تمہارے لیے بہتر ہے
ورنہ بے حد طریقے آتے ہیں مجھے حقیقت جاننے کے، سچ اٹھوانے کے۔“ ان کا انداز بالکل ہی بدل گیا تھا۔ وہ بغور ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔
کمرے میں داخل ہوتے وقت وہ قہر و غضب کی زعمہ تصویر تھے۔ کچھ دیر قبل اپنی بوائی دوانائی بیان کرتے وقت تکبر و غرور کی زعمہ

مثال تھے تو اب سنا کی وجہ میری ان کے روپ میں مجسم تھی۔ بل بل روپ بدلنے والا یہ شخص سب کچھ ہو سکتا تھا مگر باپ نہیں۔

”مجھے جواب چاہیے، اس طرح خاموشی سے کام نہیں چلے گا۔“

”کاش! پیدا ہوتے ہی میں مر گئی ہوتی یا میری پیدائش سے قبل آپ۔“

”کیا بکواس کر رہی ہو۔۔۔؟“ وہ وحازتے ہوئے چند قدم آگے آئے۔

”آپ نہ کبھی اچھے شوہر ثابت ہوئے، نہ اچھے باپ اور آج آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ اچھے انسان بھی نہیں ہیں، بلکہ آپ کو میں انسان ہی نہیں سمجھتی۔“ اس کے ایک ایک لفظ سے نفرت، از حد نفرت چمک رہی تھی۔ برہان لغاری کو اس کا انداز برداشت کی حدوں سے آزاد کر چکا تھا۔ انہوں نے سخت اشتعال میں آگے بڑھ کر کئی تھپڑ اس کے رخساروں پر دیئے اور چیختے ہوئے کہا۔

”تم نے بھی ثابت کر دیا کہ تم اسی کتیا کی بیٹی ہو جس کو دھکے مار کر اس گھر سے نکالا گیا تھا، جس نے کتیا کی طرح ہی لوگوں کے نگوے چاٹ کر ان کے بچے کھچے پھینکے گئے ٹکڑوں پر زندگی گزاری اور مرتے دم تک اس گھر میں آنے کے لیے ترستی رہی مگر۔۔۔۔۔ تمہیں میں وہ سزا دوں گا اس زبان و رازی اور بد تمیزی کی کہ مرتے دم تک سکون و آرام کو توڑ دوں گی۔“ شدید غصے میں وہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھ پائے تھے۔ ”جیسی ماں ویسی بیٹی، والدہ حضور و رست کتنی نہیں۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

اس کے اندر دور تک میسب سناٹا چھینٹا چلا گیا تھا۔ قوت گویا کی سبب ہو گئی تھی۔ رخسار ایسے دھبے تھے کہ ان کی تپش سے روح تک جھلسی جا رہی تھی۔ یہاں آنے سے قبل اسے یقین تھا کہ اس کی پڑمائی پھولوں سے نہیں کی جائے گی مگر اتنی جلد کانٹوں سے سواکت ہو گا، اس کی بھی اُمید نہیں تھی۔

”یہ عزت افزائی تو قیر ابتدا ہی ہے، کرن برہان لغاری صاحبہ اس گھر میں آنے کے لیے، اس باپ کو پانے کے لیے تم نے اپنی فرشتوں جیسی صاحبہاں کا بل بل دل کھائل کیا تھا، نرلا یا تھا، تڑپا یا تھا۔ یہ ’عزاز‘ اسی کرنی کا پھل ہے۔ ابتدا سے ابھی انتہائے معلوم کیا ہوگی؟ میں نے ماں کا بہت صبر سمیٹا، زندگی کا ایک حصہ انہوں نے میری وجہ سے نہایت اذیت میں گزارا۔ میں اپنے حال کو روتی رہی، ان کے کرب کو جاننے کی کوشش نہ کی، جس میں وہ مبتلا رہی تھیں۔ مجھے یقین ہے میری ماں نے کبھی مجھے بددعا نہیں دی ہوگی، کوئی ماں دے ہی نہیں سکتی اور میری ماں جیسی کبھی بھی نہیں۔۔۔۔۔ مگر وقت ہر لمحے کا حساب رکھتا ہے، جو ہم کرتے ہیں وہ ہمیں خاص وقت پر واپس کر دیتا ہے، مجھے بھی میرا کیا ہوا لوٹایا جانے لگا ہے اور میری صورت میں برہان لغاری کو بھی اس کے کیسے کا بدلہ لینا شروع ہو چکا ہے۔“ اس نے خشک آنکھوں کو رگڑتے ہوئے نئے عزم سے سوچا۔

☆.....☆.....☆

بخار اس کا اُتر گیا تھا۔ سر کے دروے کھل چھٹکارا نہیں ملا تھا۔ تین دن بخار اور سردی کے باعث دو ہفتے سے اُٹھ نہ سکا تھا۔

آج اس نے طبیعت میں خاصی بہتری و جستی محسوس کی تھی۔ اُٹھ کر پہلے اس نے ہاتھ لیا، پھر دم سروں سے ناشتہ منگوا کر ناشتہ

کیا۔ ممد دروازے سے نہیں آ رہا تھا اور یہ غیر معمولی بات تھی جو اس کی طرف سے اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔
اس نے ٹھیک پر رکھا موبائل اٹھایا اور چیک کیا۔ اس کی طرف سے نہ بھیج تھا اور نہ ہی کوئی کال کی گئی تھی۔
”کیا ہوا ہے؟“ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

”ممد کسی پرائیوٹ میں ہے، دروازے اس طرح غائب نہیں ہو سکتا۔“ اس نے کسی جذبے کے تحت بے اختیار اس کا نمبر پیش کر ڈالا تھا۔
دوسری جانب مسلسل بیل جا رہی تھی اور دور رسو نہیں کر رہا تھا۔ اس کے اندر عجیب سی بے چینی پھیل رہی تھی۔ وہ اٹھ کر سلائیڈنگ ڈور کھولا
ہوا باہر جھانکنے لگا۔ ہوا کے ٹھنڈے جھوکے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ بے ساختہ اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ گہرے سیاہ
بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔ خواب ناک سا اندھیرا ہر سو پھیلا، دارات کا سا پیدا کر رہا تھا۔ حالانکہ ابھی دن کا آغاز ہوئے چند گھنٹے
ہوئے تھے۔ گہرے سارے سورج کو ڈھانپ دیا تھا۔ بارش کا موسم دل کا موسم ہوتا ہے جو اپنے اندر بہت ساری کیفیات لے کر آتا ہے، پھر
اپنے ساتھ کسی کے دل اور کسی کی آنکھوں کو برساتے جاتا ہے اور ہر سو جل قہل کر دیتا ہے۔

اس کے اندر ماحول کی تمام حتمیں جس سرایت کر رہی تھیں۔ بے کھل وہ پہلے ہی تھا، اب مغرب بھی ہونے لگا، اس نے دھواں
دھواں ہوتی براؤن آنکھیں نیچے سڑک پر بھاگتے دوڑتے ٹریفک پر لگا دیں۔

گاڑیوں کی بے شکم آوازوں نے ماحول کے سکوت میں عجیب ارتعاش ڈال دیا تھا۔ آسمان سے شفاف موتیوں کی لڑیاں گرنی شروع
ہو گئی تھیں۔ مزہ نے سڑک سے لگا دینا کر نیچے لان پڑا لی تھی جہاں لوگوں کی بڑی تعداد برسات کو انجوائے کرنے جمع ہو گئی تھی۔
اس نے گہری سانس لے کر سلائیڈنگ کھینچ دی اور دونوں ہاتھوں سے سر قدام کرینڈ پر جیٹا گیا۔ ذہن کی اسکرین پر بیسے لمحوں
کے کچھ ٹکس ابھرنے لگے تھے۔

”اوو گاڈ! یہ بارش پھر آگئی؟“ کرن نے ناگواری سے لان میں رم جم رہے پانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسکول سے آ کر سوئی تو
ابھی اٹھی تھی۔

”پھر آگئی.....؟ پھر آگئی سے کیا مراد..... کب آئی تھی؟“ ممد نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سب وہاں جمع تھے۔
”ابھی پچھلے سال ہی تو اور کب۔“ وہ اسے گھور کر بولی۔

”ابھی..... یعنی..... پچھلے سال!..... ایسے کہہ رہی ہو جیسے پچھلے گھنٹے کی بات ہو، معلوم بھی ہے ایک سال میں تین سو بیسٹھ دن
ہوتے ہیں۔“

”تمہارا مسئلہ تو ہمیشہ سے کزور رہا ہے مگر اتنا کزور نہ تھا۔“ کرن اس کی جانب دیکھتے ہوئے استہزاءیہ اعزاز میں گویا ہوئی۔
”تمہاری یادداشت شروع سے دیک رہی ہے تو تمہیں کس طرح یاد ہوگا۔“

”ارے بابا بس کرو معمولی سی بات کو جھڑا لیتے ہو موسم تم لوگوں پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔“ مزہ نے ان کے بدلتے

تیرہ دیکھ کر بے اعلیت کرنی ضروری تھی اور اس کی مداخلت کا راز ثابت ہوئی تھی۔ دوڑانی میں رکھے موسم کے کچوان پر جھٹ گئی تھی۔ کرن نے ایک سموسہ پلیٹ میں رکھا، اس پر ڈھیر سارا کچپ ڈال کر کھایا اور اپنا ٹک چائے سے بھر کر وہاں سے ہٹ آئی تھی کہ جب تک وہاں رہتی ان کی خون خوارنگا ہوں و زبانون کی زد میں رہتی۔ وہاں سے ہٹ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ نوشاہہ، بھادو جوں کے ساتھ کچن میں معروف تھیں۔ دو آدھا کپ چائے پی چکی تھی جب حمزہ وہاں چلا آیا تھا۔

”وہاں سب بارش انجوائے کر رہے ہیں اور تم اس بند کمرے میں بیٹھی ہو۔“

”مجھے بارش اچھی نہیں لگتی۔“

”واٹ..... تم بالکل احمق بلکہ غیر رومانٹک لڑکی ہو۔ بارش بھی بھلا کسی کے لیے ناپسندیدہ رہی ہے۔“ وہ جھنجھلایا تھا۔

”تم خود رومانٹک ہو سکی کافی ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”کافی نہیں ہے، اس کے لیے تمہیں بھی رومانٹک ہونا پڑے گا۔“ اس کا لہجہ از خود حیرا ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں غبار چھانسنے لگا تھا۔

”مجھے کسی پاگل کہتے نے نہیں کاٹا ہے جو رومانس رومانس چلاتی پھروں۔“ اس نے تنگ خانی کر کے پیچھے کھٹے ہوئے کہا۔

”ان کو پاگل کتا کاٹتا ہے جو رومانس کرتے ہیں؟“

”ہاں..... مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔“

”اود کا ڈا! اب کیا میں یہ دعا کروں کہ تمہیں پاگل کتا کاٹ جائے۔“ وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔ دوسن نہ سکی۔

”آج کل بڑی رومانس کی لکڑ لگ گئی ہے، کیا کسی لڑکی سے محبت و جھٹ ہو گئی ہے؟“ وہ چار پائی کی چادر درست کرتے ہوئے

شوخی سے بولی۔

”ہوں۔ ہو تو گئی ہے۔“

”کیا..... سچ؟“

”ہاں بالکل سچ۔“

”کون ہے وہ؟“ وہ مارے تجسس کے نیچے پرکھ چڑھاتے ہوئے زک مگنی۔

”بے ایک لڑکی پاگل پاگل ہی۔“

”کہاں رہتی ہے؟“

”میرے دل میں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟ تم مجھے آلو ہمارے ہو۔“

”بٹانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ وہ ہنس پڑا تھا

”اچھا یہ عشق کا بھوت تمہارے سر سے نہ اتر دیا تو میرا نام بدل دیا، میں ابھی جا کر بڑی آئی کو بتاتی ہوں کہ ان کے صاحب زادے کسی پاگل لڑکی کے عشق میں خود بھی پاگل ہو گئے ہیں“۔ وہ ہکیہ رکھتے ہوئے جارحانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

”ادھو! میں مذاق کر رہا تھا اور تم سیریس ہو گئی ہو“۔ دوا ٹھہ کر اس کے راستے میں حائل ہو گیا، تاکہ وہ میٹک نہ پہنچ سکے۔

”بزدل! ابھی تک ڈرتے ہو بچوں کی طرح“۔ وہ چار پائی پر بیٹھ گئی۔

”میرا ڈراما ہی اس لڑکی کے حق میں بہتر ہے، کیونکہ وہ لڑکی شاید کبھی نہیں سمجھے گی، مگر می فوراً سمجھ جائیں گی اور پھر کیا کچھ نہ ہوگا“۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ کرن اسے خاموش دیکھ کر گویا ہوئی۔

”یہی کہ تمہیں بارش پسند کیوں نہیں ہے؟“ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ بارش بُری ہے بلکہ بارش کے بعد جو پریشائیاں ہوتی ہیں، وہ قبل از وقت ہی بے سحرہ بلکہ خوف زدہ کر دیتی ہیں۔ سب سے پہلا اور سب سے بڑا مسئلہ الیکٹرک سپلائی ہے، معمولی سی پھوار پڑنا شروع ہوتی اور بجلی گھنٹوں کے حساب سے غائب، پھر بارش کا پانی جو جگہ جگہ کچھڑا گندگی میں تبدیل ہو کر کراہت پریشانی کا باعث بنتا ہے۔“

”یہ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں، سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ واقعی طور پر طے والی خوشیوں پر، بعد میں آنے والی تظنیفوں کو کیوں فوقیت دیتی ہو۔ جو ہوگا سب کے ساتھ ہوگا، پھر کیوں آج کی خوشی پر کل کا سوگ خاری کر رہی ہو؟“۔ دوا اس بار رنج لہجے میں گویا ہوا تھا جو اب دو گردن ہلا کر یوں۔

”نہیں کر سکتی میں اس طرح کیونکہ جانتی ہوں خوشی کی عمر کم اور غم کی عمر طویل ہوتی ہے، جو اندھیروں کے ہاسی ہوں انہیں اُجالے کہاں داس آتے ہیں۔“

بادل زور سے گر جا اور اس کی حویٹ ٹوٹ گئی۔ اس نے بخود اپنی شرت کے دائرہ کو دیکھا جہاں نامعلوم کس لمحے آنکھوں سے نکلنے والے موتی گر کر جذب ہو رہے تھے۔

دوا اس لمحے برسات کے نئے لمس سے آشنا ہوا تھا، دل میں درد چگائی کسی یاد کا موسم ہے یہ۔ اضطراب در اضطراب کا موسم ہے یہ..... باہر بارش موسلا دھار شروع ہو چکی تھی۔

اندھیر برسنے والی برسات کی کوئی آواز نہ تھی، رفتار دگنی تھی، وہاں صرف احساس تھا، بے چینی کا، اُداسی کا۔

☆.....☆.....☆

برہان لغاری سیدھے اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔ موڈ ان کا ابھی تک بے حد آف تھا۔ پہلی بار انہیں کسی نے آئینہ دکھایا تھا جو وہ برداشت نہیں کر سکے تھے۔ جو اب ان کا ہاتھ اٹھ گیا تھا جس کا انہیں قطعاً ملال نہ تھا۔ ملال کا تعلق دل میں آباد محبت سے ہوتا ہے اور ان کے دل میں اس کے لیے محبت کی ایک نغمی ہی کو ٹپل تک نہ پھوٹ سکتی تھی۔

”بد زبان عورت کی بد زبان بچی“۔ دو غصے سے بڑے بڑائے اور ذہن میں کرن کے کہے گئے جملے گونج رہے تھے۔
 ”کاش! پیدا ہوتے ہی میں مر گئی ہوتی یا میری پیدائش سے قبل آپ“۔
 دشت از سر نو بڑھی تھی۔

”آپ کبھی سنا جیسے شوہر ثابت ہوئے نہ جیسے باپ..... اور آج آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ اچھے انسان بھی نہیں ہیں بلکہ میں آپ کو انسان ہی نہیں سمجھتی۔“

آنکھوں میں عجیب سی زندگی ابھرتی تھی۔ قبل اس کے کہ ان کی دشت و جنون کسی سنگین و ناقابلِ حلانی غصے کا باعث بنتی والدہ حضور کی طرف سے بلاوے کا پیغام ان کے اشتعال و دشت کو کچھ فرو کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ وہ وہاں چلے آئے تھے۔

”آؤ بیٹو“۔ وہ ان کے چہرے کا بغور جائزہ لیتی ہوئی بولیں۔ دو خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے انہوں نے اپنے چہرے کو تارل ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی مگر والدہ حضور جدوجہد زیرک لگا تھیں، بلا کی معاملہ فہم و حالات شناس، اب تو صورت حال سے آگاہ ہونے کے باعث وہ خود بھی اندر سے بے کل و مضطرب تھیں۔

”گئے تھے تم اس کے پاس؟“ انہوں نے اپنے لہجے کو کنٹرول نہیں ہونے دیا۔ ”تھیں نہیں جانا چاہیے تھا، جو لوگ اپنی عزت کا خیال نہ رکھتے ہوں وہ دوسروں کی عزت کرنا کیا جائیں گے۔“

”والدہ حضور! ہم عزت کرتے ہیں تو کروانا بھی جانتے ہیں۔ وہ خود کو کچھ بھی سمجھتی ہو مگر ہم سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی اوقات اسے بتا کر رہیں گے۔“ وہ دھڑم دھڑام گویا ہوئے۔ ”بڑا زہر بھرا ہوا ہے اس ناگن کی اولاد میں۔ میں چاہوں تو لمحے بھر میں اس کا سر پھل ڈالوں مگر یہ سزا کافی نہیں ہے اس کے لیے، اس کو میں ایسی سزا دوں گا کہ وہ سسک سسک کر مرے گی۔“ ان کا لہجہ اتنا سفاک تھا کہ وہ ان کی طرف متنی خیز امداد میں دیکھنے لگیں۔

”ذمہ و فن کروں گا اسے، آسان موت نہیں دوں گا۔“

”ذمہ و فن کر دیا مردہ، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کا سسکا تم دیکھو تو نہ سکو گے۔“ وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

”میں اسے زمین پر دیکھنے کو تیار نہیں ہوں۔“

”بچوں جیسی باتیں مست کرو رہا ہوں! وہ تمہارے دشمنوں کی پناہ حاصل کر چکا ہے، تمہاری ایسی کوئی جذباتی لغزش برسوں کے بنائے گئے اصولوں کو سمار کر سکتی ہے، ورنہ جہاں بے شمار خاموش قبریں ختی آتی ہیں اس جگہ اس ایک قبر کا اضافہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔“ وہ سنجیدگی سے گویا تھیں۔ ”میں یہ افسوس ناحیات رہے گا تمہاری ذمہ گی میں دو غور نہیں آئیں اور گھر ایک بھی نہ بسا سکی۔“

برہان کے چہرے کے عضلات درست ہو چکے تھے۔

”آپ کا سایہ سر پر سلامت رہے، مجھے کسی اور کی ضرورت بھی نہیں ہے، اب آپ حکم کریں، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“

یہ طے ہے، میں اسے زیادہ دن اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ دوسری سوچوں سے بڑھ کر بدتمیز اور خود مر ہے، اس کے سامنے کیا تو شوٹ کر دوں گا؟۔

"کامران مرزا سے بات ہوئی ہے میری، انہوں نے اس رشتے کو دل و جان سے منظور کیا ہے۔ کل رات کو کھانے پر بلوا لیا ہے، ان دونوں باپ بیٹے کو۔ کل ہی سب معاملات طے کر لیے جائیں تو اگلے ہفتے کے کسی بھی دن نکاح و رخصتی رکھ دیں گے اور تم اپنا شیڈول دیکھ لو پھر اسی حساب سے کام کریں گے۔" وہ پوری منصوبہ بندی کر کے بنی ہوئی تھیں۔

"میرا شیڈول آپ سیٹ نہیں ہوگا، پھر اگلے ہفتے میں وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔ میرے خیال میں سچر ڈے کو ہم ناسل کر دیتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے جتنی جلد ممکن ہو سکے اس بلا سے جان چھڑا پائیں ہم۔" وہ نخوت بھرے انداز میں بولی تھیں۔

"سرور شادا آئے ہیں ابھی چند لمحے قبل تم سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"نہیں، کہاں ہیں؟" دادو کے ذکر پر ایکسٹینڈ ہوا لٹھے تھے وہ۔

"مسائل کے کمرے میں بھیج دیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جو بھی بات ہے وہ خود ہی سلجھا لیں تو بہتر ہے۔ ہاڑی موجودگی مسئلے کو الجھا بھی سکتی ہے۔ یہی سوچ کر میں نے ان کے درمیان موجود رہتا دوست نہیں خیال کیا۔"

"میرا جانا بھی ان کے درمیان درست نہیں ہوگا۔"

"ہاں..... ان کے مسئلے ان کو ہی نمٹانے دو تو بہتر ہے۔"

☆.....☆.....☆

مثال، کرن سے ملنے کے بعد ایک آن جانے، آن دیکھے احساس سے دو چار ہو گئی تھی۔ انس بدش، جس سے وہ دل لگی کی خاطر راضی ہوئی تھی۔ مقصد اس سے تعلقات بڑھا کر دو تمام مصلحتات حاصل کرنی تھیں جو ڈیڈی کو مطلوب تھیں، جن کو وہ بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود حاصل نہ کر پا رہے تھے اور اسے حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اسے استعمال کیا تھا۔ خوب صورت شخصیت و ذہین آنکھوں والا انس اس کی محبت کے جال میں پھنس کر محبت کے جذبے میں ڈوب کر اتنا بے وقوف بن گیا کہ بلا سوچے سمجھے برنس کی سیکرٹ انڈر میٹشن اسے بتاتا گیا۔ مطلوب حاصل ہونے پر وہ ڈیڈی کے کہنے پر اس سے آچل چھڑا کر سرور شادا کی طرف بڑھ گئی تھی جو ان دنوں برنس ورلڈ میں خاصی شہرت پا رہا تھا۔ وہ عمر میں انس سے ڈگنا تھا، گندی رنگت و عام سی شخصیت کا مالک، سرور شادا کی طور پر انس بدش کا مقابل نہ تھا مگر ان دنوں وہ حسن کے دھم میں جھلا تھی، چاند کی چاندنی، پھولوں کی دلکشی میں اسے اپنا حسن دکھائی دیتا تھا۔ ہر منہ سے وہ اپنے حسن کے تصدیق سننے کی متمنی رہا کرتی تھی۔ ستائشی نگاہوں و داد دیتے لہجوں کی عادی تھی۔ انس کو چھوڑنے کا سبب اس کی خاموشی تھی۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا مگر اس نے کبھی ایسے جملے اس کی شان میں نہیں کہے جو وہ سننے کی عادی تھی۔ اس نے کبھی اس کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی تو تنہا ہی احترام کے ساتھ وہ اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا، از حد پسند کرتا تھا اور شادی کا بھی خواہش مند تھا مگر اس کا انداز بہت محتاط و

احترام والا ہوتا تھا جو اس جیسی آزاد خیال و بے باک فطرت لڑکی سمجھ نہ پاتی تھی۔ اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہاں لکس کی اجارہ داری تھی، عریانی، بے ہودگی، لائف اسٹائل بن چکے تھے۔ عزت، احترام، توقیر و تکریم جیسے مقدس لفظوں و جذبوں سے نا آشنا لکس پرست و بے ضمیر لوگ، پھر کچھ ڈیلی کی برین واشنگ کا بھی زیادہ گہرا اثر تھا کہ وہ بہت آسانی سے انس کی پاکیزہ محبت کو خاطر میں نہ لا کر سرور شاہ کی بن گئی تھی۔ بے شک سرور شاہ انس کی طرح جذم نہ تھا، نہ اس کی طرح لوگ کیئرنگ، نہ پر سنائی میں اس سے بچ کر رہتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ..... وہ ہر خوبی رکھتا تھا جس کی وہ توقع کر سکتی تھی۔

شادی کے ایک سال تک وہ اس کے سنگ پوری دنیا گھومتی رہی تھی پھر شاہی کی پہلی سالگرہ کے بعد وہ اس غماز کے غبار سے نکلے لگی تھی جس میں کم ہو کر وہ خود کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ سرور شاہ کی بے خود گردینے والی نگاہیں بڑنس فائزر میں کم ہونے لگیں۔ ہر دم اس کے حسن و رعب کی شان میں قصیدہ گو رہنے والی زبان، اب اسے احساسِ ذمہ داری و گہر داری کا درس دینے لگی تھیں۔ فقط ایک سال کے عرصے میں اس کی نگاہوں پر چڑھی غفلت و سرور کی ٹینک اُتری تو اس کی آنکھیں حقیقت دیکھنے کے قابل ہوئیں اور اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے۔ چاند کو چھو کر اندھیروں سے دامن بھر لیا ہے، پھولوں کے گمان میں کافون ہے الجھ بیٹھی ہے، ہرگز رتے دن کے ساتھ یہ احساسِ حادی ہوتا گیا، دن تو اس کے کچھ بہتر اس کے سنگ جیسے تیسے گزر جاتے مگر قربت کے لمحوں میں وہ اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کرتی، پھر یوں ہونے لگا اس کی سرور مہری رفتہ رفتہ بڑھتی بے گامی سرور شاہ کو مشکور کرنے لگی۔ وہ سمجھے ان کی بڑنس کی بے تحاشا مصروفیات نے مثال کو ان سے بدعین کر دیا ہے، اس کی خوشی کی خاطر وہ کاروباری مصروفیت پس پشت ڈال کر ورلڈ ٹور کا پروگرام سیٹ کر بیٹھے۔ مثال جو پوری طرح ٹھکرائی ہوئی محبت کے ڈکھ و پچھتاوے میں کم ہو چکی تھی، اس نے اٹار کر دیا۔ وہ ان لمحوں کی قربت برداشت نہ کر پا رہی تھی، چوبیس گھنٹوں کے ساتھ میں تو شاید مری جااتی۔ سرور شاہ ہر کوشش کر کے بارگھئے۔ اسے نہ جانا تھا، نہ وہ لگی۔ اب وہ ان کے بندھن سے آزاد ہونا چاہتی تھی مگر می نے سختی سے ڈانٹا تھا کہ وہ ایسی حماقت نہ کرے۔ پہلے ان کی تمام پراپرٹی اپنے نام کر دئے جس میں وہ فٹنی پرسنٹ کی مالک تھی۔ باقی سرور شاہ کے بیٹے کے نام تھی۔ فیب، سرور شاہ کی پہلی بیوی کا بیٹا تھا جو بیٹے کی پیدائش کے بعد مر گئی تھی۔ بیوی کے مرنے کے پانچ سال تک سرور شاہ کسی بھی عورت کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تھا پھر ایک پارٹی میں اس کی ملاقات برہان لغاری نے مثال سے کروائی تھی، یکے بعد دیگرے ہونے والی کئی ملاقاتوں میں انہیں مثال میں دو خوبیاں نظر آئیں جو وہ اپنی شریک حیات میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اسے پر پوز کرنے سے قبل وہ برہان لغاری اور مثال کو بیٹے کے بارے میں بتا چکے تھے۔ برہان لغاری کو بڑنس میں ان کی بیک چاہیے تھی، مثال بھی ان کی دولت کی چکا چوند، جاو و بھری باتوں کے بحر میں سحر ہو چکی تھی۔

فیب ہاسٹل میں رہتا تھا، چھٹیوں میں بھی گھر کم ہی آتا تھا، سو اس کی موجودگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ویسے بھی وہ عام بچوں کے مقابلے میں بہت کم گواور سیدھا معصوم بچہ تھا۔ سرور شاہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا، ویسے بھی وسیع تر بڑنس کی بے تحاشا مصروفیت میں انہیں ملک میں کم سے کم ٹھہرنے کا موقع ملتا تھا۔ اس دوران مثال کا موڈ بھی کچھ بہتر ہو جاتا تھا۔ ان جیسے پیار کرنے والے

فحش کے لیے بھی بہت تھا۔

دو آنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

مناں کے چہرے پر برہمی، فحش دسر دھری کی دبیز تہہ چڑھی ہوئی تھی، جبکہ سرور شاہ کے والہانہ پن میں وہی گرم جوشی دلکاوت تھی جو ایک ٹوٹ کر چاہنے والے شوہر کے انداز دلکاہوں میں ہوتی ہے۔

"آپ کو انداز دلائیں اس بات کا، آپ کی ناراضگی نے میرا کیا حال کیا ہے۔ چھ ماہ، چھ صدیاں بن گئی ہیں میرے لیے۔ تمام بزنس پینڈنگ کر آیا ہوں۔ منیب بھی بے حد مس کر رہا ہے آپ کو؟"

کمرے کے پوچھل سکوت میں خاموشی دیر بعد ان کی آواز ابھری تھی۔

"منیب کیوں مس کر رہا ہے مجھے؟ میں اس کی نگاہیں نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں طعنے و تسخر موجود تھا۔

"ماں، اس ہوتی ہے۔ موٹیلی، نگاہیں ہوتی ہے۔ منیب نے ماں کے روپ میں صرف آپ کو دیکھا ہے، اس کی ماں صرف آپ ہیں۔"

"اچھا، یہ آپ بھی سمجھتے ہیں؟" وہ ایک انداز سے مسکرائی۔

"یقیناً، کیوں نہیں؟"

"پھر تمام پراپرٹی میرے نام کیجئے۔"

"مناں! اچھا، قابل بھی یہی ضد ہمارے درمیان تلخی کا باعث بنی تھی اور میں نہیں چاہتا پھر یہ پک ادہن ہو۔" دو سنجیدگی سے بولے۔

"یہ پک ادہن رہے گا، اس وقت تک جب تک پراپرٹی مجھے ٹرانسفر نہیں ہو جاتی۔ یہ فحش فحش کا احساس مجھے کبھی بھی ایک اچھی

ماں نہیں بننے دے گا سرور! آپ مجھے کی کوشش کریں، اگر منیب کی اپنی ماں ہوتی تو تب بھی آپ ایسا کرتے؟ اسے بتاتے کہ....."

"ہائیز، ہائیز..... مناں! سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"میں سمجھ گئی ہوں، لیکن آپ بھی سمجھیں، جو میں سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"اوکے..... اوکے! موڈ ٹھیک کر دینا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ "مگر چلو، منیب سے زیادہ میں مس کر رہا ہوں تمہیں۔ کتنا

عرصہ ہو گیا ہے ساتھ وقت گزارے ہوئے ہمیں۔" دو اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔

"میں نے تمام پراپرٹی آپ کو ٹرانسفر کر دی ہے۔" انہوں نے دھا کہ کیا۔

"ریٹلی..... یہ ٹاؤل تو نہیں ہے۔" دوسرت سے اچھل پڑی تھی۔

"نو ڈاؤٹ۔ میں نے زندگی میں کبھی ٹاؤل گیم نہیں کھیلا، کسی کے ساتھ بھی نہیں، پھر اپنی "لائف" کے ساتھ کیسے ٹاؤل کر سکتا

ہوں۔" دو چاہت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے جو ایک دم خوشی سے کھل اٹھی تھی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے

قریب بیٹھے ہوئے دونوں ہاتھوں ان کے گلے میں ڈال کر مسکرا کر بولی۔

"بہت زبردست سر پرانزویا ہے آپ نے مجھے، ڈاکو منس کہاں ہیں؟"
"وکیل کے پاس، چند روز میں مل جائیں گے۔"

☆.....☆.....☆

رات کا دوسرا پہ تھا جب بے آواز دروازہ کھولتی ہوئی مائی سکینا سرور داخل ہوئی تھی۔

"تم! اس وقت کیوں آئی ہو؟" باپ کی یہ خاص ملازما سے زیر ہو گئی۔

"شش..... بی بی صاحبہ! چھپیں مت۔" وہ بدحواس ہو کر آگے بڑھی تھی۔ "میں آپ کی مدد کو آئی ہوں۔" وہ اسے غصے سے چیختے دیکھ کر آہستگی سے بولی۔

"مدد کو؟ بونہ، غلامی کی بیڑی! وقاداری کا طوق پہن کر تم کس قسم کی مدد کرو گی، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ بے جا جوتیاں سے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں بے یقینی واضح تھا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کو یقین کس طرح آئے گا، مگر میں سوچنے رب سائنس کی قسم کھا کر کہتی ہوں، میں آپ کو دھوکہ نہیں دوں گی۔" مائی سکینا کے لہجے میں چائی تھی۔ آواز میں کسی گہرے ڈکھ کی لرزش تھی۔ سر جھکائے، ہاتھ باندھے مجبور وہ بس انتظار آنے والی عورت سے یہ مضبوط دہرا حصار لہجے میں بات کرنے والی عورت بالکل مختلف تھی، مگر انداز اس کا اب بھی ایسا ہی سودا بانہ تھا مگر چہرے پر کسی عزم کی سرخی داکھوں میں آتی تھی کسی ملال کا حصہ تھی جس نے اسے بہت مختلف بنا دیا تھا۔

"میں قسموں پر یقین نہیں رکھتی۔"

"اللہ پر تو رکھتی ہیں۔"

"میں تم پر اتنا بار کیوں کر رہیں، مجھ کو کیوں میری مدد کرنا چاہتی ہو؟" سکینا کے سوال نے اسے نا جواب کروایا تھا مگر وہ ہلکا سا ہنسی جاتی تھی۔

"اس سوال کے پیچھے ایک داستان ہے جو میں آپ کو ضرور سناؤں گی وقت آنے پر۔ پہلے ضرورت ہے آپ کو یقین کرنے اور سمجھنے کی اس طرح شاید میں آپ کو پہچانوں۔" وہ دھجھے سے بولی۔

"جو کہنا ہے سیدھے طریقے سے کہو، مجھے اس قدر مت سمجھنا۔ تم جیسے سرچڑھے ملازموں کی حکاکیوں، ہیرا پھیر یوں سے واقف ہوں میں کہ کس طرح ذلیل گیم کھیلتے ہو، اگر مجھ سے چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو مزہ چکھا دوں گی۔"

"ہاں مجھے منظور ہے جو چور کی سزا وہ میری جوا گردنا کر دل۔"

"کہو کس مقدمہ سے آئی ہو؟" وہ سکینا کی طرف سے الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔

"بی بی صاحبہ! میں ملازمہ ہوں، کم ذات و کمی زمین پر رہنے والے کپڑے کوڑے ہم سے زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔ میں اپنی اوقات کو بیچنا چاہتی ہوں، دمالکوں کے معاملے میں دھل دینے کی ہمت تو خواب میں بھی نہیں کر سکتی۔" وہ کچھ بتانا چاہ رہی تھی، کس بات بے

باخبر کرنا چاہ رہی تھی مگر اپنی حیثیت اور پھر کرن کے کڑے تہرہ بدانتہادی ظاہر کرتا سخت رویہ اسے وہ بات کہنے کی جرأت نہ دے رہے تھے جس کی خاطر وہ چھپ کر اس وقت یہاں آئی تھی اور کچھ کہہ نہ پائی تو بے ساختہ رو پڑی۔

”ارے یہ کیا.....“ کرن کے لیے یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر بیڈ پر بٹھانا چاہا تو وہ فوراً اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”ہمارا ٹھکانا لگوں کے قدموں میں ہے بی بی صاحبہ۔“

”زیادہ باتیں مت کرو، اوپر بیٹھ جاؤ۔“ کرن کے انداز میں غری در آئی تھی۔

”نہیں بی بی صاحبہ! قدموں کی خاک سر پر نہیں ڈالی جاتی، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔“ اوپر بیٹھنے کے نام پر وہ یوں بدکی جیسے برقی تاروں کو چھو لیا ہو۔

”جلدی کہو، کیا کہنا چاہتی ہو، مجھے تمہارے رویے سے الجھن ہونے لگی ہے۔“

”بڑے صاحب اور بڑی مالکن آپ کی شادی کرنا چاہتے ہیں عمران مرزا کے ساتھ۔ آپ ان سے شادی مت کیجئے گا۔“ اس کے دیکھنے لہجے نے زوردار دھماکہ کیا تھا۔ وہ ٹیک ٹیک اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

”عمران مرزا جیسے آدمی نہیں ہیں، بہت خراب ہیں وہ کئی شادیاں کر چکے ہیں وہ ان کی تین بیویاں بڑا سراہا طریقے سے مرچکی ہیں۔“

”کیا کہہ رہی ہو؟“ اسے چاروں امد حیرا پھلتا دکھائی دیا۔

”سچ کہہ رہی ہو، وہ کل کھانے پر آ رہے ہیں۔ آپ کو میری بات کا یقین آئے گا، اتوار کو آپ کی شادی ہوگی، مالکن سب ملے کر چکی ہیں۔“

”تم.... کس طرح یہ سب جان سکتی ہو؟“ ذوہ سخت متحسش تھی۔

”سب سے پرانی اور وفادار لونگرائی ہوں، اس لیے مجھ سے کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے۔“

”پھر یہی سوال تمہیں مشکوک کرتا ہے کہ ایسا کیوں کر رہی ہو۔ اس سے تمہاری کیا غرض پوشیدہ ہے۔ اگر تم کوئی سازش نہیں کر رہیں تو مجھ سے کسی بڑے انعام و اکرام کی توقع رکھتی ہو تو من لو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“

”نہیں بی بی صاحبہ! آپ کو ابھی بھی میری نیت پر شک ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ کو سب بتایا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو میں زندہ دفن کر دی جاؤں گی۔“

”اچھا تم جاؤ، جو ہو گا دیکھا جائے گا، بے لگرو ہو مجھے جب تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی، تمہیں کہوں گی۔“ اس کے اندر تفکرات کا طالع برپا ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دو دن مزید گزرنے کے باوجود صدمہ نہیں آیا اور نہ ہی اس نے رابطہ کیا تو وہ بری طرح سے پریشان ہو گیا تھا لیکن بدگمانی و بدظنی اس حد تک اس کے اندر سرایت کر چکی تھی کہ وہ ایسی پریشان کن صورت حال کے باوجود گھر والوں سے رابطہ کرنے کو تیار ہو گزرتھا۔ اسی پریشانی کے احساس کو منانے کے لیے وہ ہوٹل سے نکل آیا تھا۔ ہارٹ ایک دن برس کرڑک گئی تھی۔

موسم ابھی بھی ابر آلود تھا، ہاول کبھی گہرے سیاہ ہو جاتے، کبھی ہلکی بوند ہاندى وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھی۔ جون جولائی کی بوکھلاوے والی گرمی کی جگہ ٹھنڈک، خوش گواریت نے لے لی تھی۔ موسم آج کا بھی سہانا تھا، کاراس کے پاس جمی نہیں، وہ ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ پریشانی و اضطراب اس پر کسی نحوست کی طرح چھا گیا تھا۔ کرن کی طرف سے پہلے ہی اندیشوں و دوسوسوں کا شکار بنا ہوا تھا، نئی التوا صدمہ نے ڈال دی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس طرح ان تک رسائی حاصل کرے۔ اسی اوجیز بن میں نامعلوم وہ کس لئے فٹ پاتھ سے اتر کر مرکز کے درمیان چلنے لگا تھا۔ پیچھے سے آنے والی کار کے ہارن نے اسے اپنی لٹلی کا احساس دلایا تھا۔

”آئیں میں آپ کو ڈراپ کروں گا۔“ مردانہ آواز پر اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ڈرائیور جگ ڈور سے جھانکنے والے پیرے کو وہ ایک بار دیکھ کر کبھی بھلا نہیں سکتا تھا۔ بے اختیار سلام کر کے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

”شکریہ۔ میں ایسے ہی واک کے لیے نکلا تھا۔“

”آ جاؤ یا میرا بھی آج لاگ ڈرائیو تک کا سوڈ ہے۔ اکیلے میں لاگ ڈرائیو تک کہاں مزہ دیتی ہے۔“ اس کا انداز اتنا بے تکلف و دوستانہ تھا کہ وہ نہ چاہنے کے باوجود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ منطقاتی غالتے میں کار ڈرائیور کرتے ہوئے عام سی گفتگو کر رہے تھے۔ اس نے کار ایک درمیانے درجے کے بے بوئے ہوٹل کے آگے روک دی تھی اور اترتے ہوئے بولا۔

”ہوٹل تو عام ہے مگر چائے یہاں کی بہت خاص ہوتی ہے۔ میں عموماً یہاں آتا رہتا ہوں، کئی دفعہ ڈیلی کو بھی لایا ہوں، انہیں بھی پسند آتی ہے یہاں کی چائے۔“ یقیناً تمہیں بھی پسند آئے گی۔“ وہ اسے لے کر اندر آ گیا تھا جہاں کول میزوں کے گرد کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جگہ کشادہ اور صاف ستھری تھی، جس طرف وہ بیٹھے تھے وہاں بکری کے پنوں والی کھڑکی تھی جس میں جا بجا لوہے کی سلاخیں گھری ہوئی تھیں۔ باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

اس نے چائے اور میسنری کا آرڈر دیا تھا۔ دو خاموشی سے کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا۔ باجرے کے کھیت مست ہوا سے محو رہے تھے۔ ان کے سبز پتوں پر رنگ برنگی چڑیوں کے غول اٹھکیلیاں کرنے میں مصروف تھے، ان کی ہار ایک آواز میں نہ سکوت ماحول میں سرلا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

”مزہ اکوئی پریشانی ہے؟“ اس نے چائے کا آرڈر دینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا تو اسے بڑی عذرت سے کھڑکی سے باہر دیکھنا پایا تھا۔ کچھ سینڈ تک وہ اس کی توجہ نوٹ نہیں کر سکا تو اس نے کہا تھا۔

”نہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے بھلا کیا پراہم ہو سکتی ہے۔“ اس کی گھبراتی پیش زدہ آواز سن کر وہ سیدھا بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"او کے کہتے ہو تو مان لیں ہوں مگر یقین کرنے کو دل نہیں کرتا۔" بلا کی صاف گوئی تھی جو اسے کسی کی یاد از سر نو چکا گئی۔
 "مگر میں آج کل بہت پریشان ہوں۔" چائے والا چائے اور چوٹری کی پلٹ رکھ گیا تو کپ میں چائے اڈریل کر ایک کپ اس کو سرکا کر اور دوسرا اپنے پاس رکھتا ہوا وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"خیریت تو ہے نا۔ کرن سے رابطہ ہوا؟" اس کے اندر کے دوسو سے نے بھر پور انگڑائی لی تھی۔
 "تم تو بہت پریشان ہو گئے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر بھی میں کرن کے بارے میں جانتا چاہتا ہوں۔" وہ خود کو سنبھال نہیں پایا۔

"میں ان سے کوئی رابطہ نہیں کر سکا ہوں۔ بے ہان لٹاری اور ہمارے درمیان جاری برلنس وار سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔ میں اسی کوشش میں ہوں کہ کسی طرح کرن سے بات کروں، اپنے سوال کا جواب چاہیے مجھے ان سے۔" وہ چوٹری ان کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔
 "کیا سوال کیا تھا تم نے اس سے؟" اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔

"میں اسے لائن پارٹرنر بنانا چاہتا ہوں۔" چوٹری اسے اپنے حلق میں بخشی ہوئی محسوس ہوئی، گرم گرم چائے کا گھونٹ منہ جلا گیا۔
 "اس نے کیا جواب دیا؟" حمزہ کو اپنی ساتھیوں کی محسوس ہوئیں۔

"دو شادی کرنا نہیں چاہتی، اپنی مدد کی ناکام میرڈ لائف نے اسے ہرٹ کیا ہے۔ وہ سمجھتی ہے تمام میرڈ لائف ایسی ہوتی ہیں جو اچھا خیال نہیں ہے۔" انس چائے پیتے ہوئے کرن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ بلوینز وائٹ شرٹ میں اس کی دل کش پرنٹ ہانسی نمایاں تھی۔ سرخ و سپید رنگت پر گرے کلر کی آنکھیں ذہانت سے بھر پور تھیں۔ دولت و جاہت دونوں اسے فراخ دلی سے عطا کی گئی تھیں۔ مستر او اس کی بڑے خلوص، بامروت و باور و عادت نے اسے مکمل شخصیت عطا کی تھی۔ ایسا شخص ہر لڑکی کا آئیڈیل ہوتا ہے۔ وہ خود خواہش مند تھا کرن کو اپنانے کے لیے اس سے بڑھ کر کرن کی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس نے دھواں دھواں دل کو چھکی دی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، دو مجھے مستر وکرن کی یا قبل؟" وہ حمزہ کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس صورت حال کو حمزہ کو فیس کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا، اس کے باوجود وہ حوصلہ بکڑے ہوئے تھا۔

"میں اسے اتنا نہیں سمجھتا ہوں جتنا آپ توقع کر رہے ہیں۔ ہمارے درمیان دوستی کم دشمنی کا تعلق زیادہ رہا ہے۔ میری سوچ کے برعکس ہی کرتی رہی ہے وہ۔" چائے شمع کرتے ہوئے اس نے خود کو لائق سنا پیش کیا تھا۔ دل کی غریب اور اس نے شعور کی صدا کو ترجیح دی تھی۔

دل کا کیا اہتمام، یہ ہمیشہ اپنے حق میں دلائل دیتا ہے۔ پاگل جو ضمیر اس کی راہ پر جو چلا ہے کب منزل تک پہنچا ہے۔ اس کی ترغیب بھگانے والی ہے۔ وہ بھٹک چکا تھا، ان راستوں کا راہی بن گیا جن کی بھول بھلیوں میں عمر بیت جاتی ہے۔ اجل لبیک کہہ دیتی ہے۔ حیات فنا ہو جاتی ہے، یوں ہی ہے نام و بے مراد۔

"کرن کو آپ سے بہتر کوئی اور شریک حیات نہیں مل سکتا۔"

"تم سے بڑھ کر پیار دے سکتا ہوں میں اسے؟" دل میں چلتے سوال کو بالآخر اس نے زبان دے دی تھی۔ اس کا لہجہ دھیمّا تھا لیکن حزمہ کو لگا اس ساتھیوں کے لڑائی جھگڑے سے اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جو بغیر کسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ..... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"جو تم سمجھ رہے ہو، کرن سے شادی کے خواہش مند تو تم بھی ہو۔"

"ہوں نہیں تھا کبھی، بلکہ میری حماقت تھی وہ جو میں نے ایسا سوچا تھا لیکن اب میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ شادی دو جسموں کے ملاپ کا نام نہیں ہے، یہ دو کلب، دو مزاج، دو ذہنوں کی ہم آہنگی کا نام ہے۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیاں دو جسموں میں بٹ جاتی ہیں، شادی کے بعد رات شوہر کے لیے ہوتی ہے تو دن سرسالیوں کے لیے۔ دونوں سے تعلقات بڑی محنت، صبر و تحمل، خوش مزاجی سے نبھانے پڑتے ہیں۔ دلوں میں سے ایک طرف بھی توجہ کم ہوئی تو شامت آ جاتی ہے اس کی۔ پھر کرن یہ سب کبھی بھی نہیں کرتی کیوں کہ کپہر دما نزد ہاں کیا جاتا ہے جہاں دل کا معاملہ ہوتا ہے۔ من چاہے ساتھی کا معاملہ ہوتا ہے۔ محبت کی تاثیر ہی تو سمجھوتے کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ یک طرفہ چاہیں صرف بھلانے کے لیے ہوتی ہیں اور میں بھول چکا ہوں۔" وہ اس سے نگاہ اٹھا کر گویا ہوا۔ اس نے نگاہ جھکا لی تھی۔ وہ جانتا تھا کرن اس سے محبت نہیں کرتی ہے۔ اب تصدیق ہو گئی تھی۔

"اوکے، فیک کیئر۔ میں کچھ دن انتظار کرتا ہوں، شاید وہ رابطہ کریں، ورنہ پھر مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔" وہ اٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

☆.....☆.....☆

صبح اس کے کمرے میں برہان اللہاری خود آ کر اسے ساتھ لے کر گئے تھے۔ موڈ ان کارات سے زیادہ خراب تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔ ناشتے کی ٹیبل لوازمات سے بھر گئی تھی۔

سامنے ہی آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ پر آسمانی کلر کی ریشم کی کڑھائی والی بھاری بھر کم چادر میرا اور شالوں پر اچھی طرح لپیٹے چہرے پر پڑا کر فریے طمطراق سے وہ عمر رسیدہ عورت بیٹھی تھی جس کے چہرے پر دوڑتی سرخی میں اس کی ماں کی شدت آرزوؤں و ناکام ازدواجی زندگی کا لبو شامل تھا۔ اس کی سسکی، ہلکی محرومیوں و اذیتوں سے گھائل خواہشوں، حسرتوں کا لبو بھی اس سرخی کا حصہ تھا۔

"سلام کرو، یہ راوی حضور ہیں تمہاری۔" برہان اللہاری اس کی ولی کیفیت سے بے خبر حکمانہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"السلام علیکم۔" اس نے بے تاثر لہجے میں سلام کیا اور باپ کی تھلید میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام۔" رات تو ہم تمہارا انتظار ہی کرتے رو گئے کھانے پر، تم نہیں آئیں۔ ہم نے سوچا اپنی راوی سے ملنے ضرور آؤ گی مگر ایسا بھی ہوتا ہے، ہم سے دور رکھی گئی ہو، یقیناً دل بھی محبت سے نا آشنا ہوگا۔ خیر ناشتہ شروع کرو، ہمیں تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

بڑی سادگی سے وہ اچانک عیاں کر کے ناشتے کی طرف راغب ہو چکی تھی۔ چار ملازماں نے از حد چابک دستی سے ان کو ناشتہ کروانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ مائی سکنہ والدہ حضور کی سائیز پر خدمت انجام دے رہی تھی۔ بواکل انڈے، ہاف فرائی، فیل فرائی،

آلیٹ، پراٹھے، فراکی تیرہ، بکھن، جلیپڑ، سلاٹس اور بھی نامعلوم کن کن اشیاء سے میز بھری پڑی تھی۔ اس نے ہاف ایک، ایک سلاکس اور ایک کپ چائے لی تھی جب کہ دوید کیجہ کریران تھی کہ داوی حضور وہاں موجود تمام چیزوں سے پوری طرح انصاف کر رہی ہیں۔ وہ خاصی خوش خوراک ہونے کے باوجود اسارٹ تھیں۔ برہان لغاری بھی ماں کی طرح ہر شے سے انصاف کر رہے تھے۔

اپنا ناشتہ ختم کرنے کے باوجود اسے خاصی دیر بیٹھا پڑا تھا۔ اس دوران اس کی نگاہ بے اختیار مائی سکیز کی طرف اٹھ رہی تھی جو کچھ گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔

”رات کھانے پر ہم نے تمہارے سرایوں کو بلوایا ہے۔ تیار ہو جانا، کپڑے اور دیگر سامان منال کی وارڈروپ سے لے لینا۔ وہ کل اپنے گھر چلی گئی ہے۔“ ناشتہ کرنے کے بعد وہ کرن سے تھکاتہ انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

”سسرالی؟ کل شام کو میں آئی ہوں، اتنی جلد میرے سسرالی کہاں سے آگئے؟“ وہ بلا جھجک ان سے مخاطب ہوئی تھی۔ انہیں نے آنکھیں اٹھا کر پہلے بیٹے کی طرف دیکھا جو جس پیتے پیتے کرن کو تنہی نظروں سے دیکھنے لگے تھے، پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

”کل شام کو تم یہاں آئی ہو، دنیا میں آئے تو تمہیں کئی برس گزر گئے۔ ہمارے حساب سے تمہاری عمر بہت ہو گئی ہے، کیونکہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہونے سے قبل ہی رشتے میں باندھ دیا جاتا ہے اور سولہاں برس لگتے ہی شادی کر دی جاتی ہے۔ یہ ہمارے خاندانی اصول ہیں۔“ ان کے انداز میں شاہانہ پن و غرور تھا۔

”آپ کے خاندان میں یہ اصول نہیں ہیں کہ رشتہ کرنے سے قبل لڑکی کی مرضی بھی معلوم کی جائے؟“ وہ ہاپ کی گھورتی نظروں کی پروا نہ کرتے ہوئے ان سے مخاطب تھی۔

”نہیں۔“ وہ غصے سے گویا ہوئیں۔

”اس کا حکم ہمارا مذہب دیتا ہے، شریعت دیتی ہے۔“

”خاموش رہو، تمہیں شرم نہیں آ رہی ایسی نازیبا گفتگو کرتے ہوئے؟“ برہان لغاری جوں کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے دھاڑے اور ساتھ ہی موجود ملازموں کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ چاروں برق رفتاری سے گئی تھیں۔

”میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کہی۔“ وہ رتی بھر مرعوب نہ تھی ان سے۔

”خاموش رہو، تمہارے وعظ کی ضرورت نہیں ہے، میں۔ کیا سمجھ ہے، کیا غلط، یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”میں نے منع تو نہیں کیا لیکن میں کسی کی اترن استعمال کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ صرف اور صرف اپنی چیز بھاتی ہے مجھے۔“

”ٹھیک ہے۔ شاہجگ کر کے آ جانا شو فر لے جائے گا۔“ برہان لغاری ماں کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں چاہتے تھے جس سے ان کی سبکی یا حکم عدولی کا پہلو نکلے، سو بہت آرام سے وہ کریڈٹ کارڈ اس کی طرف اچھالتے ہوئے گویا ہوئے۔

"تہا نہیں جاؤ گی، سیکڑ ہوگی تمہارے ساتھ۔" یہ والدہ حضور کا حکم تھا۔ وہ سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔ وہ دونوں ماں بیٹے دیکھتے رہ گئے تھے۔

"آؤ..... ہا! نہیں بے میرے بیٹے کے نصیب میں اولاد کا سکھ۔ مثال سے کہی نہ کہی اچھی ہونے کی توقع تھی اور اس سے تو بالکل ہی نہیں ہے۔ ماں کی طرح ہی اکڑو بدبہ ہے۔ کسی کو اپنے آگے گردانا وہ بھی نہیں جانتی تھی۔" کرن کے جانے کے بعد دکھ بھرے لہجے میں بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"ہم نے بھی اس کی ادقات پر ہی اسے رکھا تھا۔" وہ دعوت سے بولے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد برہان لغاری چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آگئیں۔ پیچھے پیچھے سیکڑ بھی چلی آئی تھی۔

"کان کنول کرن لے، بی بی کے ساتھ بازار جانا ہے، اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، اگر وہاں وہ کسی سے ملے، کسی سے خون پر بات کرے تو نظر رکھنا ہے اور آکر مجھے ایک ایک بات بتانی ہے۔ اگر ذرا بھی چوک ہوئی تو تیری کمال میں بھس بھرنا کر چڑا ہے پر لڑکا دوں گی۔" ان کے لہجے میں سفاکی دور بندگی تھی۔

مائی سیکڑ کے ہاتھ تو پہنے ہی چڑے ہوئے تھے، جھکی گردن زور زور سے ہلا کر کہنے لگی بڑی عاجزی دکھاتے ہوئے۔

"بڑی مالکن! آپ کو کسی شکایت ملی ہے، جو اب ملے گی۔"

"جانتی ہوں، تب ہی تجھے ساتھ بھیج رہی ہوں۔" ان کے اعداد میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔

مائی سیکڑ کی رات کی باتوں کی تصدیق ہو چکی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ کس قسم کے لوگ تھے جو اس سے خونی رشتے رکھنے کے باوجود اس سے کس جرم کا انتقام لے رہے تھے؟ خونی رشتے رکھنے کے باوجود اس کے دشمن ثابت ہو رہے تھے۔ اس کی ذات کا، زندگی کا خون کرنے کے ورپے تھے۔

"اتنی آسانی سے میں ان کی خواہشوں کو پورا نہیں ہونے دوں گی، جو جنم میری ماں کے لیے تیار کیا تھا، ویسا میرے لیے بھی تیار کیا جا رہا ہے مگر میں ان کی حیات بھی ایسی دہکتی ہوئی آگ کی طرح بنا دوں گی کہ مرنے کے بعد بھی ان کے چہروں سے سیاحی نہ اتر پائے گی۔" اس نے ایک اہم و تہی فیصلہ کرتے ہوئے سوچا اور شوٹنگ پر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے سیکڑ! دیکھتی ہوں تم اپنے وعدوں میں، دعوؤں میں کس حد تک پوری اترتی ہو۔" کمرے سے نکلنے سے قبل وہ اس سے بولی۔

"یہ آپ کو آزمانے کے بعد ہی پتہ چلے گا بی بی جی۔" وہ شوگر کے ہمراہ گاڑی میں روانہ ہو چکی تھی۔ مائی سیکڑ فریٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ کچھلی سیٹ پر تہا بیٹھی تھی، جو فیصلہ اس نے تنہا کیا تھا اس فیصلے نے اس کے امداد طوفان برپا کر رکھا تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا اپنے بچاؤ کے لیے، آج ہی کرنا تھا، پھر کیا مظلوم تھا؟

وقت ملے نہ ملے۔

نعیب موقع فراہم کرے، نہ کرے۔

نعیب سے شاکی وہ اوّل روز سے ہی تھی مگر امید کا دامن ابھی چھوٹا نہ تھا۔ گاڑی ایک جھکے سے رکی تھی۔ ڈرائیور نے دیکھا، ٹائز بچھڑا دیے۔

"بی بی صاحبہ! ایکسٹرا ٹائز لگانے میں کچھ دیر لگے گی۔" شو فراس سے موہا نہ انداز میں گویا ہوا۔

"اچھا۔" ڈائری بورڈ کے اوپر شاید وہ ڈرائیور کا ہی سیل فون رکھا ہوا تھا، اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اسے لگا نعیب کو اس پر ترس آ گیا ہے۔ اسی چیز کی تو اسے تلاش تھی۔ برہان لغاری سے اس نے کتنی کوشش کی تھی مگر نام کام رہی تھی، اب کامیابی ہاتھ آئی تو وہ اسے مٹوانے کی حتمی نیت تھی۔

"سیکنڈ ایجنسے واش روم جانا ہے، سامنے ہوٹل میں پوچھو کہ وہاں واش روم ہے۔" وہ سامنے بے ہوٹل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔
"وہاں واش روم ہو گا بی بی، پر آپ کے قافلے نہیں۔" وہ ہنسی کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے جانا ہے تم معلوم کر کے آؤ۔" وہ سخت لہجے میں بولی تو سیکنڈ گاڑی سے اتر گئی۔ اسے اترتے دیکھ کر اس نے سرعت سے آگے بڑھ کر موبائل اپنے قبضے میں کیا۔ سیکنڈ کو باز دیکھ کر شو فراس کی طرف آیا تا کہ اس کے اترنے کی وجہ معلوم کر سکے۔ سیکنڈ کے ہاتھ پر وہ تیزی سے ٹائر کے نٹ ٹائٹ کر کے اس کے ساتھ ہوٹل کی طرف بڑھ گیا تا کہ اس کی گھبراہٹ میں واش روم صاف کر دے۔

دو لوں اطراف کھیتوں کا سلسلہ تھا، سامنے دو درمیانے درجے کا ہوٹل تھا جہاں ڈرائیور اور سیکنڈ جا رہے تھے۔ ان کے کچھ آگے بڑھتے ہی کرن نے تیزی سے نمبر پش پش کیے۔ تیسری بل پر کال ریسیڈ ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس کے موبائل پر مسلسل بل ہو رہی تھی۔ حذر نے ریسیڈ کیا تو دوسری طرف کوئی لڑکی تھی۔

"ہیلو..... ہیلو۔" ہیلو نام کیا ہوا ہے؟ "بہت معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔ وہ جو صبر کا فون بچھڑا تھا، وہ آواز سن کر ذہن الجھ سا گیا۔ اس نے دستِ واضح میں دیکھ کر ماتم بتا دیا۔

"اوہو..... کل بھی یہی نام ہو رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟" دو حیران ہوا۔

"کوئی نیام نام نہیں۔" دوسری طرف سے شریہ انداز میں اصرار ہوا۔

"ایڈیٹ! شرم نہیں آتی کسی کا نام ویسٹ کرتے ہوئے۔" اس نے جھنجھلا کر آف کیا تھا، اسی دم سلام کی آواز سن کر پلٹا تھا۔

صبر اندر آ رہا تھا۔

صدمہ کو دیکھ کر اس کی مسرت سے وہی حالت ہوئی جو پیاس سے لبِ دمِ شخص کی بے اختیار پانی کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہ اس سے لپٹ گیا تھا۔

”کہاں چلے گئے تھے تم؟ نہ کال، نہ میسج؟ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔“ دل پر اسے بوجھ آ کر رہے تھے کہ وہ اپنی جذباتیت پر قابو نہ رکھ سکا تھا اور آنسو چھٹکنے لگے تھے۔ صدمہ حیرانگی و تاسف سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

وہ چھٹ سے نکلتی جسامت، سرخ و سپید رنگت، مضبوط و توانا جسم و اعصاب رکھنے والا مرد بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ صدمہ کا دماغ شل ہونے لگا۔ اس نے اسے ہمیشہ جیتے مسکراتے دیکھا تھا۔ آنسوؤں سے وہ واقف ہی نہیں تھا اور اب۔۔۔

”کچھ تو کہو، کیا ہوا ہے؟ کہاں تھے؟“ اسے بھی اپنی جذباتیت کا احساس ہوا تو وہ چہرہ صاف کرنا ہوا گویا ہوا۔

”میں یہیں تھا، مگر کے جنگلوں نے مہلت نہیں دی جو رابطہ کرتا۔“ وہ تھکا تھکا سا اس کے بیڑ پر لیٹے ہوئے بولا۔

”جنگلوں سے کرنا اور پھر مل بیٹھنا اس گھر کی عورتوں کا طریقہ خاص رہا ہے۔ اس میں نئی بات کیا تھی جو تم سدھ بدھ بھول گئے۔“ حزرہ کا لہجہ بے زاری سے مہر پڑ رہا تھا۔

”نئی بات کیا، نئی نئی حرکتیں ہونے لگی ہیں مگر میں۔ سکون و چین تو گویا کھو چکا ہے، دونوں چچیاں مئی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ادھر مئی ان کی شکلیں دیکھتا تو دردِ کسارا و زحمت سننے کی ردِ ادوار نہیں ہیں۔ تینوں ایک دوسرے پر الزامات کی بارش کرتی رہتی ہیں۔ مگر مگر

نہیں میدانِ جنگ بن گیا تھا جس کا صلہ پاپا نے یہ لگا لگا کہ تینوں بھائیوں کو علیحدہ علیحدہ رہائش رکھنی چاہیے، تاکہ آپس میں روابط کو استحکام نصیب ہو، ورنہ ٹوٹ تو گئے ہیں اگر کھر گئے تو سمٹ نہ پائیں گے۔ دونوں چچا مان کر نہیں دے رہے تھے، بار بار پاپا کے سمجھانے یا ہر دم بڑھنے والی جی جی نے انہیں فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا، بس اسی بھاگ دوڑ میں، نہیں آئیں سکا۔ پل فون میرا کھو گیا ہے، نا معلوم کہاں رکھ کر بھول گیا ہوں۔ اب نیا لوں گا۔“

”تھمبیکس گاڈ! درد میں تو ڈری کیا تھا۔“

”تمہارا کیا ارادہ ہے؟ یہ جوگ کب تک برقرار رہے گا؟“ وہ حزرہ کی طرف دیکھتا ہوا بیجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

”جوگ، یہ جوگ کیا ہوتا ہے؟“ وہ مسکرایا تھا۔

”اسی رویے کا نام ہے جو تم نے اپنا رکھا ہے۔ پہلے کے لوگ عشق کی ناکامی کا درد لے کر مگر، مگر والوں سے دور، صحراؤں، ویرانوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ دنیا و دنیا داری سے ہر تعلق ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر۔ یہی حال تمہارا ہے، فرق ہے تو حالات و وقت کا۔“

”کیا فرق؟“ صدمہ کی بات سے لطف لیتے ہوئے استفادہ کیا۔

”پہلے لوگ اتنے آرام پسند، سمجھ دار نہیں تھے تمہاری طرح۔ صحراؤں کی خاک چھانتے، جنگلوں میں بیٹھنے اور ویرانوں میں بے خود ہونے کے بجائے تمہاری طرح فحاش سے جوگ بتاتے۔“ اس نے منہ سے جواب دیا۔

”چائے پیو گے؟“ دو انٹرکام کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”ہوں..... تنگی اور پوچھ پوچھ“۔

”چائے کے ساتھ کچھ اور لو گے؟“

”جو دل چاہے منگواؤ“۔ حمزہ نے آرزو دے دیا تھا، صدکیوں کے سہارے نیم دروازہ ہو کر حمزہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟“

”ان چند دنوں میں کتنے بدل گئے ہوں۔ تمہاری شخصیت بری طرح کچلی جا رہی ہے تمہاری اپنی بے حسی سے، ابھی سوچا تھا تم اس طرح سب کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گے۔ چند سالہ محبت کے پیچھے برسوں کی محبتوں کو چھوڑ بیٹھو گے، یہ کیسی محبت ہے تمہاری جس نے تم کو اتنا خود غرض و غیر ذمے دار بنا دیا ہے کہ تمہیں اب کسی کی پروا ہی نہیں ہے۔ یہ کیسی محبت ہے جو سب سے نفرت پیدا کر گئی ہے۔“

”غلط بیانی سے کام مت لو، تم سب جانتے ہو اس کے باوجود اس طرح کہہ رہے ہو۔“ صدکی بات پر وہ تڑپ کر پولا۔

”میں صحیح کہہ رہا ہوں، ایک کرن کی خاطر تم نے سب کو چھوڑا ہے۔“

”غلط، بالکل غلط۔ فوشا بہ پھوکی موت میرے لیے سب سے بڑا احمدمدہ ہے۔ ان کے ساتھ کی گئی زیادتوں نے مجھے سب سے بدظن کیا ہے، ورنہ گھر والوں کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا میں۔“

”دروازہ تاک کیا گیا تھا، حمزہ نے کھولا تو سامنے وینز کے بجائے کسی دوسری ہستی کو دیکھ کر اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔“

☆.....☆.....☆

انس، حمزہ سے ملنے کے بعد مطمئن ہو چکا تھا۔ اس گئے دل میں جو ایک خیال تھا کہ حمزہ کرن سے محبت کرتا ہے اور اس کے حصول کا ارادہ بھی رکھتا ہو گا لیکن اس کے اندازے غلط ثابت ہو گئے تھے۔ حمزہ نے بہت فراخ ولی سے ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کے حوصلے و ظرف نے انس کے دل میں اس کی عزت و توقیر دو چہرہ کر دی تھی۔

تب سے اب تک وہ سوچوں کے گھوڑے دوڑا رہا تھا کہ کس طرح کرن تک پہنچے۔ حسب توقع برہان لغاری کی طرف سے وہ پابندیاں سامنے تھیں جس کی توقع وہ قبل از وقت کر چکے تھے۔

”کرن میری محبت نہیں ہے، نہ ہی کسی اور لڑکی سے میں اب محبت کر سکتا ہوں۔ دل کا گھر تو فقط ایک بار ہی ہوتا ہے یا اجڑتا ہے اور میرا دل اجڑ چکا ہے پھر بھلا جلتے ہوئے چراغ کب جلتے ہیں؟ مستعار لی گئی روشنی دل کی سیاہ راہوں پر کب ساتھ چھوڑ جائے، کوئی بھروسہ نہیں ہے۔“

”پھر کرن کا حصول کیا معنی رکھتا ہے؟ کیوں اسے پانے کو بے قرار ہو رہے ہو؟“ سوچوں کے گرداب میں ضمیر کی صدائے احتجاج بلند ہوئی تھی۔

انسان سب سے جھوٹ بول سکتا ہے، غلط بیانی سے کام لے سکتا ہے مگر خود سے کبھی خود کو نہیں چھپا سکتا، جھوٹ نہیں بول سکتا، جتنا سچ وہ خود سے بولتا ہے اتنا کسی اور سے کبھی نہیں بول سکتا۔ کرن میری خواہش نہیں ہے، پر میری خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ ضرور بنے گی جس طرح چلتے کڑھتے، روتے بلکے، مزے چکے سکتے ہیں نے وقت گزارا ہے..... گزار رہا ہوں، اسی طرح وہ بھی لمحہ لمحہ دھشتوں واڈتوں میں مقید ہو کر گزارے گی۔

وہ قافل حسن و دل رُبا داکمیں جلوؤں کی مالک۔ جو کبھی رگ جاں و حاصل زیست تھی۔ محبت کا خمار اس کی مدہوش نگاہوں سے ہی چڑھا تھا۔ پہلی بار دل نے انوکھے انداز میں دھڑکنے لگا تھا، وہ محبت کی مسافتوں کو ابھی پوری طرح طے کر بھی نہ پایا تھا کہ معلوم ہوا وہ ہستی بسنے سے قبل ہی اُجڑ گئی۔

مناں نے بہت بلندی سے نیچے پھینکا تھا، وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جس کی طرف سے پہل ہوئی تھی، جس نے از خود اسے راغب کیا، جو خود ہاتھ تمام کر اس کے آگے بڑھی تھی، مین منزل کے قریب لا کر تباہ چھوڑ جائے گی، از حد مصوم و دل کش نظر آئے والی وہ کامنی لڑکی اتنی سفاک، بے رحم و بے احساس نکلی گی۔ ماضی کے کئی مناظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے تھے۔

پہلے آنکھیں بند کر کے وہ ان مناظر سے ایک سرد خوشی، ایک تسکین حاصل کرتا تھا۔ اندر، باہر کیفیت و سرور کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ سوچتا تھا، یہ کیفیت دور نہ ہو۔ اب یہ یادیں سانپ اور بچہ کی طرح ڈسنے لگی تھیں۔ وہ فوراً آنکھیں کھول لیا کرتا، اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولی تھیں مگر یہ کیا.....؟

وہ سامنے تھی۔

نہ معلوم بصارت کا دھوکہ یا دماغ کا کوئی فریب۔ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

”ہیلو! کاش آج خدا سے کچھ اور بھی مانگ لیا ہوتا تو وہ بھی مل جاتا“ زرد فراء زور، سرخ زور و پرہیز سلیوئیس شرٹ میں گہری سرخ لپ اسٹک سے ہونٹوں کو دھکائے وہ سامنے کھڑی تھی حقیقت بن کر۔

”خدا سے مانگنے کی آرزو وہ لوگ کرتے ہیں جو خدا پر یقین کرتے ہیں، آپ جیسے لوگ تو پراپرٹی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، پھر آج یہ آرزو کیسے جاگ اٹھی؟“

ایک لگاؤ اسے دیکھ کر وہ نظریں جھکا چکا تھا۔ وہ بغیر دعوت کے کری تھسٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی تھنہ نظریں اس کے دیدار سے سیراب ہونے لگی تھیں۔

”اوہ، کیا آپ ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے؟“ اس نے ہاتھ سے شانوں پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے شوشی سے پوچھا۔

”میں کسی پر کفر کا دعویٰ کر کے گناہ گار نہیں ہونا چاہتا“۔ وہ سپاٹ لہجہ میں بولا۔

”یہاں جم کب سے آرہے ہو۔“

”زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔“

”بزئس کے علاوہ آج کل کیا مصروفیات ہیں؟“ وہ جو عشق کی آگ میں جل کر راکھ ہو چکی تھی اس کی جدائی اسے مارے ڈال رہی تھی۔ گو ہر مقصود سامنے دیکھ کر وہ دیوالوں کی طرح چلی آتی تھی جبکہ وہ بے گانہ بنا بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے خوشی و دکھ، حیرت یا نفرت کسی بھی جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

سپاٹ انداز

سرورویہ

کنڈ چھری سے گویا ذبح کر دیتے ہیں، بڑے قاتل انداز ہوتے ہیں یہ۔

”انس آپ ناراض ہیں؟“ وہ اس کی کچ ادائی برداشت نہ کر پائی۔

”کیوں؟“ اس کا انداز سپاٹ تھا۔

”ایسے مت بنو جیسے جانتے نہیں ہو۔“ انس کی آنکھوں میں آگئے۔

”اب دیسے بننے کا قائدہ بھی کیا ہے؟“

”بزئس میں ہو، نفع نقصان کی بات کر سکتے ہو۔ دل کے معاملوں میں بزئس اسکیل نہیں آتا ہے۔“ وہ نزاکت سے لٹو پیر سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی۔

”ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔“

”میں اس تعلق کو پھر جوڑنا چاہتی ہوں، جو میں نے ہی توڑا تھا۔“ وہ آہستگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

انس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، وہ بھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ گہری گہری استحقاق بھری نگاہوں سے لمحے بھر کودوڑوں کی نگاہیں ملتی تھیں۔ مثال کے سرخ ہونٹوں پر جان دار مسکراہٹ ابھری تھی۔

”میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، صرف اور صرف تمہارے ساتھ، تمہاری بن کر۔“ وہ گویا بے خودی کی لہر میں بہہ رہی تھی۔

انس اس کی بات پر شاکہ و جاہد سا بیٹھا رہ گیا تھا۔ اسی وقت اس کے پرسنل سٹیل کی ٹیون آن ہوئی تھی۔



اس نے سیل اسکرین پر اجنبی نمبر دیکھ کر حجب انداز میں کال ریسیو کی تھی۔ دوسری جانب سے جس نے اسے مخاطب کیا وہ لمحے بھر کو اسے چونکا گیا تھا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں سامنے بیٹھی منال پر اٹھی تھیں جو بڑی وارنگی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر اس کی دل فریب مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی جبکہ وہ اپنی نگاہیں لگاواں پر ڈال کر تنہا ہی سے کال پر متوجہ ہو گیا تھا۔

”کتنا ٹائم لگے گا آپ کو وہاں تک پہنچنے میں؟“ دوسرے واقعہ دیکھتا ہوا دوسری جانب سے جواب سننے لگا تھا۔

”اُس اُدکے۔ ایک گھنٹے بعد میں آپ کو وہیں پر ملوں گا۔“ سیل آف کر کے اس نے کوٹ کی جیب میں رکھا، اس کے تھکنس میں بے رہ بڑی الجھل پیدا ہو گئی تھی۔ رگ و پے میں تیزی سے گردش کرتے خون میں پیدا ہونے والے تجسس و الجھن کے تاثرات کو چہرے سے ہویہ ہونے سے بمشکل روک سکا تھا۔

”کسی فریڈ کی کال تھی؟“ منال نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہوں۔“ وہ بھی جواباً مسکرا کر اثبات میں سر ہلا سکا تھا کہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ کس کا فون تھا اور کیوں تھا تو یہاں وہ اس المیہ خانہ و سکون سے نہیں بچ سکتی تھی۔ ایک ہنگامہ قبل از وقت شروع ہو جاتا۔

”کوئی ایمر جنس کال تھی؟ خاصے ڈسٹرب سے ہو گئے؟“

”ارے..... نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو خواہ مخواہ ہم ہوا ہے۔“

”جیسے وہم ہوا ہے، وہم ہو بھی نہیں سکتا، جس شخص کو ہم اپنی لڑیت سے بڑھ کر چاہیں، اس کے جذبات، احساسات، کیفیات ہملا ہماری آنکھوں سے، ہمارے احساسات سے کس طرح سے غنی رہ سکتی ہیں اور تم تم تو میرے دل میں دھڑکن کی طرح بٹے ہو اور جب دھڑکنیں بے ترتیب ہوں تو دل بے امن کہے رہ سکتا ہے۔“

اس کے ایک ایک لفظ میں دیکتے جذبوں کی حکایتیں پہاں تھیں، مدت بعد اسے کوہر مقصود ہاتھ لگا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی، اس اتفاقہ ملاقات کا کوئی لمحہ رائیگاں جائے۔ اُس کی سادہ مزاجی و احتیاط پسندی سے واقف تھی۔ اسے معلوم تھا پانچ سال قبل وہ جتنا کم گو، شرمیلہ، تنجید و طبیعت کا مالک تھا وہی خصوصیات اس میں اب بھی موجود ہیں۔

اس کے مزاج میں سر نہ فرق نہیں آیا تھا۔

وہی انداز تھا، وہی شخصیت، وہی بے نیازی و متانت وہی وقار، وہی وجاہت۔

جس پر مرنے کو دل چاہتا تھا، وہ مرنے لگی۔

”اتنا دغوی ہے مجھے سمجھنے کا؟“ وہ کچھ جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس انداز میں گویا ہوا کہ محال کی دھڑکنوں میں دل فریب اشتعال سا پیدا ہو گیا۔

اُس کا بھاری لہجہ، مخمور نگاہوں کا قاتل انداز، اسے خوشی سے نہال کر گیا، دو سوچ رہی تھی اسے مٹانے کے لیے، اپنی نئی محبت کا

یقین دلانے کے لیے، نہ معلوم کتنے جتن کرنے پڑیں گے، کتنی مسافت طے کرنی پڑے گی، پھر نہ معلوم منزل تک پہنچ پائے گی یا نہیں.....؟
مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

قسمت نے ہمیشہ کی طرح اس کے آگے سرنگوں کیا تھا۔

”یس“۔ وہ ادائے دل رہائی سے اٹھلائی تھی۔

”کیا لوگی؟“ وہ گویا جواب ہو کر بولا۔

”اس وقت تو صرف تمہاری دید سے سیراب ہونا چاہتی ہوں“۔

”خاصی دیدور ہوگئی ہو، بٹ آٹم سو ری، مجھے ابھی جانا ہوگا، کوئی میرے انتظار میں ہے۔“ وورسٹ داغ پر لگاؤ ڈال کر فوراً محبت میں کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اس کی تقلید میں مثال بھی کھڑی ہوگئی تھی اور اس کے اس جملے کے ایک لفظ ”کوئی“ نے اس کے چہرے کی رنگت اڑا دی تھی۔

”تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے جس سے تم ملنے جا رہے ہو؟“

”نہیں نے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی کیفیت اس سے پوشیدہ نہ ہو سکی۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”گرل فرینڈ نہ کبھی پہلے مل چکی تھی اور نہ اب ارادہ ہے۔“

”اوہ..... سو ری میں یس“۔ وہ غصے سے ہوگئی۔

”یہ دعویٰ ہے مجھے مجھ سے زیادہ جانتا؟“

”میں نے کہا نہ بابا اسو ری۔ ایسا ہو جاتا ہے کبھی کبھی، دراصل تم جس چیز سے اٹھ رہے ہو، یہ اعزاز کسی اسٹیکل پرسن کے لیے ہوتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے وہ اسٹیکل پرسن میل ہوگا، فی میل نہیں“۔ اس نے یس کر اپنی غلط فہمی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں، تم نے چھڑ کر کس طرح لائف لیٹ ہوئی، اس کا لمحہ لمحہ میں تم سے شیئر کرنا چاہتی ہوں، مجھے احساس ہے میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی تھی، بے حد دل دکھایا تھا، جس کی بڑی سزا بھگتی ہے، زندگی کا ہر پہلو مجھ سے میری نا بھگی کا تاوان لے کر گزرا ہے۔“ وہ اس کے سنگ چل رہی تھی پور نیکی کی جانب، جہاں اس کی کار پارک تھی۔

”مجھ میں طاقت نہیں رہی مزید اسٹرگل کرنے کی، اب زندگی میں تمہارے ساتھ، تمہاری ہانپوں میں گزارنا چاہتی ہوں، تاکہ خود کو زندہ محسوس کر سکوں“۔ اس کی غم آواز مکر و فریب سے مبرا سچائی و گن سے لبریز تھی۔

”او کے، اب مجھے اجازت دو“۔ وہ اپنی کار کے قریب کھڑا ہو کر بولا۔

”میری بے قرار یوں کا یہ جواب ہے؟“ وہ سخت دل برداشتہ ہو کر گویا ہوئی۔

”محبت اتنی کمزور نہیں ہوتی جس کو لفظوں کے سہاروں کی ضرورت پڑے، یہ اپنا آپ خود منواتی ہے۔ لفظوں کا سہارا اس کی حرمت کو داغ دار کر دیتا ہے۔“

”ہاں..... شاید میرے حواس میرا ساتھ چھوڑنے لگے ہیں، میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”میں بھی تم سے دوبارہ ملنے کا خواہش مند ہوں۔“ وہ کوٹ کی جیب سے وائٹ نکال کر اس میں سے وز پٹنگ کا رڈ نکال کر اس سے

پکڑاتے ہوئے گویا ہوا۔

پھر یہی الوداعی کلمات کے بعد افس کار لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ منال اس وقت تک اس کی کار کو دیکھتی رہی، جب تک وہ نکلا ہوں سے اوچھل نہ ہوئی۔ پھر اس نے مٹھی میں دبے کارڈ کو اس طرح خوشی سے چومنا، گویا منت اقلیم کی دولت کا راز پالیا ہو۔ خوشی سے اس کا آنکھ تک اٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

السلام علیکم بر خوردار! اندر آئیں یا باہر سے ہی واپس لوٹ جائیں؟“ وہ جو خلاف توقع باپ کو سامنے دیکھ کر ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔ استغاب، بے یقینی، حیرانگی ایک سرخوشی کے بلکے سے جذبے نے اسے تنگ کر ڈالا تھا۔ عام صاحب کی بد شفتی وہ کچھ کچھ ٹھنکی جھلکاؤں آواز نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

”پاپا!“ وہ بے ساختہ ان کے سینے سے لپٹ کر آبدیدہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے بھی بڑی محبت سے اسے سینے سے لگا کر بھینچا تھا۔ آنکھوں میں ان کے بھی نمی در آئی تھی جس کو ضبط کرنے کی انہوں نے سعی بھی نہ کی۔

مزد انہیں ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا تھا۔ ممد گوگو کی کیفیت میں بیٹھا تھا۔

”پاپا! آپ یہاں؟“ ممد سکتے کی کیفیت سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

”بر خوردار اگلی دلوں سے مجھے شہ تھا کہ آپ ایک مقررہ وقت پر مگر سے غائب رہنے لگے ہو، میں نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے تمام فریڈز سے کال کر کے آپ کی وہاں موجودگی کا معلوم کیا وہاں سے نفی میں جواب ملتا رہا اور میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے، اپنے گمان کو یقین میں بدلنے کے لیے میں دوسرے آپ کے پیچھے آیا مگر دونوں مرتبہ میں آپ کی کار کو فائونڈ کر سکا مگر آج تقدیر نے مجھے کامیاب کر دی دیا۔“ وہ احتما و بھرے انداز میں بات کر رہے تھے۔ دیر چائے اور دیگر لوازمات کی لڑائی نے آیا تھا۔

چائے بے حد خاموشی کے دوران پنی گئی تھی۔ عام صاحب کسی سوچ کی غمگینی میں گم تھے۔

ممد تر جمی تھ ہوں سے کبھی عام صاحب کی جانب دیکھتا تو کبھی مزد کی جانب، مزد نظریں جھکائے چائے پنی رہا تھا۔ اس کے انداز میں سپاٹ پن ظاہر تھا۔ تین انفس کی موجودگی کے باوجود کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔

مزد اپنی جذباتی کیفیت کو سنبھال چکا تھا جوا چانک باپ کو دیکھ کر اس پر طاری ہوئی تھی، اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی ابھر آئی تھی۔

”آپ کی یہ طویل خاموشی ظاہر کر رہی ہے کہ آپ کی ناراضگی میں ابھی تک سرسوفرق نہیں آیا ہے۔“

”ناراضگی کیسی پاپا! ابھی تک میں خود کو سمجھ نہیں پایا ہوں، ایسا لگتا ہے میں نے جو کچھ کیا وہ فتنوں و بے معنی ہے۔ زندگی کا مقصد،

مستقبل کا یقین کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ کیا ہو گیا ہے اور کیا ہوگا؟“

”سب ہو گا جیسا! اور اچھا ہوگا، بس بعض اوقات ہم جو فیصلے نہیں کر پاتے ہیں تو تقدیر ہمارے فیصلے کرتی ہے۔“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں سمجھا رہے تھے۔

”مگر چلو بیٹا! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ اس طرح گھر چھوڑ دینا دانا ہی نہیں ہے۔ ہمارا آج ہمیشہ ہمارے کل پر بھاری رہتا ہے۔ دقت خود کو دہراتا ہے۔ کل میں اپنے آپ میں گمن ہو کر اپنے فرائض، اپنے حقوق کی ادائیگی اور شے فراموش کر چکا تھا تو دیکھو آج مجھے گزرے ہوئے کل نے شرمندگی، ملال و تاسف کے سوا کچھ نہ دیا۔ اب میں سوچتا ہوں کاش، اکوئی مجھڑ ہو جائے اور میں اس وقت کو دوبارہ حاصل کر لوں، جب مجھ سے کوتاہیاں ہوئی تھیں لیکن اب مجھڑے کہاں۔ ہم ٹیکسوں سے، دھتوں سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ اپنے اعمالوں کے سبب، ہر سزا سے کڑی سزا، خمیر کی سزا ہوتی ہے، جس سے آپ کو مرتے دم تک رہائی ممکن نہیں ہوتی ہے۔ سو میں خوشی یہ سزا پا رہا ہوں لیکن نہیں چاہتا کہ یہ سلسلہ دراز ہو، کل میں ہارانی میں مگر سے اور رہتے سے غافل رہا، آج تم جذبات میں یہ غلطی کر رہے ہو۔ دقت گزر جانے پر احساس بیدار ہوگا تو اس وقت تک کافی دیر ہو چکی ہوگی۔ تو دقت گزر جانے سے بہتر ہے، اپنے کل کو ہم آج سنوار دیں، نہ پھیلائیں کہ دورانی کے یہ سلسلے جو اس طرح قائم ہوتے ہیں۔“ باپ کی کمر و آواز، پشیمانی و دکھ میں لرزاں ایک ایک لفظ اس کے تاریک درپنوں کو روشنی فراہم کر رہا تھا، وہ بھی تو ان سے چند دن دور رہ کر جلاں گیا تھا، انہوں سے دور وہ کر زندگی، زندگی نہیں رہتی، سزا بن جاتی ہے، پھر مکافات عمل تو ازل سے چلا آ رہا ہے۔“

”پاپا تمہارے پاس بڑی اُمید لے کر آئے ہیں، کیا انہیں مایوس لوٹاؤ گے؟“ اسے سوچوں میں غلطیاں دیکھ کر صبر کو کبھتا پڑا۔

”پاپا نے صحیح کہا ہے، مکافات عمل کا سلسلہ دراز نہیں ہونا چاہیے اور یہ بھی درست ہے کہ جذبات میں اٹھائے گئے قدم کبھی کامیاب راستوں پر کا مزن نہیں ہوتے ہیں، میں مگر چل رہا ہوں۔“

☆.....☆.....☆

وہ فیصلے جن کو کرنے میں بعض اوقات دقت مشقی میں بندیت کی طرح نکل جاتا ہے کبھی لمحہ بھر میں بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ وقت نے اس سے کروایا تھا۔ وہ خود کو تقدیر کے سمندر کی لہروں کے سپرد کر چکی تھی کہ وہ اسے غرق کرتی ہیں یا کنارے پر چھوڑ جاتی ہیں۔

موہاں کے اس مدثر کا نمبر ڈیلیٹ کر کے اس نے واپس دیں رکھ دیا، جہاں سے اٹھایا تھا، چند لمحوں بعد ڈرائیور کے ہمراہ مائی سیکنڈ آئی ہوئی نظر آئی، پھر قریب آ کر بولی۔

”چلیں بی بی صاحبہ! میں وہاں صفائی کروا کر آگئی ہوں۔“

”اب ضرورت نہیں ہے، واپس چلو۔“ اس کے حکمیہ انداز پر وہ خاموشی سے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا کہہ کر بیٹھ گئی۔

گاڑی سبک رتھاری سے رواں دواں تھی۔

طارق روڈ شاپنگ سینٹر کے پارکنگ لائٹ میں گاڑی رک گئی تھی۔ وہ مائی سکیڈ کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گئی، یوتیک سے اس نے چند سوس جلدی جلدی خریدے تھے، وہیں سے ہی سینڈلز بھی مل گئی تھیں، جیوری اس نے لی نہیں تھی۔ پندرہ منٹ میں وہ اپنی شاپنگ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ دو سوٹ مائی سکیڈ کو بھی دوا چکی تھی، جس نے نہ نہ کرنے کے بعد وصول کر لیے تھے۔

”مجھے اپنی ایک دوست سے ملنے جانا ہے۔ میں ایک گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی، تب تک تم اپنے لیے کچھ خریداری کرلو، پھر سامنے والے ریٹورینٹ میں بیٹھ جانا، میں وہیں آ جاؤں گی۔“ وہ شاپنگ سینٹر کے دوسرے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے مائی سکیڈ سے مخاطب ہوئی تھی۔

”بی بی صاحبہ! ذرا تھوڑا صاحبہ اور مالکین کا خاص چپہ ہے، بہت عزیز دماغ، تیز نظر ہے، کوشش کیجئے گا اسے شک نہ ہونے پائے۔“ بہت بڑے خوف نظر آنے والی مائی سکیڈ اس وقت کچھ ہراساں و فکر مند دکھائی دی۔

”بے فکر ہو، ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، میں جلد واپس آؤں گی، گھبراہٹ مت۔“ کرن اسے دلاسا دے کر سیر حیدون کی جانب بڑھ گئی۔ خریداری کرے والوں کا اچھا خاصا جھوم وہاں بکھرا ہوا تھا۔

وہ نیچے آئی تو انس سامنے ہی نظر آ گیا۔ وہ حلاشی محرمات نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدم جھجک کر رک گئے۔ دل میں عجیب سا غلط فہمی برپا ہو گیا۔ خوشگوار موسم کے باوجود لمبے پھر میں پسینے سے شرابور ہو گئی تھی۔

دو سامنے تھا۔

جس کو کسی اس کی پرچھائی سے بھی نہ تھی اور آج..... وہ اس کی پرچھائی بننے جا رہی تھی، وہ اس سے زیادہ دور نہ تھا۔

بُڑا دھار شخصیت.....

خوب صورت گرے آنکھیں جن کی گہری شفاف تہ میں سوزِ پناہاں رہتا تھا۔

دل کش نقوش.....

چہرے پر بلا کی سنجیدگی نے جسے بڑا دھار جاؤ بیت بخشی تھی۔

”تھینکس گاڈ! آپ آگئیں، ورنہ میں پریشان ہو گیا تھا۔“ انس کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ تیزی سے اس کی طرف آتا ہوا بولا۔

”مسافت کافی طویل تھی، اس لیے دیر ہو گئی۔“

”منزل پر پہنچنے کے بعد مسافروں کی طوائف سرخوشی عطا کرتی ہے، تھکان نہیں۔ لیکن آپ مجھے خاصی پڑ مردوداً بھی دکھائی دے رہی

ہیں، کیا بات ہے آپ اپنے فیصلے سے خوش نہیں ہیں؟“ وہ اس کے ساتھ کالری میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ کارا اشارت کرتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”کیا اس طرح ایسے کام ہوتے ہیں؟ کیا مجھے ایسا کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو سکتی ہے؟ جس طرح ہم یہ کر رہے ہیں؟ یہ کسی

محبت یا ولی داری کا جنون نہیں ہے، یہاں صرف انتقامی جذباتوں کے تحت سب ہو رہا ہے۔“

”کیا انتہائی جذبیوں پر زندگیوں کا ڈھیر لگا جاتی ہیں۔“ وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا آہستگی سے گویا ہوا، بلیک کمر کی بڑی چادر جس پر سرخ وحاشے سے کڑھائی کی گئی تھی وہ اس نے اس طرح اوڑھی ہوئی تھی کہ اس کے سر آپے کے ساتھ وہ اس کے چہرے کو بھی آدھا چھپائے تھی۔

”ہاں کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو اندھا کر دیتے ہیں۔ ان میں ایک جذبہ انتقام بھی ہے۔ مجھے اپنے باپ سے انتقام لینا ہے اور آپ کو منال سے۔“ وہ جتنی آہستگی سے بولی تھی، روٹل اتنی ہی با آواز ہوا تھا۔ اس کی ہاتھیں فور سے سنتے ہوئے انس کو آخری لفظ پر حیرانگی کا اتنا زبردست شاک لگا تھا کہ وہ بمشکل کا کو درخت سے ٹکرانے سے بچا سکا تھا۔ کارفٹ پاتھ سے ٹکرا کر زک گئی تھی۔ نتیجتاً دروازہ آواز پیدا ہوئی تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑیاں ان کی خیریت پوچھ کر گزر رہی تھیں۔

”آر پورنٹ؟“ وہ خود کو سنبھالتا ہوا اس سے مخاطب ہوا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا مگر ول اس کا بڑی طرح دھڑک رہا تھا۔ جسٹس کا ڈائجٹ ہو گئی۔ سڑک پر اتنا ٹریفک نہ تھا۔ وہ کار دروازہ اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

”کچھ دیر قبل بڑا اعتماد و مطمئن نظر آنے والا انس ڈسٹرب دکھائی دے رہا تھا، کرن کو اس نے عام لڑکی سمجھا تھا جو اپنے ماحول و حالات کی چکی میں پس کر بد مزاج و بد مزاج تھی اس کی نگاہ میں مگر اس نے وہ چٹائی بیان کر دی تھی جس کا اعتراف وہ ڈیڑھ سے بھی نہ کر سکا تھا۔“

”یہ آپ نے ابھی کیا کہا کہ میں منال کا انتقام آپ سے لوں گا؟“

”میں نے جو سوچا، وہ کہہ دیا۔ آپ کے دل میں کیا ہے، اس سے میں لاعلم ہوں، لیکن حقیقت یہ بھی نہیں ہے کہ آپ نے کسی ولی جذبے کے تحت پھر سے مرادیم مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“ کرن کی آواز دھیمی و سپائٹ سی تھی جس سے کوئی جذبہ، کوئی اُمتگ ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اس نے ایک بار بھی گردن اٹھا کر انس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

البتہ وہ گاہے بگاہے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس پر نگاہ ڈال رہا تھا۔ چادر کی اوٹ سے کبھی ستواں ناک نظر آتی، کبھی صبح رخسار پر لڑاں سیاہ دراز پلکوں کی جھالیں نظر آتی تھیں۔

”مجھے افسوس ہے خود پر کہ ہر دفعہ آپ کے بارے میں اندازے لگانے میں ناکام ثابت ہوتا ہوں اور ہر بار آپ میری توقع سے بڑھ کر ثابت ہوتی ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہوا ہے مگر کچھ اندازے و سوچ آپ کی بھی درست نہیں ہیں۔“

”میں نے کہا تا میری محض قیاس آرائی ہے۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

پھر ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

وہ مسجد کے کلیش پر چلے آئے تھے۔ سعد اور فارید نے والہانہ استقبال کیا تھا۔ پروگرام کے مطابق وہاں قاضی صاحب اور گواہان کے طور پر انس کے قریبی دراز و ان دوست موجود تھے۔ بہت سادگی سے ان کا کلاچ ہو گیا تھا۔

کمرے میں مبارک سلامت کا شور مچا دیا تھا۔ انس کے دوست مبارک باد دے رہے تھے۔ بغل گیر ہو رہے تھے۔

اس کی چہرے پر خلاف توقع بے حد خوشی و شادمانی تھی۔

وہ فاریہ کے ساتھ اس کے بیڈروم میں آگئی تھی۔ اس وقت اس کے ذہن میں سنا تھا۔ ہر سوچ، ہر لفظ، ہر احساس گویا مفلوج ہو گئے تھے۔ ایک دل تھا، جو بھر بھر کر آ رہا تھا اور وہ بے آواز روئے جا رہی تھی۔

فاریہ جو اس کے حالات اور جذباتی کیفیت سے آگاہ تھی، خاموشی سے اٹھ کر اس کے پاس سے چلی گئی تھی تاکہ وہ تنہائی میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے فریض ہو جائے اور ہوا بھی ایسا ہی وہ کچھ دیر بعد اندر آئی تو وہ منہ ہاتھ ہاتھ دھو کر ٹینٹی ہال، بیڈرہ تھی۔ اس کی آنکھیں اودناک شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں، فاریہ نے رالی گھسیٹی ہوئی اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”آج دونوں ملازماؤں کو میں نے چھٹی دے دی تھی، اس تقریب کی وجہ سے۔ دراصل حالات ایسے ہیں کہ یہ کام بہت راز داری سے کرنا پڑا ہے، وہاں بھی مگرینی کو مسطوم ہے مڈرائٹکل بوٹن میں ہیں مگر دونوں نے تمہیں بہت دعاؤں سے نوازا ہے، بہت خوش ہیں دونوں اس تعلق پر۔“ فاریہ نوازمات کے لیے پلیٹ سیدھی رکھتی ہوئی بتا رہی تھی۔

”میں صرف چائے پیوں گی۔“ وہ بال بنا کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

”صرف چائے سے کیا ہوگا؟“

”کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل کو سمجھاؤ، اتنا بڑا اسٹینڈ لیا ہے تم نے اسے بھانے کے لیے، بہت سارے معاملے نمٹانے کی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح نہ کھانے سے تم خود سے ٹرنڈ پاؤ گی۔ زبردستی کھاؤ۔“ فاریہ کے انداز میں از حد اچانیت و خلوص تھا۔

”ہائیز! ابھی نہیں، اب مجھے والیسی جانا ہے۔ ایک گھنٹہ ہونے والا ہے۔ مجھے دیر ہوگئی تو مسئلہ ہو جائے گا اور میں نہیں چاہتی قس از وقت کچھ گزید ہو۔“

”ہاں، ہاں ان تمام نزاکتوں کا مجھے احساس ہے، یہاں سے ایک شارٹ کٹ طارق روڈ تک دس منٹ میں پہنچا دے گا، وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو جائیں پھر میں کہتی ہوں۔“ فاریہ اس کے لیے چائے لے آئی تھی۔

دو خواتین کی موجودگی کے باوجود کمرے میں خاموشی محیط تھی۔

فاریہ اس نئے بندھن کے حوالے سے اس سے کوئی لطیف سی پھینر چھاؤ کا سوتلی پھر پتوایشن اور کرن کی، بھیدہ و کچھ رنجیدہ سی صورت دیکھ کر ملال سا اس کے اندر اترنے لگا تھا۔

کیا شادی اس طرح ہوتی ہے؟

نئے بندھن اس طرح بانٹے جاتے ہیں، جیسے چوری کی گئی ہو۔

وہ ایک سرد آؤ بھر کر رو گئی۔

کبھی کبھی لمحوں میں تقدیریں بدل جایا کرتی ہیں۔

جس طرح وہ آتے دقت کرن پر ہاں بخاری تھی.....

نور اب واپسی پر..... وہ اس کے سنگ اس کی منکوحہ کی حیثیت سے بیٹھی تھی۔

منوں کا رد و بدل.....

لمحوں کا ہیر پھر۔

اسے کرن پر ہاں بخاری سے کرن انس مڑنا گیا تھا۔

”کچھ کہیں گی نہیں..... کیا محسوس ہو رہا ہے مجھ سے وابستہ ہو کر؟“ کارڈ رائیو کرتے ہوئے وہ کرن سے بڑے ترنگ میں گویا ہوا تھا۔

”اندیشوں اور دوسروں کی چابک مجھ پر مرنے لگی ہے۔ سوچتے سمجھتے کی حس مفلوج ہو گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میرا یہ استہانی

قدم مثبت ثابت ہو سکے گا یا نہیں؟ جس طرح میں نے سوچا ہے وہ ہو گا یا نہیں؟ تقدیر میرے ساتھ یا دوری کرے گی یا غداری؟“

”کیا سوچ رہی ہیں؟“

”ہی..... اب کیا ہو گا؟“ بے ساختہ وہ کہہ اٹھی تھی۔

”وہی جو منظور خدا ہو گا۔“ انس مسکراتا ہوا بولا۔ ”اب آپ بالکل ریلیکس رہیں، جو ہونا تھا وہ ہو گیا، جو فیصلے ہم کر نہیں پاتے وہ

وقت کر دیتا ہے۔ وقت نے بھی ہمارا فیصلہ کر دیا ہے، میرے حوالے سے، میرے ماضی کے حوالے سے اور آنے والے مستقبل کے حوالے

سے آپ جن غلوک و شبہات میں مبتلا ہیں ان کی صفائی..... سوری اس بارے میں ابھی کچھ کہنا تھا، از دقت ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ میں

نے صدق دل سے آپ کا ہاتھ تھاما ہے۔ اس نے دائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھال کر بائیں ہاتھ سے اس کا غر و غلی ہاتھ تھام کر ہونٹوں

سے لگا یا تھا۔

اس کی یہ حرکت بالکل غیر متوقع تھی۔

ایک لمحہ اس کا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر مس ہوا تھا اور سرتا پائے احساس سے جھنجھا کر رہ گئی تھی۔

رگ و پے میں برقی دوڑاٹھی تھی۔

فہم و ادراک کے نا آشنا محسوسات سے دوچار ہوئی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں اتھل پھٹل تھیں اور وہ ایسی مشتعل ہوئیں کہ جن کی صدا

انس کی سماعتوں میں بھی گونج اٹھی تھی۔

اس نے دھیمے سے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

”ٹیک اسٹ ایزی، اب کوئی شرارت نہیں ہوگی۔“ کرن کو سہلے دیکھ کر وہ بولا اور پھر راستہ بے حد خاموشی سے گزرا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات کھانے پر ایسی کوئی خاص گہما گہمی دیکھنے میں نہیں آئی جو عموماً بیٹی کے سرالیوں کی آمد پر ہوتی ہے، سب حسب معمول تھا البتہ مثال چلی آئی تھی اور اس کی آمد والدہ حضور کو سخت ناگوار گزری جس کا اظہار وہ کیے بتا رہی تھیں۔

”طویل عرصے بعد کل تو تم گئی تھیں، یہ آج یہاں آنے کی کیا سوجھی؟“ وہ برہمی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

”اس بات سے کیا مطلب ہے آپ کا گریڈ مدر، میں اپنے گھر آئی ہوں، اپنے گھر آنے کے لیے بھی مجھے اب تکفرتنا پڑے گا؟“ حسب عادت وہ برہمی طرح سلگ کر گویا ہوئی تھی۔

وہاں اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

”شادی کے بعد لڑکی اپنے گھر میں ہی جیتی ہے۔ یہ روز روز منہ اٹھا کر سیکے آجانے والی لڑکیاں کبھی بھی گھر نہیں بسا پاتی ہیں۔ شکر کرو سرور میاں! اچھے آدمی ہیں جو تم جیسی لڑکی کو بھار ہے ہیں اور اپنی اس جیسی زندگی گزارنا نہیں چاہتیں تو اس کی سیوا کرو۔“

”بس بہت دگنی۔“ وہ کسی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔ ”میری ماما کو آپ نے یہاں رہنے نہیں دیا، اب آپ سے اتنی دور ہیں وہ اس کے باوجود آپ انہیں بھولتی نہیں ہیں۔ بہت خراب، بہت کرپٹ ہیں آپ..... لیکن جو آپ سوچ رہی ہیں کہ میں بھی اپنی ماما کی طرح آپ کو یہاں سکرانی کے لیے چھوڑ جاؤں گی تو یہ آپ کی بھول ہے، یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی، ماما کی طرح معصوم و کمزور نہیں ہوں میں کیا آپ مجھے یہاں سے نکال سکیں۔“ وہ غصے سے بے قابو تھی۔

”معصوم و کمزور۔“ اذ حد اہانت آمیز و تحقیر بخری مسکراہٹ والدہ حضور کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی۔

”بذکر دار بد چلن تھی۔“

”گریڈ مدر، اسباب اٹ۔“ وہ برہمی طرح چبھتی تھی۔

”خو خور اور چو خور، تا کہ سب ملازمین کو بھی معلوم ہو جائے کہ تمہاری اس ایک دو لکے کے انجینئر کے ساتھ بھاگ گئی تھی، یہ تمہاری ماں کی اوقات۔ گندگی کے کیڑوں کو صفائی کب بھاتی ہے۔ انہیں چین گندگی میں ڈکیاں لگاتے ہوئے ہی آتا ہے۔“ ان کے لہجے میں نفرت و اہانت تھی۔

”میں آپ کی بکواس سننے نہیں آئی ہوں یہاں پر اور آپ کیا سمجھتی ہیں جو آپ کہیں گی اس پر میں یقین کر لوں گی۔“ اس کی آواز میں دو دھڑکنے والا اعتماد موجود نہ تھا۔

”یقین نہ بھی آئے تو کوئی لنگری بات نہیں ہے۔ ابھی برہان آ رہا ہے اس سے معلوم کر لیں، وہ اتنی طرح سے بتائے گا کہ کس طرح اس نے تمہاری ”معصوم و کمزور“ ماں کو اپنے عاشق کے ساتھ عشق کرتے ہوئے پکڑا اور دھکے دے کر یہاں سے نکالا تھا، سب یاد ہے۔“

والدہ حضور کا انداز ایسا تھا گویا کوئی دلچسپ قصہ سن رہی ہوں۔

”جاری ہوں میں، مگر یاد رکھیں سکون سے آپ کو میں جیسے نہیں دوں گی۔“ وہ غصے سے پھر پٹختی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ والدہ

حضور کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ ووڑ گئی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ کامران مرزا اور عمران مرزا کی آمد سے قبل منال یہاں سے چلی جائے، ورنہ ان کے بنے پٹائے کھیل کو بگاڑ سکتی تھی کیونکہ وہ بلا سوتے بچے سمجھنے والے کی عادی تھی۔ سوا سے ہونے کے لیے انہوں نے اس کی ڈھکی رگ پر پاؤں رکھ دیا تھا اور تھنچا کا میاابی ان کے دامن میں تھی۔

خلاف توقع کرن شاہنگ کر کے جلدی آگئی تھی اور اس کی اتنی جلد واپسی پر انہیں بے حد حیرت ہو رہی تھی۔ شاہنگ تو لڑکیوں کا کریز ہوتی ہے، کم سے کم روپوں میں بھی وہ زیادہ سے زیادہ خریداری کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ معمولی سی شاہنگ میں بھی گھنٹوں لگ جاتے ہیں، یہاں نہ وقت کا معاملہ تھا اور نہ شاہنگ پر اٹھنے والے روپوں کی کمی کا مسئلہ تھا، اس کے باوجود کرن کا بہت جلد لٹ آنا انہیں بے چین سا کر گیا تھا۔

ان کے ذہن میں کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی مگر اس کی پکار وہ سننے کے باوجود سمجھنے میں ناکام رہی تھیں مگر بے چینی و بے کلی انہیں مضطرب کر چکی تھی، مانی سیکند سے وہ پوچھ چکی تھیں، وہ کئی بار بتا چکی تھی کہ کرن اس کے ساتھ تھی، نہ وہ کسی سے ٹی نہ کوئی ملنے آیا۔ ذرا سیر کرنے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی کہ کرن جس راستے سے گئی تھی، اسی راستے سے واپس آئی ہے، وہ مکمل گمراہی کر رہا تھا۔ وہ دونوں ہی قاطع اعتبار ملازمین تھے جو ان سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے تھے مگر پھر بھی ایک سکک سی رہ رہ کر اٹھتی تھی۔

برہان لغاری آج جلد ہی آگئے تھے۔

وہ کرن کو تیار ہونے کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کرنا نہیں بھولے تھے کہ آنے والے مہمانوں کے سامنے اس کا رویہ بہترین ہونا چاہیے۔ وہ کسی بھی جسم کی بدتمیزی و بداخلاق کا ٹوٹا خوردی نہیں مے، جو اب وہ سعادت مند بڑی کی طرح سرہلاتی رہی تھی۔ اس کی سعادت مندی و فرمانبرداری و کچھ کر برہان لغاری نے نخوت سے سوچا کہ ایک ہی شخص نے اس کے تمام کس بل نکال دینے ہیں۔ کامران مرزا وقت کے پابند تھے۔

مقررہ وقت پر وہ لغاری ہاؤس میں اپنے بیٹے عمران مرزا کے ساتھ موجود تھے۔ برہان لغاری اور والدہ حضور نے ان کا استقبال بڑے تپاک طریقے سے کیا تھا۔ ان کی پہلی تواضع کو لڈو رکس سے کی گئی تھی۔

کامران مرزا نے وہاں کلف دار شلوار کے ہمراہ سیاہ خوب صورت کڑھائی والی شیروانی پہن رکھی تھی۔ سر پر وہاٹ ہی کلف وار گلہ فابری تھی۔ ان کی شخصیت بھاری بھر کم و ہار عجب تھی۔ انگلیوں میں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔

ان کے برابر براہمان، عمران مرزا چہرے کے نقش و خد و خال سے باپ کی خاصی مشابہت رکھتے تھے، وہ گرے تھری پیس سوٹ میں لمبوس تھے۔ عمران کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہوئی۔ چہرے کی صاف رنگت میں عجیب سی خشونت تھی، چھوٹی چھوٹی براؤن آنکھوں میں سفاکی تھی۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت ذرا بھی متاثر کرنے والی تھی، وہ خاصے مہذب و شائستہ انداز میں گفتگو میں حصہ لے رہا تھا، ساتھ ساتھ اس کی حلائی لگتی ہیں اور گرد کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔

"ہماری بیٹی رانی کہاں ہیں جن سے ہمارے گھر میں آج لا ہوگا، وہ ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل کیوں ہیں"۔ کامران مرزا بیٹے کی بے چینی بھانپ کر اکساری سے گویا ہوئے تھے۔

"کھانا تیار ہے۔ ڈائننگ ٹیبل پر آپ کی کرن سے ملاقات ہو جائے گی"۔ والدہ حضور قریب گھڑی مائی سیکڑ کو اشارے سے کرن کو بلا کر لانے کا کہہ کر ان سے مخاطب ہو کر اٹھ گئی تھیں۔

ان کی تقلید میں برہان لغاری کے ساتھ ان باپ بیٹے کو بھی اُلٹنا پڑا تھا۔ ان کے سگ وہ کھانے کے کمرے میں آگئے تھے جہاں میرا شہنا آٹھیر کھانوں اور فروٹس سے بھئی ہوئی تھی۔

کرن اپنے کمرے میں سو گئی تھی۔ کل رات سے آج شام تک ایک طویل سفر اس نے طے کیا تھا، فیصلے تک پہنچنے کے لیے اور اب وہ بالکل بے سکون تھی۔ کسی سبک روی سے بہتی ندی کی طرح۔ مائی سیکڑ آئی تو دو تیار ہو چکی تھی۔

"چلیں بی بی صاحب! بلاوا آ گیا ہے۔" وہ اندر آ کر بولی۔

"آگئے تصانی صاحبان؟ سنو۔۔۔ تم سے پوچھ چکے تو خوب ہوئی ہوگی؟"

"ہاں جی! مگر میں بھی بتانے والی تھوڑی سی ڈراما رولر کو بھی بلوایا گیا۔ اس آٹو کو کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ آرام سے بولا، سب ٹھیک رہا۔"

"پھر بھی اس سب کے باوجود تمہاری مالکن بے یقینی و تشویش میں مبتلا دکھائی دیتی ہیں"۔ کرن دوپٹہ اوڑھتے ہوئے گویا تھی۔

"یہ تو جتنی، بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ کمرہ دار چھوٹے لوگوں کی باتوں پر بے اطمینانی و بے یقینی ظاہر کرنے کی وہ ہم جیسے لوگوں پر اعتبار نہ بھی کرنا چاہیں تو کرنا ہی پڑتا ہے، لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے"۔ فرط دسرت سے مائی سیکڑ کی آواز گونج رہی تھی۔

"اعتبار تو میں اپنی پر جمائی پر بھی کرنے کی عادی نہیں ہوں مائی سیکڑ! جب مجھ جیسے لوگ تخت یا تختہ کو تقدیر مان لیتے ہیں تو پھر انہیں کسی کے اعتبار یا بے اعتباری کی فکر و امن گیر نہیں رہتی ہے"۔ اس نے مسکرا کر سوچا، پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں تمہاری بے حد ممنون ہوں۔"

الہیٰ خوشبو کا محضر چھوٹا ڈائننگ روم میں داخل ہوا تھا۔ وہ سلام کرتی اندر داخل ہوئی تھی۔ عمران مرزا احتراماً کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں کرن کے چہرے اور سر پر لپکے گہرائی سے جائزہ لے رہی تھیں۔ میرون و بلو کٹر اسٹ سوٹ میں ہلکی جیولری و سادہ چہرے کے باوجود اس کے حسن میں ایک پُرکشش جاوہیت تھی۔

عمران مرزا کے چہرے پر پھیلتے پسندیدگی کے رنگ کامران مرزا کی جہانم دیدہ نگاہوں سے چھپے نہ رہ سکے تھے۔ انہوں نے با آواز بلند اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور اٹھ کر اس کے سر پر سے کچھ لال فوٹ وادر قریب کھڑی ملازمہ کو تھمائے تھے۔

"ماشاء اللہ، ہمیں ایسے چراغ کی ضرورت تھی۔ اپنے اندھیرے گھر کی روشنیوں کے لیے"۔ انہوں نے سامنے بیٹھی کرن کو

دیکھتے ہوئے کہا۔ کرن سپاٹ چہرے کو جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے انداز میں محسوس کیے جانے والا بیگانہ پن تھا جو ان چاروں نے محسوس کیا۔ والدہ حضور نے خشکیوں سے اس کی جانب دیکھا مگر وہ رانستہ لگا ہیں جھکائے بیٹھی تھی۔

”کھانا شروع کریں، کرن ڈش سرور کریں۔“ برہان لفاری پہلے مہمانوں اور پھر کرن سے مخاطب ہوئے۔ ان کے انداز میں جو پیش و خلی تھی، وہ کرن نے بخوبی نوٹ کی تھی اور معاملہ تو وہ بھی بگاڑنا نہیں چاہتی تھی، سو خاموشی سے کھانا سرو کرنے لگی۔ کھانے کے دوران گفتگو برائے نام ہی ہوئی تھی۔ یہ بات اس نے نوٹ کی کہ اس کے وہ نام نہاد سسرالی پوری طرح سے اس کے باپ اور دادی سے مرعوب تھے۔ حیثیت میں، خاندان میں اور عزت و وقار کسی میں بھی وہ ان کے ہم پلہ نہ تھے۔ عمران مرزا کی بھی ذرا جرات نہ ہو سکی تھی کہ وہ اس رشتے کے حوالے سے بر ملا اپنی پسندیدگی کا اظہار کر سکتا، بس چوروں کی طرح وہ اس پر نگاہیں مرکوز کرتا رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ بظہرے نہیں تھے۔ بڑے خوش خوش واپس ہوئے تھے۔ کرن کو بھی اس کے کمرے میں جانے کا حکم مل چکا تھا۔ وہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔ مائی نیکینہ کو حکم ملا تھا کہ وہ صفائی اور فروس کے نوکر سے ملازموں اور غریبوں میں تقسیم کر دے جو کامران مرزا خوب صورت پیکٹ کروا کر لائے تھے۔

برہان لفاری والدہ حضور کے کمرے میں آگئے تھے۔ اس وقت ان کے چہرے پر غیر معمولی تنجیدگی و خاموشی نے انہیں متوجہ کر ڈالا تھا۔

”کیا بات ہے برہان! خوش نظر نہیں آرہے ہو۔“

”میں خوش نہیں ہوں۔“ وہ صاف گوئی سے بولے۔

”کیوں؟ کیا وجہ ہے؟“

”جب میں خود سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔“ وہ نگوشت پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

”ہمارے فیصلے سے مطمئن نہیں ہو شاید؟“

”یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا، آپ کے فیصلوں پر مجھے ہمیشہ اعتماد رہا ہے۔ یہ کیفیت کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔“ وہ ماں کی دل جوئی کی خاطر چرا مسکراتے ہوئے بولے۔

”ہوں..... کچھ کیفیت ہماری بھی ایسی ہی ہے، واصل تمہاری بیویوں کی طرح بیٹیوں کے فیصلوں نے ہمیں بے چینی میں مبتلا کیا ہے۔ یہ ان کے وجود کی محسوس ہی ہے جو ہمیں بے چین رکھتی ہے۔ آج آئی تھی منال، میں نے سمجھایا کہ کل تو تم مئی تھی پھر آج یہاں آنے کی کیا ٹنک بنتی ہے۔ تم گھر والی ہو اب گھر سنبھال لو یوں بھاگ بھاگ کر میکے آنے والی لڑکیاں کبھی گھر نہیں بسا سکتی ہیں، مگر وہ برا مان گئی اور..... خیر چھوڑو وہ غصے میں تھی اور غصے میں معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔“ بے حد صفائی سے وہ خود کو بچا کر تمام الزام منال پر ڈال چکی تھیں۔ انہیں معلوم تھا منال باپ سے ضرور شکایت کرے گی۔ اس سے پہلے ہی وہ سیاست کھیل گئی تھی۔

”اس نے گستاخی کی آپ سے؟ اس کی یہ مجال؟“ وہ غصے سے بھر گئے۔

”چھوڑ دینا، بچی ہے وہ۔“ ان کا انداز ایسا تھا، گویا سخت صدمے کے باوجود وہ فراخ ولی کا ثبوت دیتے ہوئے منال کی سائیڈ

لے رہی ہوں۔

شوخی قسمت اس وقت منال کی کال آگئی۔ دوہری طرح روتے ہوئے کہہ دی تھی۔ گرینڈ مدر نے اسے گھر آنے سے منع کر دیا ہے۔

”ٹھیک کیا ہے والدہ حضور نے۔ آخر آپ کو پرائلم کیا ہے؟“ دوہرہ دم تو پہلے ہی تھے۔ اس وقت منال کی کال نے جلتی پر تیل کا

کام کیا تھا، سو وہ بہت سخت لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

”بچہ کو پرائلم کیا ہے! ڈیڑی یہ آپ کس انداز میں بات کر رہے ہیں۔“ اس کے آنسوؤں میں حیرت بھی شامل ہو گئی تھی۔

”اس انداز میں جس انداز میں آپ سے کرنی چاہیے۔“

”ارے..... دکھناؤ مجھے، منال بیٹی! اس وقت تمہارا باپ بہت غصے میں ہے، بعد میں بات کرنا، میں سب سنبھال لوں گی۔“ برہان

لغاری سے موبائل لے کر وہ بڑے پیار بھرے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ بظاہر بے حد لاؤ بکھرے لہجے میں یہ فہمائش موجود تھی کہ دولت ہو چکی

ہے۔ وہ اپنی راہ ہمیشہ کی طرح کلیئر کر چکی تھیں۔ اس کی چلنے والی نہیں ہے۔ دوسری جانب وہ سمجھ چکی تھی، غاموشی سے اس نے موبائل آف کر

دیا تھا۔ برہان لغاری عقیدت منڈلگا ہون سے مان کو دیکھ رہے تھے، کتنی عظیم و صابر معاف کر دینے والی حوصلہ مند عورت تھیں۔

☆.....☆.....☆

میری زندگی میں بس ایک کتاب ہے ایک چراغ.....

ایک خواب ہے اور تم ہوا

یہ کتاب اور خواب کی جو منزلیں ہیں میں چاہتا تھا تمہارے ساتھ بسر کروں

یہی کل اٹھ زندگی بنے اسی کوڑا و سڑکروں

کسی اور سمت نظر کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو

میرے دل جا خوش خبر پہ بجز تمہارے کبھی کسی کا گزرنہ ہو

مگر اس طرح کہ تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو

اس احتیاط میں ساری عمر گزر گئی

وہ جو آرزو تھی جس میں کتاب و خواب کے ساتھ تم بھی شریک ہو

وہیں مر گئی

اس کشمکش نے کئی سوال اٹھائے ہیں

وہ سوال جن کا جواب میری کتاب میں ہے نہ خیال میں
میرے دل کے جادو خوش خبر کے رفیق!
تم ہی ہمارا پھر کہ یہ کاروبار حیات کس کے حساب میں!
میری زندگی میں بس ایک کتاب ہے ایک چراغ
ایک خواب ہے اور تم ہو۔۔۔
وہ گھر آچکا تھا۔

چند دن ہی وہ گھر سے دور ہوا تھا اور شاید اپنے آپ سے بھی۔ کتنی جلدیلی آگئی تھی گھر میں، گھر کے ماحول میں، یہ جگہ جہاں کے
دروہ اور ہمہ دقت سازشوں و نفسا نفسی، حسد و بے مروتی کی کثافت سے دھندلا کر رہا کرتے تھے، آج ویران و خاموشی کی کمر میں ڈوبے
تھے۔ اسے یہاں آکر اپنا دم بری طرح گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"عزیز آتے ہی کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہو بیٹا مہارنگو، میں نے تمہاری خالادکن کو فون کر دیا ہے، وہ آنے والی ہوں گی۔ مجھ سے
زیادہ دو تمہاری یاد میں تڑپتی ہیں، اسی لیے میں نے انہیں فون کر کے بتا دیا ہے کہ تم واپس آ گئے ہو۔" راحیلہ بیگم اسے دیکھ کر خوشی سے سرشار تھیں۔
کئی لمحوں تک وہ اسے سینے سے لگائے رکھتی تھیں۔ روز و کراپنے طرز عمل کی معافی مانگتی تھی۔ ان کے لہجے میں پیشانی تھی، مدامت و ہچمتا و اتھا۔
بے شک وہ ان سے ناراض و بدگمان تھا مگر ان کے جڑے ہاتھ و پتے آنسو اس سے برداشت نہ ہو سکے۔ وہ جتنی بھی تھیں، اس کی
ماں تھیں، اس کی جنت، وہ ان کے سینے سے لگ گیا تھا۔

حزہ اور عام صاحب کے چہروں پر آنسو کی بھری بشارت پھیل گئی تھی۔ ان سے کچھ دیر گفتگو کر کے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا
تھا۔ تنہائی پاتے ہی یادیں و بے پایاؤں چلی آتی تھیں۔
راحیلہ بیگم کو وہ خاموشی سے دیکھے گیا تو وہ رنجیدگی سے گویا ہوئیں۔
"تم نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔"

"یہ بات نہیں ہے می! اور اصل میں ابھی کچھ دن کسی سے ملنا نہیں چاہتا ہوں۔"
"یہ اچھا نہیں کر رہے ہو انہوں سے ملنے کے لیے بھی تمہارا دل نہیں چاہ رہا، حالانکہ وہ بے چین ہیں تمہیں دیکھنے کو ملے گا۔"
"اس میں کوئی شک نہیں ہے، مگر میں ابھی تنہائی چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ نرم و احترام سے پُر تھا مگر ایک ہٹ دھرمی بھی تھی جو
راحیلہ نے بخوبی نوٹ کی تھی اور برداشت کر گئی تھیں۔

پہلے جیسا ماحول ہوتا تو وہ اس کو خوب سناتیں اور اپنی منوا کر چھوڑتیں مگر اب حالات بدل گئے تھے، حکمرانی کرنے کے باوجود وہ
اختیار کھو بیٹھی تھیں جو کچھ عرصہ قبل انہیں حاصل تھے۔

”اچھا ٹھیک ہے، میں انہیں کوئی بہانہ کر کے آنے سے روک دیتی ہوں۔ تم آرام کرو۔“ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں تو وہ پوچھل دل لیے کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ سامنے وہ پورشن تھا جو کبھی کرن اور نوشابہ کے تصرف میں رہتا تھا۔ جس کا آدھا حصہ اب اسٹڈی روم بن گیا تھا۔ باقی خوبصورت لان کی صورت میں سرسبز ہو رہا تھا، ماضی اس کی آنکھوں میں پھر دھواں دھواں ہونے لگا۔

”میرا دل چاہتا ہے 7 مارے جسے میں چھوٹا سالانہ بن جائے جہاں گلاب اور موتیا کے پھولوں کی خوبصورتی، برات کی رانی کی خوشبو سانسوں کو مہکائے، شام کو ہم چائے یہاں نکلیں اور صبح سویرے جری جری گھاس پر جب میں ننگے پاؤں چلوں تو گھاس کی نمی پھولوں کی دلا آویز مہک میری روح کو بھی سرشار کر دے اور میں.....“

”بس..... بس شیخ چلی کی کچھ لگتی! خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آ، شکر کر سر چھپانے کو یہ جھٹ نفیب ہے، اگر یہ بھی نہ رہی تو پھر کہاں جائیں گے۔“ کپڑے دسیوں پر ڈالتی نوشابہ کرن کو ڈپٹ کو پولیس۔

”مجھے تمہاری یہ بات ہی بری لگتی ہے ذرا کوئی خواہش ظاہر کی تمہیں شیخ چلی، حاتم اور قارون کا خزانہ یاد آنے لگا ہے۔ ماسوں جان کے پاس قارون جیسا خزانہ بے شک نہ ہو گا مگر وہ اس دور کے قازدوں سے پیچھے نہیں ہیں، بہت دولت رکھتے ہیں ان سے کہہ کر میرے لیے لان بنوادو۔“ وہ کسی ترنگت میں تھی۔

”ان سے کیسے کہہ دوں بھلا مان کا یہی احسان کم ہے جو انہوں نے یہاں ٹھہرنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔“ وہ برہمی سے پولیس۔

”تو کون سا احسان کیا ہے ہم پر، سب بھائی ایسا کرتے ہیں۔“

”آخر ہے نا احسان فراموش باپ کی بیٹی، خون تو اسی کا ہو جو خود لاکھوں میں کھیلے بیوی، بیٹا کے لیے اس سے غریب کوئی نہیں۔“

”تمہیں آتا کیا ہے سوائے ان کی برائی کے۔“ دو تن فن کرتی آگے بڑھی وہ جو وہیں رُک گیا تھا اس کو اچانک وہاں آتے دیکھ کر گڑبڑا گیا تھا۔

”اچھا..... اب چھپ چھپ کر ہماری باتیں بھی سننے لگے ہو۔“ وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ کر پر رکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”نن..... نہ..... نہیں..... میں..... دو.....“ حسبِ عادت وہ اس کے کڑے تیروں سے گھبرا گیا تھا۔

”بس، خاموش رہو میرے سامنے یہ اداکاری کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اے عزیز جیسا ایسا کیوں کھڑے ہو اندر آؤ۔ اس ٹرکی کی باتوں کی پروا دمت کیا کرو، یہ تو ہواؤں سے لڑنے والی ہے۔“ اسی لیے نوشابہ کپڑے سکھا کر پائیس تو اسے دیکھ کر محبت سے پولیس۔

”ہاں، ہاں ایرے غیرے کے خوب لاڈ اٹھائے جاتے ہیں میں ہی ایک بوجہ ہوں، بری ہوں اس گھر میں۔“ وہ ہڈ بڑانے لگی تھی۔

”پھوپھو! مت کہا کریں اسے کچھ۔“ حزرہ کو اس کی اردنی صورت کب گوارا تھی سو نوشابہ سے بولا۔

”مئی! ان چالباز لوگوں کو تم نہیں سمجھ سکتیں، ابھی ہم یہاں رہ رہے ہیں، اس لیے یہاں کچھ نہیں ہو گا، کل اگر ہم چلے گئے تو دیکھنا

کتنا شامدار پورشن بنے گا یہ ہمارا حصہ جو کھنڈر ہو رہا ہے۔" جوا با نوا شاہد اسے سخت ستانے لگی تھیں اور وہ انہیں خاموش کرنے کی سعی۔
کتنا درست کہا تھا اس وقت کرن نے جو پورشن ان کی موجودگی میں اس خوبصورت کوٹھی کا بد صورت حصہ لگا کر تھما دیا اب سب
سے جدید و خوبصورت پورشن تھا۔

پہلوؤں سے مہلکا، بزرے سے دمکلا، سرسبز و حسین لان لگا دیوں کو خیر و کرہا تھا۔ وہ نہیں تھی۔ اس کی خواہشوں کی تکمیل موجود تھی۔
بعض وعائیں مستجاب ہونے میں اتنی دیر لگاتی ہیں کہ مانتے والا اس دنیا کے میلے میں کھو جاتا ہے کبھی نہ ملنے کے لیے۔

☆.....☆.....☆

موڈ اس کا پہلے ہی آف تھا مزید برہان لناری کی ڈانٹ اور دادی کی سیاست نے اسے سخت ڈپریشن کر ڈالا تھا۔
اسی لئے سرور شاہد بڑی غلٹ میں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ بریف کیس رکھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئے، وہ بیڈ پر نیم دراز
خاموشی سے دیکھ رہی تھی، پھر انٹرکام پر ملازمہ کو چائے لانے کا کہہ کر سیدھی اٹھ بیٹھی۔ سرور شاہد تو لئے سے منہ صاف کرتے باہر آ گئے تھے۔
"ہلو ڈارنگ! کیا بات ہے بڑی خاموش ہو۔" وہ تو یہ سونے کی طرف اچھال کر اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولے۔
"طبیعت کچھ سست ہے آج۔"

"اوہ ایہ تو کسی گڈ نیٹو کی اوپننگ لگ رہی ہے، چلو کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے وقت لے لیتے ہیں۔" انہوں نے بڑی محبت سے
اس کو بازو کے جھلے میں لے کر معنی خیزی سے کہا۔

"ڈاکٹر یو مین؟ میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس کیوں جاؤں۔" وہ کسمسا کر ان کی گرفت سے نکلی تھی۔ ان کی قربت کا نشہ تو بہت عرصہ
قبل اس کے ذہن نے قبول کر لیا تھا۔ وہ جبراً انہیں جھیل رہی تھی اور اب جبکہ انہیں سے دوا و تہذیب تعلقات ہو چکے تھے تو وہ
جبراً بھی ان کی قربت برداشت نہیں کر پار رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ جس تنفر بھرے انداز سے ان کی گرفت سے نکل کر وہ رہی تھی، وہ سرور شاہد کی مردانہ ناک و مجروح کر گیا۔ چند ثانیے
کے لیے تنگرمیز ٹخنیں ان کی پیشانی پر طغوز ہوئی تھیں۔ لگا ہوں میں، گوارہ یث تھی مگر اس پر نگاہ ڈالنے ہی وہ موسم کی طرح پھٹنے لگے تھے۔
ڈارک بلوریشی کھلے گلے اور بغیر آستینوں کی شرٹ میں اس کے قافل حسن کی چاندنی پوری طرح جگمگا رہی تھی۔
ان کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔

تمام غصے و ناگواریت پر یہ احساس غالب آ گیا کہ وہ اس عمر میں بھی اتنی کم سن و حسین لڑکی کے شریک حیات ہیں جو ان سے عمر
میں آدمی ہے، مستزاد، اس پر اپسراؤں جیسی خوب صورتی کی مالک لڑکی اور یہی ہوتا آ رہا تھا وہ اس کی کج ادائیگی و بے رخی کا بخٹی سے ٹوٹس لینا
چاہتے تو ان کا دماغ اس کے ہوشربا حسن کے شعلوں سے مفلوج ہو جاتا اور وہ بجائے اسے اس کی بد تمیزیوں و زیادتیوں کا احساس دلانے
کے اس کی دل ربائی کی تہدید گوئی میں مصروف ہو جاتے تھے۔

"غیب نے ہاسٹل جانے سے قبل فرمائش کی تھی کہ وہ چھوٹے بے بی کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور یہ میری خواہش بھی ہے، آپ کے وجود سے زندگی پانے والا ہمارا بچہ کتنا گڈ لگ، کتنا کیوٹ ہو گا وہ بچہ جو آپ کی طرح بیوٹی فل اور میری طرح صحت مند ہوگا۔" دوسرے سرے سے اس کے حسن کی بنیاد پاشیوں میں گم ہو چکے تھے۔

"خوابوں سے باہر نکل آئیے، ویسے بھی جاگتے میں خواب دیکھنے والے اسنو پڈ ہوتے ہیں۔" وہ شانے اُچکاقتی ہوئی پیڈ سے نیچے اتر گئی تھی۔

مازمہ چائے لے آئی تو سرور شاہ خاموش ہو گئے وہ چائے سرو کر کے گئی تو دوپہر سے اسی لہجے میں گویا ہوئے۔
 "بھئی خواب تو ہم نے دیکھ لیا ہے، دیکھتے ہیں آپ تعبیر کب دیتی ہیں۔" وہ غصے سے کہتے ہوئے چائے کے پیپ لینے لگے۔
 "کبھی بھی نہیں، اسنو پڈ مین! تمہارے بچے پیدا کرنے سے بہتر ہے، میں خودکشی کر لوں۔" منال نے غصے سے سوچا۔
 "کہیں جانے کا پروگرام ہے آپ کا؟" وہ اسے بار بار درست راج دیکھتے دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔
 "ہاں..... آصف برادرز نے ایک پارٹی ارینج کی ہے، دو اپنی کوئی بڑا ڈسک مارکیٹ میں انٹرویو کرانا چاہتے ہیں، اسی سلسلے میں ارینج منٹ ہوئی ہے۔" وہ چائے کے آخری گھونٹ بھر رہے تھے۔
 "پھر تو پارٹی زبردست ہوگی۔ میں بھی چلوں گی۔" اس کی نگاہوں میں ایک ایسی ہی پچھلے ہنسنے ہونے والی پانی گھوم گئی جہاں اس کے حسن کو سراہنے والے پردانوں کی طرح اس کے گرد گھوم رہے تھے۔ کوئی نگاہوں سے واضح دیکھنے سے روکا تھا۔
 حسن کی تعریف ہر عورت کی کمزوری ہے۔

پھر ایسی عورت جو ہر خاص و عام سے یہی تعریف و توصیف وصول کرنے کی سعی کرتی ہو پھر بھلا وہ ایسی جگہوں سے دور کیوں رہنا چاہے گی جہاں بڑے بے باک و آزادانہ ازم میں پذیرائی ملتی ہو۔
 "سوری ڈارلنگ! میں آپ کو وہاں لے کر نہیں جاسکتا ہوں۔"
 "وائے؟" دو سخت حیران ہوئی۔

"مجھے پسند نہیں ہے کوئی آپ کو بری نگاہ سے دیکھے اور وہاں ایک سے بڑھ کر ایک بد نگاہ بلکہ بدنیت ہے۔ ایسے لوگوں کو میں انسان نہیں سمجھتا جو عورت کا احترام نہیں کرتے جانتے۔"

"اسنے کامیاب پرنس مین اور بہت لاریج سوسائٹی سے انچھ ہونے کے باوجود آپ کی سوچ خواہ مخہ فروش جیسی ہے۔ ہم جس سرکل میں سو دھرتے ہیں، وہاں ایسی سوچ رکھنے والے سائیکل کھلاتے ہیں پھر کوئی دیکھتا ہے تو دیکھے، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، وہاں اور بھی بیگمات ہوتی ہیں، میں نے کسی کو بھی کفیوڈ نہیں دیکھا، بلکہ ان کے ہسپتال از خود سب سے ملواتے ہیں۔ کسی پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے اور ایک آپ اس قدر رومانٹک ڈین رہے ہیں کہ مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔"

مثال نے اس کا حتیٰ موڈ دیکھ کر نہ زور دلائل دیے تھے۔

”آپ کچھ بھی کہیں مجھے، میں مانتا نہیں کروں گا، مگر آپ کو ایسی پارٹیوں میں نہیں لے کر جاؤں گا جہاں غیرت بکروٹ ہوتی ہو، میں جانتا ہوں میرے پاس دولت، عزت، شہرت ہے، لوگ مجھے جانتے ہیں، بہت پیسہ، بے حد جائیداد ہونے کے باوجود میں اندر سے وہی غیرت مند روایتی مرد ہوں، جو اپنی عزت کی طرف اٹھنے والی پہلی ٹکائیوں کو کاٹ بیچنے کی جرأت رکھتا ہو، اس معاملے میں نہیں بے حد مفلس ہوں بلکہ تلاش سمجھیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور جی بیگمات اور ان کے شوہروں کی آپ مثالیں دے رہی ہیں، دوسب بے وفا کی کے مرکب ہیں۔ کہیں بیویاں شوہروں کو بے وقوف بنا کر پرانے ریلیشنز کو از سر نو جوائن کرتی ہیں تو کہیں شوہر بنگ واسٹارٹ بیویوں کے سہارے بزنس میگز منبھوڑ کرتے ہیں۔ لینڈ رازو کے کروائے جاتے ہیں تو کہیں بینک سے لونڈ گیسٹ کروائے جاتے ہیں۔ بزنس کی پارٹیوں میں بھی بزنس ہی ہوتا ہے۔ اسٹاکس انداز میں اور میں نہیں چاہتا ایسی کوئی بے وفا کی کی ہو بھی آپ کے قریب سے بھی گزرے۔“

☆.....☆.....☆

انس، کرن کو شاپنگ سینٹر چھوڑنے کے بعد واپس سجد کے ہاں آ گیا تھا۔ سجد نے فار یہ کو کافی بتانے کے لیے کہا تھا، وہ پہلے ہی کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ صفائی اس نے اور سجد نے مل کر کی تھی۔ برتن چھوڑ کر اس نے پہلے دودھ ساں پین میں ڈال کر برن پر رکھا تھا، پھر کافی پیچھے لگی تھی۔

گھر میں بے مقفی خاموشی چھائی ہوئی تھی، دودھ دانوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بالکل خاموش تھے۔

”کتنی خواہش تھی تمہاری شادی کی اور اس طرح آغاز ہوا ہے جیسے کسی جرم کی ابتدا ہو رہی ہو۔“ سجد گہری سانس لے کر خاموشی کو

توڑتا ہوا گویا ہوا۔

”واو..... کیا جملہ استعمال کیلئے، میرا نکاح اور جرم کی ابتدا!“ وہ ہنستا ہوا بولا تو اسے خوابی کچل کچل ہنسی کا احساس ہوا۔

”ہنس مت۔“

”کیوں؟“

”اس سے تیرے اندر کا بھید صاف ظاہر ہوتا ہے۔“

”شادی کے بعد لوگ سنا ہے زن مرید بن جاتے ہیں مگر تو نجوی بن گیا ہے جس طرح نجوی ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر قسمت کا

حال بتاتے ہیں، اسی طرح میری ہنسی سے تو میرے دل کا حال جان رہا ہے، ان جھوٹے فریبی نجومیوں کی طرح تیرا دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔“

”معلوم ہے مجھے تو اپنی غلطی مانتا کب ہے مگر یہ جو تو نے کیا ہے اسے ہر حال میں تجھے بھانا ہوگا، کیونکہ یہ معاملہ کسی اور کا نہیں،

میری بہن کا ہے جو مجھے تجھ سے بڑھ کر عزیز ہے۔“ سجد سنجیدہ تھا۔

”اگر ایسا کچھ کرنا ہوتا تو میں ایسا کیوں کرتا، تمہیں اس کی اتنی فکر ہے جس سے رشتہ بنائے کچھ عرصہ گزرا ہے اور مجھ پر اتنی بے

اعتمادی جس کے ساتھ کاسفر سالوں پر محیط ہے، اتنی بے اعتباری کی وجہ آخر کیا ہے؟" انس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔
 "وجہ یہی سالوں کی دوستی ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"اتنی پرانی دوستی مجھے انظار کرتی ہے کہ تم صدق جذبیوں سے کرن کو اپنا نہیں پائے ہو تمہاری یادوں سے منال نکل نہ پائی ہے اور کرن کو وہ پیار و احساس شاید کبھی نہ دے پاؤ جو ایک بیوی کو اپنے شوہر کی جانب سے ملتا ہے اور یہ عورت کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی و ناانصافی ہے جو سب کچھ چھوڑ کر آپ کی بن جاتی ہے اور بدلے میں آپ اسے کیا دیں گے۔"
 "جو اس کے نصیب میں ہوگا، اسے مل جائے گا۔ تم فکر مند مت ہو۔"

فارہ یہ کافی لے آئی تو دو خاموش ہو گئے۔ وہ کافی دونوں کو دے کر واپس چلی گئی تھی۔

"مگر یہی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کرن نے جس انداز میں ان کی کیئرنگ کی ہے وہ اسی کیئرنگ کی عادی ہو گئی ہیں۔ ملازمین شہو اور چندا بہت دل و جان سے ان کی خدمت کرتی ہیں۔ خیال رکھتی ہیں مگر بھر بھی وہ کرن کو بے حد مس کرتی ہیں، پاپا بھی اسے بے حد پسند کرتے ہیں۔ آخر تم بھی اس کے شیعہائی ہو دو لوگوں کو گردیدہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، پھر بھلا میں کتنے عرصے تک اس کی چشم کرم کی زد سے بچ سکوں گا۔ کبھی نہ کبھی میں ویسا ہی بن جاؤں گا جیسا تم یا وہ دیکھنا پسند کرے گی۔" اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا تھا اپنے احساسات کا۔
 "سعد کی بنیدگی برقرار رہی تھی۔"

"جب تم منال کو بھلا نہیں پائے تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کرن کی زندگی برباد کرنے کا، کیوں وی ہے تم نے یہ بھیک اپنے نام کی اسے۔"

"اس وقت ہم ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اور پہلے میں نے اسے پر پوز کیا، وہ نہیں مانی تھی۔ آج ان نے خود آخر کی جیسے میں رو نہیں کر سکا اور کیا کرتا میں، منع کر دیتا اسے۔"

سعد کی بنیدگی اسے تپا گئی تھی۔

"پلیز کول ڈاؤن، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"سب سمجھتا ہوں میں، تمہیں مجھ سے زیادہ اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ میری تمہاری نظروں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ پوری طرح غصے کی زد میں تھا۔

"تم اس قدر چڑ کیوں رہے ہو، میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" سعد اس بار مسکرا کر گویا ہوا۔

"سب سمجھتا ہوں میں تمہاری مکاریاں، بہن کے بھائی بے اور دوست کی فکری نہیں ہے، پہلے ہر بات تم سے شیر کیا کرتا تھا، اب ایسا نہیں ہو پائے گا۔"

”کیوں اب ایسا کیوں نہیں ہو پائے گا؟“ سعد متوجہ ہوا۔

”پہلے تم دوست تھے اور اب سالے بن گئے ہو۔“ بات کے اختتام پر دونوں بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

”بڑی ہن رسی ہے سالے بہوئی میں۔“ قاریہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی اور ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”بھابی! آپ بھی اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔“ انس کافی کامگ منہ سے لگاتے ہوئے بولا۔

”آف کورس، بیوی میری ہے، میرا ہی ساتھ دے گی۔“

”انس بھائی! اب آپ کو بے حد الٹ رہنا ہوگا۔ نہ معلوم کس دن وہ لوگ کرن کی شادی کریں، کیونکہ وہ لوگ بہت ہوشیار ہیں،

کسی طرح انہیں شک ہو گیا تو انتظار نہیں کریں گے۔“ قاریہ نے تنبیہ کی سے مسئلے کی طرف متوجہ کیا تھا۔

”میں الٹ ہوں، مجھے احساس ہے معاملے کی سنگینی کا، پھر پاپا بھی پوری طرح اپنے دوستوں کے ذریعے معاملے پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، اگر اللہ نے چاہا تو کوئی گزب نہیں ہوگی۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا وہ باپ ہے یا قاتل؟ اتنے عرصے بعد بیٹی سے اٹنے کے باوجود بھی محبت بیدار نہ ہوئی۔ حد ہوتی ہے

بے حسی کی پھر وہادی کیسی ہیں جن کے دل میں ذرا بھی خوف خدا نہیں ہے جان بوجھ کر اس کا بڑا چاہ رہی ہیں۔“

”جن کو حکمرانی کے سزے پڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے انہیں فکر ہوتی ہے تو صرف اپنی حکمرانی کی۔“

”آپ لوگ دعاؤں میں یا در کھئے گا، درحقیقت ان دنوں دعاؤں کی اشد ضرورت ہے مجھے۔“ وہ جاتے ہوئے گویا ہوا۔

وہاں سے دو سیدھا جام چلا آیا تھا۔ سوئمنگ کے دوران بھی اس کی نظریں متلاشی رہی تھیں کسی وجہ کی۔ سوئمنگ کے بعد ڈریس پہنچ

کر کے وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا تو جانا پہچانا خوشبو کا جھوٹکا اس سے نکرایا۔ اس کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”گڈ ایوننگ، مجھے معلوم تھا تم ہمیں ملو گے۔“ سلک گولڈن بارڈوالی سرخ ساڑی میں سرخ لپ اسٹک سے جنوں کو دکھائے، گولڈن

جیولری و بے تحاشہ خوشبوؤں میں سی، اخروئی ٹکڑیوں کو پشت پر بکھرائے وہ اس کے سامنے تھی، جس کے آنے کی امید اسے تھی، وہ آگئی تھی۔

”مجھے معلوم تھا آپ ہمیں ملیں گے۔“ وہ گولڈن پرس ٹیبل پر رکھ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”اتنا یقین تھا میرے لئے پر۔“ دو اچل جوس پیتا ہوا بولا۔

”آف کورس، یقین سے بھی زیادہ یقین تھا۔“ دو اٹھلائی تھی۔

”وہ آپ کے میاؤں صاحب کیسے ہیں؟“

”میاؤں؟“ وہ ہنسی۔

”گڈ جوک۔“ سرور شاہ کبھی بھی میری پسند نہیں رہا۔ وہ ڈیڑی کی وجہ سے مجھے اس سے میرج کرنی پڑی تھی، ورنہ وہ کہاں میرے

قابل تھا۔ ایک دم اسنو پڑ اور گھٹیا شخص۔“ اس کے دل کی بات لیوں پر آ رہی تھی۔ انس اطمینان بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ایسے مت کہو، مجھ سے بڑھ کر وہ تمہاری چوٹس تھا۔“

”میں نے کہا نہ ان دنوں ڈیلی کو بزنس میں بہت لاس ہوا تھا قرض داروں نے زندگی حرام کر رکھی تھی۔ بینک الگ ہر شے بنانا کرنے کی سعی میں لگے ہوئے تھے۔ ایسے میں اپنی عزت و ساکھ بچانے کے لیے ڈیلی کو میں نظر نہیں آئی اور انہوں نے اس بڑے کھوسٹ سے میری شادی کر کے نہ صرف اپنی ساکھ و عزت بچائی بلکہ بزنس بھی بچا لیا، جب تو میں بھی ڈیلی کی باتوں میں سب کچھ بھول چکی تھی اور اس وجہ سے سرور شاد سے شادی کر بیٹھی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہوا تم کو میں کبھی بھول نہ سکی ہوں اور نہ بھول سکتی ہوں، تم تو میرے خون میں رواں ہو، میں سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں مگر اب تم سے جدائی موت ہوگی۔“ وہ آج گھر سے تہیہ کر کے آئی تھی، ہر صورت میں اس کو منوا کر چھوڑے گی۔

”سوچ سمجھ لو، میرے پاس دولت تو بے حساب ہے مگر تم سے شادی کرنے کی وجہ سے پاپا کچھ نہ دیں گے۔“

”نہ دیں، میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ آج رات کو ہی سرور شاہ مجھ کو تمام پر اپنی کے کاغذات دے دے گا جو وہ میرے نام کر چکا ہے۔ تم کو ملے سے اب کون روک سکتا ہے۔ آج ڈاکو محسوس نہیں گئے، جلد ہی میں ڈاکو رس نے لوں گی اس سے، پھر وہ ساری دولت ہماری ہوگی، ہم یہ ملک چھوڑ دیں گے، باہر کسی اچھے کنٹری میں رہیں گے، وہاں ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کر سکے گا۔“ وہ بیٹھی بیٹھی خوابوں کی دنیا میں چنچنے ہوئے یہ بھی فراموش کر گئی کہ کہاں بیٹھی ہے ہمارو گرد سے بے خبر اس کی حسین آنکھوں میں آنے والے خوش رنگ لہو کی جھلکاہٹ تھی۔

”بھونٹا، خاموش کیوں ہو، میرا ساتھ دو گے نا؟“ دوسرا ہل پر بہت بھاری گزرا، جب بھر پور تھپڑ اس کے رخسار کو دھکا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

لٹاری ہاؤس میں تزئین و آرائش کا کام از سر نو شروع ہوا تھا۔ کرن کی شادی عین دن بعد ہو رہی تھی۔ دکھاوے کے لیے ہی سہی۔ والدہ حضور تیاریاں کروا رہی تھیں۔

زیورات کی ان کے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ انہی میں سے چند سیٹ انہوں نے کرن کے لیے منتخب کیے جو دیکھنے میں بڑی بھاری بناوٹ کے تھے مگر وزن پھولوں کی طرح رکھتے تھے۔

کپڑے انہوں نے سلوانے دیئے تھے، ٹیلر میس آ کر ٹاپ لے گیا تھا۔ کامران مرزا نے کہلوا یا تھا کہ وہ کرن کو اپنے ہمراہ شاپنگ کروانا چاہتے ہیں تاکہ وہ ہر چیز اپنی پسند کی خریدے مگر ان کی اس خواہش کے جواب میں والدہ حضور نے کہلوا یا تھا کہ وہ خاندانی لوگ ہیں اور ان کے خاندان میں لڑکیاں شادی سے قبل اپنے سرسرایوں کے ساتھ گھومتی پھرتی نہیں ہیں جو لانا ہے ہمارے خاندانی دکار کو مد نظر رکھتے ہوئے خود خرید لائیں۔ جواباً کامران مرزا بھگتے دوڑتے معذرت کرنے آئے اور خوب ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگیں۔ عجیب لوگ تھے۔

کرن کو شادی تک باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں لغاری کرے میں آئے تو وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"مجھے اچانک بزنس کے سلسلے میں باہر جانا پڑ رہا ہے، اس امیر خنسی کی وجہ سے تمہاری شادی پرسوں کے بجائے آج ہو رہی ہے۔" وہ اپنے مخصوص سخت و بارعب انداز میں گویا ہوئے تھے۔



اس کی ساتھوں میں دھماکے کوچ اٹھے تھے۔ دل اس بڑی طرح دھڑکا کہ دو لمبے بھر میں پسینے میں شرابور ہو گئی۔

"خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔ کامران مرزا سامان لے کر پہنچ رہے ہیں۔ میں نے شہر کی ماہر پیوٹیشن کو بلوایا ہے، وہ کلپنے والی ہوگی۔" وہ ان کو اطلاع کے ساتھ ساتھ حکم بھی دیتے جا رہے تھے۔

"پیوٹیشن۔" وہ استہزائیہ انداز میں کہی، یہاں لغاری نے تعجب خیز انداز میں اس کی جانب دیکھا مگر خاموش رہے۔

"آپ کے یہاں مردوں کا بھی میک اپ کرنے کا رواج ہے؟"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"یہ بکواس نہیں ہے۔ شادی!... شادی! کیا رٹ لگا رکھی ہے آپ نے۔ ایک ہفتہ بھی مکمل میں آپ کے سنگ گزار نہیں پائی ہوں پھر آپ بوجھ کی طرح مجھے سر سے اتار بیٹھنے کو کیوں تیار ہیں جیسے کئی سالوں سے مجھے برداشت کرتے آ رہے ہوں۔ ایک ناقابل برداشت بوجھ بن گئی ہوں، جیسے لوگ مردے کو دفنانے کی جلدی کرتے ہیں، اسی طرح آپ مجھے زندہ دفن کرنے کی تیاریوں میں مگن ہیں۔ آخر کیوں کر رہے ہیں آپ یہ سب؟" وہ دہرا احتجاج انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہم تمہارے باپ ہیں اور ہمیں اختیار حاصل ہے اپنی ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی سے عہدہ دہرا ہونے کا۔"

"باپ..... باپ آپ خود کو کہلاتے ہیں کبھی اس عین حریفی جیلے کے اصل منہ بوم سے واقفیت ہوئی ہے آپ کو؟ اس سے قبل کبھی

آپ کو یاد نہیں آیا کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی ہے جو آپ پر اتنے ہی حقوق رکھتی ہے جتنے آپ اس وقت مجھ پر جتا رہے ہیں۔

"دیکھو لڑکی! یہ ہم جانتے ہیں کہ زبان و دماغی اور بدتمیزی میں تم اپنی ماں کی طرح ہو لو وراس لیے....."

"میری ماں سے اب آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے، لہذا آپ ان کا ذکر مت کیا کریں۔"

"آل رائٹ۔ کبھی تو تم ٹھیک ہو، اس کا نام ہماری زبان پر آئے گا بھی نہیں۔ رہا سوال تمہاری اس طرح شادی کا تو جواب اس کا یہ

ہے کہ اول تو تمہاری سنگت شروع دن سے ایسی عورت کے ساتھ رہی جو اپنے بھائیوں کے چہروں پر رسوائی کی سیاسی تھی تو تم کس طرح ہمارے لیے یا کسی بھی مرد کے لیے معتبہ ہو سکتی ہو؟ دوئم تم نے اس شخص اور اس کے بیٹے کے ساتھ مراسم رکھ کر خود کو بالکل ہی ناقابل قبول بنا لیا ہے۔"

لفظوں کے گھاؤ چہرے کے تاثرات سب سے سخت کبیدگی اور نفرت عیاں تھی، جو اسے ان سے ہر بار پہلے سے زیادہ خطرناک اور دور کر دیتی تھی اسی نفرت اور تذلیل کے احساس نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

الزام و الزام

تحقیق و تامل

تغیر و تبدل

سلسلہ در سلسلہ چلتا جا رہا تھا۔

اس کی ماں نے اس برجائی وجہت ناشائس مرد کی خاطر اپنی زندگی کسی قیدی کی مانند گزار دی تھی۔ اس نے انہیں کبھی اچھے یا گہرے رنگ کے کپڑوں میں نہ دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ہلکے رنگوں، سٹے پرنٹ والے کپڑوں کی عادی تھیں۔ زیور کے نام پر ان کے کانوں میں ہالیاں رہتی تھیں اور ناک میں لوہے جو ہارے یہاں سبائٹوں کی نشانی کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ سادگی، صبر و قناعت ان کا زیور تھی۔ کم گوئی، سنگھار و آرائش تھی۔

جس آدمی نے انہیں کبھی سمجھا نہیں مرتے دم تک وہ اسی سے وابستہ رہی تھیں۔ اس وفا اور ریاضت کا یہ انعام تھا۔

”اپنی ماں کی موت اور ان بہتان تراشیوں کا حساب تمہیں دینا ہو گا برہان لغاری صاحب۔“

اس کے اندر شرارے پھوٹے نکلے تھے۔ برہان لغاری اپنی بات کہہ کر جا چکے تھے، وہ جو غصے و جذبات کی لہر میں بیہوش تھی، فوراً ہی احسان کے ساحل پر اسے آنا پڑا کہ جو کچھ کرتا تھا ابھی اور اسی وقت کرتا تھا۔ وقت کی لگا میں ہاتھ سے چھوٹ گئیں تو کامیابی کا گھوڑا ہمیشہ کے لیے ہاتھوں سے نکل جانے کا اندیشہ تھا۔

مائی نیکتہ جو اس کی راز دار و دھرم دہی اب موقع تھا اسے پوری طرح راز داری میں لینے کا اور اس نے یہی کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ صرف ایک تھپڑ نہیں تھا، ایسے ہی جان دار اور جارحانہ تھپڑوں نے اس کی آنکھوں سے اندھیرے کی دھیر چادر تان دی تھی۔ ساری جگہ ایک دائرے میں گول گول گھومتی نظر آ رہی تھی۔

”بے غیرت! ہر جانی ابد ملن عورت! میں تجھے آسمان میں چمکنا ستارہ سمجھا تھا اور تو..... آج تو واشدید نفرت و کراہت سے سرور شاہ نے تھوکا تھا، ان کی آواز پر منال کی بند بولی آنکھیں ایسے جھٹکے سے کھلیں گویا تانہ انگلی میں اس نے چار سو چالیس دولٹ کے تار کو پھولیا ہو۔“ اور تو زمین پر پڑے سنگریزے سے زیادہ معمولی و کمتر نکلی۔ تجھے میں نے دل میں بیٹھا مگر ٹو قدموں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔

جس کو کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا گیا تھا۔ سرور کے سخت غصے و اشتعال کے مارے گئے تھپڑوں نے درد و اذیت سے پہلی بار روشناس کروایا تھا۔ پھر یہ احساس کہ سرور شاہ نے اسے اس مڈ کے ساتھ بیٹھے اظہار عشق کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ احساسات کی یورش یکے بعد دیگرے دار و دہی تھی اور وحشتیں اس کی رگ دپے میں اترتی جا رہی تھیں، استغراب و اضطراب کے سمندر میں تہہ در تہہ

وہ کم ہوتی جا رہی تھی، مگر ان کی میں اترتی جا رہی تھی۔

”سر..... اور..... آپ..... غلط فہمی..... کا شکار ہو رہے ہیں۔“

”سب آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود، کانوں سے سننے کے باوجود بھی میں غلط فہمی کا شکار ہوں، نا ہمارا عورت۔“

کیسی کایا ٹٹٹی تھی یہ۔ کل تک اس کی اداؤں پر شمار ہونے والا شخص، جو اس کی بے انتہائی و بے قوجہی پر بھی سو جان سے نڈا ہوتا تھا۔ اس کی ایک مسکراہٹ کی خاطر لاکھوں روپے لحوں میں بچھا دینے کو تیار رہتا تھا جس کی ٹکاہوں میں ہر لمحہ پیار و چاہت کی وارفتگی چمکتی رہتی تھی، جس نے اسے پھولوں سے زیادہ حفاظت اور کلیوں سے زیادہ نزاکت سے رکھا تھا۔ اسی نے آج لحوں میں عرش سے فرش پر لا اچھا تھا۔ جن آنکھوں میں ولولہ انگیز چاہت کے ویسے روشن رہتے تھے ان ہی آنکھوں میں اب قبر و غضب، نفرت و حقارت کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

”مجھے اپنے بیٹے کے مستقبل کا خیال نہ ہوتا تو میں تجھے شوٹ کر دیتا، جا تجھے اپنے بیٹے کے پیار کی بھیک کے طور پر زندہ رکھا ہے۔ اب بھی میرے سامنے آنے کی کوشش مت کرنا، گیٹ لاسٹ۔“ اس نے منال کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکے سے دور کیا تھا۔

”سرور! پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کرو سرور۔“

منال تیزی سے سرور شاد کے پیچھے دوڑی تھی مگر وہ ہوا کی مانند چٹا کاڑی سمت بڑھ گیا تھا اور دوپکار رتی رو گئی تھی۔

یگانہ اسے انس مدر کا خیال آیا تو اس نے بھنگی ہوئی ٹکاپیں چاروں سمت دوڑا دی تھیں۔ وہ کہیں نہیں تھا، نہ معلوم کس دقت وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ کیا اس کو اس طرح مجھ کو چھوڑ کر جانا چاہیے تھا۔ اس کے اندر سے صدا اُبھری۔

”ہاں۔ اچھا ہوا وہ چلا گیا، ورنہ نہ معلوم کیا ہو جاتا؟ مجھے وہ اس طرح سرور سے مار کھانے دیکھ کر برداشت کر سکتا تھا..... نہیں ہرگز نہیں۔ یہ سب کس طرح سے ہو گیا؟ سرور تو پارٹی میں گئے تھے پھر یہاں کیوں آئے؟ کیا انہیں کسی نے انکاریشن دی مگر کس نے؟“

سوالات اس کے ذہن کو جھنجھوڑے لگے اور وہ پکراتے سر کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

راحیلہ کی دونوں چھوٹی ننہیں مائرہ اور سارہ چند دن گزارنے ان کے پاس آئی تھیں۔ ساتھ مائرہ کی بیٹی مہوش بھی تھی۔ راحیلہ بہنوں اور بھانجی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ بڑی گرم جوشی سے ان کی آؤ بھگت کی اور ملازمہ کورات کا کھانا تیار کرنے کا حکم دے کر ان کے ساتھ گپ شپ کرنے لاؤنج میں براجمان ہوئی تھیں۔

یلو تالین پر بلو اور ہنک کنٹر اسٹ میں خوب صورت کڑھائی والے فلور کشنز پردہ تینوں بڑے آرام دہ انداز میں نیم دراڑ تھیں، جبکہ ان سے کچھ قاصلے پر مائرہ صوفے پر مہوش بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی۔

”شکر ہے آپا! اللہ نے یہ دن دکھائے کہ ہم اس طرح سکون سے بیٹھ کر بے فکری سے گفتگو کرنے کے لیے آزاد ہوئے، ورنہ اس

سے قبل وہ تہماری دیورائیاں اور ان کی اولادیں ادھر ادھر چپکلیوں کی طرح چپک کر باتیں سن رہی تھیں۔ ساحر نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔
 ”پھر چند ایس لڑائی میں طعنے دیتی تھیں۔“ مارو نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

”بڑی شاطر، بڑی احسان فراموش نکلیں، لو شاہہ اور اس کی بیٹی کرن کو ہر طریقے سے زہق کرتی تھیں۔ کسی موقع پر مجھ سے پیچھے نہیں تھیں مگر جب وقت پڑا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں، مارے حیرت و صدمے کے میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کروں؟“
 راحیلہ کو وہ وقت بھولنا نہ تھا جب زندگی میں پہلی بار عام صاحب نے ان پر سب کے سامنے ہاتھ اٹھایا تھا اور رخسانہ اور آسیہ صاف ان پر الزام لگا کر بری الذمہ ہو گئی تھیں، حالانکہ بخشتا تو ان کو عابد اور عامر نے ہرگز نہیں تھا مگر راحیلہ کی بری طرح سبکی ہوئی تھی۔
 شوہر کی خفگی و غصہ، بیٹے کی ناراضگی و جدائی، انہیں وقتی طور پر بے حد بدحواس کر گئی تھی، پھر آسیہ اور رخسانہ کے دھوکے و فریب نے انہیں بیمار کر ڈالا تھا مگر وہ بھی کوئی سادہ و عام عورت نہ تھیں، بدلہ لینے میں وہ ناممکن کی فطرت کی حامل تھیں اور ان کو یہاں سے نکال کر وہ بدلہ لے چکی تھیں اور ان تمام عوامل کے پیچھے زور دار معرکے ہوئے تھے۔

اب عام صاحب ان سے سمجھوتہ کر چکے تھے گو پہلے جنسی محبت و اعتماد ان کے انداز میں نہ تھا، ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ گھر میں حکمرانی کر رہی تھیں جو کسی اور کچھ احسانِ خداست حمزہ کا گھر چھوڑ دینے کی وجہ بنا تھا، وہ بھی یکفخت پانی کے بلبلے کی مانند گم ہو چکا تھا۔ وہ اپنی پرانی جون میں لوٹ آئی تھیں۔

”آپا دیورائیاں تھیں وہ کوئی ہنسن نہیں جو بڑے وقت میں ساتھ دیتیں تمہارے تو سب کا نئے نکل گئے عیش ہو گئے رنج کر۔“
 ”سب سے بڑا کاٹا تو وہاں بیٹی تھیں، اصل خطرہ مجھے انہی سے محسوس ہوتا تھا۔ حمزہ نے اپنی پھپھو کے آگے کب اہمیت دی ہمیں جب بھی دیکھا اسے پھپھو کی غلامی کرتے یا کرن کے آگے پیچھے پھرتے دیکھا۔ ہمارے پاس تو وہ ازراہِ مردت گمزی و دگمزی نکلتا تھا۔ سب سے زیادہ عزیز تھیں وہاں بیٹی اسے، بلکہ ماں سے زیادہ بیٹی عزیز از جان تھی۔“
 اپنی ماں کے منہ سے حمزہ اور کرن کے متعلق گفتگو نے صوفے پر دروازہ مہوش کو چونکا کر دیا تھا، ویسے بھی وہ میگزین کے بہانے ان کے درمیان موجود تھی۔ نگاہیں میگزین پر اور ساتھیوں ان کی طرف تھیں۔

”تب ہی تو میں نے ذرا زور ڈالا تھا عام پر، جو وہ اس سے بری طرح بدعین و متفر ہوئے کہ ان ماں بیٹی کو نکال باہر کیا۔ اب اسے میری خوش قسمتی کہو یا ان کی بد نصیبی جو وہ پلٹ کر آئی نہیں۔ اس عمل نے میرے تمام جھوٹ و کجاس کو جج ثابت کر دیا، اور نہ عام کب میری مانتے اگر حمزہ آپ سے کہہ دیتا کہ وہ کرن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ بڑی خوشی سے یہ رشتہ کرتے۔ کئی بار مجھ سے کہہ چکے تھے، کرن کو حمزہ کی ڈیہن بتاؤں گا، وہ ہماری بہو بنے گی۔ بس تب ہی سے میں نے ان کو یہاں سے نکالنے کی پلاننگ ٹائٹ کر دی تھی اور کیوں نہ کرتی، میرا دل تو شروع سے مہوش پر فدا ہے، میری بہن کی بیٹی کا حق ہے اس گھر میں راج کرنے کا۔“

انہوں نے پیار بھری نگاہیں مہوش پر ڈالتے ہوئے کہا جو شرمیں انداز میں ان کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

”ہم بہنوں میں سب سے کچھ دارلورڈ ہیں آپ اتم ہی رہی اور خوش قسمت بھی۔ اگر نو شاہ نہیں مرنی تو کرن کو بہنو بنانا ہی پڑتا، پھر اس کے مرنے پر کفن و فن، سوگم، چالیسواں ہر کام پر خرچہ الگ کرنا پڑتا، ہر طریقے سے بچت ہوگئی تمہاری۔“

مازہ داد دینے والے انداز میں راحیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔

”ہاں یہ بات تو ہے۔“

وہ تینوں باتوں میں گن لابی سے گزرتے حزرہ کو دیکھ نہ سکی تھیں جو ماں کی باتیں سن کر جان چکا تھا کہ جو لوگ خود کو بدلنے کی سعی نہیں کرتے، ہدایت طلب نہیں کرتے، ان کو اللہ تعالیٰ بھی نہیں بدلتا، نہ ہدایت دیتا ہے جو لوگ حسد کی زمین میں بغض کے بیج بوتے ہیں وہ پھر با حیات دیکھوں و مصیبتوں کی فصل کاٹتے ہیں۔ اس کی ماں بھی ایک ایسی ہی بے ہدایت و بد اعمال عورت تھی۔ دو بے آواز داہن پلٹ گیا تھا۔ ماں کی جانب سے معلوم ہونے والی باتوں نے اس کا دل ان کی جانب سے سخت کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

عکس خوشبو ہوں بھرے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ پہنچے کوئی
کاتبِ اُفقی ہوں میں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پر تیرا نام نہ پڑے کوئی
جس طرح خواب ہو گئے میرے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ ٹوٹ کر بکھرے کوئی
میں اس دن سے ہراساں ہوں کہ حکم ملے
خنگ پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس اُمید پر دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں، آئے کوئی

دل میں برسرِ پیکار اضطراب و کشاکش کو وہ دور نہ کر پائی تھی، دو بڑا دل نشین و حسین خواب دیکھ رہی تھی۔ سرد شاد، جس کی بھینک تعبیر بن کر وارد ہوا، لکھن میں گلستان کو ریگستان میں تبدیل کر گیا تھا۔

مٹانی نے جس دولت و جائیداد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے سے ڈگنی عمر والے شخص سے شادی کی تھی۔ جھوٹی محبت جمائی تھی،

قربت برداشت کی تھی، یہ سب کرنے کے بعد وہ کسی طرح بھی اس پر اپنی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔ وہ ماں کی طرح ہی لالچی و ہرجائی فطرت کی مالک تھی۔ عورت جب نفس کو مارتی ہے، طرف دعوے سے کام لیتی ہے تو پھولوں کی طرح پاکیزہ و پہاڑوں کی طرح بلند ہوتی ہے اور اگر نفس پرستی، کم ظرفی کو متعدد حیات، بنا لیتی ہے تو پھر کسی کے لیے قابل قبول معجزہ نہیں رہتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے مفاد، اپنی اغراض سے دلچسپی ہوتی ہے، وہ بھی ایسی ہی تھی۔ معمولی سی بے احتیاطی سے ہاتھ آنے والی دولت کم ہونے کو بھی مگر وہ کس طرح ہاتھ آئی دولت کھو دیتی، یہ ممکن نہ تھا۔

اس نے چہرے پر اندامت و معصومیت کا نقاب ڈالا، آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات لیے وہ سرور شاد کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ بیڑوم میں تھے۔ منال دبے قدموں آگے بڑھ آئی۔ وہ اینی جیٹر پر بیٹھے تھے۔ چہرے پر متاع حیات لٹ جانے کا سوز پھیلا ہوا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں، بال مٹیوں میں جکڑے از حد دل گرفتہ حالت میں راجمان تھے۔ اگر منال میں دقا ہوتی، اپنے منصب کا پاس ہوتا تو وہ اپنی گمراہ کن خواہشوں دستی آرزوؤں کو ٹھوکر مار کر اس شخص کی رفاقت کو ہی اپنے لیے سب سے بڑی دولت سمجھتی کہ کچی داموں محبت سے بڑھ کر کوئی دولت ہو ہی نہیں سکتی، لیکن وہ دولت پرست و نفس پرست عورت تھی، اس لیے نہ اس کو اپنی حرکتوں پر پشیمانی کا احساس غالب ہوا اور نہ ہی اس کے اندر احساسات موم ہوئے، بلکہ کڑی کی مانند کمر درغیب کے جالے تیزی سے پھیلا رہی تھی۔

”سرور! پلیز مجھے معاف کر دیں۔ مجھے نہ معلوم کیا ہو گیا تھا۔ میں آپ کے بغیر زندہ کیسے رہ سکتی ہوں۔“ وہ چیئر کی بیک پر کھڑی اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”عورت ایک بار نظروں سے گر جائے تو کبھی نہیں اٹھ سکتی۔ بہت خلوص اور مکمل دیانت داری کے ساتھ میں نے تمہیں شریک حیات بنایا تھا اور شادی سے قبل اپنے متعلق سب کچھ بتا ڈالا تھا۔ تم سے قبل شکستہ ٹیلی عورت، پہلی بیوی میری زندگی میں شامل ہوئی، اس کے انتقال کے بعد کئی سال تک میں شکستہ کی محبت کے بحر سے آزاد نہ ہو سکا، پھر تمہیں دیکھا تو مجھے اور اک ہوا زندہ رہنے کے لیے، زندہ لوگوں کی رفاقت ہی سکون دیتی ہے، ہر ملاقات کے بعد مجھے تمہارا قرب، تمہاری چاہ کی آرزو بے کل کرنے لگی تو میں نے جانا شکستہ کے بحر سے آزاد ہو کر میں تمہاری محبت میں ڈوب چکا ہوں۔ محبت تو اندھی ہوتی ہے۔ آنکھوں کے باوجود، کانوں کے باوجود معذور ہو جاتی ہے۔ تمہارے حصول کے لیے مجھے کروڑوں کا خسارہ برداشت کرنا پڑا تھا مگر پھر بھی میں خوش تھا کہ میری بناوی گئی، جو تم میری ہو گئی ہو۔“

”میں اب بھی آپ کی ہوں۔ صرف آپ کی۔ وہ میری بھول تھی۔“ منال نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کے سینے سے لگنا چاہا تھا لیکن انہوں نے اسے اس طرح جھٹکا، گویا کسی گندگی کو جھٹک رہے ہوں۔ منال ان کے نظرت و گریز بھرے انداز سے دم بخور ہو گئی تھی۔

”میں بات کو زیادہ طویل دینا نہیں چاہتا۔ بس اب ہماری راہیں جدا جدا ہیں۔ اب کوئی عورت میری زندگی میں نہیں آئے گی۔ کسی پر اعتبار و بھروسہ نہیں کر سکوں گا۔ چلی جاؤں یہاں سے طلاق کے کاغذات تمہیں مل جائیں گے۔“ سرور شاہ نے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا تھا۔

”سرور..... سرور اقا رگا ڈسک اتے اسٹون نہ بنیں۔ میری بات سنیں۔“ اس کو محسوس ہوا جیسے قدموں تلے زمین کھسکنے لگی ہو جس دولت و جائیداد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے پانچ سال اس کے سنگ گزارے تھے، یوں آناٹا ناہاتھوں سے نکل جائے گی؟ طلاق تو وہ بھی لیتا جا رہی تھی مگر اس طرح خالی ہاتھ نہیں، بلکہ سب سمیٹنے کے بعد اب اسے لگ رہا تھا کتنی سنگین غلطی کر بیٹھی تھی، انس سے چند لمحوں کی ملاقات کتنی ہیبتی پڑی تھی، اتنی یادوں پر اپنی ہاتھ سے لٹکنے کا مال اس کے اندر اندھیرا بن کر اترنے لگا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

”یہ آنسو عورتوں کے پرانے ہتھیار ہیں جو مجھ جیسے بندے پر کبھی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ اپنے بچے کی خاطر میں بے غیرت بن گیا ہوں، ورنہ تم زندہ نہ ہوتیں۔ بہت بڑا فریب دیا ہے مجھے ناقابل فراموش ڈک“۔ سرور شاہ ڈک و مضبوط کی کٹھن گھڑیوں سے گزرتا بے حد دل گرفتہ و افسردہ تھا۔

”مجھے معاف کر دیں سرور پلیز۔“

”میں تمہیں معاف کر چکا ہوں، پلیز اب چلی جاؤ کبھی نہ آنے کے لیے۔“

”اتنے سنگ دل نہ بنیں سرور! جس نے آپ کو میرے خلاف بھڑکایا ہے، اس کا نام بتائیں میں اسے چھوڑ دوں گی نہیں۔“

”انس مدر ہے تاہم اس کا جو بروقت تہناری ہر جانی فطرت سے آگاہ نہ کرتا تو نہ معلوم کب تک تم مجھے آنو بیٹے رکھتی۔“ سرور شاہ اور بھی اس کی ہر جانی صفات بیان کر رہے تھے مگر وہ بیٹھا تھا کہیں۔ وہ سکتے کی کیفیت میں کمزری رہ گئی تھی۔ ساتھوں میں یہی نام گونج رہا تھا۔

”انس مدر ہے نام اس کا۔“

”انس مدر ہے نام اس کا۔“

”انس مدر۔“

”انس مدر۔“

دیواروں، دروازوں، دھڑکیوں، پردوں، فرنیچر، ہر شے سے، ہر سمت سے، ہر گوشے سے یہی نام گونجنے لگا تھا۔

مارے صدمے و حیرت کے اسے اپنی رگیں پھنکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ سراتنی تیزی سے چکرایا کہ ہر شے میں گردش نظر آئی۔ اس نے سہارے کے لیے سرور شاہ کا بازو تھامنا چاہا، وہ اسے تھامنے کے بجائے کمرے سے نکل گئے اور وہ کئے ہوئے مہیر کی مانند میں یوں ہو گئی۔ چیشانی ماربل اسٹون کے میگزین ہر ایک سے ٹکرا کر لیولہاں ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

زندگی کی بساط پر جیت و شکست کے مہرے بدلتے رہتے ہیں۔ وقت یکساں کہاں رہا ہے۔ بے حساب رنگ و بے شمار روپ ہیں

اس کے۔ ہر رنگ پہلے سے جدا ہر روپ دوسرے سے مختلف ہے، موسموں کی تبدیلی، وقت کا تغیر انسانی زندگی پر لمحہ اول سے حاوی رہا ہے۔ بدلتے موسم اور ڈھلتا وقت ہمارے دامن میں کچھ سوچاتیں ڈال جاتا ہے۔

بہت سی خوشیاں

بہت سے ڈکھ

بہت سے راحتیں

بہت سے کرب

ہر موقع، ہر قدم و دیت ہوتے ہیں جو کبھی کامرانی و نصرت سے سرفراز کرتے ہیں تو کبھی ناکامی و نامرادی سے بدظن و بد مزہ۔ یہی زندگی کا چلن ہے گناہ، گر کر سہلانا، سنبھل کر اٹھنا، اٹھ کر چلنا اور پھر بغیر غموں کے کھائے مضبوط قدموں سے چلتے رہنا اور منزل پالینا۔

آج میں بہت خوش ہوں اور خوش کیوں نہ ہوں کہ چھ سال کی تخت بے چینی اور کڑی ریاضت کے بعد میرے برسوں سے دیکھتے رگ و جاں کو شندک و سکون کی دولت میسر ہوئی ہے۔ آج اس حسن کی ملکہ کو آئینے میں اس کا اصل چہرہ دکھایا ہے جو بے حد کریمہ و بد صورت ہے اسے اپنے حسن پر ناز تھا، خوب صورتی پر زعم، وہ مغرور اور مفاد پرست عورت بھول گئی تھی، مرد خوب صورت و جود کے ساتھ خوب صورت کردار کا شیدائی ہوتا ہے، خواہ وہ خود اخلاق و کردار کی تمام حدود پار کر چکا ہو مگر خود اپنے لیے وہ شہنم کی طرح پاکیزہ، پھولوں کی طرح معصوم عورت کی چاہ رکھتا ہے۔ خوب صورت عورت کا بد صورت کردار کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوتا، البتہ بد صورت عورت کا خوب صورت کردار اسے مستحضر و چاہنے کے قابل بناتا ہے۔

انس مدثر کے چہرے پر طویل عرصے بعد سکون، دل آویز مسکراہٹ پھیلی تھی۔ دوریو الونگ جیٹر پر جھولتے ہوئے منال سے تصور میں مخاطب تھا۔ وہ بے حد سیدھا سادہ اپنی دنیا میں مگن، اپنی سوچوں میں گم رہنے والا بے حد وجیہ و ہنڈم نو جوان تھا۔ اسے اپنی وجاہت و دولت کے احساس نے بھی عشق و عاشقی یا فکرت جیسی لغویات سے دور رکھا تھا۔

جمیل کی مانند خاموش رواں دواں زندگی میں الجھل و اضطراب کا پہلا پتھر منال نے ہی پھینکا تھا اور پھر اس کی جانب سے متواتر پیش قدمی ہوتی رہی تھی۔ پارکوں، ریسٹورانٹ، ساحل سمندر، راستوں میں دو کئی چھلاوے کی طرح نازل ہو جاتی تھی۔ اس کے حسن کی بحر طرازیوں اور معصومیت و بھولہ پن کی ادائیں اسے سچ و سچ دیوانہ بنا گئیں۔ چند ملاقاتوں میں اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کے بغیر نہیں رو پائے گا۔ وہ لڑکی اسے اپنی زندگی، اپنی روح، اپنی جان کٹنے لگی تھی جس کا حصول اس نے اسی طرح چاہا جس طرح شریف و عزت دار گھرانے کے لوگ چاہتے ہیں۔ منال نے جب اس سے اپنے پروپوزل کی بات سنی تو خوب ہنسی۔

”اس میں اتنا ہنسنے کی بات کیا ہے؟ میں نے جو کہ نہیں کیا۔ ڈیڈی میرا رشتہ لے کر آئیں گے تمہارے پاپا کے پاس اور تم بھائے خوش ہونے کے پانگوں کی طرح ہنسنے جا رہی ہو۔“

وہ جو اپنی بات کے جواب میں اس کا شرمانا پچکا پتا چہرہ دیکھنے کا خواہش مند ہو کر آیا تھا، اسے بے باکی سے ہنسا دیکھ کر خاصے بگڑے موڈ سے گویا ہوا تھا۔

”تمہارے ڈیلی کو کس آنو کے چٹھے نے تجو بڑی پروپوزل لانے کی؟“

”شٹ یور ماؤتھ..... میں نے کہا ہے۔“ وہ خفگی و خجالت سے بولا۔

”اودہ موسوری۔ میری زبان پھسل گئی تھی مگر تم نے کیوں کہا؟“

وہ اس کا بگڑا موڈ اور بچہ سے تیور دیکھ کر بخیدگی سے بولی۔

”یہ کیوں سے کیا مرا وہ ہے تمہاری؟“ وہ بھنا کر بولا۔

”اودہ کم آن یا را کیوں استے میر لیس دور ہے ہوا؟“

”تم میری بات سن کر فحش رہی ہو۔ یہ مذاق مت کرو مثال۔ میں بہت بخیدہ ہوں۔“

مثال کا روکھا ولا پروا و انداز اس کے اندر ایک متوحش کرنے والی اضطرابی کیفیت کو اجاگر کر رہا تھا جس کے باعث وہ بے حد قفل و ممد بار ہونے کے باوجود جھلار رہا تھا۔ خیسے ہو رہا تھا۔

”یہ مذاق نہیں تو کیا ہے جو تم شادی کی بات لے کر بیٹھ گئے ہو۔ ہماری دوستی میں شادی کہاں سے آگئی؟ پھر میں نے کب کہا۔ میں تم سے شادی کر رہی ہوں؟“ وہ ٹیک دم پھٹ پڑی تھی۔

”سنا..... لہلہ آیا آر جو کنگت؟“ وہ شا کڈ رہ گیا۔

”بائی فٹ جوک۔“

بے حسی و بے رحمی کی سب سے اونچی مسند پر وہ اس وقت براجمان نظر آئی تھی۔ اس ایک تک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندر کہیں زور کا چمکا کا ہوا۔ کہ چیاں روح میں بیٹھت ہو گئیں۔ اپنی ذات و اپنی اتاد اپنا وقتار عزت نفس اور اس کو چاہئے کا مان سب ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں معلق نظر آیا تھا۔ یہ ایک لمحہ دیا ایک ساعت صدیوں پر محیط تھی۔ اس کی دنیا میں جاہی و بادوی پھیل گئی تھی۔

”مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس قدر نیر و استاذ ہو تو میں کبھی بھی تم سے دوستی نہ کرتی، تم نے ہماری دوستی کو غلط رنگ دیا ہے۔“

”نہیں وہ محض دوستی نہ تھی۔ دوستی اور چاہت دو الگ جذبوں کے نام ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں جگمگاتے محبت کے دیپ دہونٹوں پر کھلے چاہت کے کنول اور چہرے پر بکھری قوس قزح کے رنگوں کی دھنک میں ہمارے پیار کی جھللاہٹ تھی۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے تمہیں جو اس طرح کنکور پن کا مظاہرہ کر کے میرے جذبوں کا خون کرنے پر آمادہ ہو۔“

اس نے آگے بڑھ کر امید معرے لہجے میں کہا، اسے ابھی یقین نہیں آیا تھا تو نے بکھرے دل کو ابھی بھی دلا سہ دینے میں مشغول تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔ اس کی محبت و بے تابیوں کا امتحان لے رہی ہے۔

”ہاؤ..... سو سیڈ انس مدثر! مجھے معلوم ہوتا تھا اتنے دل پھینک ہو تو کبھی بھی تم سے دوستی نہ کرتی۔ میری صرف تم سے ہی فریڈ شپ نہیں ہے۔ بے حساب فریڈز ہیں اب خود سوچو اگر اسی طرح سب مجھے پروپوز کرنے لگیں، میری محبت، میری چاہت کا جواز بنا کر تو سوچو

میں کس کس سے شادی کروں گی؟“

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ کر اس تسخیر بھرے انداز میں مسکرائی کہ انس کی تمام توقعات و خوش فہمیاں اسی لمحے بوسیدہ و یکساز و بے عمارت کی مانند ڈھنسی چلی گئی تھیں۔

”تم نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ زمین آسمان کی طرف لوٹ جائے۔ آسمان زمین پر آسماے، میں تب بھی یقین نہیں کروں گا کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو۔ یہ ناممکن ہے۔“

اس نے ہاتھ میں پکڑا رنگ بکس دور اچھالا تھا، پوری طاقت سے اچھالے گئے بکس سے ہیرے جڑی طلائی انگوٹھی نکل کر دور مری تھی۔ اس کی وحشت زدہ بلند آواز سن کر اندر ہال میں ہلکا ہلکا کرتے اس کے بدست باہر کی سمت لپکے تھے۔

”لڑکی ہونے کے باوجود تم میں ناگن سے زیادہ زہر ہے۔ تمہارے ایک ہی دہر نے میری تمام خوشیوں و چاہتوں کو ڈس لیا ہے۔ کیوں آئی تھیں میرے پیچھے؟ کیوں مجھے اس راستے کا مسافر بنایا جس کی کوئی منزل نہ تھی۔“

دونوں ہاتھوں سے اپنے بال مٹھی میں جکڑے وہ چیخ رہا تھا، رورہا تھا، وہ ہوش و خرد سے بیگانہ لمحے بھر میں ہوا تھا۔ مثال اسے آپے سے باہر دیکھ کر خاموشی سے وہاں سے نکل گئی۔ جاتے سے اس کے ہونٹوں پر دل کش و طمانیت آمیز مسکراہٹ تھی، وہ چلی گئی تھی۔ اپنے پیچھے جاہلیاں و ڈکھوں کی برسات چھوڑ گئی۔

پارٹی میں آئے اس کے تمام دوست اس کے گرد جمع تھے، سب کے سامنے وہ تماشہ بن گیا تھا۔ غیر متوقع چوٹ کھا کر کچھ اتنا بدحواس ہوا تھا کہ پھر ایک طویل عرصے ہوش و خرد کے حصار سے دور رہا تھا۔ وہ ہر کام بہت ایمان داری و لگن سے کرنے کا عادی تھا۔ محبت بھی اس نے پوری ایمان داری و جذباتوں کی شدت سے کی تھی۔ مثال سے قس کوئی لڑکی اس کی زندگی میں نہ آئی تھی۔ وہی لڑکی تھی جس کے لیے چاہتوں کی تمام تر شدت سے دردل واکیا تھا۔ روکیے جانے کا غم ہر غم سے بڑھ کر بھاری اور ہرزخم سے بڑھ کر کاری ہوتا ہے، جو عزت و خرد و داری کو چھٹی چھٹی کر دیتا ہے۔ اسے ذکر پر نہ کھلا تھا۔ اول عشق میں غریب۔ و غم ٹھکرایا جانا، روکیا جانا۔

کمرے و سچے جذباتوں کا اتنی بے دردی سے استحصال وہ برداشت نہ کر پایا۔ اسے نفرت ہو گئی، متعجب مخالف کے وجود سے۔ لڑکیوں کی طرف دیکھنا تو دور کنارہ داران کی پرچھائیوں سے بھی نفرت کرنے لگا اور یہ نفرت انتہا کی حدود کو اس وقت پہنچ گئی جب معلوم ہوا کہ مثال نے کس مکاری سے اس کی محبت اور چاہت کو اپنے مفاد میں بری طرح استعمال کیا۔ اس کے آفس کے لاکرز سے کئی اہم دستاویزات غائب تھیں، جو اس سے قطع تعلق کے بعد معلوم ہوا تو انس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چند ماہ میں ہی ان کا بزنس تنزلی کا شکار ہونے لگا اور لغاری انڈسٹری کی مارکیٹ بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔

اگر مڈر صاحب کی ذہانت اور سماجی حیثیت نہ ہوتی تو وہ منہ کے بل ایسے گرتے کہ پھر بھی کاروباری دنیا میں ان کی جگہ نہ ہوتی، وہ بہت کٹھن وقت تھا ان کے لیے۔ ایک طرف بنیادین و دنیا بھلائے کمرے میں پڑا رہتا، دوسری طرف کاروباری حلقوں میں ان کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دیوالیہ ہوتی حالت پر چہ میگوئیاں۔ ایک انتشار تھا جو سوکھے پتوں کی مانند ہر سو پھیلا نظر آنے لگا تھا، ایسے میں اگر بڑ صاحب کے کچھ دوست ساتھ نہ دیتے تو دو کبھی اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ کروڑوں کی مادی محبت از حد مہنگی تھی۔

وقت ایک عمر و مرہم ہے۔ یہ بڑے سے بڑے گھاؤ کو بڑی ہنرمندی سے بھرتا ہے۔ چند سالوں میں وہ بھی اپنی ذیابص لوث آیا تھا مگر بہت بدلا بدلا، پہلے سے بالکل مختلف، انس کچھ اور نرم خواہی ماضی کا حصہ بن چکا تھا۔ اب ایک بیزار، بد مزاج، کم گو اور بات بات پر مشتعل ہونے والا انس مڈر تھا وہ۔ سنجیدگی اور خاموشی اس کا بھراہن بن گئی تھی جس سے کبھی بھی دو آواز نہ ہوتا تھا۔ لب مسکراہٹ سے نا آشنا کی اختیار کر بیٹھے تھے۔ مگر یہی اور مڈر صاحب کے سامنے اس کا رویہ کچھ بہتر ہوتا تھا، ان کا ادب، احترام و محبت پہلے سے بڑھ کر تھی۔

منال سے سعد کی شادی والے دن ملاقات ہوئی تھی۔ کئی سال بعد اسے پھر اپنے روبرو دیکھ کر اس کے اندر عجیب سا اضطراب جاگا تھا، ایک الجھل، ایک بے چینی جو لمحے بھر میں اسے نڈھال کر گئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں جو کبھی اسے دیکھ کر خوشگواریت کے احساس سے دھڑکنے لگی تھیں، وہ دیک دم ہی استعمال پذیر ہوئیں۔ آنکھوں نے بیگانگی کے رنگ چڑھا دیے نفرت و حقارت خون کی طرح رگوں میں روان ہونے لگی تھی۔ وہ شدت پسند تھا۔ محبت بھی انتہا پسندی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔ اب نفرت کی تھی تو..... نفرت کی انتہا تمام شدتوں سے سزا تھی۔

اپنے لیے محبت و مہارت کی دیوالی اس نے منال کی آنکھوں میں اسی لمحے میں جانچ لی تھی جو پھر اتفاقاً یہ بونے والی ملاقاتوں میں ظاہر بھی ہو گئی تھی اور وہ سوچ چکا تھا۔ اس کا قرض واپس کرنے کو اور آج وہ سرخروہ دیکھا تھا اسے اس کے انجام تک پہنچانے میں، صرف ایک کال سرور شاہ کو کرنا پڑی تھی کہ وہ جم سے آ کر اپنی جیتی و محبوب بیوی کی دفا کو دیکھ لے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ منتکرا رہا تھا۔

لوگ کہتے ہیں، عورت کا انتقام نامن سے بڑھ کر ہوتا ہے اور مرد کا انتقام ہر انتقام سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ قدرت نے اسے موقع دیا تھا اور اس نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا، ابھی اس کے انتقام کی پہلی حد ختم ہوئی تھی، دوسری اور آخری جد ہاتی تھی جو منال کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوگی۔

”صاحب! باہر ایک عورت آئی ہے اس نے یہ خط دیا ہے۔“

شمور داز دھاک کرتی اندر آئی اور اسے ایک تہہ شدہ کاغذ پکڑا کر ہانپ کر لے گئی۔ اس نے کاغذ دیکھا تو تحریر دیکھ کر چونک اٹھا۔

☆.....☆.....☆

مزد بہت دیر سے ٹی وی لائونج میں تھا بیٹھا تھا صوفے پر نیم دراز بٹھا ہر اس کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر مرکوز تھیں لیکن دل تھا کہ عجیب کسلندی و یوجہ کا شکار تھا، بے نام اداسی تھی جس نے اس کے سارے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ تعلیم سے تو فارغ ہو چکا تھا۔ پاپا کے اصرار پر ان کے ساتھ بزنس میں دلچسپی سرسری طور پر لینا شروع کر دی تھی اور باقاعدگی سے دن کا بیشتر وقت وہاں گزارنے لگا تھا۔ ممد کی آج کل ٹائٹس تھیں جب سے اس کا ہاؤس جاب شروع ہوا تھا، وہ مگر میں کم کم رو پار ہا تھا۔ آج بھی اس کی ڈنٹ ڈیوٹی تھی، صبح سات بجے گھر آ کر وہ سوچ چکا تھا۔ اب اس کی صبح عصر کے بعد ہی ہوتی تھی۔

”کتنی ادا سی ہے۔“ دونوں وی کا سوچ آف کرنا ہوا بڑا بڑا پھر کمزری سے جھانک کر لان کا وہ حصہ دیکھنے لگا جو کبھی اس کے دل کا مسکن تھا۔

بہت آساں ہے کسی سے چمچڑ کے رہنا
کہنے والے یا کٹر کہہ دیتے ہیں
ہم اپنے قدم کہاں جمانیں بٹاس کے
چمچڑ کے اس سے ادا سبوں میں رہتے ہیں

”کیا ہوا ہے؟ کیوں اتنے غصے میں لال ٹماڑ ہو رہی ہو؟“۔

مزد اسے دلچسپ محاذ لگا ہوں سے دیکھتا ہوا گویا ہوا، سفید اور فیروزہ کی کالٹن کے سوٹ میں اس کا سرخ چہرہ اور ہنسنے لگتا بے حد خوب صورت لگ رہا ہے۔

"میں غصے میں لال ٹھانڈی ہوتی ہوں۔ تمہاری اما کی طرح ہیری مرچ کھن۔"

"الہی خیر۔ مہماتے کوئی بات ہوئی ہے؟"

”کوئی بات سے کیا مراد؟ تمہاری ممانعت تو ہر بات کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ کوئی بات، کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔“

"یار! ہٹاؤ تو کسی کیا ہوا ہے؟"

"جا کر اپنی ماں سے پوچھو کہ کیا ہوا ہے؟" وہ پاؤں بیخ کر بیٹی۔

”بابا بابا!۔۔۔ اس وقت تو قسم سے تم بالکل بچہ ہی والے انسان کی بات کر رہی ہو۔ وہ بے ساختہ جہتے ہوئے گویا ہوا۔

"کیا کہا تم نے بیوی؟ اور وہ بھی تمہاری۔ منہ دھو رکھو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" کرن چیخ کر بولی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا ایسا؟ تم..... تم میری بیوی بنو گی۔"

دل کی بات اس کے لبوں پر آگئی تھی وہ جانچتی نکاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خواہش بیاں کر رہا تھا کہ کرن کے خیمے و

منہ پھٹا انداز نے اسے کبھی یہ جرأت نہ بخشی تھی جو وہ اپنے دل کی کیفیت عیاں کرتا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کبھی نہیں"۔ وہ اٹل انداز میں گویا تھی۔

"مگر کیوں؟ یہ تو بتاؤ۔ کیا خرابی ہے مجھ میں؟"

اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی کتنا کٹھن ہوتا ہے اپنی پسندیدہ ہستی کے منہ سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار

سنتا۔ دل گویا تمک کی ڈلی بن گیا تھا۔

"بہت ساری خرابیاں ہیں"۔ اس کی بے نیازی عروج پر تھی۔

”پھر بھی اہم خرابی کون سی ہے؟“ وہ جان بہ لب تھا۔

”تم اس گھر کے بیٹے ہو جو میرے لیے جہنم کھدو ہے، جس دن بھی میں اس گھر سے چلی گئی تو پھر بھی پلٹ کر نہیں آؤں گی۔ کبھی بھی نہیں آؤں گی۔“

وہ ہوا کے مست جھونکے کی طرح گزر گئی اور اس کا دل ہمیشہ کے لیے تنگ کا سمندر بن گیا۔ اس کی یادوں کی لہریں سرکشی پر اتر آئیں۔ سمندر اس کی آنکھوں سے بہنے لگا تھا۔

دل میں تیری یاد کے نشتر اتر گئے
کتنے ستارے آنکھوں سے ٹوٹ کر نکھر گئے
آجاذکر ہے ہے یہ نظر

دیکھا نہیں تمہیں بہت دن گزر گئے

اس طرف بڑھتے قدموں کی آہٹیں سن کر اس نے تم آنکھیں دونوں ہاتھوں سے مگڑی تھیں۔ اسی وقت راحیلہ اندر آ گئی تھیں۔

”کیا سوچتے رہتے ہو بیٹا؟ تمہیں اس طرح تنہا اور اداں دیکھ کر میرا دل ہولتا ہے۔ ہنسنا بولا کرو۔ کیوں اسے غم صدم ہو گئے ہو۔ کوئی ٹکڑ ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟ آخر ایسا کیا مسئلہ ہے جس نے تمہیں گوشہ نشین بنا دیا ہے؟“

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے متناہز انداز میں کہہ رہی تھیں۔

”ایسی کوئی پریشانی مجھے نہیں ہے جو میرے لیے مسائل پیدا کرے۔ آپ مت سوچا کریں میرے متعلق، میں ٹھیک ہوں۔“ وہ زری سے بولا تھا۔

”لو بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ میں کیوں نہ سوچوں..... ماں ہوں۔“

”میں نے کب انکار کیا ہے۔“

”انکا صرف زبان سے کہن ہوتا ہے اور بھی طریقے ہیں دوسرے کو اس کی اوقات بتانے کے۔“ ماں کے لہجے میں شکایت درآئی تھی۔

”آپ کسی غلط جی کا شکار ہیں، ورنہ میں ایسی گستاخی کا سوچ بھی نہیں سکتا ہوں، جس سے آپ کی دل ٹھنی ہو۔“

دو ماں کے قریب ہو کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پریشان لہجے میں بولا۔

”تم مجھ سے دور ہو گئے ہو، گھر سے دور ہو گئے ہو اور اپنی خالاؤں سے بھی دور ہو گئے ہو۔ دیکھو حزرہ! میں سب برداشت کر سکتی

ہوں مگر اپنی بہنوں اور اس کے بچوں سے تمہارا روکھا اور بیگانگی بھرا انداز کبھی بھی برداشت نہ کر سکوں گی۔ میکے میں میرا ہے ہی کون، دو بہنوں اور ان کے میاں و بچوں کے علاوہ بھائی کوئی ہمارا تھا بھی نہیں جو ماں باپ کے بعد ہمیں سمجھتا۔“

کل رات تک حزرہ گھر نہیں آیا تھا، وہ بہت انتظار کر کے گئی تھیں۔ بس جب ہی سے وہ بھری بیٹھی تھیں کہ کسی طور وہ ملے اور وہ

اسے بتائیں۔ اس بات سے بے خبر تھیں وہ کہ حنزہ خالادوں سے ملنے کے ارادے سے کرے کی طرف بدھاتھا اور احمد سے ان سب کی فضول گفتگو سن کر دلہنس پلٹ گیا تھا۔

"میں پھر یہی کہوں گا آپ غلط فہمی کا شکار ہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تو آج مارو کے ہاں کھانے پر چلو۔ وہ بے حد اصرار سے بلا کر گئی تھی۔ مہوش بھی بار بار تمہارا پوچھتی رہی تھی۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہو گئی ہے اور بڑی نکھڑا اور سلیقہ مند بھی۔ کل سارا دن میں نے آرام کیا بلکہ اس نے کروایا۔ بہت ترس کھا رہی تھی مجھ پر کہ میں تمہا گھر کا کام سمجھتی ہوں، سارا کام کیا کل اس نے۔"

"نیکوں کل کوئی ملازم نہیں آیا تھا، سب نے چھٹی کی تھی؟"

"ارے ملازموں کی بھی خوب کمی تم نے میاں، اگر ملازم گھروالوں کی طرح کام کریں تو بات ہی کیا ہے۔ کام کم ترے زیادہ کرتے ہیں۔"

"میرے خیال میں ہمارے ملازم بے حد نیک اور وفادار ہیں۔ کام بھی تمام دیانت داری سے کرتے ہیں، چٹخیاں بھی نہیں کرتے ہیں، آپ کو صرف دیکھنا ہوتا ہے۔"

"ارے بابا! تم تو اپنے باپ کی طرح بحث کرنے بیٹھ گئے ہو کل تم نے مہوش کا کام دیکھا نہیں ہے، اس لیے بدھ بدھ کر بول رہے ہو، خیر آج رات دیکھنا، کھانا تمام وہ ہی بنائے گی۔"

دو خوشی سے سرشار لہجے میں بول رہی تھیں۔ ان کی خوشی کی خاطر حنزہ نے جبراً ہی بھری تھی کہ وہ کیسی بھی تھیں، بہر حال ماں تھیں۔

☆...☆...☆

رنگ و بو کا طوفان تھا جو ہر سست پھیلا ہوا تھا۔ اعلیٰ لمبوسات و مہنگے کلونز و پرفیومز میں مہنگے لوگوں کے خوش باش چہروں پر آسودہ مسکراہٹوں کی طمانیت تھی، وہ خوش کمیوں میں مصروف تھے، باوردی وینز مختلف مشروبات مہمانوں کو سرو کرتے پھر رہے تھے۔

بارات آچکی تھی۔ بلو تھری جیس سوٹ میں عمران مرزا بہت خوش و سرور نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے روایتی دلہاؤں کی طرح کوئی اہتمام نہ کیا تھا سب میں نمایاں نظر آنے کے لیے۔ ان کے گلے میں پڑا وہ سرخ گلابوں کا مونڈا بار تھا۔ کامران مرزا بھی آج بڑے تک سک سے تیار و عجب و دبدبے سے آئے تھے۔

"سیکنڈ کہاں مر گئی ہے، نظری نہیں آ رہی ہے، اتنے اہم کام پڑے ہیں یہاں پر اور وہ بنا اجازت لیے غیر حاضر ہے۔ جا بلا کر لا اے، بہت جرنی چڑھ گئی ہے اس نمک حرام کو، ابھی ہاتھوں سے کمال کنچنوں کی توپا چلے گا اے۔" والدہ حضور ملازمہ سے مخاطب ہوئیں۔

"مالکین! میں ابھی وہیں سے آ رہی ہوں، اس کے گھر میں تالا لگا ہوا ہے۔ پاس پڑوس سب سے معلوم کر لیا وہ نہ معلوم کب اور کہاں گئی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم، میں بھی ہر جگہ ڈھونڈ آئی ہوں۔"

”ہیں..... کیا جب رہی ہے تو وہ کہاں جاسکتی ہے؟“ والدہ حضور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

”وہ اکیلی ذات کہاں جاسکتی ہے۔ کوئی ہے نہیں جس کے پاس جائے وہ۔“

”مالکن! میں نے خود اس کے دروازے پر تالا لگا دیکھا ہے۔“

حاجرو مالکن کے مجڑے تیز دیکھ کر خوف سے سفید پڑ رہی تھی۔

”والدہ حضور نکاح کی تیاریاں ہو رہی ہیں آپ باہر تشریف لے چلیں، تمام مہمان آپکے ہیں۔“

برہان لغاری دروازہ تاک کرتے ہوئے اندر آ کر ان سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے طائرانہ نگاہ بیٹے کی جانب ڈالی۔ سفید

کائٹ کے کلف شدہ موٹ میں ان کی بارعب شخصیت نمایاں تھی۔

”تجہبی کو بلوایا؟“

وہ حاجرہ کے ہاتھ سے لے کر سیاہ ویلوٹ کی سونے کی تاروں سے چند روک کی گئی چادر اوڑھتے ہوئے استفسار کرتے لگیں۔

”جی ذرا تیز کر دیکھا ہے۔“

”ایک حیرت انگیز خبر سنیں تم نے؟“

وہ حاجرہ کو جانے کا اشارہ کر کے کچھ فکر مند لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”نہیں، کیا خبر ہے؟“ ماں کے انداز پر وہ بھی پوچھنا ہوئے تھے۔

”مائی سیکینڈ غائب ہے گھر سے، بلکہ اپنے گھر سے بھی.....“

”مائی سیکینڈ؟ کہاں گئی ہے وہ؟“

”یہ تو معلوم نہیں ہے کہاں گئی ہے۔“

”کوئی بات نہیں، وہ چلی گئی تو ہمارے پان ملازموں کی کمی نہیں ہے۔“

”نہیں برہان! مجھے دوسرے گھر رہے ہیں، اس کا اس طرح چھپ کر، ہٹا کہنے جانا اچھا شگون نہیں ہے کوئی ایسی بات ہے ضرور

جس کی وجہ سے وہ گئی ہے۔ کچھ کرو، اسے ڈھونڈ دو۔..... کچھ آدو جائے گا۔“

اندیشوں و سوسوں نے ان پر یلغار کر دی تھی اور وہ ایک چالاک فطرت عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ ایک دنیا گزاری تھی انہوں نے

وقت کی بدلتی کروٹ ان کی زیر نگین لگا دے تھے نہ پانی تھی۔ سیکینڈ کی اُن تھک خدمت اور دن رات کی جی حضور کی نے انہیں اس پر مکمل اعتماد

بھروسہ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر گہری نگاہ نہ رکھ سکیں اور اب انہیں لگ رہا تھا، بہت بڑا نقصان کر بیٹھی ہیں، وہ ناقابل تلافی نقصان۔

”والدہ حضور! کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ دفع کریں اسے کی کہنیوں کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے، دھوکہ باز۔“

ان کی وحشت و فکرسے بے خبر برہان لغاری کہہ رہے تھے، وہ لالہ بالی ولا پرواہ سوچ کے حامل تھے۔ ان کی سوچ میں چٹکی و دانش

مندی کا فقدان ہمیشہ رہا تھا۔

”وہ کی ذات اپنا کمینہ پن ضرور دکھائے گی۔ ہم بھول گئے تھے عمران مرزا کی وجہ سے اس کی بیٹی کنویں میں کود کر مری تھی اور وہ بد ذات اس کا انتقام لینے کے لیے کچھ کر نہ بیٹھی ہو؟“

برسوں پہلے کے کچھ مناظر ان کی آنکھوں میں ابھرنے لگے تو وہ گھبرا کر برہان لغاری سے مخاطب ہوئی تھیں وہ جنہوں نے اس کو تسلی اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مائی سیکنڈ کو تلاش کر کے لائیں کہیں سے بھی اور ان کو لے کر ہا ہر مہمانوں کی طرف بڑھ گئے۔

یونیشن کے ماہر ہاتھوں نے اس کے منسن کی ضیا پاشیوں کو منور کر دیا تھا۔ آف وہائٹ اینڈ میرون کلرز کے کبھی نیشن نے تنگ پانچا سادہ قیغیں کو جلاب نگہ بناؤ والا تھا۔ جیوری میں اس نے صرف ایک سیٹ پہنا تھا۔ بند یا کنگن، گلوبند، جھوڑیاں، انگوٹھیاں اور ستر اس سیٹ کی میچنگ کی تھیں۔ یہ سیٹ برہان لغاری خود لائے تھے۔ نہ معلوم کس جذبے کے تحت وہ اس نے پہنا تھا اور سوت بھی سہیں کا تھا۔ تمام چیزیں اس نے از خود سہیں کی استمال کی تھیں۔

تیار کر کے یونیشن نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے تھے۔ بے حد اصرار کیا تھا کہ وہ خود کو آئیے میں دیکھے مگر وہ راضی نہ ہوئی کہ دل کے اندر تو انفراتنری پھیلی ہوئی تھی، جو وہ کر چکی تھی، جو ہونے جا رہا تھا اور جو ہونے والا تھا، وہ سب بہت سنگین و خطرناک تھا جس جگہ خوشیوں و مسرتوں کے شادیاں نہ رہے تھے، وہاں اب تباہی و بربادی کی خاک تین کرنے والی تھی۔

”اودہ ویری انٹر سٹنگ۔ اس دور میں بھی آپ جیسی گرل بے میں نے فرسٹ ٹائم اپنا لائف میں کسی برائینڈل کو شرماتے دیکھا ہے، ورنہ ہمارے پاس لڑکیاں شادی سے قبل ہی چکر لگا کر شروع کر دیتی ہیں، یہی ٹریڈ منٹ کے لیے۔ ایک آپ ہیں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے شرمنا رہی ہیں۔ بہت لگی ہیں آپ کے شوہر۔“

یونیشن اس کی حالت سے بے خبر تو صلی لہجے میں کہہ رہی تھی، کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلی گئی تھی۔

اب وہ کمرے میں تیار ہو گئی تھی۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے کی سوچوں میں ابھی وہ کمزرائی میں کھڑی ہو گئی۔ نیچے وسیع و عریض لان میں بہاریں محو رقص تھیں۔ رنگین لباس و رنگین چہرے، انٹرنی قیغے و بھاری بے تکلم ہنسی سب گندم تھے، یہ کام ایک دم بے پائیا تھا مگر لوگوں کی کثیر تعداد کی موجودگی حرمت کا باعث تھی۔ برہان لغاری کا حلقہ احباب بے حد وسیع تھا۔

سب پر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہیں لان کے وسط میں بنے اسٹیج پر رکے صوفوں میں سے درمیانی صوفے پر بہا جان عمران مرزا پر پڑی تھیں اور دوسرے ہی پل ہونٹوں پر در آنے والی معنی خیز مسکراہٹ کو وہ نہ روک سکی تھی۔ ابھی وہ مسکرائی تھی کہ دروازے کی سمت آتے قدموں کی آوازوں پر وہ کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دروازہ کھلا تھا اور اندر دو ملازما ئیں داخل ہوئی تھیں پھر بھاری قدموں کی چاپ ابھری اور برہان لغاری اندر داخل ہوئے تھے۔

”بی بی کو نیچے لے کر چلو۔“

وہ اس کی جانب سے پشت کر کے ان دونوں ملازماؤں سے مخاطب ہوئے جو ان سے پہلے آئی تھیں۔ کرن منظر خفی کہ شاید اس سے ان کے پتھر دل میں کچھ گداز پیدا ہو جائے اور وہ پدوی جذبے سے مرغوب ہو کر دست شفقت اس کے سر پر رکھ دیں مگر..... وہ چنان تھے کسی غیر کی طرح لا تعلق و انجان۔ اسے اپنے طرز عمل پر فخر محسوس ہونے لگا۔ یہ کہہ کر غبرے نہیں تھے، اس سے مخاطب ہوئے بنا آگے بڑھ گئے۔ ایک نگاہ اس پر ڈالنا انہوں نے گوارا نہیں کیا تھا۔

کرن ملازماؤں کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگی۔ اوپر کا پورشن میور کرنے کے بعد وہ نیچے آئی براہ داریوں سے نکل کر باہر آئی تو برہان لغاری کمرے تھے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے رُکے کو کہا اور گویا ہوئے۔

”باہر لوگ مجھ سے پوچھ رہے ہیں تم میری بیٹی تھیں تو کہاں تھیں، اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں؟ تمہاری ماں کون ہے اور کہاں ہے؟ بہت کٹلی لیل کر رہا ہوں میں لوگوں کے سامنے۔ میں نے کہہ دیا تم اتنے عرصے سے امریکہ میں تھیں۔ وہیں پیدا ہوئیں اور پرورش پائی۔ تمہاری ماں بھی وہیں کی رہنے والی تھیں اور دو کینسر میں مر گئیں۔ یہی بہتر تھا سب کو بتانا۔ اگر لوگ پوچھیں تو یہی بتانا۔“

بہت سدا بہت نگاہ لہجہ تھا۔ ان کے لہجے میں عداوت و چھتاوے کی معمولی سی رقت نہ تھی۔ یہاں سے وہ اسے ساتھ لے کر مہمانوں میں آگئے۔ پہلے والدہ حضور کے پاس لائے تھے۔ انہوں نے سلام کے جواب کے ساتھ دعاؤں سے نوازا تھا۔ پھر وہ مہمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ مہمانوں کی نگاہوں میں کرن کے لیے سانس نہ تھی، اشتیاق و تجسس تھا اور نکل اس کے کندہ دل میں گھرتی، کچھ لوگ ذکی الدین کے ساتھ اس طرف آتے دکھائی دیے۔ ذکی الدین، برہان لغاری کا وسیع راستہ و قابل مجرورہ آدمی تھا، یہ سب کو معلوم تھا۔ اس وقت ان ہارعب پر سنائی دور از قد والے بندوں کے ہمراہ آتے ہوئے ذکی الدین کے چہرے پر پھیلی وحشت و بدحواشی صاف نظر آرہی تھی جس کو دیکھ کر نہ صرف برہان لغاری ٹھٹک گئے تھے بلکہ ان کا دل بھی نرمی طرح دھڑکنے لگا تھا۔

”سر پلیز! آپ اصرار چل کر میری بات سنیں۔“

ذکی الدین قریب آکر اس انداز میں بولے کہ ان کی آواز بمشکل نکل پاری تھی۔

”وہاں بیٹھو۔ ہم آتے ہیں ابھی۔“

وہ کرن کو صوفے کی طرف اشارہ کر کے ذکی الدین کے ساتھ اندر چلے گئے۔

برہان لغاری کے بچے ہی ملازماں اپنے جلو میں اسے ڈالنے کے لیے بنائے گئے اسلج کی طرف لے آئی تھیں۔ وہ کانپتے وجود کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بہت بیاور و سرکش تھی مگر اس وقت اس پر اپنی صنف کی کمزوری غالب آرہی تھی۔

”یہ اسٹیل فورسز کے لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

مہمانوں میں سے کسی کی تعجب خیز آواز سنائی دی تھی۔

”لغاری صاحب کی سوز سز بہت پاورفل ہیں، انوائٹڈ ہوں گے۔“ دوسری آواز نہایت تھی۔

"کچھ گڑ بڑ لگ رہی ہے۔ یہ لوگ ایکشن میں لگ رہے ہیں۔"

چند لمحوں بعد تمام مہمانوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

اندرو لاؤنج میں برہان لغاری فیصہ کی حدود کو چھوتے ہوئے سامنے نخل پر پڑے نکاح ڈے کو گھورتے ہوئے مسلسل لٹی میں گردن ہلار رہے تھے۔

"میں نہیں مان سکتا۔ یہ جھوٹ ہے، فراڈ کیا جا رہا ہے میرے ساتھ۔ میری بیٹی کی شادی آج ہو رہی ہے اس نے کورٹ میرج

نہیں کی۔ جھوٹ ہے، یہ سب بکواس ہے میرے مخالف میرے دشمنوں کی سازش ہے، جس کو میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

بہت ضبط کے باوجود ان کی آواز لاؤنج کی حدود سے باہر نکلنے لگی تھی۔

"پلیز ایک اینڈری برہان! سنبھالو خود کو۔ یہ بہت حساس معاملہ ہے۔ فیصہ اور جذبات سے بات نہیں بنے گی۔"

ان کے دیرینہ دوست سجاد منصور جو آئی جی کے عہدے پر فائز تھے، ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"تم..... تم ابھی مجھے ایڑی رہنے کا کہہ رہے ہو۔ جانے ہو اس کہنے نے کیا تہم کیلا ہے میرے ساتھ..... میری جس بیٹی کی

بارت میرے گھر آ رہی ہے اس بیٹی کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اس کی بہو ہے۔ اپنی مرضی و خوشی سے وہ چند دن قبل اس کے بد معاش بیٹے

سے نکاح کر چکی ہے؟ وہ میری عزت سے کھیل رہا ہے۔ میری ساکھ مٹی میں ملا رہا ہے اور تم کہتے ہو میں آرام سے رہوں۔"

ان کا اشتعال جنون میں بدل رہا تھا۔ مدثر اور انس نے بہت بڑی ضرب لگائی تھی۔

"یہ جھوٹ ہے فراڈ ہے، جعل سازی ہے، میں شوٹ کر دوں گا ان کو، ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

انہوں نے نخل سے اٹھا کر نکاح ڈے کے ککڑے ککڑے کرتے ہوئے کہا۔

"میری بات سنو۔ تماشہ مت بناؤ خود کو۔"

"میں تماشہ ہٹانے والوں کو جب تک قبروں میں نہیں پہنچا دوں گا، جب تک سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔ اس نکاح ڈے پر جو ڈیٹ

درج ہے، اس ڈیٹ کو کرن میرے گھر میں موجود تھی۔ وہ کہیں نہیں گئی ہے۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے، ہماری خوشی میں غصہ پولیس کا کیا کام ہے؟ باہر سب طرف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ پولیس ور تھر نے

ہماری کوٹھی کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔"

والدہ حضور اندر آتے ہوئے سخت لہجے میں گویا تھیں۔ سجاد منصور نے مختصر اتمام صورت حال انہیں بتائی تو وہ اس طرح ڈھیلے انداز

میں بیٹھی رہ گئیں جیسے غبارے سے یک دم گیس نکل گئی ہو۔

"نکاح ہوا ہے اور اسی ڈیٹ کو ہوا ہے تمہاری بیٹی نے بہر ضد و خجست یہ نکاح کیا ہے۔ یہاں آنے سے قبل میں نے مکمل دہر سلج

سے تحقیق کی ہے اور ایک پروف بھی ہے میرے پاس۔" سجاد منصور گویا تھے۔

”کیسا پروف؟“

”تمہاری گھریلو ملازمتی سیکرٹ نے گواہی دی ہے۔“

مائی سیکرٹ کا نام ان ماں، بیٹے کی سماعتوں میں کسی ہم کی طرح بلاست ہوا تھا۔

”تمک حرام آستین کا سانپ۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ کچھ گزیدہ ہونے والی ہے۔ دیکھو کت مگی ہماری ناک، بل مگی مٹی میں عزت و آن، جس شمع کو برسوں سے سنبھالا تھا، لمبے بھر میں زمین یوں ہو گئی۔“

”میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اسے۔“

نخت وحشت دجنون میں وہ ریوا اور لانے کے لیے بیڈروم کی طرف بڑھے تھے، اس وقت ان کی حالت دیوانوں کی مانند تھی، بال بکھر گئے تھے، منہ سے کف جاری تھا۔

ان کا دشمن انہیں شکست قاش سے دو چار کر چکا تھا۔ وہ کس طرح یہ سب برداشت کرتے۔ اتنا حوصلہ، اتنا تحمل ان کی سرشت میں نہ تھا۔ سجاد منصور کے علاوہ اور بھی حکومتی اعلیٰ عہدوں سے تعلق رکھنے والے افسران وہاں موجود تھے، جو صورت حال کو کنٹرول میں رکھنے کی سعی میں مصروف تھے۔

دراصل مائی سیکرٹ کے ہاتھوں سے ملنے والے تحریری بیغام کو پڑھتے ہی انس نے مڈر صاحب سے بات کی اور ان سے مشورے کے بعد نکاح نامے کی ڈپلی کیٹ اور اورینٹل کالج پڑھنے والے سجاد منصور کے پاس پہنچا تھا، جو صورت حال جان کر سخت فکر مند و حواس باختہ ہو گئے تھے۔ وہ برہان لغاری سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے تو مڈر صاحب سے بھی گہرے مراسم تھے۔ دونوں اشخاص کی کاروباری سادک اور معاشی و سماجی حیثیت سے بھی وہ پوری طرح واقف تھے کہ دونوں ہی اعلیٰ و بلند مقام رکھتے تھے۔ بہت پھرتی اور توجہ سے انہوں نے حالات کا جائزہ لیا تھا اور کہیں بھی کوئی ستم یا معمول محسوس نہ کیا تھا۔

انہوں نے انس کو عمارت سے دور رکھا تھا وہ یہاں سے چند میل دور اعلیٰ افسران و اسپیشل ایجنسی والوں کی تحویل میں اپنی منکوحہ کا انتظار کر رہا تھا۔ خاتمی تدابیر کے تحت یہ حکمت عملی اپنائی گئی تھی ورنہ انس یہیں تھا یہاں ساتھ آنے کے لیے۔ پھر جو کچھ ہوا ان کی توقع سے بڑھ کر سب کچھ ہوا تھا۔ بہت مشکل سے برہان لغاری کو انہوں نے قابو کیا تھا جو کسی بھی طرح کرن کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ والدہ حضور نے انہیں بے قابو دیکھا تو بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ ان کے ہاتھ رکھتے ہی گویا وہ بھر پوری مٹی کی طرح ڈھسے گئے۔

”یہ کیا ہوا والدہ حضور! ہم سے کیا خطا ہوئی جو اتنی بڑی ذلت و رسوائی ہمارا مقدر ٹھہری ہے۔“ وہ بے دم سے نیچے قالین پر بیٹھ گئے تھے۔

”خطا تو ہوئی ہے ہم سے، جو اس کم ذات کو عزت دینا چاہی تھی اور اس نے وہی کیا جو اس کی فطرت تھی۔ تاکن کی اولاد نامکن ہی ہوتی ہے جن ہاتھوں سے درود بھیجتی ہے ان کو ہی ڈسٹی ہیں۔“

بہت بڑی چوٹ پڑی تھی ان کے ہندو نس پر، لہجہ کی ساری گھن گرج مٹ گئی تھی۔

”اجازت ہے انس مدثر کو ان کی منکوہ سوچنے کی؟“

سجاد منصور نے آہستگی سے مدعا بیان کیا تھا۔

”نہیں، دوزندہ اس گھر سے نہیں جاسکتی ہے، یہ ممکن نہیں ہے۔“

”جذبات کو خود پر حاوی مت کرو برہان۔ یہ کیس چیف منسٹر کی رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ مدثر کی ریلشنز بہت اعلیٰ جانے پر ہیں، مگر

تم نے کوئی جذباتی حماقت کی تو معاملہ اوپر تک پہنچ جائے گا پھر جو کچھ ہوگا وہاں ہمارے اختیار سے باہر ہوگا۔“ سجاد منصور نے رسائی سے سمجھایا۔

”جو ہوگا دیکھا جائے کم از کم میں اس کو زندہ اس گھر کی ولیمز عبور نہیں کرنے دوں گا۔“ وہاں کر بھی شکست ماننے کو تیار نہ تھے۔

”میں سمجھ رہا ہوں، اس وقت جو تم پر گزر رہی ہے۔“

”تم سمجھ ہی تو نہیں رہے، اگر میری حالت کا اندازہ نہیں ہوتا تو تم کہتے اس ذلت کو زندہ زمین میں دفن کر دوں، جس نے ہماری

برسوں کی عزت پر خاک آرائی ہے۔“ وہ اس لمحے ان سے بھی کبیدہ نظر آئے۔

”سچا ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا۔ یہ جوش کا نہیں، ہوش کا موقع ہے۔ ہماری بے عزتی اور سوئی اس وقت جو ہوئی سو ہوئی، لوگ کب

تک یاد رکھیں گے، اگر معاملہ بگڑ کر کورٹ تک پہنچ گیا تو بہت بُرا ہوگا۔ عقل مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو اس گھر سے نکال باہر کرو۔ ہمیشہ

میں نے تعلقی توڑ لو۔ ہمیں اس سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔ کبھی بھی کسی صورت میں نہیں۔“

ان کے لہجہ میں نفرت ہی نفرت تھی۔

کرن کی رخصتی لیڈی پولیس کی حفاظت میں ہوئی تھی۔ کامران مرزا اور عمران مرزا اسے نہ معلوم کیا کہا تھا کہ وہ وہاں سے چلے گئے

تھے۔ کچھ مہمان موجود تھے جو اس عجیب و غریب صورتحال پر تبصرے کر رہے تھے ان کی آوازیں سرگوشیوں میں ڈھلی ہوئی تھیں۔

”میں پاپا سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“

گیت کی سمت بڑھنے سے قبل دوز کئے ہوئے ہمراہ چلتے سجاد منصور سے گویا ہوئی۔

”وہ آپ سے بات نہیں کریں گے۔“

”مجھے بات کرنی ہے۔“

وہ سنجیدہ اور مضبوط انداز میں گویا ہوئی۔ سجاد منصور نے کچھ قاصدے پر زرخ پھیرے کھڑے برہان لغاری سے اس کی گفتگو کرانے

کی خواہش بیان کی تو انہوں نے منع کر دیا اور ان کے منہ سے کرن کے لیے مغلطات کا سیلاب اُند پڑا تھا۔ شدید غصے و بے عزتی کے احساس

نے ان کے ہوش و حواس گم کر دیئے تھے۔

”میں آپ سے صرف یہ کہنے آئی ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی، کوئی ظلم نہیں کیا ہے بلکہ آپ کو وہی لوٹایا جو آپ نے

مجھے دیا۔ بچپن سے میں ایسی ذلت، رسوائی و بے عزتی سستی آرہی ہوں جس کا احساس آج آپ کو بھی ہوا ہے۔ میں جارہی ہوں اور نہیں جانتی کرا گئے میرا کیا مستقبل ہوگا۔ آپ کے دشمن کب تک میرے بعد دوست رہ سکتے ہیں مگر بے حس و سنگ دل باپ سے دشمن بہتر ہیں۔

آنسو خود بخود دی اس کی آنکھوں میں بھرنے لگے تھے۔ اپنی بات مکمل کر کے ووز کی نہیں تھی، گیسٹ کی سمت بڑھ گئی تھی۔

”یار کینٹن! خاصا نام گزر گیا ہے، ذرا کال تو کرو تا کہ معلوم ہو کہ ظالم سماج کی دیواریں راستے سے ٹپس یا ابھی حائل ہیں تا کہ کچھ کارروائی کی جائے۔“

بچپنی کا ٹھن ہوا میں اچھالتے ہوئے دو کینٹن ریاض سے بولا۔

”یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے۔ صبر کرو میری جان صبر۔ بہت بڑا پنگالیا ہے تم نے۔ بچت اسی میں ہے کہ صبر کرو۔ بے قرار یوں کو ہوانہ دو کہ یہ وہ چنگاریاں ہیں جو دامن پر لگیں تو داغ چھوڑ جائیں گی۔“

”داغ تو دم نے لگا دیا ہے ایسا بد نما و بھدا کے دنیا کا مہنگے سے مہنگا واشنگ پاؤڈر بھی وہ داغ مٹانے پائے گا۔“ طویل عرصے بعد وہ اپنی پرانی ترنگ میں آیا تھا۔

فتح کی خوشی

جیت کا نشہ

اسے شونخ بتا رہا تھا۔ کھلکھلانے پر مجبور کر رہا تھا۔

”شرم کرو کچھ۔ کیسے بھی ہیں اب وہ تمہارے فادر ان لاء ہیں۔ داغ لگانے کے بجائے تمہیں ان کے پاؤں دعو جو کر پینے چاہئیں۔“

کینٹن ریاض سے حال ہی میں اس کی دوستی ہوئی تھی اور وہ اس کی مکمل ہسٹری سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نیک نیتی سے مشورہ دے رہا تھا۔

”یہ کام تم کر سکتے ہو مین نہیں۔ باقی واوے تم نے کتنی مرتبہ اپنے سر کے پاؤں دعو جو کر پینے ہیں؟“

”میں اس سعادت سے محروم رہا یاد۔ میری شادی سے قبل ہی وہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔“ ریاض ہنس کر بولا۔

”اووہو! حسرت ان فنجوں پر ہے جو بن کھلے مر جھا گئے۔“ انس نے کہا اور دونوں ہنس پڑے تھے۔

”اور تم خواہ اپنے لیے حسرت کا سامان پیدا کر رہے ہو۔ کھلے ہوئے فنجوں کو مر جھانے کا۔ دراصل انسان کی فطرت رہی ہے کہ جو شے اسے حاصل ہوتی ہے اس کی وہ قدر نہیں کرتا اور جس سے وہ محروم ہو چکا ہوتا ہے اس کی چاہ میں زندگی کو روک بٹھالتا ہے۔“

کینٹن ریاض کبہ رہا تھا اور وہ ذہنی طور پر یہاں سے غائب تھا۔ اس کے تصور کی اسکرین پر برہان لغاری کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

اکڑی ہوئی گرون اور رعونت بھرے لہجے والے برہان لغاری کی ممکنہ حالت کا سوچ کر وہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شاطر دماغ و عیار سوچوں

والے شخص نے اس کے ہاتھوں ایسی ذک اٹھائی تھی کہ اسے یقین تھا کہ آخری دم تک وہ اپنی فکست درخت پر تادم رہے گا۔

”کیا خیالوں میں بھی بھابی کے پاس پہنچ گئے ہو؟ حد ہے یا ر ایسی بے باقی دے بے قراری بھی کیا۔“

ریاض اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتا ہوا بولا۔

”تم کیا سمجھو گے میرا حال۔“ وہ مسکرا کر ذرا معنی سمجھ میں گویا ہوا۔

”سب سمجھتا ہوں اور بخوبی سمجھتا ہوں۔ چلو خوش ہو جاؤ انتظار کی گھڑیاں بیتنے والی ہیں۔ آپ کی بیگم کی رخصتی ہو گئی ہے۔ وہ نکلتے

والی ہیں۔“

ریاض نے وہاں سے موصول ہونے والی تازہ اخبار مشن پہنچائی تو جیت کی خوشی سے وہ جھوم اٹھا تھا۔

برہان لغاری کو آج اس نے وہ سبق دیا تھا جو دو تاحیات نہیں بھول سکتا تھا۔ بہت بڑے کاروباری نقصانات وہ انہیں پہنچاتا رہا تھا

اور اس نے ایک ہی جگہ سے تمام حساب کلیئر کر دیئے تھے۔ وہ کہانی جس کا آغاز محبت کی شبنم دچا ہتوں کے چمکتے پھولوں سے ہوا تھا۔ اسے

انجام نفرت کے کانٹوں اور انتقام کے قبس نہیں کر دینے والے شعبوں نے دیا تھا۔

محبت والفت، انا و انتقام کی جگہ بن گئی تھی۔

ان کے ارد گرد کھڑے چوکانو جوان الرٹ ہو گئے تھے۔ خود کشیوں ریاض بھی سنجیدہ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد کئی گاڑیاں یکے بعد

دیگرے وہاں آ کر ڈکی تھیں۔ سب سے آگے پرائیویٹ کار سے آئی جی سجاد منصور لٹھے تھے جنہیں دیکھ کر اسٹیشن سرورز کے نوجوانوں نے

سیلوٹ کیا تھا۔ کشیوں ریاض بھی مسکوب کھڑا تھا۔

”جھینکس سر اس ڈکٹری میں بہت مودل سپورٹ رہی ہے آپ کی۔“ انس ان سے ہاتھ ملاتا ہوا سنجیدگی سے کہہ اٹھا۔

”میں نے تم پر کوئی احسان کیا ہے نہ برہان کی کوئی ہیلپ کی ہے۔ میں نے اپنی ڈیوٹی ادا کی ہے لیکن یہ جو کچھ بھی ہوا ہے بہت

خطرناک ہے۔ اس کی جہاں بہت دور تک پھیل سکتی ہے۔ یہ اچھا نہیں ہوا ہے۔ یہ سب کرنے سے قبل تم میرے پاس آ جاتے تو میں سب سنبھال

لیتا۔ اسی لیے ایک کارٹیزی سے ان کے قریب آ کر ڈکی تھی۔ اگر بروقت وہ انس کو دوسری طرف نہ کر رہے تو وہ پوری طرح اس کی زد میں تھا۔



خانے میں ایک دم بریک لگانے کی تیز آوازیں دور دور تک گونجی تھیں۔ فورسز نے برق رفتاری سے پوزیشنیں سنبھالی تھیں۔

کشیوں ریاض، انس کے سامنے ایستادہ ہو گیا تھا۔ کرن بھی گھبرا کر کار سے لپٹی تھی اور اسی لمحے اس طوفانی رفتار سے آنے والی کار کا دروازہ

کھول کر مثال باہر لپٹی تھی۔ وہ جتنی تیزی سے کار کا دروازہ کھول کر باہر لپٹی تھی، کرن پر پہلی نگاہ اس کی پڑی تھی۔ نئی، سنواری عروسی لباس میں

کرن کو دیکھ کر وہ ساکت و جامد رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں استعجاب و استعجاب اتر آیا، جبکہ اس کو دیکھ کر کرن کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی و

گھبراہٹ اعتدال پر آ گئی تھی۔

مثال کی استقبالیہ لگا ہوں میں خون خواری نتر آئی۔ اُسے ویرہنگی سب سمجھنے میں۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ یہاں سے گزرتے ہوئے انس کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ صورت حال کا ادراک اُسے متوحش کر گیا تھا۔ شعلوں میں وہ پہلے ہی گھری ہوئی تھی۔ "میں تجھے مار دوں گی، میں تجھے مار دوں گی۔" وہ آگے بڑھی مگر سجاد منصور کی مداخلت کے باعث اُس تک نہ پہنچ سکی۔ وہ خوب چیخ رہی تھی، گالیاں جگ رہی تھی۔ انس آگے بڑھا اور کرن کے گرد بازو ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

"انگل اچھے چھوڑ دیں، میں مار دوں گی اس کو، اس نے مجھے برباد کر دیا، چاہ کر دیا۔" پریشان زلفیں، پیشانی پر ہندھی پٹی، تلکے لباس میں خون کے جابجا وہبے، زرد چہرہ و آنکھوں میں نقابست وحشت محو قس تھی۔ اُس کی حالت اترار دہلی توازن درست نظر نہیں آ رہا تھا۔ سجاد منصور اُس کو سمجھانے کی سعی کر رہے تھے اور وہ اُن کی باتوں پر توجہ دینے بغیر چیخ رہی تھی۔

"میں کیوں تمہیں برباد کروں گا؟ تم سے میری کیا دشمنی ہے؟ نہ معلوم تم کس غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو۔" انس ہوتوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجانے آگے بڑھا تھا۔ اُس نے خاموش کھڑی کرن کا ہاتھ بڑے استحقاق بھرے انداز میں پکڑا اور شعلہ بنی مثال سے قاطب ہوا۔ سجاد منصور کی گرفت سے نکلنے کی سعی میں وہ خون خوار انداز میں کچھ مزید تاریا لفاظ سے نوازنا چاہتی تھی کہ ایک دم اس کی برداشت جواب دے گئی اور وہ سخت لہجے میں بولا۔

"بکواس بند کر داپنی، کس حق کی بنا پر تم اتنی اکڑ رہی ہو؟"

"محبت کی بے تم نے مجھ سے اور شادی کا وعدہ۔"

"جھوٹ بالکل بکواس، ایک شادی شدہ عورت سے محبت اور شادی کا وعدہ!..... یہ سب باتیں میرے نہیں تمہارے کریکٹر لیس ہونے کا ثبوت ہیں کہ تم کتنی ہاکر واد عورت اور دغا دار بیوی ہو جو ایک غیر مرد کی امدادی کو محبت سمجھ کر نہ صرف خوش فہمی میں مبتلا ہو بلکہ اپنے بے بسائے گھر کو ہی توڑ ڈالنے کے سہنے دیکھنے شروع کر دیے۔"

"یہ سب کرنے کے لیے تم نے مجھے اکسایا، میرے قدم پہلے تو راستہ دکھانے والے تم بنے، اگر میں نے اپنے گھر کو توڑا تو ترغیب دینے والے تم تھے، میری میرڈلائف میں آگ تم نے لگائی، مجھے حد سے گزر جانے پر تم نے مجبور کیا اور پھر بے حد چالاکی و مکاری سے میرے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے والے بھی تم ہو، میں تمہیں معاف نہیں کروں گی، جو کھیل تم نے میرے ساتھ کھیلا ہے اس کا انجام بہت بھیانک ہو گا۔" اُس کی آواز میں پنہاں وحشتیں ماحول میں گونج اٹھیں تھیں۔ اُس کی سرخ وحشت بھری نگاہیں کرن کے وجود پر مرکوز تھیں جو سانس لیتے جیسے کی مانند نظر آ رہی تھی۔ گم سم، خاموش، بے حس و حرکت۔

"پردہ انہیں، میری زندگی کے تمام رنگ تم نے اپنی کج روی سے بے رنگ کر دیے تھے، آج مجھے زندگی، زندگی محسوس ہو رہی ہے اب میں مکمل ہوا ہوں، مجھے مکمل رہنا ہے اپنی مرضی، اپنی خواہش سے، جیون سنوارنا ہے۔ شاہراہ حیات پر اپنی من پسند شریک حیات کا ہاتھ تمام کر زندگی گزارنا ہے۔ مجھے ایک دغا دار و دغا پرست بیوی کی ضرورت تھی، تاکہ میرے بے چین و ٹھکرائے ہوئے دل کو دشت و دشت، صحرا

محرا، مگر مگر بھٹکانہ پڑے۔ ایک بے وفا عورت کا زخم، ایک وفا پرست دایار پرست عورت ہی بھر سکتی ہے۔ میرا گھر آیا ہو گیا ہے اور دل بھی۔ کرن ایک ایسی ماں کی بیٹی ہے جنہوں نے تمام عمر حیا و وفا کی پاسداری میں گزاری اور جس وقت ان پر الزام لگایا گیا بے وفا کی کا، بے حیائی کا اسے نیچے انہوں نے زندگی کو شوکر ماری اور موت کی آغوش میں چلی گئیں۔

ایک عورت کی وفا

ایک عورت کی حیا

ایک عورت کی توقیر

اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ ساری عمر کا تقدس و پاک باڑی انہوں نے لٹھوں میں ثابت کر دی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئیں۔ ایسی عظیم ماں کی بیٹی سے وفا کی امید کی جاسکتی ہے تم سے نہیں۔ تم دولت پرست اور نفس پرست ہو تم سراپا ہوس و طمع ہو، تمہیں چراغ خانہ بننا منظور نہیں، کیونکہ تم تو شمع محفل ہو، اپنے لحسن کے شعلوں سے بیک وقت کئی پروانوں کو جل کر مرتے ہوئے دیکھ کر راحت محسوس ہوتی ہے۔ تم بس اپنے حسن کے قصیدے پڑھنے والوں کی گردیدہ رہیں، تم شروع سے مکار اور خود غرض تھیں۔ جال ڈال کر شکار چھسانا پھر شکار کی تڑپ کا حرہ لوٹ کر اسے گھاس کر کے چھوڑ دینا تمہارا پرانا مشغلہ ہے۔ اس بے اثر کے لہجے میں کچھ ایسی تڑپ و جاذبیت تھی کہ سب دم بخود سن رہے تھے۔ اس کی بھاری آواز خاموشی کی چادر کو چیرتی ہوئی ہر سمت پھیل چکی تھی۔

”تمہیں اپنی مدح سرائی پسند ہے، اپنی تعریف سے تم بھی پور نہیں ہوتی ہو، کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟ آسان سے اتاری کوئی حور؟ اجنبی دیوں کی اپسرا؟ بہت اہم ہستی ہو تم؟ آج پہلی اور آخری بار یہ سمجھ لو، عورت اپنے کردار اور اخلاق سے بنتی ہے اور تم میں یہ خوبیاں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، تم سے ہر دور رشتہ استوار کیا جاسکتا ہے جس کی حدیں اخلاقیات کے دائروں سے باہر کی سمت بہہ نکلیں۔“

”شپ اپ۔ شپ اپ یو!“ نارے غصے و جنون کے اس کی آنکھیں آبی پڑی تھیں۔ شدت سے چیختے سے آواز حلق میں گھٹ کر رو گئی۔ چہرہ سرخ انگار بن گیا، باجھوں سے کلب بہہ نکلا تھا۔ وہ ہذیانی انداز میں اب سجاد منصور کو ہی نوج کھسوت رہی تھی جو اسے آگے بڑھنے سے روک رہے تھے، اس وقت وہ بالکل قابو سے باہر تھی اور مکمل طور پر حواس سے بیگانہ۔ پے در پے صد مات نے اس کے حواس محفل کر دیئے تھے۔

”کم آن یار! سنبھالو خود کو، بھابی کو لے کر فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ کب دو بج ڈیول آ جائے اور معاملہ ہاتھوں سے نکل جائے، بھروسہ نہیں ہے، تم جتنی جلد ہو سکے یہاں سے بلکہ اس شہر سے اس ملک سے نکل جاؤ، چند سالوں میں منامہ ٹھٹھا ہو جائے گا تو لوٹ آنا۔“

”یہ دوستی ہے تمہاری، مجھے بزدلی کا سبق پڑھا رہے ہو۔“ اس اُس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ کرن کو دو کار میں بٹھا چکا تھا۔

”تم مجھے عزیز ہو خود سے بڑھ کر اور نہیں چاہتا کہ تمہیں معمولی سی بھی خراش آئے، دراصل حالات کا تقاضہ یہی ہے۔ ناگ

خطرناک ہوتا ہے اور اگر زخمی ہو جائے تو اپنا بدلہ ہر ممکن طریقے سے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ تم نے برہان لغاری کو سب عام گھائل کیا ہے۔ اُس کی عزت، اُس کی شان و شوکت، نام و خاندا نی شجرے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ وہ ہزاروں ناگوں سے بھی زیادہ خطرناک بن چکا ہے۔ وطن چھوڑ دینا، بزدلی نہیں، دانش مندی ہے۔ دیکھو زخم ابھی تازہ تازہ ہیں تو درد و تکلیف بھی حد سے سوا ہو گی، جیسے جیسے زخم بھرتے جائیں گے، درد و تڑپ میں کمی آتی جائے گی اور رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے، زخم بھر جائیں گے، درد و زخم ہو جائے گا، بس صرف باقی بھیجیں گے تو نشان اور نشان صرف یاد دلاتے ہیں، درد نہیں دیتے، پھر بھولی بھری یادوں سے کون قیامت برپا کرتا ہے۔ کینٹن ریاض نے اُسے تمام اونٹنیچ سے آگاہ کر دیا تھا۔

”تمہاری محبت کا بے حد شکریہ مگر یاد رکھنا ابھی کے دامت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور۔ خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا، اُس کے اجازت دو، سجاد اکل کا بھی میری جانب سے شکریہ ادا کر دیتا۔“

کینٹن ریاض سے ہاتھ ملاتے ہوئے اُس نے سرسری لگا ہوں سے اُس طرف دیکھا تھا جہاں سجاد منصور وائل کاروں کی مدد سے منال کو کار میں بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے، وہ پھری ہوئی شیرینی کی طرح اُن پر تھلے کر رہی تھی۔ اُس کی گھٹی گھٹی آوازیں، نوچے، کانٹے کا انداز چہرے سے برستی وحشت ثابت کر رہی تھی، وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ اُس نے فوراً آنکھوں پر ڈارک گھاس لگا لیے تھے اور کار کی بلطف بڑھ کیا جہاں کرن فرنیٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اُس نے گردن خاصی جھکا کر رکھی تھی۔ منال کی طرف اُس سے دیکھنا نہ جاسکتا تھا۔

اُس نے ہٹا کچھ کہے کار اشارت کر دی تھی اور اُن کے پیچھے دوسری گاڑیاں بھی پرنکشن کے خیال سے روانہ ہوئی تھیں جنہوں نے اس طرح گاڑیاں رکھی تھیں کہ آگے پیچھے وہ گاڑیاں تھیں اور درمیان میں اُن کی کاریہ سب احتیاطی تدابیر کے تحت کیا گیا تھا۔ اُن کو منزل مقصود پر پہنچا کر گاڑیاں واپس چلی گئی تھیں۔

”کرن! ہمیں یہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد لکھنا ہو گا، جو کچھ ہوا اور جواب ہو سکتا ہے اس حقیقت کا ادراک آپ کو مجھ سے زیادہ ہو گا، آپ سمجھ رہی ہیں نا جو میں کہنا چاہ رہا ہوں؟“ کار ایک شان دار بلند بالا عمارت کے ہیڈ کوارٹر میں کھڑی تھی۔ اُس دن اسکرین پر نگاہ بنائے نرم لہجے میں اُس سے مخاطب تھا۔

ایک گھنٹے قبل منال سے بات کرتے وقت جو در بھیگی، کتنی دیر بہت اُس کے چہرے اور لہجے میں تھی وہ مفقود ہو چکی تھی۔ اُس کا چہرہ اب سپاٹ تھا، ہر قسم کے جذبات سے عاری وہ بے نیاز۔ گلاسز اُتار کر وہ رکھ چکا تھا۔ اس وقت اُس کے چہرہ پر سب میں نمایاں اُس کی آنکھیں تھیں۔ سرخ سرخ انگاروں کی طرح دھکتی ہوئی مضطرب آنکھیں، جن میں شاید جھوٹی دفری محبت کا خون سرخی بن چکا تھا۔ جواباً کرن کی گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز نے اُسے چونکا ڈالا تھا۔

”کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہیں؟“ وہ اُس کی طرف دیکھتا ہوا پریشانی سے گویا ہوا مگر کرن نے کوئی جواب نہ دیا، وہ اسی طرح چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے بے آواز روتی رہی تھی۔

”پلیز..... پلیز روئیں۔“ اس کی سمجھ نہیں آیا کس طرح اسے قتل دی، خاموشی کدوائے جو اس پر گزری تھی اس کا مکمل تو نہیں مگر کچھ احساس اسے بھی تھا۔ لڑکی کا اس طرح سب کو چھوڑ آنا وہ بھی اس وقت جب بارات گھر میں موجود ہو کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بے شک وہ محرمیوں و نارستانیوں میں ہل کر جہان ہوئی تھی باپ کے خالمانہ، مختصرانہ سلوک نے اسے عظیم مزاج و سر پھری بنا ڈالا تھا، لیکن یہ غلو صحت، بے لوث چاہت اور خیال کرنے واپنا سمجھنے کا احساس اسے ملتا تو وہ جوان جذبیوں کو تری ہوئی تھی، اس کی حیات کو جب یہ جادواں کرنے والے جذبے ملتے تو وہ سب فراموش ہو جاتا، خواہ پیاس صدیوں کی ہو چند یونہی مرگت کے اس کو میراب کرنے کو کافی ہوتے ہیں۔ پیار کی ایک نظر نفرت کے بارود کو فکا کر ڈالتی ہے۔ محبت چٹانوں سے مضبوط زمین سے وسیع تر ہے مگر باپ کے ہاں اس کی تنظیمی حد سے سوا ہو گئی تھی۔ محبت شفقت کے خاکستر گلستان میں نفرت، حقارت و سفاکی کے کانٹوں سے اُسے لپی لہان ہونا پڑا۔ قدم قدم ذلت و تذلیل کے طوق اس کے گلے میں ڈالے گئے تھے۔ اُس کی ماں کے اور اُس کے کردار میں نشتر زنی کی گئی تھی اور آخر میں اُس کی باپ کی عمر کے آدمی کے پلے اُسے اس لیے باندھا جا رہا تھا تا کہ کل کو وہ جائیداد میں سے اپنا حق نہ مانگ بیٹھے۔ عمران مرزا جواز حد عیاش طبع و بد فطرت شخص تھا۔ جس کی کئی بیویاں اُس کی اذیت پسندی کا شکار ہو کر مر چکی تھیں۔ شراب و شباب کی مغللوں کا وہ شیدائی تھا، نہ معلوم کتنی لڑکیاں، عورتوں کی زندگیاں وہ تباہ کر چکا تھا۔ برہان لغاری اُس کی پوری ہسٹری سے واقف تھے۔ اس کے باوجود وہ کرن کے ساتھ اس کی شادی پر تیار تھے۔ ان حالات نے اُس کے اندر ایسا غم و غصہ بھرا کہ وہ انہیں سزا دینے کے لیے ان کا پسندیدہ و انتہائی اقدام کو انجام دینے سے نہ ہچکچاتی تھی۔ اب غصہ ٹھنڈا ہوا۔

عقل ٹھکانے پر آئی، شعور نے جاگ کر انگڑائی لی تو اسے محسوس ہوا جو کچھ وہ کر آئی ہے، وہ مناسب تھا یا نہیں؟

”ایک ایٹ ایڑی، جو ہونا تھا وہ ہو چکا شاید..... یہ اسی طرح ہونا تھا، بچھتا دے ملال، ڈکھ درج، سر تیں دراتیں یہ موسموں کی طرح بدلتی رہتی ہیں۔ آپ پہلے مر گئے میں ہی ہمت ہار چکی ہیں تو آگے کے کٹھن مراحل سن طرح عبور کریں گی؟“ اُس نے دائیں ہاتھ سے اُس کا جھکا ہوا چہرہ اوپر کیا اور اُس کے اندر بجلیاں سی گونڈ گئیں۔

یہ وہی چہرہ تھا

وہی خدو خال

وہی قاتل نقوش و جاذبیت کا سحر انگیز انداز

وہ منال سے ملتی تھی، مگر اتنی زیادہ مماثلت نظر نہ آتی تھی مگر اس وقت اُس کا ہر نقوش مکمل طور پر منال کا عکس چرائے ہوئے تھا۔

اُس نے جب بھی اسے دیکھا، سادہ لباس و میک اپ اور جیولری کے بغیر اب تو وہ بناؤ سنگھار کے ہتھیاروں سے عروسی جج و جج سے حشر پر پا کرتی لہو بو منال لگ رہی تھی۔

اُس نے ایک نگاہ ڈالی تھی

پھر جھکا نہیں سکا تھا۔

کرن نے اُس کی لگا ہیں اپنے چہرے پر محسوس کیس تو رونا بھول کر گہرا نے لگی، اس کی جھکی ہوئی ٹٹا میں مزید جھک گئی تھیں۔
 ”مجھے تمہارا ساتھ چاہیے، جیون کے اندھیرے تمہاری دفا کی روشنی سے منور ہوں گے تو میں ادھر اور ابندہ مکمل ہو کر منزل پاسکوں
 گا۔“ وہ اُسے شرماتے دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا اور اُس کا مخروٹلی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دھیرے سے دباتے ہوئے بولا۔

☆.....☆.....☆

حزہ راحیلہ بیگم کے ساتھ ماڑہ آئی کے ہاں آگیا تھا جہاں ان کا استقبال بُرہا پاک طریقے سے کیا گیا۔ حزرہ انہیں سلام کر کے
 صوفے پر بیٹھ گیا۔ راحیلہ اور ماڑہ درمیانی صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

”عاصم اور مصد نہیں آئے؟“ وہ پہلی سادھی کاپلو درست کرتے ہوئے بولیں۔

”مصدق تو آج کل اسپتال کا ہی بن کر رہ گیا ہے۔ ڈے ٹائٹ ڈیوٹی لگ رہی ہے اُس کی راتوں کو تو سمجھو وہ گھر میں ہوتا ہی نہیں،
 دن ہوتا ہے تو وہ بھی نہ ہونے کے برابر، نماز کے اوقات میں جاگتا ہے، کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں ہوتا۔ بس سونا، سونا اور اپنے وقت پر گزار
 ہو کر چلا جاتا ہے۔ میں اُس کی صورت ڈھنگ سے دیکھنے کو ترس گئی اور عاصم کے موز کو تو تم جانتی ہو اگر ایک بار کسی کام کو تان کر دیں تو پھر
 ہاں نہیں کرتے۔ بعد میں آنے کا کہہ رہے تھے۔“

”چھوڑیں باجی! کوئی بات نہیں اُن کا اپنا گھر ہے جب چاہیے آئیں، مگر ان کے دروازے اُن کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ حزرہ
 نے اپنی حالہ کے لیے ٹائم نکالا، یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے۔“ وہ حزرہ کی جانب دیکھتے ہوئے بجا بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

حزرہ کی طبیعت کندہ ہو کر رہ گئی، وہ اس محبت اور خصوصی عنایات کے پس منظر سے واقف نہ ہوتا تو محبت و اپنائیت کے ان
 مظاہروں کو خوش نصیبی سمجھتا مگر ان کی محبتوں میں پنہاں غرض، اپنائیت میں پوشیدہ مفاد نے اُسے جیزار کر ڈالا تھا جس کو چھپائے وہ خاموشی
 سے اُن کی گفتگو سن رہا تھا، بغیر کسی اچھے جذبے کے۔

”سچ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے اور مجھ سے زیادہ مبہوش خوش ہے۔ رات سے ہی کھانے کا مہیج ترتیب دے چکی تھی۔ آج سارا دن
 ہو گیا اُسے کچن میں کام کرتے ہوئے، کہہ نہ سکتی تھی تمام ڈشز اپنے ہاتھ سے بناؤں گی۔“ وہ بیٹی کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

”ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ ماڑہ! مبہوش تمہاری اکلوتی بیٹی ہے مگر سعادت مندی و سکھڑاپے میں اس کو ہزاروں لڑکیوں پر سبقت
 حاصل ہے بھلا آج کل کی لڑکیوں کو کہاں چو لے باغی سے رغبت ہے۔“

”اکلوتی بیٹی کی تربیت بہت سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے اور میں نے مبہوش کی تربیت میں کوئی کمی، کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔“ نہ معلوم
 کب تک مبہوش نامہ نشر ہوتا کہ ملازمہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو سب سے پہلے حزرہ کھڑا ہوا تھا۔

کھانے کی میز بہت خوب صورتی سے آراستہ کی گئی تھی۔ تازہ پھولوں کی دل کش سجائو نے آنکھوں پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ کھانا
 پُر تکلف و مزے دار تھا۔

”جگ جگ جیو بہت عرصے بعد اتنا مزے دار کھانا کھایا ہے، تمہارے ہاتھوں میں اپنی ماں سے زیادہ ڈانٹ ہے۔ دلوں پر راج کرو گی۔“ راحیل نے مہوش کی پیشانی چومتے ہوئے یک سے یک شدہ گنٹ نکالا اور اسکی جانب اشارہ کرنے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔
”یہ تمہارا گنٹ ہے۔“

”جھنجھٹاں خالہ جانی! آپ اتنی تعریفیں کر رہی ہیں مگر مزہ نے کوئی ایک لفظ تعریف کا نہیں کہا ہے۔“ وہ گنٹ پکڑتے ہوئے دور کمرے محراب کی جانب دیکھتے ہوئے شکایتی انداز میں بولی۔

”اہل پائی اور فروٹ کسٹرو بہت ٹیسی تھے۔“ اسے اخلافا بولنا پڑا۔ اس کے سپاٹ انداز پر مہوش بے ساختہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔
”آپ تعریف تو ایسے کر رہے ہیں جیسے کوئی گمن پوائنٹ پر آپ کو مجبور کر رہا ہو۔“ وہ سمجھ دار قسمی، اس کا انداز بھانپ گئی تھی۔
”ارے..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ جھینپ گیا۔

”مہوش! حزرہ کو اپنا کپیوٹر دکھاؤ، پچہ تھا پور ہو رہا ہے۔“ وہ حقیقتاً ان کی سنگت میں سخت یوریت محسوس کر رہا تھا، سو مہوش کے کہنے پر اٹھ کر اس کے ساتھ اوپر چلا آیا تھا۔

”مہوش! میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“ وہ تیس پر رکھی کر سیوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کرتا ہوا انتظار کرنے لگا۔
”کیوں نہیں، آپ کو اجازت کی ضرورت کیوں نہیں آئی حزرہ! کیا آپ ہمیں اپنا نہیں دیکھتے ہیں؟“ اپنے روم کی جانب بڑھتی ہوئی مہوش رک کر حیرانگی سے گویا ہوئی۔

”بات بیچ گئی دانتانیت کی نہیں ہے، اخلاق کی ہے۔“ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔
”اوکے، کیا آپ میرے روم میں نہیں چلیں گے..... آئی مین کپیوٹر دیکھنے۔“ ممانے کہا ہے۔ حزرہ کی از حد سنجیدگی نے اس جیسی بولڈ کونفیڈنٹ لڑکی کو پکھلا کر رکھ دیا تھا۔
”نہیں۔ مجھے یہاں اچھا محسوس ہو رہا ہے۔“

”اوکے، ایڈیووش، مین ابھی کو لڈ کافی لے کر آتی ہوں۔“ وہ کچھ جھنجھلائی ہوئی سی نیچے چلی آئی اور دبے قدموں سے ممانے کے بیڈ روم میں گھس کر آئے۔

ممانے نے اپنے میں اپنا جائزہ لینے لگی کہ کہاں کوئی کمی رہ گئی جو حزرہ کو اس کی طرف ایک نگاہ ڈالنا بھی مگوارا نہ ہوا۔
ریڈ ٹراؤزر پر اسکی بلو اور ریڈ ستاروں، دھوتیوں کا وید و زیب کام تھا جس کے گہرے کنس سے اس کی سفید گداز پنڈلیاں کسی حد تک نظر آ رہی تھیں۔ شارٹ شرٹ، ریڈ اور اسکی بیلو ٹکڑ میں تھی، اس پر بھی ویسے ہی کڑھائی بہار دکھا رہی تھی، جس کی آستینوں کے کنس بھی پورے بازو عریاں کر رہے تھے۔ کانوں میں نا پس جھلملا رہے تھے، گلے میں تصویر نما چوڑا سائیکلس اس کی گردن کی خوب صورتی بڑھا رہا تھا۔ گولڈن کرنی بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے کا میک اپ بھی جوں کا توں تھا، کوئی کمی اسے نظر نہ آئی تھی۔

پھر بھی وہ ایک نظر کی مستحق نہ ٹھہری تھی۔ اس کی امیدوں پر اوس گرنے لگی۔ حزرہ جیسے وجہ اور شان دار شخص کے لیے اس نے

بڑے دل فریب سہانے خواب دیکھ ڈالے تھے جن سے دست برداری کسی طرح بھی منظور نہ تھی۔ امید کی بجھتی شمعوں کو اس نے از سر نو آگ دکھائی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی لپ اسٹک سے ہونٹوں کو مزید گہرا کر کے وہ باہر نکل گئی تھی۔ مہوش کے جاتے ہی حزنہ نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

موسم بدل رہا تھا، سروی کی آمد آمد تھی، مگر یہ رخصت ہو رہی تھی، دن میں سورج تپش پھیلاتا تو رات میں ہوائیں شہنشاہ بچانے لگتی تھیں۔ اس وقت بھی ہوائیں ہلکی خنکی تھی جو جسم کی طہانیت بخش رہی تھی۔ ٹیرس کی ریچک کے ساتھ رکھے گملوں میں رات کی رانی کے پھول بے شمار کیلے ہوئے مسکوکن خوشبو پھیلا رہے تھے۔ آسمان صاف تھا۔ اُس کے وسط میں پورا چاند جگمگا رہا تھا۔ اُس کے ارد گرد بھی تاروں کی بساط میں ستارے چمک رہے تھے۔

یہ اخلاقیات سب سے اہم ہیں۔

آؤمی رات، ہوا چاند، رات کی رانی اور مئی مئی کی فضا میں اس کے اندر سناٹے کو بجھے گئے تھے۔ دل دو باغ پر چھایا دہ عکس چاندنی کے غبار میں ڈھلنے لگا تھا۔

”مجھے معاف کرو، معاف کرو مجھے، کیوں چلی آتی ہو تم میری بے بسی کا تماشا دیکھنے؟ میری تڑپ، میری بے قراری سب میرے لیے ہیں، میرا دگ ہے، الیہ ہے میری زندگی کا، جو صرف میری میراث ہے، میری پہا پرتی ہے، جب میری زندگی سے نکل گئی ہو تو میری روح سے بھی نکل جاؤ، میرے دل سے بھی نکل جاؤ، میرے خوابوں سے، میرے خیالوں سے، میری سوچوں سے، میرے قصود سے، میری دھڑکتوں سے، میری لگاؤں سے کھل جاؤ..... کھل جاؤ، مجھے جینے دو، مجھے مرنے دو۔“

سکتی، ظالم ہو تم!

کتنی سفاک ہو تم!

نہ جینے دیتی ہوں نہ مرنے

”مزداحمزوا کیا ہوا؟“ مہوش اُسے بڑبڑاتے دیکھ کر تیزی سے اوپر آ کر مخاطب ہوئی۔

مہوش کی آواز اُسے حواس میں لے آئی تو اُس نے چونک کر دیکھا چاند صاف تھا، گویا اُس میں کوئی عکس نمایاں نہ ہوا تھا۔ یہ سب تو اس کا تصور تھا جو کبھی چاند میں، پودوں میں، پھولوں میں، برتنوں میں تو کبھی پانی پیتے ہوئے گلاس میں محسوس ہو جایا کرتا تھا۔ پھر سب کچھ فراموش ہو جاتا، پس پردہ چلا جاتا بالکل اسی طرح۔

”کوہ۔۔۔ سو۔۔۔ سواری ہشاد میں سو گیا تھا۔ مجھے عادت ہے غنیمت میں ہاتھیں کرنے کی“ وہ کہتا ہوتا ہوا خجالت آمیز لہجہ میں بولا۔

"یہ خند میں باتیں کرنے والی عادت تو بڑی انٹرسٹنگ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی کوئی پرائیویسی نہیں رہتی جو کچھ وہ دن بھر کرتے ہیں، وہی رات بھر خند میں دہراتے ہیں۔ رینلی آپ کی دائف کے تو حزمے ہوں گے۔ اس سے چھپا کر آپ کوئی انفیئر چلائیں گے بھی تو وہ سب جان لے گی"۔ مہوش جیسے ہوئے کبہ رہی تھی۔

"میں تم سے عمر میں کافی بڑا ہوں، پلیز مجھے نام سے نہیں پکارا کرو۔ میرے نام کے ساتھ بھائی لگایا کرو۔ حمزہ بھائی، چھوٹی بہنیں، بڑے بھائیوں کو نام سے پکارتی اچھی نہیں لگتی ہیں"۔ اُس کی چیخڑ چھاڑ کو نظر انداز کر کے وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"حمزہ..... بھائی ا" وہ پھر زور سے ہنسی تھی۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں ہے ہمارے بڑے ہمارے لیے کیا پلان کیے بیٹھے ہیں۔ وہ کیا خواہش کا ارادے رکھتے ہیں؟"

"ضروری نہیں بڑوں کے ارادوں کی زنجیریں ہم باندھنے پر مجبور ہوں، کچھ فیصلے سب کے ارادوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں"۔ اُس کے لہجے میں از خود ہی ترشی و ناگواریت درآئی تھی۔

"میں نہیں سمجھی؟" وہ ہکا بکا رو مگی اس کی صاف گوئی پر۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے"۔ وہ اُسے حیران و پریشان چھوڑ کر نیچے آ گیا اور پھر راہیلہ کو لے کر گھر روانہ ہو گیا تھا۔

اُس کے اندر عجیب سی کھلبلی گج گئی تھی اور احساسات اُن دیکھی آنچ بھلنے لگے تھے، کچھ ہونے کا احساس اُجاگر ہوا تھا مگر ادراک کے دروازے مقفل تھے، آگئی شور یک پہنچ نہ پا رہی تھی، بس بے چینی تھی، بے کلی تھی جو اُسے متوحش کیے ہوئے تھی۔

جب تجھے دیکھنا چاہوں

تجھے جب سوچنا چاہوں

شام کے گلابی آفتاب میں

رنگوں کو تسخیر کروں

لمحے پلکوں سے زنجیر کروں

تصویر میں تیری تصویر کروں

کچھ لمحے تیری یادوں

تیری باتوں کی خوشبو سے

خود کو مہلکا

اور پھر!

آگ میں سٹلکا محسوس کروں۔

☆.....☆.....☆

انس کی باتوں نے اسے خاصا حوصلہ بخشنا تھا، ڈھارس بندھائی تھی، وہ اس کے ساتھ اس پارٹمنٹ میں چلی آئی جو اسی عمارت میں سکیئر فلور پر تھا، انس اس کی توقع سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔

ڈرینگ روم میں انس کے سائز کے کئی سوٹ ہنگ تھے، شوزز ایک میں سینڈلز موجود تھیں، اس نے جلدی جلدی زیورات سے خود کو آزاو کیا، ڈریس پہنچ کیا، سینڈل کے بدلے ایک آرام دو چیل کا انتخاب کیا، پھر ہاتھ روم کی طرف بڑھ گئی، خوب رگڑ رگڑ کر منہ ہاتھ دھوئے اور بالوں میں برش کر کے ہایر آگئی، سامنے انس بیٹھا تھا۔ سینئر ٹیکل پر کانی اور دیگر لوازمات سجائے اس کے بڑھتے قدم رک گئے، فطری حیاتی جو آڑے آئی تھی۔

”آؤ نہ وہاں کیوں رک گئیں، وراصل آج سارے دن سے میں نے بھی کچھ نہیں کھایا اور یقیناً آپ نے بھی کھانے کو اس وقت طبیعت چاہ نہیں رہی ہے، اس لیے میں نے چیز سینڈ وچ بنا لیے ہیں، چکن بکس بھی ہیں اور پائن اپل ایک بھی۔ کم فاسٹ، کانی ٹھنڈی ہو جائے گی۔“ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی بچے کو بہلا کر کھانے پر راضی کر رہا ہو، وہ جھجکتی ہوئی آکر صوفے پر بیٹھ گئی، اس نے بے حد اصرار سے ہر چیز کھلائی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد ان کا سفر دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔ اس بار اس نے کار دوسری لی تھی۔ پارٹمنٹ میں بھی زیادہ دیر نہ لگائی تھی۔ وہ حمام احتیاطی تدابیر کے تحت کام کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا، برہان لغاری کے رابطے کم وسیع نہیں ہیں۔ اثر و رسوخ، دولت کے لالچ یا دھونس و دھمکی سے وہ ان تک رسائی ضرور حاصل کرے گا۔ بڑوں کے ذہن کھوجنے کی نادانی وہ ہرگز نہیں کرے گا، اس کام کے لیے وہ ان اہل کاروں کو استعمال کرے گا جن سے کسی نہ کسی طرح اسے معلومات فراہم ہو جائیں گی اور پھر وہ عذاب بن کر نوٹ پڑے گا جس میں سب سے زیادہ خطرہ کرن کی جان کو تھا اور وہ کسی طرح بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کرن کو معمولی سی بھی رک پھینچے۔

”ہماری زندگی کی شروعات بھی کس انداز میں ہوئی ہیں، شاید ہی کسی کی شادی اس طرح ہوئی ہوگی کہ پہلے ہی مرحلے پر سفر دوسرے پیش آرہے ہیں۔“ کارڈ رائیو کرتے ہوئے انس نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ان کی گاڑی تیزی سے رات کی سیاہی میں گم تھی۔

”مجھے یقین ہے ہمارا سفر درست راستے پر گامزن ہوا ہے۔ منزل بھی ہمیں جلد ہی مل جائے گی۔ میں جانتا ہوں آپ کے دل میں میرے لیے خاصی بدگمانی و بے اعتمادی ہوگی اور میرے خیال میں اگر آپ یہ سوچتی ہیں تو غلط بھی نہیں ہے۔ میری کتاب حیات کے ورق آپ کی نگاہوں سے اوجھل رہے نہ پوشیدہ۔ روز روشن کی طرح سب کچھ آپ پر منکشف ہے اور کون لڑکی ہوگی جو اپنے شریک سفر کے متعلق ایسا کچھ برداشت کرے جو کسی لڑکی کے ساتھ وابستہ ہو۔“ وہ بہت فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس سے گفتگو بھی کرتا جا رہا تھا، نہ معلوم خود کو بہلا رہا تھا یا اس کو تسلی دینے کی کوشش۔

”آپ کیوں شرمندہ ہو رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں صدق دل سے کہتی ہوں، مجھے آپ کے ماضی سے کوئی سروکار

نہیں ہے۔ نہ آج اور نہ آئندہ۔ آپ مجھ سے اپنے ماضی کے بارے میں کوئی لفظ نہیں کہیں گے۔ مجھے فخر ہے آپ پر اور اپنی قسمت پر کہ مہربان ہوئی تو میرا لٹل کم پڑنے لگا ہے۔“ اس کو بے حد شرمسار اور خجندہ دیکھ کر اُسے شروع کیا کہ گھونٹ کو سر کا کر کہتا ہی پڑا تھا۔

”میں آپ کے متعلق سب جانتی ہوں آپ کے روز و شب میرے علم میں تھے۔ آپ کی مصروفیت، مزاج، کردار سب سے میں واقف تھی مگر میری کتاب ماضی کے کسی ورق سے آپ کو آگاہی نہ تھی، نہ آپ نے کبھی جاننے کی جستجو کی اور مجھ پر اور میری ماں پر یقین کر بیٹھے۔ عورت کے لیے اس سے بڑا اعزاز کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ اسے پاک بازی و وفا داری کی سند دے کر معتبر کیا جائے، آپ نے میری ماں کے کردار و وفا کی تعریف کر کے میرے دل سے وہ تمام دوسرے اطمینانیں زائل کر دیئے ہیں جو کل تک میرے اندر موجود تھے۔ عورت کی اصل میراث عزت پاتا ہے جو مجھے دے کر آپ نے سرخرو کر دیا ہے۔ میری آپ سے یہی التجا ہے کہ کبھی بھی اس اعزاز میں کمی نہ کیجئے گا۔“ اُس کی آواز میں آنسو غالب آ گئے۔

”آپ کی عزت میں کرتا ہوں اور آخری سانس تک کرتا رہوں گا۔“ وہ مسکرا کر نہ مزم لہجے میں بولا۔

”گر جی کیسی ہیں؟ بہت مس کیا ہے میں نے انہیں۔“

”بے حد کمزور ہو گئی ہیں آپ کے جانے کے بعد تو بالکل ہی خاموش رہنے لگی ہیں۔ غصہ چڑچڑاہٹ سب بھول گئی ہیں۔“

”میں ان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں، بالکل ماما کی طرح انیسیت ہو گئی ہے مجھے ان سے۔“ ماں کا نام اُس کے لبوں سے نکلا اور پھر ضبط کے بندھن کمزور پڑنے لگے۔ ماں اکائنت کا حسین ترین تھنڈ جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ماں نور ہے، روشنی ہے، سکون ہے، قرار ہے، اُس کی مسکراہٹ میں اللہ کا نور دکھائی دیتا ہے۔ اُس کی دعاؤں میں جنت کے چشتانوں کی خوشبو مہکتی ہے وہ ہے تو سب کچھ ہے، دور نہ پھر بھی سب کچھ ہوتا ہے، دنیا بھی رہتی ہے اس کی روانی میں کی نہیں آتی، اس کے میلے جھیلے ایسے ہی خود فرسی میں جتنا رکھتے ہیں، فرق صرف ان کو پڑتا ہے جن کی دنیا و چاہتوں کے چمن بہاروں سے یکدم خزاؤں میں بدل جاتے ہیں پھر کبھی نہ بدلنے کے لیے۔ ماں کی جدائی دل میں پچانس کی طرح چبھ جاتی ہے، جن کی کسک ہر وقت یاد کی صورت ہے قرائن و منہل رکھتی ہے۔ کار میں ایک دم خاموشی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں غرق تھے۔

کرن ماضی کے جھولے میں گول گول چکر لگا رہی تھی تو وہ سوچ رہا تھا گر جی کو کس طرح اس ملک سے باہر جانے پر راضی کرے، اسی مسئلے ان کو نیند پارک روانہ ہونا تھا۔

مدر صاحب کا امرا تھا کہ اسے کچھ عرصے ملک سے باہر گزارنا ہے، کچھ بزنس کے معاملات بھی ایسے تھے اور کچھ ٹینس حالات کے باعث بھی انہیں یہی طریقہ کار سودمند محسوس ہوا تھا۔ سال کے بارہ مہینوں میں سے دس مہینے ملک سے باہر گزارنے کے عادی اُنس کو یہ فیصلہ قطعی ہو رہا تھا۔ اُس نے بے حد خاموشی سے نیو یارک جانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

اُس کے تمام کاغذات ریڈی رہتے تھے۔ کرن اور مائی سیکنے کے کاغذات نئے سرے سے بنے تھے۔ ان کی بھی تمام کارروائی

کھل ہو چکی تھی۔ محض وہ چند دنوں میں ملنے والا تھا۔ گرینی کسی صورت راضی نہ ہو کر دے رہی تھی۔ انہیں اپنے وطن کی مٹی سے بے حد پیار تھا وہ اسے چھوڑ کر جانے کا تصور ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کے بار بار اصرار پر چ کر بولیں۔

”جہیں کیا معلوم یہ ملک دیدار زمین یہ مٹی کس طرح خاص ہوئی ہے، تم ناشکر ہے وناقد رہے لوگ کہاں قدر کر دے اس ملک کی۔ تم نے کھو کر نہیں پایا ہے اسے، جہیں سب بتایا مل گیا تو تم کو احساس کیسے ہوگا کہ یہ ملک کس طرح کن قربانیوں کے بعد حاصل ہوا، اس کی حقیقت ہمارے دلوں سے پوچھو، کس طرح آگ و خون کا دریا عبور کر کے ہم اس پاک سرزمین کو چھو سکے تھے اور آج تم کہتے ہو میں اس زمین کو چھوڑ کر غیروں کے آسرے پر چلوں جو مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں، حسد کرتے ہیں، رات و دن جن کا کام صرف مسلمانوں کے گرسنازشوں، نفرتوں کا دائرہ سخت سے سخت کرنے کا ہے، نہ بابائے مجھے اپنی مٹی سے جدائی برداشت نہیں، زندگی کی ذورویسے بھی کمزور سے کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ کب لوٹ جائے کوئی بھروسہ نہیں، اپنے وطن میں مروں گی، کا نہ حادیسے والے اپنے لوگ تو ہوں گے“۔ گرینی کی اپنی محبت تھی، اپنی سخط تھی جس سے دور ہونے کو وہ ذرا بھرتا نہ تھیں جیسے، جیسے اُن کی صحت گر رہی تھی وہ یا تو خاموش رہیں یا ماضی کو دہراتے ہوئے اُن لوگوں کو یاد کرنے لگتیں جو ہمارے میں شہید ہوئے تھے، اُن کے خاندان کے کافی لوگوں نے جانیں قربان کی تھیں۔

”مائی سیکین کہاں ہے؟ اُس کو تو میں بھول ہی گئی تھی“۔ اُس کے ذہن میں مائی سیکین کا خیال آیا تو وہ چونک کر بولی۔

”ابھی ہم وہاں ہی جا رہے ہیں۔“

”کتنی دیر کا سفر ہے؟“

”تھک گئی ہیں؟“

”نہیں۔“ اُس کے انکار میں حشک نمایاں تھی جو اُس کے احساسات سے غلی نہ رہ چکی تھی۔

”سفر طویل ہے آپ سو جائیں، میں سے چار گھنٹے لگ سکتے ہیں۔“

”نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔“ وہ سر دکا بولی، اُس مسکرا کر رہ گیا، لیکن وہ زیادہ دیر خود پر قابو نہ پاسکی تھی اور سو گئی تھی، جسانی حشک سے بڑھ کر ذہنی حشک انسان پر حاوی ہو تو وہ عجز حال و نیم مردہ کر دیتی ہے۔ وہ مسلسل ذہنی خلفشار میں مبتلا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

لغاری ہاؤس میں صبح کا سورج عام مچھوں کی طرح طلوع ہوا تھا۔ ملازمائیں مستعدی سے ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھیں مگر عام دنوں کے مقابلے میں آج ان کے چہروں کی تردہنگی غائب تھی اور خوف کی زردی اُن کے چہروں پر چمکنے لگی تھی، نگہ کے قتل ان کے منہ پر لگ گئے تھے۔ کل رات جو کچھ ہوا تھا، اُس کے حقیقی اثرات اُن کے مالکوں پر جو پڑے سو پڑے مالکوں سے زیادہ پریشان کن صورت حال ان کے لیے تھی، وہ سوچ کر دہشت زدہ تھے کہ اب اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ کیونکہ یہ بات تو سب پر ہی عیاں ہو چکی تھی کہ ان کے ساتھ تعاون کرنے والی مائی سیکین تھی۔ مائی سیکین..... اس حویلی کی سب سے پرانی اور سب سے قابل اعتبار ملازمہ جس پر اس گھر کے

تمام حکمران آنکھیں بند کر کے یقین کرتے تھے۔ مائی سکینہ کی تنگ حرامی و بد دلئی مائی نے یہاں کے مالکوں پر جو ستم کیا سو کیا مگر ساتھ میں یہاں کے ملازموں کو بھی وہ زندہ و زور گور کر گئی تھی۔ عزت و زنی کے لائق پہلے ہی وہ سمجھے نہیں جاتے تھے، اب تو وہ قدموں کی خاک سے بدتر تھے۔

برہان لٹاری کل رات سے ایک لمحے کے لیے بھی سکون سے نہ رہ سکے تھے۔ پہلی بار وہ شکست سے دوچار ہوئے تھے اور اس طرح کہ سنبھل نہیں پا رہے تھے۔ صدمات بھی تو بے درپے درپے تھے۔ ایک بچی نے اپنی پسند سے گھر سا لیا تھا تو دوسری نے بے وقوفی سے سب کچھ منوا لیا تھا اور اب ہوش و خروش سے بیگانہ ہسپتال میں پڑی تھی۔ ان صدماتوں و حقیر دے عزتی سے آشیا کرنے والا صرف ایک شخص تھا۔

انس مدثر۔

جس کی رگوں میں خون کے بجائے زہر دوڑتا تھا، جس نے ان کی عزت اور وقار کی دجیاں سر عام نکمیر دی تھیں، وہ جو اکڑ کر سر اٹھا کر چلا کرتے تھے، آنکھیں اٹھانے کے قابل انہیں نہیں چھوڑا تھا۔

برہان! والدہ حضور کی آواز سن کر وہ ہز بوا کر کر رہی ہے۔ سہاٹھے تھے۔

”آپ..... آپ نے کیوں زحمت کی والدہ حضور؟“ وہ آگے بڑھے تھے اور بے حد ادب و احترام سے ان کا ہاتھ تمام کر بیٹھ رہا تھا۔

”روزِ قہر سے کمرے میں آتے ہو، آج ہم آگئے، یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیوں رنج کرتے ہو، جو ہوا سو ہوا، ہمیں پروا تو نہیں ہے۔ بدذات ماں کی بدذات بیٹی نے اپنی اوقات دکھا دی ہیں آخر..... سانپ کو کتنا بھی دودھ پلاؤ، وہ ایک نہ ایک دن موقع دیکھ کر اس لیتا ہے۔ اس فطرت میں ڈسنا ہے اور وہ ڈس گئی۔ لے گئی انتقام۔“

”دو کہیں نہیں جاسکتے دونوں، ایک دفعہ فریب دیا جاتا ہے بار بار نہیں۔ میں نے اُسے بے ضرر و بے وقوف سمجھا تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر ایسی پلاننگ کر رہی ہے۔“ ان کے لہجے میں آگ ہی آگ تھی۔

”گھر کو آگ، گھر کے چراغ سے ہی لگی ہے۔ وہ تنگ حرام، و قافروں مائی سکینہ، اس کا ساتھ نہ دیتی تو وہ تو کیا اس کی روح بھی یہاں سے باہر نہ جاسکتی تھی، پھر سب سے زیادہ لا پرواہی اس ڈرائیور نے کی جو انہیں چھوڑ کر باہر بیٹھ گیا، بیڑی کے سولے لگنے اور وہ نکاح کر آئی، شاپنگ کے بہانے ہمارے منہ پر سیاہی ملنے کے لیے۔“ آج والدہ حضور بھی تمام ستائت و بروری، قتل و موقع پرستی بھول کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔ برہان لٹاری ہمو اسٹے۔

”میرے خاص آدمی شہر کے ہر گلی، چوراہے پر پھیل گئے ہیں، ایئر پورٹ اور تمام بس اسٹاپس پر بھی نگرانی موزی ہے، وہ کہیں نہیں جائیں گے، چھپنے کے لیے چوہے کاٹل بھی نہ مل سکے گا۔ کہاں جائیں گے؟ کب تک چھپیں گے؟ کب تک بھاگیں گے؟ موت سے بھی کوئی چھپ سکا ہے؟“۔ برہان لٹاری سراپا قہر و غضب بھرے ہوئے تھے۔

”ڈرائیور کے تو ہاتھ پاؤں تڑوا کر پھینکوا چکا ہوں، بھیک مانگنے کے قابل بھی نہیں رہا وہ، اس کی لا پرواہی و غفلت کے باعث ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔“

”سکینہ کی اپنے ہاتھوں سے چوڑی اتار دوں گی اور ایسا عبرت ناک انجام کروں گی کہ کسی ملازم کی آئندہ ایسی نمک حرامی کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔“ سفاک پن میں وہ بیٹے سے بھی بہت آگے تھیں۔

دروازہ ناک ہوا تھا۔

اجازت ملنے پر برہان لغاری کا دسب راست ذکی الدین احمد آئے تھے۔ سلام کرنے کے بعد ہاتھ میں پکڑے پیکٹ سے سامان نکال کر سینئر ٹیبل پر رکھتے ہوئے مودہا تاندا نماز میں گویا ہوئے۔

”سرا یہ لباس اور زیورات اپارٹمنٹ سے برآمد ہوئے ہیں۔ ان کا نام و نشان نہیں ہے، کار بھی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہے لیکن..... سر! وہ کتنی بھی چالاکی دکھائیں، سچ نہیں کہتے۔“ برہان لغاری نے چپ چاپ رپورٹ سنی تھی۔ اُن کی نگاہیں کرن کے عروسی سوٹ و زیورات پر مرکوز تھیں۔

کچھ دیر اُسے گھورنے کے بعد وہ آگے بڑھے اور شدید اشتعال میں دوسب اٹھا کر نیچے کار پٹ پر پھینکا تھا اور دونوں پاؤں سے دوسب ندری طرح رو دینے لگے۔

گویا وہ کپڑے نہ ہوں، کرن ہو۔

والدہ حضور کے اشارے پر ذکی الدین کمرے سے چلے گئے تھے۔ اُن کے جانے کے بعد وہ جنون کی کیفیت میں مبتلا برہان لغاری سے مخاطب ہوئیں۔

”قابو کرو اپنے جذبات، سنبھالو خود کو، نکلے نکلے کے نوکروں کے سامنے ایسا کرنے سے ہماری عزت میں فرق آتا ہے، کمزوری عیاں ہوتی ہے جس سے یہ کم و ذات موقع پر فائدہ اٹھاتے ہیں۔“ اُن کی آواز میں حکم و سرزنش تھی، دودھ مریدہ تھیں مگر نہ اُن کے اعصاب کمزور ہوئے تھے، نہ جوصلے کمزور پڑے تھے۔ واقعی طور پر بے شک پہلی شکست نے اُن کے جواسوں کو منتشر کر دیا تھا مگر اب ملازم کے سامنے برہان لغاری کی جذباتیت نے اُن کی انادکھا ہر پرستی کی آن بان کو چھوڑ ڈالا۔

”والدہ حضور! میرے دل کی کیفیت سے آپ ناواقف ہیں میرے.....“

”کون ایسی بد بخت ماں ہوگی جو اولاد کے ذکھ سے اس کی دلی کیفیت سے باخبر نہ ہوگی، یا بھرتم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم تم سے الگ ہیں؟ تمہارے ذکھ سے ناواقف ہیں؟ جو کچھ ہوا اس سے ہمیں صدمہ دوکھ نہیں ملا ہے؟“ وہ اُن کی بات قطع کر کے غصے سے بولیں۔

”خمس..... نہیں والدہ حضور! میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔“ ماں کے غصیلے تیروں نے انہیں گزبڑا کر رکھ دیا۔

”بہر حال جو ہوا سو ہوا، ہمیں اپنے گھر میں اُس کا سوگ نہیں چاہیے، کسی بھی طرح سے اُن تینوں کو ہمارے سامنے حاضر کرو، یہ جو تم لوگوں کو سوئی سوئی رہیں بکلاتے ہو، وہ حرام کا مال نہیں ہوتا ہے، جس کو کھا کر وہ ڈکار بھی نہ لیں، کہو اُن سے ہماری مجرم پکڑ کریں، اب بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھیں گے۔ اُن کی ناک کے نیچے سب ہو گیا، وہ تماشا دیکھتے رہے اور وہ سجاد مسعود پورے شہر کا ہاپ بتا بیٹھا ہے،

بڑی تم سے دوستی کا دم بھرتا ہے، بہت محبت جتانے ہے، کیا کیا اس نے؟..... اگر وہ چاہتا تو وہ ان کو گولی مار کر کہیں دفن کر سکتا تھا، اپنے مطلب کے لیے بھی تو وہ بے گناہوں کو مار کر اٹکاؤنٹر کا نام لگا دیتے ہیں۔“

”یہ بات نہیں ہے کچھ قانونی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں پھر آپ کو معلوم ہے وہ کوئی معمولی حیثیت کا حامل یا پندرہ اکیس ہے۔“
 ”ارے بس بس رہنے دو، جب ان لوگوں کو اپنا کام کرنا ہوتا ہے تو بڑے بڑے لوگوں کو نہیں چھوڑتے ہیں۔“ والدہ حضور کسی طرح ان جواز و دلائل سے اتفاق کرنے والی نہ تھیں۔

”آپ بے فکر رہیں، ہمارے دشمن ہم سے بچ کر نہیں جاسکتے، ہم اپنا بدلہ اپنے ہاتھوں سے لیں گے۔“ برہان لغاری کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

”کامران مرزا کو بھی کتنی بے عزتی سہنی پڑی ہے۔ اس کے باوجود وہ خاموشی سے بیٹے اور مہالوں کو لے کر لوٹ گیا، اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنی آسانی وہ خاموشی سے نہیں جاتا۔“

”خود سے کم حیثیت و کم مرتبہ لوگوں سے تعلق استوار کرنے سے یہی تو قائد ہوتا ہے، ورنہ ہوتے کوئی ذی حیثیت وہم پلہ لوگ تو یہاں کی اعانت سے اعانت بجا دیتے بخت دشمنی ہو جاتی۔“

”اسی وقت ملازمہ نے ناشتہ لگنے کی اطلاع دی تو انہوں نے برہان لغاری کو بھی ساتھ چلنے کو کہا جس پر انہوں نے معذرت کر لی تھی۔
 ”رزق سے انتقام کیوں لے رہے ہو، برا طریقہ ہے یہ۔“ والدہ حضور تنہی لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”میری بھوک دیکھیں مرچکی ہے۔“

”مرتا تو ہمارے دشمنوں کو ہوگا اور انہیں مارنے کے لیے بے حد طاقت و قوت کی ضرورت ہے جو خالی پیٹ حاصل نہیں ہوتی ہے، ایسے تم ایک چوہا مارنے کی طاقت بھی نہیں رکھو گے، ان شیطانوں کو مارنے کے لیے بہت طاقت کی ضرورت ہے، بے حد قوت کی۔“ ان کے پاس اب مزید اٹکاؤ کی گنجائش نہ تھی۔

بھوک پیاس، نیند و آرام جیسے احساسات ان کے ذہن کے گوشوں سے دور ہو چکے تھے، ان پر صرف انتقام کا جنون طاری تھا، ماں کی دل جوئی کے لیے وہ ان کے ساتھ چل پڑے تھے۔

ہلکا ہلکا ناشتہ کر کے وہ باہر نکل آئے تھے۔ سامنے سے ہی ذکی الدین تقریباً بھاگنے کے انداز میں دوڑے چلے آ رہے تھے، ان کے چہرے پر سرت آمیز تاثرات تھے۔

”وہاٹ اڑوانڈو؟“ ان کے قریب آنے پر وہ گویا ہوئے۔

”گڈ نیو س!“ وہ اطمینان سے گویا ہوئے۔

☆.....☆.....☆

حزہ نے مڑ کر دیکھا، صدمہ اندر آ رہا تھا۔

کئی دنوں کے بعد آج وہ فریش دکھائی دیا تھا، ورنہ پچھلے کچھ ہفتوں سے وہ گھر سے ہاسپٹل، ہاسپٹل سے گھر کے چکروں میں سدھ بدھ کھو بیٹھا تھا، وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب بیٹھا تو حزنہ بھی متوجہ ہو گیا۔

”کیسی گزر رہی ہے؟“ صدمہ شوق ہوا تھا۔

”جس طرح گزرنی چاہیے۔“

”اس طرح نہیں۔“

”اس طرح یا اُس طرح زندگی کا کام گزرتا ہے، گزر جائے گی۔“ کرن کے تصورات کے حصار سے دو بھی نکل نہیں پایا تھا۔ کیا عشق تھا جو آگ بن گیا تھا، کبھی نہ بجھنے والی سرد آگ جو اُسے اندر ہی اندر جلا رہی تھی، تڑپا رہی تھی، جس کو جتنا بھی بجھانے کی سعی کرتا وہ اتنی ہی بجڑتی جا رہی تھی، پھیلی جا رہی تھی، جلاتی جا رہی تھی۔

”وقت گزر جانے کا نام ہے، کرن کی کوئی خبر ملی؟“

”نہیں۔ کس سے ملتی وہ ساری کشتیاں جلا کر گئی تھی، تخت یا تختہ حاصل کرنے والے ایسے ہی جنونی کام کرتے ہیں۔“

”اُس کے مزاج میں صدمہ ایسے ہی فیصلے کرنے کا جنون رہا ہے۔“

”جنون بھی تو کمپلیکس کی ایک برانچ ہے جن کو حق بھیک کی صورت میں ملتا ہے یا ملتا ہی نہیں، اُن لوگوں کی سائنسی پیدا ہوتی ہے۔“

”نی الحال تو تم مجھے سائنسی کیس محسوس ہو رہے ہو، کتنی مرتبہ کہا ہے میرے بھائی! گاڑی ہمیشہ تو ازن سے چلتی ہے، یکطرفہ محبت کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتی ہے، بلکہ سچے عاشقوں کے ہارے میں تو سنا ہے نا، کیا ہوا ہے اُن کا انجام، اُن کی محبتیں دو طرفہ دو لولہ انگیز تھیں، بڑی شدت و بڑی قوت والی تھیں مگر انجام کیا ان کا؟ لیلیٰ مجھوں، شیریں فرہاد، سسی پنوں، سوئی مینوال اور بھی نہ معلوم کتنے عثمان ہیں کہ جن کی محبت کی صداقت کی گواہی جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں نے بھی دی پھر کیوں نہ مل پائے وہ لوگ، کیوں ملن نصیب نہ ہوا انہیں، کیا اُن کی محبت جھوٹی تھی؟ کیا اُن کے جذبے کھو گئے تھے؟ کیا اُن کی تڑپ بے اثر و معنی تھی، جو کوئی کبھی کا نہ ہو سکا؟“

دن بدن اُس کی گرتی محبت زندگی سے بے رغبتی اور لا پرواہی سب کے لیے تشویش ناک تھی دو اور عاصم صاحب اُس کی طرف سے بے حد فکر مند تھے۔ پریشان تو ماحیلہ خاتون بھی تھیں مگر انہوں نے اس پریشانی کا حل اپنی سوچ و خواہش کے مطابق نکالا۔

اُن کے خیال میں اس عمر کی ایسی کیفیات کا تدارک شادی کی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اُس پر گھر و گھر والی کی ذمہ داری، پیار و رفاقت کا احساس لاگو ہوگا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اسی لیے پوری طرح سے وہ اپنی بھانجی مہوش کو بہو بنانے کی تیاریاں شروع کر چکی تھیں جس میں ماہرہ کے علاوہ محرش کی بھی خواہش شامل تھی۔

”میرے بھائی! نہ اُن کی محبت جھوٹی تھی، نہ جذبے کھونے، یہ سب نصیب کا چکر ہوتا ہے جس کا ساتھ جس کے مقدر میں ہوتا

ہے، وہی ملتا ہے کرن تمہارا نصیب نہ تھی، تم اُس کے مقدر نہ بن سکتے تھے کہ کاتب تقدیر کا کلمہ کچھ اور ہی تحریر کر چکا تھا۔ سب بھول جاؤ اور نئی زندگی کا آغاز کرو، بہت بڑی دنیا ہے اور بے شمار لڑکیاں ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور تمہارے بخت کا حصہ ہوگی اور پھر تم جیسے بندے کو جو بے حد لائق فائق ہے، اس طرح سرینڈر نہیں کرنا چاہیے۔

”کہاں رہا لائق، کبھی یہ زندگی کیسی قائل ہو جاتی ہے..... سنہیلنے کا موقع دیئے بغیر وار پر وار کرتی ہے اور نام جان کر دیتی ہے۔“ اس دفعہ وہ بولا تو شدت جذبات سے اُس کی آواز کانپ رہی تھی، آنکھوں میں آنسوؤں کی جھللاہٹ دوئے بکھرے لہجے کی کپکپاہٹ نے صبر کو چھوڑ کر رکھ دیا۔ اُس نے بغور مزہ کی طرف دیکھا۔

اُس کے اندر زوردار چھٹکا ہوا حزرہ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ ان چند محنتوں میں وہ ہاؤس جاب کے سلسلے میں گھر سے تقریباً غافل ہی رہا تھا۔ آتے جاتے بٹلوہائے تک ملاقات رہی تھی، اب حزرہ کی پڑمردو منہل صورت دے جانے انداز بتا رہا تھا کچھ ہوا ہے۔

کوئی ناقابل برداشت حقیقت

کوئی حقیقی رنگوں سے نکی کہانی

کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہوا تھا

”حزرہ! کیا ہوا ہے؟“ وہ اُس کے قریب بیٹھ گیا بالکل نزدیک۔

”جو ہونا تھا۔“ وہ لگا ہیں چہ اگر بولا۔

”پلیز سہیلیاں نہ بناؤ، جو ہوا ہے وہ بتاؤ۔“

”کچھ سچائیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو زبان سے بتانے کی جرات ہی نہیں ہو سکتی ہے، کچھ کہتے ہو تو میری حالت دیکھ کر سمجھ جاؤ، تقدیر کی ستم طریقہوں و قسمت کی تنگ دستیوں کی زد میں میری ذات متیہ ہو کر رہ گئی ہے جو خواب میں نے دیکھے تھے اُن کی تعبیر کسی اور کے حصے میں آئی، کیوں ہوتا ہے جب تعبیر ہماری نہیں تو ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟ ایسے راستے کیوں بنائے گئے ہیں جن پر چل کر ہمیں صرف بھٹکتا ہوتا ہے منزل تو کسی اور کے لیے بنائی جاتی ہے ہم جیسے کے نصیب میں صرف سوز و کرب ہوتا ہے، ہجر و فراق ہوتا ہے، عمر دیاں نہ رسائیاں ہوتی ہیں جو دل و دودھ کو ٹٹکا کر ڈالتی ہیں۔“

چنانچہ جیسا مضبوط نظر آنے والا دھنسن بچوں کی طرح رو پڑا۔ صبر نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

اُس کی جذباتی کیفیت و دلی حالت کا اُسے ابھی طرح انداز تھا کہ اُس پر کیا بہت رہی ہوگی، کچھ دن پہلے ہی تو اُس نے بتایا تھا اُنس سے ملاقات کے بارے میں اور کرن سے اس کی شادی کرنے کی خواہش کے بارے میں سب بتایا تھا تب ہی وہ بے حد نہیں رہا تھا، اب اس کی ابتر حالت بتا رہی تھی، دو محبت میں مکمل طور پر شکست کھا چکا تھا، ابھی تک وہ کسی بھڑے کے انتظار میں خوش گمان تھا، اپنے جذبول کی شدتوں کے یقین میں گم تھا لیکن شاید اب سب چراغ بجھ چکے تھے، آرزوئیں خاک نشین ہو چکی تھیں۔

"کرن نے انس سے شادی کرنی؟" محمد نے آہستگی سے کہا۔
 "ہاں"۔ حنزہ کی آواز کراہ نکلتی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبح کا زب کا سرمی اجالا دھیرے دھیرے کائنات پر روزہ ہو رہا تھا۔ موسم سرد تھا، ہوا میں خشکی رہتی ہوئی تھی۔ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، دور مشرقی افق پر ہلکی سرخی نکلی رہی تھی خاموش ماحول میں پرندوں کی چہچہائیں سکون آمیز تھیں۔ وہ نہ معلوم کب تک سوئی رہی تھی، بند آنکھوں کو کھولنا ہی چاہا تو محسوس ہوا بہت قریب کوئی اس کے چہرے پر جھکا ہوا ہے، اس کی گرم سانسوں کی ہلک سے اسے اپنا چہرہ تپتا محسوس ہوا، اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ انس کو قد رے خور پر جھکا دیکھ کر وہ ہلکا کر سیدھی ہونٹیں تھیں اور سرعت سے شانوں سے ڈھلکا ہوا روپہ درست کیا، وہ اُسے بیدار کر کے اپنی سیٹ پر سیدھا بیٹھا گیا۔

"گھبرائیے نہیں، نہ میری نیت بُری ہے نہ ارادہ خراب، کئی دفعہ آپ کو پکارا آپ نے جواب نہ دیا تو مجبوراً مجھے آپ کی سانسوں کی آمد و رفت کا جائزہ لینا پڑا"۔ انس کے لیوں پر شوخ مسکراہٹ تھی جواباً کرن نے کچھ نہیں کہا صرف مسکرا کر رہ گئی۔

کا دھیزی سے مصافحات کی جانب دوڑ رہی تھی۔

بچے بچے راستے تھے، ایک طرف بزنکیتوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، درمیان میں سڑک تھی اور سڑک کے دوسری طرف میدانی علاقہ تھا جہاں دور تک ویرانی پھیلی ہوئی تھی، البتہ اس کے سرے پر کچے مکانات دھونچیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ سرمی صبح کا اجالا سنہری روشنی میں بدل جا رہا تھا۔ نیم اندھیرے کو روشنی نکلنے لگی تھی۔ مشرقی افق سے سورج کی روپیلی روشنی شعاعوں کی صورت میں نمودار ہونے لگی تھی۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی، سٹریڈل رہے تھے، راستہ طے ہو رہا تھا، سورج مشرق کے کونکھٹ سے باہر نکل آیا تھا۔

"بھوک لگ رہی ہوگی؟" لحو بھر کو نکلا ہیں اس پر ڈال کر پوچھا گیا۔

"نہیں"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"اونیوں، غلط بیانی نہیں چلے گی"۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں"۔

"کیوں؟" انس کے لہجے میں سنجیدگی درآئی تھی۔

"میں..... کبھی نہیں"۔ وہ الجھ کر بولی۔

"بچی پوچھ رہا ہوں، بھوک کیوں نہیں لگ رہی ہے۔ تمام اہم ضرورتوں میں سب سے بڑی ضرورت شکم بیری ہے۔ کیا کچھ نہیں ہوتا اس بھوک دہیٹ کے پتھر میں، لوگ ناجائز کام کرتے ہیں، حرام کو حرام نہیں سمجھتے، چوری، ڈاکے، قتل اور بھی نہ معلوم کیا کیا کر گزرتے

ہیں، اسی بھوک کے چکر میں اور کبر رہی ہیں کبھی نہیں۔" انس نے اسے اس طرح سمجھایا جیسے کسی کو زہ مغر شاگر کو لائق فائق استاد سمجھاتے ہوں، مگر بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی اس کے انداز پر۔

"آپ میری بات کو سمجھ نہیں ہیں، دراصل مجھے صبح بیدار ہوتے ہی ناشتے کی عادت نہیں ہے۔ بہت دیر سے ناشتہ کرنے کی عادی ہوں۔"

"اوہ..... آپ کی صبح بھی ہوگی اور میں ابھی تک رات میں ہی سڑ کر رہا ہوں۔" وہ دھیرے سے ہنستا ہوا گویا ہوا۔

وہ جواباً خاموش رہی تھی نہ معلوم کیا وجہ تھی جیسے جیسے دقت گزر رہا تھا، اس کے اندر عجیب اضطراب و وحشت متحرک ہونے لگی تھی اسے لگ رہا تھا۔

انس کو اپنے انتہام میں شامل کر کے اس نے اچھا نہیں کیا۔ اپنی جنگ تنہا لڑنی چاہیے تھی، مگر ہان لٹاری کی وحشت ویر میریت کا تنہا ہی شکار ہوتی، مگر جاتی تو کون بیٹھا تھا روئے والا، یاد کرنے والا، لیکن انس کے پیچھے تو ایک خاندان ہے۔ بے حد بیمار کرنے والی دادی، جان سے بڑھ کر چاہنے والے باپ اور بے حد دوست و اقارب..... اللہ نہ کرے انہیں کچھ ہو گیا تو کئی جانوں پر ہن جائے گی۔

"میں نے آپ کے کزن حمزہ کو انعام کر دیا تھا کہ ہم نے شادی کر لی ہے۔" انس کو یک دم ہی یاد آیا تو وہ گویا ہوا۔

حمزہ! بہت عرصے بعد کسی اپنے کا نام سنا تھا، اس کے اندر دور تک اس نام کی بازگشت گونجتی چلی گئی۔

پڑھنا کو، سنجیدگی و خلوص کا جیکر اس کے قدم قدم پر کام آنے والا، اس کی خاطر سب سے لڑ مرنے والا حمزہ، نفرتوں و عداوتوں کی ایسی کبر چھائی تھی کہ جس میں پیار و محبت، مروت و ایمان کے سانچے میں ڈھلے حمزہ کا وجود ہی گم ہو گیا تھا۔

"بہت خوش تھا وہ، بے حد گد و شزدی ہیں۔ ہم ملیں گے ضرور اس سے، بہت ہنس ایلڈ لوگ پر سن ہے وہ۔" انس کبر رہا تھا۔

"ہاں..... میں نے بہت زیادتیاں کی ہیں اس کے ساتھ، حالانکہ وہ ان پتھر دل لوگوں سے بالکل الگ ہے، بالکل منفرد۔" اب دقت الٹی چال چل رہا ہے، کل قربتیں عجیوں کو جلا بخشی تھیں، پیار کے بندھنوں کو اٹوٹ کرتی تھیں، آج قاصطے قریحوں کو جلا بخشے ہیں، جدا نیاں پیار کی فضلوں کی آبیاری کرتی ہیں جو ہم سے قریب ہوتے ہیں، وہ اس دقت تک قابل توجہ، قابل محبت نہیں ہوتے جب تک دور نہ چلے جائیں۔ یہ دقت کا چلن ہے اسے بھی آج حمزہ کی محبت کا احساس ہوا تھا۔

"سرن! انس کی مصحیر آواز میں مکمل سنجیدگی درآئی تھی۔

"جی۔" وہ اس کے مزاج کے موسموں سے قطعی نا آشنا تھی مگر اس لمحے جس انداز میں اسے پکارا تھا وہ اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔

"آپ اس رشتے سے خوش ہیں؟ آئی مین سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔ آپ سب جانتی ہیں میرے متعلق، منال کے متعلق اور کل رات جو کچھ ہوا، سب سے آپ باخبر ہیں۔ کیا میں آپ سے بھرپور رفاقت کی توقع رکھ سکتا ہوں؟ یہ جاننے کے باوجود کہ اس کا مسیبت پہلے ایک لڑکی سے محبت کی خیمیں بڑھا تا رہا ہے، وہ بیوی اس شخص کو وہ عزت، وہ محبت و احترام دے گی جو اس کا حق ہے؟" گاڑی روک کر

اُس کے دل میں نہ جانے کیا سائی کہ وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جذباتی لہجے میں گویا ہوا۔

کرن نے اُس کی جانب دیکھا، اس کے چہرے پر اُمید و بیم کے جھگوہل بچھ رہے تھے۔ ہاتھوں کی حرارت میں وفا کا لمس تھا۔ اُس کی غم جھللاتی سرستیِ سطح پر صرف عکس تھا، اس کا اپنا عکس صاف و شفاف عکس گول کے فریم میں آدیزاں زندہ تصویر، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نیکھت اُس کی نظر باہر کی سمت اُٹھی تھی اور خوف و وہشت سے اس کی چیخ نکل گئی۔



کرن کی چیخ نے اُس کو بوکھلا ڈالا تھا۔

”کیا ہوا؟“ اُس نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں یاہر کی سمت دیکھا اور گھٹنوں کا جال اس کی کشادہ پیشانی پر پھیلا چلا گیا تھا۔
 ”ڈونٹ وری۔ یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔“ ان سے کچھ فاصلے پر ایک جیب ان کی سمت بھاگی چلی آ رہی تھی، جیب میں سوار لوگوں کے پاس اسلحہ دور سے ہی نمایاں ہو رہا تھا۔

اُس ایک نظر پیچھے دیکھ کر کرن سے مخاطب ہوا جو خوف و فکر سے کانپ اُٹھی تھی اور تیزی سے کار اشارت کر دی تھی۔ کار اشارت ہوتے ہی پیچھے سے گولی چلائی گئی تھی، پیچھے کی باڈی پر گولی لگی تھی، اس کے بعد بھرپور فائرنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔

کرن کے منہ سے بے ساختہ چیخیں نکلنے لگی تھیں، اُس فل اسپینڈ میں کار بھگا رہا تھا۔ پیچھے آنے والی جیب سے برآمد گولیاں برسائی جا رہی تھیں، جو فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث پوری طرح سے آگے توڑ آ رہی تھیں مگر کار کی بیک باڈی ان سے پوری طرح متاثر ہو رہی تھی۔

دو ناحول جوا بھی سکون و آسودگی کی ٹھنڈی نفاس میں خاموش تھا فائرنگ کی بمباری آوازوں سے گونج اُٹھا تھا۔

”ذرو مت، کچھ نہیں ہوگا۔“ کرن کو از حد خوف زدہ دیکھ کر اُس قسلی آمیز لہجے میں گویا ہوا، اس کا لہجہ بے خوف و بے فکر تھا۔

”میں اپنے لیے فکر مند نہیں ہوں، نہ ہی میں موت سے ڈرتی ہوں، مجھے ڈر ہے آپ کے لیے، مجھے فکر ہے صرف آپ کی، رب ذوالجلال آپ کی حفاظت کرے، آپ کو کچھ نہ ہو۔“ پاکیزہ جذبوں سے گندھا لہجہ، شفاف آنسوؤں سے دھلا چہرہ اُس مڈر کے اندر نئے احساس جگا گیا۔ گہری رفاقت کا خالص صداقت کا۔

اسے فخر محسوس ہوا، اطمینانِ قلب میسر آیا کہ بے شک یہ بندھن غیر جذباتی و جلد بازی میں باندھا گیا مگر کسی نیکی یا دعا کے عوض وہ

ایک ایسے رفیق سفر کو اپنا بیٹا تھا کہ جو اس کی حقیقی خوشیوں کی مٹا من گھسیٹ کیسی عجیب بات تھی۔

باپ ایک تھا

خون ایک تھا

مگر تاشیر دونوں کی ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ وجود تھی۔

ایک کی فطرت ہر جائی، خود غرضی و مطلب پرستی سے لبریز تھی، دوسری ایثار و وفا، مروت و محبت کے خیر سے بنی تھی۔ کیسے دور درج

جس ایک خون کے..... یا شاید یہ دو ماؤں کی تربیت کی شکل، دو مختلف کوکھ کا اثر ہے۔

بہر حال جو کچھ بھی تھا وہ مطمئن تھا کہ اس نے درست راہ منتخب کی۔ جیب سے فائرنگ برابر ہو رہی تھی۔

انس نے جان بوجھ کر کار کو کچے راستے پر دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ سامنے سے بھینسوں کا غول آ رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح ان بھینسوں کے درمیان سے کار نکال لے اور یہی ہوا۔ بہت جیزی سے بھینسوں کی طرف کار لے آیا اور ان کے درمیان سے کار نکالنے لگا تھا۔ پیچھے آنے والی جیب سے فائرنگ بند ہو گئی، کیونکہ گولیاں لازماً بھینسوں کو لگتیں جس سے نیا ہنگامہ کھڑا ہونے کا خطرہ تھا۔ انس پھرتی سے کار نکال کر آگے بڑھ گیا۔ جیب بہت پیچھے رو گئی تھی۔

”جیمکس گاڈ!“ دوسرے راستے پر جاتے ہوئے کرن نے پھولی سانسوں سے کہا۔ انس کے لبوں پر دہی مسکراہٹ درآئی تھی۔

”ابھی ابھی ہم خطرے کی رنچ سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ دو لوگ کسی بھی اس طرف آ سکتے ہیں۔“ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

”اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟“

”آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟“

”کیوں ڈروں؟ یہ بتائیں گی آپ؟“

”دوستے سارے لوگ ہیں اور وہ بھی تمام اسلحہ سے لیس۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہم کس طرح لڑیں گے ان سے ہمارے

پاس ہے کیا؟“

”محبت۔ اس کے۔“ لہجے میں خوشبو بکھیرتی شوخی درآئی۔

”پلیز، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔“ وہ جھنجھلائی۔

”میں غائب نہیں کر رہا ہوں۔“

”یہ محبت کا وقت بھی نہیں ہے۔“ جھنجھلاہٹ و گھبراہٹ میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا پھر انس کے بلند قہقہے نے اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ حیا سے وہ سرخ ہو گئی تھی۔

”محبت، غصہ، جھگڑا سب کا ٹائم ختم بنانا پڑے گا۔ چلو اچھا ہے بنا لیتے ہیں۔ دنت میں سات دن ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک

دن غصے کا، ایک دن جھگڑے کا اور باقی پانچ دن محبت کے ہوں گے..... اوکے..... رائٹ۔“ وہ جھک کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

”میرا..... میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔“ وہ شپٹا گئی۔

”میرا بھی ارادہ وہ دن غصے و جھگڑے میں گزارنے کا نہیں ہے، پورا ہفتہ پورا محبت میں گزارنے کا ہے، انڈر اسٹینڈ۔“

☆.....☆.....☆

اس طرح کا جیون میں حادثہ نہیں ہوتا
تم تک پہنچنے کا واسطہ نہیں ہوتا
آرزو تو ملتی ہے جستجو نہیں ملتی
منزلیں تو ملتی ہیں راستہ نہیں ہوتا
روح کی زمینوں پر اک عجب عالم ہے
دور اور تمنا میں فاصلہ نہیں ہوتا
سوکوار لوگوں کی، بے قرار لوگوں کی
زندگی میں کوئی بھی ضابطہ نہیں ہوتا
اس طرح بھی ہو جاتا ہے خراب موسم میں
دور کے مسافر سے رابطہ نہیں ہوتا

”جینے بڑے ہو جائیں تو مان کے دل کا سکون اور باپ کا سہارا جتنے ہیں پھر سب ماؤں کی طرح میرے دل میں بھی ارمغان ہے
جینے کے سر پر سہرا سجانے کا، پہنلانے کا، بنی اللہ نے کوئی وی نہیں جو دل کا قرار بنی، اب تو یہی آرزو ہے کہ بہو کے روپ میں ہی بیٹی کے
ارمان پورے کروں اور بچی بات یہ ہے کہ مجھ سے اب گہرا رشتہ نہیں ہوتی ہے۔ مدت ہو گئی اس بوجہ کو کاغذوں پر اٹھائے، اب برداشت
نہیں ہوتا ہے، سب سنبھالنا۔“ ناشتے کی میز پر دو چاروں موجود تھے۔ راحیلہ بیگم نے عام صاحب کا خوشگوار موڈ دیکھ کر اپنے دل کی بات
کہہ دی تھی جو کئی بار پہلے بھی وہ دہا دے انداز میں کہہ چکی تھیں۔

”ارے بھئی! نو کروں کی تعداد اس گھر میں اہل خانہ سے زیادہ ہے ایک گلاس پانی کے لیے بھی ملازمنوں کی خدمات حاصل کی
جاتی ہیں، یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں کسی ناویدہ بوجہ کی شکایت کر کے۔“

”آپ کو کب میری پروا اور ہی ہے جواب ہوگی۔“ وہ روشے انداز میں گویا ہوئیں تو عام صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
”کام دام کا کیا ہے وہ تو سب ہی کر لیتے ہیں، اصل محنت تو ذمے داری نبھانا ہے، احسن وعدہ مٹر لیتے سے یہ دو کام ہے جو
لاکھوں ملازمین بھی نہیں کر سکتے ہیں۔“ وہ اپنی بات پر اٹل تھیں۔

”چلیں آپ کی خوشی کے لیے مان ہی لیتے ہیں مگر آپ کی دو دونوں خواہشیں بہو کے روپ میں اپنی پالنے اور گھر کی دے
داریاں بھانے کی آرزوئیں محض آرزوئیں ہی رہیں گی۔“
”کیوں؟“ وہ حیرانگی سے استفسار کر بیٹھی تھیں۔

”بیگم! وہ وقت ہوا ہوئے جب لوگ وضع داری و قرابت داری کے لحاظ و مروت میں اپنی بیٹیوں کو حقین کیا کرتے تھے، وقت

رخصتی کہ بیٹی جس گھر میں تمہاری ڈولی جا رہی ہے وہاں سے جتنا زے کی صورت میں باہر نکلتا اور لڑکیاں بھی کرتی تھیں۔ ماس، مسرکی خدمت و ادب والدین سے بڑھ کر کرتی تھیں۔ سسرال کے تمام لوگوں کو میکے سے بڑھ کر عزیز رکھتی تھیں۔ اس دور میں جماعت فیملی سسٹم ہوتے تھے، کئی کئی خاندان مشترکہ طور پر ساتھ رہتے تھے، کبھی کوئی نفرت و عداوت نہ پائی جاتی تھی کسی میں، بڑے چھوٹوں سے محبت و اخلاق سے پیش آتے تھے تو چھوٹے بھی بڑوں کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہ کرتے تھے۔

چائے کے چھوٹے چھوٹے سب لیتے ہوئے عام صاحب اس زمانے میں کم ہو گئے تھے جہاں کے بچپن کا دور تھا جہاں سچی و خالص محبتوں اور یکا گنت کی بہاریں ہر سو پھیلی رہتی تھیں۔

راحیلہ موضوع کا رخ بدلتے دیکھ کر شیشٹاٹنے لگی تھیں۔ انہوں نے اپنی خواہش کے اظہار کے لیے وہ موضوع چھیڑا تھا مگر جواب انہیں بچپن کے پر مجبور کر چکا تھا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ عام صاحب ان کی پچھلی کوتاہیاں اور زیادتیاں دہرانے لگیں گے، جن کا اختتام بہن کی موت اور بھانجی کی جانب سے ملی بدگمانی و نفرت پر ہوگا۔

”بلاشبہ اس وقت کی عورتوں میں سمجھ بوجھ، ذہانت و فراست اور سب سے اہم مذہبی ہم آہنگی و روا داری کی کثرت حد سے سوا تھی۔ آج کی عورت کی طرح اتنی تعلیم یافتہ و آزاد نہ تھیں..... مگر بغیر ذمہ داری و سند کے وہ آج کی عورت سے زیادہ باشعور، باتیز، رشتوں کے تقدس کو منظم کرتی، اخلاقی قدروں کو پائیداری اور مروت و روا داری کو فروغ دیتے ہیں اس دور کی عورت کا اہم رول تھا۔ وہ عورت جو خواہ بیٹی، ماں، بہن، بہوی یا کسی بھی رشتے سے وابستہ تھی اور ہر رشتے میں اس نے بہت ساری خوب صورتیاں، مسرتیں و مروتیں، امن و محبت کو فروغ دیا تھا۔“ عام صاحب حسب توقع شروع ہو چکے تھے اور راحیلہ خاموش بیٹھی ہونٹ دانتوں سے کاٹ رہی تھیں۔

”شاید اسی وجہ سے خاندان و روا داری وجود میں آئی ہوگی اور شاید اسی وجہ سے پہلے آپس میں اتنی محبتیں و اپنائیتیں تھیں۔ لوگوں میں تیرا میرا نہ تھا، اسی لیے اتنی پریشانیاں، آفتیں و بیماریاں بھی نہ تھیں جو اس دور میں آئے دن وارد ہوتی ہیں۔“ حزرہ نے بھی خاموشی توڑی تھی۔

”یقیناً مائی سن! ایسا ہی تھا بالکل ایسا تھا جس گھر کی عورتیں اچھی ہوتی ہیں، سمجھو وہ گھر دنیا میں ہی جنت ہوتا ہے۔“

”پاپا! آپ کا مطلب ہے اس دور کی تعلیم یافتہ عورت گزشتہ دور کی جاہل عورت کے مقابل میں جاہلیت کا شکار ہے؟“ محمد نے کہا۔

”میری مراد سب عورتوں سے نہیں ہے، بلکہ ان عورتوں کے متعلق کہہ رہا ہوں جن پر علم کی روشنی سر نوا اثر انداز نہیں ہوتی ہے، جن کے عمل سے، اخلاق سے، گفتگو و کردار سے ظاہر ہوتا ہے، اندر باہر اندھیرا ہی اندھیرا ہے، نہ دنیا سمجھانے کا چلن ظاہر ہوتا ہے اور نہ دین نکھارنے و آخرت سنوارنے کا، ان کی زبان سے، مزاج سے، انداز سے اندھیرا جھلکتا ہے، جہالت کا اندھیرا۔ پھر ایسی بڑی بڑی ڈگریوں کا کیا فائدہ جو آپ کو اخلاق، مروت و روا داری کا درس نہ سکھا سکیں۔ علم، شعور دیتا ہے، آگہی بخشتا ہے، دین و دنیا کو بہت اچھی طرح سمجھنے و عمل کرنے کی فہم و فراست عطا کرتا ہے، جو علم حاصل کر کے بھی ان خصوصیات سے بے بہرہ ہیں، وہ جہالت سے بھی کئی قدم آگے ہیں، پھر ہم اس دور کی عورتوں کو جاہل نہیں کہیں گے، بلکہ ناخواندہ کہیں گے کہ علم کے ساگر سے بہر مند نہ ہونے کے باوجود وہ اسلامی قدروں کو مستحکم و جاویداں رکھے ہوئے تھیں۔“

عام صاحب نے کپ سا سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ جہالت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی نگاہیں بار بار راحیلہ کی جانب اٹھتی رہی تھیں اور وہی نہیں حذر اور صبر بھی بخوبی لوٹ کر رہے تھے، وہ کس کو سنار ہے ہیں۔

”خیر۔۔۔ اب پرانی عورتیں سب کی سب ہی کوئی دودھ کی دھلی اور نیک بیچیاں نہ تھیں، ان کی چلتی بازوئیں اور چالاکیوں کی ہزاروں داستانیں میں بھی سناسکتی ہوں آپ کو۔“ ہالا خزان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ تپ کر گویا ہوئی تھیں۔

”یہ اپنی اپنی نیچر ہوتی ہے، ہم اچھائی کے حامل ہیں، محبت و بھائی چارے کا پرچار کرنے والے ہیں، اسی لیے بہترین لوگوں کو یاد رکھتے اور ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہونے کی سعی کرتے ہیں اور آپ سے بھی یہی استدعا ہے، براہ کرم اچھے و نیک لوگوں کے متعلق جانیں اور ان سا بننے کی کوشش کریں، اگر آپ نے اپنے اندر علم کی معمولی سی رشت بھی ابھرنے دی ہوتی تو وہ کچھ نہ ہوتا جو مجھے آخری سانس تک بے چین و پشیمان رکھے گا۔“ اپنی بات ختم کر کے وہ اٹھ گئے تھے۔ ان کی اٹھلی بیٹوں نے بھی کی تھی۔

☆.....☆.....☆

برہان لغاری کی امپورٹڈ کار متوازن رفتار سے اسٹیر پارک کے خوب صورت و شگاف راستوں پر دوڑ رہی تھی، ان کے چہرے پر سنجیدگی پوری طرح حاوی تھی، وہ اسٹ کلف شدہ شلواری قمیص میں ان کی قد آور شخصیت کے علاوہ چہرے پر چھائی سرخی ان کی وجاہت کو اجاگر کر رہی تھی۔ آنکھوں میں تیرنے سرخ ڈور سے ان کے اندر کے غنڈہ و بیجان کے علاوہ سے نوشی کا راز بھی فاش کر رہے تھے۔ ان کے برابر میں بیٹھی ہوئی فائزہ جو کچھ دیر قبل امریکہ سے آئی تھیں، اپنی نگاہوں سے ان کا جائزہ لے رہی تھیں جو اپنی سوچوں میں ان سے لائق تھے۔

”مجھے منال سے یہ امید نہ تھی، نہ معلوم کیا ہو گیا تھا اسے جو وہ ایسی اسٹوڈنٹ حرکت کر رہی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے سر پرانے دلوں کی مگر یہاں آ کر آپ سے معلوم ہوا کہ وہ کیا حرکت کر رہی ہے۔“

فائزہ بہت عرصہ قبل اپنے دوسرے مسیٹر صمدانی سے ڈائیزس لے چکی تھیں۔ صمدانی سے شادی کرنے کی وجہ دولت و شہرت ہرگز نہ تھی کہ وہ خود ان کی فرم کا منیجر تھا، جواہر و جائیداد، دولت و حیثیت وہ سب میں پیچھے تھا۔ فائزہ جیسی طرح دار و دولت کا دل اس پر آنا ہی تھی اس کی بعد ہر کشش و وجہ بہرہ پر سنائی دینا وی جائیداد و دولت سے دو جتنا غربت کا شکار تھا، مرزاوند جابست و خوب صورتی کی دولت سے اتنی مال و مال تھا۔ ان کی حسن پرست طبیعت برہان لغاری سے بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ فطرتاً وہ ہر جابجائی فطرت رکھتی تھیں، وہ حسن کی شمع تھیں۔

اپنے گرد و ہمہ وقت پر دانوں کا بھوم دیکھنے کی عادی تھیں۔ صمدانی جو پہلے ہی غربت و مفلسی کی زندگی کو چھوڑ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی جستجو میں مگن تھا، فائزہ کی جانب سے ملنے والی حوصلہ افزائی اور آفرز کو فوراً ہی قبول کر بیٹھا تھا۔

وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔

راتوں رات امیر بن جانے کی خواہش اسے بے کل رکھتی تھی۔ اس کے نصیب جاگ گئے، سونے کی چڑیا از خود اس کی گرفت میں آ گئی تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی اس نے ان کے حسن کی تصدیق کوئی کچھ اس طرح کی کہ فائزہ کو لگا، اس کے حسن کا قدر دان تو صرف وہی ہے

اور پھر بہت جلد وہ منال کو بھی نظر انداز کر کے صمدانی کے ساتھ ملک چھوڑ گئی تھی۔ دولت اس کے پاس پہلے ہی بہت تھی، پھر جاتے وقت وہ برہان لغاری کی تمام نقد رقم اور دوسری قیمتی اشیاء سمیت کر لے گئی تھی۔ ان دنوں منال مری کونٹ میں زیر تعلیم تھی۔

صمدانی کے ساتھ دو سال کی رفاقت رہی تھی، بہت جلد وہ ایک دوسرے سے اکٹا گئے تھے۔ صمدانی کی وجاہت وہاں کی عورتوں میں بھی خوب رنگ بھاری تھی۔ گوری میموں کی بدولت وہ شہزادوں کی طرح زندگی گزارنے لگا تھا۔ فائدہ کے سہارے کی اسے اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔ صمدانی کے بعد فائدہ کی زندگی میں کئی مرد آئے مگر اس نے پھر شادی کسی سے نہ کی تھی۔ تعلقات سب سے رکھے تھے۔

پھول، جوانی، بہار، بہت کم عمر لے کر آتے ہیں۔ تیلیوں کی طرح یادوں کے رنگ چھوڑ کر اڑ جانے والی فائدہ کی بیماریں بھی خزاں بردہ میں تو انہیں محسوس ہوا کہ انہوں نے کیا کھویا، کیا پایا ہے۔ کچھ سوچ کر انہوں نے منال سے کبھی رابطہ حقیقی نہ کیا تھا۔ اول تو انہیں برہان لغاری کے متعلق تمام تر معلومات ملتی رہتی تھیں، پھر وہ اس حقیقت سے واقف بھی تھیں کہ جلد یا بدیر انہیں واپس سنبھ آنا ہے۔ آج وہ آگئیں اور پہلا رابطہ انہوں نے برہان لغاری سے ہی کیا تھا کہ وہ آکر اسے پک کریں۔ وہ اچانک آکر منال کو سر پرانڈ کرنا چاہتی ہیں۔ برہان لغاری نہ معلوم کس جذبے کے تحت انہیں ریمو کرنے چلے آئے تھے اور مختصر اتمام صورت حال سے انہیں آگاہ کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

”سیکڑھ طور پر آپ کے لیے رہم پرورد ہے، آپ جا کر آرام کریں“۔ فائینا سمار ہوٹل کی پارکنگ لٹ میں کار روک کر وہ گویا ہوئے۔

”میں ہوٹل میں رہوں گی؟“

”جی“۔ دو تار انگلی سے گویا ہوئے تھے۔

”لیکن میں ہوٹل میں رہنا نہیں چاہتی ہوں۔“

”پھر جہاں آپ کا دل چاہے رہیں مگر میرا نام ویسٹ مت کریں۔“

”میں..... میں منال سے ملنا چاہتی ہوں، اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ اس کے سوا ہے کون میرا؟“۔ وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

منال کی وقتی حالت بے حد انازل ہے، وہ ٹینڈ آر میڈیسن کے زیر اثر سو رہی ہے۔ اس سے بچنے کی اجازت نہیں ہے۔

”کیا میں اپنی بے بسی سے نہیں ملوں گی؟ اس کی خاطر تو آئی ہوں۔“

”ہلیز..... بات سمجھو، کل میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا، وہ تمہیں ہاسپٹل ڈراپ کر دے گا۔ منال کل تک خاصی امپرود ہو جائے گی۔“

زا کروز کا کہنا ہے.....

”برہان! مجھے معلوم ہے آپ کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں ہے مگر..... کیا گھر میں بھی جگہ نہیں ہے؟ کوئی رشتہ نہ کسی مگر کیا یہ تعلق کافی نہیں ہے کہ میں منال کی ماں ہوں، یہ سب اسی کا ہے، تمام پر اپنی اسی کی ہے تو میرا حق اس گھر کے ایک کمرے پر بھی نہیں ہے؟“۔ دو دانستہ کبر رہی تھیں۔

"میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں اور مزید کسی بحث کو انورڈ نہیں کر سکتا۔ پراپرٹی میری ہے جب تک میں ہوں، اس کے متعلق کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مگر کے دروازے بھی ان کے لیے دھاوتے ہیں جن کے لیے دل کے دروازے کھلے ہوں، پھر جن دروازوں کو تم خود ہی بند کر گئی تھیں، انہیں میں نہیں کھول سکتا ہوں۔" وہ دو ٹوک کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ خالہ ششدر کھڑی رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے..... بندہ خود اپنی ہی کھوج میں..... اتنی دور نکل جاتا ہے..... جہاں سے اس کا واپس آنا..... ناممکن ہی ہوتا ہے۔

وہ سارا دن سفر میں گزرا تھا، کبھی کسی ہوٹل سے چائے، بسکٹ وغیرہ لے کر گھمائے تھے، یہ اندرون سندھ کا علاقہ تھا، جہاں زیادہ تر کھیتی باڑی ہو رہی تھی یا جنگلات کے چھوٹے بڑے حصے پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ دور جا کر سامنے لال لٹنوں سے بنے مکانات نظر آنے لگے تھے۔ انس پہلے نظر آنے والے مکان کے آگے بنے احاطے میں کار لے آیا تھا۔

احاطے کے اطراف میں سوکھی گھاس کے استے بڑے بڑے گھراس رتیب سے رکھے گئے تھے کہ با آسانی انہوں نے دیواروں کی صورت اختیار کر لی تھی، وہاں کھڑی کار باہر سے دیکھی نہ جاسکتی تھی، یہ دیکھ کر کرن مطمئن ہوئی۔ انس کار سے نکلا تو وہ بھی اس کے اشارے پر نکل آئی تھی۔ احاطے کے وسط میں چند کمروں پر مشتمل وہ گھر تھا جس کا سبز گھر کا کھڑی کا دروازہ بند تھا۔ انس نے آگے بڑھ کر دروازے پر تین بار دستک دی اور اسی وقت دروازہ اس طرح کھلا گیا دسکوں کا خنجر ہو۔

"سلام صاحب اسلام بی بی صاحبہ! اندر سے خوشی سے مسکراتی مائی سیکنڈ برآمدی ہوئی تھی۔ مائی سیکنڈ کو دیکھ کر کرن کو بھی خوشی ہوئی تھی۔ بڑی محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی خیریت دریافت کرتی اندر کمرے میں چلی آئی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، صاحب نے میرا بہت خیال رکھا ہے، بڑی عزت دی ہے۔ آپ کو صاحب کے ساتھ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔"

"یہ سب تمہاری بدولت ہوا ہے مائی، ورنہ نہ معلوم کیا ہوتا؟" وہ چنگ پر بیٹھے ہوئے آہستگی سے گویا ہوئی۔

"خالہ سیکنڈ! کچھ پیٹ پوچھا کبھی بندوبست ہے یا نہیں؟ کل سے ہم بھوکے ہیں۔" انس دوسرے چنگ پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھے ہوئے بولا تو سیکنڈ فوراً ہی کھانا لاسنے چلی گئی تھی۔

"ہم یہاں محفوظ ہیں؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے، وہ لوگ یہاں نہ پہنچ جائیں۔" تنہائی پاتے ہی کرن نے اپنا غصہ ظاہر کیا۔

"موت سے ڈر لگتا ہے؟" وہ مسکرایا۔

"آپ کو نہیں لگتا؟"

”تم ساتھ ہو جب اپنے
دنیا کو دکھا دیں گے.....
ہم موت کو جینے کے
اعزاز سکھا دیں گے“
وہ شوخی سے گنگنایا تھا۔

”میں منہ ہاتھ دھو کر آتی ہوں“۔ اس کے شوخ انداز نے اسے بوکلا والا تھا، وہ بہانے سے باہر نکل آئی تھی۔

سیکنہ نے کھانا بہت مزے دار بنایا تھا، پھر ہوک بھی شدید تھی۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا گیا تھا۔ وہ کھانے سے نارغ ہوئے تو سیکنہ کافی لے آئی تھی اور کھانے کے برتن و دسترخوان سمیٹ کر لے گئی تھی۔ باہر سے بیٹھ پمپ چلانے کی آواز آرہی تھی، برتن دھونے کے لیے سیکنہ ہالنی پانی سے بھر رہی تھی۔ وہ دونوں پلٹوں پر آئے سانسے بیٹھے سوچوں میں گم تھے۔ اس خاموشی کو کرن نے توڑا تھا۔

”یہ کس کا گھر ہے، صرف مائی سیکنہ کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آ رہا ہے۔“
”سیکنہ خالہ کی کسی عزیز و کا ہے، ان کے کہنے پر ہی میں انہیں یہاں لایا تھا۔ وہ خود کو یہاں پر محفوظ سمجھتی ہیں اور میرا بھی خیال ہے، یہ محفوظ ترین جگہ ہے۔“

انس اٹھ کر داک کرنے چلا گیا۔ وہ سیکنہ کے پاس چلی آئی جو برتن دھونے کے بعد کچن صاف کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائی تھی۔

”ہی ہلی صاحبہ! آپ اندر چلیں باہر بہت سردی ہے۔“
”مجھے اچھا لگ رہا ہے، یہ ٹھنڈا استعمال بہت سکون ہے یہاں۔“
”میں کرسی لا دیتی ہوں۔“ وہ جھارڈو چھوڑ کر گویا ہوئی تھی۔

”نہیں..... نہیں کھانا کھایا ہے میں کچھ دیر بیٹھوں گی تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتی ہوں۔ کچھ باتیں بھی کرتے جائیں گے۔“
اس نے سیکنہ کو منع کر دیا اور خود آگے کی طرف بڑھ گئی تاکہ وہ بے تکلفی سے اپنا کام کر سکے اور ہوا بھی یہی اس کے آگے بڑھتی ہی وہ تیزی سے کام کرنے لگی۔ محسن خاصا وسیع تھا۔

سرخ اینٹوں سے دیواریں تعمیر تھیں اور سرخ ہی اینٹوں سے فرش ترتیب دیا گیا تھا۔ محسن کے کونے میں بیٹھ پمپ لگا ہوا تھا جس کے چاروں طرف چھوٹی اینٹوں سے اتنا احاطہ بنایا گیا تھا کہ برتن اور کپڑے وہاں بیٹھ کر با آسانی دھوئے جاسکیں۔ دائیں طرف لوہے کے اسٹینڈ پر تین مٹکے رکھے ہوئے تھے، جن کے اوپر ہاتھ سے بنائے گئے موتیا کے پھولوں کے ہار ڈالے گئے تھے۔ موتیا کے پھولوں سے پھوٹی دل آویز مہک جسم و جاں کو مسطر دسرا کر رہی تھی۔ وہ ڈھیلے لگی تھی، ہوا میں خاصی خشکی تھی مگر اسے یہ سرد فضا خاموشی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ

سوچنا نہیں چاہو رہی تھی لیکن سوچوں پر بھی بھلا کوئی پابندی لگا سکا ہے۔

یہ سانسوں کی طرح ہمارے اندر موجود رہتی ہیں ہر پل اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں، دم چاہنے کے باوجود ان سے فرار حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ سوچیں وہ آسیب ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔

”جو کچھ ہوا نہ معلوم اچھا تھا یا بُرا؟ نہ معلوم مجھے اس طرح کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟ یا شاید وہ سب اسی طرح ہونا تھا؟ کیا دنیا میں کہیں ایسا بھی ہوا ہوگا جو میں نے کیا ہے۔ ایک بیٹی نے، لیکن ایسا بھی نہیں ہوا ہوگا جو ایک شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا، ایک باپ نے بیٹی کے ساتھ کیا، ہماری کرنی کا پھل ہمیں مل کر رہتا ہے۔ گلاب یونیس کے، گلاب پائیس کے، خار یونیس کے خار کاٹیں گے، یہ صدیوں سے ہوتا رہا ہے، ہر عمل کا رد عمل.....“

اس نے گہری سانس لی، آرزو کی اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

”میں سوچ رہی تھی برہان لغاری سے انتقام لے کر میرے اندر کی وحشت اور ادا سیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس شخص کو زک پہنچا کر میں بھرپور انداز میں جی اٹھوں گی، مگر اب بھی وہی انجائو جیس پن میری رگ و پے میں سرایت ہے۔ مما انتقائی جذبے کے خلاف تھیں۔ معافی و درگزر ان کا شعار رہا تھا۔ وہ ہر ایک کو معاف کرتی آتی تھیں، کبھی کسی سے کوئی شکایت شکوہ نہ کیا تھا۔ میں نے ہمیشہ ان کے چہرے پر ایک بلکوتی سکون دیکھا تھا۔“

کبھی بھی میری طرح وہ مضطرب نہ رہے تھیں نہ رہی تھیں، شاید اس لیے کہ صبر و شکر ان کا مزاج، غنودہ گزران کا ہتھیار بن چکا تھا اور میں جو سدا کی ناشکری، بے صبری، ہتھم مزاج ہوں، بہت کم ظرف و کم حوصلہ ہوں (جو میرے خون کی عطا ہے) مجھے ان ہی صفات نے ہمیشہ بے سکون و بے قرار رکھا ہے، کہنے کو کہتے مختصر و بے ضرر سے لفظ ہیں یہ.....

بے سکون و بے قرار رہے ہیں۔

مگر جن کا ان سے واسطہ پڑتا ہے وہی جانتا ہے کہ کیا گزرتی ہے جب لفظ مجسم کیفیات بن کر انسان کو گرفت میں لیتے ہیں۔

”اؤں..... ہوں، کیا سوچا جا رہا ہے؟“ انس جو اندر داخل ہوا تو سامنے اسے سوچوں میں گم پا کر وہیں کھڑا ہو گیا تھا، وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ اس کی آمد کو محسوس نہ کر سکی تھی۔ بالآخر چند منٹ کے بعد اسے ہی کرن کو مخاطب کرنا پڑا تھا۔

”وہ..... کچھ نہیں! اس ایسے ہی میں نے سوچا گاؤں کی تازہ آب و ہوا سے لطف اندوز ہوں۔“ اس کے اچانک پکارنے پر وہ شہنا گئی تھی۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ ڈسٹرب ہیں۔“

”ڈسٹرب..... نہیں تو۔“

”مجھ سے چہا نہیں گی؟“ وہ سینے پر بازو لپیٹے اس کے مقابل آگیا تھا اس کی گہری سرمئی آنکھیں اسے کھوج رہی تھیں۔ کرن کو

اس کے دیکھنے کے انداز سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس نے جھجکتے ہوئے زرخ موز لیا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اوں ہوں، جوج بولنے ہیں وہ چرے نہیں چھپاتے، رو برو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں۔"
اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کا زرخ اپنی جانب کرتے ہوئے دو بولا۔ قیل اس کے کہ وہ کچھ کہتی۔ قدموں کی آہٹ پر انس پیچھے ہٹ گیا۔

"میں نے ہسٹر لگا دیا ہے کوئی کام ہو تو مجھے آواز دے دیجئے گا۔ میں سامنے والے کمرے میں ہوں۔" سیکینہ وہاں آ کر بولی۔
"تم یہاں کس کے ساتھ رہ رہی تھیں؟ وہ کہاں ہے؟" سیکینہ کی آمد اسے اس وقت بہت اچھی لگی تھی۔ انس کی قربت نے اسے پرل کر ڈالا تھا۔

یہ میری انتہائی کامر ہے، وہ ساتھ کے گاؤں مگنی ہیں۔ کل تک واپس آئیں گی۔ مالکوں سے بچنے کے لیے مجھے یہی جگہ اچھی محسوس ہوئی۔"

"مائی سیکینہ! انہیں اپنے مالکوں کا سن طرح چھوڑ کر آنے کے بعد کوئی بچتا ہوا تو نہیں ہوتا ہے؟" کرن اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔
"بچتا ہوا ہوتا ہے، مالکوں کو چھوڑ کر آنے کا نہیں بلکہ ان ملازماؤں اور ملازمین کو چھوڑ کر آنے کا جو میرے بعد بالکل بے قیمت ہو گئے ہوں گے۔ مالکوں کے لیے ہم غریبوں کی عزت، عزت نہیں ہوتی، جان، جان نہیں ہوتی، ہم ان کے لیے کٹھ پتلیاں ہیں جن کی ڈور وہ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"میں تمک حرام نہیں ہوں، احسان فراموش بھی نہیں ہوں۔ میرا خاندان برسوں سے مالکوں کے ہاپ دادا کے زمانے سے خدمت کرتا آ رہا ہے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا جو مجھے کرنا پڑا۔"
وہ ہاتھ رو پڑی تھی۔

"افسوس مت کرو سیکینہ! اچھے کام خوشی بخشتے ہیں، بچتا ہوا نہیں، ہمارے اندر بھی ایک جج براجمان ہے جو نہ بک سکتا ہے اور نہ جک سکتا ہے۔ اس کے فیصلے ہر غرض ولایت سے پاک ہوتے ہیں۔ دو بچے وکھرے فیصلے کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، وہ خمیر ہے جو آپ کے بر محل پر کڑی لگا رکھتا ہے۔ مجھے اور برے کا فیصلہ بھی بروقت صادر کرتا ہے۔"

کرن نے اسے قیل آ میز لہجے میں کہا۔

"میں بچتا نہیں رہی بی بی صاحبہ، مجھے فکر وہاں کام کرنے والوں کی ہے۔ میرے کیے کی سزا نہیں ملے گی۔" دوسرے پروڈمی چاور سے چہرہ صاف کرتے ہوئے آرزو کی سے گویا تھی۔

"سردی بدھ رہی ہے۔" انس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا تو مائی سیکینہ اپنے کمرے کی طرف شب بخیر کہتی ہوئی بدھ گئی۔ انس

کے پیچھے وہ بھی اس کمرے میں آگئی تھی جہاں سیکڑے چلتوں پر بستر بچھا گئی تھی۔ شاید وہ روئی کے گدے تھے جن پر گلابی چادریں بچھی تھیں۔ ان پر میروں اور زرد کھر کے ریشمی دھامگوں سے دیدہ زیب کڑھائی کی گئی تھی۔ غلافوں پر بھی ایسی کڑھائی تھی۔ پٹنگ کی پانسی پر موٹا سا پھول دار لفافہ رکھا ہوا تھا۔ دوسرے پٹنگ پر بھی ایسا ہی لفافہ دیکھ کر موجود تھا۔

”ارے..... اندر آؤ، وہاں کیوں ڈک گئیں؟“ انس جو بے نگری سے پٹنگ پر راز ہو چکا تھا، خالی پٹنگ دیکھ کر پیچھے مڑ کر کن سے مخاطب ہوا جو تذبذب کے عالم میں کھڑی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

”میں..... یہاں..... مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی۔“

چھو قدم آگے بڑھ کر وہ ڈک گئی تھی۔

”یہاں نیند کیوں نہیں آئے گی؟“ وہ بیٹھتے ہوئے استغابیہ انداز میں گویا ہوا پھر اس کے جھکے چہرے، سرخ عارضوں پر لڑاں سیاہ پگلوں کا اس کے اندر احساس جاگا، اس کا گریز اس کی جھجک، اس کی حیا کنی اور اک بیدار کر گئی تھی۔

”میں مائی سیکڑے کے کمرے میں سو جاتی ہوں۔“ اس پر جوئے احسانات وار ہوئے، ان کی پوش سے وہ گھبرا گئی تھی۔

”وہیں کیوں؟ اس کے شرنائے ہوئے پٹنگلے، گھبرائے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے معصوم انداز میں کہہ رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ نئے رشتے کے احساس نے اس کے اندر ایک نشاط آمیز لگدلی ہی پیدا کر دی تھی۔ مسترا اس پر کرن کے سینے سنائے روپ نے اسے شوخی عطا کی تھی۔

”یہاں کیوں نہیں؟“ وہ دوبارہ گویا ہوا۔ اسی انداز میں۔

کرن اس کی لٹا ہون کے بدلے دھکم، گھمبر لہجے کی شوخی سے وہیں کھڑی رہ گئی، نہ آگے بڑھ سکی، نہ پیچھے ہٹ سکی۔ دل تھا کہ

دھڑکتا ہی چلا گیا تھا۔

سائیس ریشمی دھامگوں کی طرح اچھٹے گئی تھیں۔

رگ روپے میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑنے لگی تھی، وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہ دے پا رہی تھی۔

عجیب حالت تھی!

عجیب بے بسی!

”میں اس قدر ناقابل اعتبار ہوں کہ میرے مقابلے میں ملازمہ کو ترجیح دی جائے۔ مجھ سے کیا خوف ہے آپ کو؟“ سوال اور

سوال کا سلسلہ جاری تھا اور اس کی جانب سے جواب نہ دارو۔ وہ کھڑی رہی تھی، ساکت و صامت کسی جیسے کی مانند۔

انس اٹھ کر آہستگی سے اس کی جانب بڑھا اور اس کے نزدیک آکر ڈک گیا۔ کمرے میں دھیمی روشنی تھی جس میں اس کا سرین

سوٹ میں ملیں و جواز حد پے کشش و مجرور لگ رہا تھا۔ اس پر سے نگاہ پڑنا مشکل لگ رہا تھا۔ بڑے حوصلے سے وہ اس مشکل سے نکلا تھا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے حد بے ضرر سا بندہ ہوں، آپ کی خودداری، انا و عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ

کر عزیز ہے۔ بے شک آپ کوئی غیر داغی نہیں ہیں، میری شریک حیات ہیں، رب العزت کو گواہ کر آپ کو اپنا یا ہے، مجھ سے آپ کبھی غریب نہیں پائیں گی، کوئی شکایت نہ ہوگی، لیکن آپ کو کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا کہ جب تک دل کی رفاقت کا طالب نہ بن جائے، جذلوں میں بے کھوٹ شدتیں در آئیں اور صرف آنکھوں میں ہی نہیں، دل و دماغ پر بھی آپ کا عکس، آپ کی عکرائی ہو، بالکل سچائی و دیانت داری سے ہم نئی زندگی کی ابتدا کریں گے، مجھے یقین ہے ایسا وقت آنے میں بہت تھوڑا عرصہ لگے گا، بہت تھوڑا وقت۔

اس کا لہجہ شفیق و انداز دوستانہ تھا۔

کرن کی جان میں جان آئی۔ وہ گہری گہری سانس لیتی ہوئی، اپنے بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کی پریشانی دور ہو گئی تھی۔ اس نے اسٹینڈ پر رکھے کلمے کو لہر سے گھاس بھر کر پانی پیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

”کیا بات ہے کوئی پراہم؟“ اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر وہ فکر مندی سے گویا ہوا۔

”مجھے حالات نے خوف زدہ کر رکھا ہے، آگے نہ معلوم کیا ہوگا؟“

اب دوسری پریشانیوں جو در آئی تھیں۔

”کچھ نہیں ہوگا، جو گر جے ہیں وہ برستے نہیں۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں، دو دن بعد۔ تب تک خود کو سنبھالو،

خیال رکھو اپنا، ادکے گڈ ٹائٹ۔“ دیکھتے ہی سمجھا کر وہ کر دٹ بدل کر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

کرن کو بھی غینہ تو شدید آ رہی تھی، اس کے کر دٹ بدلنے ہی وہ بے آواز انداز میں لپٹی اور ٹاف اپنے اوپر اچھی طرح ڈال کر مطمئن ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

تیرے غم کا ہے وہ ساتھی.....

میرے بخت کا ستارہ.....

تیری آرزو دے لوں گا.....

تیری جستوں نے مارا.....

میں بساط زندگی پہ.....

غم آرزو کی بازی.....

کبھی ان کی شہ پہ جیتا.....

کبھی دل کی شہ پہ ہارا.....!

مثال ہوش کی دنیا میں قدم رکھ چکی تھی۔ پچھلے دو دن وہ بالکل ہوش و حواس سے بیگانہ رہی تھی۔ حواس ہانپتی میں وہ انس مدر کو

منظفات بکٹی چٹختی چلاتی رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے اسے دہنی سکون کی ادویات دیاں کچھ شیز دے کر سلائے رکھا تھا۔

وہ دہنی طور پر خاصی ریلیکس ہو گئی تھی۔ دو دن قبل جو اس کی کنڈیشن تھی اس کے برعکس وہ بالکل خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ بے حس و حرکت سیدھی لیٹی وہ چہرہ کو گھور رہی تھی۔ چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔ آنکھوں میں دیرانی۔ گویا زندگی کے دیئے بجھے ہوں، خواہشوں کے کنول عارضوں پر مرتبہ گئے۔ وہ جو بے حد خوش لباس و طرح دار تھی، نخوت سے جس کی پیشانی ٹھکن آلود رہتی تھی، مگر لباس پر کبھی ٹھکن نہ در آئی تھی۔ آج پیشانی ٹھکن سے پاک، ندامت عرت سے تر تھی، لباس بڑھکن تھا وہ ہاری ہوئی بازی کی تصویر تھی، سانس لیتی، ہر نچ و ملاں میں ڈوبی ایک شکستہ لڑکی۔

فائل نے اسے دیکھا اور ان کی متاثرہ کر رہ گئی۔

"ننال..... میری جان! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟" انہوں نے بڑی شدت سے اسے سینے سے لگایا اور پیشانی پر جم کر گویا ہوئیں۔
"مما! حالت بھائی نہیں جاتی، حالت بنا دینی جاتی ہے جو میری اس حالت کا ذمہ دار ہے، آپ اس سے معلوم کر سکتی ہیں؟ اس نے کیوں میرے ساتھ ایسا کیا؟ کیوں مجھے دھوکہ دیا؟" اس کی آواز میں دکھ کے ساگر اٹھ پڑے تھے۔ لہجہ کا وہ مطلق، مزاج کا وہ جلال مشق تھا۔ بہت بڑی شکست کھائی تھی اس نے اپنے جذبات سے، اپنی محبت سے، ان دکھوں کا کوئی مداوا ممکن نہ تھا۔
"مجھے تاہ کر دیا اس نے، بڑا دکھ دیا، میں کیا کروں؟" وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"دفع کر داسے، وہ اس قاتل تھا ہی نہیں کہ ہم اس سے کوئی بھی واسطہ رکھتے۔ بہت عرصہ قبل تم اسے اس کی اوقات بتا چکی تھیں، مگر نہ معلوم کیا ہوا ہے تمہیں؟ جو تم اس سے اچھڑ ہوئیں۔" فائل نے ٹشو پیپر سے اس کی آنکھیں صاف کرتی ہوئی گویا ہوئیں۔
"اوقات تو اس نے مجھے بتادی ہے کہ کچھ بھی نہ لگا اور میں بلندی سے پستی میں گر گئی ہوں۔"
"بار بار نام مست لو اس کا۔" وہ جھنجھلا گئی تھیں۔
"سوری ممما!"

"میں اتنی دور سے آئی ہوں، میری کوئی پروا نہیں ہے تمہیں۔ تم اس کی خاطر میری بھی پروا نہیں کر رہی ہو۔ میں جو اتنی دور سے تمہاری خاطر تمہارے پاس آئی ہوں۔"

"کاش! آپ یہاں سے جاتیں نہیں اور اگر جانا اتنا ہی ضروری تھا تو اس طرح نہیں جاتیں جس کا اثر ام آج تک مجھے گالیوں، طعنوں کی صورت میں سننا پڑتا ہے۔ مگر جذبات مجھے ہمیشہ سے آپ کے حوالے سے ٹیز کرتی آئی ہیں، مگر اس نے بھی مجھے آپ کے حوالے سے ٹیز کیا، اس کی آنکھوں کی نظرت، اس کے لہجے کی نظرت، مجھے مارنے کے لیے بہت کافی تھی کہ اس نے مجھے مرنے بھی نہ دیا۔"
اس کی نگاہوں میں اس وقت کی ویڈیو چل رہی تھی۔ جب وہ اتفاقاً ٹائٹل اور کرن سے ملی تھی۔ ایک ایک لمحہ، ایک ایک لفظ اس کے اندر عضو بہن کر جم گیا تھا۔

"اس نے میرے سامنے ان محبت لٹائی نگاہوں سے کرن کی جانب دیکھا جس طرح کبھی وہ میرے جانب دیکھتا تھا اور بڑی محبت سے اس نے کرن کی کمر کے گرد بازو حائل کر کے تھاما تھا اور..... اور یہی لمحہ میری، میرے جسم سے نکلتی روح کو واپس کھینچ لایا تھا۔ میں شاکر رہ گئی، وہ نہ معلوم کیا ہو گیا، جو نہ ہونا چاہیے تھا۔ بے تکلفی و دوستی کے باوجود اس نے کبھی مجھے انگلی سے بھی چھوانہ تھا، میرے نہ چاہنے کے باوجود بے حد فاصلہ رکھتا تھا۔"

کہتے کہتے اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"وہ کرن سے شادی کر چکا ہے اور دونوں فرار ہیں۔"

"یہ آفر تو پہلے اس نے مجھے کی تھی، دو مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اب..... کرن مائی اسٹیپ سسر، جو کل تک نہ جانے کہاں تھی اور نہ معلوم کیا کریکٹر ہے اس کا، وہ اس پر مر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے وہ ایک پاک باز، شریف و باوقار عورت کی بیٹی ہے۔ ایسی عورت کی بیٹی سے شادی کر کے وہ خوش ہے۔"

"منال! مائی چائلڈ کول ڈاؤن، سب بھول جاؤ، جو ہوا وہ سب فراموش کرنے کے لیے ہے۔" نائقہ نے اسے پھر سینے سے لگا لیا۔ اپنے بارے میں ملنے والے ریمارکس نے انہیں ہلکی سی شرمندگی میں مبتلا کیا تھا کہ ان کی حرکات منال کے لیے کوفت بنی تھیں۔

"میں نہیں بھول سکتی، اس نے میرے سامنے اسے چھوا، خود سے قریب کیا، اوہ مائی گاڈ! میں کیسے بھول پاؤں گی یہ سب؟" اس نے دیوانگی میں اپنے بال نوچنے شروع کر دیئے تھے۔

"اسٹاپ! اسٹاپ! اسٹاپ! منال! ہوش میں آؤ، کیا پاگل پن ہے یہ، ان نے جان بوجھ کر ایسا کیا تاکہ تم خود کو نقصان پہنچاؤ، کرن سے شادی کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم سوچ سوچ کر ہی خود کو اذیت دیتی رہو، کلیئف میں مبتلا رہو۔"

بڑی دقتوں سے وہ منال کو ریلیکس کر سکی تھیں۔

"مما! میں اس کے قریب کسی کو نہیں دیکھ سکتی، کسی کو بھی۔"

"دو پھر رو پڑی تھی، عجیب حالت تھی اس کی کہ کسی پل چین نہ تھا۔"

"تم بھی تو کسی کے قریب رہی ہو، سرد شاہ کے سنگ تم نے بھی تو وقت گزارا ہے، میرا ڈائف تم گزار چکی ہو۔"

"دو دوسر درشاہ کا ضرور ہا مم! مگر چہرہ داس کا ہی میری نگاہوں میں رہتا تھا۔ فرق چہرے سے پڑتا ہے، جسم سے نہیں۔"

ڈاکٹر اور نرس کے کمرے میں آنے کے باعث دو خاموش ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

راحیلہ بیگم ہزار ہا کوشش کے باوجود اپنی خواہش منوانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں۔ عام صاحب کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھے۔

جزہ موجود ہوتے ہوئے غیر موجودگی کا احساس دلانے رکھتا تھا۔ اس کی حالت سے وہ بخوبی واقف تھیں کہ شادی سے بے زاری و لاتعلقی کا

سبب کیا ہے۔ کرن میں اس کی دلچسپی و وارفتگی وہ بہت عرصے پہلے محسوس کر چکی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ ان ماں بیٹی کو یہاں سے نکالنے کے ورپے رہتی تھیں، بہت مہارت و چالاکی سے انہوں نے بساط بچائی تھی اور جیت گئی تھیں۔

وہ ماں بیٹی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے جا چکی تھیں مگر کچھ جیت ایسی بھی ہوتی ہے جس کو جیت کر بھی شکست و نا آسودگی کا احساس رہتا ہے، وہ بھی اسی کیفیت کا شکار تھیں۔ نندا اور اس کی بیٹی کو دور کرنے کے چکر میں وہ بیٹے کو بھی خود سے دور کر چکی تھیں، کھو چکی تھیں۔ وہ ان کے قریب بیٹھتا، گفتگو کرتا، خیال رکھتا، مگر محسوس ہوتا وہ اس کی دلی وابستگی اور اس کی محبت کو کھو بیٹھی ہیں جو پہلے تھی۔ اب محسوس ہوتا وہ فرض بھار ہا ہے، اس کی محبت و خیال مصنوعی پھولوں کی طرح جذلوں کی مہک سے خالی ہوتے تھے۔

بہت سوچ و پیار کے بعد انہوں نے یہ حل نکالا کہ اس کی شادی مہوش سے کروادی جائے تو وہ کرن کو بھول جائے گا اور کرن کی یاد اس کے دل سے لٹکے گی تو آخر دوران کی طرف لوٹ آئے گا۔ وہ جتنی جلدی یہ سب چاہ رہی تھیں اتنی یہاں خاموشی تھی۔ صبر ناسپل سے آیا تو وہ اس کو گھیر کر بچھ گئیں۔

”تم ہی سمجھاؤ حمزہ کو، کیوں زندگی خراب کر رہا ہے، کب کرے گا شادی، یہی عمر ہوتی ہے شادی کی، میں اب تھک گئی ہوں۔ مزید طاقت نہیں ہے مجھ میں گمراہی کی، گمزنیں بہو آئے، میرا بوجھ کم ہوگا، مجھے آرام ملے گا۔“

”مما! اپنا نے آپ کو سمجھایا تھا، اس دور کی بہو بیٹی تاہت نہیں ہوتی ہے۔ پہلے لڑکیوں کو نصیحت کی جاتی تھی جس گمراہی کی ویلیر ڈولی میں پارکی ہے وہاں سے جنازے کی صورت میں باہر نکلتا اور اس دور میں تو بہنیں سسرال والوں کے جنازے نکال دیتی ہیں۔“ صدف نے کرگویا ہوا۔

”اُملاو کے منہ میں بھی باپ کی ہی زبان بول رہی ہے۔ ہونہ، میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے بیٹن کی نظر میں مذہب ہر کی نظر میں۔“

اس بار وہ سچ دل کر گئی کا شکار ہو گئیں۔

”مما! مائٹن کیوں لیتی ہیں آپ۔“ وہ ماں کے قریب بیٹھ کر محبت سے گویا ہوا۔

”وہ بیٹی پریشانی میں تم لوگ خود جھلا کرتے ہو، تم لوگوں کو میری پروا نہیں ہے۔ میں کیا کہتی ہوں، کیا چاہتی ہوں، کیا سوچتی ہوں، تم لوگ جان بوجھ کر مجھے اور میری خواہشوں کو نظر انداز کرتے ہو، جیسے میں کچھ سمجھتی نہیں ہوں۔“

”مجھے معلوم ہے آپ مہوش اور حمزہ کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں۔“

”ہاں تو کیا غلط چاہتی ہوں؟ کیا برائی ہے مہوش میں؟“ دوٹپے سے ہاتھ لیرا کر گویا ہوئیں۔

”وہ خوب صورت نہیں ہے؟ خاندانی نہیں ہے؟ کوئی عیب ہے؟“

”مما! میرے خیال میں آپ جانتی ہیں حمزہ کیا چاہتا تھا۔“ صدف نے ماں کی جانب بخور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں..... ہاں میں جانتی ہوں مگر اب کیا فائدہ کرن یہاں سے جا چکی ہے، نوشاہہ بھی اس دنیا میں نہیں، پھر کیوں وہ دیوانہ بن رہا ہے، خود کو روک لگا رہا ہے۔“ ان کا لہجہ ملامت سے عاری تھا۔

”آپ پہلے سے سب جانتی ہیں ممد پھر کیوں آپ نے وہ سب کیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کے اور حمزہ کے درمیان دیوار بن گیا ہے، بلاشبہ وہ آپ کی بے حد عزت کرتا ہے، احترام کرتا ہے مگر آپ کے اور اس کے درمیان وہ جھجک و تکلف کا خلا پیدا ہو گیا ہے جو مجھے ڈر ہے آگے جا کر اندھی کھائی میں تھیل نہ ہو جائے۔“ بہت سنجیدگی سے وہ اپنی فیصلہ کو بیان کر رہا تھا۔

”اس سے بھی بڑھ کر مجھوں دیکھے ہیں میں نے وہ سب بے زاری و بے نیازی شادی سے پہلے ہوتی ہے و بعد میں سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ مجھے ڈر اس کے بجائے حمزہ کو راضی کرنے کی کوشش کرو، مہوش سے شادی کرنے کے لیے ایک بار مہوش و بہن بن کر اس گھر میں آجائے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ راحیلہ اسے رمانیت سے سمجھانے لگی تھیں۔

”ارے بھائی! تم ماما کی بات کیوں نہیں مان لیتے، دو روز یا دو ڈسٹرنس کا شکار رہنے لگی ہیں۔ تمہاری لا پرواہی و بے نیازی سے۔“ صبر راحیلہ بیگم کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلا تو حمزہ اسے کسی کام سے باہر جاتا بھول گیا تو وہ اس کے ساتھ آ گیا تھا۔

”ماما کا کام ہی پر اصرار کری ایٹ کرنا ہے۔“ وہ کار گیٹ سے نکلا ہوا سنجیدگی سے بولا تھا۔

”ہائیز واسپے خول سے باہر کل آؤ۔ ماما پہلے سے بہت چیخ بولتی ہیں، پرانی کوئی بات ان میں نہیں ہے۔“

”وہ میری ماں ہیں میرے لیے از حد قابل احترام و معتر ہستی ہیں۔ میں ان کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا ہوں مگر جس طرح کا بی بی یوئیر ان کا پیچھا اور کرن کے ساتھ رہنا پھر جس طرح انہیں اس گھر سے نکالا وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس قدر گھٹیا اور ذلیل الزام کرن پر لگایا کہ میں کبھی نہیں بھول سکوں گا اس سبکی کو، جو اس نے محسوس کی، صابر دے قصور پھینکو کے چہرے پر پڑنے والے تھپڑ کا نشان تاحیات میری روح پر ثبت رہے گا۔ اس درد کو میں کبھی نہ بھول پاؤں گا جو ان کا آخری دیدار نہ ہونے پر میرے دل میں موجود رہے گا۔ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟ کبھی نہیں، کبھی بھی نہیں۔“ اس کا لہجہ دھواں دھواں سا تھا۔

”بہت افسوس ہورہے ہو یا راحیلہ! میرا خیال ہے تم مہوش سے شادی کر لو زندگی میں کیا پیچ آئے گا تو اچھا ہوگا۔“

”مہوش سے شادی..... اس اس اس! ماما کو بہت پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا میں کرن میں اعتراض ہوں، بس وہ ہیں سے ماما نے میری ماں نہیں پیچھو کی تند بن کر سوچنا شروع کیا اور ان کی راہوں میں کانٹے پھیلانے تب ہی شروع کر دیے، اگر وہ میری ماں بن کر سوچیں تو کرن انہیں اچھی لگتی، جیسے مہوش لگتی ہے مگر انہوں نے کچھ سوچا تو یہی کہ کسی نہ کسی طرح ان دونوں کو کسی ایسے الزام کے تحت یہاں سے نکالا جائے کہ پھر کبھی ان کی واپسی ممکن ہی نہ ہو اور.....“ اس نے طویل سانس لی۔ ”ایسا ہی ہوا انہوں نے ماما کی پانچ لکھ نہ ہونے دی اور اب ماما چاہتی ہیں میں ان کے خوابوں کو تعبیر دوں، اپنی حسرتوں کی قبر پر ان کی خواہشوں کی بیج سھاؤں، تو یہ ممکن نہیں ہے، مہوش کی خاطر کرن در بدر ہوئی تھی، کرن نہیں تو مہوش بھی نہیں۔“

”تم خود کو.....“ اسٹیرنگ پر اس کے ہاتھ مضبوط ہو گئے تھے۔

”یہ کسی احقانہ مزاح ہے۔“

”کوئی اور بات کرو، آج دل بہت اُداس ہے۔“

”تم پر تو اداسیوں کا موسم چھا گیا ہے۔ میری حالت پر رحم کھاؤ۔ میں نے ابھی ڈھنگ سے بہاریں بھی انجوائے نہیں کی ہیں۔ مجھے اپنی اداسیوں سے بچاؤ جو تم نے خود پر طاری کی ہیں۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

☆.....☆.....☆

صبح دو ناشتہ کر کے روانہ ہو گئے تھے۔

دو دن بعد انہیں امریکہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔

سیکڑوں کو دوسجھا کر آئے تھے کہ اسے کس وقت ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ احتیاط کے لحاظ سے فلوں کو ٹھوس خاطر رکھتے ہوئے وہ اسے ساتھ نہ لے جا رہے تھے۔ اسے ان کے جانے کے ایک ہفتے بعد وہاں پہنچنا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہیں؟“ لہلہاتے کھیتوں کے درمیان ہلکی سڑک پر کارڈ رائج کرتے اس نے کرن سے پوچھا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

”کچھ بھی نہیں۔“ اس کے لیے جس میں تھکان درآئی تھی۔

”میرے ساتھ امریکہ جانے پر خوش تو ہیں؟ کبھی پلاننگ کی تھی اپنے ملک سے باہر جانے کی؟“

”آپ کے ساتھ جا رہی ہوں، میرے لیے یہی اطمینان کافی ہے۔ اچھے اور برے کی فیلنگوں میں ابھی نہیں کر پا رہی ہوں۔“

”آئی نو، آئی نو۔“ اس کا انداز اس کے ساتھ بے حد دوستانہ ہوتا تھا، کچھ کچھ بے تکلفی کے برابر۔

”لیکن مجھے کبھی بھی ایسے لوگ پسند نہیں رہے جو اپنے وطن پر دوسرے غیر وطن کو ترجیح دیتے ہیں۔ وطن کی محبت میں ہم سب کچھ برداشت کرتے ہیں۔“ اس کے انداز پر اس مسکرا کر بولا۔

”میں ایسا ہرگز نہیں کرتا، زیادہ تر میں ملک سے باہر رہتا ہوں، مگر ہر جگہ اپنے وطن کی یاد آتی ہے، نہ مجھے کبھی یہاں کے موسم سے الرجی ہوئی نہ ماحول سے تکلیف، صرف یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنی مٹی اپنی ہوتی ہے، اپنی مٹی کی خوشبو آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔“

”آپ کی تربیت میں زیادہ حصہ گرینی کارہا ہے اور گرینی کتنی وطن پرست ہیں، میں بخوبی جانتی ہوں۔“

”میرے متعلق کتنا جانتی ہیں؟“ اس نے کرن کی جانب دیکھتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

”بالکل بھی نہیں۔“ کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئی تھی۔

”اچھا..... پھر کب سے جانا شروع کریں گی؟“

اس کا گھبراہٹا، شرمایا انداز اسے از حد شوخی کرنے پر مجبور کرتا تھا، اس بار بھی اس کا چہرہ سرخ ہوتے دیکھ کر وہ کوشش کے باوجود اس

پر سے لگا ہیں ہناتہ پار ہا تھا۔

”مجھے میری بات کا جواب نہیں ملا ہے۔“ اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

”یہ کوئی سوال نہیں ہے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”سوال نہیں ہے تو درخواست سمجھ لیجئے، التجا فرما دو جو دل چاہے سمجھ جائے۔“ اس کے سرخی مائل دونوں پر ممتی خیر مسکراہٹ تھی۔

”گرینی ہمارے ساتھ ہوں گی نا؟“ کرن اسے ہنری سے اترتے دیکھ کر موضوع بدلتے ہوئے گویا ہوئی۔

”ہوں، سعد نے بڑی محنت سے راضی کیا ہے انہیں ساتھ چلنے پر، ورنہ وہ کسی طور مان کر نہ دے رہی تھیں۔ ہم وہیں چل رہے ہیں۔“

”وہ بھی سنجیدگی اختیار کر گیا تھا۔ باقی راستہ بالکی پھلکی منتکلو میں گزرا تھا۔ حسب توقع سعد اور قادیہ نے بڑی گرم جوشی اور دلہانہ پن سے ان کا استقبال کیا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اسے گرینی سے مل کر ہوئی تھی۔ ان کے انداز میں محبت و غلو من کی چاشنی موجود تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے کرن کو سینے سے لگا کر پیشانی چوم کر دعاؤں سے نوازا تھا۔

”گرینی! آپ نے فوراً ہی پارٹی بدل لی، مابودلت کی اب کوئی عزت نہیں رہی ہے، جو آپ نے میرے بجائے ان کو سینے سے لگایا ہے۔“

کرن کے بعد گرینی اس سے لمبے تو وہ ٹکڑو کر بیٹھا تھا۔

”اب میری بہو کے بعد تمہارا نمبر آئے گا۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کروں، کم ہے کہ اس نے مجھے یہ دن دیکھنے تو نصیب کیے، ورنہ مجھے لگتا تھا کہ میں یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی مر جاؤں گی۔“ وہ خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے گویا ہوئیں، ان کے چہرے پر سکون و قرار در آیا تھا۔

”سنجیالیں بہو کو میں تو چلا۔“ وہ رستہ واضح دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ گرینی سے قہر سعد کہہ اٹھا۔

”سائیٹ میں کچھ پرنس کے کام سے جا رہا ہوں۔“

”اس طرح تمہارا جانا ٹھیک نہیں ہے، کام اتنا ضروری ہے تو مجھے بتاؤ میں کراتا ہوں مگر تمہیں جانے نہیں دوں گا۔“

”تمہارا کیا مقصد ہے بنیں چوڑیاں، مہین کر بیٹھ جاؤں یہاں پر؟“ وہ ہنری طرح سے چڑھ گیا تھا۔

”ارے کوئی سمجھائے تو سمجھ جانا چاہیے۔ ایک تو تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہے وہ ادھر سے تم اسی کو آنکھیں دکھا رہے ہو، بھلائی تو

وقت ہی نہیں رہا ہے۔“ گرینی نے پوری طرح اس کی خبر لے ڈالی تھی۔

”سوری گرینی! میرا مطلب ہے میری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”کیوں سارے دشمنوں کو تم نے نکمے بنا کر دیواروں سے چپکا دیا ہے یا تمہیں سلیمانی ٹوپی مل گئی ہے جس کو پہن کر تم کسی کو نظر نہیں

آؤ گے؟“

”کچھ ایسا ہی سمجھ لیجئے۔“

”سیدھی طرح بتاتا ہے یا ماروں دو جھانپڑ؟“

”گر نی! میری نی لویلی ڈلہن کے آگے تو میری عزت خراب نہ کریں، تھوڑا تو بھرم قائم رہنے دیں۔“ وہ ایسی مسکین صورت بنا کر بولا کہ وہ سب بے ساختہ فہم ہو گئے۔

”تیری بیوی کیا تیرے بچوں کے سامنے بھی تیرا یہی رویہ رہا تو جو تے نکاؤں کی؟“ گر نی کرن کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں، جس نے چہرہ جھکا لیا تھا، اسی دم قاریہ نے کھانا کتنے کی اطلاع دی تو وہ سب ڈانٹنگ روم کی جانب بڑھ گئے۔

☆.....☆.....☆

ایک محبت میں نے کی ہے
روشن آنکھیں اُجڑے آنسو
تیرے پیار کو دان کیے ہیں
چاہت کے احساس تمہارے نام کیے ہیں
نیندیں دی ہیں
خواب بنے ہیں
رسوائی کو نام کیا ہے
اپنی ذات پہ داغ لیے ہیں
سچے جذبوں والی محبت
تیری ذات پہ صدقے کی ہے
رات رات بھر جاگ کر کتنی
غم آنکھوں سے دعائیں کی ہیں
ایک محبت میں نے کی ہے.....!
ایک محبت تم نے کی ہے.....!
ایسی ٹھوس اور ایسی بے حس
جس پر دل کا ہر آنسو
پانی کی طرح بہہ جائے
میرے اندر رشتے جلیں

اور اس کی اپنا پرانچ نہ آئے
 بھر جڑے، پتھر آگئیں
 یہ جڑوں کی دولت دی ہے
 ایک محبت تم نے کی ہے.....!

انس.....!

انس.....!

انس.....!

دیواروں پر فرخچر پر لائٹ چمک کارپٹ پر ہر جگہ سیاہ و نیلی لکھائی سے انس نام جھلک رہا تھا۔

فائقہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو حیرت و تاسف سے چکر اٹھیں۔ منال ہاسٹل سے ڈسچارج ہوئی تو برہان نگاری منال کو گھر لے آئے تھے۔ فائقہ جو پہلے ہی ہوٹل میں رہائش رکھنا نہیں چاہ رہی تھیں، منال کے ہمراہ خود بھی چلی آئی تھیں۔ اس بار برہان نگاری انہیں مسج نہ کر سکے تھے، البتہ والدہ حضور کو اس کی آمد بے حد ناگوار گزری تھی، ان کے ہی حکم پر فائقہ کو گیسٹ روم میں ٹھہرایا گیا تھا۔ منال کو اسی کا کمرہ دیا گیا تھا۔

رات میں وہ کھانا کھا کر سوئیں تو دن چڑھتے تک سوئی رہی تھیں۔ اب سے کچھ دیر قبل ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ بیدار ہوئی تھیں۔ ہاتھ لینے کے بعد تیار ہو کر وہ منال کے پاس آئی تھیں کہ معلوم کر سکیں کہ اس کی طبیعت کیسی ہے، اس نے ناشتہ کیا یا نہیں۔ یہاں آ کر تو ان کے ہاتھ بھروں میں سنسنی بھرت دھڑکنی۔

انس کا نام رنگ برنگی سیاہیوں میں درود دیوار، فرخچر پر نمایاں تھا، قالین پر جا بجا مارکر ز اور پوائنٹر ز بکھرے ہوئے تھے۔ بکھرے بال دشمن آلود لباس میں لمبوس منال ٹیبل کی شفاف سطح پر تیزی سے نام لکھنے میں مصروف تھی۔

اُچھے بال.....!

بے ترتیب حلیہ
 وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

"منال! یہ کیا کر رہی ہو؟ یہ کیا ہے؟" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے رنجیدگی سے استفسار کرنے لگیں، مگر منال نے کوئی توجہ نہ دی۔
 "منال!..... مائی بے بی! یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اس کا جھکا ہوا سر دائیں ہاتھ سے ادھر پر کرتے ہوئے کہا۔
 "مما!! چھا لگ رہا ہے نا؟" وہ ناموں پر نگاہ دوڑاتی ہوئی خوشی سے سرشار لہجے میں گویا ہوئی تھی۔
 "کیا ہے یہ؟"

”میرا دل“

”ہلیز سنبالو خود کو، یہ بے وقوفی ہے، امتحانہ پن ہے۔“

”یہ میرا دل ہے، میری زندگی ہے، آپ سمجھ نہیں رہی ہیں مہا۔“

”میں کہتی ہوں، دوش میں رہو، برہان کس قدر فرسٹ ہو رہے ہیں اس شخص کی وجہ سے اور آپ! اسی وقت نکلو اس کمرے سے برہان آگئے تو مسئلہ ہو جائے گا۔ کسی ملازم سے کہہ کر خاموشی سے کمرہ صاف کروادوں گی۔“ انہوں نے زبردستی اسے کھڑا کیا تھا۔

”نہیں۔“ وہ ان سے ہاتھ چھڑا کر دور ہوئی، فنگل بھرے انداز میں۔

”میں کبھی بھی اس کمرے سے نہیں نکلوں گی۔“

”وہاں؟ کیا کہہ رہی ہو۔“ فائدہ کو اس کی وفاقی حالت پر کچھ شبہ ہونے لگا تھا۔

”میں اس کمرے سے کبھی بھی نہیں نکلوں گی تاکہ آپ کمرہ داش نہ کروا سکیں۔“ وہ اس وقت فہم و شعور کی حد سے نکلی ہوئی تھی۔

”ایسا کیا ہے اس مرد میں جس کی خاطر تم نے یہ حالت بنائی ہے۔“ ان کے لہجے میں غصہ و فکر جھلکنے لگا تھا۔

”وہ بہت سویت ہے، بہت کیئرنگ، بہت لوگ۔“

”شٹ اپ، شیم ان یو منال! اس نے جنہیں ان حالوں تک پہنچایا، تمہارے قانون کی انسلٹ کی، پورا سوشل سرکل ڈاؤن کر دیا، اس کے باوجود تم اس کے گیت گارہی ہو۔“ وہ غصے میں پلٹی چلی گئیں۔

”چنانچہ اس کا بھی کبھی ایسا ہی حال کر دیا تھا۔ اس کے آفس کے لاکر کے ذریعے میں نے ہی اپنی پورٹنٹ ڈاکو منس چوری کر کے دیئے تھے۔ آج کیا جو ہائی اسٹیٹڈ روڈ کے بزنس کنگ بنے بیٹھے ہیں، ہائی سوسائٹی میں موو کرتے ہیں، سب میری وجہ سے اور انس کی وجہ سے ہے، نہ وہ مجھ پر اتنا اعتبار کرتا، نہ مجھے موقع فراہم ہوتا، نہ یہ سب حاصل ہوتا جس کو حاصل کر کے وہ اکثر رہے ہیں۔“ اس کا انداز کھرا تھا۔

”بکو اس مت کر، تمہارا باپ، خاندانی ریکس ہے۔“

”جس طرح خاندانی ریکس اپنی عیاشیوں و بدکاریوں میں دولت لٹا دیتے ہیں، دنیا بھی لٹ چکے تھے، مزید دولت کے حصول کے لیے ہی انہوں نے انس کو بکرا بنایا تھا میرے لیے۔“ اس کی اونٹنی آواز اندر داخل ہوتے ہوئے برہان لغاری کے کالوں میں پہنچ رہی تھی، وہ وہیں ڈک کر ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ شدید ترین توہین و اشتعال سے ان کی حالت بُری تھی۔

”میں تو سمجھی تھی تم پاگل ہو گئی ہو مگر نہیں، تم خود تو ٹھیک ہو مگر ہمیں پاگل کر دو گی۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں اور پروے کے قریب کھڑے برہان لغاری کو دیکھ کر کھڑکی کی کھڑکی رہ گئیں۔



سرخ چہرہ، لبورنگ آنکھیں اور آنکھوں سے نکلتی تہر و غضب کی بجلیاں فائنٹہ کچھ نہ بول سکیں، مثال نے انہیں دیکھا، بہت لا پروا انداز میں۔

”یہ پاگل پن کی انتہا ہے، اسنو پڑ، جس خبیث کی میں شکل دیکھنے کا روادار نہیں ہوں، اس کا نام میرے گھر میں لکھ رہی ہو۔“ ان کے لہجے سے چنگاریاں کی پھوٹ رہی تھیں۔

”دو میرا ہے، میں اس کے بغیر نہیں رو سکتی ہوں۔“

”کجو اس بند کرو ایڈیٹ۔“

”یہ کجو اس نہیں میرے دل کی صدا ہے، اس میرا ہے، صرف میرا.....“

مثال حواہوں سے بیگانہ بے ربط ہوتی چلی گئی اور برہان لغاری کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ انہوں نے سخت جنونی کیفیت میں مثال کے رخساروں پر یکے بعد دیگرے کئی تپتھڑکائے تھے۔

”خدا کے لیے برہان! بس کریں۔“ فائنٹہ نے ان کے ہاتھ پکڑے ہوئے بھرائے لہجے میں کہا۔

”تم، درمیان میں مت آؤ، یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔“ وہ ان سے ہاتھ چھڑا کر چمکاڑے، جبکہ مثال چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

”ریلیکس پلیز ریلیکس، مثال ابھی ایب نارمل ہے، اسے نارمل ہونے کے لیے کچھ وقت چاہیے، ایب نارمل کنڈیشن میں یہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔“ فائنٹہ کے لہجے میں کچھ ایسی نرمی و گداز پن تھا کہ برہان لغاری کو اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ میں کچھ ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

”میں بھی بے حد آپ ہیٹ ہوں، بہت پریشاں ہوں، یہ ذلیل مجھے شکست پہ شکست دیتا جا رہا ہے، میری ہر بازی مات ہو رہی ہے، میں چاہنے کے باوجود اس کا کچھ نہیں کر پا رہا ہوں۔“ دو کپٹیاں سہلاتے پریشانی سے کبہ رہے تھے۔

”آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، آپ تنہا نہیں ہیں، میں ہوں آپ کے ساتھ، ہمارے درمیان میرڈر پلیشن شپ نہ سبکی مگر فرینڈ شپ تو ہو سکتی ہے۔“ انہیں نرم دیکھ کر وہ دل کی خواہش لبوں پر لے آئی تھیں۔

”ایک کلوز فرینڈ کی طرح آپ اپنے تمام دک، سارے پریشاں مجھ سے شیئر کریں اور خود ریلیکس ہو جائیں، میں آپ کے تمام دکھ ٹپکوں سے چن لوں گی۔“ وہ برہان لغاری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوئی تھیں۔

مثال اندر کمرے میں رو رہی تھی، وہ انہیں باہر لاؤنج میں لے آئی تھیں۔

”جھیکس۔“ وہ محزون لگا ہوں سے فائنٹہ کی جانب دیکھتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو گئے تھے۔

فائنٹہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر ان کے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں چلائی شروع کر دی تھیں۔ برہان نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ چند لمحوں بعد ان کو سکون و راحت کا احساس ہونے لگا، گویا فائنٹہ کی انگلیوں میں ایسا جادو تھا جو ان کے اندر طمانیت بھر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

"حزہ! آپ یہاں ہیں۔ میں نے ہر جگہ دیکھ لیا آپ کو اور آپ یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔" مہوش اس سے آکر مخاطب ہوئی جوانی سوچوں میں گم لاہری می روم میں بیٹھا تھا۔

حزہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی، کسی جذبے، کسی احساس سے عاری نگاہ۔
 "میں تم سے کیوں چھپوں گا؟ میں نے کیا چوری کی ہے؟" وہ دھیس سے مسکرا کر گویا ہوا تھا۔
 "آپ کو نہیں معلوم؟" وہ کہنیوں کے بل ٹیبل پر بیٹھی اور جھک کر اس کے چہرے کی طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جذباتی لہجے میں بولی۔

"میری نیند، میرا صحت اور..... میرا دل چوری کیا ہے آپ نے اور....."
 "انسناپ انٹ....." حزہ ہاتھ سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک دم ہی اس کی کیفیت بدل گئی تھی۔ لمبے بھر قبل نرم خوشنظر آنے والا حزہ یکھنٹ ہی سحر خیز مشتعل دکھائی دیتے لگا تھا، وہ بکا بکا رو گئی۔
 "مجھ سے کچھ لٹلٹی ہوئی ہے؟" پہلی بار اسے غصے میں دیکھا تو وہ کاپ اٹھی۔
 "میں نے تمہیں پہلے بھی تنبیہ کی تھی اور اب آخری بار کر رہا ہوں کہ مجھ سے کبھی بھی ایسی خواہشات کی امید مت رکھنا جو گلاب نہیں اٹکا دے بن جائیں۔ ایسی آگ بن جائیں جو نہ صرف جسم و جاں، بلکہ روح کو بھی خاکستر کر دے۔" حزہ کا لہجہ بے حد متحکم اور کڑوا تھا۔
 "اس آگ میں پہلے ہی جل رہی ہوں، آپ کی بے لوثی دے نیازی کی آگ سے بڑھ کر کبھی کوئی تپش ہوگی بھلا۔" اپنی چاہت کی ایسی دہک پر مہوش و حیرے دھیرے سے سسکا اٹھی تھی۔

"تم سے کس نے کہا، اس شعلوں بھری راہ پر چلو، جس کی کوئی منزل نہیں۔"
 "میرے دل نے۔" وہ آہستگی سے سسکی۔
 "بیوقوفی، پاگل پن، جہول کے کہنے پر چلتا ہے، وہ ہوش و خرد سے عاری ہوتا ہے مہوش! ابھی بھی دیر نہیں ہوئی تم چند قدم اس راہ پر چلی ہو جو تمہارے لیے نہیں ہے، بہتر ہے واپس پلٹ جاؤ، اسی میں عافیت و نجات ہے۔ اس راہ پر جو چلا ہے وہ چلتا ہی رہا ہے پھر بھی منزل نہیں ملی۔"

مہوش کے آنسو اور چہرے پر چھائی بدحواسی اس کا دل صوم کر گئی تھی، وہ اسے سمجھاتے ہوئے نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔
 "میں مجبور ہوں، بے بس ہوں، اس معاملے میں جتنا بچھے جتنا چاہتی ہوں، اتنا ہی خود کو بے بس و لاچار پاتی ہوں۔ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی، کچھ نہیں چاہتی سوائے اس کے..... کہ آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیں، اپنا نام دے دیں، میں کچھ نہیں مانگوں گی، میرے لیے صرف یہی حقیقت کافی ہوگی کہ آپ میرے ہیں۔" پیار کی آنچ سے سلگتا ہوا اس کا لہجہ اڑتی دھت و بکھرتے حواس پہنچے دے رہے تھے کہ وہ عشق کی وادی کی باسی بن چکی ہے۔

"سیدیش! تم اچھی لڑکی ہو، تمہیں پانے والا اپنے نصیب پر رشک کرے گا، دنیا بھر کی راتیں دوسریں تمہیں نصیب ہوں گے، مجھے بھول جاؤ، میں دو چراغ ہوں جو نہ اپنی راہ روشن کر سکتا ہے، نہ کسی اور کو روشنی دے سکتا ہے، مجھے بھول جاؤ۔" وہ کہہ کر ڈکا نہیں، سیدھا چلا گیا۔ راجیلہ بیگم جو کھڑکی سے سب دیکھ رہی تھیں، حذرہ کے بے لچک انداز و مہوش کی بے قرار یوں کو دیکھ کر مستغرب ہو گئی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا، خواہ کچھ بھی ہو وہ اب حذرہ کی شادی کروا کر ہی دم لیں گی، حذرہ نے بہت من مانی کر لی۔

☆.....☆.....☆

ڈوبتے سورج کی برفی شعلے میں برنٹا ہوا نکھیر رہی تھیں۔ احوال پر سکوت طاری تھا، ہوا کی سرسراہٹوں میں برف کی سی نمی تھی۔ والدہ حضور کے کمرے میں بیٹھ آئے تھیں۔

برہان لغاری اس کے ڈوبے روئے پر بیٹھتے تھے، درمیانی میز پر کانچ کی ٹیس پیالیوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ والدہ حضور کی خواہش پر ملازمہ گرین ٹی کچھ لیسے لعل سرو کر کے گئی تھی۔

ویلوٹ کے گرے کمر کے سوٹ میں سیاہ گرم چادر اوڑھے وہ خامی خفا خفا بیٹھی تھیں، سرخ و سفید رنگت پر غصے کی سرخی نمایاں تھی۔ "والدہ حضور! پلیز قسم مت کریں، وہی ہائی پہلے ہی ہائی لیول پر ہے آپ کا مزید ٹینشن خیر نہ ہوگی۔" برہان لغاری نے اپنی بات پھر دہرائی تھی، وہ دیکھنے ایک گھنٹے سے ان کا مود بہتر کرنے کی سعی میں تھے مگر وہ بنوڑ غصے میں تھیں۔

"بونہ، بڑی بڑی باتیں کرتے تھے، ان بد بختوں کو زندہ درگور کرنے کی، پچاسی پر چڑھانے کی اور کیا کیا؟ صبر کر کے بیٹھ گئے ہو، اتنی جلد بھول گئے، اپنی ذلت، اپنی شکست، کس طرح ہماری رسوائی ہوئی، جگ ہنسائی ہوئی، جن لوگوں کو کل تک ہماری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ تھی، وہ آج ہم پر انگلیاں اٹھاتے ہیں، جنتے ہیں، مستحکم اڑاتے ہیں۔" وہ اس وقت سخت غصے و جلال میں تھیں۔

"والدہ حضور! آپ کا غصہ آپ کی ناراضگی بجائے جو جذبات آپ کے ہیں وہی میرے بھی ہیں جو آپ محسوس کر رہی ہیں وہ سب مجھے بھی لمل ہو رہا ہے۔" برہان لغاری بے حد تحمل و اپنائیت سے ان سے مخاطب تھے، والدہ حضور ان کی بات قطع کر کے گویا ہوئیں۔ "پھر کیا وجہ ہے جو اتنے دن گزرنے کے باوجود ہم اپنے مجرموں کو اپنے سامنے نہیں دیکھ رہے ہیں، ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا۔"

"پہلے ہمارے دشمن اتنے طاقتور و اثرورسوخ والے نہیں تھے۔ والدہ حضور، اب بات برابری کی ہے، بلکہ اس وقت وہ باپ اور بیٹا ہم سے بہت اسٹریڈنگ، پوزیشن میں ہیں، میں سرینڈر کر چکا ہوں۔" برہان لغاری کا دھیما لہجہ شکست خوردگی و مایوسی سے بھرا تھا۔

"کیا کیا..... کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو اس طرح معاف کر دیں؟ ہمارے ہاں ایسا کبھی ہوا ہے جو اب ہوگا، سر عام بھری محفل میں ہماری عزت سے کیلا گیا اور تم کہہ رہے ہو کہ بناؤں تم نے شکست قبول کر لی۔" وہ جاہ و جلال سے کانپ اٹھی تھیں۔ کمرے کے درو دیواران کی آواز سے گونج رہے تھے۔

"والدہ حضور! جن دھتوں کا آپ حوالہ دے رہی ہیں، وہ گزر چکے ہیں۔ ہر دور کے ٹھانے الگ ہوتے ہیں۔ اہمیت جدا ہوتی ہے۔ گزرتا وقت اپنے ساتھ اپنے سنگ و تمام چیزیں بھی لے جاتا ہے جو اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ ماضی کی باتیں، ماضی ہی بن

جاتی ہیں۔ ہم اب جس دور میں جی رہے ہیں وہ اس گزرے دور سے بہت مختلف اور بہت مشکل ہے، یہاں ہر کام محض "دولت" سے نہیں ہوتا ہے۔ دولت کے علاوہ اور بھی دوسرے بے حد طاقتور عوامل ہیں جن پر چڑھ کر اوپر پہنچا جاتا ہے، وہ میں بزدل ہوا ہوں اور نہ کم حوصلہ، اگر مجھے اپنی کمزور ہوتی بزنس پادری کا ادراک نہ ہوتا تو میں کبھی بھی حوصلہ ہار کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ یہ سب سمجھو تو مصلحت پسندی ہے۔ والدہ حضور کی سمجھ میں یہ لکھنا آگئی، وہ کچھ ششدری ہو کر بیٹھی تھیں مگر توجہ ہنوز بگڑے تھے۔

”یہ سب تمہاری اولاد کا کیا دھرا ہے۔ ایک علاج کر کے بھاگ گئی، دوسری طلاق لے کر آئی اور یہی کیا کم تھا کہ وہ بے شرم عورت جو اس گھر سے ملازم کے ساتھ بھاگی تھی وہ اب اپنی گندی صورت لے کر کس منہ سے آئی ہے یہاں؟ کیا تعلق ہے اس کا اس گھر سے؟ تم نے تعلق توڑ کر گئی تھی پھر کیوں آئی ہے یہاں؟“

والہ و حضور! مجھ سے تعلق ٹوٹا ہے منال سے تو میں، منال جی ہے اس کی، اس کی محبت میں وہ یہاں آئی ہے۔

”اچھا..... بیٹی ہے اس کی! اس کی محبت میں آئی ہے؟“ ان کے لہجے میں سخت استہزاء طغیور آیا۔

”جی“۔ برہنہ بخاری ہو کھلا سے گئے تھے۔

”اس وقت اسے بیٹی کا خیال نہیں آیا جب بیٹی کو اس کی ضرورت تھی۔ اس وقت یہ محبت نہ جاگی جب چند سال کی بیٹی کو چھوڑ کر بھاگی تھی۔“

”اگر تکلیف دہ باتوں کو ہم بھول جائیں تو بہتر نہ ہوگا۔“

”یہ باتیں نہیں دو دولت و رسوائی کے دارغ ہیں جو جسم سے روح میں سرایت کر جاتے ہیں اور ان کو دھوئے کے لیے کوئی صابن، کوئی پاؤں نہیں ہٹا۔“

"مڈثر نے حکومت سے مدد مانگی ہے اپنے بیٹے اور بہو کی زندگیوں کے لیے اور اس کی درخواست فوراً منظور کی گئی ہے۔ مجھے صبح صبح معافی نے کال پر بتایا ہے میں نے اپنے آدمی واپس بلوالیے ہیں کہ ہم کتنے بھی باحیثیت ہوں، اقتدار مائلی سے نہیں نکرا سکتے ہیں۔ یہ وجہ ہے میرے پیچھے بننے کی۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے گویا جوئے۔

"ہاں..... پھر تو ٹھیک ہے لیکن..... کب تک یہ سلسلہ چلاگا۔"

”ہاں..... پھر تو ٹھیک ہے۔ لیکن..... کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔“

”معلوم نہیں۔ میں بری طرح ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں والدہ حضور! ایسا لگتا ہے اب زندگی مجھے گزارے گی۔“ وہ بے حد پڑھرہ
منفعل تھے۔

”ہست نہیں ہارو، تاج نہیں توکل ہمارے ہاتھ آئیں گے وہ“ والدہ حضورؐ زور و حوصلہ مند بیٹے کی اتنی صورت دیکھ کر وہیں ہی مٹی تھیں۔
 ”شاید..... اُمید پروڈیا قائم ہے۔“

”شاید..... اُمید پر دنیا قائم ہے۔“

”یہ گرین فی شخص ہی ہوگی، نمبر وہ میں دوسری منگواتی ہوں“۔ وہ ملازمہ کو آواز دے لگیں، ملازمہ چلی آواز پر ہی اندر داخل ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اسے امید نہیں تھی کہ حالات اتنی تیزی سے موافق ہو جائیں گے۔ مٹر صاحب ملک سے باہر تھے مگر انہوں نے اس دوری کو محسوس ہونے نہیں دیا۔ ان کا رابطہ مسلسل اعلیٰ حکام سے رہا تھا اور بالآخر وہ ان کے لیے سیکورٹی حاصل کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ فون پر انس اور کرن کو انہوں نے ملز و شزدی تھیں اور ساتھ میں یہ نوید بھی کہ ان کے نیویارک آنے پر ان کے اعزاز میں ایک شان دار پارٹی کا انتظام وہ کر چکے ہیں۔

فاریہ اور سعد بھی ان کی روانگی تک ان کے ساتھ رہنے آئے تھے۔ فاریہ ماں بننے والی تھی، ولادت قریب تھی، اس لیے گرینی بزرگ کی حیثیت سے ساتھ تھیں اور بے حد خیال رکھ رہی تھیں فاریہ کا۔

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ کمرے میں آئی تو گرینی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر خاصی دیر تک تنہیدی لگا ہوں سے دیکھتی رہی تھیں۔ کمرے میں انس موجود تھا۔

وہ گرینی کی نگاہوں سے بے خبر اپنے موبائل میں نمبرز اسکر کرنے میں محن تھا، کرن ان کی نگاہوں کی زبان تو نہ سمجھ پارہی تھی مگر اسے اپنے اندر بے چینی و گھبراہٹ ہی محسوس ہونے لگی۔ دو بلاؤں کا ذکر پر رکھے ڈیکوریشن پیسوز اسنو تو ترسب دینے لگی تھی مگر گرینی کی نگاہوں کی تپش اسے گھٹو ڈکرنے لگی تھی۔

”ہو! ادھر آؤ“۔ ان کی بارعب آواز میں نہ معلوم کیا تھا کہ وہ تو فو رائی ان کی جانب بڑھی تھی، موبائل میں مصروف انس نے بھی چونک کر پہلے کرن پھر گرینی کی طرف دیکھا تھا۔

”جی“۔ کرن کے خشک ہونٹوں سے بمشکل نکلا تھا۔

”یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ اندر بڑھ کر دیکھو، میں ڈھنگ کے اور یہ ہاتھ.....“ انہوں نے اس کے دوؤں ہاتھ پکڑے جو بالکل سادہ تھے۔ ”کیوں خالی ہیں؟“ ان کا انداز فرض شناس انسر کی طرح تفتیشی تھا۔ کرن کو وہ وی گرینی لگی جو بلاؤں کے شروع ہونے میں لگا کرتی تھیں۔ سخت مزاج، بارعب و غصہ ور۔

وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی، جبکہ انس موبائل جیب میں رکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کے انداز میں کافی دلچسپی تھی۔

”چونڈیاں سہاگ کی علامت ہوتی ہیں اور تم سہاگن جوتے ہوئے بھی کنواریوں کی طرح حلیہ بنائے محسوس رہی ہو، کتنی بڑی بات ہے۔“ اس کے ہوا نیماں اڑتے چہرے پر ان کو ترس آ گیا اور وہ نرم انداز میں گویا ہوئیں، ان کا انداز نرم دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی اور چہرے پر وہی مسکراہٹ ابھری۔ اس مسکراہٹ میں کچھ ایسی بے چارگی و بھولپن تھا کہ انس ہنس پڑا تھا۔

”شرم کرو کچھ، نئی لوہیلی ڈھپن کس طے میں محسوس رہی ہے، تمہیں نظر نہیں پڑا رہا؟ اتنی دولت و روپیہ کس کام کا؟“ وہ اب انس کو گھور رہی تھی جو توپوں کا رخ اپنی جانب دیکھ کر ہنسا بھول گیا تھا۔

”میں نے کب منع کیا گرینی! یہ جب کہیں میں شاپنگ کرانے کو تیار ہوں۔“

"یہ کیوں کہے؟ تم کو خود خیال رکھنا چاہیے۔"

"او کے، او کے، آپ کو اتنے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہ کہتا ہوا سرعت سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

"آپ کو تو معلوم ہے جو کچھ بھی ہوا کس طرح اور کیسے ہوا ہے۔ اس انداز میں مربوط ہونے والے تعلق جگہ بنانے میں وقت لینے

ہیں، میں ابھی یہ سب قبول نہیں کر پائی ہوں تو ان کو نہ معلوم کتنا وقت لگے۔" گرینی کی ڈھارس بندھوانے اور ہمت دینے پر کرن نے کہا۔

"ہمارے ساتھ جو ہوتا ہے، وہ رب کی مرضی و حکم سے ہوتا ہے۔ انسان اس بے جان کٹھن کی طرح ہے جس کی ڈور اس کے

مالک کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ڈور ہلاتا ہے اور ہم حرکت کرتے ہیں۔ ہمارا کھانا، پینا، سونا، جامنا، مرنا، جینا، سب اس پروردگار کے ہاتھ میں

ہے۔ ہم اس کے محتاج ہیں، وہ ہم پر قادر ہے جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہی ہے اور اس نے تمہارا اور اس کا ننوک اسی طرح تحریر کیا تو وہ ایسا ہی

ہوا، کیوں فضول سوچ کر خود کو پلکان کر رہی ہو۔ رہا سوال اس کا، شاید تم سوچ رہی ہو کہ اس نے تمہیں دل سے قبول نہیں کیا، محض ان لوگوں

سے انتقام لینے کے لیے تمہیں اپنایا ہے تو بیانا یہ خیال دل سے نکال دو، کبھی بھول کر بھی ایسا مت سوچنا، کیونکہ میں جانتی ہوں، اس کے

مزاج کو، اس کی طبیعت کو، اس کے دل کو۔" کرن ان کے قریب سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

"اس کا ماضی تم سے پوشیدہ نہیں ہے، اب جو کچھ ہوا اس سے بھی تم ابھی طرح واقف ہو، بے شک محبت وہ طاقت ہے جو پتھروں

میں بھی پھول کھلا دیتی ہے۔ سبز و آگاہی ہے، بنجر زمین کو سیراب کر دیتی ہے، مگر جب محبت نفرت میں بدل جائے تو آگ دجائی بن جاتی

ہے، بربادی بن جاتی ہے، تم کو خود ایک گواہ ہو، اس نے جو کچھ کیا وہ نفرت کا ہی اختتام ہے اور مرد کی محبت سے زیادہ شدید جذبہ نفرت

ہے۔" وہ بے حد رسانیات سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"اس میرا بچہ بہت ذکی، بہت سچا ہے، اسے بہت سارا پیار دیا، دیکھنا وہ جتنا باہر سے غصہ دور، سنجیدہ دلا پر داکھائی دیتا ہے، اندر

سے وہ بالکل الٹ ہے، بہت چاہے گا، تمہیں، بے حد پیار دے گا، بس کبھی تم اسے تنہا نہیں کرنا، تنہائی کا احساس نہ دینا۔" اسی دم فاریہ

کمرے میں داخل ہوئی تھی، ساتھ ملازمہ تھی جس نے کئی مہینوں کے جیولری بس پکڑے ہوئے تھے۔ فاریہ نے ایک جیولری بکس ملازمہ سے

لے کر گرینی کی طرف بڑھا دیا تھا۔ باقی ملازمہ اس کے اشارے پر دوسرے کمرے کی طرف لے گئی تھی۔ لائٹ تنگ ڈھیلے ڈھالے سوٹ

میں فاریہ کے چہرے پر مہتا کا نور پھیلنا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ سنگن ہیں میری طرف سے تمہاری زندگی کا تحفہ۔" جھلک کرتے ملائی سنگن اور چوڑیاں انہوں نے اس کی سونی کلائیوں میں

ڈالیں تو وہ جھکا سر نہ اٹھا سکی تھی۔ ایک کے بعد ایک چوڑی و سنگن سے اس کی گوری کلائیاں دک آغلی تھیں۔ گرینی نے اس کی پیشانی پر دم کر

دعائیں دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

مہوش نے حمزہ کے انکار کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا اور بیمار پڑ گئی تھی۔ صبح کی بروقت فریڈنٹ سے اس کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تھی مگر اس کی سانس ہوتی صحت کی وجہ سے راحیلہ بہت فکر مند تھیں۔ عرش اپنے مہینڈ کے ساتھ وِجَاب عزیز دوس کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مہوش کو خود روک لیا تھا کہ وہ گھر میں رہے گی تو کسی نہ کسی طرح حمزہ کو اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اس طرح ان دونوں بہنوں کا خواب بھی حقیقت بن جائے گا اور وہ حمزہ کے ذہن سے کرن کی محبت کو نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گی مگر.....

ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ حمزہ کا رویہ اور کل کی جاسنے والی گفتگو سے وہ سمجھتی تھیں جو وہ چاہ رہی ہیں وہ بہت مشکل ہے۔ رات بھر وہ سو جاتی رہی تھیں۔ اب ایسا کیا کیا جائے جس کے باعث مہوش حمزہ کی بیوی بن کر اس گھر میں آجائے۔ بے حد سوچ بچار کے بعد بھی وہ کوئی حل تلاش نہ کر پائی تھیں اور نتیجتاً ان کا مولداری طرح آف تھا۔ وہ مہوش کے لیے سوپ بنا کر لائیں تو دیکھا وہ خاموشی سے رو رہی تھی۔

"مہوش بیٹا! کیا حال بتایا ہے تم نے اپنا عرش دیکھے گی تمہیں تو مجھ سے بدگمان ہوگی کہ میں نے تمہارا دھیان نہیں رکھا۔" وہ سوپ سائیز ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"آپ پریشان مت ہوں آنٹی، میں ٹھیک ہوں۔" وہ تیزی سے اپنے آنسو دھونے سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

"کیسے پریشان نہ ہوں، ابھی تم میری ڈے داری ہو۔" انہوں نے اسے لپٹاتے ہوئے کہا تو ان کے سینے سے لگ کر وہ پھر وہ پڑی تھی۔

"میں جانتی ہوں تمہارا درد، کل تمہاری اور حمزہ کی سب باتیں سن چکی ہوں، جو تمہاری خواہش ہے وہ میری بھی آرزو ہے، میں نے بہت عرصہ قبل سے تمہیں حمزہ کی دلہن کے روپ میں دیکھنا شروع کر دیا تھا مگر اس کو وہ ناگن ایسا ڈس کر گئی ہے کہ وہ اس کے زہر سے پھٹکارا نہیں پار رہا ہے۔ کرن کی خاطر وہ ہر خوشی، ہر سکھ تیاگ بیٹھا ہے۔"

"وہ ایسا کیوں ہے پتھر دل، بے حس و بے نیاز، جو اسے تجھ کو چلی گئی اس کی یاد میں کم رہتا ہے۔" وہ اسے چاہتی ہے جو اس کی بیٹا چاہتی ہے، اس کی اسے پروا بھی نہیں ہے۔ وہ ان سے علیحدہ ہوتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"کیا کروں میں خود اپنی پریشان ہو گئی ہوں۔"

"میں اس سے پھر بات کر دوں گی شاید مان جائے۔" ایک آس پھر جاگی۔

"تمہارے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہے، کیوں خود کو اتنا کمزور ثابت کر رہی ہو، بے شک حمزہ میرا بیٹا ہے مگر میں یہ نہیں چاہوں گی کہ تم محبت کی بجائے انگوٹھ سے محبت اعزاز کی طرح حاصل کی جاتی ہے، بجائے کی طرح ہرگز نہیں بیٹا۔" مہوش کی دیوانگی انہیں حمزہ سے بدظن کر رہی تھی۔

"جہاں محبت ہوتی ہے وہاں وضع داری و عزت نفس کا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ مجھے لکھائے ایک بار نہیں بار بار مکر اپنا لے۔" اس کی حالت دیکھ کر راحیلہ بیگم تڑپ اٹھی تھیں اور سیدھی حمزہ کے کمرے میں آئی تھیں۔

”تم کب تک مجھ سے انتقام لیتے رہو گے، اس وقت کا جواب ہمارے درمیان نہیں رہا ہے۔“ وہ آتے ہی بلا تہید بولی تھیں۔

”کیا کہہ رہی ہیں گی آپ؟“ اس کا انداز حیران کن تھا۔

”وہی جو سمجھ رہے ہو، ایک کرن نہیں ملی، اس کا بدلہ تم سب سے لے رہے ہو، خصوصاً مجھ سے اور مبوش سے، وہ تمہاری محبت میں کتنا ترپ رہی ہے، تمہیں احساس تک نہیں ہے۔“

”آپ کو مبوش کی تڑپ نظر آگئی، کبھی میرا خیال نہیں آیا؟“

”میں جانتی تھی کرن میری بہو بنی تو میں بیٹے سے ہاتھ دھو لوں گی اور دیکھو کتنا صحیح فیصلہ تھا میرا، وہ تمہاری زندگی میں نہیں آئی، جب تم میری پردہ نہیں کرتے اگر دو سچ سچ تمہاری بیوی بن جاتی تو تم چٹا پکڑ کر مجھے گھر سے باہر نکال دیتے۔“ وہ فحشے میں بیچ رہی تھیں۔

”بدگمانی کی بھی انتہا ہوتی ہے گی آپ کو میں ایسا بے حریت لگتا ہوں اور نہ کرن ایسی تھی۔“

”ہاں..... ہاں میں جانتی ہوں، وہ کیسی تھی، میرا منہ نہ کھلواؤ تو بہتر ہے۔“

”اوکے، اب کیا چاہتی ہیں آپ؟“ وہ طویل سانس لے کر بولا۔

”تمہیں مبوش سے شادی کرنی ہوگی۔“

”امپا سمل، مبوش کو میں پسند نہیں کرتا۔“ وہ صاف گوئی سے بولا۔

”تمہیں مبوش سے شادی کرنی ہوگی۔ یہ میرا حکم ہے۔“

”آل رائٹ، میں شادی کر لوں گا، مگر پھر کبھی زندگی بھر آپ لوگ مجھے دیکھ نہ پائیں گے، کرلیں آپ اپنی مرضی، پھر میری مرضی ہوگی، مبوش کو صرف میرا نام ملے گا، میرا سایہ بھی نہ پاسکے گی وہ، میرے دل کی دنیا آپ نے از خود اجاڑی ہے اور جو بستی اس اجڑ جاتی ہیں وہ بسا نہیں کرتی ہیں پھر۔“ سالوں کا غبار جو دل میں حشر رہا کیے رکھتا تھا، آج راحیلہ کی بٹ دھری کے باعث بہ نکلا تھا۔ وہ کہتا ہوا ہا ہر گل گیا تھا۔

راحیلہ گم صم کھڑی رہی گئی تھیں۔

حزہ نے لہجہ پست اور آواز نرم رکھی تھی مگر پھر بھی انہیں لگا، ہر عام وہ بے عزت ہوگئی ہوں، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی وہ یہ بکھیتی تھیں کہ حزدان کی چال نہیں سمجھ سکا ہے، اب معلوم ہوا تھا حزدان کی ذہنیت سے پوری طرح واقف تھا۔

”دیکھا آپ نے؟ کیا انجام مل رہا ہے آپ کی بہن اور بھانجی کو رکھنے کا، میری اولاد مجھے قصور وار ٹھہرا رہی ہے، وہ لڑکی اس گھر میں نہیں آئی جب ایسی نکلا ہے اگر آ جاتی تو کیا ہوتا؟“ وہ عام صاحب کو دیکھ کر روتے ہوئے پولیس جوان کی آواز سن کر آگئے تھے۔

”کرن اس گھر میں آ جاتی تو گھر، گھر بن جاتا، تم نے ماں کا نہیں ڈانٹن کا حق ادا کیا ہے۔ بیٹے کے معاملے میں مائیں بیٹوں کے دل آباد کرتی ہیں، تم اس کا دل ہی کھا گئیں، اب بھی سکون نہیں ہے، بیٹے کو تو باغی کر دیا اور کیا چاہتی ہو؟“ عام صاحب نے کھری کھری سنائی تھیں۔ عذر مبوش، باہر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”منال! مائی بے بی! ڈیڈی آئیں تو ان سے بہت اچھی طرح بات کرنی ہے، بالکل ریٹیکس ہو کر دنا کر دو، اچھا ٹیل کریں۔“

”مجھے بات نہیں کرنی ان سے۔“ وہ ماں کا ہاتھ جھٹک کر دور ہوئی۔

”کیوں؟“ وہ حیرانگی سے گویا ہوئیں۔

”انہوں نے مجھے مارا دبا بھلا کہا، مجھے بات نہیں کرنی ان سے۔“

”غلطی آپ کی تھی حب ہی۔“

”آپ ڈیڈی کی اتنی سائیڈ کیوں لے رہی ہیں؟“ وہ تیوری چڑھا کر فالتو سے مخاطب ہوئی تو چند لمحوں کے لیے وہ گریو انگس۔

”آپ ان سے ڈائیورس لے چکی ہیں، کوئی ریلیشن شپ نہیں ہے آپ کا ان کے ساتھ، پھر آپ کیوں ایکسائیٹڈ ہو رہی ہیں۔“

”آئی نو، میرا ڈائیورس ہو چکا ہے اور برہان کے ساتھ میرا کوئی ریلیشن نہیں ہے مگر تمہارا تو ہے نا، تمہارے قادر ہیں، تمہاری کیئر

کرتے ہیں، لو کرتے ہیں تم سے، تو یہی ریلیشن کافی نہیں ہے۔“ بہت سوچنے کے بعد ان سے یہی جواب بن پڑا تھا۔

”سوری ماما یہ پاکستان ہے یہاں وہ سب نہیں جو کینیڈا کا کچر ہے یہاں آپ کو۔۔۔۔۔“

”شٹ اپ، شٹ اپ، یورو تو تمہارے ہم مد سے بڑھ رہی ہو۔“ انہیں شدید غصہ آ گیا۔ وہ غرائی تھیں۔

”تم مجھے کنوٹس کرو گی، یہ پاکستان ہے یا کینیڈا یہاں کے کچر کی تم انٹارمیشن دو گی؟“

”آف کورس ماما!“ وہ شانے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔

”شٹ اپ، رکھو اپنی نظار میٹھو اپنے پاس۔“

”آپ اتنی ڈس ہارٹ کیوں نہیں کر رہی ہیں، میں نے کامن بات کی ہے۔“ منال نے بالوں میں تیز تیز برش چلاتے ہوئے کہا۔

”تم ابھی ٹھیک نہیں ہو، تمہارا رویہ نا مناسب ہے، تمہیں الیکٹرک شاگڈ کی ضرورت ہے، دنا کہ تمہارا مائیڈ اوپن ہو اور تمہیں بات

کرنے کا سلیس آئے۔“

”آپ کے انداز سے لگت رہا ہے الیکٹرک شاگڈ کی مجھے نہیں، آپ کو ضرورت ہے۔“ وہ منہ نیچا کر کے بولی۔

”منال۔۔۔۔۔ منال! کیا ہو گیا ہے تمہیں، یہ کس انداز میں اپنی ماں سے بات کر رہی ہو؟ میں اس لیے آئی ہوں کیا؟“ انہوں نے

آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ قدام کر دہانے لہجہ میں کہا۔

”میں تو ویسے ہی ہوں، مجھے آپ بدلی بدلی لگ رہی ہیں۔“ وہ فالتو کی آنکھوں میں ہماکتے ہوئے بولی۔

”کیسی بدلی بدلی لگ رہی ہوں میری جان۔“ چند لمحوں قبل اٹھارے برس ساتے لہجے میں یکوقت شہد گھل گیا تھا۔

”بہت بدلی ہوئی، آپ کو میری فکر نہیں ہے، آپ میرے لیے نہیں سوچتی ہیں، آپ کو میری پروا نہیں ہے، یہ تمام ٹیلگو آپ ڈیڈی

کے لیے رکھتی ہیں، مجھے لگتا ہے آپ یہاں آئی بھی ڈیڈی کی خاطر ہی ہیں۔“ وہ کہتی چلی گئی۔

”اوہ..... پور گرل! ابھی کچھ دیر پہلے کہہ رہی تھیں میرا براہن سے کوئی ریلیشن نہیں ہے۔ اب کہہ رہی ہوں میں اس کی خاطر آئی ہوں۔“ وہ اس کے چہرے سے ہاتھ بنا کر مسکرا کر بولیں۔

”تم ریسٹ کرو مہنگی ڈسٹربنس کا شکار ہو گئی ہو۔“

”آپ کا متہد ہے میں پاگل ہو گئی ہوں؟“ وہ غصے سے بولی۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا ڈیز۔“

”سب جانتی ہوں میں، عقل مجھے اب آ رہی ہے۔“

”عقل آ رہی ہے تو اسے پوز کرنا بھی سیکھو، بلا وجہ کیوں فضول اندیشوں میں مبتلا ہو رہی ہو۔“

”مجھے اس سے ملنا ہے، میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔“ یک دم ہی اسے کوئی خیال آیا تو وہ چونک کر بولیں۔

”کیوں ملنا ہے تمہارا کوئی تعلق ہے اس سے۔“ وہ سرد لہجہ میں گویا ہوئیں۔

”ڈیز کی سنے کیوں ملتی ہیں دان سے کوئی تعلق ہے آپ کا؟“ منال نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

”اسے تمہاری ضرورت نہیں ہے، وہ تم سے نہیں ملنا چاہتا۔“ اس کی خود سری وضد دیکھ کر وہ بلا صروت بولیں۔

”نہیں جھوٹ ہے۔“

”وہ تمہاری اسٹیپ سسز کرن سے شادی کر چکا ہے۔“

”نہیں..... نہیں..... نہیں وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا تھا میں اس کی ولہن ہوں گی۔“ رفتہ رفتہ اس پر وہی سائیکی کیفیت طاری ہونے لگی تھی، اس کے نام پر وہ گھماں پرندے کی طرح تڑپنے لگی تھی۔ فائدہ نے پہلا پھسلا کر اسے میڈیسن کلائی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس پر کبیل ڈال کر وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی تھیں۔ کھڑکی کے شیشے سے خوب صورت لان کا نظارہ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ باہر دیکھ رہی تھیں اور ذہن آئندہ کے لائحہ عمل کے تانے بانے بننے میں سرگرداں تھا۔

☆.....☆.....☆

انس بیڈ پر لیٹا میگزین پڑھنے میں محو تھا کہ اس کی سماعت میں کچھ ناموس آوازی گونجی تھی۔

ایک بار دو بار، تین بار۔

دقتے دقتے سے وہ دھیمی دھیمی چمن چمن کی آواز خاصی دل کشش تھی۔ نہ معلوم کیا کشش تھی اس آواز میں، کیا امید کہ از خود ہی اس کی سماعت اس آواز پر لگ گئی تھی جو ہوا کے دوش پر لہرا رہی تھی۔ کبھی چمن چمن قریب آ جاتی تو کبھی دور چلی جاتی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میگزین سائیڈ پر رکھا اور سلپر پہنے بنا کھڑکی کے پردے سے آہستگی سے باہر دیکھا اور مہسوت رہ گیا۔

میرون جھلملاتی ساڑی، میرونی جیولری، پشت پر پھیلا براؤن بالوں کا آبشار، میک اپ سے دمکتا حسین چہرہ جہاں گھبراہٹ

پریشانی کی کیفیت نے خُسن کو انوکھی جلا بخشی تھی۔

اس کا حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ پریشانی سے ٹھہل رہی تھی۔ ادھر آتی، ادھر جاتی، اضطراب سے اُلگھیاں مروڑتی اور اس حرکت سے خاموش ماحول میں چمن چمن کی مدھر آواز گونج رہی تھی، جو اس کے ہاتھوں میں موجود چوڑیوں و نگینوں کی تھی۔ اس کے اندر جذبات کی طغیانی تلاطم برپا کرنے لگی۔ وہ کرن تھی۔

وہی کرن جس کی زندگی اس نے ایک عرصہ مشکل بنا ڈالی تھی۔ اس کی تیز لیل و تنہیک میں وہ حد سے بڑھ جایا کرتا تھا مگر اب وقت کر دت بدل چکا تھا، اس کی بیگانہی وہ بے نیازی محبت میں بدل چکی تھی۔ وہ آہستگی سے پردہ ہٹا کر دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔ کرن اچانک اسے سامنے دیکھ کر گھبرا کر رک گئی۔ وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

کرن کے چہرے پر گھبراہٹ، اضطراب و حیا کے دل کش رنگ تھے۔ اس کی آنکھوں میں دالگی، پسندیدگی و مسرتوں کی چمک تھی، وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے پُر شوق انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے وجہ چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔ ایک ایسی عثمانیت بھری مسکراہٹ!

جو دل کے چمن کی آرزوؤں کے تمام گلاب کھل جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ کئی خاموش لمحے اسی طرح گزر گئے۔

”دیری ناںس، بہت کیوت لگ رہی ہو“۔ وہ اس کے بالکل قریب آ کر پوچھ لے لے کر بول گیا۔

”وہ..... وہ گریہ اور قاریہ بھابی نے..... زیر دقتی ہی“۔ اس کی پُر حدت نگاہوں کی تپش سے اس کے عارضوں پر سرخی پھیل گئی تھی۔ ان سامعوں میں اسے اس سے اتنی حیا آئی کہ وہ پھر یوں نہ سکی اور رخ موڑ کر اس کی جانب سے کھڑی ہو گئی۔

”جھینکس گاڈ! آپ کو نہ سہی، انہیں تو مجھ پر ترس آیا“۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے چھامتے ہوئے سرگوشی کی اور کمرے میں لے آیا تھا۔

”کل ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے، یہ ہماری سون چریڈ ہوگا، میں چاہتا ہوں، اپنی نئی زندگی کی ابتدا یہیں سے ہو، اپنے ملک سے، اپنے گھر سے“۔ وہ کرن کا ہاتھ تھامے بنیڈ گی سے کہہ رہا تھا۔

”ہماری نئی زندگی کی شروعات میں کوئی جھوٹ، کوئی مبالغہ آرائی کی رفق نہیں ہوگی، اپنے ماضی کا چھپر میں ہمیشہ کے لیے کھوڑ کر رہا ہوں، جو بھی ہوا وہ یاد رکھنے کے قابل نہیں ہے، فراموش کرنے کے لیے ہے اور میں فراموش کر چکا ہوں۔ زندگی کی آخری سانس تک میری تمام محنتوں کی حق دار صرف تمہاری ذات رہے گی، میری وقائیں فقط تمہارے لیے ہیں“۔ اس نے کرن کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے صداقت بھرے لہجے میں کہا۔

☆.....☆.....☆

سردی میں شدید اضافہ ہو گیا تھا۔

آسمان پر سیاہ بادلوں کی فوج تیار تھی، کسی بھی وقت برسنے کو، خشکی بڑھ گئی تھی، سرد ہوا میں پھولوں کی خوشبو لیے ہر سو محکوم رہی تھیں۔ فائنل گر مشال اور مہتی باہر نکل آئی تھیں اور باہر نکلنے سے قبل وہ سال کو نیند آوروں کو دیکھنا نہ بھولی تھیں۔

وہ آکر باہر برآمدے کی چھت کے آگے بنے شینڈ کے نیچے رکھی چیزز میں سے ایک پر بیٹھ گئی تھیں۔ ماحول میں رچی بچی اداس خاموشی، انہیں بڑی کیف آدھ لگی جو ان کے برسوں کے خوابیدہ جذباتوں کو بیدار کر رہی تھی۔ ہوا کا تیز جھونکا آیا اور یوں دوستوں سے لپٹی بیلوں سے گرے سرخ، جامنی، نیلے، پیلے پھولوں کو لان کی سبز گھاس پر دور دور تک بکھیر گیا تھا۔ ان کے اندر بھی ماضی کی ایسی ہی ہوائیں جھوم کر یادوں کے پھولوں کو بکھیرنے لگی تھیں۔

ماضی کی کتاب جب کھل جائے تو یادوں کے اوراق از خود بکھرنے لگتے ہیں جنہیں سمیٹے سمیٹے آپ خود بکھرنے لگتے ہیں، کھو جاتے ہیں۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی بیک سے سر ٹکا لیا تھا۔ وہ بیٹے دنوں کی گرفت میں پوری طرح جکڑی ہوئی تھیں۔

ان کی برہان لغاری سے نو میرج تھی۔ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران وہ ایک دوسرے کے پیار میں اس طرح جکڑے کہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی شادی کے بندھن میں بندھ گئے تھے۔ شادی کے ابتدائی ایام بہت خوب صورت و یادگار گزرے تھے پھر رفتہ رفتہ برہان پزنس اور دوسری ایکٹیوٹیز میں مصروف ہوئے اور انہیں گھر میں موجود ساس سے واسطہ پڑا تو معلوم ہوا پھول کے سنگ کا ٹکڑا بھی ہے جو بہت گھٹاف اور خطرناک ہے۔ برہان اور ان کے والد فیضان لغاری نے انہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کبھی کہ وہ ان کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ دوستوں سے تعلق رکھتی تھیں مگر خود کو اس طرح مین ٹین کیا تھا کہ ان کی اصلیت معلوم نہ ہو سکی، برہان کو بھی جب معلوم ہوئی تب وہ بہت دور اس کی چاہت میں جا چکے تھے۔ پھر محبت کا جادو جب سرچڑھ کر پوتا ہے تو کہاں حسب نسب، امیری غریبی کی تفریق رہتی ہے، وہ اسے اپنا کر بھول گئے مگر ان کی ماں اس فرق کو جو ان کی نگاہوں میں عیب تھا، کبھی نہ بھولی تھیں۔

شادی کے چھ ماہ بعد ہی ان میں آپس میں ٹھن گئی تھی، وجہ وہی تھی ساس، بہو کی اڑی جنگ، ساس کا خیال تھا بہو اس سے ان کے بیٹے کو چھین رہی ہے، بہو کی سوچ تھی اس کے خاوند پر صرف اس کا حق ہے۔ دونوں کے درمیان رسد کشی جاری تھی، برہان کی بھنورا صفت فطرت آفس میں نئی اپائنٹ ہوئی، کمپیوٹر آپریٹر کی رنگین اداؤں پر رنجیدہ گئی تھی۔ دو ڈبل ٹیم کھیلنے لگے، گھر میں جائیداد پر دانے کی مانند ہوی کے ارد گرد منڈلاتے رہے، آفس میں ان کی دنیا اس آپریٹر تک محدود ہوئی تھی۔

مرد کے بدلتے تیور عورت کی نگاہوں سے زیادہ عرصہ اوجھل نہیں رہے، وقت کی نگاہوں میں بھی سب آگیا تھا۔ شروع میں ان میں بہت چپقلش رہی تھی۔ برہان نے کچھ عرصہ خود پر جبراً پابندیاں لگائی تھیں مگر کب تک وہ صرف ایک کے رہتے پھر اس دوران والدہ حضور نے بھی ان کے کان بھرنے شروع کر دیے تھے۔ وہ پہلے ہی خود پر لگائی گئی پابندی سے بیزار ہو گئے تھے، مزید موقع ماں کی باتوں نے فراہم کیا اور وہ فائنل سے دور ہوتے گئے تھے۔

ناگہ جو دولت مند بننے کے خواب آنکھوں میں جا کر وہاں آئی تھیں، بہت جلد تعبیر ملنے پر وہ سب سے لاپرواہ ہو کر برہان کے نقش قدم پر چلنے لگی تھیں۔ برہان کے انخیز کی انہیں کوئی لینش اب نہ ہوتی تھی کہ وہ برہان سے بھی زیادہ کامیاب طریقے سے اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ وقت گزارتی تھیں اور برہان کو کبھی شک نہ ہوتا تھا، اسی طرح وقت گزرتا رہا، ساس سے تعلقات خراب سے خراب تر ہوتے گئے، وہ ایک بچی کی ماں بن چکی تھیں مگر نہ ان کی ڈگر بدلتی تھی نہ برہان راہ راست پر آئے تھے۔ اسی دوران وہ سب کچھ ہو گیا جس کی انہیں کبھی امید نہ تھی، وہ اس آفس ورکر کی وجاہت و انداز پر اس طرح مرعبی تھیں کہ پھر انہیں نہ اپنی عزت کا خیال رہا، نہ برہان کی، وہ مثال کا خیال بھی نہ کر سکی تھیں کہ اس پر ان کی اس حرکت کا کیا اثر ہوگا، وہ اس کی محبت کے ایسے جنون میں مبتلا ہوئی تھیں۔

محبت اور اس کا جنون!

پانی کے اس پیلے کی طرح ہے جو جتنی شدت سے اُبل کر ادا پڑتا ہے اور نیچے غائب ہونے میں اسے لمحہ بھی نہیں لگتا اور سب ختم ہو جاتا ہے۔

جو رشتے ناچائزہ جذبیوں کی زمین پر تعمیر کیے جاتے ہیں، وہ کبھی بھی پائیدار و پختہ ثابت نہیں ہوتے ہیں، ہوس کی آگ بجھتے ہی سب راکھ ہو جاتے ہیں اور اس راکھ کی سیاہی و بد صورتی آپ کے دامن پر، آپ کے آنچل پر، آپ کے کردار پر ہمیشہ کے لیے چسپاں ہو جاتی ہے جو آپ سے وابستہ لوگوں کے لیے بھی آکھٹ لہائی و رسوائی ثابت ہوتی ہے۔

معاذ اللہ احساس ہوالان کے پیچھے کوئی آکر کھڑا ہوئے۔ انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا، برہان لغاری کھڑے تھے۔

”آرٹو راسٹ؟“ وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر استفسار کرنے لگے۔

”یس..... آرم فائن“۔ اپنے شانے پر ہاتھ رکھے ان کے ہاتھ نے ان کے اندر ایک ناخوش سا کھوپا کھوپا احساس جگایا، انہوں نے برہان لغاری کی طرف دیکھا جن کی سرخ و دودوں والی بے خواب آنکھوں میں بھی کچھ ایسا ہی احساس کر دینے لے رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے تھے۔ شاید گزرے دنوں کی اچھی یادیں انہیں اپنے سحر میں جکڑنے لگی تھیں۔

”کیوں چلی گئی تھیں مجھے چھوڑ کر؟ کیا میں اغیار تھا؟“ وہ دوسری چیز پر ان کے زور دینے لگے، آرزو انداز میں گویا ہوئے تھے۔

”وہ راستہ مجھے آپ نے ہی دکھایا تھا“۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

”ہمارے معاشرے میں مردوں کے لیے یہ سب قابل معافی ہوتا ہے پھر وہ مسیئرز جو انٹل کوئل کمرٹ اسبل لائف وے رہا ہو، ہر قسم کی آزادی و خود مختاری فراہم کر رہا ہو، اگر وہ کچھ انخیز زمیں الٹا ہوا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

”یہی سوچ غلط ہے برہان! مردوں کی، وہ سوچتے ہیں ہم نے خوب صورت گھر دیا ہے، ہر طرح کا آرام دیا ہے، آزادی دی ہے عورت کو اور محبت بھی، مگر اصل بات یہ ہے مرد سپر، دولت، آزادی، عیش و آرام اور خوب صورت گھر عورت کی خواہشوں میں شامل ضرور ہیں لیکن سب سے پہلی اور آخری خواہش ہر عورت کی یہی ہوتی ہے کہ جو اس کا خاوند ہے جس کی خاطر وہ اپنے تمام گئے رشتوں کو چھوڑ کر آئی

ہے، وہ صرف اور صرف اس کا ہو، یہ خواہش یہ آرزو ہر عورت کی ہے، خواہ وہ گاؤں کی ہو یا شہر کی، دیست کی ہو یا ایسٹ کی، ہر طبقے کی عورت ایسی ہی خواہش مند ہوتی ہے۔ بچنے، کامیابی، دولت و بیش و آرام یہ سب اس وقت خاک میں جاتا ہے، جب بیوی کو مطلقاً اس کا خاندان فلاں عورت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ وہ لمحہ انکشاف ایک آگ ہوتا ہے، ایسی آگ جو ہل بھر میں ہر شے کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے، تباہ کر دیتی ہے، آپ اس درد کو، اس اذیت کو نہیں سمجھ سکتے، جو مرد کی بے وفائی اور جانی ہن سے عورت کو ملتی ہے۔" قاتلہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

"مرد جتنی توقع عورت سے رکھتا ہے کہ وہ اس کی وفاداری، پاک بازی پر ذرا سہل نہ آنے دے تو مرد کو بھی اتنا ہی پاک باز، باوقار و باکردار ہونا چاہیے، ورنہ کچھ عورتیں میری طرح خود کو تباہ کر لیتی ہیں اور جو ختم حراج نہیں ہوتی ہیں وہ اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ مرتے دم تک ان کے اندر شادابی و طمانیت نہیں ابھرتی، آرام و زندگی وہی ہوتی ہے جس میں بیوی کو یہ خرد یقین ہوتا ہے کہ اس کا خاندان صرف اس کا ہے، عورت کو دینی بابت کچھ کہہ سکتی ہے، مگر مرد کا ہونا ہرگز برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ جو مرد یہ سوچتے ہیں کہ عورت کو بے حیائی زندگی دے کر وہ ہر ناجائز و گمراہ کن حرکات کے مرتکب ہونے کے حق دار ہیں تو وہ جان لیں، انہوں نے اپنے آشیانے تکبیر سے انتظار کر لیا ہے، عدم یقین کا ایک جھوٹا ان کے آشیانے کا تھکا جھکا بکھیر دے گا، خشک کی ایک چنگاری سب کچھ راکھ بنا ڈالے گی، اسی طرح جس طرح ساحل پر بنے ریت کے گھر دندوں کو صرف ایک لہر مٹا ڈالتی ہے۔" ملازمہ کافی لے آئی تھی اور انہیں مرد کے چل گئی تھی۔

"بلیک کافی..... آپ کو یاد ہے ابھی تک کہ مجھے بلیک کافی پسند ہے وہ بھی ایسے مرد موسم میں۔" وہ خوشگوار حیرت سے بولیں۔

"میں بھولا ہی کیا ہوں" دمک ہونٹوں سے لگاتے ہوئے گویا ہوئے۔ ان کے درمیان خاموشی در آئی تھی، سرد موسم میں رات کی رانی کی بھیگی بھگی جھک احساسات کو فرحت آمیز احساس بخش رہی تھی۔

ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ دیر قبل دیکھنے والے اب لگا ہیں چہرے لہجے، قدرے توقف کے بعد قاتلہ نے کہا۔

"منال بہت آپ سیٹ ہو گئی ہے مجھے ڈر ہے کہ....."

"میرے سامنے نام مست لو اس کا۔" وہ قاتلہ کی بات قطع کر کے غصے سے بولے، ان کے چہرے پر ناگوار پھیل گئی تھی۔

"پلیز کول ڈاؤن، اگر ہم بھی ایسا ہی بی بیوئیز کریں گے تو کون کیسز کرے گا اس کی، وہ تو حد ڈسٹرب ہے۔"

"زیادہ پریشان کرتی ہے تو میٹل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر دو، ایسی کریزی لڑکیوں کا یہی اینڈ ہے۔"

"برہان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ شی از ریکل پور ڈاؤن۔"

"ڈاؤن! گو ٹو ہسپتال، اس سے بہتر تھا میں بے اولاد رہتا۔"

"پلیز، آپ کپور دماز کریں، اس کی حالت بگڑتی جا رہی ہے، میں نے ہاسپٹل میں ڈاکٹر سے بات کی ہے، وہ کہہ رہے ہیں ہمیں جلد از جلد منال کی شادی کر دینی چاہیے، اس کی لائف چنچ ہوگی تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے بھی یہ یاد دلاؤ پسند آئی ہے۔"

"شادی..... ابھی کیسے کر سکتے ہیں، اس کی طلاق کو عرصہ کتنا ہوا ہے۔"

"ابھی نہیں، اس کا ہیڈ کمپلٹ ہونے میں تین چار ماہ کا عرصہ لگے گا، تب تک ہم کسی ایسے لڑکے کو دیکھ لیں گے جو منہل کو ایسے چاہے جس طرح ہم چاہیں۔" انہی نرم دیکھ کر وہ کہہ رہی تھیں۔

"جو چاہو، مگر مجھ سے امید مت رکھنا، کسی بھی قسم کی سپورٹ کی، علاوہ اخراجات کے، میں تمہارے کسی بھی کام میں شریک نہ ہوں گا۔ میرا ذرا کچھ بھی نہیں آتا چاہیے۔" وہ یکتخت بھڑک گئے تھے۔

"آئل رامیٹ۔ آپ ڈپریشنڈ مت ہوں، مجھے آپ کی پرمیشن ورنکار تھی، سب کام میں کر لوں گی۔" برہان الخاری کو دیکھ کر وہ بھی اٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

نزد رات گئے تک گھر لوٹا تھا۔ مئی سے نہ چاہنے کے باوجود آج وہ سب کہنا پڑا تھا جو وہ کہنا نہیں چاہتا تھا، مگر ان کا کرن کا الزام دینا، برا کہنا اسے قلبی نہیں بھالنا تھا۔ کرن سے محبت اور نہ پانے کا ڈکھا اسے گھائل کر چکا تھا، وہ زخم اسے لمحہ لمحہ ٹیسیں دیتے رہتے تھے، پھر ایسے میں اس کے متعلق کوئی ایسی گفتگو کر جائے تو ان زخموں سے لہو سنے لگتا تھا۔ بے کلی واڈیت دو چہرہ ہو جاتی تھی وہ کسی گھائل پرندے کی طرح تڑپنے لگتا تھا۔ کئی کتنے مڑنوں پر رش ڈرا بیوگ کرنے کے بعد وہ گھر لوٹ آیا تھا، رات کبری ہو چکی تھی۔

چوکی دار نے گیٹ کھولا، وہ کار پارکنگ لائٹ میں کھڑی کر کے آگے بڑھ گیا۔ اندر صرف لابی کی لائٹ آن تھی اور سب جگہ اندھیرا تھا۔ گھروالے سوچے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں اندر قدم رکھتے تو وہ حیران رہ گیا تھا۔ کمرے میں لیپ روشنی تھا اور عام صاحب اس کے بیڈ پر گھل اڈھے تکیوں کے سہارے نیم دراز کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

"پاپا! آپ! خیریت تو ہے نا؟" استغاب دہریٹانی اس کے چہرے سے پھٹنے لگی تھی۔

"باپ بیٹے کے روم میں آئے تو کوئی پریٹانی والی بات ہوتی ہے؟" وہ کتاب ٹیبل پر رکھ کر چہرہ خنک کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"کوئی خاص بات تو سرور ہوتی ہے۔" وہ جوتے اتارتا ہوا بولا۔

"تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کتنی اجنبی، کتنی نامانوس لگ رہی ہے تم نے مسکراتا کیوں چھوڑ دیا ہے؟"

"میرا اختیار تو دینا ہی چھوڑ دوں۔" اس نے جھنجھی سے سوجھا۔

"مجھے بہت پہلے بتا دیجے کرن کے متعلق تو وہ سب نہ ہوتا جو ہوا ہے۔ کرن کو تمہاری ڈلہن بنانے کی تمنا تو میری بھی تھی۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ملال و تاسف ان کے انداز سے عیاں تھا۔

"وہ میرے نصیب میں نہیں تھی۔" نہ معلوم وہ خود کو بہلار ہاتھایا ان کو، عام صاحب اس کے چہرے کی جانب دیکھتے رہ گئے۔

"یہ نصیب و تقدیر کی باتیں بعد کی ہوتی ہیں۔"

"پاپا! اب یہ گفتگو لا حاصل دے معنی ہے، اگر ہم اس تا پک پر بات کریں جس پر بات کرنے کے لیے آپ یہاں موجود ہیں تو

زیادہ بہتر ہوگا۔"

عامم صاحب نے شفقت بھرے انداز میں بیٹے کی جانب دیکھا جس کا پھول کی طرح شاداب نظر آنے والا چہرہ کلا کر رہ گیا تھا۔ خوب صورت براؤن آنکھوں کی شفاف سطح میں اداسی و بجز، دکھ کے رنگ ثبت تھے۔ وہ دل مسوس کر رہ گئے، بیٹے کی اس حالت کے مجرم وہ خود کو گردانے لگے تھے۔

”اتنی سروی ہو رہی ہے، بارش برسنے کو تیار ہے اور تم صرف سوٹ میں ملبوس ہو، سوئٹرز، جیکٹ کچھ بھی نہیں ہے تمہارے پاس، اتنی لا پرواہی ٹھیک نہیں بیٹا، اب کسی مزید دکھ بھیلنے کی قوت نہیں ہے، مت لو ہماری مت کا امتحان، ہم پہلے ہی ٹکست خور وہ ہیں۔“

”پلیز پاپا! اس نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

”آرم سوری، میرا ارادہ آپ کی دل شکنی کا نہ تھا، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہ ہوں، چلیں بیٹا میں وہ جو آپ کہنے آئے تھے۔“ عامم صاحب کی آنکھوں میں آنسو چمکتے دکھ کر بوکھلا اٹھا تھا۔ ان کا دل بہلانے کی خاطر اس نے اپنے مزاج میں ٹھیک بیوی کی اور ایڑی ہو کر بیٹہ کیا۔

”میں چاہتا ہوں، بزنس میں میری بیک، بنو، اب مجھ سے تنہا یہ بوجھ نہیں اٹھایا جائے گا۔“ وہ نڈھال انداز میں کہہ رہے تھے۔

”ٹھیک ہے پاپا! آپ ٹینشن نہ لیں، میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے اعتماد کو جس نہ پہنچاؤں۔“ اس نے سعادت مندی سے کہا۔

”ایک التجا اور ہے اگر تم مانو تو۔“

”آپ حکم دیں پاپا۔“ باپ کے انداز پر وہ تڑپ اٹھا تھا۔

”شادی کر لو۔“ عامم صاحب اس کی جانب دیکھتے ہوئے اُمید آمیز لہجے میں بولے۔ حمزہ کے چہرے پر تارکی سی چھا کر معدوم ہوئی تھی۔

”یہ میری خواہش ہے، شدید تر آرزو بھی۔ وقت تنزی سے گزر رہا ہے۔ ہرگز دلتاح زندگی کی نقدی گرا تا جا رہا ہے، پھر حیات تو ہواؤں کے دوش پر رکھے اس چراغ کی مانند ہے، نہ معلوم کب اور کس لمحے ہوا کا کوئی زور آور جھونکا چراغ حیات کو گل کر دے، پھر انسان صرف یاد بن جاتا ہے، خواب بن جاتا ہے۔“

”پلیز، آپ ایسی باتیں نہ کریں، ابھی آپ کو بیٹا ہے لمبی عمر۔“

”زندگی کی طرح موت بھی حقیقت ہے بیٹا۔ پیدا ہوئے ہیں تو مریں گے بھی، آئے ہیں تو جانا بھی پڑے گا۔ رب ذوالجلال سے یہی دعائیں ہیں مرنے سے قبل قبر کی آخرت کی تیاری کروادے اور یہاں جو فرائض دوڑے دار یاں ہیں ان سے عہدہ بردار ہو کر دے تو۔۔۔۔۔“

”آپ جو کہیں کے، میں کروں گا۔۔۔۔۔ مگر پلیز ایسی باتیں نہ کریں، جو مجھے بے سکون کر ڈالیں۔“

☆---☆---☆

آج ان کی روانگی تھی۔

کرن کی آنکھیں بار بار چٹک جاتی تھیں، فاریہ آتے جاتے اس کو چھڑی تھی۔ بھلی آنکھوں سے دو جھپٹ کر مسکرانے لگی تھی۔
دھوپ و چھاؤں کا مزاج ہو رہا تھا اس پر مگر نئی جو گہری لگا ہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں، اس کے بار بار چٹک جانے والے آنسو ان سے غنی نہ رہ سکے تھے۔ ان کے دل میں عجیب سی بے چینی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے اسے اپنے قریب بٹھا کر پوچھا۔

”انس نے کچھ کہا ہے؟ کیا تم خوش نہیں ہو؟“ ان کی جہانم دیدہ نگاہیں ٹینک کے پیچھے سے اسے کوچ رہی تھیں، کنگال رہی تھیں،
دل ان کا دوسروں و اندیشوں کا شکار تھا، مہا والانس نے ابھی تک منال کی محبت کو دل سے نہ بھلایا ہو، کرن کو وہ جگہ ندی ہو، جو اس کے دل میں منال کے لیے تھی اور بھی ایسے بے مقصد خیال انہیں متوحش کر رہے تھے۔

حالانکہ صبح انس کو خوش و مطمئن دیکھ کر وہ بڑے سکون ہو گئی تھیں، اب بھی سینک روم سے اس کے دوستوں کے ساتھ گونجنے والے قہقہوں
سے وہ اس کی آسودگی و خوشی ہونے کا اندازہ لگا رہی تھیں اور شکر ادا کر رہی تھیں کہ اسے نئی زندگی کی خوشیاں اس تو آگئیں مگر کرن کے آنسو
انہیں فکر مند کر گئے تھے۔ اس لیے وہ تنہائی میں بٹھا کر اس سے دریافت کر رہی تھیں۔

”نہیں۔۔۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا“ ان کے استفسار پر گھبرا کر بولی۔

”سچ کہہ رہی ہو؟“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

”جی۔۔۔ بالکل سچ۔“

”شکر ہے رب کا، ورنہ تمہارے آنسو دیکھ کر میں ڈر گئی تھی۔“ انہوں نے اس کے انداز سے سچائی پائی تھی، ان کے چہرے پر
اطمینان کا رنگ پھیل گیا۔

”بھو! جن کو اپنے بڑوں کا سایہ ملا ہوتا ہے وہاں لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں کہ بڑوں کی دعاؤں کا حصار انہیں ہر بُری بلا و ناگہانی
آفتوں سے بچاتا ہے۔ اب میں ہی تمہاری بڑی ہوں اور میری دعائیں ہمیشہ اپنے بچوں کے گرد ہوں گی، میری تمنا پوری ہو گئی۔ انس کے لیے
میں جیسی بیوی چاہتی تھی، اللہ نے ایسی ہی عطا کی ہے، تمہاری خوبیوں کی، تمہاری قابلیت کی، میں خود مستر ف ہوں، اس گھر کو کوئی ہوئی روشنی
ملی ہے۔“ مگر نئی کی اہمیت و اعتماد اس قحطی کو سیراب کرنے لگا جو آج ماں کی یاد کی صورت میں بار بار آنکھوں سے چٹک رہی تھی۔

”میں چاہتی ہوں میرے گھر کی اس روشنی میں اضافہ ہوتا رہے، میرے گھر کا ہر ذرہ آفتاب بن جائے۔ میری صحت کو ہمیشہ یاد
رکھنا، خاوند کی محبت بڑی انمول ہوتی ہے جو عورت اس کی قدر کرتی ہے وہی پچھلی پھوٹی ہے، میں چاہتی ہوں تمہیں کوئی ڈک نہ ملے، تم خوش
رہو، عورت کی خوشی سے ہی تو گھر جنت بنتا ہے، اس کے لیے تمہیں انس کی ہاں میں ہاں ملا نا ہوگی، اس کی ماننا ہوگی، میں جانتی ہوں انس
عام بچوں سے مختلف مزاج کا ہے وہ بچپن سے آج تک کبھی اعتدال کی راہ پر نہیں چلا ہے، اس کے ہر انداز میں شدت پسندی کا رجحان ہوتا
ہے۔ منال سے محبت کی تو اپنی ذات فراموش کر بیٹھا تھا اور جب نفرت کی تو تم نے دیکھا کتنی شدت، کتنی جارحیت تھی کیونکہ نفرت و محبت

ایک سنے کے دو پہلو ہیں، دو رخ ہیں، میں چاہتی ہوں تم پر صرف اور صرف اس سنے کا ایک رخ استعمال ہو محبت اور صرف محبت کا۔

"بہت شکریہ گری، آپ نے جو مجھے بھرپور رانجیت و انسیت دی ہے اس احساس نے مجھے از حد تقویت و طمانیت دی ہے۔ آپ نے جو مجھے سمجھایا، میری زندگی ان ہی سنہری باتوں پر عمل پیرا ہو کر گزرے گی۔ یہاں سے جا کر مجھے بڑی شدت سے انتظار ہے گا، آپ کی آمد کا، جلد آئیے گا۔" وہ عقیدت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"انشاء اللہ، ساتھ خیریت کے اللہ قاریہ کو خوشی دیکھنا نصیب کرے۔"

گری کے پاس سے وہ قاریہ کے پاس آگئی جو اپنی عمرانی میں کچن میں ملازماؤں سے کام کروا رہی تھی۔ ان کی رات کی فلامنٹ تھی، گری نے انس کے دوستوں اور کچھ خاص جاننے والوں کو ڈنر پر بلوایا تھا، کھانا باہر سے بنوایا تھا اب بھی ملنے جلنے والوں کی آمد کے باعث کچن میں کچھ نہ کچھ بین رہا تھا جس کی عمرانی قاریہ نے سنبھالی تھی، تاکہ مہمانوں کی تواضع بہترین طریقے سے ہو سکے۔

"ارے..... ارے ذلہن صاحبہ! آپ کہاں خرماں خرماں کچن میں چلی آ رہی ہیں۔ آپ کا یہاں داخلہ ممنوع ہے۔" قاریہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن کے گیٹ سے ہی باہر لے آئی تھی۔

"کیوں بھابی! وہ حیرانگی سے گویا تھی۔

"ابھی آپ جی نئی ذلہن بین اس لیے۔" وہ شوخی سے بولی تو وہ جھینپ گئی۔

"آپ آرام کریں میں دیکھ لوں گی۔"

"اب تو آرام ہی کرنا ہے، آؤ کچھ دیر بیٹھو پھر تیار ہونا ہے۔"

"میرے تو خیال میں یہ لباس برا تو نہیں۔" وہ گرسے بکھر کے فینسی سوٹ پر نگاہ ڈال کر رو ریاہت کرنے لگی جو آج زیب تن کیا تھا۔

"ہاں، برا تو نہیں ہے مگر زپارٹی کے حوالے سے مناسب نہیں ہے۔"

"کیا کافی تعداد میں مہمانوں کو انوائٹ کیا گیا ہے؟"

"ہاں، دراصل یہ زپارٹی ایک دعوت و لمبر ہے جو گری کی خواہش پر ارتج کی گئی ہے۔ سٹ میں کم سے کم کے باوجود خاص نام ہیں۔"

ایک گھنٹے تک وہ بیٹھی باتیں کرتی رہیں پھر قاریہ کے کہنے پر وہ اپنے روم میں چلی آئی تھی تاکہ کچھ دیر آرام کر سکے۔

اسے لینے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ انس چلا آیا تھا، وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ریٹیکس یار! آرام کرو ابھی پارٹی نمٹانی ہے پھر ایک طویل سطر درپیش ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

بلوچینز، ریڈ شرٹ میں اس کے چہرے پر سرشاری تھی، سرستی تھی، کسی بھی اعزاز سے، کسی فعل سے محسوس نہ ہو رہا تھا کہ وہ محبت کی

بازی ہار رہا ہے، اس کی محبت وہ نہیں کوئی اور تھی جس کو کھوکھوہ خود کو بھی کھو بیٹھا تھا اپنے یقین و اعتماد کو بھی حواس میں لوٹا تو سود سمیت مثال کو

سب کچھ واپس کر رہا تھا، اس کی محبت جنونی تھی تو نفرت کی کوئی حد نہیں تھی، ان کی چاہت کی بندی جس طرح چڑھی تھی، اسی طرح اترتی تھی۔

"ایسے چوری سے کیوں دیکھ رہی ہو، آپ کا اچھا دوست، بلا جھجک دیکھئے، بانی داوے لگ کیسا رہا ہوں؟ ہوں بتاؤ نہ؟" وہ یمن اس کے سامنے چہرے کرشنی سے کہہ رہا تھا، اس کی ٹٹاہیں وارنگلی شوق سے اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔ لمبوس سے پھونکی دل آویز مہک سانسوں کی گرمی انکارے بن کر اس کی نس نس میں اتر گئی تھی، چہرے پر تمام جسم کا خون مسٹ آیا تھا۔

"ہوں، بتاؤ ناں کیسا لگ رہا ہوں؟ یہ فاول ہے کل تمام رات میں نے آپ کی مدح سرائی میں گزاری اور ہم اتنے گئے گزرے ہیں کسا ایک لفظ تعریف کے بھی لائق نہیں ہیں۔" وہ مصنوعی ناراضگی سے گویا ہوا، انداز میں شرارت پٹیاں تھیں۔ کرن اس کی شرارت نہ سمجھ سکی تھی اور بے حد پریشان ہو گئی تھی۔ چند گھنٹے قبل ہی تو گرینی نے نصیحت کی تھی کہ اس کی چاہت ہمیشہ پانے کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملانی ہوگی، وہ جو کہ اس سے انکار نہ ہوگا، اسے نہیں معلوم تھا یہ اقرار و اصرار کے مراحل اتنی جلد شروع ہو جائیں گے اور اس کی پہلی فرمائش بھی اتنی بے باک ہوگی۔

کرن نے آہستگی سے اس کی طرف دیکھا، وہ جو ابھی جذبوں کے دیوار ٹاڑ رہا تھا، ہل بھر میں اس سے اجنبی بتاؤ رخ پھیرے بیٹھا تھا۔ "محبت اور نفرت ایک سکے کے دو پہلو ہیں، دو رخ ہیں میں چاہتی ہوں تم پر صرف اور صرف اس سکے کا ایک رخ استعمال ہو محبت اور صرف محبت کا"۔ گرینی کی نصیحتیں اس کی سماعت میں گونجنے لگی تھیں۔

"وہ اعتدال سے ناواقف شدت پسند ہے، اس کی محبت بھی شدید تر ہوتی ہے تو نفرت شدید ترین۔" وہ ناراض بیٹھا تھا وہ کس طرح اسے منائے؟ کیونکہ اس کی فطرتی طور پر دور کرے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو دور رونے لگی۔

"ارے..... رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا؟" وہ جو اسے ستانے کے لیے رخ موڑے بیٹھا تھا۔ یک دم اس کی رونے کی آواز سن کر بوکھلا کر پلٹا۔

"آہم سوری..... سوزی مجھے نہیں آتی" وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے رندگی آواز میں بولی۔

"کیا نہیں آتی؟"

"تعریف کرنا..... بلکہ مردوں کی تعریف کرنا۔" جواباً اس نے بے اختیار نفس پڑا تھا اور جھک کر اس کا چہرہ داسٹیں ہاتھ سے اوپر کر کے گویا ہوا۔

"میری تعریف اس سے بڑھ کر کیا ہوگی جان من! کہ سب دیکھ کر بھی تم نے مجھے قبول کیا، میرا ساتھ گوارا کیا، تمہاری محبت کا، تمہاری عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے، میں مذاق کر رہا تھا۔"

وہ اس کے چہرے پر ہنسنے پر انصاف کرتا کہہ رہا تھا۔ کرن کے اندر ایک نشاط انگیز کیفیت سراپت کرتی تھی۔

☆.....☆.....☆

محمد نے کمرے میں قدم رکھے اور ٹھٹک کر ڈک گیا۔

بے ترتیب بال!

زرد رنگت!

بکھرا حلیہ.....!

وہ حزرہ تھا جو بے تحاشہ رو رہا ہے، قریب ہی اس کا موبائل پڑا تھا۔

”حزرہ! حزرہ کیا ہوا، ایسے کیوں رو رہے ہو؟“ وہ جست میں اس کے قریب پہنچا اور جھنجھوڑ کر بولا۔

”بے نام مسالٹوں کا سفر رائیگاں جاتا ہے، سو میرا سفر بھی رائیگاں ہو گیا۔“

وہ جیکے لیجے میں بولا آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

”کس کی کال آئی تھی جس نے تمہاری یہ حالت بنا دی ہے؟“

”کسی کی نہیں۔“ وہ موبائل کوٹ کی جیب میں ڈال کر گویا ہوا۔ محمد کے خیال سے وہ اپنی کنڈیشن پر قابو پا چکا تھا، ورنہ دل تو یہی

کہہ رہا تھا کہ فوری بند ہو جائے۔

”اب مجھ سے بھی پردہ ہو گا؟“ وہ خفا ہوا۔

”پردہ داری کسی جو بات تمہی میں نے بنا دی۔“

”پھر یہ کس کی یا میں رو رہے تھے؟“ وہ سمجھ گیا تھا، کال کس کی ہو گی۔

”بس ایسے ہی ہا ہر بادل پر سے تو میرا دل بھی برسنے لگا۔“

”تمہارا دل بادلوں کا ساتھ دے رہا ہے یا بادل تم پر رو رہا ہے؟“

”پلیز لیوی الوں۔“ محمد کے سوالوں نے جھنجھلاہٹ میں جلا کر دیا تھا۔

”تمہا ہو تو مجھے ہو اور کتنا تمہارا بتا چاہو گے، آخر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ تم نے ہم سب کو بھی دھنی

پریشانی میں جلا کر رکھا ہے۔ تم خوش رہو گے تو ہم بھی خوش رہیں گے۔“ محمد خاصے غصے سے گویا ہوا تھا۔

”میں نے کسی کو نہیں کہا کہ پریشان ہوں۔“

”انہوں سے کہا نہیں جانتا، وہ آپ کے احساسات کے ساتھ از خود وابستہ ہوتے ہیں۔ ہمارے ہر سو ڈک انہیں خبر ہوتی ہے۔“

”اوکے، میں سمجھتا ہوں تم جاؤ تمہیں مٹی بلاری تھیں۔“ اس نے بہانے سے محمد کو دہاں سے ہٹا دیا اور خود بھاگ کر کار ٹکالنے چلا

گیا۔ موسم سخت سردی کی لپیٹ میں تھا۔ بارش برس کر کچھ گھٹنے قفل ڈک گئی تھی جس کے باعث سردی میں بے تحاشہ اضافہ ہو گیا تھا۔

برنو جل قفل کا سماں تھا، ہواؤں میں بریلی ٹھنڈک تھی مگر اسے اس وقت سردی گرمی کا احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ اندر کی آگ

کے سامنے باہر کی برف پگھل رہی تھی، وہ دیوالوں کی طرح کار چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ انٹرپوسٹ کے راستے اور مزید بادش میں دھل کر گھر گئے تھے، وہ تیزی سے کار چلاتا انٹرپوسٹ کے پار رنگ ایریا میں کار کھڑی کر کے باہر نکلتا تو اسی وقت جہاز اڑا تھا۔

”کرن! تم مجھ سے آخری ملاقات بھی نہ کر کے گئیں۔ میں تو فوراً ہی چلا آیا ہوں، پھر بھی تم نہ نک سکیں، مجھ سے محبت نہ کی تھی مگر ترس ہی کھالیتیں۔“ حمزہ وہیں جھٹکا پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

رسم اُلٹ یہ اجازت نہیں دیتی ہے دور نہ
ہم بھی تم کو ایسا بھولیں کہ سدایا دکر



”حمزہ.....!“ اُسے لگا کوئی دور سے اسے پکار رہا ہو۔ اس نے توجہ شدی، مگر دیکھنے کی تمنا لیے وہ دن گزار رہا تھا، اب جب وہ جا رہی تھی یہ شہر، یہ ملک اور اُسے چھوڑ کر تو دیکھ کی بجائے لگا ہوں کہ میرا بی کی چاہ تھی وہ پکڑ لینا چاہتا تھا ان لمحوں کو، جکڑ لینا چاہتا تھا ان لمحوں کو، جن میں اُس کا مطلوب سامنے ہوتا اور وہ اسے نکلتا رہتا، نکلتا رہتا مگر۔ دصال کی بہار ایک لخت ہی جگر کی خزاں میں بدل گئی تھی۔ کتنا تیز دوڑا تھا وہ۔۔۔۔۔

لیکن وقت کی دوڑ سے کوئی جیت سکا ہے؟

”حمزہ! حمزہ!“ پھر ان کی سماعتوں میں دہی آدازیں گونجی تھیں۔

”مت پکارو مجھے، مت فریب دو، مت مجھے بھٹکاؤ کہ اب مجھے بھٹکنا ہی ہے، بھاگتے لمحوں کو نہ پکڑ سکا مگر ماضی تو میری دسترس میں ہے۔۔۔ اس لیے اس کی پشت پر ہلکی سی دھچپ لگی تھی۔

ایک مانوس خوشبو بگ دپے میں دوڑ کر حواسوں کو معطر کر گئی تھی۔ ساتھ ہی مانا نوس جھٹکا تھی۔ عجیب سریلی چوڑیوں کی جھٹکا.....

”حمزہ!“ ایک لخت ہی برق ہی لہرائی تھی، وہ شا کڈ رو کیا۔ نہ معصوم خوشی کا احساس تھا یا حیرت، وہ اس حقیقت کا ادراک جو وہ دل و جش کے جنوں میں بھول بیٹھا تھا۔

پھولی سانسوں اور منتشر حواسوں سمیت وہ اس کے عین سامنے تھی۔ پر پل ٹکر کی سادھی جس کے بازو گولڈن تھے۔ گولڈن ہی جلدی درک تھا۔ ساتھ اس نے میٹنگ کی گرم شال اڈھ رکھی تھی۔ قیمتی جیولری اور خوب صورت میک اپ تے اس کی شخصیت بدل کر رکھ دی تھی۔ سادگی میں نظر آنے والا اس کا حسن بدلی میں چھپے چاند کی مانند تھا۔ اب سچ سنو کر وہ چو حوس کا چاند نظر آ رہی تھی۔ تاک میں دکتی ڈائننگ ٹیبل، ہاتھوں میں چمکتی طلائی چوڑیاں، خوشی سے دمکتا چہرہ، پُر اعتماد و مہمانیت اور آسودگی جھٹکا ناشاداب، یہ خواب تھا یا حقیقت۔ وہ ہلکیس بنا چمپکائے اسے دیکھتا رہا۔

”حمزہ! تم ابھی تک گھماڑ کے گھماڑی ہو، میں پکار رہی ہوں تمہیں اور تم کو ہوش ہی نہیں ہے، ابھی بھی خیالوں کی دنیا کے پاسی ہو۔“ وہ خواب نہیں حقیقت تھی، کرن ان کے سامنے تھے، قریب تھی۔ بنی سنواری، نئے روپ، نئے ڈھنگ۔ اس کی دیکھ کی بجائے نظرس

بنا سیراب ہوئے چٹکتی چلی گئی تھیں۔ دل ایک نئے درد سے آشنا ہوا تھا۔

اس کا یہ دردپ، اس کی جگہ

اس کے لیے نہ تھی، وہ کسی اور کی امانت بن چکی تھی اور اس کے لیے شجر ممنوعہ جس حقیقت کو بھول کر یہاں دیوانوں کی طرح پہنچا تھا، دل کی جو کیفیت کی تھی، جذبیوں کا جو رنگ تھا ان سب پر برف کرنے لگی تھی۔

”کرن ایہ تم ہو“۔ وہ ہونٹوں پر زبردستی مسکان بکھیرتے ہوئے گویا ہوا۔

”ہاں..... دیکھو کیسی لگ رہی ہوں؟“ سرت اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

”بہت اچھی۔ بہت پیاری“۔ خشک لبوں سے بمشکل لفظ نکلے۔

”تم، اسی طرح مجھے دیکھنا چاہتے تھے؟“

ساتھ تھیں اپنا کر بھی دیکھنا چاہتا تھا۔“ اندر کوئی کراہا تھا۔

”کچھ بتاؤ نا..... کیسی لگ رہی ہوں؟“

”بہت پرانی، بہت اجنبی، کسی کھوئی ہوئی قیمتی چیز کی مانند، جس کے متعلق یقین ہو جائے دوباب بھی نہیں ملے گی“۔ وہ سوچ کی عمیق گہرائی میں گم تھا۔

”ارے۔ کیا ہوا حزنہ! تم میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو، کیا ابھی تک ناراض ہو مجھ سے؟“ وہ اسے خاموش اور کم صم کھڑا دیکھ کر پریشان سے گویا ہوئی۔

”نہیں..... میں تم سے کیوں تھا ہوں گا، دراصل میں سمجھا شاید لیٹ ہو گیا ہوں۔ تم جا چکی دوباب تھیں سامنے دیکھا تو دنگ رہ گیا“۔ اس دوران انس بھی آگیا تھا۔ دونوں بظلمت گہر ہوئے، اس کے انداز میں گرم جوشی تھی۔

”فلائٹ لیٹ ہو گئی ہے اور شاید اسی لیے دیر ہوئی ہے کہ ہم مل سکیں، در نہ بے حد افسوس ہوتا ہمیں نہ ملنے کا“۔

”میں رات سے تمہارے موبائل پر ٹرائی کر رہی ہوں، ہر بار تمہارا سیل آف ملا ہے، میں تو آس ہی چھوڑ بیٹھی تھی تم سے ملاقات کی، یہ بانی چانس کال مل گئی تھی“۔

”میں اکثر بھول جاتا ہوں سیل آف کر کے“۔

”تم بالکل نہیں بدلے، اسی طرح بھولنے کی پیادری میں ابھی تک جھلا ہوا اسی طرح سوچوں کے جنگل میں سرگرداں رہتے ہو تم، بالکل نہیں بدلے بالکل نہیں“۔ وہ ہنسی تھی، ایسی ہنسی جو طمانیت کے آسمان میں سرتوں کی کھکشاں جگمگاتی ہے، اس کا چہرہ بھی کھکشاں تھا۔

”انس! آپ کو معلوم ہے میں نے حزنہ سے بہت لڑائی کی ہے بلکہ..... لڑائیاں، ماما بیٹا اس کی سائیڈ لیتی تھیں اور مجھے خسر آتا تھا کہ وہ میری ماما ہونے کے باوجود اس کی حمایت کیوں لیتی ہیں۔ یہ تب بھی اسی طرح خاموشی سے مسکراتا رہتا تھا یا پھر مجھے سمجھانے بیٹھ

جانتا تھا۔ کرن انس کا بازو دھماے نہستی ہوئی پتار رہی تھی اور بھی نہ معلوم کیا کچھ کہہ رہی تھی، مگر وہ کہاں سن رہا تھا۔ اس کی لگا ہیں انس کا بازو بے حد اچھائی و محبت سے پکڑے کرن کے ہاتھ پر نہیں، اس کی آنکھوں میں وحند اترنے لگی۔ ہر شے اس نمی میں گم ہوتی جا رہی تھی۔

دل دکھتا ہے تو بھڑکتی تھیں آنکھیں

کچھ روز دہوئے ہم آنسوؤں سے اٹکے ہوئے ہیں

کیا کریں، کس سے شکایت اور کیسے شکوے

اک میرے سوا سب لوگ یہاں سلجے ہوئے ہیں

اس کی آنکھیں بھڑکتی تھیں۔ اسی دم اناؤ نمٹ ہوئی تھی۔ انس نے اس سے مصافحہ کیا تھا۔ کرن اس کے قریب چلی آئی تھی۔

”میں نے جبیں بے حد تنگ کیا ہے، بہت ستایا ہے، مجھے معاف کر دینا۔“ اس لمحے وہ جذباتی ہو گئی، اسے اپنے آنسوؤں پر

اختیار نہ رہا۔

”اسنو پڈ ایسا کچھ نہیں کیا تم نے، جس کی معافی مانگ رہی ہو۔“

”تم ماما کی طرح اعلیٰ ظرف و مفاہمت پسند ہو، اس لیے سب کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو، ہر زیادتی بھلانے کی صلاحیت

رکھتے ہو، حمزہ اپنے قریب رہیں تو ان کی اچھائیاں، نیکیاں اور بھی بے حد عمدہ صفات ہم سے اوچھل رہتی ہیں، جب ہم دور ہوں تو معلوم ہوتا

ہے، کوئی ہمارے لیے کیا تھا اور ہم اس کے کتنے عادی ہیں۔“

وہ کہہ رہی تھی۔

آنسو بہہ رہے تھے۔ انس خانوش کھڑا تھا، حمزہ رو رہا تھا۔

”تم سے دور ہوا تو محسوس ہوا، تم مجھے از حد عزیز ہو۔ ایک بھائی کی طرح، اچھے دوست کی طرح۔ بہت اعلیٰ بہت نفیس انسان ہو

حمزہ تم، بہت یاد آؤ گے مجھے، نہ وہ بڑھ کر اس کے بیٹے سے لگ کر رونے لگی۔“

حمزہ تہہ در تہہ برف میں دفن ہونے لگا۔

رگوں میں دوڑتا خون

سینے میں دھڑکتا دل

آنکھوں میں چھپتے آنسو

برف بن رہے تھے۔

اناؤ نمٹ بار بار ہو رہی تھی، وہ بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا تھا۔ کرن خود ہی الگ ہوئی تھی۔ آ کے لاؤنج میں گرینی، قاریہ اور سعد

موجود تھے۔

”مجھے تمہاری دعائیں چاہئیں حمزہ! ایک دوست کی دعا، ایک اپنی ماما کے لاڈلے کی دعا، اپنے پیارے ایسے بھائی کی دعا جس نے مجھے بھائیوں سے بڑھ کر چاہا۔“

حمزہ کے پاؤں کے نیچے زمین رہی تھی، وہ سر پر آسمان، وہ ارد گرد بے تحاشہ لوگوں کا جھوم۔ وہ ہواؤں میں معلق تھا۔
کرن کے بار بار پکارنے پر اس نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جو محبت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
بڑی پاکیزہ۔ بڑی عقیدت بھری مسکراہٹ تھی کرن کی۔ وہ خود سے لگا ہیں چرانے لگا۔ اسے اپنی سوچ پر اپنی چاہ پر اپنی آرزو پر شرم آنے لگی۔

”میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں کرن! جہاں رہو خوش رہو۔“ حمزہ نے کانپتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھا، پھر جیکٹ کی جیب سے ایک فمیل کا چوڑی کس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میری طرف سے یہ گفٹ ہے، اسے سنبھال کر رکھنا۔ اپنے خاندان کی سات فٹلوں سے ہر آئے والی بڑی بہو کو یہ لاکٹ گفٹ ہوتا رہا ہے مگر..... اب میں نے اس کی تاریخ بدل دی ہے، نئی کو دے کر۔“ جدائی سدا بوجھل رہی ہے۔ رسی ملیک ملیک کے بعد وہ دونوں چلے گئے تھے۔

کتابِ ذہانت کا اہم ترین باب بند ہو گیا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں، سنسناتے دماغ و منتشر ہوتے حواسوں کے ہمراہ وہاں سے نکلا تھا۔

☆.....☆.....☆

والدہ حضور کی زیرک نگاہوں سے برہان لغاری اور فاطمہ کی دن بدن بڑھتی بے تکلفی، نئی ندرہ سکی تھی۔ چند دن تو وہ انتظار کرتی رہیں، حالات معمول پر آنے کے لیے جوان کی توقع کے برعکس بتدریج بگڑ رہے تھے۔

پہلا دھچکا ان کے لیے برہان لغاری کی بے نیازی یا مصروفیت تھی جس میں کھوکھوہ ان کی ذات کو بھی فراموش کر چکے تھے اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا جو وہ ان سے لاپرواہ ہوئے تھے۔

والدہ حضور کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھی، جس انقلاب کو برپا ہونے سے برسوں قبل وہ روک چکی تھیں۔ اسی کی آہٹیں انہیں پھر سنا کی دے رہی تھیں، لمحہ بہ لمحہ اپنے اقتدار کی مسند کی طرف بڑھتی ہوئیں۔

”والدہ حضور! آپ نے یاد کیا ہے؟“ برہان لغاری اندر آ کر ان سے مخاطب ہوئے جو ظکرات کے بحر میں غوطہ زن تھیں۔ ان کی آواز سن کر انہوں نے اپنے سفید پٹکوں والی جہان دید و نگاہیں ان کے چہرے پر ڈالیں۔
بڑی گہری نگاہیں تھیں، کھوجنے والی و تھمس والی۔

برہان لغاری چند لمبے ماں کی نگاہوں سے پریشان ہوئے مگر جلد ہی سنبھل گئے اور ان کے اشارہ کرنے پر صوفے پر بیٹھ گئے۔
”آج کل اسے مصروف رہنے لگے ہو کہ ماں کی یاد نہیں آتی، ہم نے سوچا ہم یی یاد کریں، بلکہ یاد دلائیں کہ برہان لغاری کی

ماں زندہ ہے ابھی۔" ان کا ٹھنڈا لہجہ عجیب سی آغوش دے رہا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے والدہ حضور؟ بس آج کل کچھ مصروفیات چڑھ گئی ہیں۔“ انہوں نے لہجے میں بٹاشت بھری۔

"اچھا....." دواخت طہریہ انداز میں گویا ہوئیں۔ "اب ہم سے بھی بڑھ کر مصروفیات ہوں گی؟"

"ایسا ہرگز نہیں ہے۔" وہ بڑی طرح گھبرا کر گویا ہوئے۔

"ایسا ہی ہے تمہاری نظروں میں ہماری عزت نہیں رہی"۔ وہ طیش انداز میں گویا ہوئیں، ویران اٹھ کر ان کے قریب آ گئے۔

”ہم ایسی گستاخی نہیں کر سکتے والدہ حضور! لیکن ہمارے کسی رویے سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں، دراصل آپ تو

جاتی ہیں، لیکن کن پریشانوں و مصائب کا شکار رہوں، اس وجہ سے کسی کو تباہی کا شکار ہو گیا ہوں تو معافی کا خواستگار رہوں والدہ حضورؐ۔

”ہمیں لنگھوں سے مت پہلاؤ برہان! آج کل تمہاری کیا مصروفیات ہیں، یہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔“ وہ ان کی جانب دیکھتی

ہوئیں جتانے والے انداز میں پولیس۔ برہان نے گڑبڑا کر نکالیں جھکا لی تھیں۔

”جو نکاح ہے چراتے ہیں وہ کچھ ایسا غلط کر رہے ہوتے ہیں کہ ان کو خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے مگر پھر بھی درست سمت پر

میں جلتے ہیں۔ تم آگ سے کھیل رہے ہو بڑھان۔۔۔ اس تخیل کا انجام تبائی ہے۔

"میں۔۔۔ سمجھا نہیں ہوں جو آپ کہہ رہی ہیں۔۔۔"

”سمجھے نہیں یا سمجھا نہیں چاہئے؟“ ان کا انداز بہت ٹھیکھا تھا۔

یہاں لغاری اُن کے آگے صرف سر جھکا کر بیٹھنے کے اور کچھ نہ کر سکے کہ وہ ان کی ذومستی گفتگو کو بخوبی سمجھ رہے تھے مگر اس امر سے

خود کو باز رکھنے یا والدہ حضور کے سامنے اعتراف یا انکار کی جسارت خود میں نہ پا رہے تھے۔

”گھر کو لٹیروں سے بچانا چاہئے جو تو جو دروازے مت کھولو، ایک بار آزمائے ہوئے کو بار بار کیا آزمانا جن کی سرشت میں دغا

نہیں ہوتی وودعا کرتے ہیں صرف دعا"۔ ان کا لہجہ ہنوز بے لک تھا۔

”تاتھ پہلے سے بالکل بدل گئی ہے والدہ حضورؐ حالات نے اسے توڑ پھوڑ کر نئی عورت بنا دیا ہے، پہلے جیسی کوئی بات نہیں ہے

اس میں۔

والدہ حضور کی طرح بات کو بہرہ و بھیر کرنے کی وہ صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ سید سے ملنے کے بعد وہ ناکفہ کا نام لے بیٹھے جس کو سن

کروالہ حضور کے عنوانات پہنچ گئے تھے اور آنکھوں میں برہمی نظر آنے لگی تھی۔

"نہ بہت بڑی غلط تھی بے تمہاری وہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی ہے۔"

"اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آپ کا دل اس کی طرف سے صاف نہ ہو سکا۔ اُسے معاف کر دیں والدہ حضور....."

"خاموش!" وہ غصے سے پلپتی ہوئی کھڑی ہو گئی تھیں۔ "اس بدکار عورت کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"وہ منال کی ماں ہے"۔ ان کی آواز کمزور تھی۔

"مگر تمہاری بیوی نہیں ہے، یہ کان کھول کر سن لو اور منال بن سکتی ہے ہم جس کو تھوک دیتے ہیں اس کو چاٹنے نہیں ہیں۔"

"میں منال کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں، بہت دباؤ ہے مجھ پر۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کس طرح وہ لڑکی نارمل ہوگی۔ کل رات بھی اس نے لکائی کی رگ جھری سے کاٹ لی تھی۔ اگر بروقت فائدہ سے اسپتال نہ لے جاتی تو اسے جانی نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

"ہونہہ جیسی ماں ویسی بیٹی"۔ ان کے لہجہ میں شدید نفرت تھی۔

☆.....☆.....☆

مڈر صاحب نے جس دالہا نہ گرم جوشی و محبت سے ان کا استقبال کیا تھا، وہ پیار و محبت اسے سرشار کر گئی۔ اس حوالے سے علی عزت معتبر بنا گئی۔ وہ جو سدا سے نصیب و مقدر کی بے نیازی سے شکوہ کن اس رہی تھیں، ان دنوں خود کو سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھ رہی تھی۔

مڈر صاحب نے شان وار ویسے کی پارٹی اریج کی تھی جس میں نیویارک کے اعلیٰ طبقوں سے تعلق رکھنے والے معززین نے شرکت کی تھی۔ خواتین نے مشرقی انداز میں بنی ڈلہن کی بے حد تعریف کی تھی۔

انس خود بھی تھری ہیں سوٹ میں بے حد خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں بھی بے ساختہ ڈلہن بنی کرن کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ مڈر صاحب بڑے فخر سے کرن کو سب سے ملوارہہ تھے۔ وطن سے دور اس دیکس میں بھی ان کا علاقہ دوستی بے حد وسیع تھا۔

ویسے کے بعد کئی دنوں تک ان کی دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔

"کرن! مبارک ہو"۔ انس خوشی سے چمکتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"کس بات کی؟" وہ جو ہال ہاندھ رہی تھی، بلی جھوڑ کر بولی۔

"سجہ جڑ وال بچوں کا باپ بن گیا ہے۔"

"جھمکنس گاڈ! کار یہ بھائی کیسی ہیں، ان کی بہت لگہر تھی مجھے۔"

"وہ ٹھیک ہیں، چائلڈ ز بھی ٹھیک ہیں اور تم کال کر کے معلوم کر لینا"۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے بال بگاڑے۔

"گرینی ہمارے پاس آ جائیں گی اب؟" اس کی قربت میں زردی ہونے لگی۔

"ہاں۔۔۔ آتو جائیں گی، مگر ان کی ایک شرط ہے"۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکراہٹ لبوں میں دبا کر گویا ہوا۔

"شرط! کیسی شرط؟"

"تم بھی ناریہ بھائی جیسا سر پرانڈو دینے کا وعدہ کرو۔۔۔۔۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا شرارت سے گویا ہوا تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی اور فوراً رخ موڑ لیا تھا۔

"اؤ نہیں، چولینگ نہیں چلے گی میری آنکھوں میں پتھکیں ڈال کر جواب دیتا ہوگا"۔ انس نے شانوں سے تمام کر اسے اپنی طرف کیا۔

"میں ابھی آتی ہوں کچن میں سے۔" وہ جڑ بولی۔

"یہ فرار ہے میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"ہلیر مجھے جانے دیں، سالن، جل جائے گا۔" وہ منت بھرے انداز میں بولی تو انس نے یہ کہتے ہوئے اسے چھوڑا۔

"جاؤ، کیا یاد کرو گی، کس تلی سے بندھن بندھا ہے۔"

انس آفس چلا گیا تھا۔

مڈر صاحبہ بڑنس نور پر کل آسٹریلیا روانہ ہوئے تھے، کرن مگر میں تنہا تھا۔ یہاں پاکستان کی طرح ملازموں کی کثرت نہ تھی۔ جزوقتی طور پر دو ٹیکو ملازما نہیں تھیں، جوڈسٹنٹ اور واشنگ کر کے چلی جایا کرتی تھیں۔ کچن کا کام انس اور مڈر صاحبہ کے کاموں کی ذمہ داری اس نے خود اپنے ذمہ لی تھی جو بہت معمولی تھی۔ اس پر بھی مڈر صاحبہ راضی نہ تھے۔ اُن کا کہنا تھا، اُن کی بہو حکمرانی کے لیے ہے، وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگائے، وہ اُس کے آرام کے لیے بے شمار ملازم انورڈ کر سکتے ہیں، پھر کئی کوششوں کے بعد وہ انہیں راضی کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ملازموں کے جانے کے بعد اُس نے تمام گیٹ لاکڈ کیے تھے اور آکر اپنے بیڈروم میں آرام سے بیٹھ کر راجی کال ملائے والی تھی کہ موبائل پر کال آگئی تھی۔ وہ چونک اٹھی تھی، اسکرین پر نمبر ناچسکی تھی۔

"ہیلو!" وہ تنہائی سے بولی۔

"السلام علیکم، کرن! میں صبح بول رہا ہوں۔"

"صبر.....! وہ کتنے عرصے بعد تمہاری آواز سن رہی ہوں، ریلی کتنا اچھا ٹیل ہو رہا ہے۔ ہاؤ میزنگ سر پر انز۔" صبر کی آواز سن کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔ صبر کو بھی اچھا لگ رہا تھا۔ اُس نے کرن کو شادی کی مبارکباد دی، اسی سلسلے میں خاصی گفتگو ہوئی ان کی۔ "صبر! حذرہ کیسا ہے؟ اُسے کیا ہو گیا ہے، وہ ایئر پورٹ آیا تھا مجھے سی آف کرنے، وہاں میں نے نئے حذرہ کو دیکھا، بہت ٹونا، نکھرا، الجھا الجھا، اپنے آپ سے بے خبر، وہ پہلے جیسا نہیں تھا۔ اب ایسا لگتا ہے کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے، اُس کے ساتھ تم جٹاؤ کیا ہوا ہے؟"

"سچ سنو گی؟" صبر کو صبر کی آواز کانپ رہی تھی۔

"آف کورس۔"

"اس کی ٹریجڈی تم ہو کرن۔" وہ دھیمے سے بولا۔

"کیا مطلب؟" اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔

"یہ معلوم کب تم اس کے قریب اس قدر آئیں کہ دل پر حکمرانی کرنے لگیں۔"

"شٹ آپ صبر! جیسے معلوم ہے کیا کہہ رہے ہو!" ایک ہل میں چورہ گروڈش کرنے لگا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے، اگر حالات ٹارنل ہوتے تو میں کبھی بھی یہ راز تم پر ظاہر نہ کرتا کہ ظاہر کرنے کا کوئی

فائدہ ہی نہ تھا مگر مجبوری یہ آگئی کہ جی بی پی شوٹ کر جانے کے باعث اسپتال میں مایڈمٹ ہیں۔ حنزوا اپنی ضد نہیں چھوڑ رہا ہے۔
 ”کیسی ضد؟“

”وہ پاکستان سے باہر جا رہا ہے ہمیشہ کے لیے، کہاں جا رہا ہے، یہ مجھے بھی نہیں بتا رہا، اسی وجہ سے می ہاسٹل انز ہیں مگر وہ گویا پتھر کا بن گیا ہے۔ اُس پر می کی کنڈیشن، مگر کی ٹینشن، کسی کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے۔“ صمد کے لہجے سے از حد پریشانی و تنگدلی چٹک رہا تھا اور اسے اس انکشاف نے بے جان سا کر ڈالا تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر ان بیٹے ہوئے تمام مناظر کی فلم چل رہی تھی۔ صمد نہ معلوم کیا کیا کہہ رہا تھا۔ اس کی ساتھیوں میں ہواؤں کی سرسراہٹیں تھیں۔ آنکھوں سے آنکھوں کا سیل رواں تھا۔

”بکر بن..... کرن! آریہ رات؟“ اس کی مسلسل خاموشی نے صبر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا، وہ گھبرا کر بولا۔

”ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔“ کوشش کے باوجود وہ اپنی لرزتی ہوئی آواز پر قابو نہ پاسکی تھی۔

”میں نے بہت سوچا کہ کس طرح اے روک جاسکے، بالآخر میرے ذہن میں تہہ راعی نام آیا اور میں نے کال کی، پلیز کریں اگر کوئی اے اس فیصلے سے روک سکتا ہے تو وہ تم ہو، وہ اپنی زندگی بٹا کرے گا، نہ کبھی گھر بسائے گا، نہ گھر آئے گا اور اس کے جانے کے بعد گھر گھر کہاں رہے گا، زندہ مردوں کا قبرستان بن جائے گا۔“ شدت جذبات سے دو رو پڑا تھا۔

"دردِ موت محمد! مجھے اس درد کا احساں ہے جس سے تم گزر رہے ہو۔ اپوں سے بچنے کی اذیت تازیست محسوس ہوتی ہے تم فکر مت کرو، میں سمجھاؤں گی حزرہ کو وہ میری بات مان جائے گا، میں نے اسے ہمیشہ سے اچھا دوست، اچھا بھائی مانا ہے، نہ معلوم کس طرح اور کیوں وہ ان رشتوں کو بھول کر فضولیات سوچنے لگا اور اس حد تک چلا گیا۔"

وہ جسے اسے لوٹ کرن؟ مجھے یقین تھا تم ہی یہ پرانے سولو کر سکتی ہو، لیکن تم سے میری ایک ریگوسٹ ہے، مزہ کو میری ان باتوں کے متعلق علم نہ ہو، ورنہ.....

”میں سمجھتی ہوں، تمہاری کال کا بھی ذکر نہیں کروں گی مگر تم بھی ایک بات یاد رکھنا، آج کے بعد ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ نئے رشتوں کی استقامت کے لیے یہ قربانی ضروری ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ! آہ..... چلیز ماما اور اسٹیئر کو مخالف کرو بنا دم پر الزام لگا کر وہ شرمندگی میں گرفتار ہیں۔“

”بھول جاؤ گزری باتوں کو، میں نے سب کو معاف کیا۔“ اس نے سیل آف کر کے ہیڈ پرٹخ دیا تھا۔ اس کے اعتراف آہوں کا طوفان شدت پکڑ رہا تھا۔ دل کی دنیا پر سوگ کی پڑ ہول خاموشیاں جھانے لگی تھیں۔ ابھی چند لمحوں قبل موت ہو چکی تھی۔

موت!

اس کی پاکیزہ محبت کی۔

روشن اعتماد کی۔

بے مثال دوستی کی۔

حزہ جس کی دوستی پر اُسے فخر تھا، وہ بدل گیا تھا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو گیا تھا۔ دوروری تھی ماں کے بعد دوسرا بڑا اہم مددگار حزہ کی دوستی کی موت کا تھا۔ آنسو بہلا تھینے والے کہاں تھے۔

☆.....☆.....☆

"اٹھ گئیں جانو! طبیعت کیسی ہے؟" فائدہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا۔

"میں سوئی کب تھی؟" اس کی آواز گہری ادا سی میں ڈوبی تھی۔

"سوئی! تم چہرے پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئی تھی، میں کبھی سو گئی ہو۔"

"میں کہاں سوئی ہوں، سو بھی کیسے سکتی ہوں، میری نیندیں وہ چرا کر لے گیا ہے، میرا سکون، میرا چین میرا سب کچھ۔" وہ دھکے

کھوئے انداز میں بولی۔ فائدہ نے ذہنی انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گویا بونیم۔

"اس منہ کو بھول کیوں نہیں جاتی ہو، وہ کرن کے ساتھ پیش کر رہا ہے اور تم اس کی یاد میں خود کو بہلائے بیٹھی ہو، اگر کل میں وقت پر کمرے میں نہ پہنچ جاتی تو۔"

"سو اتنی آسانی سے نہیں آتی۔"

"چپ، کتنی بڑی باتیں کرنے لگی ہو، کچھا احساس ہے۔"

"آپ بھی تو اتنی بڑی باتیں کر رہی ہیں، خود آپ کو احساس ہے؟"

"میں نے کیا نئی بات کی ہے سوئیٹ ہارٹ! انہوں نے پیار سے اس کے ہال پہلائے ہوئے کہا۔

"آپ میرے سامنے میرے محبوب کے متعلق بتا رہی ہیں کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر بڑی بات اور

کیا ہوگی۔

"خیالوں کی دنیا سے نکل آؤ بیٹا، خیال اور یادیں صرف دکھ دیتی ہیں۔ وہ یاد رکھنے کے قابل نہیں ہے، اُسے بھول جاؤ۔"

"بھولنا ہی نہیں آتا مجھے، کیا آپ ڈیلی کو بھول گئیں؟" اُس نے فائدہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ۔۔۔ یہ بھی کوئی سوال ہے؟" وہ بڑی طرح غلج ہوئیں۔

"ہائیں آپ بھولی ہیں ڈیلی کو؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ میرے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے واپس آئی ہیں۔"

"منال! میری محبت پر شک کر رہی ہو۔" اُن کا لہجہ پست تھا۔

"نہیں ماما! حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ خیر جو ہوا سو ہوا، مرو کبھی گھانے کا سودا نہیں کرتے، نقصان ہمیشہ عورت کے نصیب میں

آیا ہے، آپ کے جانے کے بعد بھی ڈیلی کی زندگی میں عورتوں کی کمی نہ تھی۔ اب آپ کو پا کر شاید وہ سب کو بھول جائیں۔ مردوں کی

فطرت ایسی ہوتی ہے۔ ایک کو پا کر دوسری کو فراموش کر دیتے ہیں۔“

”جو تم نے کہا وہ صحیح ہے پھر تم انس کو کیوں نہیں بھولتیں۔ وہ بھی تو مرد ہے اور مردوں والی ہی فطرت رکھتا ہے۔ وہ تمہیں بھول گیا تم اسے بھول جاؤ اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچو۔“ ناقتہ آہستگی سے اعتراف کرتے ہوئے اسے سمجھانے لگیں۔

”وہ مرد ہے عام مردوں سے بالکل مختلف، ایک ایسا مرد جو وجود کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ اس نے شادی کرن سے کی مگر دل میں اس کے میں ہی آباد ہوں، اس کے ساتھ کرن نہیں منال ہوتی ہے، میرا چہرہ ہوتا ہے۔“ اس کے انداز میں اعتماد یقین کی مضبوطی تھی۔

”جھیمکس گا ذاتم نے اس حقیقت کو تو قبول کیا۔“ انہوں نے سر سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”ڈیڑی نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دی ہے۔“

”اب کریں گے بات، آپ واپس اپنی دنیا میں پلٹ آؤ، سب ٹھیک ہو جائے گا، میں اور برہان آپ کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔“

”آپ کا مجھے معلوم ہے مگر ڈیڑی کا یقین نہیں کہ انہیں اب میری خوشی سے بھی خوشی مل سکتی ہے وہ کہتے خود پسند ہیں، مجھے معلوم ہے۔“

”چھوڑو ان باتوں کو اب ریٹ کر دو ڈاکٹر کے آنے کا ہم دور ہے۔“ وہ اس کے سر کے نیچے تکیہ درست کرتے ہوئے بولیں۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں؟“

”آپ کے برابر واسے روم میں ایک پوشٹ سے فریڈ شپ ہو گئی ہے، اچھا ٹیم پاس ہوتا ہے وہاں دیڑے مزے کی باتیں کرتی ہے۔“

”مئی آپ کب سے فریڈ شپ کرنے لگی ہیں۔“ اس کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

”کبھی ایسا؟ تم بھی آ جاتا ہے۔“

”ایسا کیا ہے ان ایڈی میں؟“

”اس میں تو کچھ نہیں ہے، شکل سے ہی چار سو بیس عورت لگتی ہے۔ ہاں اس کا ایک پنا ہے۔ بے حد اسارٹ اینڈ ڈھنگ پر نالتی ہے اس کی۔ میں چادر ہی ہوں کسی طرح وہ لڑکا میرے قابو میں آ جائے تو مسئلہ مل ہو جائے۔“

”اس لڑکے سے کیا کام ہے؟“

”آپ کا اداس کا پھل بہت زبردست ہوگا۔“

”مئی آپ کو معلوم ہے، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ وہ خفگی سے بولی۔

”ہاں ابھی طرح معلوم ہے اور تم بھی سن لو برہان کی طور پر آپ کو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں ہیں اور ان سے زیادہ وہ خزانہ بڑھیا نہیں چادر ہی، ویسے بھی اس لڑکے کو دیکھو گی تو انس کو بھول جاؤ گی۔ انس سے وجہ ہمارا پیڑنم ہے وہ۔“ منال خاموش رہی تھی۔

”اس کی ماں کو شیشے میں اتار رہی ہوں دماں قابو میں آگئی تو سمجھو بیٹا تو از خود ہی منشی میں آ جائے گا۔“

و خوب صورت پھولوں کا بو کے اور فروٹ کی ٹوکری اٹھا کر روم سے نکل گئی تھیں۔ مثال کے چہرے پر مجرد سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

”کیا کوئی اس ستم گر، جانش اور مفرد شخص کی طرح ہینڈ سم، اسمارٹ، کیئرنگ، لوگ، چارمنگ ہو سکتا ہے؟“ آنکھیں بند کر کے وہ پھر سوچوں و تصورات کے حسین و فزیب جنگل میں کھو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

بے حد کبر آلود شام تھی۔

تاجدار نگاہ سرمئی و صند کی ویز چادر پھیلی نظر آ رہی تھی۔ حزرہ ہاتھ میں پکڑے کافی سگ پر نکلا ہیں بجائے بیٹھاگ کی اوپری سطح سے نکلنے دھوئیں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں دھوئیں پر مرکوز تھیں اور ذہن میں کرن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ کچھ لمبے قبل ہی تو فون کیا تھا اُس نے اور کسی خواہش کی تھی جس نے اس پر ایک دباؤ، ایک بوجھ لا دیا تھا۔

”کیسی آرزو دہنی انتہی؟“

”کیسی تمنا تھی جان بوا!“

وہ شادی کر کے اپنی دنیا بسا لے اور ماں باپ کی خدمت کر کے آخرت سنوارے، یہی اس کی خواہش تھی یہی تمنا اور ایسا بھی دور دوری تھی۔

بے تحاشہ، بے ربط۔

اُس کا ہر آنسو اسے اپنے دل پر مگر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اقرار نہ کر سکا تو انکار بھی نہ کر سکا اور وہ ہمیشہ کی طرح اپنی ہی منوائگی، اپنی قسم دے کر۔ اس کی قسم جو جان سے بڑھ کر عزیز ہے جس کی خاطر وہ سولی پر لٹک سکتا ہے، سانس لینا چھوڑ سکتا ہے، یہ جہاں چھوڑ سکتا ہے مگر۔۔۔ قسم نہیں توڑ سکتا۔

”میرے بھائی یہ کافی کامگ ہے، کوئی جادو کی چراغ نہیں جن کو تم اسے غور سے دیکھ رہے ہو، گویا اس میں سے ابھی کوئی جن برآمد ہوگا اور ہاتھ باندھ کر کہے گا، کیا حکم ہے میرے آقا۔“ صدا اندر آ کر اس سے مخاطب ہوا جس کے لبوں پر مجرد سی مسکراہٹ ابھری۔

”ویسے آپس کی بات ہے، اگر قسمت سے کوئی جن مل جائے تو کیا خواہش بتاؤ گے؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے کہنے لگا۔

”خواہش..... اب کیا خواہش ہے کچھ نہیں۔“

”کچھ تو یار! وہ کیا شعر ہے۔“

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

بہت نکلے میرے ارماں مگر پھر بھی کم نکلے

"نہیں..... نہ مجھے کوئی جن چاہئے نہ کوئی خواہش"۔ وہ کافی کانگ ہونٹوں سے لگا کر سپاٹ انداز میں گویا ہوا تھا۔ اُس کے انداز پر صدمہ دیکھتا رہ گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو اس طرح سے؟"

"تم کب اپنے جوگ کو ٹھوکر مارو گے، ایک تمہاری وجہ سے سب کس قدر ڈسٹرب ہیں، تمہیں احساس ہی نہیں پایا افسردہ رہنے لگے ہیں۔ می ہاسٹل تیز ہیں۔ بچاؤں کی فیملیز کس ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ تمہیں کسی سے کوئی غرض، کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک ناکام محبت کا انتقام تم کس کس سے لو گے؟ ہر جنون کی، ہر نفرت کی کوئی حد ہوتی ہے، تم نے سب کو چھوڑ دیا ہے، حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی دشمنی کر لی، کیا محبت اتنی خود غرض و بے حس بنا دیتی ہے؟"

"کبھی نہ کبھی تمہیں بھی کسی سے محبت ہوگی پھر تمہیں خود ہی ان سوالوں کا جواب مل جائے گا، رہا سوال پایا کی افسردگی کا تو نمبر کی سزا ہر سزا سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ وہ اپنے کل پریشیاں ہیں، می ہاسٹل میری وجہ سے نہیں اپنی لاڈلی چیزیں، بہنوں کی مفاد پرستی، بے حس کے باعث مٹی ہیں۔ صدمہ بہنوں کی وجہ سے انہیں پہنچا جن بہنوں کی خاطر وہ سسرال والوں کو دشمن سمجھتی رہیں، وہ آج اُن کی دشمن ہیں۔ محض اس لیے کہ ان کی بیٹی می کی بہو نہ بن سکے گی، یہ ہے سسے رشتوں کی حقیقت اور بچاؤں کی فیملیز اپنا کیا بھگت رہی ہیں۔ اُن کے لڑکے بُری صحبتوں میں پڑ گئے، بیٹیوں نے کورٹ میر جڑ کر لیں یا اپنی من مانی کرتے ہیں، اُن کی عزت نہیں کرتے۔ اُنہیں نہیں سمجھتے تو یہ سب مل کے اپنے اعمال ہیں جو سیاسی بن کر ان کی عزتوں پر چھا گئے ہیں اور میں ماسوائے افسوس کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں، تم ہر بار مجھے کیوں ٹیز کرتے ہو گویا جو کچھ ہو رہا ہے اُس کا ذمہ دار میں ہوں۔" وہ خاصی غلغلے سے گویا ہوا تھا۔

"تم میں اب سچ سننے کا حوصلہ بھی نہیں رہا ہے، ذرا بات تمہارے موڈ کے خلاف، ہوئی اور تم نے اسی طرح بد مزاجی اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ دکھانا شروع کیا۔" جواباً صدمہ بھی اسی انداز میں بولا تھا۔

"صدمہ! مت ڈسٹرب کرو، میں پہلے ہی آپ سیٹ ہوں۔" وہ پیشانی ہاتھ سے رگڑتے ہوئے پریشان لہجے میں بولا۔

"کیا ہوا؟" صدمہ کے لہجے میں ایک دم ہمدردی و تیار در آیا۔

"کرن کی کال آئی تھی کچھ دیر قبل۔"

"اچھا خیریت سے تو ہے وہ؟" صدمہ دانستہ لگا ہیں چہا کر گویا ہوا۔

"ہاں۔" حزرہ نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"اُس کو معلوم ہے میں اُس کی کوئی خواہش رو نہیں کر سکتا، اگر کرنا چاہوں تو تب بھی نہیں، اُس کا انداز سدا سے ایسا ہی ہوتا ہے کہ میں "نہ" کر ہی نہیں سکتا۔ کاش وہ ایسی فرمائش کرنے کے بجائے میری جان مانگ لیتی اور میں خوشی خوشی اپنی زندگی اُس پر بچھاؤ کر دیتا، پھر خواہش کی بھی تو ایسی جس کی اب میری زندگی میں ضرورت نہیں ہے۔"

”کیا کہا کرن نے؟“ کون سی خواہش پوری کروانا چاہتی ہے؟“
 ”وہ چاہتی ہے میں شادی کر لوں۔“ حمزہ نے تیزی سے پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔
 ”جب تمہیں نہیں کرنی تو چھوڑ دو، کیوں نہیں ہو رہے ہو۔“
 ”اُس نے مجھے اپنی قسم دی ہے۔“

”تو پھر۔۔۔ کیا ارادہ ہے؟“ صمد کے دل میں اُس کی اضطرابی کیفیت دروین کراتے لگی۔ اس دور میں تو محبت اپنی سچائی و اپنی خوب صورتی کو بھٹکی ہے، محض ٹائم پاسنگ باہی بن چکی ہے۔ اُس کے بھائی نے کسی بھی دکھری صدیوں پر اپنی محبت کی ہے جس کا حاصل درود جدائی ہے صرف۔

”سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔ میں یہاں سے جا رہا تھا ہیضہ کے لیے کراہ یہاں رہوں یا کہیں اور سب جگہ میرے لیے اجنبی دیران ہے۔ یہاں رہتا تو مجھے ہر وقت شادی کرنے پر راضی کرتی رہتیں اور جو کام میں کرنا نہیں چاہتا اُس کے لیے کیسے راضی ہو جاتا۔ شادی ایک مقدس رشتہ ہے جو وفا اور خوشیوں سے قبول کیا جاتا ہے کوئی نہ ہے کی ذنجیر نہیں جو جبراً گلے میں ڈال کر بے بسی کے کونے سے باندھ دو۔“

”پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟“ صمد اسے شدید دینی گفتگو سے نکالنا چاہتا تھا۔

”فیصلہ ہو گیا مجھے وہی کرنا ہے جو وہ کہے گی، میں اُس کی مرضی کے خلاف نہیں سوچ سکتا ہوں، کسی آن ویکسی ڈور سے بندھا ہوں اُس ڈور کی گانٹھ اتنی مضبوط ہے کہ کھولنا بھی چاہوں تو نہیں کھول سکتا، کاٹنا چاہوں بھی تو نہیں کاٹ سکتا۔“ آنسو بے آواز اُس کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

ناقہ برہان لغاری کی دوست و گھر پر حکمرانی کے ارادے سے آئی تھی۔ ان کی یہ خواہش تب سے تھی جب وہ اس گھر میں ولہی بن کر آئی تھیں مگر حیر و طرہ سیاسی ذہن رکھنے والی ساس کے سامنے ان کی وال نہ گل سکی تھی۔ شوہر کے دل پر حکمرانی کرنے کے باوجود وہ ان کے کل نما گھر پر حکمرانی نہ کر سکی تھیں اور پھر اپنی نازیبا حرکتوں کے باعث اس گھر سے بالکل نکل جانے پر مجبور ہو گئی تھیں، تب وہ صمد و ذہن و کمزور سوچ رکھنے والی عورت تھیں اور اب گھاٹ گھاٹ کا پانی پنی کر، طرح طرح کے لوگوں سے مل کر بہت کچھ سیکھ چکی تھیں، چالاکی و مکاری، فہم و فراست میں وہ والدہ حضور سے چار قدم آگے تھیں۔ وہ فوٹل پردف پلاننگ لے کر پاکستان آئی تھیں، پہلا مرحلہ ان کا برہان لغاری تک رسائی تھی جو نقدیر سے انہیں پہلے مرحلے میں ہی مل گئی اور انہوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بنا اپنا کام کیا اور وہ جوان کی آواز تک سننے کے دروازہ نہ تھے، ان کی قربت میں ایسے سوہن گئے کہ جن کو اپنی مرضی سے وہ چھپ دے سکتی تھیں اور انہوں نے وے دیا تھا۔

دوسرا مرحلہ والدہ حضور کی حکمرانی اور ان کے اور برہان کے درمیان ہونے والی گفتگو جانا تھا، ایسے کاموں کے لیے ملازموں سے

بڑھ کر جاسوس کون ہو سکتا ہے۔ لالچ سے یا دھمکی سے ملازم ایسے کام کر دیتے ہیں اور انہیں بھی پیری نام کی ملازمت مل گئی جو ہر بات انہیں بتا دیا کرتی تھی۔ کل ہونے والی گفتگو بھی انہیں معلوم ہو چکی تھی جسے سن کر وہ ڈنکی ناگن کی کیفیت کا فکاڑہیں دودن سے از خود برہان لغاری سے نہ ملی تھیں اور نہ ہی کوئی کال اینڈ کی تھی۔

ان دونوں میں برہان لغاری نے سینکڑوں بار کانٹری تھیں۔ کئی بار کارے کر آئے۔ اُن سے ملے مگر وہ سامنے نہ آئیں، وہ اُن کی بہ قرار یوں کو بڑھادی تھیں، اُن کی برواشت کو کمزور کر دی تھیں تاکہ جلد سے جلد اپنا مقصد حاصل کریں۔ بڑھاپے کا مشق جوانی کے مشق سے زیادہ باؤلا کر دیتے والا ہوتا ہے۔ تیسرے دن صبح سویرے دواں کے سامنے تھے دو مگر کون حالات میں۔

”کیا غلطی ہوئی ہے مجھ سے؟ کیوں اتنا تڑپا رہی ہو؟“

”میرے اور آپ کے راستے الگ ہیں برہان! ہمارا ساتھ چلنا فضول ہے۔“ وہ ایک ادا سے بھرپور انگڑائی لیتی ہوئی پولیس۔

”میں مثال کو لے کر واپس جا رہی ہوں۔“

”دہات! کیوں۔۔۔ کیوں جا رہی ہو؟“ دو قریب آ کر انتظار کرنے لگے۔

”مجھے جانتی ہوگا، بھناکس کے لیے رکوں گی یہاں؟ کون ہے میرا بیٹا؟“ انہوں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”یہ۔۔۔ کیا بات ہوئی؟ میں ہوں یہاں، میرے لیے رکو۔“

”کس رشتے سے؟ کس حیثیت سے؟“ دواُن کی طرف دیکھ کر پولیس اور برہان کچھ کہہ نہ سکے۔ شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔

”خاموش کیوں ہیں۔۔۔ جواب دیں! اپنی نام کی باتوں میں آ کر آپ پہلے ہی مجھ سے تعلق توڑ چکے ہیں پھر کس تعلق سے روک

رہے ہیں۔“

”نونا ہوا تعلق جڑ بھی سکتا ہے۔ ان کا لہجہ جذباتی تھا۔

”پھر توڑنے کے لیے؟“ فائدہ خیر کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

”ایسے مت کہو فائدہ اب یہ تعلق مر کر ہی ٹوٹے گا۔“

”اس عمر میں۔۔۔ یہ سب سوٹ کرے گا؟“ وہ میٹرے بدل رہی تھیں۔

”محبت سدا جوان رہتی ہے اس کی عمر کبھی نہیں ڈھلتی۔“

”میں برہان! میں تم پر کنفیڈنس نہیں کرتی، مانیٹرائٹ۔ کل بھی تم ایک ایسے بچے کی مانند تھے جو ماں کی انگلی پکڑ کر چلنے کا عادی

ہو، ماں کی آنکھوں سے دیکھنے کا، ماں کے کانوں سے سننے کا اور ماں کے ہی ذہن سے فیصلے کرنے کا عادی ہو، تم میں اتنے سال گزارنے

کے باوجود مینج نہیں آیا۔“

”والدہ حضور میری جنت ہیں، اُن کی حکم عدولی میں نہیں کر سکتا مگر۔۔۔“

”ٹھیک ہے پھر کیوں روک رہے ہو؟“ ان کا سو ذہنی طرح بگڑا۔

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

”میں بھی تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی برہان! لیکن نہیں چاہتی کہ پہلے کی طرح ہم مل کر پھنجر جائیں اور ہماری محبت.....“

”اب ایسا نہیں ہو گا ڈارلنگ! آئی پر اس یو۔ وہ ان کی بے باک قربت میں ٹککنے لگے تھے۔ ذقنہ کو اس کی تشنگی کا احساس ہوا

تھا اور وہ ابھی ان کی تشنگی حد سے بڑھا چکا تھا جتنی تھیں تاکہ وہ اس لمحہ پر پہنچ جائیں جو وہ اپنا مضبوط ترین مقصد حاصل کرنے کی تک و دو میں لگی ہوئی ہیں۔ وہ حاصل ہو جائے اور وہ اصل حکمران بن جائیں جو ان کا بڑا خواب تھا۔

”پلیز برہان! وہ ان کی گرفت سے پکینی چھلی کی طرح نکلی تھیں۔

”دور کیوں جا رہی ہو، فاصلے اجنبیت کا پتہ دیتے ہیں۔“ وہ تپ کر بولے۔

”ہاں..... ابھی دم اجنبی ہیں۔“ وہ ایک ادا سے مسکرائیں۔

”یہ کیا مذاق ہے۔“ وہ سخت بے زار ہوئے۔

”سمندر سامنے ہو تو تشنگی مزید بڑھ جاتی ہے۔ میری تشنگی آرزو دن کو کچھ تو قرار دو۔“ ان کے انداز پر وہ کھٹکھٹا کر ہنس پڑی تھیں۔

”اوہ گاڈ! تم شاعری کرنے لگے۔“

”ہوں..... عشق اور شاعری کا چو لی وامن کا ساتھ ہے۔ اچھا عاشق اچھا شاعر ہوتا ہے اور نا کام عاشق بہترین شاعر۔“

”اوکے..... میں جا رہی ہوں۔ مجھے تیار ہو کر اسپتال جانا ہے، منال ویت کر رہی ہوگی۔“ وہ ایک دم جھلت میں آگے بڑھی تھی

اور برہان لغاری کے رومانٹک سوڈ پر یلغنت سختی در آئی تھی۔

”آپ کتنے کنور ہیں، دنا سے ملنے آئے نہ سیل پر طبیعت پوچھی۔ وہ بہت مس کرتی ہے آپ کو۔“ پیار و محبت کی لہا میں احتیاط اور

آئی تھی۔

”مجھے پروا نہیں۔“

”پلیز..... ایسے نہ کہیں وہ ان بچور ہے۔“

”بچور فی اس میں کب آئے گی؟ تماشا بنا کر رکھ دیا ہے میرا۔“

”آجائے گی، آپ ڈپریشنڈ نہ ہوں۔“ وہ ذک لگی تھیں۔

”منال کو آپ ابھی تک معاف نہ کر سکے ہیں مگر ان کو بھول گئے جو اصل فساد کی جڑ ہیں۔ وہ آپ کو برباد کر کے میٹ کر رہے ہیں

اور آپ۔“

”کس نے کہا، میں بھول گیا ہوں ان کو اور اپنی بربادی کو یا ان کو معاف کر چکا ہوں۔“ ان کے انداز میں سخت برہی در آئی تھی۔

”پھر اسے ہنسنے لگا اور جانے کے باوجود آپ کی خاموشی کیا معنی رکھتی ہے؟“

”یہ دو خاموشی نہیں ہے ڈیر جو سب کچھ فراموش کر کے چھاتی ہے بلکہ یہ دو خاموشی ہے جو ہر بڑے طوفان کے آنے سے پہلے چھاتی ہے۔“ ان کے چہرے پر سرد مسکراہٹ درآئی، ہند اسراریت تھی۔

”میں بھی یہی چاہتی ہوں، انہیں معاف نہ کیا جائے۔“

☆.....☆.....☆

اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا، تاجہ نگاہ برف ہی برف پھیلی ہوئی تھی۔ خاصے فاصلوں پر سبز کا لچر برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ درخت جن کی عریاں شاخیں چھتری نما گولائی میں پھیلی ہوئی تھیں جو موسم بہار میں پھولوں، پتوں، پھلوں سے لدھے جھکے کھڑے ہوتے ہوں گے۔ اس وقت ان عریاں درختوں پر برف مری ہوئی تھی اور محسوس ہو رہا تھا۔ ہزاروں ٹیوب لائٹس ان پر روشن ہیں۔ رات سے برف وقفے وقفے سے گر رہی تھی۔

روم میں بیٹراں تھا، مگر اسے لگ رہا تھا، باہر گر کر برف کی ٹھنڈک اس کے اندر اتر رہی ہے۔ اس کے اندر سرد بریلا پھیلا جا رہا ہو، وہ کھڑکی کے شیشے سے چہرہ نگاہیں خالی نگاہوں سے باہر برف کو دیکھ رہی تھی۔ جب سے مگر کافون آیا تھا۔

اس کے اندر نا معلوم اُداسی پھیل گئی تھی جو اسے بے کل کیے ہوئے تھی۔ انٹرنیٹ پر بے خبر سو رہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔ بچپن گم ہو گیا تھا۔ لاکھ دو سو چوں کا ایک جہاں اس میں آباد ہو چکا تھا۔

حزہ کا اور اس کا ساتھ بہت گہرا تھا۔ بچپن سے جوانی تک وہ اس کے ہم قدم رہی تھی، کارِ غ وقت دو تمام ان کے ساتھ گزرتا تھا جس میں زیادہ تر وہ لڑکی جھگڑتی رہتی اور وہ اس کی ہر کڑوی بات پر مسکراتا رہتا۔ مگر کوئی بھگتا رہتا۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود اس کے انداز میں کوئی ایسی بات سامنے نہ آئی تھی جس سے محسوس کیا جاتا کہ وہ اس حد تک جا چکا ہے۔

”اس وقت تم سنجیدگی سے اپنے دل کا راز مجھ پر عیاں کر دیتے تو میں بہت آسانی سے تمہیں سمجھا سکتی تھی کہ جو خواب تم دیکھ رہے ہو اس کی تعبیر تمہیں کبھی نہیں مل سکتی۔ یہ نا ممکن کبھی ممکن نہیں بن سکتا تھا۔ ممانی جان کا رویہ سب سے زیادہ نا پسندیدہ و نفرت سے لبریز تھا۔ ان کی شبہ پر ہی وہ دنوں ممانوں اور ان کے بچوں نے بھی ہم ماں دہی سے نفرت کرنا سیکھی تھی۔ ہمارے حصے میں جتنی بھی نفرتیں، حقارتیں، تذلیل آئی وہ سب بڑی ممانی کے طفیل آئیں، انہوں نے کبھی مجھے انسان ہی نہ سمجھا تو اتنا قریبی و نازکہ دشمن کس طرح قائم کر تیں اور سچ تو یہ ہے۔“

اس نے گہری سانس لی۔

”میں ایسا ہونے نہیں دیتی حزہ! میں نے تمہیں ایک دوست اور کزن کی حیثیت سے سمجھا ہے، میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں، نہ ہوتا شاید اس لیے کہ میرے نصیب میں انس کی محبت تھی، انس کی چاہت تھی، میں انس کے ساتھ خوش ہوں۔ اس کا اور میرا تعلق ڈرامائی انداز سے جزا۔ ہمارا رشتہ پہلے ایک کپڑا تھا۔ اپنے نارگٹ کو اچھو کرنے کے لیے ہمارا دشمن ایک تھا، ہر بان لٹاری۔۔۔ جو باپ تو

بن گیا مگر اپنے اعمرباب جیسی شفقت و محبت نہ پیدا کر سکا، مگر ہمیں ملانے کا سہرا اس کے سر پر ہے۔ مجھے نصیب سے بہت شکوہ رہا تھا لیکن نصیب نے میرا بندھن اس سے جوڑ کر میرے تمام شکوے و محرومیوں کا ازالہ کر ڈالا ہے۔

دنیا کی تمام آسائشات میرے قدموں میں ڈھیر ہیں۔ تمام خوشیاں میرے آنکھل میں بندھی ہیں۔ میں آج خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی سمجھتی ہوں۔ مجھے وہ سب ملا جس کا ارمان لے کر لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن کچھ دن قبل صدمہ کی کال نے جس راز کا انکشاف کیا، اس نے مجھے منطرب کر ڈالا ہے۔ میرا دل رو رہا ہے، جزو کی حالت پر۔ میں ڈکھی ہوں اس احساس سے بھی کہ جزو جیسے ظلم و ہمدرد شخص کو ہم نے ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے۔ اب میں کبھی اس سے مل نہیں پاؤں گی۔ کبھی نگاہ نہ ملا پاؤں گی، میرے دل میں آباد ایک دوست، ایک خیر خواہ کا تصور مٹ چکا ہے اور اس نئے تصور کے لیے کوئی متبادل نہیں ہے، پھر بھی میں نے جزو کو اپنی قسم دے کر کہا کہ وہ شادی کرے اور ماں باپ کی خدمت کرے۔ اس طرح وہ ان کے درمیان رہ سکتا ہے۔ مجھے صدمہ کے وعدے کا بھی پاس رکھنا ہے اور جزو کی محبت کا بھی، جس کو اس نے چھپایا۔ مجھ سے اور میں اپنے اور اس رشتے کے تقدس کی خاطر اس کو پوشیدہ ہی رکھوں گی بلکہ اب اس سے رابطہ ہی نہیں رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جزو جلد شادی کر کے وہیں رہے گا، آخر میں نے بہت بڑی قسم دی ہے کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میری مری ہوئی صورت دیکھئے گا۔

"کیا سوچا جا رہا ہے کجی گہرائی سے؟" وہ سوچوں میں اتنی گم تھی کہ اس کے بیدار ہونے کو نوٹ ہی نہ کر سکی۔

"آپ کب جا گے، میں محسوس ہی نہ کر سکی۔" وہ مسکراتی ہوئی بیڈ کے قریب پڑی چیز پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیا بات ہے کرن! میں محسوس کر رہا ہوں بچپنے کچھ دنوں سے آپ سیٹ ہو۔ کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے شیئر کریں، میں چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان صرف میاں بیوی کا ہی نہیں، دوستی کا بھی رشتہ ہو کہ ہم ایک دوسرے سے اپنی پرابلمز شیئر کر سکیں۔ بلا کسی جھجک و خوف کے۔" وہ بیڈ پر کروٹ سے لیٹا، اس سے مخاطب تھا۔ کرن خود کی منہبوط و پائیدار سہارے کی تلاش میں تھی۔ فوراً ہی اس کو وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

"تھینکس کرن! تم نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے مستحضر کر دیا ہے۔ آج فخر ہے مجھے اپنے انتخاب، اپنی چوائس پر، ایک بات بتاؤں تمہیں؟" اس کا انداز اصرار لیے ہوئے تھے۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

"جی۔"

"مجھے یہ سب پہلے سے معلوم ہے۔" وہ نہ سکون انداز میں بولا۔

"آپ..... آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔"

"تمہاری ماما کی ڈیجھ کی خبر جب جزو کو ہوئی تو وہ سخت جذباتی ہو گیا تھا۔ اس وقت غصے میں وہ سب اس کے منہ سے نکل گیا جو دل میں تھا، لیکن اس وقت تم بھی دکھ و صدمہ کی اس کڑی آزمائش سے گزر رہی تھیں کہ جزو کی طرح تم بھی ان باتوں کو سوچنے سمجھنے سے

تاصر رہی تھیں۔ دونوں ہی سوچنے و سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم تھے۔ میں اوپر ٹیرس پر کمز اسب بن رہا تھا۔

”آپ نے پھر بھی مجھ سے شادی کی۔“ وہ کسی خیال سے ہم کر بول اٹھی۔

”کیونکہ میں جانتا تھا حذرہ کا جذبہ اس کی محبت کی طرف ہے اور یہ کہ طرف محبت پائیدار نہیں ہوتی، تم اس سے شادی نہیں کرتیں، اس گھر

میں بہو بن کر نہیں جاتیں جس گھر کے دروازے تم پر بند ہو چکے تھے۔“ اس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ کرن بے اختیار رو نے لگی تھی۔

”ارے یہ آنسو کیوں؟ کیا ہوا؟“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”آپ بہت فراخ دل ہیں، بہت اچھے، اگر آپ کی جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو قطعے مار مار کر زندگی جہنم بنا ڈالتا۔ ہمارے معاشرے

میں یہی ہوتا ہے، قصور وار لڑکی ہو یا نہیں ہو، دولت و غاری اسی کے حصے میں آتی ہے۔“

”میں ایسے مردوں کو مرد نہیں سمجھتا جو عورتوں کی خطا معاف نہیں کرتے۔ خود خواہ کتنی غلاقت میں گر جائیں پھر تم کو بالکل بے قصور

دے بے خطا ہو بلکہ بہت اعلیٰ ظرف و درگزر کی صفات رکھنے والی، جو مجھ جیسے شخص کے ساتھ بھی خوشی زندگی گزار رہی ہو جس کا ماضی گرد آلود

ہے۔“ اس کے لہجے میں اس کے لیے حقیقی ستائش تھی۔

”پلیز، مجھے شرمندہ مت کریں۔“ وہ مکمل انہی تھی۔

☆.....☆.....☆

فائیتہ بیگم کی سحر انگیز شخصیت، دل آویز آوازوں کی بجلیاں اور بے فریب چالیں رنگ لے آئی تھیں۔ ایک ہفتے کے داؤبچ میں ہی

برہان لغاری حوصلہ ہار بیٹھے تھے اور ان کی ڈیماڈ پوری کر کے ان سے کورٹ میرج کر چکے تھے۔

فائیتہ کو دو بار وہ پا کر وہ بے حد مسرور تھے۔

ابھی انہوں نے اپنی شادی کو پوشیدہ رکھا تھا۔ دو دن انہوں نے اپنے پرائیویٹ جٹ میں ان کے سنگ گزارے تھے، پھر دونوں

ہی اجنبیوں کی طرح الگ ہو گئے تھے۔ فائیتہ اسپتال چلی آئی تھیں۔

”بہت کیوٹ لگ رہی ہیں ماما! مبارک ہو۔“ سیاہ و گلابی چندر دیک کی ساڑھی میں بیچنگ جیولری دلائٹ میک اپ میں وہ حسین

لگ رہی تھیں۔

”جھینکس مائی ڈیرا“ انہوں نے اس کا رخسار چومتے ہوئے کہا۔

”ڈیڈی خوش ہیں آپ کو پا کر؟“ منال دلچسپی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”آف کورس ڈارلنگ۔“ وہ مسرت سے کلکھلائی تھیں۔

”کیا گفٹ کیا ڈیڈی نے؟“

”ہوں..... سب بتا دوں؟“

”نہیں صرف گنٹ دکھا دیں۔“

”ڈاکٹر کا جیولری سیٹ ہے، میں احتیاطاً لا کر میں رکھا آئی ہوں، مگر چلو کی تو دکھاؤں گی۔“ دو صوفے پر بیٹھتے ہوئے پولیس۔

”مگر یزد رکا کیا حال ہوگا جب انہیں یہ خوش خبری ملے گی؟“

”نہ احوال ہوگا بلکہ بدحیث کے بُرے دن شروع ہونے والے ہیں۔ ایک ایک بات کا حساب نہ لیا تو فائدہ نام نہیں میرا، بہت حکمرانی کر لی بدحیث نے۔ اب ہمارا دور آیا ہے۔“ فائدہ غرور سے گردن اُکڑا کر بول رہی تھیں۔

”میں آپ کے ساتھ ہوں مئی اچھے بھی بہت تنگ کیا ہے اس اولاد و من نے، آپ کے حوالے سے ایسے ایسے طعنے دیتی تھیں، میرا ہاں رہنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ڈیڈی بھی ان کا ساتھ دیتے تھے۔“

”لگتے ہیں کہ وہاں حساب لیا جائے گا۔“ دو اکر کر بولیں۔

یہاں سے ڈسپارچ کب ہوں گی۔ میرا دل گھبرا گیا ہے یہاں سے۔“ منال باتھ میں بندھی ڈریسنگ دیکھتے ہوئے بولی۔

”پہلے طبیعت تو ٹھیک ہونے دو پھر یہاں کیا پریشانی ہے تمہیں، بالکل مگر جیسی آسانیاں میسر ہیں وہ ہسپتال ہوتے ہوئے بھی الوارڈ ہسپتال کی طرح نہیں ہے، پھر فوٹیشن بہت کو ایفائیڈ ہیں۔ ایک ماہ میں ہی بیسٹ ٹریٹمنٹ کی ہے آپ کی فوٹیکلی اور میٹیکلی بھی۔ میں بہت بُرا امید ہوں۔“

”میں جلد یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔“

”اوکے میں ڈاکٹر سے پرمیشن لوں گی۔ ابھی ڈاکٹر کے آنے میں تاخیر ہے۔ میں اتنے میں آپ کی ممکنہ ماس سے کپ شپ کر کے آتی ہوں۔“

”مما! آپ اس قدر بُرا امید کیوں ہیں؟“ اس دفعہ وہ غصے کی بجائے ہنس کر دریافت کر رہی تھی اور یہ شہوت تھا اس بات کا کہ وہ تیزی سے اس ڈپریشن سے نکل رہی ہے جس میں میٹیکلی طور پر ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

”ان کی بیماری وراثت کی ہے کہ ان کا ریتا شادی کے لیے راضی نہیں ہو رہا اور وہ چاہتی ہیں جلد از جلد ان کے گھر میں بہو آجائے۔ میں نے تمہاری اتنی تعریفیں ان سے کی ہیں، دو ہٹا دیکھے ہی آپ پر فریفتہ ہو گئی ہیں۔ بہت چاہتی ہیں تم سے ملنا۔ بہت آرزو ہے آپ کو دیکھنے کی۔“ وہ ہنسی تھی۔

”میں آپ کی ذہنی حالت سے مطمئن نہیں تھی۔ اس لیے کئی بجائے بنا کر باقی رہی ہوں، مگر آج آپ کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی ہوں۔ بہت جلدی ملواؤں گی بیگم عامم سے۔“ وہ فردوس کی نوکری اور تازہ پھولوں کا بکس افحار کر روم سے نکل گئیں۔ منال ان کی کوششوں پر مسکرا اٹھی تھیں۔

☆---☆---☆

سعد، فارہ، اُس کے چڑواں بچے، مائی سیکند، گرینی اور مدثر صاحب ایئر پورٹ جانے کے لیے تیار تھے۔ مدثر صاحب وودن قفل انہیں لینے کے لیے نیو یارک سے آئے تھے۔ گرینی کی دبی خدمتی وہ کسی طرح اپنا وطن چھوڑ کر جانے کو تیار نہ تھیں۔ اُن کا کہنا تھا میں ان شہیدوں کی ریحوں کو کیا جواب دوں گی جو اس وطن کی خاطر شہید ہوئے، اس مٹی کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جاؤں گی۔

سعد اور فارہ یہ نہیں مانتی تھیں کہ میں ہاکام ہو گئے تھے۔ سو انہیں آنا پڑا آنا تو اُنس چاہتا تھا مگر احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مدثر صاحب خود آئے تھے اور وہاں سے اُنس اور کرن یہاں سے ان سب نے مل کر اُن پر وہاؤڈالا تو وہ بے دل سے راضی ہوئی تھیں۔

للائیٹ میں ابھی کئی گھنٹے تھے۔ فارہ اور سعد کسی عزیز سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ مائی سیکند سعد کے بچوں کو دوسرے کمرے میں سلا رہی تھی۔ مدثر صاحب گرینی کے پاس بیٹھے کرن کی باتیں کر رہے تھے۔

”امی جان! کرن نے ان چند ہفتوں میں ہی اتنی خدمت کی ہے، اتنا یاد دیا ہے، بٹی کی چاہ پوری ہو گئی ہے، بہت خیال رکھتی ہے۔“

”بہت نیک اور فرمانبردار بچی ہے، مجھے اُس سے بھی اُمید تھی۔ اُنس کا تاؤ وہ کیا ہے، کرن کے ساتھ اس کا رویہ ٹھیک تو ہے؟“

”یہ آپ نے اُس سے نہیں معلوم کیا؟“ وہ مسکرائے۔

”کیا تھا معلوم، بلکہ دونوں سے کیا تھا، بچوں سے دونوں ہی خوش نظر رہے تھے، مگر پھر بھی کبھی کبھی مجھے اُنس کی طرف سے غم ہوتی ہے کہ نہ معلوم وہ کب بدل جائے؟ تب وہ کرن سے اُکتا جائے۔“

”ارے نہیں امی جان! آپ لگومت کیا کریں، اُنس مثال کو بھول چکا ہے۔ کرن جیسی باوقار، سمجھ دار، سمجھ اور حسین بیوی پا کر وہ اسے کیوں یاد رکھے گا اور ایک بات قدرت کی یہ بھی ہے کہ کرن بٹی مثال سے اس قدر مشابہ ہے کہ شاید ہی بھولے بھٹکے اسے مثال کا خیال بھی آتا قراب نہ آئے گا۔“ اُن کے انداز میں طمانیت تھی بے حد۔

”ہاں یہ تو ہے عجیب بات ہے۔ باپ ایک ہے مگر دو ماؤں سے جنم لینے والی دونوں لڑکیاں چہرے، قد کاٹھا ایک جیسے رکھتی ہیں۔“

”ماؤں کی تربیت اُن کے مزاج اور کردار میں آگئی ہے۔ ایک ہیرا تو ایک پتھر۔“

”شکر ہے اللہ، ہمارے نصیب میں ہیرا آ گیا ہے۔“

”ہاں۔ اس کے لیے ممتا شکر کیا جائے کم ہے۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے ایئر پورٹ جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ سعد اور فارہ آپکے تھے۔ وہ سب گاڑی میں بیٹھ کر ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

گرینی پہلی بار اپنی مٹی سے جدا ہو رہی تھیں۔ اُن پر رقت طاری تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ سب بھی اداس و اندر ہو گئے تھے۔ مائی سیکند بھی چپکے چپکے اپنے آنسو چادر کے پلو سے پونچھ رہی تھی۔ اس کی حالت بھی گرینی جیسی تھی۔ جتنا ضبط کر رہی تھی، آنسو اتنے ہی بے قابو ہو رہے تھے۔

رات خامی سر تھی۔

ہلکی ہلکی گھبراہٹ میں لیا ہوا تھا۔ سرگرمیوں پر ٹریک خاصا کم تھا، البتہ بیوی لوڈ ٹرک اور ٹرلرز بہت تھے۔ سب کے ردوں بچے سو رہے تھے۔ ایک فاریہ کی گود میں اور دوسرا مائی سیکینہ کی گود میں تھا۔ سب خاموش تھے۔ عجیب بڑے ہول خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فاریہ کو عجیب سی گھبراہٹ ہوتے لگی۔ اس نے متحش ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ گاڑی ہل سے گزر رہی تھی۔ ٹریک زیادہ نہ تھی۔ فرنٹ سیٹ پر سب بیٹھا تھا۔ ڈرائیور گاڑی زرا تیز کر رہا تھا۔ پچھلی سیٹوں میں وہ اور مائی سیکینہ بیٹھی تھیں اور سامنے کی سیٹ پر بڈا صاحب اور گرینی، دو ماں بیٹے فٹو کی کا شکار ہو گئے تھے۔ اس نے برابر میں بیٹھی مائی سیکینہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بھی کچھ بے چینی واضطراب کی کیفیت ہو رہی تھی اور پھر قہر اس کے کہ وہ کچھ بکھتے پیچھے آنے والے مال بردار ٹرک نے ایک دم ہی اسپید بکڑی تھی اور پوری رفتار سے گاڑی سے ٹکرا گیا تھا۔

فنا میں یقینت ہونے والے دھماکے کی زوردار آواز میں انسانی چیخیں دب کر رہ گئی تھیں۔

ٹکرائی شدہ تھی کہ گاڑی بے قابو ہو کر جھٹکے سے ٹکرائی اور ٹوٹی ریٹنگ سمیت بچے گر کر چلی گئی۔



"سسر بھائی! آپ کیا روز روز کچھ نہ کچھ اٹھائے چلی آتی ہیں۔ آپ کی آمد ہی میرے لیے ہر گز سے بڑھ کر ہے۔" روحیلہ بیگم نے فائدہ کو دیکھ کر کہا، جو پھول اور ڈرائی فرس کے ٹکٹس لے کر آئی تھیں۔

"کیوں شرمندہ کر رہی ہیں سسر عاصم، یہ کوئی ٹکٹس نہیں ہیں۔ میری محبت ہے جو میں منال کے لیے لاتی ہوں، وہ آپ کے لیے بھی لاتی ہوں، منال کی طرح عزیز ہو گئی ہیں آپ مجھے۔" محبت بھرے لہجے میں کہتی ہوئی وہ جیسے پرہیزگار لگیں۔

"آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے سسر لاداری، سوچتی ہوں ڈیپارچ ہو کر گھر جاؤں گی تو کس قدر یاد آئیں گی آپ! یہاں آپ کی محبت کی وجہ سے وقت بہت اچھا گزرتا ہے، ورنہ میں اتنے دن کہاں رہ سکتی تھی۔"

"آج میری بیٹی کی چھٹی ہو جائے گی۔"

"اچھا..... تو پھر میں بھی یہاں نہیں رہوں گی، بھلا آپ کے بٹھیر یہاں دل کہاں لگے گا، میں آج ہی ڈیپارچ ہوں گی۔"

"ڈاکٹر کیسے چھٹی دیں گے آپ کو، ابھی آپ زیر علاج ہیں۔" وہ حیران تھیں۔

"نہیں مل جائے گی چھٹی، میرا دوسرا چھوٹا بیٹا ڈاکٹر ہے۔ اس کی وجہ سے مل جائے گی اور طبیعت تو میری ٹھیک ہے۔ میں از خود گھر والوں کو پریشان کرنے کے لیے یہاں رہ رہی تھی۔" وہ مسکرا کر گویا ہونیں۔

"میں کبھی نہیں آپ کی بات، میں نے آپ کے دونوں بیٹوں اور سب بڑوں کو دیکھا ہے۔ مجھے تو وہ بیٹوں ہی بہت سلجھے ہوئے لگتے تھے، بلکہ آپ کا بیٹا مزہ تو بے حد پسند آیا مجھے سنجیدہ کم گو، پُر وقار اور افسارست۔"

"مزہ کی وجہ سے ہی میں یہاں ہوں۔"

”کیا مطلب؟“ فائدہ بیگم نے اپنی گھبراہٹ و تجسس کو بمشکل کنٹرول کر کے پوچھا۔

راحیلہ بھی سنبھل گئیں۔ حقیقت بتاتے بتاتے مبالغہ آرائی کی راوا اپنائی۔

”ودشاوی کے لیے راضی نہیں ہوتا اور میں چاہتی ہوں گھر میں جلد از جلد بہو آ جائے، تاکہ میرے نوے گھر میں رونق ہو مگر وہ اتنا کہنے کے باوجود نہیں مانا تو میں نے سوچا کوئی ذرا سہ کرنا چاہیے۔ ایسا جس سے گھر کی ذمہ داریاں ان پر آئیں تو انہیں میری بات ماننے ہی بنے گی۔ ابھی اس ذرا سہ کی پہلی قسط ہے۔ حمزہ کے اقرار تک یہ ذرا سہ جاری رہے گا اور اصل بات تو ہے مجھے اداکاری جھوٹی نہیں کرنی پڑتی۔ دو دن بھی دوا انعام پر نہ لوں تو میری طبیعت خود بخود ہی بگڑ جاتی ہے۔“ راحیلہ اپنی پلاننگ پر خوش تھیں اور فائدہ یہ سوچ کر ہول رہی تھیں، وہ اینڈ سٹم لڑکا جس کو وہ مثال کے لیے پسند کر چکی ہیں، اگر کسی اور لڑکی میں انٹریڈ ملد ہو تو ان کی ساری محنت ضائع ہو جائے گی اور پھر مشکل ہی سے کوئی ایسا پر سنالشی والا لڑکا ملے گا۔

”حمزہ کیا کسی لڑکی میں انٹریڈ ملد ہے؟“ انہوں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

”ارے نہیں نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ میرا حمزہ بے حد شرمیلا ہے۔ آج کل کے لوجوالوں سے بالکل مختلف۔ وہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھ کر نہیں دیکھتا، پسند کیا خاک کرے گا۔“ انہوں نے بلاوجہ انہوں کی فمائش کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ گڈ! آپ کا بیٹا بھی میری بیٹی کی طرح خجھر رکھتا ہے۔“

”آپ نے ابھی تک اپنی بیٹی سے نہیں ملوایا۔“

”دو ڈریس چنچ کر رہی ہے، ٹھہر گیا میں ابھی لے کر آتی ہوں۔“ وہ کہہ کر مثال کے پاس آگئیں جو کپڑے بدلنے کے بعد ہالوں میں برش کر رہی تھیں۔

”خوب صودت لگ رہی ہو۔“ میرون سوٹ میں بڑا سا راو پٹا اوڑھے مثال کو دیکھ کر وہ پولیس اور انس کے درخشاں چوم لیے۔

”مٹی! او پتہ بہت بڑا ہے مجھ سے کنٹرول نہیں ہوتا۔“

”تھوڑی دیر کی بات ہے پھر پینک دینا، سز غاصم کو امپریس کرنا ہے۔“

”یہ معلوم کیا بات ہے ممما! مجھے اس جوک میں انٹریڈ ہونے لگا ہے، ورنہ آپ جانتی ہیں مجھے ایسے گیٹ اپ انس کوڑ جھانے کے لیے کرنے پڑتے تھے۔“ ہال شانوں پر چھوڑ کر وہ ادا سی سے ہل گئی۔

”پلیز..... اس کا نام مت لو۔“ وہ اُسے دیکھتے ہوئے پریشانی سے پولیس۔

”اس کا نام میرے دل پر لکھا ہے، کیسے نہ لوں۔“

”مثال! مثال!“ وہ اُسے دیکھتے ہوئے صرف نام کی تکرار کیے جا رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں۔ مثال انس کو بھول چکی ہے۔ ٹھیک ہو چکی ہے۔ اس طرح اس کا نام لینا اور جملے کہنا انہیں متوحش کر چکا تھا۔

"نو پر اہم! میں نارمل ہوں، پاگل نہیں ہوں، جو سب آپ کر رہی ہیں۔ اب میں اگر آپ کا ساتھ دے رہی ہوں تو صرف دل بہلانے کے لیے۔"

"لوہ ماٹی چاہیڈ! میں تو ڈری گئی تھی۔" وہ سکون کا سانس لیجی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر راحیلہ کے کمرے میں لے آئیں۔
منال نے انہیں سلام کیا تو وہ جواب دیئے بغیر اسے دیکھے گئی تھی۔

وہی آواز

وہی چہرہ

وہی انداز

وہ چکرا کر رہ گئیں، معمولی سے فرق کے ساتھ کرن سامنے کھڑی تھی۔

"ہیلو سز حاتم! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" فائدہ آگے بڑھیں۔

"ہاں۔۔۔۔۔ ہاں ہاں ٹھیک ہوں، آؤ آؤ بیٹی! بہت ارمان تھا مجھے آپ سے ملنے کا۔" راحیلہ نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔

"لوہ گاڈ! میں تو ڈری گئی تھی آپ کو شک نہ دیکھ کر۔"

"میں معذرت چاہتی ہوں، دراصل میری دوست کی بیٹی بوہو منال کی ہم شکل تھی۔ اس کی ڈیجہ ہو چکی ہے، اس لیے میں چونگی تھی۔ گمراہی دیکھیں گے تو وہ بھی حیران ہوں گے۔" ان کی لگا ہوا منال کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور انہیں اپنی آنکھوں پر دعو کے کا گمان ہو رہا تھا۔

"اوو ویری سیڈ! اب اجازت دیجئے ہم جائیں گے۔"

"اتنی جلدی، کچھ دیر بیٹھیں، کچھ باتیں وغیرہ ہوں۔"

"آپ تو جانتی ہیں منال کے ڈیڈی برنس کے سلسلے میں زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہتے ہیں۔ ہم دونوں ماں بیٹی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، بہت احتیاط سے رہنا پڑتا ہے۔ ہم دونوں کو مرد گھر میں، جو بے فکری رہتی ہے، ورنہ بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔"

"یہ سب عزت دار لوگوں کی احتیاط پسندی و عقل مندی ہوتی ہے، ورنہ آج کل کون اتنی گہرائی سے سوچتا ہے، آپ کے شوہر باہر ہیں تو پھر آپ دونوں کو ساتھ کیوں نہیں رکھتے، ایسے کب تک رہیں گی آپ؟"

"اتنی دولت و آسائشات نے ہماری وضع داری اور ان کو نہیں بدلا، لوگ ہمیں قدامت پسند کہتے ہیں مگر ہمارے ہاں ابھی ہر دولت سے بڑھ کر عزت کو عزیز رکھا جاتا ہے۔ ویزن کنٹرول کا ماحول تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ جب تک منال جوان نہ ہوئی تھیں تو ہم دونوں برہان کے ساتھ ہوتے تھے۔" فائدہ زبردست ایکٹنگ کر رہی تھی۔ ایک شریف وڈری سبکی عورت ہونے کی۔

”برہان کا کہنا بھی ہے منال کی شادی جب تک کسی اچھے لوگوں میں نہیں ہو جاتی۔ مجھے یہاں رہنا ہوگا۔ منال کی شادی کے بعد ہم ملک سے باہر رہیں گے۔“

”سچ کہا بہن! اچھے اور شریف خاندانی لوگوں کو دولت ہکا ڈھیس سکتی۔ یہ نو دولتوں کی اوقات ہوتی ہے۔ دولت پاتے ہی ماور پدر آزاد ہو جاتے ہیں، پھر کہاں کی شرافت اور کہاں کی وضع داری؟“ ان جانے میں وہ فائدہ کی دکھتی رگ چھیڑ گئیں۔ منال نے مسکراتی نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھا جو گڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”میں بہت جلدی آؤں گی، آپ کے گھر“۔ وہ گرم جوشی سے منال کو لپٹاتے ہوئے معنی خیز انداز میں گویا ہوئیں۔

”میری آنکھیں آج سے ہی آپ کی آمد کی منتظر رہیں گی“۔ فائدہ ان سے گلے ملتے ہوئے پولیس اور بڑی جدوجہد کے بعد آنسو بھی آنکھوں سے چمکاوے۔ راحیلہ نے سچ بولتے ہوئے انہیں رخصت کیا۔

”کیا وغرغل ایکٹنگ کی ہے تم نے؟“ میزچیوں کی جانب بڑھتے ہوئے منال کھٹکھٹا کر ہنستی ہوئی پولی۔ اسی لمحے حمزہ برابر والی میزچیوں سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ بے ارادہ اٹھی تھی اور وہ بنا چٹکن چمکائے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ خیال تھا یا حقیقت؟

نگاہوں کا دھوکہ تھا یا تصور کا فریب؟

وہ کرن تھی؟

لیکن نہیں اس کے جتنے چہرے پر خساروں میں پڑنے والے ڈھلو کرن کے نہیں تھے، مگر اس ایک فرق سے کیا ہوتا ہے، وہ ہو بہو وہی تھی۔

”ہائے بے چاری ماؤں کو بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے؟“ وہ جتنے ہوئے پولیس۔ حمزہ کی نگاہوں سے بے خبر وہ آرام آرام سے ایک ایک میز می آ رہی تھیں۔

”ریمائنڈ یو ماما میرے ہاتھ“ پیلے“ ہونے کے بعد“ کالے“ بھی ہو چکے ہیں۔“

”جسٹ شٹ اپ، یاد رکھو تم اب ایک پتھر گرل ہو پتھر“۔ انہوں نے اسے ڈپٹے ہوئے سمجھایا، اسی لمحے انہیں مگراؤنڈ فلور پر دیکھ کر حمزہ آنکھوں پر ڈارک گلاسز لگا کر ان کے قریب چلا آیا۔

”ایکسکیوز می“۔ اس کی آواز پر وہ دونوں ٹسک کرڑکی تھیں۔



”ارے حمزہ بیٹا!“ فائدہ اسے اچانک سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

”یہ میری بیٹی ہے منال اور منال! یہ حمزہ ہیں آپ کی راحیلہ آئی کے بیٹے۔“ انہوں نے جھٹ پٹ تعارف کر دایا۔
 ”ہیلو۔“ حمزہ کی مضطرب نگاہیں ڈراک گلاسز کے پیچھے سے اس کے چہرے کو کھوج رہی تھیں جہاں اطمینان و اعتماد کا جہاد آباد تھا۔
 ”ٹائکس نو میٹ یو ٹو حمزہ!“ منال نے اس کی طرف دیکھا، بلو جینز پر پل شرٹ پر سیاہ لیدر کی جیکٹ میں اس کی پرسنائی نمایاں تھی۔
 ”آپ کی ماما کو ایڈریس دیا ہے، ان کو لے کر ہمارے ہاں ضرور آئیے گا۔“

”او کے میں کوشش کروں گا۔“ اس کی نگاہیں پلٹ آئی تھیں۔
 ”کوشش نہیں وعدہ کریں۔“ وہ اصرار لہجے میں بولیں۔

”او کے چلیں پھر وعدہ۔“ دودھ لے کر خوشی خوشی وہاں سے چلی گئیں۔ حمزہ کے پیچھے آتا سبھی اسپتال کی کینٹین کے قریب رُک گیا۔ اس نے بھی حیرانگی سے منال کو دیکھا اور نگاہوں سے ادھلے ہوئے تک دیکھا، ہاتھ پھر تیزی سے میز حیاں پھلانگتا راحیلہ کے پاس آیا جہاں حمزہ بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔

”حیرت ناک! میں تو بہت حیرت زدہ ہو گیا یا ر!“ وہ کہتا ہوا حمزہ کے برابر بیٹھا تھا۔

”کیا دیکھ لیا ایسا بیٹا؟“ راحیلہ بیگم کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ دراصل وہ اوپر سے حمزہ اور صمد کے تاثرات دیکھ چکی تھیں۔
 ”مئی! اکرن کے فین والی لڑکی فائدہ آئی کے ساتھ جا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر گنگ رہا تھا جیسے کرن ہی ہو، ایسا سوویز میں دیکھتے رہتے ہیں مگر اصل زندگی میں پہلی بار دیکھ کر مجھے بے حد حیرانگی ہو رہی ہے۔“

”فلموں اور ڈراموں میں کہانیاں حقیقی زندگیوں سے ہی لی جاتی ہیں تم نے جس کو دیکھا وہ منال تھی وفا کیتھ کی بیٹی۔“ راحیلہ ترجمہی نگاہوں سے حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

حمزہ کے چہرے پر تذبذب کے گہرے سائے تھے۔

”مئی! کہیں ایسا تو نہیں کرن کے فائدہ نے دو شادیاں کر رکھی ہوں اور یہ ان کی بی بی ہو۔“ صمد کی بات پر حمزہ نے بھی ان کی طرف دیکھا۔

”ارے نہیں، نہیں، ایسی بات نہیں ہے، پہلے مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں ان کا پورا بیگ گراؤنڈ معلوم کر لیا ہے۔ فائدہ کی فیملی بہت اچھی ہے۔ بے حد عزت دار و شریف لوگ ہیں۔ مختصر فیملی ہے، برہان صاحب تو اکثر ہی ملک سے باہر رہتے ہیں۔“

”برہان؟“ حمزہ نے زیر لب دہرایا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مئی! آپ غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں۔ کرن کے فادر کا نام برہان لغاری ہے اور یقیناً ان کا ان سے ہی تعلق ہے۔"۔ برہان کا نام آتے ہی حمزہ کے چہرے پر سختی چھانے لگی۔

"جیس۔ یہ محض اتفاق ہے، میں نے ابھی طرح معلوم کیا ہے۔"

"اتنا اتفاق کیسے ہو سکتا ہے مئی۔"۔ صد نے کہا۔

"کیسے نہیں ہو سکتا، ایک نام کے کئی لوگ ہوتے ہیں۔"

"لیکن مختلف لڑکیوں کے ایک سے چہرے اور فادر ایک نہیں ہوتے، یہاں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔"۔ حمزہ مطمئن نہ تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو ان سے مل کر دیکھ لیں گے، ایک بار اور، ورنہ ایسی کوئی الونگ بات نہیں ہے۔ ایک نام کے کئی مرد و خواتین ہوتی ہیں اور آپسے ہی چہرے ایک دوسرے سے اتنے ملتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایک دوسرے سے نا تعلق ہوتے ہیں۔"۔ راحیلہ بیگم پوری تفصیل سے اسے سمجھانے کی سعی کر رہی تھیں۔

"حمزہ! مئی کی بات درست ہے، اکثر مجھے بھی ایسے پیشاب گرائے ہیں۔"

"مگر مئی! آپ کیوں اتنی سائیڈ لے رہی ہیں ان کی؟"۔ حمزہ کے بعد وہ راحیلہ بیگم سے شوخی سے مخاطب ہوا۔

"اس لیے کہ میں نے سوچ لیا ہے مثال کو اپنی ہو بنانے کا۔"۔ وہ حمزہ کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مئی! یہ کس طرح ممکن ہے۔"۔ وہ اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھا۔

"سب ممکن ہے بیٹا، اگر تم ان جاؤ تو۔"۔ وہ اس کے قریب آ کر روہائے لہجے میں پولیس۔

"آج میں اعتراف کرتی ہوں، میری خود غرضی اور زیادتی کی وجہ سے تم دل کی خدیشوں سے محروم ہو گئے۔ سچ کہتے ہیں تمہارے پاپا میں ماں ہوتے ہوئے بھی ماں کا حق ادا نہ کر سکی۔ نہ معلوم کس طرح میری متا پر خود غرضی و مغافرتی نے قبضہ جھائے رکھا تھا۔"

"مئی! روئیں نہیں شایہ قسمت کو ایسا ہی منظور تھا۔"

"میرے دل میں بے قراری ہے، مبہوش کی خاطر میں نے ایسا کیا، اب میں خود غرضی سے نکل آئی ہوں۔ اپنے اور پرانے کے فرق کو پہچان چکی ہوں۔ فائدہ بہت اچھی عورت ہے۔ ملن سار اور بے غرض محبت کرنے والی ایسی عکس ماں کی بیٹی بھی ایسی ہی ہوگی، پھر..... اس کی صورت میں ہمیں کرن مل جائے گی۔"۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

نرس کے آنے کے باعث ان کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کرن اور انس وکھ سے غم حال تھے۔

حادثے کی خبر سنتے ہی انس وکھوں سے پہلی فلائٹ سے پاکستان آ گیا تھا۔ حادثے میں مڈر صاحب اگرینی، ماہی یکینہ اور سعد

کے جڑواں بچوں کے علاوہ ڈرائیور بھی ہلاک ہو چکا تھا۔ سعد اور ناریہ شدید زخمی تھے۔

سعد نے پھر بھی صحت و حوصلہ سے کام لے کر خود پر قابو رکھا تھا۔ اس کے سر اور جسم پر گہرے زخم تھے۔ ناریہ کے زخم بھی بہت گہرے تھے مگر بچوں کی جدائی کے غم سے بڑھ کر اسے کسی زخم سے تکلیف محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اسے زیادہ تر غینہ آور دواؤں کے ذریعے سلائے رکھا جاتا تھا۔ جاگتے ہی دوا اپنے بچوں اور اُن لوگوں کو یاد کر کے رونے لگتی تھی۔

اُنس نے بڑے منہ اور حوصلے سے اپنے پیادوں کو پہرہ و خاک کیا تھا اور پھر کئی گھنٹے دو بند کمرے میں بچوں کی طرح روتا رہا۔ کل جب جن کی آمد کے انتظار میں وہ اور کرن و حیروں پر وگرام بنائے بیٹھے تھے۔ معلوم نہ تھا وہ انتظار..... انتظار ہی بن جائے گا ہمیشہ کے لیے۔ اُسے لگ رہا تھا وہ دنیا میں بالکل ہی تنہا رہ گیا ہے عثر صاحب نے اسے کئی رشتوں کا پیار دیا تھا۔ باپ! بھائی! دوست!۔۔۔ سایہ دار و رخت کی مانند ہر دم اسے گردشِ وقت کی سرودی وگرنی سے بچاتے تھے۔ ہر مشکل میں اس کے لیے ڈھال بن جایا کرتے تھے۔ ہمیشہ اس کی مانگے آئے تھے کبھی بھی اپنی مرضی نہ کی تھی۔

گرینی سے اس کی تمام محبتوں کے رشتے استوار تھے۔ محبوب چھاؤں جیسا مزاج رکھنے والی گرینی اسے ماں کی طرح ہی عزیز تھی۔ اپنے وطن کو عزیز رکھنے والی گرینی! اپنے ویس کی مٹی سے محبت رکھنے والے گرینی کو اس مٹی نے بھی خود سے جدا کرنا نہ چاہا اور ہمیشہ کے لیے اپنی آغوش میں سیٹ لیا۔

اس المناک حادثے کو گزرے ایک ہفتے سے زائد عرصہ بیت چکا تھا، کرن کی کئی کالز وہاں سے آچکی تھیں۔ اُنس کے دکھ میں دو برابر شریک رہی تھی۔

کرن کو اس دانستہ نہ لایا تھا، اسے ڈر تھا کہ برہان نگاری اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس کی طرف سے اسے یہاں خدشہ رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بیضا بھی سوچ رہا تھا جب سعد آیا۔

"کمرے میں بند ہو کر مت بیٹھا کرو یا راجھے فکر ہوتی ہے۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اُنس نے اس کی جانب دیکھا۔ زرد چہرے پر زخموں کے نشان تھے جن میں سے کچھ ابھی مندمل نہ ہوئے تھے۔ سیاہ آنکھیں جو مسکراتی تھیں۔ سب کچھ کھودینے کے احساس سے ویران پڑی تھیں۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟" اس کے لیوں پر پھینکی مسکراہٹ ابھری۔

"تم اپنے ان پھولوں سے بھی محروم ہو گئے جن کی خوشبو سے تمہاری آغوش ابھی مستطرب بھی نہ ہوتی تھی۔"

"آہ!" سعد کی آنکھوں میں نمی اُٹنے لگی پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ "جو رب کی مرضی، ہم اُس کی رضا میں راضی ہونے والے بندے ہیں۔ تم بھی اپنی حیات کے اُن روشن میناروں سے محروم ہو گئے ہو جن کی روشنی زندگی میں ہر اندھیرے کو دور کیے ہوئے تھی۔ اُن کی جدائی نے مجھے بھی تنہا کر دیا ہے۔"

”تم تنہا نہیں یار! میں ہوں تمہارے ساتھ، کرن ہے ہم سب ایک ہیں ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے، ایک رہیں گے، ساتھ رہیں گے، اب تمہیں میرا بازو دینا ہوگا، میرا سہارا دینا ہوگا، اتنا پھسلا ہوا برنس میں اکیلا نہیں سنبھال سکتا۔“ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے سسک رہے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دلا سہاویہ دیا۔ بہت بندھائی۔

”سہہ اچھے ایک خیال ہار بارنگ کر رہا ہے۔“

”کیا خیال؟“

”یہ واقعہ برہان لطیف کی انتہائی کارروائی تو نہیں ہے جس کو حادثے کی شکل دی جا رہی ہے۔“ وہ بڑے سوجھ انداز میں بولا۔
”مجھے بھی یہی خیال آیا تھا مگر انہی کوئی بات نہیں ہے۔ اس ایکسیڈنٹ کی انویسٹی گیشن کرنے والے انسپکٹر سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے، اس کا کہنا ہے اس ٹرک کا ڈرائیور نشے میں ڈرا بیوٹنگ کر رہا تھا۔ اس کی غفلت اور لا پرواہی کے باعث حادثہ ہوا ہے۔ ٹرک کا ڈرائیور جیل میں ہے۔“ سعد نے تفصیل بتائی۔

”اچھا۔۔۔ نہ معلوم کیوں میرا دل کچھ اور کہتا ہے۔“

”میں تمہاری حالت سمجھ رہا ہوں، تم پر جو گزر رہی ہے۔“

”ہم اسی فتنے واپس چلیں گے، میرا دل نہیں لگتا یہاں پر، عجیب کشن، وحشت ہے، یہاں پر طبیعت کندہ ہو کر رہ گئی ہے۔“

☆.....☆.....☆

”ڈارلنگ! اس طرح کب تک ہم چھپ چھپ کر وقت گزارتے رہیں گے، کئی ماہ ہو گئے ہمیں اس طرح لیٹے ہوئے۔“ فائدہ ڈرائر سے بال ڈرائی کرتے ہوئے غصے سے پوچھیں۔

”مجھے کوئی پرابلم محسوس نہیں ہوتی ہے بلکہ وقت آرام دہ لگتا ہے۔ شہر کے ہنگاموں سے دور پڑنا تو مالک ماحول پھر سے بیس سال پیچھے لے جاتا ہے، جب عمر کی بہار شباب پر تھی۔“ فائدہ کے ساتھ گزرتے وقت کا شمار ابھی تک اس کی آنکھوں میں چھایا تھا۔
”میں اب ایسا نہیں چاہتی ہوں۔“ ان کا موڈ سنجیدہ تھا۔

”اوو کم آن یار! اس بحث میں الجھ رہی ہو اور مجھے بھی الجھانے لگی ہو۔ میں یہاں ریٹیکس ہونے آتا ہوں، ہر ٹینشن، ڈپریشن بھلا کر کچھ وقت سکون سے گزارنے آتا ہوں۔ یہاں بھی وہی سرکل رہا تو خاک ہوگی، انجوائے منٹ۔“ وہ ٹائٹ گاؤن کے اسٹریپس باندھتے اٹھ کھڑے ہوئے مگر فائدہ کے موڈ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ اس آف موڈ کے ساتھ پرل اور اورنج کبھی نیشن کی ساڑھی کی فائبر درست کرنے میں مگن رہی تھی۔

برہان نے ان کی خاموشی کو نوٹ کیا، پھر کچھ کہے بٹا پیچھے ہٹا، باتھ کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی تیاری تک دونوں کے درمیان خاموشی محیط رہی تھی۔ فائدہ نے سادو ڈھونڈا بنایا۔ جیولری پہنی اور میک اپ کر کے پرفیوم اسپرے کیا اور پرس سنبھال کر بیٹھ گئیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"اتنی ناراضگی کی کیا بات ہے جانم! ہم ایک ہو گئے، یہ سب سے اچھی بات نہیں ہے۔" پہل انہیں ہی کرنی پڑی، وہ اُن کے قریب بیٹھ کر خوشگوار موڈ میں گویا ہوئے تھے۔

"آپ کو لگتا ہو گا میں آپ کی بیوی ہوں مگر مجھے نہیں لگتا۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے شاید مجو بہ؟" وہ ہنس کر بولے۔

"کال گرل۔" وہ نہایت کڑوے لہجے میں کہہ بیٹھیں۔

"وہاٹ؟ وماغ درست ہے۔"

"پھر میرے ساتھ یہاں وقت گزارنے کا کیا مطلب؟ بیوی کے ساتھ اس طرح وقت گزارا جاتا ہے؟ یہ ٹائم پاسنگ ایک کال گرل کے ساتھ تو سوٹ کرتی ہے برہان لفاری صاحب! مگر ایک بیوی کے ساتھ نہیں۔"

اودہ ہو کیپ کو اسٹ۔ میں یہاں پھولوں بھری باتیں کرنے آتا ہوں، تمہاری اور اپنی باتیں، ایسی باتیں جن میں ڈوب کر ہم محبت کی گہرائیوں میں تیرتے ہیں۔ دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو کر اور تم نے ایسی باتیں کر کے تمام انجوائے منٹ بھلا ڈالی ہے۔"

"آپ کب تک ہر مسئلے سے آنکھیں چراتے رہیں گے۔ اس طرح مسائل حل نہیں ہوتے۔ یہ ہمارے حل کرنے سے ہی ختم ہوں گے۔" وہ کچھ نرمی سے گویا ہوئیں۔

"اُنکے ہٹاؤ کیا چاہتی ہو، میں کب پیچھے ہٹا ہوں۔"

"میں نے مثال کی مکتفی کر دی ہے۔"

"یہ تم مجھے بتا چکی ہو، سچی بات بتاؤ گی۔" وہ بے زاری سے بولے۔

"مکتفی تو ان لوگوں نے بے حد سادگی سے کی ہے۔ لڑکے کی ماں مثال کو انیر رنگ پہنا گئی تھیں، پچاس ہزار ہاتھ میں پکڑائے تھے، پھل، فروٹ بھی بہت لائے تھے۔"

"اُن باتوں سے میرا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔" اُن کے انداز میں سرد مہری درآئی تھی۔

"آپ باپ ہیں اُس کے، اتنی لا تعلقی اچھی نہیں ہوتی ہے۔ میں تمہا اس کے فیوچر کی خاطر اتنی کوشش کر رہی ہوں اور آپ کو کوئی

فکر نہیں ہے۔" وہ جمل کر بولیں مگر برہان خاموش ہی رہے تھے۔

"کتنے محوٹ بولنے پرار ہے ہیں اُن لوگوں سے۔"

"دفع کرو اُن لوگوں کو....."

"لوگ اچھے ہیں اور لڑکا تو بے حد قابل اور خوب صورت ہے، پہلے تو مثال مان ہی نہیں رہی تھی۔ حزرہ کو دیکھا تو راضی ہوئی ہے مگر

نہ معلوم کیوں حزرہ مجھے کچھ مطمئن نظر نہیں آتا۔ اُس نے مجھ سے آپ کی تصویریں دیکھنے کو مانگیں وہ تو میں نے انہیں گلشن والے جتنے کا

ایڈریس دیا تھا تا کہ آپ کی والدہ حضور کوئی کام نہ دکھایا کریں۔ میری یہ سمجھ داری کافی کام آئی، وہاں ملازم بھی تمام نئے ہیں اور لکھنؤ میں ہم دونوں کی مٹی مومن کی تصاویر تھیں۔ وہ دیکھ کر حزرہ مطمئن ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا وہ ایسا بی بیو کیوں کر رہا تھا ویسے تو سب نارمل ہے، کوئی پرالیم نہیں ہے۔ اس کے قاور بھی خوش ہیں۔“

”ہوگا اس کا کوئی مسئلہ آپ پریشان نہ ہوں۔“

”وہ لوگ شادی بہت جلد کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”پھر؟“ وہ اس گفتگو سے مسلسل بے زار ہو رہے تھے۔

”میں چاہتی ہوں آپ اپنے ہاتھوں سے.....“

”ہرگز نہیں، میں نے پہلے بھی کہا تھا تم سے اور اب بھی کہہ رہا ہوں، مجھ سے ایسی اُمید مت رکھنا۔“ وہ روکے انداز میں بولے۔

”ایسا بھی کہیں ہوتا ہے برہان، باپ کے جوتے ہوئے بیٹی بنا باپ کی دعاؤں کے رخصت ہونے۔“

”ایسا نہیں ہوتا تو اب ہوگا جو ان لڑکیوں نے کیا، ایسا بھی کہیں ہوتا ہے؟ بتاؤ مجھے، ہر بات کا الزام تم مجھے دیتی ہو۔ ان دونوں نے مجھے لوگوں کے سامنے جانے کے قابل نہیں چھوڑا آج میں لوگوں سے بھاگتا ہوں، چھپتا ہوں، ہر ایک کی آنکھوں میں مجھے ایک ہلسی و تسخیر محسوس ہوتا ہے۔“ وہ تیش انداز میں بول رہے تھے، فائدہ جو کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھیں، خاموشی سے اٹھ کر ناشتے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں جہاں لگ لگائے سجاد رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ سب کتنی جلدی ہو گیا جو کبھی لگتا تھا کہ صدیاں گزر جائیں مگر ایسا نہیں ہوا کو یا کسی طلسماتی عمل کے ذریعے وہ اس کنٹینر منزل کی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا تھا، بھر سیرنگی چڑھتا کوئی سامشکل ہوتا ہے۔ فقہ قدم آگے بڑھانے کی ہمت ہونی چاہیے۔ فقط پہلی سیڑھی پر قدم پڑنے چاہئیں۔ باقی سیڑھیاں آپ کے قدموں کو از خود کھینچتی اور پر جائیں گی۔ ماضی بہت دور رہ گیا تھا۔ اتنا کہ پیچھے گردن گھما کر دیکھنا تو ماضی کے صحرائیں یادوں کے گہوڑے ذہن کی اسکرین پر ڈنکا و حسرت کی ریت بکھیر دیا کرتے تھے۔ وقت بہت تیزی سے گزرا تھا۔ عمر کی سڑھیاں پھیلا گئیں کرا گئے بڑھتی جا رہی تھی۔ آج وہ خاصی مدت بعد خود کو آئینے میں دیکھ رہا تھا تو استعجاب و حیرانگی سے شیشے کے پار کھڑے اُس شخص کو دیکھا جس کی آنکھیں کبھی بے حد روشن و خوب صورت ہوا کرتی تھیں۔ آج ان کی آنکھوں پر وہ چیز شیشوں والی بینک تھی۔ کلین شید چہرے پر واڑھی تھی جس کے بالوں سے ہلکی ہلکی سفیدی جھلکتی تھی۔

اُس کے وجود پر، ان کی آنکھوں پر، اُس چہرے پر اُسی تھی، مستحضر کر دینے والی خاموش اداسی۔

یہ شخص کون ہے؟

جوانی کو الوداع کہہ کر

بڑھاپے کی حدود میں داخل ہوتا ہوا کسی خوب صورت مگر شکستہ عمارت کا روپ لیے ہوئے جو کسی ہل زمین بوس ہونے کو تیار ہو۔
کون ہے یہ شخص!

کچھ جانا کچھ اُن جانا سا.....

کون ہے یہ؟

”عزیزہ..... جزوہ“ منال پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”عزیزہ..... تو میں عزیزہ ہوں، مگر رے وقت کی گم نام ساتھوں میں اپنی شناخت، اپنا نام بھی بھول بیٹھا ہوں۔“ اس نے بار بار پکارنے پر سزا کر دیکھا، شوخ رنگوں کی ساڑھی، تیز میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری میں اس کا حسن ڈائمنڈ کی طرح ہی نکلا دے مار رہا تھا۔ وقت گم گشت نے اس پر کوئی خاص اثر نہ چھوڑا تھا۔ علاوہ ازیں جسم کچھ فریبی کی جانب مائل تھا اور یہ معمولی سا مودہ پا بھی اس کے حسن کی رعنائی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اُس کی بولڈ فیس بڑھ چلا تھا۔

”ہونہ، شادی کو دس سال گزر گئے ہیں مگر آپ کی یہ خیالوں میں گم رہنے کی عادت بجائے ختم ہونے کے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ مجھے کئی بار کہہ دیا ہے آپ کی اس عادت نے۔ وہ پرہیزگار ہوئے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے عزیزہ سے ٹکے لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔ ”کیا کام ہے؟“ اُس کا ہر لہجہ ہر جذبات و احساس سے مبرا سا تھا۔

”کوئین میرے ساتھ جا رہا ہے، پرنس اپنے کمرے میں ہے، اس کا جانے کا موڈ نہیں ہے۔ عجیب سر پھر ابد تیز چمکے، میرے ساتھ کسی گید رنگ میں جانا پسند نہیں ہے اسے، وہ مجھے لائیک ہی نہیں کرتا۔“
”بچوں کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔“

”یہ کام آپ کرتے ہیں بہت ہے۔ مجھ سے ایسی اسید رکھنا ہی فضول ہے، کوئین بھی بچہ ہے اس کا ہی بھائی ہے مگر اس نے کبھی ایسی چپ حرکتیں نہیں کیں۔

”کوئین، پرنس سے تین سال بڑا ہے۔ کچھ عرصے بعد کو آپ ریت کرنے لگے گا۔“

”تین سال بعد بھی نہیں کرے گا۔ وہ آپ کی کاپی ہے، اد کے میں جا رہی ہوں۔ دلہنسی میں دیر ہوگی۔“ دو کھٹ کھٹ سینڈل بجباتی وہاں سے چلی گئی۔ عزیزہ نے گہری سانس لے کر صوفے کی بیک سے سر کا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں بعد انہیں ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔ آنکھیں کھولی کر دیکھا تو سامنے صوفے پر اسے بیٹھے دیکھ کر اس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ اُبھر آئی۔ انہوں نے دونوں ہاتھ دوا کر دیئے۔ وہ جو خاموش بیٹھا تھا باپ کی سمت دیکھ رہا تھا۔ تیزی سے اُنکے کران کے بازوؤں میں سا گیا اور پیار سے باپ کا رخسار چوم لیا تھا۔

”چپ چاپ آکر کیوں بیٹھ گئے تھے۔“ عزیزہ نے متاع حیات کی طرح اسے سمیٹا ہوا تھا۔ اُس کی اداس آنکھوں میں سرخوشی تھی

اس نام۔

"بابا! میں نے ڈسٹرب کر دیا آپ کو؟ میں آپ کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے خاموش بیٹھ گیا تھا"۔ اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"بابا پرس کے آنے سے خوش ہوتے ہیں، ڈسٹرب تھوڑی"۔

"بابا! آپ مجھے پرس نہ کہا کریں"۔ اس کے اعمام میں غلگی درا آئی۔

"کیوں؟ میرا بیٹا تو ہے ہی پرس"۔

"مجھے یہ نام پسند نہیں بابا! یہ ماما کا دیا ہوا نام ہے، آپ مجھے میرے نام سے پکارا کریں، مائی سوئیٹ نیم ذوالنون"۔ وہ جوش سے بولا۔

"او کے ذوالنون بیٹا! مگر ماما کا دیا نام بھی اچھا ہے اور ماما بھی اچھی ہیں"۔ موقع پا کر انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ماما اچھی نہیں ہیں بابا"۔ وہ منہ پھلا کر گویا ہوا۔

"بڑی بات، اچھے بچے ماما کو ایسے نہیں بولتے"۔

"ماما ایسی تو نہیں ہوتی ہیں جیسی ماما ہیں؟"

"اچھا..... پھر ماما کیسی ہوتی ہیں؟"

"گر بیڑ ماما جیسی، بابا! ہم گر بیڑ ماما کے پاس کب چلیں گے؟"

"چلیں گے"۔ اس نے پہلایا۔

"ابھی چلیں گے بابا، مجھے ہنزہ، خضرئی اور معیز سے ملنا ہے۔ صنوبر آئی بہت اچھی کوکنگ کرتی ہیں، گر بیڑ ماما سے اسٹوری بھی

ملتی ہے"۔ حزرہ نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

ذوالنون جس کو منال پیار سے پرس کہتی تھی اور وہ اسی نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اس میں خصوصیات بھی ایسی تھیں، خوب صورت،

ذہن و فطین، کم گو اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والا خاصی حد تک خود سزا و مغرور۔

ماں کی سوشل ایکٹیویٹیز و ماڈرن ازم سے اسے سخت ترین چڑھتی۔

باپ کی بڑے دھار، بنجید دوسرا یا اخلاق و مردوت شخصیت کا دور پورا نہ تھا۔

وہ عام بچوں سے مختلف اور بالکل جدا گانہ مزاج کا حامل بچہ تھی جس کی صرف اپنے باپ، دادی اور چچا کی فیملی سے دوستی تھی۔

☆.....☆.....☆

پورے کمرے میں کھلونے کھمرے ہوئے تھے۔

کرن دوپٹے سنبالے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

"حورین! کم آن مائی بے بی! کم آن سوئیٹ ڈول!"۔ کرن نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما جو کھانا کھانے کے بجائے ادھر ادھر

بھاگ رہی تھی۔

”اسکینٹی بنائی ہے، چکن اسٹیک ہے، میری بیٹی کو پسند ہے۔“
 ”ناں..... نہیں کھانی۔“ وہ اُس سے خود کو چھڑاتے ہوئے غصے سے چنپی۔

”کیوں نہیں کھانی، میں نے آپ کے لیے بنائی ہے۔“

”پاپا کے ہاتھ سے کھانی ہے۔“ وہ منہ بند کر کر بولی۔

”میں اپنے ہاتھ سے کھاؤں گی اپنی بیٹی کو۔“ کرن نے چکارا۔

”نہیں پاپا کے ہاتھ سے کھاؤں گی۔“ وہ ضد سے مچلنے لگی۔

”ابھی ایک تھیرنگاؤں کی، ساری ضد بھاگ جائے گی، پاپا کی بیٹی۔“

”ہاں بھئی ہے تو یہ پاپا کی بیٹی، آپ کیوں جیلس ہوتی ہیں۔“ اسی دم ہاتھ روم سے انس نکل آیا اور روتی ہوئی حورین کو گود میں اٹھا

کر پیار کرتے ہوئے کرن سے بولا۔

”یہ اچھی بات نہیں ہے، آپ بہت بگاڑ رہے ہیں اس کو۔“

”ڈکوتی بیٹی ہے ہماری، سارے ارمان اس سے ہی نکلیں گے۔“ وہ اسے گود میں لے کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ انس کی گود میں

آ کر وہ بالکل چپ ہو گئی اور باپ کے گلے میں بازو ڈال کر بیٹھ گئی۔

”کھانے پینے کی یہ بالکل پروا نہیں کرتی ہے کہ کب سے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہوں مگر یہ نہیں مانتی۔“ کرن کے لہجے میں خمد و جھجھلاہٹ تھی۔

”بیڈ گرل نہیں ہے میری بیٹی۔“ لے کر آؤ کھانا ابھی کھاتی ہے۔“

”پاپا! مجھے بھوک نہیں۔“ وہ گود سے اتر کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ناشتے میں بھی اس نے صرف بوائٹڈ ایکٹ لیا تھا اور کچھ نہیں۔“

”اوکے اوکے، اب ہم شرط لگاتے ہیں جو پہلے اپنا کھانا ختم کرے گا اسے بہت ساری آکس کریم اور چاکلیٹس ملیں گے۔“ انس

اٹھتے ہوئے بولا۔

”ایک ٹیڈی بیر بھی پایا؟“ حسب توقع وہ خوش ہو کر چنبکی

”برگرز نہیں، پہلے ہی آپ کے نوائز سے کمرہ بھرا ہوا ہے۔“

”یار! تم ہمارے درمیان میں مت بولا کرو۔“

”آپ جلدی سے ریڈی ہوں، میں ہریرہ اور ایرج سے شرط جیت کر آتی ہوں۔“ باپ کی آفر پر وہ خوشی خوشی روم سے نکل گئی تھی۔

”یہ بات بات پر آپ کی اس طرح حورین کو شرط کی عادت ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بات بات پر شرط لگاتی ہے اور جیتنے کے لیے

ہر مشکل سے مشکل کام کر بیٹھتی ہے۔“ حورین کے جانے کے بعد وہ فکر مند لہجے میں انس سے مخاطب ہوئی تھی۔

”بلاوجہ ڈرنے اور فکر مند ہونے کی عادت تمہاری ابھی تک نہیں گئی جاناں؟“ انس نے اس کی کمر کے گرد بازو ڈال کر قریب کرتے ہوئے کہا۔

”حورین لڑکی ہے لڑکیوں کی تربیت اتنی آزادی سے نہیں کی جاتی ہے۔ سعد بھائی کی ایریج بھی اسی کی ہم عمر ہے مگر اتنی نازک و فرما نبردوار ہے کہ میرا دل چاہتا ہے حورین بھی ایسی ہوتی، مصوم، شرمیلی، ڈر پوک سی اگر کبھی ہوا بھی زور سے چل جائے تو ایریج قاریہ بھابھی سے چپکے رہتی ہے۔“

”واہ بھان! اللہ! کیا خیالات ہیں آپ کے۔“ انس بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔

”سننے کی بات نہیں ہے حورین کو آپ نے بے حد بگاڑا ہوا ہے لڑکیوں کی کیئرنگ بچپن سے اچھی کرنی چاہیے۔“ وہ بخیدہ تھی۔

”اٹنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر سیریس مت ہوا کرو یا ر! میری زندگی میں تم لوگوں کے علاوہ ہے کون۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تو ہماری اندھیری زندگی کے چراغ ہیں، تم میری زندگی ہو تو حورین وہ چڑیا ہے جس میں میری جان ہے۔ اس کی یہ معمولی سی، بے ضروری خواہشیں مجھے بے انجنا سرتیں دیتی ہیں۔ تم! مجھے برا بھلا کہہ ڈالا کرو مگر حورین کو ایک لفظ نہ کہنا کرو۔ وہ میری بیٹی ہے انس! شرکی بیٹی، میل اسے بہت بہادر، بہت مضبوط بنانا چاہتا ہوں لڑکیوں کی طرح کمزور، بزدل اور ڈر پوک نہیں۔“

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“ انس کی آنکھوں میں گزرے دنوں کی پرچھائیاں لرزتی دیکھ کر کرن نے ہنس کر کہا اور اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

چھوٹے سے تھکن زد و کمرے میں زرد بلب کی روشنی میں ہر شے پیاری لگ رہی تھی۔ درود یوار پر بیسے حسرت و یاس کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ انس کو ٹھری نما کمرے کے کارڈر پر ایک جھلکا سے چنگ پر وہ پیار و لاغر جھریوں زوہ چہروں والی وہ معذورو بے بس عورت پڑی اپنی دل بدن بیٹائی کھوتی آنکھوں میں درود و کرب کے آنسو لیے بار بار بند دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ لب بیاس سے خشک ہو گئے تھے۔ زبان اکڑی گئی تھی۔

بھوک کی شدت سے معدہ اندر کی سمت دھنستا چلا جا رہا تھا۔ اُن کی لگا ہوں میں اپنا دور اقتدار چھب دکھاتا رہتا تھا، وہ دور جس میں شہنشاہ تھیں۔ سنگ دل، جاہر و عالم فطرت رکھنے والی پتھر دل عورت، ایک ایسی عورت جو صرف اور صرف اپنی چاہ میں جھکا تھی، خود سری کے گھوڑے پر سوار کئی بے گناہ، بے خطا، مجبور و مظلوم لوگوں کو بے دردی سے روئے تھی، ظلم ڈھاتے، من مانی کرتے وہ یہ بھول گئی تھیں کہ ہر رات کا سویرا ہوتا ہے۔ ظلم بدستاب ہے تو مٹ جاتا ہے۔ انہوں نے بہت ہوشیاری سے اس ٹرک ڈرائیور کو لاکھوں روپیہ دے کر خریدا تھا۔ مائی سکینڈرا انس کے باپ اور دادی کو ہلاک کر دینے کی سازش کی تھی جو کامیاب ہوئی تھی۔ یہ بات برہان لٹاری کو بھی بعد میں معلوم ہوئی تھی۔

دو دشمن کو کسی طور معاف کرنے کی عادی نہ تھیں اور آج فالج کے شدید ایک کی وجہ سے معذور ہو کر بستری نشین تھیں بلکہ مٹی کا ڈھیر تھیں۔ وہ اپنے پتھر جیسے جسم کے ساتھ صرف زبان کو حرکت دے سکتی تھیں۔ ہمہ وقت جھپٹے پلوسات اور بہترین عطریات استعمال کرنے والی والدہ حضور گندگی و بدبو کے حصار میں پڑی رہتی تھیں۔ ملازمہ دن میں صرف ایک بار ان کو غلاعت سے پاک کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ جتنی چلاتی رہتی تھیں مگر کوئی نہیں سنتا تھا ان کی فریاد۔ فالتھ نے ان کا کمرہ ہانسی کمرہ سے الگ کر رکھا تھا تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے دور رہیں۔

بے حد رعب و دہرہب، جلال و ظہور رکھنے والی والدہ حضور کو اب معلوم ہو رہا تھا کہ بے بسی و مجبوری کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنے سے چھوٹے کو انسان نہیں سمجھا تھا۔ ان کے ظلم و جبر کی عمر طویل تھی مگر ظالم کی عمر کتنی ہی طویل ہو، ایک نہ ایک دن اسے مٹا ہوتا ہے اور جب دو مٹتا ہے تو نشانِ عبرت ثبت کر جاتا ہے۔

قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔

دقت ایک مقررہ حد تک انسان کو ڈھیل دیتا ہے۔

اس کی پکڑ بڑی عجیب، بڑی دردناک ہوتی ہے۔

پھر بھی لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ دقت ہمارے پاس ہوتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں تادم آخر ہماری گرفت اس پر یونہی رہے گی۔ فالتھ پورے ہتھیاروں سے نہیں ہو کر برہان لغاری کی زندگی میں از سر نو داخل ہوئی تھیں۔ یہ قہیہ کر کے کہ کسی طور پر کسی عداوت پر پائی اعتیاد نہیں کرتی ہے، ہر مقام پر، ہر محاذ پر فتح یا ب ہونا ہے اور وہ کامیاب تھیں۔

برہان لغاری کو پوری طرح اپنی مٹھی میں بند کر کے وہ ان کے سامنے آئی تھیں۔ انہیں دوبارہ اپنے مگر میں بحیثیت بھوکہ کر پہلا زہنی جھکنا، پھر کیے دیگرے نکلنے والے جھکوں نے انہیں بے دم کر ڈالا تھا۔

برہان لغاری جیسے آخر الامر دار بیٹا بدل جائے گا، انہیں یقین نہ تھا۔ بیٹا چھینا، پھر ہر اختیار ان کی مٹھی سے ریت کی مانند پھسلتا چلا گیا تھا۔ فالتھ نے ان کی سیاست سے ہی انہیں شکست دی تھی اور ان کا ساتھ دیا منال نے جو کئی دور میں ان کے ذہن پر عذاب رہی تھی۔

مکانات عمل شروع ہو چکا تھا۔ فالتھ گھر پر، دولت پر حکمرانی کرنے لگی تھیں۔ پرانے ملازموں کی طرح تمام سامان و رسم و رواج کو بھی وہاں سے نکال پھینکا گیا تھا۔ اب وہاں ہر شے اپورٹڈ تھی۔ ملازمین نئے اور ان کے حکم کے تابع تھے۔ آئے دن مکسڈ میڈ ونگز اور کاک ٹیل پارٹیز کا رواج تھا۔ فالتھ ساڈھی کا پلو جلاتی مسکراتی اندر داخل ہوئی تھیں مگر کمرے میں بسی ہساندے نے انہیں تانک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”ہیلو والدہ حضور! کیسی ہیں آپ؟“ ان کی آنکھوں میں تسخیر تھا اور لہجے میں طہر۔

”پانی پلاوے، کھانا کھاؤں گی۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر گھٹکیاں تھیں۔

”اوہ۔ آپ نے پانی نہیں پیا، کھانا نہیں کھایا؟“

"یہ نہیں دیتی مجھے، تر ساتی ہے، بھوکا رکھتی ہے مجھے۔" دو ملازمہ کی جانب اشارہ کر کے گویا ہوئیں جو فائنل کے پیچھے چلی آئی تھی۔
 "کیوں مہر د! ایسا کیوں کرتی ہو؟" ان کے انداز میں طنز تھا۔

"جیم صاحب! انٹیم سے دیتی ہوں، ورنہ بار بار بستر خراب کرتی ہیں۔"

"خود سارا دن کھاتی ہے مجھے ایک دفعہ دیتی ہے مردار املی ہوئی ہے تو بھی اس سے! اس ڈائن سے جس نے آتے ہی میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا، میرا بھائی مجھ سے چھین لیا۔" آخر میں وہ اسی طرح چیخنے چلانے لگی تھیں۔
 "پورے جسم کی طاقت بڑھیا کی زبان میں آگئی ہے۔"

"تجھے میری بددعا لگے گی تو نے میرا بیٹا چھینا ہے۔" دو زور زور سے رونے لگیں۔

"چپ کر بڑھیا! کبھی تو نے چھینا تھا، جب میں تو نہیں روئی تھی۔"

"ایک بار بربان کو میرے پاس لے آ، میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں، آخری بار دیکھنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے التجا کی۔

"فرمت نہیں ہے ان کے پاس۔" بدبو اور قحطی کے باعث وہ مزید وہاں ٹھہرنے لگی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

پیچھے سے ان کی آواز التجاؤں میں ڈھل کر باہر آ رہی تھی۔ دو رو رہی تھیں، وہ گڑ گڑا رہی تھیں، فریاد کر رہی تھیں، روئی دپانی کے لیے، بربان کے لیے، اس قید سے رہائی کے لیے جہاں سے انہوں نے تازہ ہوا، کھلا آسمان نہ دیکھا تھا مگر وہ ہر دفعہ کی طرح مسکراتی ہوئی نکل نکلیں۔
 والدہ حضور کی سسکیاں درد و دیوار سے پلٹ کر رونے لگیں۔

یہ انجام تھا اس خود پرست و جابر عورت کا، جو کل تمام رشتوں و ناتوں کو اپنی غرض و مفاد کے لیے استعمال کرتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم کہاں جا رہے ہو؟" ممداس کے کمرے میں آ کر پریشانی سے گویا ہوا تھا۔ ایک عرصے بعد پھر اس نے حزرہ کے چہرے پر پرانی وحشت و بے کلی کو رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اسب..... اسب بھی پوچھ رہے ہو؟ میں کہاں جا رہا ہوں اور کیوں؟" حزرہ نے سخت کسیدہ و برہم نگاہیں اس کی جانب ڈالے ہوئے کہا۔

"اتنا بڑا فراڈ ہوا میرے ساتھ، ناقابل فراموش دھوکہ..... میری ہستی، میرا وقار اور میری عزت سب راکھ ہو گئی۔ لہجوں کے اندر وہ ایک شخص جس کی پرچھائی سے بھی مجھے سخت ترین نفرت ہے دو..... وہ منال کا باپ ہے۔ پھوپھو کی حسرتوں و دکھوں کا ذمہ دار، کرن کی خوشیوں کا قاتل میں کس طرح....." لفظ اس کے لبوں میں پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"پلیز سنبھالو خود کو، اس طرح ڈپریشن نہ ہوتا تمہارے بہتر نہیں ہے۔"

"مجھے اکیلا چھوڑ دو، مجھے اپنی کتابوں پر دل کھول کر رونے دو، شاید پشیمانی کے آنسو میرے قلب کو سکون بخشیں، ورنہ جو تباہی پھیلی ہے جس طرح آگ بھڑک رہی ہے وہ سب کچھ خاکستر کر دے گی۔"

"دھوکہ تو دیا گیا ہے اس اعزاز سے کہ اعتماد و اعتبار کسی آئینے کی مانند کرہی کرہی ہو کر نکھر گیا ہے، کس قدر عزت و اہمیت کا حامل اعتماد سمجھا تھا سزاقتہ برہان کو، کتنی اپنائیت و مصومیت تھی۔ ان کے انداز میں از حد خاکساری، وضع داری نے ہمارے دلوں کو تخریر کر ڈالا تھا۔ آنکھوں کے آگے پردے ڈال دیئے تھے۔ سوچنے بجھنے کی تمام صلاحیتیں کو یا مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔"

صدمہ نے ہر ممکن طریقے سے اس کی دل جوئی کرنے کی کوشش کی تھی مگر حزمہ تو پتھر جیسے احساسات رکھنے والا بن چکا تھا۔

"میں نے ہمیشہ جلد بازی و اپنی عقل کے مطابق فیصلے کیے اور ان فیصلوں نے ہمیشہ مثبت کے بجائے منفی پہلو ظاہر کیے ہیں اور منال، بھابی سے تمہاری شادی کا فیصلہ بھی انہوں نے جس جگہ میں کیا اس کا انجام سامنے ہے۔ وہ اپنے کئے پر تادم تو تھیں مگر اب پچھتاؤں و انداشتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ انہوں نے کوشش نشینی اختیار کر لی ہے۔ ان کی آنکھیں خشک نہیں رہیں بہت اثر لیا ہے انہوں نے اس انکشاف کا۔"

"مجھے بھی سے کوئی شک نہیں ہے، پہلے جو کچھ کیا وہ کیا مگر ان کی نیت میں کوئی ثور نہیں تھا۔ انہوں نے یہ سوچ کر جلدی کی تھی کہ کرن نہیں ملی تو منال کو رب نے میرے لیے بھیج دیا ہے، اپنی زیادتیوں کی تلافی انہیں اسی صورت میں نظر آئی تھی پھر برادر! آس نے گہری دیکھ بھری سانس لے کر توقف کے بعد کہا۔

"جب میں بھی کچھ وقتی بہلاؤں میں آگیا تھا یا کرن کی قسم نے مجھے بھی اتنا جلد باز و بے قرار کر دیا تھا کہ میں نے سرسری سی جھان پٹک کی تھی اور مطمئن ہو گیا کہ وہ حقیقتاً کسی اور دوسرے شخص کی بیٹی ہے اور اس کی ماں نے تصویریں بھی ان کی اس دور کی دکھائی تھیں، جب ان کی شخصیت بالکل مختلف و بے ضرری تھی۔"

"تقدیر سے نہ کوئی جیت سکا ہے نہ جیت سکے گا، جو کچھ بھی ہوا جس طرح بھی ہوا اس کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر برداشت کر لو بچوں کی خاطر، اگر تم نے کوئی انتہائی قدم اٹھایا تو بچوں کا فیوچر برباد نہ رہے گا۔"

"میں بچوں کی خاطر ہی منال کو ڈانٹوں نہیں دے رہا مگر اس کے ساتھ بھی نہیں رہوں گا۔" حزمہ کے انداز میں حد درجہ کماہت تھی۔

"کیا مقصد ہوا اس بات کا؟"

"میں جارہا ہوں، کہاں، یہ نہیں معلوم، بچے اور منال سبیں رہیں گے یا وہ اپنی ماں کے پاس رہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"حزمہ! اپنے میل فٹ مت بنو۔ کسی اور کا نہیں تو ذوالنون کا سوچو، وہ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زندگی ہے تمہاری، روح ہے، پھر تم کس طرح اس کے بغیر رہ سکتے ہو بلکہ کونین کے بغیر کیا رہ پاؤ گے؟ گوکہ جانتا ہوں کونین بے لگری، لالہ لالی، کھلنڈری طبیعت کا مالک ہے، اس لیے تم اس کی طرف سے بے لگ رہی رہتے ہو مگر ذوالنون کا کیا ہوگا؟ وہ بھابی سے ذرا بھی انچڑ نہیں ہے، تمہارے بغیر وہ نہیں رہ پائے گا۔" صدمہ نے اس کی کمزوری یاد دلانے کی سعی کی مگر اس وقت وہ محبت و مردت سے عاری ایک پتھر شخص تھا جس پر کوئی جذبہ، کوئی محبت، کوئی کمزوری غالب نہ آ سکتی تھی۔ صدمہ دل گرفتہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔

”ایا! ایا! آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ حترہ نے مڑ کر دیکھا، وہ نہ معلوم کب سے اچنچڑا تھا کہ پردے کے پیچھے کھڑا تمام گنگو سنار ہاتھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور سرمئی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

یہ آنکھیں!

یہ چہرہ!

اُن کے اندر بر چھیاں ہی چلنے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں۔

”مما! انس کی کاپی دیکھی آپ نے؟“ اندر داخل ہوتا ہوا ٹھٹھک کر رہ گیا۔

”کوئین کی دفعہ میں انس کے خیال سے باہر تھی۔ حترہ کی پرستائی نے بے خود کر ڈالا تھا، مگر حترہ جیسا غیر روایتی، سرزد جذبات رکھنے والا مرد تیار دہرے مجھے اپنی ذات کا اسیر نہ کر سکتا تھا۔ شاید وہ مجھے شدتوں سے اپنی ذات کے حصار میں رکھتا تو میں پھر سے انس کی محبت میں گرفت نہ آتی۔ پر انس کی پیدائش سے قبل فرسٹ منٹھ سے ہی مجھ پر، پھر اس بے درد بے قدر کی یادیں حاوی ہوئے تھیں۔ میرے دن و رات اس کے تصور سے آباد تھے اور دیکھتے کتنا زبردست کس! آبا سے پر انس کے فیس پر۔ انس جیسے ہی اس کے نقوش ہیں۔ رنگت ہے اور آنکھیں تو نسیم انس جیسی ہیں۔ سرمئی، روشن اور جھیل کی طرح گہری خوب صورت۔“ انس نے ہسرت سے کھلکھلاتے ہوئے اس کی آنکھیں چوہی تھیں اور پر انس منہ ہٹا کر دودھ بست گیا تھا۔

”ادو والٹک ممما انس کی طرح ہی پراؤنڈ و ہڈ دماغ بھی ہے۔“ وہ ہنسی۔

”کچھ مقل بھی استعمال کر لیا کر۔ ایک دفعہ تو اس نا تجارت کے پیچھے گھر چھوٹ بیٹھی ہو، اب پھر یہی ارادہ لگ رہا ہے تمہارا، ان باتوں کو خوابوں میں بھی یاد نہیں کرتے، مگر حترہ کو معلوم ہو گیا تو۔۔۔“

”کچھ نہیں ہوگا، انس شخص میں ایسی کوالٹیز نہیں ہیں جو وہ کوئی ایسا ری ایکٹ کر سکے۔ وہ خاموش دنیا کا باسی ہے۔“

مثال کے قہقہے ان کے اندر ابھی تک گونج رہے تھے۔ اپنی حیات، اپنی عزت، اعتماد و یقین کو پارہ پارہ کرتے قہقہے۔ اس کی آنکھوں میں لہو اترنے لگا۔ آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کی دھڑکن کی مانند پڑنا کہیں گم ہو گیا۔ اب ان کے سامنے ان کی شریک حیات کی مچھلیوں و جنون خیزیوں کا جینا جاگنا ثبوت کھڑا تھا۔

سرمئی آنکھیں

وجیبہ چہرہ

اُن کے ذہن کی اسکرین پر ہنسنے بھرنے سے ایک تصویر جم کر رہ گئی تھی۔ مڈر انس، انس مڈر کی تصویر، کتنی شباب، کتنی مہمکت تھی ان چہروں میں۔ گویا تمام نقوش چرا کر آویزاں کر دیئے گئے ہوں۔

بیٹا و دان کا تھا اور شبیرہ کسی اور کی، خیالات کی مصوری کا نادر نمونہ، ایک عورت کی پراگندہ، اپنی دہر جاتی پن کی مثال۔

”ہا..... ہا! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟“ جو نظریں اس کے لیے محبت و شفقت کی چاشنی سے لبریز رہتی تھیں۔ ان میں دو کئی دنوں سے عجیب چش و بیگانگی و کھیر ہاتھا اور سمجھ نہیں پار ہاتھا انہیں کیا ہو گیا ہے اور اس لمحے بھی انہیں خاموش و مگھوڑے پا کر وہ ڈرتے ڈرتے بولا تھا۔

”کچھ نہیں۔ آپ چپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟“ حزرہ کا انداز سرد تھا۔

”نو ہا!“ حزرہ کو غصے میں دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف پھیل گیا تھا۔

”پھر وہاں کیا کر رہے تھے؟“ حزرہ اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔

”میں وہاں اپنی بال دیکھنے گیا تھا۔ آپ اور اکل ماما کی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے سامنے آنا چاہا نہیں گا۔“ کسن ذہن سے بڑی گہری و با معنی بات نکلی تھی۔ حزرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پہلی ذہانت و لیاقت عمر سے بڑی سوچ کی وسعت اسے اپنے ہم عمر بچوں میں ممتاز کرتی تھی۔

شور سے قبل ہی آگئی کے در اس پر وا ہو چکے تھے۔

”بابا! ماما ایک اچھی عورت نہیں۔“ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

”ماما گندی ہیں، جھوٹ بولتی ہیں، دانا بھی گندی ہیں اور گرینڈ پابھی۔ ہم ان سے نہیں بات کریں گے۔ وہ سب گندے ہیں۔“

وہ حزرہ کے سینے پر سر رکھ کر آہستہ آہستہ نفرت آمیز لہجہ میں کہہ رہا تھا۔

حزرہ نے دایاں بازو آگے بڑھا کر اسے سینے سے بچھنچھ لیا تھا۔ گرم گرم آنسو خاموشی سے اس کے چہرے کو بھگور رہے تھے۔

کشتی اذیت ناک ہے انہوں کی جدائی، جیتے جی انہوں کو چھوڑ دینا۔ زندہ دگر کو ہو جانے کے برابر ہے۔ اسے یہ بوجھ اٹھانا ہی تھا۔

زندہ دگر کو رہنا ہی تھا۔ دوسروں کے لیے دو چہنچہ رہنا تھا مگر اب وہ اپنے لیے مینا چاہتا تھا۔ اس سو دو زبان کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔

زندگی اُس پر ضرب لگاتی چلی آتی تھی اور ان ضربوں نے گویا اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُن جانے میں وہ اس عورت کو شریک سفر بنا بیٹھا تھا جہاں کی کرن کی دشمن تھی۔ اُس سے دل کا تعلق اس کا ابھی برقرار تھا۔ شوہر کے ہوتے ہوئے بھی وہ غیر سرو کی محبت میں گرفتار تھی۔

ایک راز سے پردہ اٹھنا تھا کہ پھر ہر راز سے پردے ہٹنے چلے گئے۔ سب کچھ عیاں ہوتا چلا گیا مگر اس طرف بلا کی بے غیرتی و بے حسی تھی۔

ہر راز عیاں ہونے پر، ہر بات کھلنے پر بھی نہ اُن کی پیشانی عرق آلود ہوئی، نہ ٹاپیں، پیشانی و جھک سے جھنجکیں وہ اسی طرح مطمئن و مسرور رہیں۔ البتہ کرن کے متعلق جان کر منال نے الزامات و دفعوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ اپنی کسی بات پر وہ شرمندہ نہ تھی، مگر حزرہ کو مسلسل تیز کر رہی تھی وہ کرن کے حوالے سے۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا، وہ آتے ہی حزرہ سے اُلجھنے لگی تھی۔ اس کے چیخنے چلانے پر حزرہ سوتے ہوئے ڈالٹون کی طرف اشارہ کر کے بولا کہ وہ خاموش رہے۔

”میں کیوں خاموش رہوں، مجھے برباد کر کے رکھ دیا، آپ کی اس جھپٹی نے، مجھے آپ نے چاہا کب؟ کب محبت کی؟“ وہ چیخی۔

”بات کو مت بڑھاؤ، میں کہہ رہا ہوں۔“ حزرہ سرد لہجہ میں گویا ہوا۔

”بات بڑھ چکی ہے وہ لڑکی نہیں ناگن ہے، جس نے بار بار میری خوشیوں کو ڈسا ہے، میرے سکون کو زبردستی ہٹا دیا ہے۔“ وہ اس سے زیادہ چیخ رہی تھی۔

”کہو اس مت کرو، خبردار جو تمہاری زبان پر کرن کا نام بھی آیا تو.....“

”اوہو..... اس کو کہتے ہیں محبت اور اس کا جوش، مجھے ہر جگہ ہنسنے والے دھنکے کے طعنے دیتے ہو اور خود اپنے گریبان میں تھما کر نہیں دیکھتے۔ یہی کے پہلو میں کھڑے ہو کر غیر عورت کی طرف داری کر رہے ہو۔“ منال کا لہجہ سخت خطرہ بھرا لگنے والا تھا۔

”شٹ آپ، بد زبان عورت، زبان بند کرو اپنی دورندہ.....“ شدید طیش میں اس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

”دور نہ کیا کر لیں گے آپ؟ دوسرے کو آئینہ دکھانا کتنا آسان ہے۔ خود بھی دیکھیں اور اس اذیت کو محسوس کریں جو مجھے ہو رہی ہے۔“ وہ ڈر رہی تھی، جھٹکتا اور اپنی لٹلٹی تسلیم کرنا جانتی نہ تھی۔ اسی چیخ و پکار میں بیل پر سوار ڈالٹون کی آنکھ کھل چکی تھی۔ وہ اسی طرح لیٹا مندی مندی آنکھوں سے سب دیکھ رہا تھا۔

ماں کی شعلے برساتی نگاہیں دوپٹا چلاتا لہجہ جو اسے کبھی پسند نہ رہا تھا۔ باپ کا مسامتہ و منجیدگی کا لہجہ اور بڑے باوقار انداز جو اسے پسند تھا مگر اس وقت وہ باپ کے چہرے پر نظر آتے فیض و غضب کے نئے رنگ دیکھ کر سہا جا رہا تھا۔ ان کا اتنا سادہ خوف کے مارے تیزی سے وحشت زدہ ہوا تھا۔

”تم..... تم! کیا اذیت محسوس کرو گی؟ جو دوسروں کو تکلیف میں رکھنا جانتے ہو، وہ خود دوسروں میں کس کرتے۔ مجھے آئینہ دکھاؤ گی، میرا نصیر، میرا کردار کسی غلاحت، کسی فریب کی رسوائی سے بدنما نہیں ہے، اگر تم مجھے سردشاہ کے بارے میں خود ہی بتا دیتیں تو میں اتنا گھٹتی نہیں کرتا جتنا تمہاری اور پھر خود سردشاہ کی زبانی سن کر مجھے اذیت ہوئی ہے۔ مرد کتنا ہی برا، کتنا ہی پتھر ہو لیکن عورت کا خلوص، ایثار و محبت اسے موم بنا دیتی ہے، مگر تم نے کبھی ان جذبیوں تک رسائی نہیں پائی۔ آئینا کی نہیں پیدا کی تو مجھ سے کس بات کا شکوہ؟“

”اوکے۔“ وہ اس کے قریب آ کر ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر اس کی آنکھوں میں خطرے دیکھتے ہوئے پھنکاری۔ ”آپ نے کبھی مجھے بتایا کہ آپ کرن کو پسند کرتے ہیں؟ اس کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں؟ اس کے عاشقوں میں سے ایک آپ بھی ہیں؟“

”منال!..... اپنی زبان کو لگام دو۔“ وہ طعنے سے چیخا۔

”کیوں تمام لگا میں صرف عورت کے لیے ہوتی ہیں؟ مرد جہاں چاہے منہ مارتا پھرے، اس کے لیے کوئی پابندی، کوئی زنجیر نہیں ہوتی ہے۔ مرد ہزار گناہ کر کے بھی نیک و پارسا کہلاتا ہے، عورت ایک خطا کر کے بھی سزاوار ہو، میں نہیں مانتی ان باتوں کو، آپ کل بھی کرن کی محبت میں بندھے تھے اور آج بھی ہیں اور شاید مرتے دم تک رہیں گے۔“

”مزہ کی خاموشی کرن سے ہمیشہ رہنے والی محبت کا اقرار جو منال کو بُری طرح پھرا گیا تھا۔ وہ مشتعل ہو کر بولی۔

”پھر تم میرے ساتھ کہاں ہو، میرے کہاں ہو، مجھ سے شادی کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ بد نصیبی سے میرا اور اس کا فیس ملتا ہے اور

میکہ چہرہ بھی آپ کو میرے قریب لایا اور پھر آپ کی خواہشیں پوری ہوتی چلی گئیں۔ مرد اور اس کی خواہشیں..... "وہ استہزائیہ اعجاز میں تھی۔
 "محبت اور طلب، مخلوقوں میں چہرہ میرا نہیں کرن کا رہا پھر..... خواہ جسم کوئی بھی ہو تصور جانوں تو میرے چہرے میں بھی کرن کا
 چہرہ ہی دکھاتا رہا اور محبت کا حاصل بھی۔" دوز ہر لیے اعجاز میں کبہ رہی تھی۔ حمزہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر
 پہلے پے تھپڑوں سے اُس کا چہرہ سرخ کر ڈالا۔

اُس کی آنکھوں میں بھی خون کی سرخی لہرائے لگی تھی۔

ان کی نگاہوں سے ذوالنون کی موجودگی گویا فراموش ہو چکی تھی۔ ذوالنون جس کی حساسیت اور اک حد سے سوانحی۔ ماں کی
 زبان و رازی کے نا آشنا گوشے اور باپ کے اس قہر و غضب میں بھرے خون خوار روپ نے اسے اتنا ہراساں و خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ ڈر کر
 چپ بھی نہ سکا تھا اور تیزی سے اپنا منہ رضائی میں چھپا لیا تھا۔

اُس کا معصوم و ناپختہ ذہن جو پہلے ہی ماں اور باپ کے درمیان بے گامگی کے احساس کا شکار تھا۔ اس وقت ان کے درمیان
 ہونے والی دو بدو جنگ نے اسے نئے دھماکے جذبے سے آشنا کر دیا تھا۔

نفرت شدید تر نفرت کا جذبہ!

عورت سے جنونی نفرت کا جذبہ!

سانے چہرے پر ہاتھ رکھے روٹی چٹختی، چلاتی ناز و بازبان بولتی عورت اُسے ماں نہیں کوئی اور عورت لگی جو کسی اپنی جیسی دوسری
 عورت کے خلاف بڑے بڑے لفظ بول رہی تھی۔

ان کرب ناک لمحوں میں وہ دس سال کی عمر میں شعور کی کئی منزلیں اذیت ناک اعجاز میں چھلانگ چلا گیا تھا۔

بے حد جنگ و مشکل ترین گرہ پڑی تھی اس کے ذہن میں اور آگے کا سفر از حد کٹھن و دشوار ہو گیا تھا۔ وہ اُس کی اتر ہوتی واپسی
 حالت سے بے خبر ایک دوسرے پر الزامات لگانے میں مصروف تھے، پھر اس نے پھر اُنی ہوئی آنکھوں سے ایک اور کرہ ناک منظر دیکھا تھا۔
 منال روٹی چٹختی سوٹ کیس میں اپنے کپڑے وغیرہ بھر کر چلی گئی اور اُس کے بعد اس نے حمزہ کو دیکھا جو پہلے سے تیار شدہ سوٹ کیس اٹھا کر
 آگے بڑھا تھا اور اُس پر نظر ڈال کر چند لمبے کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔ اُس نے بھی باپ کو جاتے دیکھ کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"ذوالنون امیری جان۔" سوٹ کیس رکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا تھا اور اسے ہاتھوں میں بھر کر پوری شدت سے رو پڑا تھا۔

"بابا! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" کوئین جو دوسرے کمرے میں ماں باپ کی لڑائی کی آوازیں سن کر گھبرا رہا تھا، ماں کو جاتے
 دیکھ کر یہاں آیا تھا اور یہاں باپ کو بھی تیار دیکھ کر پریشانی سے بولا۔

حمزہ نے اُس کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ بھی خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھوں ابھی آنسو چمک رہے تھے، چہرے پر نشان تھے،
 آنسوؤں کے۔

”میں جا رہا ہوں، مجھے جانا ہوگا۔“ دوسرے ہاتھ سے کونین کو لپٹاتے ہوئے وہ بھرائے لہجے میں بولا۔

”ہمیں آپ کی ضرورت ہے بابا، آپ مت جائیں۔“

”میں نہیں رک سکنا، اگر رک گیا تو مر جاؤں گا، میری شریانیں پھٹ جائیں گی، میں یہاں نہیں رہ سکتا، مجھے روکنا مت۔“ اس

کے آنسوؤں کے سر کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

”میں ماما کو لے آؤں گا، آپ مت جائیں۔“ کونین نے تسلی دینی چاہی۔

”مامی فٹ، مجھے نفرت ہے اس عورت سے جو رشتوں کے تقدس کا قتل کرتی ہے، اگر وہ میرے سامنے آئی تو میں خودکوشٹ کر لوں گا۔“

ان دونوں کو علیحدہ کرنا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا انداز اتنا سرد و روکھا ہو گیا کہ پھر کونین کی جرأت نہ ہو سکی اسے روکنے کی اور والدین تو کچھ بولا ہی نہ تھا۔ اس کا ذہن شاک کے زیر اثر تھا۔ وہ پترائی ہوئی لگا ہوں سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ دیکھتا رہا تھا، جانے سے قبل مزہ نے ان سے معافی مانگی، ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا کہا اور بھی نہ معلوم کیا کچھ وہ کہتا رہا تھا اور آخری لمحے وہ لگاؤ میں چرا کر ان کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ جاتے لمحے انہوں نے اس کی بیٹھائی پر وہ بوسہ بھی نہ دیا تھا جو کہیں جانے سے قبل دینے کے عادی تھے۔ کونین روتا ہوا ان کے پیچھے گیا تھا مگر وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھیں خشک، مگر دل کی دنیا میں زبردست جابجائی پھیلی ہوئی تھی۔ ماں سے ہمیشہ اسے نفسی کا احساس ملا تھا۔ باپ سے ملنے والی تمام محبت و الفت، اعتماد و اعتبار کے بھرم بھی ٹوٹتے چلے گئے۔ بہر حال ان ٹوٹے احساسات کی گہرینگی رہی تھی۔

”پُرس..... پُرس! بابا ہمیں چھوڑ گئے پُرس!“ کونین واپس آ کر اس سے لپٹ کر رو پڑا وہ پھر بھی ایسے ہی بیٹھا رہا۔

”پُرس! بابا نہ معلوم کہاں گئے ہیں؟ ماما بھی چلی گئی ہیں..... تم بولتے کیوں نہیں..... جیسا کہ کیا ہوا؟“ کونین نے گھبرا کر اسے جھنجھوڑا تو وہ بے ہوش ہو کر اس کی گود میں گر گیا۔ کونین کی آنکھوں نے ملازمین کو کمرے میں اکٹھا کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آسمان پر ہلکی ہلکی دھند تیزی سے بڑھ رہی تھی اور خوشگوار موسم میں سروی کا احساں پھیلنے لگا تھا۔ سبزے میں بے شمار پھولوں پر بیٹھی منزلاتی تکیوں کے پیچھے بھاگتی سرخ فراک میں گولڈن بالوں کی دو پونوں میں وہ خود بھی ایک خوب صورت و دل کش تہلی لگ رہی تھی۔ برفلائی نیٹ پکڑے وہ کئی گھنٹوں سے تکیوں کے ساتھ کھیل میں مصروف تھی۔ کبھی انہیں پکڑ لیتی اور کبھی چھوڑ دیتی، مفلادور ہاسٹ میں ڈیڑھ روں رنگ برنگے پھول رکھے تھے۔ وہ اپنے اس مشغلے سے بہت خوش تھی۔ اس کے ساتھ آئے ہریرہ اور ایریج کافی تاہم گزر جانے کی وجہ سے گھر جانا چاہ رہے تھے مگر وہ تیار نہ تھی۔

”خوریں! آئی اور می گھر آگئی ہوں گی، وہ ہمیں گھر میں نہ پا کر پریشان ہوں گی، پلیز چلو ناں۔“ ایریج نے کہا۔

”وہ دونوں گھر دوسری کرنے لگی ہیں جلدی نہیں آئیں گی۔“

"وہ آگئی ہوں گی، ہمیں چننا چاہیے۔" ہریرہ داخل میں چھانے والے سرٹمی غبار دیکھ کر بولا۔
 "میں نے کہا نا نہیں آئی ہوں گی۔" سیٹ نیچے کر کے وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخنے والے انداز میں بولی۔
 "آگئی ہوں گی۔" ہریرہ کا انداز بھی چیخنے والا تھا۔
 "جو جائے شرط؟" حورین ہاتھ پھیلا کر بولی۔

"ڈن۔" ہارمونی تو یہ تمام چاکلٹیں اور ویفرز میرے ہوں گے؟"

"نہیں، اگر جیت گئی تھیں مرقا بن کر اذان دینی ہوگی، بالکل مرنے کی طرح؟" حسب عادت اس نے کہا جو ہریرہ نے مان لیا اور وہ تینوں گھر کی طرف لوٹے تھے۔

گھر سے کچھ دوران دونوں نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے ہریرہ نے کی تھی، وہ پہلے پہنچ کر تسلی کرنا چاہتا تھا کہ اگر مری اور آگئی آئی نہ ہوں تو وہ شرط ہارنے کی صورت میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی تدبیر کر سکے۔ حورین جو اس کی چالاکی سمجھ گئی تھی، اس نے بھی دوڑنا شروع کر دیا، ان دونوں سے پیچھے آتی ہوئی ایرج انہیں آوازیں دیتی اور یہی تھی، مگر وہ دونوں نمبروں شریر و ہنگامہ پسند طبیعت کے مالک تھے۔ کہاں سننے والے تھے۔ اسی ہماگ دوڑ میں حورین کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی چیخیں بھی نکل گئی تھیں۔ حورین ڈھلوان رخ سے پھسلتی ہوئی نیچے گرتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چمڑی پھولوں کی باسکٹ سے پھول، ٹافیاں، چپس اور ویفرز کے پیکٹ بھی ادھر اُدھر لڑھکتے غائب ہو گئے تھے۔

دو زمین پر آتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ سبز گھاس پر اس کے سر سے نکلا سرخ خون پھیلنے لگا تھا۔ ایرج اسے بے ہوش اور خون دیکھ کر رونے لگی تھی، جبکہ ہریرہ بدحواس سا گھر پر گیا تھا۔ گھر پر ان چندوں میں سے کوئی بھی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ دو ملازم اور ملازمہ کو لے کر آیا۔ ان کی مدد سے وہ حورین کو ہسپتال لے کر جا رہے تھے، جب وہ وہاں لوٹے تھے اور اسی نام اسے ہسپتال لے کر روانہ ہوئے تھے۔
 "تھیمکس گاڈا کوئی غریب کچر نہیں ہوا ہے، وہ نہ میں تو ذرا ہی گیا تھا۔" اس دواؤں کے زیر اثر سوتی ہوئی حورین کا رخسار چوم کر بڑے تشکر انداز میں بولا۔ اس کے سر میں زخم آیا تھا اور چند معمولی سی چوٹیں تھیں۔ ڈاکٹر نے ایک گھنٹے کی ٹریینٹ کے بعد چھٹی دے دی تھی۔ ایرج کی زبانی وہ تمام صورت حال سے باخبر ہو چکے تھے۔ سعد اور فارہ نے اسے ڈاکٹرا تھا اور سعد نے سزا کے طور پر اسے مرنا بتایا تھا، کرن کے کہنے پر اس کی سزا معاف ہوئی تھی۔

"میں ہوا تو کل ہوگا، یہ لڑکی اس طرح حرکتیں کرتی رہے گی تو کب تک نقصان سے بچ سکتی ہے؟" کرن ہنکرا انداز میں بولی۔
 "کیسی باتیں کر رہی ہو یا راجہ حورین بچی ہے ابھی۔" انس کو راجہ محسوس ہوا۔

"آج بچی ہے کل بڑی ہوگی، پھر لڑکیوں کو بڑے ہوتے وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ بچپن کی پختہ عادتیں عمر کے ساتھ مزید پختہ ہو جاتی ہیں اور حورین کی یہ شرط لگانے کی عادت مجھے نہ معلوم کیوں خوف زدہ کر دیتی ہے۔ مجھے ڈر رہتا ہے اس کی اس عادت سے۔"

”بلاوجہ کے خدشے پالنا کوئی تم سے سیکھے۔“ انس نے ہنس کر کہا۔

”یہ خدشے نہیں ہیں انہام ہے، کوئی خفیہ سرگوشی ہے جو اکثر میرے اندر گونجا کرتی ہے یا میری چھٹی حس جو عموماً اشارہ ہو جاتی ہے۔“
 کوئی کوئی پریشان سی کرن کو انس نے بغور دیکھا، پچھلے کچھ دنوں سے وہ منظر بے بدل رہنے لگی تھی۔ اس کی زندگی بے سکن مسکراہٹ گویا
 کوہِ چکی تھی۔ اس کی کیفیت خود اسے بھی بے چین کیے ہوئی تھی۔ گزرتے وقت نے اسے کرن کے بہت قریب کر دیا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ اب
 اس کے چہرے پر رنج و فکر کی معمولی سی لکیر دیکھ کر پریشان و بے چین ہو جاتا تھا۔ گویا زندگی و مسرت کا ہر احساس اس سے مربوط تھا۔
 ”میں دیکھ رہا ہوں جب سے خورین اسکول کے سوشلنگ پروگرام سے گولڈ میڈل جیت کر لائی ہے، تب سے تم پریشان و فکر مند
 ہو، ایسی کیا بات ہے۔“

”انس! یہاں کا آزادانہ ماحول، یہاں کی عریاں تہذیب مجھے خوف زدہ کر رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی ہماری عورین یا اہمیت و
 ہریرہ پر یہاں کی تہذیب و آزادی کا معمولی سا بھی سایہ پڑے، اس سے قبل ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے۔ ابھی وقت ہمارے ہاتھوں سے
 لٹکا نہیں ہے۔“

”ٹیک اسٹ ایجنسی کرن! کیا فضول سوچتی رہتی ہو! ہمیں اپنے بچوں پر اپنے خون پر اعتماد ہونا چاہیے۔“

”انس بھائی! کرن بھابی درست کہہ رہی ہیں۔ یہ معاشرہ اور یہاں کی سب سے راہروی مجھے بھی پریشان کیے ہوئے ہیں پھر بات خون و
 خاندان پر اعتماد کی نہیں ہوتی ہے۔ بات یہیں آتی ہے آگ میں رو کر آپ خود کو کس حد تک بچا پائیں گے؟“ قاریہ بھی کرن کی ہم خیال تھی۔
 ”کرن بھابی اور انس کا معاملہ تو تم جانتی ہو تا یہ! پھر کس طرح یہ واپس جاسکتے ہیں، یہ بھی تو سوچو۔“ سعد نے گفتگو میں حصہ لیا۔
 ”سعد بھائی! دادو دور گزر گیا۔ بہت خوف زدہ ہوئے، بہت ڈرے مگر اب نہیں ڈرنا ان کے خوف سے۔ ہم یہاں اپنے بچوں کی
 تربیت خراب نہیں کر سکتے، ہمیں پاکستان واپس جانا ہے بس۔“ کرن قلعیت بھرے انداز میں بولی۔
 ”اوکے، اوکے، اتنی جلدی ڈپریشن میں آپ خواتین بھلا نہ ہوا کریں، ہمیں پاکستان جانا ہے لیکن بچوں کی ابتدائی تعلیم مکمل ہونے
 کے بعد سب چلیں گے۔“ انس اور سعد نے یقین لے کر کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہل روم میں وہ سب جمع تھے۔

صمد، صمد کی بیوی صنوبر، راحیلہ بیگم، ذوالنون، کونین اور صمد کا بیٹا ہنزہ، بیٹی خضرئی اور دوسرا بیٹا خضر۔ اتنے نفوس ہونے کے باوجود
 وہاں خاموشی اپنے پرے وجود سمیت حائل تھی۔ البتہ راحیلہ بیگم کی کھنٹی کھنٹی سسکیاں ماحول کے سکوت میں ارتعاش سا پیدا کر دیتی تھیں۔
 صمد ابھی ابھی کہیں سے آکر بیٹھا تھا۔ تمام نگاہیں اس کے چہرے پر جمی بے تابی سے اٹھی تھیں۔ اسی طرح جبکہ بھی گئی تھیں۔ ناکامی و
 نامرادی صمد کے چہرے پر عیاں تھی۔ راحیلہ بیگم کی سسکیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔

”مت روئیں ماما! کب تک ہم سے اپنے بچوں سے دور رہے گا وہ آج نہیں تو کل لوٹ آئے گا۔ ہماری خاطر اپنے گھر اپنے بچوں کی خاطر“۔ ماں کو تسلی دے کر اس نے ذوالنون اور کوئین کو دونوں بازوؤں میں لے کر خود سے لپٹا لیا تھا۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”نہ پتہ نہ ٹھکانہ، اس کی منزل کا نہیں پتہ ایسا کہاں چلا گیا میرا بچہ۔ مجھے خبر بھی تو ہو کہ کہاں گیا ہے۔“ راحیلہ کو کسی دم قرار نہ تھا۔ ”دو پاکستان سے باہر گیا ہے۔ میں نے ٹریول ایجنسی سے معلومات لی ہیں، آپ روئیں نہیں۔ صرف دعا کریں، وہ لوٹ آئے گا بہت جلد، صنوبر بچوں کو تیار کر دہم کھانا باہر کھائیں گے۔“ وہاں موجود ڈپریشن کو دور کرنے کے لیے اس نے پروگرام بنایا تھا مگر کوئی بچہ باہر جانے پر راضی نہ تھا۔ صنوبر نے انہیں گھر ہی کھانا کھلا کر دوسری ضروریات سے فارغ کر دانے کے بعد کمروں میں سونے کے لیے بھیج دیا تھا اور خود دوسرے کاسوں میں لگ گئی تھیں، جبکہ صمد اور راحیلہ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

”بھالی نے آنے سے انکار کر دیا مگر تاقہ آئی کبہ رہی تھی، کچھ دن بعد بھالی کا قصہ اتر جائے گا تو وہ خود چھوڑ جائیں گی یہاں۔“ ”وہ عورت نہ اچھی بہو ثابت ہو سکی، نہ اچھی بیوی اور نہ اچھی ماں۔“

”کوئین نے ان باتوں کا اتنا اثر نہیں لیا ہے جس قدر ذوالنون دل و دماغ پر اثر لے بیٹھا ہے۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے نہیں گرا ہے اور زبان کو جیسے کالا لگ گیا ہے۔ کچھ بولتا بھی نہیں ہے۔ ڈاکٹر زہد کہتے ہیں اگر اس کی بیبی کنڈیشن رہی تو کسی سائیکالوجی پر الیم کے سرکل میں پریشر اتر ہو سکتا ہے۔ یہ بہت بڑا پراجیم ہے ماما، اسے کسی طرح دل کا غبار نکالنا چاہیے، اسی طرح وہ ریلیکس ہو سکتا ہے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، کچھ بھی۔“ انس نوری طرح پریشان تھا۔

”اللہ نہ کرے جو میرے بچے کو کچھ ہو۔ اس کی جان تو باپ میں اٹکی رہتی تھی، اس کی تو یہ حالت ہونی ہی تھی۔“ راحیلہ بیگم زور و شور سے رونے لگیں۔

ایک ہفتہ حزیہ گزر گیا، نہ خیرہ نے کوئی رابطہ کیا، نہ منال کوئی اور نہ ہی ذوالنون کی خاموشی و بے حسی میں کمی آئی۔ کوئین اس کا بے حد خیال رکھنے لگا تھا۔ گھر کے سب لوگ اسے دی آئی پی دلیبو دے رہے تھے مگر اس میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ یہ وہی گھر تھا جہاں آکر وہ بے حد خوش و خرم رہا کرتا تھا۔ واوی سے کہانیاں سناتا، چچی سے کھالوں کی فرمائشیں کرتا، بچا کے ساتھ آکس کریم کھانے جاتا اور بچوں سے گہری دوستی رکھتا تھا اور اب..... اسے کچھ نہیں پسند آ رہا تھا۔

ہنزہ اور خضر کی جانب کبھی لگاؤ افکار دیکھ لیا کرتا مگر خضر ہی جس سے اس کی فریڈ شپ تھی، لگاؤ افکار دیکھنا بھی گوارا نہ تھا اور چہ ماؤ کی عریہ تو اس کی گود و محبتوں سے محروم ہو گئی تھی۔

اس وقت بھی وہ سوچوں میں گم بیٹھا تھا، جب اچانک ہی کوئین نے چہ ماؤ کی عریہ کو اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”پرئس! یہ تمہیں دیکھ کر مسکرا رہی ہے، تم سنبھالو اس کو۔“ وہ بڑی زور سے چونکا تھا اور اس کا یہ چونکنا اندر داخل ہوتے صمد کی

لگا ہوں میں تجس چکا گیا، دو وہیں کھڑے ہو کر بخور اس کے بتدریج سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا، جس کی لمحہ بہ لمحہ کیفیت بدل رہی تھی۔
 ”یہ..... یہ اس کو تم نے کیوں مجھے دیا ہے؟“ شدید غصے و جنون سے اس کی آواز کانپ رہی تھی، اعصاب تن گئے تھے۔
 ”اتنا غصہ کیوں ہو رہے ہو۔ یہ عریضہ ہے تمہیں اچھی لگتی ہے ناں۔“
 ”تمہیں لگتی مجھے اچھی۔“ وہ چیخا۔

”کیوں؟ کیا ہوا؟“ کونین اس کی حالت پر پریشان ہوا۔

”یہ لڑکی ہے اور مجھے لڑکیوں سے نفرت ہے، آئی ہیٹ گرل۔“ اس نے شدید اشتعال سے کہتے ہوئے عریضہ کو گود سے نیچے اچھال دیا تھا اور اس طرح گرنے سے بچی پوری طرح گلا چھڑا کر روئی تھی۔ کونین نے پھرتی سے بچی کو اٹھا کر سینے سے لگایا تھا مگر وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

”تم پاگل ہو گئے ہو، بالکل پاگل۔“ کونین غصے سے بولا۔

”بال میں پاگل ہو گیا ہوں، آئندہ اسے میرے پاس لائے تو اس کو جان سے مار دوں گا۔“



بے حد خون خوار و سخت لہجہ تھا اس کا، پھر وہ وہاں رکنا نہیں تھا۔ دھپ دھپ قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے تہہ بھرے ہوئے تھے۔

”کونین جیسا عریضہ کو اپنی آئی کو دے آئیں۔“ مدد مونی نے پریشان ہوا اس سے مخاطب دیا تھا۔ کونین نے حکم کی تعمیل کی اور پھر فوراً واپس مدد کے پاس آ گیا جو کسی کبریٰ سوچ میں گم بیٹھا تھا۔

”انگل! آپ نے دیکھا پرنس نے عریضہ کو گود سے پھینک دیا، پھر اس کا لہجہ و اندازہ چہرے کے تاثرات کتنے خطرناک تھے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے وہ کبھی ایسا کچھ کر نہ دے۔ اس کی آنکھوں میں نفرت تھی، بہت شدید نفرت۔“ ذوالنون کی اہٹا کو پہنچی جنونی حالت نے سے ڈرا دیا تھا۔

”پریشان نہ ہو! ایسا ممکن ہوگا۔ میں اسی کوشش میں تھا کہ وہ اپنی خاموشی و بے بسی سے نکل کر کسی جذبے کا اظہار کرے، خواہ غم و غصہ، ہنسنا اور نامادارنا بیٹھنا یا کسی بھی طرح کا کوئی جذبہ، جو اس کے اندر بھری بند کیفیت کو ظاہر کرے جس سے اس کا دل دو مارغ فریش ہو اور وہ حقیقی شخصیت جو اس کے اندر بھر رہی تھی، ظاہر ہو۔ شکر اللہ کا کہ وہ خطرہ ملا ہے اب اسی کا جو مزاج ہو وہ ہمارے سامنے ہوگا، پوشیدہ نہیں۔“
 ان کے پریشان لہجے میں کچھ اطمینان ابھرا تھا۔ کونین اس نفسیاتی نقطے کو سمجھ نہ پایا تھا۔

☆.....☆.....☆

وقت کا طائر بہت جلدی سے پرواز بھرتا چلا گیا تھا۔ سال پر سال گزرتے رہے اور ان گزرتے سالوں میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ کل کے معصوم بچے آج کے بھرپور جوان تھے۔ حزرہ هنوز لاپتہ تھے، البتہ کسی نہ کسی جاننے والے کے ذریعے ان کی موجودگی کا سراغ

لتا رہتا، کبھی وہ اسپین میں، کبھی ٹورنٹو تو کبھی ناروے میں نظر آتے۔ اب نہ معلوم یہ اتفاق تھا یا ان کی احتیاط کہ کسی کو قریب آنے کا موقع نہیں دیا۔ صرف جھٹک دکھا کر غائب ہو جاتے تھے۔ گھر والے یہ سن کر ہی خوش ہو جاتے تھے کہ وہ زندہ سلامت ہیں اور کبھی نہ کبھی تو دشت سیاحی سے آگیا کر گھر کی راہ لیں گے۔

کوئین ایملی اے کر کے پرنس سنہال چکا تھا، جس میں نانا کا بھرپور تعاون اسے حاصل تھا، کیونکہ دو خیال میں زیادہ قریبی رشتہ اور تعلقات صہ کی فیملی سے رہے تھے، جہاں صہ کے دونوں بیٹے اور ایک بیٹی میڈیکل لائن سے باپ کی طرح وابستہ تھے۔ ان کا پرنس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ حمزہ اپنے باپ کا پرنس سنہال رہا تھا جو پہلے منال نے سنہالا ہوا تھا اور باپ کی مرضی پر ان کے ساتھ شرکت داری کر چکی تھی۔ سسرال سے تعلق انہوں نے پہلے بھی نہ رکھا تھا، پھر حمزہ کے جانے کے بعد تو وہ تقریباً بالکل لا تعلق ہو گئی تھیں۔ نت نئی دلچسپیوں نے انہیں بچوں سے بھی دور کر دیا تھا۔ پرنس پارٹیز، شاہنلو، گید رنگو وغیرہ میں دو اپنی ماں کا نقشہ بیگم سے بھی آگے بڑھ گئی تھیں۔ فائدہ بیگم کے بیٹے نہیں تھے۔ نو اسوں کے روپ میں بیٹے پا کر وہ بے حد مسرور رہتی تھیں اور اسی طرح برہان لٹاری بھی نو اسوں کو بیٹوں کی جگہ دے چکے تھے۔ والدہ حضور کو اس دنیا سے گئے برسوں گزر گئے تھے۔ بڑے کروڑ خاں و جلال سے زندگی گزارنے والی والدہ حضور کا آخری وقت بڑی کسہری کرب و تکلیف میں گزرا تھا۔ منال اور فائدہ نے اس سے تمام بدلے چکائے تھے۔ ہر بدلہ سود سیت وصول کیا جا چکا تھا۔

انسان بھی کتنا نادان ہے۔ دیکھوں کے چچ بوتا ہے۔ کرب کی فطرت کا تہا ہے۔ ایک عورت دوسری عورت پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے ہوئے اپنے کل کو کیوں فراموش کر دیتی ہے؟ مکافات عمل کو کیوں بھول جاتی ہے؟ عورت پر عورت کا ظلم صدیوں سے ہوتا آ رہا ہے، رشتے بدل جاتے ہیں، منصف نہیں بدلتی، ذہنیت و فطرت نہیں بدلتی، نہ معلوم کب یہ معجزہ ہوگا؟ کہ عورت اپنے مقام، اپنے فرض کو شناخت کر کے دنیا میں ہونے والے آدھے غلوں کا تو خاتمہ کر دے گی۔

حمزہ کے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک منال بھی برہان ہاؤس میں روشنی بیٹھی رہی تھی۔ فائدہ بیگم نے تنہا اوقات گزرنے کے بعد سمجھایا کہ وہ ایسی بے وقوفی نہ کرے۔ حمزہ چلا گیا مگر اس کی دولت، پرنس سب وجود ہے اور بچے بھی، عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خسر تھوک کر پرنس و جائیداد اور بچوں کو یہاں لے آئے اور منال کو ماں کے آئینہ یاز ہمیشہ سے پسند رہے تھے۔ وہ فوراً حساب کتاب بے باقی کر آئی تھیں، حالانکہ اس سے قبل ان کو مٹانے کی ہار راجیلہ بیگم اور صہ اور اس کی بیوی نے بہت کوشش کی کہ وہ دونوں بچوں کو ان کے پاس چھوڑ جائیں مگر فائدہ نہیں مانیں کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اگر بچے یہاں رہے تو کہیں بچا اور دادی کے طور میں نہ آجائیں اور سب کچھ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس خوف سے وہ بچوں کو وہاں چھوڑنے پر رضی نہ ہوئیں اور ساتھ لے آئیں اور پھر ان کی پوری کوشش یہی رہتی کہ بچے ان سے مل نہ پائیں یا اگر ملیں بھی تو بہت کم وقت کے لیے۔ اس دوران بھی گورنس ان کے درمیان موجود رہتی، تاکہ وہ کچھ سکھا، بھڑکان سکیں۔

کوئین عام فہم تھا، وہ ہر رنگ میں رنگنے اور ہر ماحول میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ باپ کی بے حسی و ماں کی بے نیازی وہ بھی مذہبی طرح محسوس کرتا تھا مگر اس نے ان احساسات کو خود پر حاوی نہ ہونے دیا تھا۔ مذہب و اتقان کی طرح۔

ذوالنون جو شروع سے ہی ایک مشکل و نہ سمجھ آنے والا بچہ تھا باپ کی موجودگی میں ہی وہ بے حد حساس و کم گو اور تنہید و تعاد پھر باپ کی غیر موجودگی و حالات نے اسے بالکل مختلف روپ دیا تھا۔ خزانہ کی دوری نے اسے سب سے دور کر دیا تھا، جی کہ چچا، چچی، وادی اور کزنز جن پر وہ جان ویتا تھا، وقت نے ایسی کڑی آزمائش میں اسے جلا کیا کہ وہ سب سے متنفر و بدعین و دور ہوتا گیا۔ بے اعتمادی، بے اعتباری نے اسے کسی پر اعتماد کرنا نہیں سکھا یا تھا۔ وہ گویا ہر شے و ہر تعلق و ہر بندھن سے بے گانہ، لا پرواہ و بے نیاز ہو گیا تھا۔ بڑھتی عمر اسے سنجیدگی و خاموشی کے بحر بے کراں میں ڈبوئی چلی گئی۔ وہ اوروں سے بے نیاز اپنی دنیا اپنی پڑھائی میں گم ہوتا چلا گیا۔ اپنے مزاج و عادات کے برعکس وہ ہمیشہ سے پڑھائی میں نمایاں ترین پوزیشن لینا آیا تھا۔ برہان لغاری نے بہت چاہا کہ وہ باہر جا کر کسی اعلیٰ تعلیمی ادارے سے منسلک ہو جائے مگر اس نے اپنے ملک پر کسی بھی دوسرے ملک کو ترجیح نہ دی تھی۔

”کوئین! پرنس کہاں ہے؟“ مثال اندر آ کر اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

وہ حیدر کے ساتھ گیا ہے کچھ دیر قبل۔ آپ کو کوئی کام تھا؟“ وہ کنبہ لٹکس بند کر رہا تھا ان سے مخاطب ہوا۔

”یہ لڑکا کبھی سچے میں نہیں آئے گا، کچھن سے آج تک مجھے نیکو کیا ہے اس نے۔“ وہ بوڑھائی ہوئی اس کے بیڑ پر بیٹھ گئی تھیں۔

”کیا بواہما! آپ کیون اتنی ٹھن ہیں۔ کیا کیا ہے پرنس نے؟“ انہیں پریشان دیکھ کر وہ ان کے قریب بیٹھے ہوئے مسکرا اعداز

میں بولا۔

”پرنس..... نارمل بی بیوٹر نہیں ہے اس کا، ٹوٹلی ایب نارمل ہے وہ۔ سرفراز خان کی بیٹی نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے۔ اتفاقاً پرنس سے ملاقات ہو گئی اس کی اور اس نے سیلو ہائے کی توجہ اہم پرنس نے اسے نہ معلوم کیا کیا جھاڑ پائی۔ انسلٹ کر دی اس کی دوستوں کے سامنے۔ انوشہ نے مگر جا کر ٹیکم نوٹیشن سے شکایت کی، درود کرنا حال کر لیا اس بیٹی نے، پیگم نوٹیشن نے مجھے کال کی اور مشورہ دیا کہ مجھے پرنس کا میڈیکل چیک اپ کروانا چاہیے۔“

ماں کی گفتگو پر کوئین کے چہرے پر چھائے ٹکڑے اثرات زائل ہو گئے تھے۔ اب وہ ہونٹ پیچھے اپنی بے ساختہ ابر آ نے والی مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

”ان کی باتوں نے مجھے اس قدر شرمندہ کر دیا کہ میں نے فوری معذرت کی اور کوئی لفظ نہ کہہ پائی اور پہلی بار ایسا نہیں ہوا ہے نہ معلوم کتنی مرتبہ و ایسی چپ حرکتیں کر چکا ہے۔ مونا، حواء، فضا، فریحا اور بھی بے تحاشہ لڑکیوں کی وہ اسی طرح ”عزت افزائی“ کر چکا ہے اور میں معذرتیں کر کے تھک چکی ہوں، آخر کوئی حد ہوتی ہے، کوئی وجہ ہو، بلا وجہ وہ ”گرلز الرچی“ کا فکار ہو گیا ہے اور مجھے سمجھ نہیں آتا وہ اتنا روکھا اور غیر مہذب ہونے کے باوجود لڑکیوں کے لیے اتنا پند کشش کیوں ہے؟ لڑکیوں کی جانب نگاہ اٹھانا بھی تو جہن سمجھتا ہے۔ اس پر وہ دول و جان سے فدا ہیں۔“ مثال کے لہجے میں اب غصے کے ساتھ تعجب و تجسس موجود تھا۔

”مما! پرنس کی پر سنائی پرنس جیسی ہے۔ وجیہ، اسرار، ڈیٹنگ اور اس کا وارن آسان پر پہنچانے میں ان ہی لڑکیوں کا ہاتھ

ہے، یہ آپ بھی جانتی ہیں، وہ لڑکیوں سے کم عمری سے دور بھاگتا ہے، پسند نہیں کرتا مگر اس نے ایسا رویہ بھی نہیں اپنایا تھا۔ اچھی یا بُری کبھی کوئی گفتگو نہ کی تھی، اب اگر اس کی زبان شرارے اُڑاتی ہے تو وہ سب لڑکیوں کے عمل کا ہی ردِ عمل ہوا ہے۔ وہ بے قصور ہے اور آپ یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہیں کہ شاید اسے کوئی میڈیکل فزیکل پر اہم ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ سونی صدفٹ ہے۔ کوئین فیس کر بولا۔

”اور رہا یہ سوال کہ لڑکیاں اس کے پیچھے کیوں بھاگتی ہیں تو بہت سادہ سی بات ہے۔ آسانی سے مل جانے والی چیز کی کوئی قدر نہیں کرتا، قابلِ دید وہی چیز ہوتی ہے جو بہت مشکل سے بڑی محنت کے بعد حاصل ہو، شاید وہ اسی لیے گرتے کے لیے ہر کُشت و قابلِ حصول ہے۔“

”یہ سب آپ کے بابا کی وجہ سے ہے، پرنس نارمل نہیں ہے، وہ شروع سے حزرہ سے اٹیچڈ تھا ان کے جانے سے پھر کوئی رابطہ نہ رکھے جانے کی وجہ سے اس کے اندر یہ ایب نارملٹی ڈویلپ ہوئی ہے جو ہم میں رہتے ہوئے بھی وہ ہم میں موجود نہیں ہوتا اور میرے ساتھ اس کا رویہ روکنا ہوتا ہے، جیسے سب کی ذمہ دار میں تھا ہوں۔“ بہت مرتبہ کی کہی ہوئی بات وہ پھر دہرائی تھیں اور کوئین کو معلوم تھا، اگر اس نے فوراً ہی ناپک نہ بدلا تو گفتگو طویل ہو جائے گی۔

”آج آپ کی کوئی پارٹی نہیں ہے؟“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”پارٹی ہے مگر میں نے جانا کینسل کر دیا ہے۔“ وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ گرے پینٹ، دو ہاتھ شرٹ پر گرے ایجنڈ بلیک ٹائی میں ٹائی پن لگا تا وہ تیار ہوا، بہت چنڈم لگ رہا تھا اس کا سر پاء اس کا فیس حزرہ سے بے حد میچ کرتا تھا۔

”کیوں کینسل کر دی ہے، آپ گھر میں کیا کریں گی، تالو بھی پارٹی میں گئی ہیں۔“ ماں کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ ہوشیار ہوا تھا۔

”گھر میں تو میں نہیں رہوں گی، سسر سرفراز کے ہاں جا رہی ہوں، کچھ گفٹس لے کر، تاکہ اس تالاق کی بدسلوکی کی عطا فی کر سکوں۔ سرفراز صاحب کو تو تم جانتے ہی ہو، چیف جسٹس ہیں اگر ان سے طریقے سے معذرت نہ کی گئی تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا اور میں نہیں چاہتی دریا میں رہ کر مگرچہ سے بھر کیا جائے۔“

”مما! اس دریا میں نامعلوم کتنے مگرچہ ہیں، آپ کب تک اپنا چہرہ ایسے تھنوں میں برباد کرتی رہیں گی۔ بہتر یہی ہوگا کہ ایسے مگرچہ اپنی پچھلیوں کو سمجھائیں کہ دوسرے کے تالاب گندے کرنے کی سببی نہ کریں۔“ بڑے لوگوں کی خوشامدوں سے اسے چڑھتی۔

”سب کچھ اس طرح نہیں ہوتا کوئین! جس طرح ہم چاہتے ہیں۔ بے خوف و خطر اور اطمینان سے جینے کے لیے ہمیں ایسے لوگوں سے سروا بل مستحکم رکھتے پڑتے ہیں۔ پھر یہ یہاں کا اصول ہے۔ کچھ لینے کے لیے، کچھ دینا بھی پڑتا ہے، اگر میں یہ عکس عملی نہ اپناتی تو پرنس نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا تھا، خیر بہت باتیں ہو گئیں۔ یہ بتاؤ کہاں جا رہے ہو؟“

”چاچو کی طرف جا رہا ہوں۔“ وہ کچھ گڑبڑا کر بولا۔

”کیوں؟“ ان کے تہرہ بگڑے۔

”وہ..... واو وہ بھی..... کافی دنوں سے یاد کر رہی ہیں۔“

”کیا چکر ہے؟ آپ کو داد و بہت یاد کرنے لگی ہیں؟ بہت جانے لگے ہوں اس طرف..... آپ کو انہی طرح معلوم ہے مجھے آپ لوگوں کا وہاں جانا، ان سے ملنا پسند نہیں ہے، ٹھیک لوگ نہیں ہیں وہ۔“

”بہت کم جاتا ہوں وہاں، دادو کے بار بار یاد کرنے پر۔“

”اصل فساد کی جڑ ہی بڑھیا ہے۔ پہلے مرزہ کو بھڑکا کر ہم سے دور کیا، پھر پرنس کو باغی کیا اور اب آپ کے پیچھے لگی ہیں۔“

کوئین نے ہونٹ جھنجھکے لیے، بہت ہلکی سوسائٹی موڈ کرنے والی اپنی انگوٹھ کھینچ ماس کایہ جاہل عورتوں والا انداز اسے کبھی نہیں بھاتا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسلام آباد آئے اسے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔

ایک مدت بعد اپنے ملک کی سر زمین پر دوبارہ بسنے کی خوشی نے اسے ہی نہیں، حورین کو بھی بے حد متاثر کیا تھا۔ قاریہ اور اس کے بچے بھی بہت خوش تھے، البتہ انیس اور سعد کی کیفیت عام ہی تھی۔ وہ کئی بار یہاں آچکا تھا بلکہ قاریہ بھی میکے میں ہونے والی تقریبات اٹینڈ کرنے وقفے وقفے سے آتی رہی تھیں۔ کرن یہاں سے جانے کے بعد ایک دفعہ بھی نہ آ سکی تھی۔ دل میں وہی پرانا خوف جو کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا، جو وہ کبھی بھولتی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ برہان لغاری، منال اور والدہ حضور نے اسے ابھی تک محاف نہ کیا ہوگا اور نہ وہ محاف کر سکتے تھے۔ بدلہ لینا اور کبھی نہ محاف کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ ان کا ورثہ تھا، ان کی گچھری میں لگاؤ و طرہ تھا جو نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا، پھر اس نے تو انہیں ایسی ہکسب فاش دی تھی جو ناقابل فراموش و ناقابل معافی تھی، یہی وجہ تھی جو اس نے کراچی کے بجائے اسلام آباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس کی وجہ سے سعد اور قاریہ بھی کراچی نہ گئے تھے، اتنا عرصہ رہنے سے ان میں محبت کے تعلق انوثہ ہو چکے تھے۔ اسے مضبوط کہ ان کے کہنے کے باوجود وہ لوگ کراچی نہیں گئے تھے۔ ان کے ساتھ رہنا ہی ہڈی پر نہ تھے۔ قاریہ کا میکہ کراچی میں مقیم تھا۔ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ دو شادی شدہ بھائی اور ایک بیوہ بہن وہاں رہائش پذیر تھیں۔ اپنی فیملیز کے ہمراہ شروع سے ان کے تعلقات کی ڈور اتنی مضبوط تھی کہ ان بچے و کمرے و بے لوث جذبات کو قاریہ کے میکے میں بھی مکمل پذیرائی ملی تھی۔ قاریہ کے والدین اور بہن بھائیوں نے بھی کرن، انیس اور حورین کو سکون کی طرح ہی چاہا تھا۔ کرن و قاریہ، حورین، ہریرہ اور امیرج میں کوئی تفریق نہ تھی۔ پیار و محبت ان سب کے لیے یکساں تھی۔ قاریہ کی بھابیوں کو تو معلوم ہی نہ تھا کہ کرن ان کی سگی نند نہیں ہے، وہ اسے سگی نند سمجھتی آتی تھیں۔

اپنے دیس میں آکر ماضی پھر سے اس کے لیے تازہ ہو گیا تھا، جس میں سرفرست ماں کی یاد تھی جو کبھی دل سے جدا نہ ہوئی تھی مگر یہاں آکر لگتا تھا، اس کی سانسوں میں ان کی کھوئی ہوئی تہک و دوبارہ آہی ہے، پھر ایک احساس تھا، ایک خیال اس شخص کے متعلق جس کو اس نے دوست سمجھا تھا، بھائی سمجھا تھا اور وہ ان رشتوں کو پھلانگ کر دل کا تعلق قائم کر بیٹھا تھا اور بہت دور تک جا پہنچا تھا، جہاں سے واپسی اتنی سہل نہ تھی مگر پھر بھی اس نے اسے واپس لانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس کی شادی کی صورت میں..... سعد نے اطلاع دی تھی، حمزہ کی شادی کی۔ ان دنوں وہ اور انیس، گرینی اور مدثر صاحب کی جدائی کے غم میں اس قدر غرق حال و بکھرے ہوئے تھے کہ نہ انہی طرح اس خبر کو سن

سکے اور وہی حزرہ کو مبارک باد دے سکے۔ دوبارہ زندگی کے بکھیروں کی جانب لوٹنے وقت لگا تھا اور اسی دوران وہ حزرہ اور صمد سے ہر رابطہ بھول چکی تھی، پہلے غیر دانستہ، پھر دانستہ اور اب اس کے دل میں سوہوم کی خواہش جاگ رہی تھی کہ جانے حزرہ اپنی ازدواجی زندگی میں خوش ہے؟ اس کی بیوی کیسی ہے؟ اور بچے، پھر نہ جانے کیا بات تھی حزرہ کے متعلق وہ جتنا سوچتی اتنی ہی اس کے اندر دہشت و عجب سی سراسیمگی بھیل جاتی تھی جو اسے مضطرب کر ڈالتی، پھر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتی کہ حزرہ یقیناً خوش ہوگا، اچھی زندگی گزار رہا ہوگا، مرد کی محبت کب پائیدار رہتی ہے، وہ جتنی شدت سے آگے بڑھتا ہے، اس سے ذمگی شدت سے پیچھے ہٹتا ہے، شاید اب اپنے بیوی بچوں میں مگن ہو کر اپنی سابقہ جذباتیت پر بھیچتا ہوگا، اپنا مذاق اڑاتا ہوگا۔

وہ دعا کرتی تھی، جہاں رہے خوش رہے۔ اس سے ملنے کی اُمید کو دبانے کی سوجھ بوجھ تھا کہ اس ایک باب کے کھلنے سے ہر ورق سامنے آتا، جن باتوں کو بچوں سے چھپا کر رکھا تھا کہیں وہ از خود ہی سامنے آ جائیں یہ انہیں کسی قیمت پر گوارا نہ تھا، پچھلے کئی غنوں سے حورین کی ضد نے اس کی نیندیں اڑا دی تھیں، سکون و رہم پر ہم کر ڈالا تھا۔ وہ بلی اسے آخر کے لیے کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے پر ہند تھی۔ اس نے دوسرے تمام شہروں کی اعلیٰ یونیورسٹیوں کے پروفیسرز کے رکنے تھے، مگر وہ ہند تھی کراچی میں ہی ایڈمیشن لینے کو۔ اس نے حسبِ عادت اسے خوب باتیں سنائیں، ڈانٹا جوا بد بھوک ہڑتال کر کے کمرے میں بند ہو گئی اور اپنی ضد پوری کر داری باہر آئی تھی۔

انس نے بھی اس کی بات نہیں ٹالی تھی، ہر ضد پوری کی تھی، اس بار بھی اس کی وجہ سے حورین اپنی منوانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور پہلی بار کرن انس سے ناراض ہوئی تھی۔

"بہت خاموش ہو، کیا بات ہے؟ کیا پراہلم ہے؟" اسے سنجیدہ دم دم دیکھ کر انس مخاطب ہوئے تھے۔

"کوئی پراہلم نہیں ہے۔ کیا پراہلم ہو سکتی ہے مجھے بھلا؟ سب کام، ہر خواہش میری ہی پوری ہوتی ہے، بھلا میں کیوں پریشان ہوں گی؟" انس کے بے لگڑے انداز میں وہ بڑی طرح تپ کر ہوئی تھیں۔

"اوہ! ارے بھی! آج ہماری ٹیم بہت بدلی بدلی، بلکہ روشنی و خوبی دکھائی دے رہی ہیں، خیر تو ہے کیا تارا منگلی ہو گئی ہے؟" انس کرن کی طرف متوجہ ہو کر تعجب سے گویا ہوا۔

"پلیز انس! ہر بات کو اتنا ایزی لینے کی عادت ترک کرنی ہوگی آپ کو۔ میری مرضی کے خلاف آپ نے حورین کو کراچی ایڈمیشن لینے کی پرمیشن دی ہے، سب جانتے ہیں بلکہ نقصان اٹھانے کے باوجود آپ نے اسے منع نہیں کیا، ہمیشہ سے آپ اس کی ہر بات مانتے، ہر ضد پوری کرتے آئے ہیں اگر یہ ایک ضد نہ مانتے تو قیامت تو نہ آ جاتی، کتنی دفعہ کہا آپ سے، وہ لڑکی ہے اور ایسی بہت دھرمیاں و ضدیں اس کے فوچر کے لیے جاو کن ثابت ہو سکتی ہیں، مگر آپ سمجھنا ہی نہیں چاہتے یہ سب۔"

"میں ان میں سے نہیں ہوں ڈارلنگ! جو کل کی لگڑ میں اپنا آج بھی بے باک دیتے ہیں، آج کو آج ہی انجوائے کرو، کل کی کل دیکھی جائے گی، ایسی معمولی معمولی باتوں کی ٹینشن مت لیا کرو۔" انس نے اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے بٹاش لہجے میں کہا۔ کرن غصے

سے دور جا بیٹھی تھی۔

”یہ معمولی باتیں نہیں ہیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ کراچی گئی تو کہیں....“
”کچھ نہیں ہوگا۔“

”کیسے نہیں، آپ نہیں جانتے ان لوگوں کو، بہت ذرا رنج ہیں ان کے، حورین کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔“ اس کا ضبط جواب دے گیا، وہ مری طرح رو پڑی تھی۔
”بہی گھر، یہی سوچ مجھے ہر لمحہ بے کل رکھے ہوئے ہے۔“

”یہ کیا بچوں کی طرح اندیشے پال رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہوگا، چلا وجہ وسوسوں کا شکار مت بنو، زخم صرف تب تک تکلیف دیتا ہے جب تک تازہ ہو، اس کے مہرتے ہی اس کی تکلیف، اس سے وابستہ درد کے رشتے بھی بھول جاتے ہیں، ہم بیس سال بعد واپس آتے ہیں، وہ بھی اسی شہر میں اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، پھر کراچی کوئی تنگ گلی یا کسی چھوٹے محلے کا نام نہیں ہے، جہاں جاتے ہی وہ مگر اجائیں گے، وہ روشنیوں، رنگوں کا شہر ہے جہاں لاکھوں لوگوں کا اژدھام ہے، بھاگتی دوڑتی زندگی میں کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ پرانی باتوں کو کھوجنا پھرے۔ میں کتنی بار کراچی آتا جا تا رہا ہوں، پارٹیز، فنکشنز، اینڈ کنٹار ہا ہوں اور کسی سے بھی سامنا نہیں ہوا، بالخصوص حوران سے ٹکرائی بھی تو وہ اسے کیسے شناخت کر سکتے ہیں؟“ انس نے اسے تسلی دینے کی سعی کی مگر وہ ماں تھی ایک ماں کا دل کس قدر کمزور ہو ہی جاتا ہے، یہ صرف وہ ہی جان سکتا ہے جو ان باتوں کا احساس رکھتا ہو۔ انس کی اتنی تسلی و دلاسون کے باوجود وہ اپنے دل کو سمجھانہ پاری تھی۔

”میں سمجھتی ہوں، سب جانتی ہوں مگر آپ حورین کو مخ کر دیں۔“ وہ انس کے ہاتھ پکڑ کر جذباتی لہجے میں بولی۔

”اوکے، تو حقیقت سنو، تمہاری اس کیفیت اور ذکر کو جانتے ہوئے میں نے خود کو سمجھایا تھا اور وہ ماں بھی گئی تھی، کسی اور یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے مگر وہ بے حد ڈسٹرب ہونے کے ساتھ ہی تجسس بھی ہو گئی تھی کہ اسے منع کرنے، روکنے کی وجہ کیا ہے آخر؟ تمہاری کیفیت اور میری مخالفت نے اسے اس حقیقت کے قریب پہنچا دیا تھا جو ہم اس سے چھپاتے آئے ہیں اور پوشیدہ ہی رکھنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ..... بوا مجھے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اتنی شدید ترین مخالفت کی وجہ سے کیا بتائیں گے؟“ کرن رونا بھول کر نئی اُلجھن کا شکار ہوئیں۔

”یہ انسانی فطرت ہے، اسے جس عمل سے روکا جائے، وہ از خود اس کی طرف ایسے کھینچا جاتا ہے جیسے لوہے کو مٹا ٹیس کچ کرنا ہے، حور بھی بغیر تھی کہ اسے کچ بچھ بتایا جائے، اسے کراچی سے روکنے کے پیچھے ایسا کیا راز ہے، میں نے بہت کالا، بہت سمجھایا مگر وہ پریشان تھی، جاننے کے لیے اصل معاملہ اور اس وجہ سے میں نے اسے اجازت دی کہ اس کے ذہن میں کوئی تحریک پیدا نہ ہو۔ یہ وجہ تھی اسے پریشان دینے کی جس پر آپ اتنی ناراض ہو رہی ہیں اور اچھے قسمی آنسو بھی بہا ڈالے ہیں جو مجھے گوارا نہیں ہے۔“ اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو کرن نے گہری سانس لی۔

”میرے اندر کے خوف نے مجھ سے میرے حواس و سمجھ بھینس لی ہے، یہ تو بہت سیدھی بات ہے جس کا خیال مجھے کبھی نہیں آیا۔

اب کیا ہوگا؟“

”انشاء اللہ سب بہتر ہوگا، دل پر قابو پاؤ اور اسے خوشی سے اجازت دو۔“

”ہاں۔ اب تو یہ کتنا ہی ہوگا۔“ وہ بیٹھتے ہوئے آزر دگی سے بولیں۔

”ڈونٹ وری ڈیزاؤں ہاں ناریہ بھابی کی فیملی جو ہے انہوں نے کب ہمیں غیر سمجھا ہے، سعد کی شادی سے آج تک وہ ہمیں سگوں سے زیادہ سمجھتے ہیں پھر حورین کی ان کے بچوں سے فرینڈ شپ ہے، دکنی بارو لوگ بندیا رک میں مل چکے ہیں۔ اسی جان اور ساوقہ آپ کی عادت تم جانتی ہو، وہ دم سے بڑھ کر خیال رکھیں گی اور ایرج اور بریرہ بھی ہیں۔“ وہ ہر ممکن طریقے سے اسے سمجھا رہے تھے۔ اس نے سر ہلا کر ہاں کہہ دی تھی مگر حورین کی رونا دہائی تک وہ اسے سمجھاتی رہی تھیں۔

”مما! چلیں، بہتر ہو جائے اگر کراچی۔۔۔۔۔“

”شٹ اپ حور! کبھی میریس بھی ہو جایا کرو، میری فیملی سمجھنے کی کوشش کرو جان! میں آپ کو کس طرح خود سے جدا کر رہی ہوں۔ یہ میرا دل جانتا ہے اور آپ کو میری پروا نہیں ہے۔“ کرن جو آج کل بات بات پر جذباتی ہو رہی تھی، بے اختیار رو پڑی تھیں۔

”اوہ ممما! میں مذاق کر رہی تھی، اگر آپ روئیں گی تو میں نہیں جانتی۔“ حورین نے ماں سے لپٹ کر بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ میں تمہارے کیرئیر میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتی۔“

”پھر آپ کے یہ آلمو میرا راستہ روکتے ہیں، مجھے بے چین کرتے ہیں۔ میری اور بچا کی کمزوری ہیں آپ کے آنسو۔“ وہ رومال

سے کرن کا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

”اپنا خیال رکھنا، کسی سے بھی فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے، جنہی لوگوں سے ملو تو میرا اپنے بچپا کا نام بتانے سے گریزی کرنا۔“

”ایسا کیوں ہے ممما! یہ سبھی آپ مجھے بار بار کر چکی ہیں، کوئی تو سبب ہوگا۔“ بار بار ان اصرار علی تدابیر نے اسے الجھا دیا تھا۔

”ہاں ہے۔“ کرن نے اس کے ڈارک برائون سکلی بال سہلاتے ہوئے کہا۔ ”وہاں انہیں کے کچھ کاروباری دشمن ہیں، ان کی وجہ

سے ہے سب۔“

”مجھے یقین نہیں دینا کے تو دشمن ہو ہی نہیں سکتے، میرے بچا اس دنیا کے سب باپوں سے بہتر باپ ہیں، وہ کسی کے دشمن نہیں

ہو سکتے۔“ اس نے قطعیت سے وہ سب ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

”وہ خود کسی کے دشمن نہیں ہیں، ان کے دشمن ہیں۔“ کرن نے آہستگی سے کہا۔

”اوہ کے ممما! میں خیال رکھوں گی۔“ کرن کی مضطرب بینگی بینگی آنکھوں میں اسے کسی آن جانے درو کی ایک دل دوز کیفیت نظر آئی

تھی۔ کل یہاں سے انہیں روانہ ہو جانا تھا، پہلی فلائٹ سے کراچی کے لیے۔ وہ دیکھ رہی تھی، بات بے بات کرن کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

ماں کی کیفیت دیکھ کر اس کا دل بھی بہت اداس و پڑھ مروہ ہو گیا تھا۔ سب سے چھپ کر کئی بار وہ رو پکی تھی، اب بھی دل چلا کہ وہ خاموشی سے اُنھ کر لان کے پچھلے حصے میں آگئی جہاں گھنے درختوں کے نیم اندھروں میں اسے کوئی آنسو بہاتے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ اپنے آنسو کی سے شیر کرنے کے سوڈ میں نہ تھی، سو سو روئ کھکی کے رنگ پر تھے پودوں کے پاس بیٹھ کر رونے میں اسے کوئی جھجک، کوئی فکر لاحق نہ ہوئی تھی۔

”روئے روئے سے میرے سر کا نظر آتے ہیں“

یہ کس کی شامت کے آثار نظر آتے ہیں؟

نہ معلوم کس طرح ہریرہ اسے ڈھونڈتا وہاں جا لکلا اور اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر تعجب خیز انداز میں منگٹایا تھا۔

”ایک تم! ہر جگہ میرے پیچھے آدم بود، آدم بود پھارتے پہنچ جاتے ہو۔“

”تم چھا آدم بود، تم نے مجھے جن بنا دیا اگر پیچھے لگ گیا تو کیسے پیچھا چھڑاؤ گی، یہ معلوم ہے؟“ وہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھ کر بولا۔

”پیچھے پڑ کر تو دیکھ میں بتاؤں گی۔“ وہ بدو جواب آیا۔

”ارے بندہ تو بچپن سے عاشق ہے آپ پر، اس سے بڑھ کر اور کیا پیچھے پڑنا ہوگا۔“ وہ حورین کی طرف دیکھ کر ہنس کر بولا۔

”یونہی تم ای خواہش پر سر جانا۔“ وہ بے نیازی سے بولی۔

”بہت پہلے سر گئے ہیں تم پر، اب بار بار کیا سر میں گئے۔“

”اچھا اچھا بکو اس مت کرو، ہمیشہ بے وقوف رہو گے۔“ حورین کھڑی ہو کر بڑبڑائی، ساتھ وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

”حورین! تم سچ بھڑوئی ہو؟“ اس بار سنجیدگی سے وہ اس کی آنکھوں اور چہرے کو غور سے دیکھتا ہوا استفسار کرنے لگا۔

”ہاں۔“ اس کی آواز ایک بار باوجود ضبط کے بھرا گئی۔

”کیوں؟“ وہ اڑھ حیران تھا۔

”کیوں کیا؟ کیا میں زو نہیں سکتی؟“ وہ جھلا گئی۔

”نہیں۔“

”کیوں نہیں؟“

”پتھر بھی کبھی روتے ہیں۔“ یکفخت وہ تبتہہ لگا کر بولتا ہوا سر پٹ بھاگتا اور غصے سے چلاتی حورین اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

☆.....☆.....☆

را حیلہ بیگم سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں، جب چائیک ہی بے حد مالوس ہی خوشبو کے ساتھ مخصوص آئیں بھی ہامت میں گونجی تھیں۔

”السلام علیکم دادو۔“ ہر جذبے و اٹنگ سے یکسر بے نیاز بھاری سپاٹ لہجہ و چہرہ چہرے پر چھائی سنجیدگی کی دہیز تب، وہ سامنے تھا جس کو

دیکھ کر کھلاورج نہیں حقیقت ان کی آنکھوں میں خشکک اتر جاتی تھی، دل میں سکون و طمانیت پھیل جاتی تھی، وہ خوشی سے مسکراتی آگے بڑھی تھیں۔

”وہیکم السلام جگ جگ جیو“ اس کی پیشانی چوم کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ سرشاری سے بھرپور تھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھے ہوئے کمرہ رہی تھیں۔

”اسیے دن لگے دیئے یہاں آنے میں۔ معلوم بھی ہے دادو تہاری صورت دیکھ کر جیتی ہے پھر بھی اسے دن لگاتے ہو آنے میں ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی اس قدر دوری ہے“۔ وہ رونے لگی تھیں۔

”سوری دادو! آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی“۔ ذوالنون آہستگی سے یولا تو دو دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

”ماں کیسی ہے تیری اور نانو، نانا، لھیک ہیں؟“

”فرسٹ کلاس ہیں سب، حزرے میں ہیں۔“

”کوئین ایک ہفتہ قبل آیا تھا، شکایت کر رہا تھا تہاری“۔

”میری شکایت“۔ سیاہ گھنی مونچھوں تلے گہری لبوں پر لمبے بھر کو مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی پھر ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

”مجھ سے تو نہیں کی“۔

”ہاں، تم نے کیوں کرتا، میں جو بیٹھی ہوں یہاں۔“

”اللہ آپ کا سایہ ہم پر تاحیات رکھے“۔ دو دو جیسے سے گویا ہوا۔

”کیوں تنگ کرتے ہو ماں کو، دو پہلے ہی ڈکھی ہے، سہاگن ہوتے ہوئے بھی بیواؤں کی طرح رہ رہی ہے۔ حزرہ نے کم ڈکھ دیئے ہیں جو تم بھی اسی کو پریشان کرنے لگے“۔ راجیلہ بیگم کے لہجے میں بھوکی محبت تھی۔

”یہ صرف آپ کی سوچ ہے دادو، ورنہ میں نے نام کو کبھی بابا کو مس کرتے نہیں دیکھا، ان کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دو لائف کو اسی طرح انجوائے کرتی ہیں جس طرح ان کے سرکل میں تمام میرڈ، آن میرڈ لیڈز کرتی ہیں۔ یک دم اس کے لہجے میں بیزاری اسکا بہت درآئی تھی۔

”ٹٹو کیا جانے بچکے! عورت اپنے ڈکھ سات پردون میں چھپا کر رکھتی ہے، اس کے جتنے مسکراتے چہرے کے پیچھے روتا، سسکتا دل کسی کو نظر نہیں آتا۔“

”آپ نہ معلوم کتنی صدیوں پرانی عورت کا ذکر کر رہی ہیں۔ اس دور کی عورت ایسی خوب صورت و شطاف منات سے آئینہ نہیں ہے۔ بیدردو بنا جاتی ہے، دوسرہ سہتا نہیں“۔ اس کے لہجے میں نفرت و ناپسندیدگی اتنی شدید تھی کہ راجیلہ سب بھول بہال کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

”ارے..... پرنس بھائی!“ اندر داخل ہونے والا میزرا سے بیٹھے دیکھ کر خوشی سے چپکٹا ہوا اندر آیا اور اس سے پٹ گیا۔

”اونٹ کی طرح قد بڑھ گیا ہے مگر تیز نہ آئی، یہ کیا اٹھائی کیروں والا طریقہ ہے، نہ سلام نہ دعا، آکر آسیب کی طرح چٹ گیا“۔

دو میز کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولیں۔

"سلام تو میں نے کیا تھا داد"۔ وہ سنبھل کر بیٹھا۔

"کب کیا تھا؟"

"ابھی تو کیا..... مگر ول میں"۔ اس نے مسکراہٹ دکھائی۔

"ایسے سلام کا کیا کاندو جو خود سنو، خود جواب دو"۔

"اوکے، آئندہ زور سے سلام کروں گا"۔ وہ ٹپک سا ہوا۔

"تم آرام سے بیٹھو، میں تمہارے لیے انڈوں کا حلوا بناتی ہوں"۔ وہ اٹھتے ہوئے اس سے گویا ہوئی تھیں۔

"آپ ریٹ کریں دادو، میں آئی سے ملنا ہوا آیا ہوں، وہ تیار کر رہی ہیں"۔

"ارے رجنے دیوار! تمہارے ویلے سے ہم کو بھی مل جائے گا دادو کے ہاتھ کا بننا ہوا انڈوں کا حلوا، ورنہ..... آؤ! ہمارے نصیب

میں تو ڈنڈے ہی ہوتے ہیں بجائے حلوے کے"۔ محیر نے سرد آہ بھری، ساتھ ان سے ایک تھپڑ بھی وصول کیا۔

"ایک نمبر کے شریر ہو، حرکتیں دیکھا کرو اپنی"۔ دو کبجی ہوئی چلی گئیں۔

"ہماری حرکتیں ایک عالم دیکھتا ہے، ہمیں فرصت کہاں ہے"۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"ٹھیک سنگ! اور آپ ساؤ، آج کل یونیورسٹی میں ایڈمیشن چل رہے ہیں، نیو کمرز کی دھڑا دھڑا، انٹریز ہو رہی ہوگی؟"۔

"ہاں، ظاہر بات ہے، نئے اسٹوڈنٹس تو آئیں گے"۔

"ہنرہ کس وقت آرہا ہے! ہسپتال سے اور خنجر بھی نہیں آیا ابھی تک"۔

"لیجئے نام لیتے ہی حاضر ہو گئے دولوں"۔ پوریج میں کارڈ کئے کی آواز آئی تھی۔ آواز سن کر محیر ہنستے ہوئے بولا۔

"بائی دادوے جو نام لیتے ہی نازل ہوتے ہیں، انہیں کیا کہتے ہیں؟" دادو والنون کے ساتھ چلتے ہوئے شرارت سے پوچھنے لگا۔

"آج کل محیر کہتے ہیں"۔ اس کے سنجیدہ جواب پر محیر کا چمت پھاڑ قبہ تھا۔

☆.....☆.....☆

دہائٹ ہاؤس میں شام پوری رونقوں و رنگینیوں سمیت اتری تھی۔ دو دن میں کراہی پہنچے تھے، سب سے ملنے اور خاطر و تواضع

کے بعد بی بی جان جن کی حکمرانی بلا شرکت غیرے سب پر چلتی تھی، انہوں نے دوپہر کو زبردستی اُن سب کو آرام کرنے کروا کر میں بھیج دیا

تھا۔ سدا اور قاریہ جو انہیں چھوڑنے آئے تھے، ان کے علاوہ ان تینوں نے دوپہر سو کر ہی گزار دی تھی۔ شام میں فریٹس ہو کر وہ اپنے کمروں

سے نکلے تو بی بی جان کے حکم پر لان کی ہنر تراشیدہ گھاس پر سرخ قالینوں پر دسترخوانوں پر چائے اور دیگر لوازمات کا بھرپور اہتمام کیا گیا

تھا۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا۔ ہنسی، مذاق اور اہانت و بیگانگی کی چاشنی نے لطف دو بالا کر دیا تھا۔

"ارے..... یہ کیا بھی! تم نے اتنی جلدی کیوں ہاتھ کھینچ لیا؟"

بی بی جان جو سب کا دھیان رکھ رہی تھیں، حورین کو دیکھ کر بولیں۔

"بی بی جان! میں نے بہت سارا کھایا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ووہو! چنے کی چاٹ اور دو پختکی وہی بڑوں سے تمہارا پیٹ بھر گیا؟ لڑکی! یہاں یہ سب نہیں چلے گا۔ یہ ڈائٹنگ، ڈائٹنگ میں لڑکیوں کو کرنے نہیں دیتی، یہی تو عمر ہے کھانے پینے کی۔" وہ اس کی پلیٹ میں چکن روٹی، دہی نیپل اینڈ ایک مینڈو چڑر رکھتے ہوئے بولیں۔ حورین جو اسپانسی اور آٹلی غذا کی عادی نہ تھی، پھر بی بی جان کی بے انتہا محبت و اچانیت سے متاثر تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس طرح ان کا دل بھی رکھے اور اس فوڈ سے بھی بچ جائے۔

"کھاؤ بچے! یہی کھانے کے دن ہیں۔ دیے بھی مجھے سوکھی سڑی سی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ مومے اس فیشن کو آگ لگے جس نے بچے اور بچوں کو بی بی کے مریضوں کی طرح سوکھا کر دیا ہے۔" وہ اس کی ٹل سائز ڈش میں سموسوں اور ڈش کا اضافہ کر کے بڑے پیار سے سرزٹش کرتے ہوئے بولیں اور پلیٹ پکڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"گھبرائے گھبرائے سے میرے سر کا نظر آتے ہیں۔" اس کے قریب بیٹھا ہرید مسکراتے لہجے میں اس کی جانب متنی خیر سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہرید! ہلینڈ میپ پی اے" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہوں..... ایک شرط پر۔" وہ اس کے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"ڈیل، مرو کہیں ڈوب کر۔"

"تمہاری آنکھوں سے گہرے بھی کوئی ساگر ہو سکتے ہیں، ڈوبنے کے لیے۔"

"سر محفل کا نا پھوسی نہیں چلے گی۔" روف نے احتجاج کیا۔

"یہ چیٹنگ ہے۔" سفیان نے احساس دلایا۔

ان سب کے لہجے سرگوشیوں سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ وجہ بی بی جان کا فوجی ڈسٹن تھا جس کی پاسداری ہر چھوٹے بڑے پر لازم تھی۔

"یہاں آئے ابھی چوبیس گھنٹے نہیں ہوئے اور "ظالم سماج" کی ویواریں راستے میں حائل بھی ہونے لگیں، اسی لیے منع کر رہا تھا یہاں آنے کو۔" ہرید کے انداز میں ان سب کی دہی دہی ہنسی نے بی بی جان کو ان کی طرف متوجہ کیا جن کو متوجہ ہوتے دیکھ کر وہ سب جلدی جلدی اپنی پلیٹوں پر جھک گئے۔ حورین نے بھی گڑبڑا کر سوسہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔

☆.....☆.....☆

فاقہ اور مثال ابھی پارٹی سے آکر بیٹھی تھیں، حسب معمول مثال کے حسن کو سراہا گیا تھا۔ دو جوان بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود اس کی رعنائی و دل کشی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ وہ ایسے سناٹے و قسطنطینی جملے سننے اور نگاہوں کی داد لینے کی عادی ہو چکی تھی مگر آج وہ کچھ مضطرب و افسردہ سی لگ رہی تھی۔ فاقہ، بیٹی کی خاموشی و اضطراب پر نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ پارٹی میں وہ اس کی بے چینی نوٹ کرتی رہی تھیں، مگر آکر وہ پوری طرح اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

جس بے وفائی سے مثال نے پرس پھینکا، میٹھل سے پاؤں آزاد کیے اور بے جان انداز میں صوفے پر گرنے کے اعزاز میں نہم وراز ہوئی تھی۔ وہ فاقہ کو چونکانے، بلکہ پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔

”آپ پر راءت؟“ وہ اس کے منہ میں بیٹھتے ہوئے استفہار کرنے لگی تھیں۔

”نہیں۔“ لمبی دہ سے کہہ کر کافی بخوائیں، سر میں درد ہو رہا ہے۔“ درد روپی کے چمکتے ہوئے ایئر کنڈیشنر سے ہوتے ہوئے بولیں۔

”زیادہ درد ہو رہا ہے تو ڈاکٹر کو فون کر دیتی ہوں۔“

”نو۔“ لومہا اسمبلی سا درد ہے، کافی سے ٹھیک ہو جائے گا، اگر تب بھی ہوا تو تین کلرز ہیں میرے پاس وہ لے لوں گی۔“ وہ اب میکس آج رہی تھی، پھر اس کے بعد ڈاکٹر کی انگوٹھوں کا نمبر آیا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام زیورات اس کے جسم سے اتار کر قریب رکھی ٹیبل کے شیشے کی سطح پر جمع ہو گئے تھے۔ آخر میں رینگت اور برسلٹ رکھ کر وہ صوفے پر وراز ہو گئی تھی۔

لمبی دہ کافی لے آئی اور مگ انہیں دیئے تھے۔

”لمبی دہ! یہ جیولری، پرس اور میٹھل لے جا کر مثال کے بیڈروم میں رکھاؤ۔“ دھمک لیتے ہوئے بولیں۔

”اچھا بیگم صاحبہ! لمبی دہ بڑی احتیاط سے سب سامان اٹھایا اور وہاں سے چلی گئی۔ اس کی واپسی تک ان کے درمیان خاموشی رہی تھی۔ وہ صوفے کے پاس مثال کے سلپروں کے نیچے لگی تو وہ گویا ہوئیں۔

”کوئین اور پرس بے ڈر کیا تھا؟“

”کوئین صاحبہ کسی دوست کے ہاں گئے تھے اور پرس صاحبہ نے منع کر دیا تھا، انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔“

”کھانا نہیں کھایا، کیوں؟“ دوا ٹھہ کر بیٹھ گئیں۔

”معلوم نہیں جی، میں کھانے کا کہنے لگی تو پوچھنے لگے ٹیبل پر کون کون ہے۔ میں نے کہا آپ کے سوا کوئی نہیں، دونوں بیگم صاحبہ پارٹی میں گئی ہیں اور کوئین صاحبہ کسی دوست کے ہاں ڈنر کریں گے تو کہنے لگے، مجھے بھوک نہیں ہے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔“ لمبی دہ نے پوری بات بتادی اور ان کے اشارے پر باہر چلی گئی۔

”سنا ماما! یہ لڑکا اس طرح ٹیڑھ کرتا ہے مجھے۔“

”ٹیڑھ نہیں کرتا، بس نیچر ہے اس کی، بلا وجہ ٹینس مت بوا کر ڈ۔“ دوا کافی پیتے ہوئے لاپرواہی سے گویا تھیں۔

"آپ نہیں سمجھ رہی ہیں ماما، میں جانتی ہوں اسے، قد میں اپنے باپ اور بھائی سے بھی اونچا ہو گیا ہے، مگر انداز ابھی بچکانہ ہی ہے، اس عمر میں نوجوان ایسی کسی بات کی پروا نہیں کرتے لیکن اس کے اندر کا ضدی و خود سرچہ ابھی بھی اس طرح توجہ مانگتا ہے۔" منال کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"وہ بچپن سے ہی بہت مختلف حراج رکھتا ہے، آج کی کی جزیشن کی طرح کوئی فضول یا بی نہیں ہے اس کی، بہت مشکل منہ سادو اور خود اعتماد ہے۔ میری فریڈ ز بہت تعریف کرتی ہیں اس کی۔"

"وہ خود اعتماد نہیں، انجمن کا شکار ہے۔ شدید بد اعتمادی ہے اُسے، حزمہ چلے گئے اور اس کا ذمے دار وہ مجھے سمجھتا ہے بلکہ ہر عورت، ہر لڑکی اس کے لیے قابلِ نفرت ہے۔"

"کیوں لوگوں کی باتوں میں آکر اپنا ذہنی سکون چاہہ کرتی ہو، لوگ بکواس بھی تو کرتے ہیں۔" دو خالی لمگ نخیل پر رکھ کر پولیس۔
"سچ ہے جو لوگ بتاتے ہیں پھر کیا ہم گھر میں اور گھر میں ہونے والی پارٹیز میں، اس کا سلوک نہیں دیکھتے۔ اڈل تو کسی سے ملنے کو راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو بھی جائے تو ٹاڈہ اٹھا کر دیکھتا تو درکنار سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا، پھر جو شخص ماں سے ڈھنگ سے بات نہ کرتا ہو وہ کسی سے کیا اچھا سلوک کرے گا۔" منال نے چند گھونٹ کافی لے کر تک نخیل پر رکھ دیا تھا۔

"قد بے شک اس کا بڑھ گیا ہے۔ عمر بچپن کی حدود سے نکل آئی ہے، مگر وہ بچپن کے اس لمحے کی قید سے ابھی تک خود کو آزاد نہیں کر پایا، جب اس کا باپ ایک عورت کی چاؤ اور دوسری عورت کی مخالفت میں سب رشتے فراموش کر کے گھر سے چلا گیا تھا۔ باپ کا وہ روپ باپ کی وہ نفرت اور خود کو چھوڑ کر جانے والے ان اذیت ناک لمحوں کی قید میں وہ آج تک ہے اور نہ معلوم کب تک رہے گا۔ ایسے میں اسے بھرپور پیار و توجہ کی ضرورت ہے۔"

"جو میں نہیں دے سکتی، کسی نڈل کلاس عورت کی طرح۔ میری اور ذمے داریاں ہیں، مصروفیات ہیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا یہ سب؟" وہ جھنجھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ساتھ ساتھ بھی اٹھ گئیں۔

"اوکے، یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی ٹینشن لی جائے، بریسٹ کرو، میں دیکھتی ہوں پرنس کو۔" وہ اس کو تسلی دیتے ہوئے پرنس کے پورشن کی طرف آگئیں، مگر وہاں کی تمام لائنس آف دیکھ کر وہ چند لمحے کھڑی سوچتی رہیں کہ آگے بڑھیں نہ بڑھیں، کیونکہ لائنس آف ہونے کا مطلب تھا، وہ اب کسی قیمت پر اپنے دم کا دروازہ نہیں کھولے گا، خواہ کچھ بھی ہو جائے، وہ خاموشی سے پلٹ آئیں۔

☆.....☆.....☆

"یہ تمہو بڑا کیوں سو جا ہوا ہے تمہارا؟ مسکراہٹ کہیں گرو کی رکھ دی ہے؟" اخوین نے ہریرہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حقیقت نہ پوچھ میرے فسانے کی

تیرے جاتے ہی بدل گئی نظر زمانے کی

لوگ پوچھتے ہیں میں خوش کیوں نہیں
کیوں کہوں میری عادت تھی تیرے سگ مسکرانے کی۔۔۔ وہ ایک ادا سے بولا
”بکواس کرتے کرتے مر جانا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوئے گا۔“

”وہ قدم ساتھ تو چلو میرے ساتھ اس راہ پر

عمر بھر کا نہ بتالیا تو کہنا

محبت تو سبھی کرتے ہیں اس دنیا میں

ہر حال میں نہاٹا لیا تو کہنا

”واہ..... واہ بھئی! کیا بد دست مشاعرہ ہے مگر ارشاد۔۔۔ شریروں کا پورا ٹولہ انٹری دیتا ہوا شور مچا رہا تھا۔

دھرا نے اس کے جذبے نہیں ہوتے یہ بچو!“ بروہاری سے فرمایا گیا۔

”دھرا نہیں کر سکتے دادا جان، تو دھرا دیتے ہیں۔“ واصف کے احرام و سعادت مندی پر لڑکیاں ہنسنے لگیں اور لڑکے مسکرا دیے تھے۔

”اے بیوہ دادا کس کو کہا؟“ ہریرہ ہرپ اٹھا۔

”جس ہیں!“

”بچے۔۔۔ تو تم کون ہو؟“

”ہم بھی فوج کے دادا دادا وغیرہ وغیرہ ہیں۔“ واصف نے چالاکی سے بات سنبھالی۔

”دسی! تو بہت لالچ آدی ہے، تیری نانچ ہمیشہ کمزور رہی ہے۔“ سنیان نے اسے دھپ مارتے ہوئے کہا۔

”آدی؟ یہ آدی کس کو کہا تو نے؟“ واصف زور سے چیخا۔

”تجھے بھائی!“

”میں..... میں تجھے آدی نظر آ رہا ہوں؟“

”یارا یہ گدھا ہے تو نے اسے آدی بتا دیا۔“ ہریرہ نے کہا۔

”میرے بھائی! آہستہ بول۔“ رؤف نے سرگوشی کی۔

”کیوں؟“ ہریرہ نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”گدھا نہ امان جائے گا۔“ رؤف کی وضاحت نے واصف کے چٹکے لگا دیے، وہ اس کے پیچھے ٹکاتا کر بھاگا، جبکہ بالوں

کے تھپتھے وہاں گونج رہے تھے۔ ہریرہ نے اٹھ کر واصف کو پکڑ کر بٹھایا تھا۔

”دسی کا مطلب تھا کہ وہ ابھی لڑکا ہے، آدی تو پاپا بننے کے بعد کہلاتے ہیں۔“ ہریرہ نے واصف کا غصہ ختم کرنا چاہا۔

”وسی تو ابھی بھی ”پاپا“ لگتا ہے۔“ سفیان نے ہنستے ہوئے اس کی اسماٹ نیس پر چوٹ کی اور محفل پھر ایک بار زعفران زار بن گئی۔

”تم نے تو پھر بھی بہتر ہوں، دیکھتے تیار ہو کر یہ ڈیٹ پر جا رہا تھا۔“ قہری بیس سوٹ زیب تن کر کے جاتے جاتے بی بی جان سے تعریف سننے کا موڈ ڈاڈا اور پہنچ گیا ان کے پاس۔

”دعاف سفیان کی طرف دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا جس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔“

”اتفاقاً اس دن بی بی جان کا روزہ تھا۔ وہ سیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی عادی ہیں اور جس دن ان کا روزہ ہو، اس دن سب لوگ از خود احتیاط کرتے ہیں، ان سے گفتگو کرنے میں اور ہم تو دور ہی رہتے ہیں کیونکہ روزے میں بی بی جان کا مزاج ”سوانیرے“ پر ہوتا ہے، اگر کسی کو بلاوجہ شامت بلوانی ہو تو ان سے مخاطب ہونا کافی ہوتا ہے۔“

خویرین دلچسپی سے دیکھ اور سن رہی تھی۔ لڑکیوں کی دہلی دہلی کھی کھی جا رہی تھی۔ سفیان کے چہرے پر کھنکھاہٹ چھلکی جا رہی تھی۔

”یہ صاحب پہنچ گئے ان کے پاس اور کہنے لگے بی بی جان! کیسا لگ رہا ہوں اس سوٹ میں، سات ہزار کا آج ہی لایا ہوں۔ بی بی جان نے ہاتھ میں پکڑی صبح ایک طرف رکھی اور ٹینک درست کر کے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا اور بولیں، نا ہنکار، تجوڑے سات ہزار کو آگ لگا کر آگیا، یہ کوئی سوٹ ہے پہلے خود کو تو دیکھ، اپنی محنت دیکھی ہے، ایسا لگ رہا ہے جیسے ٹیگر پر کپڑے ٹانگ دیے ہوں، یہ ٹائٹس اور ہاتھ دیکھ، گویا بلیاں فٹ ہوں اور یہ منہ..... منہ دیکھو جیسے سوکھا چھوڑا ہو۔“

”دعاف بی بی جان کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ سب ہنس رہے تھے۔ اسی دم بھلا کی نگاہ کھڑکی پر چڑی تھی جہاں سے بی بی جان کو جھانکتے دیکھ کر اس کی قفل کرتی تھی اس کے گلے میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ اسے خاموش دیکھ کر موئل اور سنبل کی لگا ہوں نے بھی بی بی جان کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اٹھ کر جانا ہی چاہتی تھیں کہ بی بی جان جلدی سے دروازے کی سمت بڑھیں اور دوسرے لمحے وہ کمرے کے اندر گھسیں۔ غیر متوقع طور پر انہیں سامنے دیکھ کر لڑکوں کو گویا سانپ سونگھ گیا اور لڑکیاں باسوائے خویرین اور ایرج کے کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ سب ہی بوکھلائے، گھبرائے ہوئے تھے۔ کچھ ساعت قبل قہاریوں نے گونجنے والا لاؤنج کیمبر خاموشی کی لپیٹ میں تھا۔

”بی بی جان! آئیں یہاں بیٹھیں۔“ عزیز اٹھ کر ان سے مخاطب ہوئیں، جو دیر ٹینک کے پیچھے سے سب کو باری باری گھور رہی تھیں۔

”سدا خوش رہو بیٹی! میں یہاں یہ دیکھنے آئی ہوں، میرے بھائیوں کے یہ ہنکار سہت و سپد تیاں کس پر اتنا کلکھلا رہے ہیں۔ ذرا میں بھی سنوں، کون ان کے مذاق کی زد پر ہے؟“ وہ ان کو گھورتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ان سب نے ہی سکون کی سانس لی کہ وہ کچھ دیر قبل کہی گئی بات نہ سن پائی تھیں ورنہ.....

”ہم اور کسی کا مذاق اڑائیں، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ یہ کس طرح ممکن ہے بی بی جان! کیا آپ کو اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں؟“

دعاف نے کانوں کو ہاتھوں لگاتے ہوئے بھولپن سے کہا۔

”اپنی تربیت پر تو بھروسہ ہے مگر تمہاری نیت پر نہیں۔ سب جانتی ہوں، جتنا تم زمین کے اوپر ہو اس سے ڈگنا زمین کے نیچے ہو۔“

تمہاری شرارتوں سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔" انہوں نے واضح کے دھب لگائی۔ "لڑکیو! اچھے میاں کے ہاں دعوت ہے، بھل رہی ہو؟"

"بی بی جان! آپ بھول رہی ہیں، آج حورین نے ڈنر میں انوائٹ کیا ہے ہمیں۔" مول نے حمزہ سے یاد دہانی کرائی۔

"ہاں۔۔۔۔۔ ہاں یاد آیا، مجھے بھی کہا تھی یہی نے۔"

"بی بی جان! آپ چلتیں ہمارے ساتھ تو بہت مزہ آتا۔" حورین نے کہا۔

"ضرور چلتی بیٹی! اگر اچھے میاں کے ہاں جانا اہم نہ ہوتا۔ عام تقریبات میں میں ہاں نہیں جاتی مگر جہاں کچھ حقے تھانف دینا ہوتا ہے وہاں جانا پڑتا ہے، ورنہ لوگ سوچتے ہیں کہ میں نے جان چھڑانے کے لیے شرکت نہیں کی۔" حورین سے جیسے سبجے میں بات کرنے لڑکیوں سے مخاطب ہوئیں۔

"ہر وقت ہاں، ہی ہی میں وقت ضائع کرتی رہا کرو۔ کوئی ڈھنگ کا کام کرنے کا تو کبھی سوچا ہی نہیں۔"

"میں کپڑے پر لیس کرنے جا رہی تھی۔" بیلا نے قدم آگے بڑھایا۔

"سب نماز پڑھنے کے بعد جانا اور جلدی لوٹنا، پر یہ مت سوچنا کہ گھر سے نکل گئے تو اب کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔" ان کا انداز حکیمہ تھا۔

☆.....☆.....☆

"کیا کھاؤ گے؟" ہنزہ نے میبلج دیکھتے ہوئے ذوالنون سے پوچھا۔

"جو مرضی چاہو، منگوا لو۔" وہ چیئر پر ڈھیلے انداز میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"پھر بھی اپنی اپنی چوائس ہوتی ہے کوئی فلوئڈٹ ڈش بتا دو۔"

"کوئی ڈش میری فلوئڈٹ نہیں ہے۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے، تم سی فوڈ بہت شوق سے کھایا کرتے تھے۔ ہنزہ میبلج کا رڈوئیر کو پکڑاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہاں، دو پاسٹ تھا، ادب پر پرنٹ میں نہیں۔" اس کے انداز میں وہی بریلی سنجیدگی و سپاٹ قلعیت تھی جو کسی کو بھی ایک حد سے تجاوز کرنے نہیں دیتی تھی۔ ہنزہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہا۔

"کبھی اپنے اس اپنی خول سے باہر بھی آ جالو کرو یا رہیں ہنسنے اور مسکرانے کے دن ہیں، پھر نہ معلوم زندگی موقع دے نہ دے۔"

"یہ خول میری ذات کا حصہ بن گیا ہے۔ اس سے باہر نکلتا بھی چاہوں تو نہیں نکل پاؤں گا۔" اس کی خوب صورت و بھاری آواز میں عجیب جال بیت تھی۔

"تم نکلتا نہیں چاہتے میری جان!" جواب میں وہ خاموش رہا تھا۔ دیگر فراموشی لے آیا تھا اور بے حد آہستگی سے چیزیں اور کراکری ٹیبل پر سیٹ کر رہا تھا۔ ذوالنون نے وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ جیسی لائنیں، اسے سی کوئنگ میں دل فریب

خوشبوؤں سے ماحول مہک رہا تھا۔ لائٹ میوزک کے ہمراہ کانٹوں، بچوں کی کھلکتا ہنسی، انوکھا تاثر پیش کر رہی تھیں، تمام ٹیبلوریزورڈ تھیں۔ لوگ کھانے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے، مگر کسی کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔ ماحول کا سکون و سکوت اسی طرح قائم تھا۔ ویٹرز بھی وہاں اس طرح آ جا رہے تھے، گویا زمین پر نہیں، پانی پر چل رہے ہوں۔ ان کے دبے دبے قدموں کی چاپ ریڈ کارپٹ پر گونجتی رہتی تھی۔

ویٹرز کھانا سرو کر کے چلا گیا تھا۔

انہوں نے کھانا شروع کیا ہی تھا، جب ان سے کچھ فاصلے پر نیکل پر بیٹھے ایک نوجوان کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی۔

”ان حسینوں سے رسم و قافور دل لگانا

سراسر بھول ہے

جس دن یہ قرار کرے محبت کا

سمجھ لینا اپریل فول ہے“ بڑے دل جٹے انداز میں کہا گیا تھا۔ جواب میں ایک نسوانی قہقہہ اُبھرا تھا۔ ساتھ دھیمی آواز میں دوسرے قہقہے بھی۔

چکن فرائیڈ رائس سے چکن چس فورک میں پھنسائے منہ کی طرف جاتا ذوالنون کا ہاتھ ٹوک گیا تھا۔ اس کی نگاہ بے ساختہ سامنے اٹھ گئی تھی۔ سرخ دسیا و امیزاج کے اسٹائش سٹ میں اس کی گلابی مائل سفید رنگت، شرارت سے چمکتی براؤن آنکھیں ان پر سایہ قہقہ و راز چکلوں کا چلن، ستواں ناک، لپ اسٹک سے رنگے سرخ یا قوتی لیوں پر محرکیز مسکراہٹ اور کالوں میں پڑنے والے گہرے گہرے ڈھیل، وہ اب بھی ہنس رہی تھی۔

کوئی احساس

کوئی جذبہ

دل کی شجر زمین میں سر نہ اٹھا سکا تھا، مگر ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ صلیب مخالف کی جانب اٹھنے والی اس کی نگاہ فوراً نہ پلٹ سکی تھی۔ ”اہم ہوں ہوں، لڑکی خوب صورت ہے نام؟“ سامنے کھانا کھاتا ہوا ہنزہ اس کی جانب دیکھتا شوخ و معنی خیر لہجے میں گویا ہوا۔ ”وہاٹ! نان سنس، یہ لڑکیاں ہوتی ہی بے وقوف ہیں اور یہ گرل تو بالکل ہی غیر مہذب ہے۔“ وہ بولا تو دنیا بھر کی بے ذاری و بے گنجائی اس کے لہجے میں ورا آئی تھی۔ کھانے کے دوران پھر ان کی گفتگو دوسرے موضوع پر چلتی رہی تھی اور برابر کی نیکل سے دھیمے دھیمے قہقہوں و چٹکلوں کی آوازیں آتی رہی تھیں، بھر و متوجہ نہ ہوسکا تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ باہر نکل رہے تھے۔ ہنزہ کے چند جاننے والے مل گئے۔ مجبوراً سے انہیں کہنی دینے کے لیے اندر دوبارہ جانا پڑا تھا۔ وہ معذرت کر کے باہر لان میں نکل آیا تھا جہاں آرائشی پودوں کے ساتھ پھولوں کی سیٹنگ بڑی دل کش تھی۔

یہاں لائٹنگ کا انتظام بہت نامناسب تھا۔ مرکزی کے اکلوتے بلب نے سرخیز روشنی پھیلا رکھی تھی، وہ وہاں نصب بچ پر بیٹھ گیا اور آسمان کو دیکھنے لگا۔

آسمان پر چاند اپنی پوری آب و تاب سے لشکار سے مار رہا تھا۔ شاید ماہ کا وسط چل رہا تھا جو چاند کی جولانیاں عروج پر تھیں۔ گزرے وقت کے کئی مناظر اس کے ذہن کی اسکرین پر متحرک تھے جن میں وہ اپنے بابا کی آننگی پکڑے آگے آگے رواں دواں تھا۔

چاند اور چاندنی رات!

ستاروں بھرا آسمان

گنگنا تیں، پھولوں کے بوجھ سے جنگلی شاخیں، معطر فضا، یہ سب بابا کو پسند تھا اور اسے بھی، ایسی ہی ایک رات تھی جب اس نے بابا کو چاند کو تکٹے پایا تھا اور ان کے سینے پر سر رکھ کر دریا فت کیا تھا۔

بابا! آپ کو مون اچھا لگتا ہے؟

ہوں!..... ہاں! اچھا لگتا ہے مجھے چاند اور چاند رات۔

مجھ سے بھی اچھا؟ وہ چاند کو گھورتے ہوئے جلیسی لہجے میں بولا۔

آپ جلیس ہو رہے ہوں بیٹے؟ حزرہ نے بیٹے کے انداز کو محسوس کر کے مسکرا کر پوچھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ ہنس پڑا۔

مون سے بھی کوئی جلیس ہوتا ہے مون سب کا ہے۔

میں تو صرف آپ کا ہوں۔ دو ایک بار پھر ان سے پلٹا تھا۔

ہوں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حزرہ نے اس کے رخسار پر ہتے ہوئے کہا۔

پھر مون کو آپ اس طرح مت دیکھا کریں، جس طرح مجھے دیکھتے ہیں۔

مون کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں ہمیشہ اپنے اس دوست کا چہرہ نظر آتا ہے جو دور ہو کر بھی ہمارے دل سے قریب ہوتا ہے، ہماری نگاہوں سے دور نہیں ہوتا۔ باپ کی کوئی کھوئی بیگلی سی آواز آج بھی اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی اور اس کے اندر جمل قفل ہونے لگی۔

بابا! مون اور مون ڈائٹ آج بھی آپ کی پسند ہے؟ کیا آپ آج بھی اس میں اپنے فریڈنز کے چہرے دیکھتے ہیں؟ کیا مون میں آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے؟ اس نے بچے سے سر کا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ دشتیں، حشریں اس کے ارد گرد قضا ہونے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

حزرہ آگیا! آج تم نے حاتم طائی کی روح کو بھی حیراں کر ڈالا ہے، اتنی بھاری سقاوت دکھا کر۔ سفیان اہل پانی کی دُش اپنی جانب کھسکا تا تو سفلی انداز میں گویا ہوا۔

"دعا دو جی! مجھ کو، نہ میں اس سے شرط جیتتا، نہ یہ مزے آتے۔" ہریرہ نے گرین سلاو بریانی پر ڈالتے ہوئے اتر کر کہا۔
حورین اور مول ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بے اسرار انداز میں ہنس پڑی تھیں۔

"ارے لڑکیو! اب تو اپنی ہنسی پرچہ پکڑو، سب خرم و کر و دیکھ رہے ہیں۔" واصف نے وجہ سے لہجہ میں کہا۔

"اوکے تم لوگ کھاؤ، ہم اتنے میں باہر کی سیر کرتے ہیں۔" حورین اور مول اٹھتے ہوئے بولیں۔ ایرج، بیلہ اور زہرا آئیں کریم کھارہی تھیں۔

"تم کہاں جا رہی ہو، ابھی ہم بہت کچھ کھائیں گے۔" ہریرہ نے چھیڑا۔

"ہاں ہاں کھاؤ، تمہارا مال ہے۔" وہ مسکرائی۔

"کیا..... کیا مطلب؟" ہریرہ نے پوچھا کر پلیٹ نیچے رکھی۔

"کوئی مطلب نہیں ہے، صبحی کو میں نے والٹ دے دیا ہے، مل پے کر دے گا۔"

"بٹ میری ہارٹ بیٹ ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ مجھے..... مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے..... جیسے وال میں کچھ کالا ہے۔" وہ کھانا بھول کر حورین کی جانب دیکھ رہا تھا جو ایک انداز سے مسکرا رہی تھی۔

"یارا کیوں ایسی بات کرتا ہے، جلدی جلدی کھا۔" سفیان نے ٹوکاؤ مول کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔ ریسٹورنٹ کا وسیع کوریڈور عبور کرتے ہوئے وہ خوب ہنس رہی تھی۔ آنے والے وقت کا سوچ کر جب ہریرہ کو معلوم ہونا تھا کہ جس فراخ دلی، دیر یا دلی و سخاوت کے پچھلے تمام ریکارڈ توڑے گئے ہیں، ان سب کے اخراجات کا منبع ہریرہ کی جیب تھی، جس سے بہت منائی سے رقم اڑائی گئی تھی اور اس میں یہ دونوں ہی شریک تھیں۔

"مجھے لگ رہا ہے، ہریرہ کو شک ہو گیا ہے۔" یڑھیاں اترتے ہوئے مول نے کہا۔

"مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔ بہت بوسہ ہے وہ۔" حورین کے انداز میں لاپرواہی تھی۔ یڑھیاں اترتے ہوئے وہ چمک کر زک تھی۔

"مول! ہم روٹنگ سائیڈ آگئے ہیں جہاں سے آئے تھے، وہاں لاؤنج اور کوریڈور کے بعد پارکنگ شیفٹ تھا مگر یہاں لان ہے۔"

وہ آخری اسٹیپ پر ڈک گئی تھی جبکہ مول نے گھاس پر قدم رکھ دینے تھے۔

"یہ اسی ریسٹورنٹ کا بیک سائیڈ ہے، ہم جب بھی آتے ہیں یہاں واک ضرور کرتے ہیں۔ کم آن، تھوڑی دیر واک کر کے چلتے ہیں۔" وہ جھپکتی ہوئی اس طرف آگئیں جہاں ڈوائنوں یا دوسروں کے سفر میں جھوٹا۔

"مشش..... وہاں کوئی ہے۔" مول نے ڈک کر سرگوشی کی۔

"کہاں؟" اس نے پوچھا اور پھر مول کے اشارے پر دیکھا۔ وہ کارنر کی بیچ پر ایڑی انداز میں آکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

بلو جینز لائٹ بلو اینڈ وائٹ فی شرٹ میں اس کی شخصیت نمایاں تھی۔ چاند کی روشنی کا بھرپور عکس اس کے چہرے پر تھا۔ جس سے

اس کی سرخ و سپید رنگت و چہرے کے خوب صورت نقوش از حد اور ان کی روپ لیے ہوئے تھے۔ سیاہ گھنی مونچھوں نے اس کی وجاہت کو تار بخشا تھا۔

"کتنا بلیڈم ہے، کتنا ڈیٹنگ، کم از کم میں نے آج سے قبل کسی شخص کو اتنا خوب صورت نہیں دیکھا اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ اس نے میک اپ بھی نہیں کر رکھا جس طرح فلمی ہیروز کرتے ہیں۔" مول نے سرگوشی کی۔

"اچھا..... پھر اسے ہائی جیک کر لیتے ہیں۔" حورین کا لہجہ بلند تھا۔

"ارے اب ایسی بھی بات نہیں، میں ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" مول ہنسی تھی۔ ان کی آوازوں سے وہ خیالوں سے لوٹ آیا تھا مگر انداز نہ بدلا۔

"ارے مجھے کوئی گریز لگ رہی ہے، ہماری بالوں کے باوجود اس شخص نے آنکھیں نہیں کھولی ہیں۔" مول نے اسے غور سے دیکھا۔

دیکھو، کہیں سر مرا تو نہیں گیا، بیٹھے بیٹھے۔ وہ دونوں چند قدم آگے بڑھی تھیں اور اس کی چلتی سانسوں کی آمد و رفت انہیں دور سے نظر آگئی تھی۔

"تھیک گاؤ! زعمہ ہے مگر یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا ہے۔"

"تم کیوں فکر کر رہی ہے۔" فرخ کر وہ آنکھیں بند کرے یا کھولے؟ چلو یہاں سے خواہ مخواہ ہدرویاں ضائع کر رہی ہو ایک اجنبی کے لیے۔"

"حورین! اتنی سیلفش مت بنو، اجنبی ہے تو کیا ہوا۔ انسان بھی تو ہے اور یقیناً اسے کوئی نہ کوئی ایسا شاک لگا ہے جس سے اس بے چارے کی یہ حالت ہو گئی ہے، جو ہٹکا ہٹوں کو چھو کر یہ یہاں خاموشی میں بیٹھا ہے۔ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر۔" اس کا موم جیسے بال کھٹکے لگے۔

"اگر بی بی جان کو معلوم ہو گیا کہ تم اس کو شہر تھائی میں ایک اجنبی شخص کے سامنے کھڑے ہو کر ہدرویاں بانٹ رہی ہو تو جان سکتی ہو کیا حال ہوگا؟" حورین کو مول کی ہمدردانہ طبیعت سے اس وقت اختلاف تھا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہ رہی تھی۔

ادھر ذوالنون کو اپنی طبیعت پر جبر کرنا بہت بھاری لگ رہا تھا۔ وہ لڑکیاں فاصلے پر کھڑیں اس کی ذات کو ڈسکس کر رہی تھیں، جو اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اس نے سیدھا بیٹھتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

ایک اچھٹی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ایکسکیوز می! " حورین اس سے مخاطب ہوئی مگر وہ کوئی جواب دیے بغیر تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا تھا۔

"ایکسکیوز می..... ایکسکیوز می مسٹر امیری بات تو سنیں۔" حورین اس کے پیچھے تقریباً بھاگی تھی۔

"شٹ اپ، مجھے تم جیسی لڑکی کی بات سننے کا شوق نہیں ہے۔" انداز تھا کہ تلواریں لہجے میں گویا ہزاروں اڑدھوں کا زہر۔ مول ساکت رہ گئی۔ حورین غم و غصے سے دنگ رہ گئی۔

”مجھ جیسی لڑکی! وہاٹ یو مین؟“ اس نے مقابل کی جانب دیکھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا جس کی آنکھوں میں سرخ آنسو بھری ہوئی تھی۔ وجہ چہرے کے عضلات کھینچے ہوئے تھے۔

”حورین! چھوڑ دناں کیوں بات بڑھارہی ہو؟“ شدید غصے کے اثر میں حورین کو احساس نہیں تھا مگر مول اس شخص کے مجاز سے نرمی طرح خائف ہو چکی تھی۔ وہ اسے پکڑتے ہوئے بولی جو اس کی راہ میں حائل تھی۔

”نہیں پہلے انہیں بتانا ہوگا۔ مجھ جیسی لڑکی کا مطلب۔“ وہ شدید غصے سے بولی۔

اس شخص کو جارا حسانہ انداز میں اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر مول بدحواس تھی۔

.....

وہ کوئی جواب دیے بغیر ہوا کے سرکش جھونکے کی مانند گزر گیا تھا۔

”اوکا! انسان تھا یا کوئی آتش فشاں! ٹھیکس مگا! چلا گیا۔“ اس کے جانے کے بعد مول کی لڑکی ہوئی سانس بحال ہوئی تو

”تھکرا لہجے میں بولی۔

”آتش فشاں کیوں۔۔۔ وہ تو بہت ہی مذم تھا۔ بہت ڈینگ، اس بیسٹا وجہ مردم نے کبھی دیکھا نہ تھا۔“

”ذکیہ لی اس کی خوب صورتی کی اعلیت، کتنی بدتمیزی سے پیش آیا تھا وہ۔ حورین کا موڈ بڑی طرح آف تھا۔ مول مارے غصے کے خاموش کھڑی تھی۔

”کچھ لوگوں کی بیوی ان کے منہ بند ہونے تک قائم رہتی ہے، منہ کھلتے ہی سب سچائی نظر آ جاتی ہے، پھر وہ شخص کچھ زیادہ ہی بدتمیز و بد دماغ تھا۔“

”اب چھوڑ دیا راجھے نہیں معلوم تھا تم بھی بھول جاؤ اور یہ سوچو، ہریرہ سے اپنی چوڑی کب تک چسپ سکتی ہے، جب اسے معلوم ہوگا تو.....؟“ اسے گرا لاق ہوئی۔

”اس کو ہینڈل کرنا میں جانتی ہوں، تم کمر مت کرو وہ چلو چلتے ہیں ان لوگوں نے کھانا کھالیا ہوگا۔“

”کھانا کھالیا ہوگا اور ”مل“ بھی پے کر دیا ہوگا۔“ مول کے شوخی سے کہنے پر وہ ہنسی ہوئی میز صیوں کی طرف بڑھی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”ہیلو پارنٹز! کیا سوچ رہے ہو، بہت بڑی رہنے لگے ہو، کیا ایکٹیو ٹییز چل رہی ہیں جن میں بڑی ہو کے بھائی سے ملنے کی فرصت نہیں ہے۔“ وہ میز میں کھڑا ماحول میں اترتی رات کی خاموشی میں گم تھا۔ جب پیچھے سے آکر کونین نے اس کے شانے پر بازو رکھتے ہوئے کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”ایسی ایکٹیوٹیز کوئی نہیں ہے۔“ کونین سے اس کا امداد و ستانہ و مہذب تھا۔

”کلاسز تو ابھی آف ہوں گی؟“

”جی..... ٹیکسٹ ویک سے کلاسز لگنے لگیں گی۔“

وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

”مانو فنکار پر جارہے ہیں، کہہ رہے تھے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”کیوں؟ فنکار پر بہت انجوائے منٹ ملتی ہے۔“

”مجھے معصوم و خوب صورت پرندوں کو مارنے میں کوئی انجوائے منٹ نظر نہیں آتی۔ پرندے نغاؤں میں پرواز کرتے ہی حسین لگتے ہیں۔“

”ہاں..... بات تو اچھی ہے تمہاری مگر اپنی اپنی ہاؤز ہیں۔“

”دادو کے پاس گئے تھے، بہت یاد کر رہی تھیں آپ کو۔“

”ہاں..... یار! سوچ تو روز رہا ہوں لیکن..... وہ.....“

”مئی کے خوف سے نہیں جارہے ہیں۔“ وہ اسے جزبہ دیکھ کر بولا۔

”ہوں..... یہ معلوم مئی کو کیا وہم واندیشے ستائے رکھتے ہیں۔ وہ ہمارا وہاں جانا بالکل پسند نہیں کرتیں۔ خاص طور پر مہر اگل کی

لڑکیاں انہیں پسند نہیں ہیں۔“

”مئی.....“ مئی کی طرح ہی ہے جس وہ دروہ ہیں۔“

”اونہیں۔ وہ ہماری مئی ہیں۔“ کوئین کے لہجے میں سہیہ تھی۔

”میں نے کب انکار کیا ہے۔“

”تم مہما سے ہمیشہ سے دور رہے ہو، ایک گھر، ایک چھت کے نیچے نہ کر بھی۔“

”ایک گھر میں، ایک چھت کے نیچے رہنا دلوں کو نہیں جوڑتا..... اگر ایسا ہوتا تو ہمارے معاشرے میں پیار و اعتماد کی مثالی محبت

موجود ہوتی۔ ہم سب رشتوں میں بندھ کر دو اپنائیت و محبت نہیں پاتے جو ہمارا حق ہے۔“

”مئی سے غفا کیوں رہتے ہو، جبکہ وہ تمہاری فکر میں کیا کچھ نہیں کرتیں، کم از کم میں نے کسی ماں کو اتنا پریشان و غم مند نہیں دیکھا۔“

”آپ نے ابھی ماں اور ماں کی متنازعہ بھی کہاں ہے۔“ اس نے سوچا۔

”مما کو مت آپ سیٹ کیا کرو۔ بابا کے جانے کے بعد وہ کتنی تنہا اور کھلی ہو گئی ہیں۔ اب ہم ان کی کیئر نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟

پاپا ایک غیر عورت کی خاطر ہمیں، ممما کو سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔“ کوئین افسردگی سے بولا تو ذوالنون کے چہرے پر نفرت و غصے کی سرخی پھیل گئی۔

”میں اس عورت سے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں۔ کبھی غلطی سے بھی وہ مجھے نظر آگئی تو شوٹ کر دوں گا۔“ اس کی نگاہوں میں نفرت جنون بن کر چمک رہی تھی۔ چہرے پر خنکی تھی۔

”تم نے دیکھا ہوا ہے اس عورت کو.....؟“

”بھائی! میں مذاق کے سوڈ میں نہیں ہوں۔“

”جس عورت کا تم نام بھی نہیں جانتے، اسے شامت کس طرح کرو گے؟ ہمارے گھر میں دادو کے ہاں ان کا ذکر بھی ممنوع ہے۔“

”براہی گتھی ہی پاؤں فل ہو، مگر ایک دن طشت از بام ہو جاتی ہے اور مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے۔“ وہ مضطرب و بے کل تھا۔

”تمہیں کسی ایسی منفی سوچ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب تمہیں کامرانوں کی سب سے معجز جگہ پر دیکھنا چاہتے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

حور! حورین! ”مول گھبرائی گھبرائی اسے پکارتی ہوئی آئی۔

”ارے کیا ہوا؟ یہ تمہارے چہرے پر سب بچ کر بارہ منٹ کیوں ہو رہے ہیں؟“ وہ جو ایزی چھتر پر بیٹھی نل چپاتی میگزین پڑھ

رہی تھی، مول کے فنی چہرے کو دیکھتی ہوئی میگزین بند کر کے بولی۔

”تمہارے چہرے پر بیجے کے لیے کچھ بچا نہیں ہے، تمہیں ابھی معلوم ہوگا۔ میریس ہو جاؤ، خطرہ ہم تک پہنچنے والا ہے۔ ہریرہ اپنا

والٹ لیے سب سے پوچھ رہے ہیں کسی نے ان کے دس ہزار روپے دیکھے ہیں۔“

”اچھا..... کہاں ہے وہ؟“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”لاؤنچ میں تھے، میں چپکے سے یہاں پر آگئی۔“

”تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟ کچھ نہیں ہوگا۔“

”تم ابھی بی بی جان کی طبیعت سے واقف نہیں، اگر انہیں معلوم ہو گیا تو وہ سب کے سامنے بے عزتی کر دیں گی اور سزا علیحدہ

ملے گی۔“

”کوئی فکر نہیں، اب میری حفاظت میں جو تو خود کو بالکل بے فکر رکھو، دیکھنا میں سب کچھ کس طرح سنبھال لوں گی، ایسے مسائل

سولو کرتے ہوئے اس دور تک پہنچے ہیں۔“ حورین کے فریض چہرے پر اعتماد کرن بن کر چمک رہا تھا، اس کی براؤن آنکھوں میں شرارت تھی۔

وہ اس کا ہاتھ تمام کر لاؤنچ میں آگئی، جہاں وہ سب جمع تھے۔ جیسی کسی فرس شاس ایمان دار پولیس افسر کی طرح تفتیش کر رہا تھا، ہریرہ کسی

لئے ہوئے تاجر کی طرح پریشان کھڑا تھا۔

”ہیلو فرینڈز! کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے انجان بننے ہوئے کہا۔

”غضب ہو گیا، ہریرہ کی جیب پر دن ویہاڑے ڈاکہ پڑ گیا۔“

”آنکھوں آنکھوں میں یہ سب ہو گیا اور معلوم بھی نہیں ہوا۔“

”اُکھ دل پر پڑے یا جیب پر، لٹنے کے بعد ہی خبر ہوتی ہے کہ آنکھوں آنکھوں میں یہ کیا ہو گیا۔“ سود کے کہنے پر قہقہہ پڑا تھا۔

”شٹ اپ! یہاں میرا دل رو رہا ہے اور تم لوگوں کو کسی آری ہے۔“ ہریرہ چیخ کر بولا۔

”اوہ سو رہی برا درایہ بناؤ تمہارے نوٹ کیسے تھے؟“

”نوٹ کیسے تھے سے مطلب..... نوٹ نوٹ کی طرح ہی تھے، کاغذ کے اور کیسے نوٹ ہوں گے؟“

”اچھا اچھا میں سمجھا آپ نے کوئی انجیل نوٹ بنوائے ہیں۔“

”پلیز! معاملہ سنگین ہے، اس لیے سنجیدگی اختیار کی جائے۔“

”مجھے معاملہ ٹھیک نظر آ رہا ہے، ہریرہ کی شکل دیکھ کر۔“ سود نے کہا اور وہ بے وقوفی سے پھرا بھرا۔ ہریرہ کے گھورنے پر وہ ایک

دم چپ ہو گئے۔

”سول! تم بناؤ تم نے ہریرہ کے دس ہزار روپے تو کہیں نہیں دیکھے؟“ سول جو پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی گھبرا کر بولی۔

”ناں..... نہیں، میں نے اور حور نے ہریرہ کی جیب سے دس ہزار روپے نہیں نکالے..... مل..... بلکہ دیکھے ہی نہیں۔“ بوکھلاہٹ

میں دو بچائی اگل چکی تھی۔ سب کی تجسس نظریں حورین کی طرف تھیں۔

”اس کو کہتے ہیں بے وقوف کی دوستی سے عقل مند دشمن کی دشمنی بہتر ہے۔“ دامن عرف و می نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”آؤ اس کا مطلب ہے وہ دس ہزار روپے تم نے اڑائے میری جیب سے؟“ ہریرہ دغی ناگ کی طرح پھٹکا رہا اس کی جانب بڑھا۔

”مار ڈالوں گا تمہیں۔“ جب ہی میری چمٹی حس کل بار بار اشارہ ہو رہی تھی کہ کچھ گڑبڑ ہے مگر میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کہاں ہیں

میرے روپے، شرافت سے بناؤ؟“

”وہ حورین کی طرف بڑھتے ہوئے کبر رہا تھا جبکہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی جانب کھسک رہی تھی۔

”ختم ہو گئے۔“

”واٹ..... کیسے اور کہاں؟“ وہ پوری شدت سے چیخا۔

”نکل..... پارٹی اُمی روپوں کی تھی۔“

”اب تم میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتیں۔“ وہ اس کی طرف بڑھا تھا اور حورین جیزی سے باہر بھاگ لی تھی، ہریرہ اس کے پیچھے

بھاگا تھا۔ ابھی وہ دو کوریڈور سے نکلے ہی تھے کہ بی بی جان کمرے سے نکل آئی تھیں، وہ دونوں وہیں رُک گئے۔ بی بی جان نے باری باری

دونوں کو گھورا۔

”یہ کس خوشی میں کد کڑے لگائے جا رہے ہیں؟“

"بی بی جان! یہ بریرہ....."

"سوری بی بی جان! میں ایسے ہی....."

بی بی جان کی خشکیں لگا ہیں بریرہ کو بدحواس کر گئی تھیں اور اسے معلوم تھا کہ اگر انہیں اصل بات معلوم ہوگئی تو اُلٹا سے ہی ڈانٹ پڑے گی کہ مروہ ہو کے لڑکی کے آسرے پر کھانے جاتے ہو۔

"میں ایسے ہی..... یہ کیا ہوتا ہے؟..... ہیں؟ غضب خدا کا پورا گھریلا کر رکھ دیا۔" وہ ناک پر پھسلتی عینک کے پیچھے سے گھور کر بولیں۔

"بی بی جان! غلطی میری تھی۔" بریرہ کے منت بھرے اشارے پر حورین سنجیدگی سے بولی تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ ور آئی۔

"تم تو بہت لائق ہو، اس گھر کی لڑکیوں سے زیادہ سمجھ دار اور قابل، یہی غلطی اس نالائق کی ہی ہوگی۔ چلو جاؤ آئندہ کوئی ایسی نالائق نہ کہیں تو بہت بُری طرح خوش آؤں گی۔"

وہ حورین کے بعد اس سے بولیں تو بریرہ اسے مٹکا دکھانا چلا گیا۔

"یونیورسٹی کب سے جاؤ گی؟" وہ اسے ساتھ لیے آگے بڑھ گئی تھیں۔

"کل سے جوائن کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے آج سے دن بیچ سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے جائیں گے، صبح آٹھ بجے مجھے سب ناشتے کی بجلی پر ملنے چاہئیں، نو بجے سب کو روانہ ہو جانا ہے، سن لو سب جو چاہوں گی طرح کو کون کھدروں میں چھپے ہماری باتیں سن رہے ہو، خوب پیش کر لیے بہت ہو ہو..... ہا..... سی سی..... ہوگئی، اب سنجیدگی اختیار کرو۔"

نوجوان پارٹی جو ادھر ادھر چھپ کر ان کی باتیں سن رہی تھی، بی بی جان کی جہانم دیدگی پر کھپا کر رہ گئی۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو میرے ساتھ بازار چل سکتی ہو۔"

"تو جینکس بی بی جان! ممانے پہلے ہی سال بھر کا کوڈ بھر دیا ہے۔"

☆.....☆.....☆

وسیع و عریض لان کے وسط میں کرسیوں پر برہان لغاری، فائٹہ اور منال بیٹھے تنگٹو میں گمن تھے، درمیان میں رکھی سینئر نیل چائے اور دیگر لوازمات سے بھری تھی۔ ان کے ہاتھوں میں چائے کے گکو تھے۔

"پیا! آپ نے پالیٹکس جوائن کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی، ہمارے پاس اتنا کچھ ہے کہ آنے والی سلیس بیٹے کرکھا سکتی ہیں پھر خواہ تو وہ دوسریوں مول لے رہے ہیں؟" منال ان سے مخاطب تھی۔

"آپ کے چچا کو ہراتج میں نئے نئے شوق چڑھتے ہیں۔ اب یہ بیٹا شوق دیکھیں کیا رنگ دکھاتا ہے۔" فائٹہ خوش دلی سے بولیں۔

"اگر لائف سے قمرل، ایکسٹنٹ نکال دی جائیں تو زندگی پور ہو جاتی ہے، جوش و ولولہ انگیزی انسان کو جوان و شاواں رکھتی

ہے، ہر دریا میں ناؤ چلائی ہے، سیاست کے دریا کی بھی سیر کر کے دیکھتے ہیں۔
 ”بہت سوچ سمجھ کر اس جانب بڑھئے گا، اس دریا میں ہمیشہ ہی طغیانی رہتی ہے۔ کہیں کنارے پر ہی کشتی سمیت ڈوب جائیں۔“ نائقہ نے ہنستے ہوئے مشورہ دیا۔

”دریا نیا ہے تو کیا ہوا، ہم تو پرانے تیراک ہیں، کچھ محنت کے بعد منزل تک پہنچ ہی جائیں گے۔“
 ”پرنس آج کل بہت بڑی ہے۔ ملاقات ہی نہیں ہو رہی ہے کئی دنوں سے۔“
 ”صبح جلد بیدار ہوں تو مل پائیں گی ان سے یارات ڈنر پر ان دونوں نام ہی آپ دونوں غیر حاضر ہوتی ہیں۔“
 ”پرنس ایک ایسا نارمل بچہ ہے پاپا، وہ جان کر دم سے دور بھاگتا ہے۔ وہ ہمارے درمیان رہنا ہی نہیں چاہتا ہے۔“
 ”آپ کو تو اس سے ہر وقت شکایت رہتی ہے کبھی یہ جاننے کی بھی کوشش کی کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ کیوں ایسا رویہ ہے اس کا؟“
 ”مجھے معلوم ہے جو وہ چاہتا ہے..... مگر میں ایسی ماں نہیں بن سکتی جو اس کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرے، وہ جائے تو دروازے پر اسے خدا حافظ کہے، وہ آئے تو اپنے ہاتھوں سے کھانے پینے کی چیزیں لے کر اسے دروازے پر خوش آمدید کہے، پھر اپنے ہاتھ سے نوالے پکنا کر اس کے منہ میں ڈالے، اسے ایسی ہی گھریلو ناناں پسند ہے۔“
 ”ماں کسی بھی طبقے کی ہو، ماں ہوتی ہے۔ لیکن اچھی ماں وہی ہوتی ہے جو آئیڈیل ہو، جو بچوں کے لیے فکر کا باعث نہ ہو، شرمندگی کا نہیں۔“
 ”آپ نہیں سمجھ سکتے پاپا، اس کی فرسٹریشن، اس کی سائیکالوجی پر اب ہم یہ سب اسے باپ سے دہانے میں ملا ہے۔“

☆.....☆.....☆

وہ صبح بڑی خوش گوار و خوب صورت تھی۔

گھر کے مرد نماز فجر کے بعد جو کچھ اور نو جوان پارٹی ورزش میں مشغول تھی۔ خواتین نماز و تلاوت قرآن پاک سے فراغت کے بعد کچن کا رخ کر چکی تھیں۔ بیلا جو سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی، ساتھ ہی اس کے فضیلہ پڑھتی تھی، وہ دونوں کالج کے لیے تیار ہونے میں مصروف تھیں، موٹل، ڈرڈیا اور حورین یونیورسٹی جانے کے لیے لباس منتخب کرنے میں مصروف تھیں جو کل سے اب تک منتخب نہ ہو رہے تھے، کیونکہ یونیورسٹی میں آج ان کا پہلا دن تھا، وہ چاہتی تھیں اس طرح تیار ہوں جس میں ان کی شخصیت پر وقار محسوس ہو۔

”جلد کپڑے پسند کر و نام گزرے جا رہا ہے، یونیورسٹی یہاں سے بہت دور ہے اور اگر بی بی جان نے آکر یہاں کپڑوں کے یہ ذخیرہ دیکھ لیے تو سوچ لینا..... صبح ہی صبح خالی پیٹ اتنا کچھ سننے کو ملے گا کہ معدہ مرواشت نہیں کر پائے گا۔“ زویا ادھر ادھر بکھرے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”میں تو اپنے کپڑے ایک ہفتہ قبل ہی منتخب کر چکی ہوں اور اب کپڑے تبدیل کرنے جا رہی ہوں۔ تم دونوں کو ہی نہ معلوم کیا کر رہے۔“ حورین بالوں میں برش کرتی لاہر واپسی سے گویا ہوئی۔

”ذیروز! تم یسیدہ ڈریس بھی زیب تن کرلو تو سب میں منفرد نظر آؤ گی۔ اوپر والے نے بڑی سخاوت سے تمہیں خُسن عطا کیا ہے، مسئلہ تو ہم عام صورت لوگوں کا ہے، خود کو نمایاں کرنے کے لیے اتنی کڑی تک و دو کرنی پڑتی ہے۔“ موہل نے کپڑوں کے ڈیزائنر وار ڈروپ میں بیٹھ کر تے ہوئے کہا تو دیوانے تائید میں گردن ہلاتی تھی۔

”میری ماکتبی ہیں، ہم اپنی خوب صورتی سے نہیں اخلاق و کردار سے سراہے جاتے ہیں، اگر ہمارا اخلاق اچھا نہیں ہے، کردار شفاف نہیں ہے تو سب فضول و بے معنی ہے۔“ وہ باہر نکلے ہوئے ہوئی۔

”تم لوگ یونیورسٹی جا رہے ہو یا کسی فیشن شو میں؟“ راہ داری سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ کھلے دروازے سے اندر پڑی تو وہ کپڑوں، جہولری، جوتوں اور دوسرے سامان پر نگاہ ڈال کر حیرانگی سے کہنے لگا۔

”یونیورسٹی کیا ایسے ہی سرسبز منہ بھاڑ چلتے جاتے ہیں بھی، مانا کہ وہ ایک تعلیمی درس گاہ ہے مگر وہاں لوگ بھی تو ہوں گے جن کے آگے اپنی پوزیشن مضبوط رکھنی ہے۔“ زویا ایک سبٹ اٹھاتے ہوئے ہوئی۔

”وہ کہتے ہیں، فرسٹ امپریشن از والا سٹ امپریشن۔“ حسن کی والدہ موہل نے بھی شانے اچکاتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

”اوہ..... مجھے تو ابھی پتا چلا، امپریشن اور پوزیشن کا۔“

”پلیز وی! جاؤ ابھی دیر ہو رہی ہے، بی بی جان کی آواز آنے والی ہے۔“ دونوں نے اسے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا تھا۔

ہریرہ اور سفیان انہیں یونیورسٹی چھوڑنے آئے تھے۔ اس سے قبل بھی سفیان انہیں کئی بار یونیورسٹی لایچکا تھا اور ان کی فیکلٹی کے

غلاو وینک، کاسٹن روم، کیفے ٹیریا، سیمینار ہال، کنٹینن کے علاوہ فٹ ہال اسٹیڈیم، کرکٹ اسٹیڈیم، ہاکی گراؤنڈ تک ازیر کر دے تھے۔

”او کے کرٹز! خیال رکھنا پہلا دن ہے، ریلنگ ہو سکتی ہے۔“ ہریرہ نے انہیں ہوشیار کیا جو کار سے اتر چکی تھیں۔

”ڈونٹ کیئر یا راجس اسی لیے پہلے انہیں یہاں کے چپے چپے سے روشناس کروا چکا ہوں۔ اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔“

سفیان نے تسلی آمیز لہجے میں کہا اور خدا حافظ کہہ کر دونوں چلے گئے۔

وہ بہار کے مست جموں کی طرح خراماں خراماں آگے بڑھی تھیں۔ جارجٹ کی نیلی قمیص پر سرخ ریشم اور ستاروں کی دیدہ زیب ہلکی سی کڑھائی تھی، شلوار سادہ تھی، دوپٹے کے کناروں پر بھی ایسی ہی کڑھائی تھی۔ دوپٹا اس نے سینے پر پھیلا یا ہوا تھا۔ ہالوں کی چوٹی کمر پر لہرا رہی تھی، ہائیں بازو پر بیگ لٹکائے، دائیں ہاتھ سے سینے پر لگی کتابیں و فائلز پکڑے اس کے چہرے پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔ چہرہ اتنی بڑی، اتنی دل آویز آرزو پوری ہونے کی خوشی میں مزید دل کش لگ رہا تھا۔ وہ ہر شے کو بڑی محبت و اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو جھلکانے لگے تھے۔

آج بڑا سہانا دن تھا۔

خوابوں کی تعبیر پانے کا۔

خوابوں کے برآئے کا۔

یہ زمین، یہ شہر، یہ نفا اسے لگارتی تھی، بلاتی تھی، عجیب بات تھی اس شہر میں، وہ پہلی وقفہ آتی تھی مگر اسے کوئی اجنبیت و نا آشنائی محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ یہاں آکر اس کے اندر ایک گہرا سکون و طمانیت اور آسودگی چھاتی چلی گئی تھی۔

”معلوم نہیں مجھے یہاں آنے سے کیوں روک رہی تھیں؟ یہ شہر، یہ جگہ بہت پر سکون ہے، یہاں آکر میرے اندر غیر محسوس تبدیلی آئی ہے۔ بہت نئی، بہت اجنبی سی، ایسا لگتا ہے یہاں آنے سے قبل میں ادھوری تھی، یہاں آکر مکمل ہوئی ہوں۔“ وہ بڑبڑاتی تو وہ دونوں متوجہ نہ تھیں۔

”خیریت تو ہے ناں۔۔۔ یہ کیا خود سے باتیں کرنا شروع کر دیں؟“

”میں سوچ رہی تھی، اتنا خوب صورت شہر ہے، اتنے اچھے لوگ ہیں پھر ماما میرے یہاں ایڈمیشن لینے کے خلاف کیوں تھیں؟“
 ”دوستا ہے وہ تمہیں خود سے درد کرنا نہیں چاہتی ہوں اور اس بہانے سے روک رہی ہوں۔“ مومل نے چلتے ہوئے قیاس آرائی کی۔
 ”نہیں، ایسا بات ہے کہ یہاں ہمارے شہر میں انس انکل کے کچھ دشمن ہیں، ان خوف سے وہ پریشان تھیں اور انہیں چاہتی تھی کہ تمہارا ایڈمیشن یہاں ہو، اس لیے پلیز انکل آنٹی کے نام بتانے سے گریز کرتا۔“ زونیا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”مجھے اس پر یقین نہیں۔ میرے پاپا بہت نرم دل اور اچھے ہیں۔ کوئی ان کا دشمن کیوں ہوگا؟“ اس موضوع پر وہ پھر الجھ گئی تھی۔
 ”ڈیز اے ہمیشہ اچھے لوگوں کے تو دشمن ہوتے ہیں۔ نرے لوگ اچھے لوگوں کی اچھائی برداشت نہیں کر پاتے اور دشمن بن جاتے ہیں۔“ وہ باتیں کرتی ہوئیں اپنے ڈیپارٹمنٹ میں پہنچ گئی تھیں۔

کلاس میں اسنوڈشس سے تعارف کے مراحل پر وینس جعفری کے توسط سے ہوئے۔ پھر سارا ان دن اسی طرح ادھر ادھر گھومتے پھرنے لگا تھا۔

”ہیلو! کیا آپ ہم سے دوستی کریں گی؟“ وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھیں، جب وہ تین لڑکیاں ان کے پاس آکر کھڑی ہوئیں، ان کے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

”کیوں نہیں، زندگی دوستی کے لیے ہی ہوتی ہے۔“ حورین نے مسکرا کر کہا اور ان لوگوں نے مصافحہ کیا اور بیٹھ گئیں۔

”ہم آپ کی کلاس فیلو ہیں۔ آج لیٹ ہو گئے تھے، اس لیے ہمارا تعارف نہ ہو سکا تھا۔ میں شاہ ہوں، میں ردا ہوں، بہاول پور سے آئی ہوں، اس کی فرسٹ کزن ہوں۔“

”میں شمرین خان اور یہیں کراچی کی پیداوار ہوں۔“ تین لڑکیاں خوش شکل و خوش مزاج تھیں۔ سمو سے کھانے اور چائے پینے کے دوران میں گہری دوستی ہو گئی تھی۔ وہ وہاں سے آکر گھاس پر بیٹھ گئی تھیں۔

نئی کلاسز کا آغاز تھا۔

خوب کہا گئی ہر نو پمیلی ہوئی نظر آرہی تھی۔ نئے آنے والے اسٹوڈنٹس بہت گھبرائے ہوئے، بوکھلائے ہوئے، رونق چہروں کے ساتھ انگ ہی نظر آرہے تھے، جن میں اکثر کسی نہ کسی کی شرارت کا شکار ہو رہے تھے اور فضا مردانہ و زمانہ زنہ تھیوں سے گونج اُٹھتی تھی۔

”حورین! وہی لڑکا..... جو اس دن ریسٹورنٹ میں ملا تھا۔“

مول نے کچھ قاصیلے سے گزرتے ذوالنون کی طرف اشارہ کیا جو دوستوں کے ہمراہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھے بنا اس کے چہرے پر وہی سی ہارعب سنجیدگی تھی جو اس کی شخصیت کو بد وقار بناتی تھی۔

”ہوں تو ہونے دو، ہمیں کیا؟“ حورین نے اچنی سی نگاہیں اس کی طرف دیکھ کر شانے اچکاتے ہوئے منہ ہا کر کہا، اس کے ہنسنے مسکراتے چہرے پر سرد مہری دور آئی، جو سب نے ہی محسوس کی تھی۔

”اچھا..... یہ وہی بد مزاج واکڑ و لڑکا ہے۔“ زویا گردن گھما کر دور جاتے ذوالنون کو دیکھتے ہوئے گویا تھی۔

یہی تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ شخصیت بہت زبردست ہے اس کی، پھر وہی بات صادق آتی ہے خدا احسن دیتا ہے تو نزاکت آتی جاتی ہے اور یہاں احسن کا تعلق زمانہ نہیں مردانہ ہے تو نزاکت کی جگہ بد مزاجی و غرور نے لے لی ہے۔“ زویا اس جانب گردن موڑے برابر دیکھ کر کس پاس کر رہی تھی۔

”گردن ٹوٹ کر گر جائے گی، اگر اسی طرح دیکھتی رہی تو۔۔۔ باز آ جاؤ ایسا کوئی وہ یوسف ثانی نہیں ہے، عام سائنس ہے۔“

حورین غصے سے بولی۔ وہ اس شخص کے ہاتھوں ہوئی اپنی ہچک دوچین کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اسے اس کے لفظ اور نظرت و عمارت میں ڈوبا لہجہ بھی یاد آ گیا تھا۔

”تم لوگ پرنس کو جانتے ہو؟“ ثمرین مذاشتیاق انداز میں گویا ہوئی۔

”نہیں بھئی! ہم کیوں جاننے لگے اس کڑوے کرپے کو؟“ حورین نے اس طرح منہ بنا کر کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

مول نے ریسٹورنٹ کے پارک والا قصبہ بھی سنا ڈالا تھا۔

”وہ ایسا ہی ہے، کسی لڑکی کو خاطر میں نہیں لاتا مگر ہماری جو صنف ہے وہ اس کے ہر ایسے انداز، بات کو اعزاز سمجھ کر قبول کرتی ہے، بہت کرپڑی ہیں اس کے لیے اب تم لوگ دیکھنا یہاں کے قصابے۔“

☆.....☆.....☆

صبح ہی صبح بادل خوب ٹوٹ کے بر سے تھے۔

دھلا دھلا یا سبزہ مزید نکھر گیا تھا۔ کرن نے ملیجہ سے پاؤں آزاد کیے اور ہینگی ہینگی گھاس پر نیچے پاؤں ٹپکتے ہوئے ان کے اندر کچھ سکون و ٹھنڈک کا احساس پھیلنے لگا تھا۔ بھڑکتی ہوئی سوچیں، سلگتے ہوئے خیالات جو حورین کے جانے کے بعد سے اس کے اندر دیکھیں ہو گئے تھے، کچھ دیر کے لیے ان میں پھواری پڑنے لگی تھی۔

تینوں بچوں نے کال کی تھی۔ بہت خوش تھے۔

بریرہ نے انجیٹرنگ کالج میں ایڈمیشن لیا تھا، ایریج نے میڈیکل میں اور حورین نے یونیورسٹی جوائن کی تھی جو اس کی خواہش تھی۔ بہت دیر تک ان کے درمیان باتیں ہوتی رہی تھیں۔ حورین کی آواز انہیں سہارا دیتی ہے، تشفی دیتی ہے، بیٹی کی آواز زندہ رہنے کا احساس دلاتی تھی، اور نہ زندگی میں رکھا ہی کیا تھا، ماسوائے ان۔۔۔ خوف، اندیشوں، دوسروں کے جو کسی سانپ کی مانند بروقت ڈستے رہتے تھے۔ اس کی بھرپور رحمت بھری رفاقت بھی ان کے اندر کا وہم دور نہ کر سکی تھی۔ ان کا وجدان کہتا تھا حورین کا اس شہر میں جانا ٹھیک نہیں ہے، کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔۔۔ اور ایسی ہی سوچیں انہیں مسلسل پریشان اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض بنا چکی تھیں۔ دن میں کئی بار وہ حورین کو فون کرتیں، اس کی پوری روئیں معلوم کرتی کہ وہ کہاں گئی اور کس سے ملی، شرمین، ثناء اور ردا سے دوستی کا سن کر یہی نصیحت کی کہ اپنے متعلق کم سے کم بات کرے اور اس سے زیادہ دوست نہ بنائے۔

"مجھے معلوم تھا آپ سہمی ہوں گی اس لیے چائے سہمی لے آئی۔" قاریہ چائے کا گم اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔ دونوں وہاں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

"تجسس بھابی! اشاعت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی چائے کی۔"

"دل سے دل کو رواد ہوتی ہے کرن! ہم جن سے محبت کرتے ہیں ان کی پسند و ناپسند، خواہشات و ضروریات کا ہمیں ار خود ہی اور اک ہو جانا ہے۔" قاریہ کے غلوں سے ان کی آنکھیں پھٹکنے لگی تھیں۔

"بکچہ میں نہیں آتا خود کو بد نصیب سمجھوں یا خوش نصیب؟" انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے غم لہجے میں کہا۔

"مجھے غیروں نے اپنا پایا اور اپنوں نے دھکا مارا۔"

"میں ناراض ہو سکتی ہوں۔" قاریہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے کیوں؟ کیا ہوا؟" کرن تک سبیل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اساتے سال سے ساتھ رہنے اور محبت کے باوجود ہم غیر ہیں ابھی بھی؟"

"اوہ سوری!" کرن نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دہاتے ہوئے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"میرا یہ مقصد ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ آپ لوگوں نے تو محبتوں اور بے لوث تعلقات کو زندہ رکھا ہوا ہے، ورنہ یہ قدر میں تو ہم اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہیں۔ مجھے تو آپ لوگوں سے ہی محبتیں ملی ہیں۔ آپ میرے لیے اپنوں سے بڑھ کر گئے ہیں لیکن بات تو وہی آئے گی کہ ناخن خواہ آپ کتنا کاٹ دیں مگر گوشت سے جدا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میری جڑیں تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جو غیروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا، انضیال، بدو حیال، ماں کا گھر، باپ کا گھر، کہیں بھی میرے لیے پناہ نہ تھی، رشتوں کا یہ تھنا تو نہیں ہوتا ناں۔۔۔"

"جو یاویں تکلیف دیں، انہیں بھول جانا اچھا ہے۔ بھول جاؤ سب کچھ۔"

”کاش! بھولنا اتنا آسان ہوتا تو میں کب کی بھول چکی ہوتی۔“ ماضی کی خاک ان کی آنکھیں جھلکانے لگی تھی۔

”ہلیز کرن! سنبھالو خود کو، تمہاری دن بہ دن گرتی صحت نے انس بھائی کو بھی آپ سیٹ کر رکھا ہے۔ حورین کی جدائی اور تمہاری طبیعت حورین میں تو ان کی جان ہے، بڑے حوصلے اور ضبط سے وہ اس کی کمی کو برداشت کر رہے ہیں۔! دھر تمہاری طبیعت انہیں آپ سیٹ کیے ہوئے ہے۔“

”او کے میں سنبھال لوں گی خود کو۔“

☆.....☆.....☆

منزلہ کی تصویر ہاتھ میں تھی۔ اس کا لابن سوچوں کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا اور ماضی کے مرغزاروں میں کھو گیا تھا۔ جب اچانک ہی حیدر کی کال نے اسے چوٹ کا دیا تھا۔

”لیس۔“ اس نے اسکرین پر نام دیکھتے ہوئے کہا۔

”یار! کہاں ہو تم؟“

”گھر پر ہوں دھیرے۔“ حیدر کے لہجے میں کچھ تھا وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

”خیریت نہیں ہے یار بس تم آ جاؤ۔“ حیدر نے اسے ہسپتال کا ایڈریس بتاتے ہوئے تاکید کی۔ موبائل آف کر دیتے ہوئے اس کے چہرے پر نگر تھا۔ اس نے سائیز پر رکھے والٹ، دگلاسز اور کی ٹینن اٹھائی اور موبائل شرٹ کی جیب میں رکھا ہی تھا، جب دروازہ ٹاک کرتی مثال اندر آئی تھی۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے آتے ہی سوال کیا۔

”حیدر کی طرف۔“

”حیدر سے روز ہی ملنے ہو، آج میرے ساتھ چلو سڑ حیدر کے ہاں پارٹی میں۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے حکم کیے انداز میں بولیں۔

”مما! آپ جانتی ہیں مجھے ان پارٹیز، گید رنگز سے کس قدر الرجی ہے، پھر بھی آپ مجھے اصرار کرتی ہیں۔ سوری میں نہیں جا سکوں گا آپ کے ساتھ۔“ وہ نرم مگر حتمی انداز میں بولا۔

”کیوں آخر..... آپ کو ہر اچھے کام سے کیوں الرجی ہے؟ میری تمام فرینڈز کے بچے بہت شوق سے ایسی پارٹیز انجوائے کرتے ہیں پھر آپ کیوں بھاگتے ہیں ایسی گید رنگز سے؟ یہی تو انجوائے منٹ کے دن ہیں۔“ انہوں نے آتے ہی حسبِ عادت گفتگو شروع کر دی تھی جو اسے ہمیشہ سے ناگوار گزرتی تھی اور اس لمحے جب وہ حیدر کی کال پر فکر مند جانے کو تیار تھا، ان کی گفتگو اصرار اور خواہش اسے اس وقت بہت بھاری لگ رہی تھی۔

”میں بہت بُرا بیٹا ہوں آپ کا، کبھی آپ کی توقعات پر پورا نہیں اُتر سکوں گا۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں ہلیز۔۔۔۔۔“

”اسی طرح جس طرح تمہارا باپ چھوڑ گیا تھا۔“ دو تپ کر بولیں۔

”مما! پلیز..... بابا کو درمیان میں مت لائیں۔“ اس کی ذمہ داری پر ہاتھ پڑا تو دو کراہ اٹھا۔

”کیوں بہت تکلیف ہوتی ہے اس شخص کے خلاف سن کر..... جو چھوڑ کر بزدلوں کی طرح بھاگ گیا، جس نے نہ بچوں کا سوچا نہ بیوی کا۔ اس کی اتنی فکر ہے اور میری بالکل نہیں۔۔۔ آخر ہونا اسی باپ کی اولاد جو اس کی چاہ کرتے ہیں جو بدلے میں نفرت و بے وفائی سے نوازتے ہیں۔“ وہ سوکھی کٹڑی کی طرح دھڑ دھڑ سلکتی چلی گئی تھیں اور ذوالنون کی رگ رگ میں خون شرارے بن کر دوڑنے لگا تھا۔ اس کے وجہ چہرے پر آگے کی مانند ہی سرخی چھا گئی تھی۔ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا وہ اس وقت۔

”جس طرح تمہارا باپ چھوڑ کر چلا گیا، تم بھی چلے جاؤ، مجھے ضرورت نہیں ہے کسی کی..... میں تمہارہ لوں گی۔“ وہ ہسٹریکل انداز میں چیخنے لگی تھیں، آواز سن کر فائدہ انداز گئی تھیں۔

”کیا ہوا منال! کیوں چیخ رہی ہو؟“ وہ دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ذوالنون ہونٹ بھیچے کھڑا تھا۔

”مما! آپ ریلیکس ہو جائیں، ایسا کچھ نہیں ہے جو آپ سمجھتی ہیں۔“ منال کے آنسو اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے۔

”ہر دور..... ہاتھ مت لگاؤ مجھے، میں کوئی نہیں ہوں آپ کی۔“ وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ جھٹک کر باہر چلی گئیں۔

”پریشان نہ ہو میرے بچے! وہ کچھ دیر بعد اپنا غصہ بھول جائے گی، آپ کہیں جا رہے ہو؟“ منال کے رویے کو نظر انداز کر کے فائدہ محبت بھرے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

”جی نا تو۔“ وہ بڑی طرح ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

”اوکے آپ جاؤ، میں منال کو سمجھا دوں گی۔“ فائدہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی گویا ہوئیں تو وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ بہت تیز ڈرائیونگ کرتا ہسپتال پہنچا تھا جہاں پورا گروپ حاضر تھا۔

”السلام علیکم۔“ وہ دوستوں کو سلام کرتا ہوا سیدہ حایہ کی طرف آیا تھا جہاں مامون (جس کو سب شرارت سے ماموں پکارتے تھے) بیڈوں میں جکڑ، نیند کے انجکشن کے زیر اثر سو رہا تھا۔ ہائیں ہاتھ میں ڈرپ لگی اسٹینڈ سے لٹک رہی تھی، اس کے ماتھے پر اور دونوں ہاتھوں پر ڈریسنگ تھی۔

”کیا ہوا..... کیسے ہوا یہ سب؟“ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا، ان سب کے چہرے منجید تھے۔

”ایکمیڈنٹ..... روڈ پر گاڑی سنبھ ہو گئی تھی۔“ مدثر بولا۔

”بائیک سلب ہونے پر اتنے گہرے دھم نہیں آتے۔“ ذوالنون جانچی لٹکائوں سے بے سرحہ پڑے مامون کو دیکھتا ہوا بولا۔

”ہاں یار! ماموں کے ساتھ کوئی اور چکر چلا ہے۔“

”شٹ آپ! ایسے موقع پر تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔“ ذوالنون مزل کو خصے سے جھڑک کر بولا تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

”کیا چکر ہو سکتا ہے؟“ حیدر نے ہنسنا شروع کیا۔

”ہوش میں آ کر بتائے گا، کیوں کہ یہ کیا تھا۔“

”اسے ہوش نہیں آیا ہے؟“ وہ بے حد پریشانی سے بولا۔

”آیا تھا، تکلیف سے بے چین ہو رہا تھا، اس لیے ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن لگایا ہے تب یہ سکون سے سویا ہے۔“

”اوہ۔“ اس نے گہری سانس لے کر کرسی کی بیک سے سرنگا دیا۔

”تم لوگ جاؤ اب، رات کو میں یہاں رہوں گا، کل ڈسچارج ہو جائے گا۔“ حیدر جوان، مدثر اور منزل کی طرف دیکھتا ہوا بولا، وہ

کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ مامون کی ڈرپ فٹم ہو گئی تو فرس بدل کر چلی گئی تھی۔

”تمہارا کیا خیال ہے، یہ کس طرح اتنا زخمی ہوا ہے؟“ تنہا کی میسر آتے ہی ذوالنون سنجیدگی سے حیدر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”میں کچھ اندازہ نہیں کر پا رہا ہوں۔ شاید کوئی حادثہ ہی ہو یا پھر راک کی گروپ کی کارروائی۔“ حیدر کا انداز متنبہ بن گیا تھا۔

”یہ ان کی ہی حرکت ہے، مجھے یقین ہے، انہوں نے ہی مار چڑ کیا ہے اسے۔“ اس کے انداز میں تبدیلی تھی۔

”اس باران کو معاف کرنے والا نہیں ہوں۔“ ذوالنون کے انداز میں باولوں جیسی گرج تھی، حیدر نے تائید میں گردن ہلائی تھی۔

”تم کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو، کوئی مسئلہ ہے؟“ حیدر اس کی جانب بغور دیکھتا ہوا استفسار کرنے لگا۔

”نہیں، کچھ نہیں۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

”مجھ سے چھپا رہے ہو، جو تمہاری رگ رگ سے واقف ہے۔“ حیدر سے دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ واحد دوست تھا جو اس کے

تمام دکھوں سے، تمام غموں سے مکمل آگاہی رکھتا تھا اور دل و جان سے اس کو چاہتا تھا، خود سے بڑھ کر اس کی پروا کرتا تھا۔

”آئی سے کوئی بات ہوگی۔“ یقیناً وہ پرنس صاحب کو کسی پارٹی میں لے جانے کے لیے یقیناً ہوں گی اور ہمارے پرنس کے تو کسی

سے مزاج ہی نہیں ملتے، جانے سے منع کر دیا ہوگا۔“ حیدر مسکرا کر بولا۔

”مما جانتی ہیں، مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں پھر بھی۔“

”پھر بھی کیا یا راز زندگی ہمارا نہیں ملتی، بندے کو اس ایک بار میں ہی اسے ہر موڑ، ہر خوشی، ہر دکھ شہر کرنے پڑتے ہیں اور یہ دنیا

کا عجیب دستور ہے جو جس سے بھاگتا ہے وہی اس کے آگے آتا ہے جیسے تم پارٹیز سے بھاگتے ہو، بٹاموں سے دور رہتے ہو، لڑکیوں سے

چڑتے ہو۔“ آخری لفظوں پر وہ خوشی سے ہنس پڑا تھا۔

”اسٹاپ!، ورنہ تمہارے منہ پر یہ ٹیپ لگا دوں گا۔“

”میرے منہ کو تو بخشو، اپنے دل پر ٹیپ لگا رکھی ہے تم نے، یہی کافی ہے۔“

مامون کو ہوش آ گیا تھا، اس نے یہی بتایا تھا کہ ہائیک سلیپ ہوئی تھی۔

”حیدر! تم اپیل فرمیں جس لے آؤ۔“ حیدر چلا گیا تو وہ کرسی اس کے بیڈ کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔

”ایسے..... ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟“ اس نے نگاہیں جرات سے ہونے کہا۔

”تمہارے چہرے سے وہ کچھ کو جتنا چاہتا ہوں جو تم چھپا رہے ہو۔“ اس کے گھمبیر لہجے میں یقین و اعتماد کی صداقت تھی۔

”میں نے کہا ناں ہائیک سلپ۔۔۔“

”نٹ آپ تم نے مجھے اتنا ہی الحق سمجھا ہوا ہے، تم جھوٹ کہو گے اور میں مان جاؤں گا۔۔۔ کیوں چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟“ اس کی سرخی آنکھوں سے غلگی و برہمی سرخی بن کر چھانے لگی۔ مامون حریف چھپانہ سکا بول اٹھا۔

”میں لائبریری میں بیٹھا تھا، وہاں پڑھتے پڑھتے ناٹم گزرنے کا احساس نہیں ہوا، تم مجھے میں چلا گیا ہوں، باہر تم میں سے کوئی بھی نہ تھا، میں پارکنگ سے گاڑی نکال رہا تھا جب میں نے راکی اور اس کے ساتھیوں کو کچھ لڑکیوں کو تنگ کرتے دیکھا۔

”اور میری دہن کر انٹری ماری ہو گئی تم نے۔“ اس کا موڈ بگڑ گیا۔

”پھر ان بد معاشوں کو من مانیاں کرنے دیتا؟ تم اچھی طرح جانتے ہو وہ کس کس کی کمر کے لوگ ہیں اور کس حد تک جاسکتے ہیں۔“

”وہ لڑکیاں بھی برائے کر یکٹری تو نہ ہوں گی جو ان کو موقع ملا۔“

”سمجھا کر ویا را وہ بیڈ کر زچین۔“

”اونکے، اوکے بس اب خاموش ہو جاؤ وریسٹ کرو، خواہ خواہ اسنے ڈھی ہوئے خون ضائع کیا۔“ اس نے ڈانٹتے ہوئے اسے چپ کیا۔

”یہ کہاں کی شرافت ہے پارا تم اہل رومی کرنے کے بجائے ڈانٹ رہے ہو۔“ مامون نے کزدر لہجے میں احتجاج کیا۔

”ایسی امتحانہ حرکت پڑھیں گے اے پرچہ ہا کر گھوموں؟“

”میں صرف محبت کی نگاہ سے دیکھتا۔“ اس کے انداز پر ڈوالوں اسے محو کر دیا، جواباً اس نے سمسنے کی اداکاری کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے، معالیٰ بی جان کا اندر داخل ہوتے دیکھ کر ان سب کو بریک لگ گیا تھا۔

”اے ہائے..... بڑا غضب ہوا۔“ وہ بیٹھتے ہوئے افسردگی سے گویا ہوئیں۔ وہ تجسس انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

”کیا اچھے میاں نے چوتھی شادی کر لی؟“ رؤف کو کھد بد ہوئی۔

”شاید اللہ میاں کو پیارے ہو گئے؟“ سعود نے قیاس کیا۔

”ان کے ایک درجن بچوں اور دو عدد بیویوں کی کفالت کون کرے گا؟“

”خاموش کم بختو، جب بھی بولنا ہے نکاحی بولنا، اس گھر کی لڑکیاں تو لڑکیاں، موئے لڑکوں کی بھی گزر بھری زبانیں ہیں، عقل تو بالکل ہی کوری ہے، سوچیں گے، نہ سمجھنے کی زحمت کریں گے۔“ فتنی کی طرح کتر کتر زبانیں چلاتے ہیں بس۔“ وہ نیک کے پیچھے سے سب کو گھورتے ہوئے ڈانٹ رہی تھیں، معامیر آٹنی آکر پوچھنے لگیں۔

”بی بی جان ارات کے لیے کیا پکاؤں؟“

”میرا کلیجہ پکاؤ۔“ وہ ہنسا کر بولیں۔

”وہ تو پہلے ہی جلا ہوا ہے۔“ وسی کی بے ساختہ زبان کھجلائی۔

”ٹھہرا بھی تجھے ماتی ہوں گئے۔“ وہ چہل پر اوڑھ کر ڈاڈا دڑاقتی ہوئی بولیں۔ چہل وسی پہلے ہی صوفے کے نیچے ناگ سے وکیل چکا تھا۔

”ان کا مغز نکال کر پکاؤ، ویسے ہی پڑے پڑے سڑ جائیں گے۔“ چہل کی تلاش میں ناکامی پر وہ اسے دھموکا جڑتے ہوئے بولیں۔

”اللہ خیر کرے، آج بہت آدم خودی کی باتیں کر رہی ہیں، کن لوگوں سے مل کر آ رہی ہیں بی بی جان آپ؟“ ہریرہ حیرانگی سے گویا ہوا۔

”مت پوچھ کن سے مل کر آ رہی ہوں۔“ شہنڈی سانس بھر کر توقف کے بعد گویا ہوئیں۔ حیرا آٹنی بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ حیرا، سیرا اس گھر کی بہوئیں تھیں۔ بی بی جان کی چھوٹی بھابھیاں، دونوں شکی بہنیں تھیں۔ اچھی تربیت تھی یا بی بی جان کا بھرپور اختیار، ان میں وہ روایتی چٹائیں پیدا نہ کر سکا تھا جو اکثر اس جیٹھانی وویواری کے رشتوں میں موجود ہوتی ہے۔ دونوں نے بہت تدبیر و اخلاق سے اپنی ذمے داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ بی بی جان کی ہر بات مانتی تھیں۔ بڑا احترام کرتی تھیں۔

ابھی بھی ان کی جھڑک سن کر مسکرا کر ان کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

”اچھے میاں اور پیارے میاں میں زبردست معرکے کے بعد گھر کا ہوا رہ ہو گیا۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا، ان کے بااُمال کہاں ہیں؟“ حیرا ڈکھ سے بولیں۔

”زمن، جائیداد، گھر و سامان کے ساتھ ساتھ امان لبا کا بھی ہوا رہ ہوا ہے۔ ابامیاں اچھے میاں کے ساتھ رہیں گے اور اماں بی پیارے میاں کے ساتھ، کتنے ڈکھ و تکلیف کا مقام ہے۔ یہ ماں باپ بارہ تیرہ بچوں کو سنبھالتے ہیں، پرورش کرتے ہیں، ول و جان سے پیار کرتے ہیں، رکھتے ہیں اور یہ بچے ماں باپ کو نہیں سنبھال سکتے۔ زندگی میں ہی جدا کر دیتے ہیں۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے ہم مسلمانوں کو۔ ہم نے اپنی وینی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، نہ ہمیں حقوق العباد یا وہیں نہ حقوق اللہ۔ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ ہمارے اخلاق، ہمارے کردار، ہمارے کسی بھی انداز سے وہ اخلاق و رواداری ظاہر نہیں ہوتی جو غیر مسلموں کو بھی کشائ کشائ سمجھ کر دین اسلام کی طرف لے آتی تھی۔“ ان کے لہجے میں سچ تھا اس ماحول کا، اس بے لگام تہذیب کا جو اس دور میں پروان چڑھ رہی تھی۔

”بے راہ روی، نفسا نفسی، بد اخلاقی و بد کرداری ہو لٹا کہ جاہلی کی طرح ہمارے لوگوں میں رنج بس رہی ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھنا چھوڑ کر اپنا لیا جاتا ہے تو پھر تباہیاں و ہرباویاں مقدر بنتی ہیں۔“

”اوپر والا سب کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین) آپ ان کو یہاں لے آئیں۔ ہمارے گھر میں کوئی بزرگ نہیں ہیں۔ ان کے آنے سے ہمارے گھر میں بھی رونق ہو جائے گی۔ بزرگ تو گھر کی شان و رعت ہوتے ہیں۔“

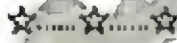
حمیرا کے لہجے میں ان ماں باپ کے لیے ڈکھ تھا جو آج اپنی اولاد پر بوجہ بن گئے تھے۔ سب افسردہ ہو گئے تھے۔

”میں نے بہت ضد کی ساتھ لانے کے لیے گردہ کچھ اس طرح بکھرے ہیں کہ سنبھل نہیں پارہے ہیں۔“

”جس گھر میں غلط قسم کی بہو نہیں آجاتی ہیں، وہاں پھر ایسا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ ایسے عاقبت نااندیش لوگ دنیا و آخرت دونوں تباہ کر دیتے ہیں۔“

”اولاد، اولاد، کیا کچھ جتن نہیں کرنا انسان اولاد کے لیے اور پھر صلہ ملتا ہے نیک اولاد بڑھاپے کی لاجی ہوتی ہے، اگر اس میں دیک لگ جائے تو سب فضول و بکواس ہے، ایسی اولاد سے بے اولاد ہونا اچھا ہے۔“

بی بی جان از حد دل برداشتہ تھیں۔



کوئین نے صدر چاند کے گھر میں پھیلے سناٹے و خاموشی سے انداز لگایا کہ گھر میں صرف دادو ہوں گی یا کوئی ایک ان کے پاس نہکا ہوا ہوگا اور وہ ذات یقیناً خضرئی کی ہی ہوگی۔

تھکے نقش و ستمری رنگت والی خضرئی شیریں گفتار و ہر ایک سے اپنائیت و احترام سے بات کرتا، جس کی صفت تھی۔ سنجیدہ کمال احساسات والی۔

”السلام علیکم“ ملازمہ نے اسے دیکھ کر سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام! سب لوگ کہاں ہیں؟“

”سب گھر والے شاوی میں گئے ہوئے ہیں۔“

”گھر میں کوئی نہیں ہے؟“ وہ چونک کر بولا۔

”داوی ہیں اور خضرئی بی بی ہیں۔“

”جھینکس گاڈا“ وہ مسرور سا اندر بڑھا۔ دادو کے کمرے میں گیا تو وہ سو رہی تھیں۔ دو دایس پلٹا تو خضرئی ادھر آ رہی تھی۔ ملازمہ

نے اسے بتا دیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ وہ جواب دیتا ہوا اس کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

”تم نہیں گئیں شادی میں؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

”نہیں، سو نہیں تھا، پھر دادو کو تنہا نہیں چھوڑتے۔“ وہ بھی چیز پر بیٹھ گئی تھی۔ پنک اور لائٹ بلور ٹیڈ سوٹ میں دفنیش لگ رہی تھی۔

”دادو اس؟ تم کیوں سو رہی ہیں، طبیعت ٹھیک ہے؟“

”طبیعت بہتر ہے، ساری ساری رات عبادت کرتی ہیں، بھر دن میں بھی وہ آرام نہیں کرتیں، کبھی کبھی اس طرح سو جاتی ہیں۔“
 ”ہاؤں جا ب کھل ہونے والا ہے تمہارا، اس کے بعد کیا ارادے ہیں؟“

چپا کا ہسپتال جوائن کروں یا اسپتلائزیشن کے لیے فائن کنٹری چلی جاؤں، ابھی ڈسائیڈ نہیں ہے، کیونکہ فیصلہ دادو کو کرنا ہوتا ہے، اس لیے کچھ بھی سوچنا قتل از وقت ہوگا۔ ملازمہ ناٹھیک لے آئی تھی۔ ایک ایک گلاس ان کی طرف بڑھا کر دوہ چلی گئی تھی۔
 ”اگر دادو نے تمہاری شادی کرنے کا فیصلہ سنا دیا تو.....“ وہ معنی خیز انداز میں اس کی جانب دیکھتا ہوا کبہ رہا تھا۔
 ”پھر چپ چاپ شادی رچا لوں گی۔“ اس کے صلیح چہرے پر پھیلی قوس قزح اسے نہایت دل کش لگی۔

”آپ کھانا کھا کر جائیے گا، میں صابرو کو پھلکے بنانے کا کبھی ہوں۔“
 ”بھانگو نہیں، میری بات کا جواب دو پہلے۔“ اسے فرار ہوتے دیکھ کر وہ چپکا۔

”اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے۔“ اس کی تمام بولڈ نہیں ہوا ہو گئی تھی۔

”ہر بات کا جواب ہوتا ہے، میری بات کا جواب بھی ہے۔ بتاؤ دادو کی پسند کے ٹرکے سے شادی کر لو گی تم؟“
 ”ہاں.....“ دوسرے جھکا کر بولی۔

”کیوں..... تمہارا کوئی آئیڈیل نہیں ہے؟“ وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا اور دل میں خواہش پھیل رہی تھی،
 شاید وہ ایسی کوئی بات کہہ دے جس سے دل کی ڈالٹی کشمی کو سہارا مل جائے۔

”میں آئیڈیلزم پر یقین نہیں رکھتی، ہمیں ملتا ہی ہے جو ہمارے مقدر بنا دیا جاتا ہے، پھر ہم کیوں اپنی آنکھوں کو ان پسندوں کا عادی بنائیں جن کو تعبیر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔“ یہ کہہ نہ کہتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ لمبے بھر کو کونین کی نگاہوں میں اندھیرا سا چھایا تھا لیکن جلد ہی اس نے بے قرار دل کو اس خیال سے بہلایا کہ وہ ابھی اس کے جذباتوں سے نا آشنا ہے۔ اس لیے عام بات کہہ رہی ہے۔ یہ بات اس کے لیے نہیں ہے مگر وہ اس امر سے ناواقف تھا کہ صبح نازک کی نگاہیں بے حد ذریعہ اور احساسات بے حد شارب ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جانب اٹھنے والی نگاہوں کے ملبوم سے فوراً ہی مقابل کے جذبات و احساسات بہانہ بناتی ہیں۔

وہ بھی اس کی بدلتی نگاہوں کے رنگ پہچان گئی تھی، گو کہ کونین کے انداز میں کوئی عامیہ نہ بن نہیں آیا تھا۔ وہ اسے پہلے کی طرح مخاطب کرتا تھا۔ بات چیت، گفتگو، عزت و احترام دیتا تھا مگر ان سب میں اب ایک رنگ، خوشبو شامل ہو گئی تھی۔ وہ خوشبو تھی چاہت کی۔ وہ مہک اس تک پہنچ چکی تھی اور قبل اس کے کہ وہ ہر نو پھیلنے لگے۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے اس تک وہ بات پہنچا دی تھی۔

”شاید دادو جاگ گئی ہیں، میں ان کے پاس جا رہا ہوں، اس ٹاپک پر ہم بھر بات کریں گے، کیونکہ مجھے لگ رہا ہے، تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔“

وہ کہتا ہوا اٹھ گیا اور خستہ اس کی پشت گھور کر رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

آنکھوں کو کھول کر استعمال کرنے کی عادت ڈالو دن گزر چکا دات ہوئے والی ہے۔ حورین نے قریب کھڑے ہریرہ سے کہا۔
 ”یہ عادت تمہاری خراب ہے۔ بات سمجھتی نہیں ہوا اور شروع ہو جاتی ہو۔“

”ہات بھی تو وہ کیا کرو جو سمجھ میں آئے۔“

”اب تم میں سمجھ کی کمی ہے تو پھر میرا کیا قصور؟“ وہ شوخ ہوا۔

”ہریرہ پلیز اس بکو اس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”پھر کس کا موڈ ہے۔“ اس نے جبک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا د پھر چونک کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”ارے۔۔۔ تم تو کافی سنجیدہ و رنجیدہ و غیرہ لگ رہی ہو، کیا ہوا روئی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟“

”مئی بہت یاد آ رہی ہیں۔“

”اتنا عرصہ تو نہیں ہوا، ہمیں یہاں آئے ہوئے۔“

”یاد نام سے بڑی تھوڑی ہوتی ہے۔“ وہ بہت ادا سن گئی۔ اس پرنس کے سلسلے میں ناروے روانہ ہوئے تھے اور کل اس سے ملنے ہوئے مہینے تھے۔ اگلے کے علاوہ بھی وہ اس سے ملنے آتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی سیل فون کے ذریعے وہ ان سے رابطے میں رہتی تھی۔

انس سے اس کی بے تکلفی و محبت حد سے سوائی۔ ان کے درمیان باپ بیٹی والا محبت و احترام کا رشتہ بھی تھا تو دوستی بھی تھی۔ باپ کی طرح وہ ماں سے اتنی قریب نہ ہو سکی تھی۔ کرن نے انس کے بے حد لاڈ پیار کے مقابلے میں مزاج میں کچھ سختی و تکلف رکھا تھا، تا کہ وہ ماں اور باپ کو ہم مزاج سمجھ کر ان حدود و قیود سے باہر نہ نکلے جو ایک لڑکی ہونے کے ناطے اس کے لیے ضروری تھیں۔

ان کی اسی حکمت عملی کے باعث وہ تارل تھی، ورنہ جن بچوں کو اتنی مولر سپورٹ، آرام و زندگی کے ساتھ ساتھ بے حد پیار و محبت بھی مل جائے تو وہ اخلاقی اعتبار سے تباہ ہو جاتے ہیں۔

”ٹھیک بات کہی ہے تم نے۔ لو کندہ حاضر ہے۔“ وہ قریب ہو کر پایاں شاناس کی طرف کرتا ہوا بولا۔

”ہنو۔ کیا کر رہے ہو؟“ حورین نے گھور کر کہا۔

”کندہ حاضر ہے۔۔۔۔۔۔ یا راجب کوئی روتا ہے تو کندہ کی تلاش ہوتی ہے، اس لیے آفر کر رہا ہوں۔ میرے شانے پر سر رکھ کر روؤ تاکہ دل کا بوجھ ہٹا ہو جائے۔“ اس نے مصیبت سے وضاحت کی۔

”جسمیں یہ خوش چھی کیوں ہو گئی کہ میں تمہارے اس بدبودار کندہ پر سر رکھ کر روؤں گی؟“ وہ ادا سی بھول کر بھڑک اٹھی۔

”میں نے تو یہی دیکھا ہے۔“ وہ مسکراہٹ منہ کرنا گویا ہوا۔

”کیا دیکھا؟“ وہ کمرے میں ہاتھ رکھ کر غرائی۔

”محبوبہ اپنے محبوب کے کندہ سے پر ہی سر رکھ کر روتی ہے۔“

"اپنی بکواس بند کرو، ورنہ....."

"ورنہ.....؟" اس نے دور بٹختے ہوئے کہا۔

"تمہیں جان سے مار دوں گی۔"

"بس کیا نہیں تک تھا ہمارا ساتھ

انتظار ہی کرتے رہے ہم تمہارا

کب ہوگی اس کم بخت دل میں روشنی

اور کب ہوگا پیار کا انگہار تمہارا؟"

"سدا چراؤ ورنہ اسی حسرت میں مر جاؤ گے تم۔"

پتہ کر سکتا ہے درخت نہیں

سورج ڈوب سکتا ہے آسمان نہیں

دھری سوکھ سکتی ہے پروریا نہیں

"دنیا سدا چر سکتی ہے مگر ہریو نہیں۔"

سود نے دہلی آتے ہی ہانک لگائی تھی۔

"کبھی بھی سکون سے رہنے مت دینا، مجال ہے کبھی پرائیوٹ سی نصیب ہو جائے اس گھر میں آکر۔ بریرہ نے دھائی دی۔

"یار! بھائی سے بھائی کا کیا راز؟"

"بھائی! ابھی ڈسٹرب مت کر، ٹو جا ابھی۔"

"کیوں جاؤں؟"

"میں جا رہی ہوں، تم دونوں یہیں بیٹھو، مینے جاؤ۔" حورین ان کی بک بک سے تنگ آ کر قدم آگے بڑھانے لگی تو سود نے اس کا

ہاتھ پکڑ کر تکی لہجے میں کہا۔

"ہلیز ناراض ہو کر مت جاؤ، میں بھی ہریرہ کی طرح تمہارا بھائی ہوں۔" کہہ کر وہ زکا نہیں تھا سیدھا اندرا بھاگا تھا اور اس کے

پچھے ہریرہ کا تان کر حورین مسکراتی ہوئی نیچے آگئی جہاں ایرج، زویا، مولیٰ بیٹھیں فیشن میگزینز دیکھ رہی تھیں۔

"سود اور ہریرہ کیوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگے ہیں؟" ایرج کشن اس کی جانب بڑھاتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"دونوں میں بحث ہو رہی ہے۔"

"کس بات پر؟"

"سود کہتا ہے، یہ میری بہن ہے اور ہر یہ کہتا ہے میری"۔ وہ تینوں کھٹکھٹا کر ہنس پڑی تھیں۔ ساتھ اس نے بھی دیا۔

"ارے۔ یہ گھر کس پر کس نے اٹھا رکھا ہے؟" کمرے سے بی بی جان کی رعب دار آواز ابھری۔

"اوگاڈا یہ بی بی جان بھی کیسی باتیں کرتی ہیں"۔ حورین کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"بی بی جان کے جملوں میں ایسے ہی ناممکنات شامل ہوتے ہیں"۔

اپنی بات کا جواب نہ پا کر بی بی جان کمرے سے نکل آئی تھیں۔ انہوں نے جلدی سے میگزینز کیشن کے نیچے دبائے تھے۔

"جواب نہیں دیا میری بات کا؟" وہ غصے سے گویا ہوئیں۔

"بی بی جان.....! او....." سود کا سوت گر گیا تھا۔

"سود کا سوت گرنے سے ایسی آواز؟"

"وہ سوت میں خود بھی تھا"۔ موٹی کے جواب ایسے ہی ہوتے تھے ہان تینوں کے چہرے سینے پر جا لگے تھے، ہنسی روکنا محال ہو رہا تھا۔

"ذوب مرو کھیں، اتنی بڑی ہو گئی ہو، بات کرنے کی تیز نہیں ہے۔ کل کو سسرال جاؤ گی تو ہماری تربیت پر اٹھکیاں اٹھوانا۔ لوگ کیا بولیں گے"۔

"گھر والوں نے ڈھنگ سے جھوٹ بولنا بھی نہیں سکھایا"۔ زویا کی سرکشی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ان کی دلی ہنسی عجیب آوازوں سے ہونٹوں سے برآمد ہوئی تھی۔ انہوں نے منہ پر دوپٹے رکھ لیے۔

"ارے کیا ہو گا تم لڑکیوں کا۔ ذرا موقع ملا نہیں اور شروع ہو گئیں دانت نکالنے کو اور کوئی کام ہے بھلا اس ہنسی مخصوص کے علاوہ؟"

ایک لمبا لچھران کو سننے کو ملا تھا۔

☆.....☆.....☆

"السلام علیکم ناو.....!" برہان لغاری نے خوب صورت دھمبیر آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔ ان کے چہرے پر تھوڑی جگہ مسکراہٹ

نے لے لی۔ وہ اٹھے اور بڑے ہر جوش انداز میں آنے والے ذوالنون کو گلے لگا کر سلام کا جواب دیا۔

"مائی شیر جوان.....! کہاں ہوتے ہو آج کل، آنکھیں ترس جاتی ہیں"۔ وہ محبت پاش لگا ہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا تھے۔

سیاہ لیدر کی سینڈل دھانت کاٹن کے شلوار سوت میں اس کی سرخ و پید رنگت اور دراز قامت نمایاں تھی۔

"جس طرح ملا کی دوڑ مسجد تک ہوتی ہے، اس طرح ان صاحب کی دوڑ پانورسٹی یا پھر دوستوں تک ہے"۔ وہاں پہلے سے موجود

گوئین نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، وہ برہان کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔

"دوست..... یا گرل فرینڈ؟" برہان لغاری ہنس کر گویا ہوئے۔

"یہ تو آپ کو خود بتائے گا"۔ وہ اس سے لٹا میں چرا کر شرارت سے بولا۔

"کیوں پرنس! ایسی بات ہے تو شرماؤ مت۔" پھر سرگوشی کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"تمہاری عمر میں ہماری دوسری لڑکوں سے کم لڑکیوں سے زیادہ تھی..... اور سچ بات ہے جو مزہ کرل فریڈ شپ....."

"اونانو.....! یہ کس قسم کی بات شروع ہوگئی ہے۔" وہ بھنجھلایا تھا۔

"میری جان.....! اس عمر میں اسی قسم کی گفتگو اچھی لگتی ہے۔" وہ ترمگ میں تھے، ویسے بھی وہ اپنی معروف زندگی میں ارد گرد

سے خاصے بے خبر رہتے تھے۔ منال کی شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے اور ایک عرصے تک بے خبر رہے تھے، پھر رفتہ رفتہ منال سے ان کی

ناراضگی دور ہونے لگی تھی۔ اس وقت تک حمزہ جاچکا تھا۔ ایک مدت بعد انہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ بیٹی اور داماد میں کون ان بن ہوئی ہے مگر

منال کا پڑھ سکون چہرہ بے لگرا انداز و طرز زندگی انہیں مطمئن کر گئے، منانہوں نے جاننے کی سعی کی، منانہوں نے بتانے کی، معروف زندگی

نے انہیں فرصت بھی نہ دی تھی جو وہ بچوں کی طرف متوجہ ہوتے آتے جاتے انہیں پیار کرنا، مہنگے مہنگے گلشن دینا، یہ ذمے داری تھی ان کی۔

کونین اپنی بے تکلف عادت کے باعث سب میں گھٹنے پٹنے کا عادی تھا۔ وہ اکثر ان کے ساتھ تفریحی پروگرامز میں ساتھ ہوتا تھا۔ اس طرح

وہ اس سے بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ ذوالنون نے شروع سے اپنے گرد ایک تکلف و اجنبیت کی دیوار قائم رکھی تھی جو آج تک قائم تھی

اور وہ نہ چاہنے کے باوجود اس کے مزاج کے مطابق ملتے تھے، تبھی آج وہ بات کو اپنے انداز سے سمجھتے تھے۔

"نانو.....! وہ عمر اس کی نہ معلوم آئے گی بھی یا نہیں؟"

"اس بات کا کیا مطلب ہوا؟" وہ از حد حیران ہوئے۔

"نانو جان.....! پرنس کو گریڈ پینڈ نہیں ہیں۔"

"ارے ایہ کیا بات ہوئی.....؟" اب وہ بغور قریب بیٹھے ذوالنون کو ایسی جا بھتی لگا ہوں سے دیکھ رہے تھے، گویا وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"آئی ڈونٹ یلو۔ یہ آج بڑی آمیزگ بات سنی ہے میں نے۔"

"نانو.....! اب بھی آپ کے اخیر ذہن؟" کونین کو اس کی حالت دیکھ کر بڑا الغف آ رہا تھا۔ سرخ چہرہ، ناگواری کی بے انتہا

شکلیں لے کر وہ بڑے ضبط سے بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ ٹاپ میکس ہے۔" وہ ہنس کر بولے۔

"نانو.....! میں جارہا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی تو آئے ہو۔"

"مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔"

"اوکے، ذرا جلدی جلدی چہرہ دکھا دیا کرو۔" وہ کونین کی مسکراتی نگاہوں کو اکتور کرتا کرے سے باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

وہ یوندر سی گئیں تو خبر ان کی منتظر تھی۔

ثناء اور ردا کی گاڑی نہیں آئی تھی۔ وہ انتظار میں کھڑی تھیں۔ جب ہی را کی گروپ کے کچھ لڑکوں نے آکر ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ جب چھیڑ چھاڑ حد سے بڑھنے لگی تو اندر سے آنے والے ایک لڑکے نے ان لڑکوں کو منع کیا، اسی وقت ان کی گاڑی آگئی، وہ فوراً وہاں سے چلی گئی تھیں۔ گزرتے میں انہوں نے اس کو ان بدتمیز لڑکوں سے سخت گھٹا ہوتے دیکھا تھا۔

"تم بڑول لڑکیو.....! اس طرح کیوں بھاگیں۔ شور کر کے دوسرے اسٹوڈنٹس کو بھی بلا سکتی تھیں اور یہ را کی گروپ کیا بنا ہے؟" زویا نے کہا۔

"پوری جامعہ خالی ہو گئی تھی۔ کچھ اسٹوڈنٹس تھے مگر کسی میں جرأت نہ تھی۔"

"را کی گروپ میں کون لوگ ہیں؟" حورین نے پوچھا۔

"سارے بد معاشر لڑکے ہیں، جو نہ پڑھتے ہیں، نہ پڑھنے دیتے ہیں جن کا مشن یہی ہے قلم کی بجائے اسلحہ ہاتھ میں آئے۔ تعلیم کی جگہ فساد و بے امنی ہر جگہ پھیلے، جو اکثر اوقات مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔"

"ایسے لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں، ان کے لیے نو انٹری کا بورڈ ہونا چاہیے۔"

"یہ ایسے ویسے لوگ نہیں ہوتے۔ ان کے پاس یہاں کے بڑے لوگوں سے زیادہ اثر و رسوخ و تعلقات ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں سے ان کو ہر قسم کی سپورٹ ملتی ہے۔" ثناء طنزاً ان کو بولی۔

"ڈیپوٹر فرسٹ ٹائم میں کھوڑا ہوا ہے۔ پالیٹکس اور ایجوکیشن!"

"چلو چھوڑو یا! ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے؟ جس نے ہماری مدد کی۔"

"اور نہ معلوم را کی نظروں سے بچانے کیلئے کسی نے اس کی مدد کی یا نہیں؟" مولیٰ کے انداز پر وہ ان پر بڑی تھیں۔

"شرم کر دو، جس نے سیلپ کی، اس کی ہی ہنسی اُڑا رہی ہو۔ وہ ہے کون؟"

"مامون نام ہے اس کا، پرنس کی گید رنگ کا ہے۔" پورے ڈپارٹمنٹ میں دیکھنے کے باوجود بھی وہ کہیں نہیں ملا، وہ آگے بڑھی تو کیشین کے آگے بے گارڈن میں ڈالٹون کو تنہا بیٹھے پایا۔ وہ قائل کھوسے لے کچھ لوٹ کر رہا تھا۔

"ان سے معلوم کر لو کہ مامون صاحب کہاں ہیں؟" زویا نے سرگوشی کی۔

"ہیش..... وہ جواب دینا تو درکنار دنگاؤ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔" شمرین نے آہستگی سے کہا۔

"اب کوئی مرد ایسا نیک پارسا بھی نہ ہوگا کہ کوئی لڑکی بات کرے اور موصوف جواب نہ دیں۔" زویا نے منہ ہٹا کر کہا۔

"وہ ایسا ہی ہے، کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔" شمرین کچھ زیادہ سی اس سے متاثر نظر آ رہی تھی۔ حورین نے جوش انداز میں بولی۔

"شرط لگاتی ہو، وہ نگاہ اٹھا کر دیکھیے گا؟"

"اسپا سلی.....! ایسی شرط کیوں لگا رہی ہو جو ہار جاؤ گی۔"

”میں ہارتا نہیں جانتی۔“

”یہ کیا فئول بحث میں پڑ گئی ہو، چھوڑو ناں چلو یہاں سے۔“

”نہیں، اب شرط لگا کر اور جیت کر ہی جاؤں گی۔“

”اوکے، ہم بھی دیکھتے ہیں اس اعما کو۔“ وہ متعلق ہوئی تھیں۔

”ہو گئی شرط؟“ حورین نے ثمرین سے کہا۔

”ہاں ہو گئی۔۔۔ مگر یہ بتاؤ بار نے کے بعد کیا کرو گی؟“

”جو ختم چاہوں۔“

”بیز اہٹ لے کر چلو گی۔“

”وائے ناٹ۔۔۔۔۔“ وہ پلاننگ کے تحت آگے بڑھی تھیں۔ حورین اور زویا پتھر کی سیڑ پر بیٹھ گئیں تو ثمرین اور شاہ ذوالنون کی جانب

بڑھی تھیں۔

روا اور مول دور رہی، چونکہ کے درخت کے نیچے رک گئی تھیں۔

”ایکسکلیو زی۔“ شاہ نے اپنی کاچی آواز پر بمشکل قابو پا کر سر جھکا کر ٹوٹ بک پر تیزی سے لگتے ہوئے ذوالنون کو مخاطب کیا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسی طرح بے نیازی کا مظاہرہ کرتا لکھتا رہا۔ ثمرین نے فاتحانہ انداز میں کچھ فاصلے پر بیٹھی حورین کی طرف دیکھا تھا جس کے چہرے پر ویرانی اطمینان طاری تھا۔ اس نے شاہ کو اشارہ کیا کہ وہ دوبارہ کہے۔

”ایکسکلیو زی۔ آپ کو معلوم ہے ماموں کہاں ہیں؟“ اعما کو بمشکل سنبھال کر شاہ دوبارہ مخاطب ہوئی تھی۔

”آئی ڈونٹ نو۔“ سخت کمر والا لہجہ بے اہتتائی سے بھرپور مقابل کو توہین و تذلیل کا شدت سے احساس و لاتالہجہ اس کا انداز وہی

تھا۔ ثمرین دشا آگاہ تھیں اس انجام سے مگر پھر بھی ان کے چہروں پر پختی خیالت صاف محسوس ہو رہی تھی، وہ وہاں سے آگے چلی گئی تھیں۔

”کچھ لوگ خود کو پاپولر کرنے کے لیے بہت پرانے طریقے آزما رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے سب ان کو دیکھیں، چاہیں، ہر

زبان پر ان کی گفتگو ہو، ہر آنکھ میں ان کا عکس ہو اور خوش قسمتی سے ایسا ہو جائے تو وہ خود کو کوئی بے حد اہم پر سانہی سمجھتے ہیں۔“ حورین نے کچھ

تیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ آواز صاف ذوالنون کی سمت جاری تھی۔ حورین دیکھ رہی تھی، اس کے قلم کی روانی میں سستی آنے لگی تھی۔

”ایسے لوگ ‘اہم‘ نہیں ‘حق‘ ہوتے ہیں جو انسان ہو کر بھی انسانی اپنی کنٹیس سے نابلد ہوتے ہیں۔“ ذوالنون نے ایک جھلکے

سے نوٹ بک بند کر کے قلم پاکٹ میں لگایا اور کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا جو بظاہر انجان بنی زویا سے باتیں کر رہی تھی۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے، اس کی لگاہوں سے شعلوں کی لپک آ رہی ہے، اس کے ارادے درست نہیں لگ رہے ہیں۔“

زویا کی آواز میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔



حورین کی بے لگاری اور زویا کا خوف حد سے سوا تھا۔ چند سیکنڈ وہ حورین کی جانب خون خوار نکلا ہوں سے دیکھتا رہا، اس پر اس وقت سب کی نگاہیں تھیں، درخت کی اوٹ میں کھڑی مول اور ردا آگے ہل کے پیچھے روپوش ٹالا اور شمرین اور اس طرف کی تمام کارروائی دیکھ کر آتے ہوئے اس کے دوستوں کی مکمل توجہ اس طرف ہی تھی۔

باقی دوسرے طلباء باہمی باتوں میں مگن ان سے بے خبر تھے۔

"سرفراخان محمود کی کلاس کا ناٹم ہو گیا ہے۔" زویا نے ایک دم ہی راہ فرار سوچی اور حورین کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔ دو بھی مزے سے مسکراتی ہوئی چل رہی تھی، اس کے چہرے پر جیت کی خوشی تھی۔ ایک بے حس و بے مروت شخص کو آئینہ دکھانے کی خوشی تھی۔ اس وقت وہ تیزی سے کلاس روم کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔ شمرین کے علاوہ انہوں نے حیران آمیز مبارک باد دی تھی، شرط چیتنے کی۔

شمرین کچھ شاکد سی تھی۔ اسے قطعی اُمید نہیں تھی کہ وہ شرط ہار جائے گی۔ لڑکی کی پرچھائی سے دور ہوا گئے والا ناٹم سے گریزاں کبھی نگاہ نہ اٹھا کر دیکھنے والا ذوالنون عرف پرنس، حورین کی طرف نگاہ اٹھائے گا، نہ صرف نگاہ اٹھائے گا بلکہ..... کئی سیکنڈ تک دیکھے گا۔ خواہ وہ ان نگاہوں میں زندگی.... خشونت.... نفرت و جلال کے رعب پہاں تھے۔

کسی اور لڑکی کی طرف وہ اس "جان ہوا" سے دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا یا شاید آج سے قبل کسی لڑکی نے اتنی جرأت و بہادری کا مظاہرہ بھی نہ کیا تھا۔ وہ تو اس کی ایک چشم آتش سے پگھل جاتی تھیں، شمرین خود کو بہلاتی تسلیاں دیتی، ان کے ساتھ چل رہی تھی۔

"کیا ہوا یا ر.....؟ اس لڑکی کی طرف تم بڑے خطرناک انداز میں دیکھ رہے تھے، کوئی بات ہوئی ہے؟" مامون نے استفسار کیا۔ "کون لڑکی؟ میں نہیں جانتا۔" حسب عادت وہ اپنی وحشت پر قابو پا چکا تھا، چہرے کی رنگت اور آنکھوں کی سرخی بھی قدرے معمول پر آ چکی تھی۔

"وہ بہت کیوٹ لڑکی ہے، وہاں بیچ پر بیٹھی یقیناً تمہیں ہی کچھ کہہ رہی تھی، میں نے سیر میوں سے اترتے ہوئے خود دیکھا ہے۔" حیدر بولا۔

"اس مخلوق کا کام ہی بکت بکت کرتے رہنا ہے، جس کو سننے کی میری عادت نہیں ہے اور رہا سوال خوب صورتی کا، تو تمہیں گدھیاں بھی بڑی خوب صورت لگا کرتی ہیں۔" وہ ان کے قابو میں آنے والا کہاں تھا۔ "تم جھلانے کی کوشش مت کرو۔" ذوالنون جواب دینے بنا آگے بڑھنے لگا۔ "یہ کیا حرکت ہے، تم جواب دینے بنا آگے جا رہے ہو۔"

"اُن لئے سوالوں کے جواب نہیں ہوتے ہیں۔" وہ سر جھٹک کر آگے بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔ اس کے بڑے تیز و دیکھ کر حیدر نے دوستوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس موضوع کو بند کر دیں، ورنہ نتیجے میں اس کا موڈ آف ہوگا۔

☆.....☆.....☆

تیری مسکان میری کمزوری ہے

کہتا ہوا میری مجبوری ہے

تم کیا سمجھتے ہماری مجبوری کو

کیا خاموشی کو زباں دینا ضروری ہے

وہ تینوں بنی شام کو زیب تن کیے جانے والے کپڑوں کو منتخب کر رہی تھیں، جب اندر آتے ہر پردے نے مسکراتی ہوئی حورین کو دیکھتے

ہوئے کہا۔

"معلوم کتنے ناکام شاعر مرے ہوں گے جو ان کا بدل تم نازل ہوئے ہو"۔ حورین اسے گھورتے ہوئے بڑبڑائی، مول اور دیا

مسکرانے لگی تھیں۔

"میں شاعر تو نہیں

مگر اے میں جب سے دیکھا میں نے تجھ کو

مجھ کو شاعری آگئی

میں عاشق تو نہیں

مگر اے میں جب سے دیکھا میں نے تجھ کو

مجھ کو عاشقی آگئی....."

"قادر کا ذریعہ، سدھر جاؤ اور نہ اتنے جوتے لگاؤں گی کہ ساری عاشقی نکل جائے گی"۔ حورین نے غصے سے چیخے ہوئے کہا۔ راہ

داری سے گزرتی ہوئی بی بی جان ٹھٹھک کر ڈک گئیں۔

لہک لہک کر وہ گارہا تھا، توجہ پوری طرح سے غصے سے سرخ حورین پر تھی جو اس کے اس انداز سے شروع سے ہی بے حد چڑتی

تھی۔ اب بھی وہ اسے غصے سے گھور رہی تھی، اسی اثنا میں وہ بے قدموں بی بی جان اندر داخل ہوئی تھیں۔

"اس عمر میں تو ایسا ہوتا ہے، نیند جاتی ہے، چہن کھوتا ہے"۔ تینوں لڑکیاں انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھیں، اسی دم ہر پردہ کو بھی کسی

گڑبڑ کا احساس ہوا تھا مگر اس کے ہوشیار ہونے تک بی بی جان اس کے سر پر پہنچ چکی تھیں۔

"خوب..... بہت خوب، کیا ہو رہا ہے یہ؟" اس کی پشت پر ایک دھموکا جڑکا وہ طرا گویا ہوئیں۔

"وہ..... وہ بی بی جان، ان کو لہتیں سارہا تھا"۔ وہ کمر سہلاتا ہوا ہڑبڑا کر گویا ہوا۔

"لہتیں سارہے تھے.....؟ اچھا ذرا میں بھی سنوں"۔

"وضو کر کے آتا ہوں ابھی"۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"دیکھو لا کے! میں جانتی ہوں تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو، سمجھتے ہو مجھ میں عقل نہیں ہے، یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے۔"
 "بالکل نہیں بی بی جان، میں بھلا اکتاہد تیز و غیر مبذب ہو سکتا ہوں، آپ کا احترام و عزت ہم سب ہی دل و جان سے کرتے ہیں۔"
 "مجھے لفظوں کے سیر پھیر میں الجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سنا ہے میں نے، جو تم ابھی فضول گوئی کر رہے تھے۔ ارے اللہ کی مار ہو ایسے نوجوانوں پر جو دل فقیر کے کنگول کی مانند لیے پھرتے ہیں۔ اس دور میں مردانگی کا لہذا ان ہے۔" بی بی جان حسب عادت شرور ہو چکی تھی، ہر پرہیزگار سبکی کا شکار سمجھ نہیں پا رہا تھا، کس طرح گلو خلاصی کر دئے۔ وہ جیوں جی ضبط کیے سیدھی سادی بچیوں کی طرح گردن جھکائے کھڑی تھیں۔

"قاریہ نے تمہیں بالکل کھلا چھوڑا، یہ دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ بچہ کن میراثیوں میں بیٹھنے لگا ہے۔ غضب خدا کا بہنوں کو مشقیہ گانے سنار ہا ہے۔ توبہ..... توبہ کیا دقت آگیا ہے، آنکھوں کا پانی مر گیا۔"
 "بی بی جان! اچھے میاں کا فون ہے۔" دواصف نے اطلاع دی۔
 "اچھے میاں کا فون؟ لویہ کا یا پلٹ کیسے ہو گئی؟ اچھے میاں کب سے اتنے اچھے ہو گئے کہ فون کریں۔" حیرانگی و حیرانگی ان کے لہجے میں عیاں تھی۔

"بی بی جان! اچھے میاں فون نہیں کر سکتے؟" حورین نے پوچھا۔
 "یہ تو اسی سچوں کبھی چوس ہے وہ منحوس۔ فون نہیں کرتا، کبھی کوئی کام بھی ہو تو میں کال دیتا ہے، نہ معلوم اتنی دولت کہاں لے کر جائے گا قبر میں بھرے گا کیا اپنی؟" دواصف میاں کی شان میں قصہ گوئی کرتی باہر کل گئیں۔
 "تھینکس یار! تم نے بچا لیا ورنہ..... آج جڑے پھنسنے تھے۔" ہر پرہیزگار دواصف کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تشکر ادا نماز میں بولا۔

☆.....☆.....☆

مٹال نے تیسرے چپک کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، معاف کھدہ بیگم نے ان کا ہاتھ ٹھیل تک جانے سے نکل ہی اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے سرزنش کی۔

"بی بی یو ر سیلٹ۔ سنبھالو خود کو، پہلے ہی آؤٹ ہو رہی ہو۔"
 "ہائیز ماما مجھے دیں۔ دو بیگے بیگے خوار آلود لہجے میں گویا تھیں۔
 "شت آپ، حالت دیکھو اپنی، بچے گھر کسی بھی نام آسکتے ہیں، کیا جواب دو گی ان کو؟ کوئی تو شاید بہل بھی جائے مگر پرنس..... اگر اے معلوم ہو گیا، تم ڈریک کرتی ہو تو بہت بڑا ہوگا۔" وہ مٹال کو زبردستی بیڈ پر لٹاتیں پریشان کن لہجے میں گویا ہوتیں۔
 "ہونہر پرنس..... پرنس..... پرنس، مجھے پردانئیں ہے اس کی۔ میں اس کے باپ کی پردانئیں کرتی تو وہ خود کو کیا سمجھتا ہے۔" نشہ اس کے حواسوں پر اپنی گرفت حاوی کرنا جا رہا تھا، وہ بے ربط ہو رہی تھی۔
 "آواز بند کرو اپنی..... شاید وہ گھر میں موجود ہے۔"

”میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے، مجس کو میں دل و جان سے بڑھ کر چاہتی ہوں، وہی مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ مجھے تیرے
 ناقابلِ اعتنا سمجھتا ہے۔ میں نے اس سے محبت کی، اس نے مجھے ذلیل کیا، رسوائی و تحقیر سے میرا کردار و شخصیت کرجی کر چھی کر دیا۔ میں نے
 برداشت کیا۔ حزو سے محبت کرنا چاہی، وہ مجھے کبھی نہ ختم ہونے والا احساس کتری و ذلت کی اذیت میں مبتلا کر کے چلا گیا، میں نے پھر بھی
 سہر کیا۔ اب..... اب میرا..... چنا..... میرا خون، جو مجھے خود سے بھی بڑھ کر عزیز ہے، وہ میری پروا نہیں کرتا، حزو کی جدائی کا مجھے ذمے دار
 سمجھتا ہے۔ یہ ذک، یہ ذک مجھے اندر ہی اندر مار رہا ہے۔ میں مر رہی ہوں و میرے دھیرے“۔ ان کی آواز مدہم ہوتے ہوتے بند ہو گئی۔ نشے
 کی زیادتی سے لمحوں میں مدہوش ہو گئی تھیں۔ فائدہ بیگم جو سر ہانے بیٹھیں مثال کا سر سہلا رہی تھیں، انہوں نے رضائی مثال کو اڈھائی تھی۔
 اسے سی کی ٹولنگ بڑھا کر انہوں نے ڈریک اور لوازمات اٹھا کر دروازے کے خفیہ حصے میں ایڈجسٹ کیے تھے، لاک کر کے چابی بھی مخصوص
 خفیہ نمکانے پر رکھی تھی۔ انیئر فریشٹر کا اسپرے کر کے وہ روم کا دروازے بند کرتیں میڑھیاں اتر رہی تھیں۔

اودھیری ایڈجنگ ایونٹ انا تو آپ اس ناٹم گھر پر؟“ رست وای باندھتا ڈالون حیرانگی سے گویا ہوا۔

”آج کل آپ کے نانو کے ساتھ پارٹیز میں جانا پڑ رہا ہے، اس لیے ڈیمنگ تبدیل کرنی پڑی ہے۔“ وہ اس کے قریب آ کر
 اپنائیت سے بولیں۔

”آپ کہیں جا رہے ہیں؟“ لائٹ بلو جینز اور وائنٹ شرٹ میں اس کی شان دار شخصیت و جیہد لگ رہی تھی۔

”نہیں۔ آپ کو کوئی کام ہے؟“

”نہیں آپ جاسکتے ہو.....“ وہ مسکرائیں۔

”مما بھی گھر پر ہی ہیں؟“ ایک دم اسے کوئی خیال آیا۔

”ہاں..... وہ اپنے روم میں ہیں۔“

”میں مل لوں ان سے.....“ اس نے آگے قدم بڑھائے اور فائدہ کو یک دم ہی اختلاجِ قلب نے آن گھیرا، وہ سرعت سے اس
 کے آگے آ گئیں۔

”آپ کی..... مم..... ہاتھ روم میں ہیں، دو ہاتھ لینے میں کتنا ناٹم لیتی ہیں، یہ آپ جانتے ہیں ناں۔“ اس کی سوالیہ لگا ہوں سے
 شہنا کردہ بولیں۔ ڈالون کے چہرے سے لمحے بھر کو تذبذب ظاہر ہوا تھا۔

”او کے، مم کو کہہ دیجئے گا، میں چلتا ہوں۔“ وہ چلا گیا، فائدہ بیگم کے چہرے کی انڈی رنگ بحال ہونے لگی تھی۔

مثال کی لا پرواہی سے انہیں یہی خدشات لاحق ہونے لگے تھے۔

وہ حیدر کے ساتھ بیڑا ہٹ آیا تھا۔ حیدر کا وینٹر کی طرف گیا ہوا تھا۔ اس نے کرسی کی بیک سے سرٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس

لڑکی نے آج صبح یونیورسٹی میں جو حرکت کی تھی، وہ اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ اتنی بولڈ، اتنی کونیڈنٹ لڑکی آج سے قبل اس سے نہ نکرائی

تھی۔ اس کی جرأت اسے از حد مشتعل کر چکی تھی۔ وہ تب سے وہی خانشارہ و انتشار کا شکار تھا، بھلا کسی لڑکی کو کیا حق پہنچتا ہے، اس کی عادت و مزاج پر تنقید کرنے کا؟ وہ جیسا ہے جو ہے اپنے لیے ہیں، کسی کو کیا ضرورت پڑی اس پر بیٹ کرنے کی۔

”مادام! آپ شرط ہاری ہیں، اس لیے جتنی ہے یہ آپ کی، جو آپ پیکی پیکی سوڈا ہمارے ساتھ شیئر کریں۔“ پیچھے سے کسی لڑکی کی مسکراتی ہوئی آواز آئی تھی۔

”ہم سے کوئی جیت سکا ہے جو یہ صاحبہ جیتیں، کہا بھی تھا شرط مت لگاؤ مگر۔۔۔ نہیں ان کو یقین تھا ان کا وہ پورڈو ہیر و ضروران کو جوازے گا۔“ اس کے اندر ایک عجیب سا احساس بجلی کی طرح دوڑا تھا۔ یہ دوسری چپکٹی لہذا احتیاط واذ وہی تھی جس نے اسے صبح سے مضطرب کر رکھا تھا۔ اس آواز کو وہ لاکھوں میں شناخت کر سکتا تھا۔ شاید بات بھی اس کے بارے میں ہو رہی تھی۔ بے ساختہ ہی اس کی ہاتھیں اس جانب مبذول ہو چکی تھیں پھر ”پورڈو ہیر“ کے لقب پر اس کی پیشانی پر شکن ہو چکی تھی۔

”میں ابھی تک شاکد ہوں کہ کس طرح ذوالنون نے تمہاری طرف دیکھ لیا۔ وہ پیادو کیا نفرت سے کسی کو دیکھنے کا روادار نہیں ہے۔“

”تم لوگ نہیں جانتی ایسے لوگوں کی سائیکالوجی کو، ایسے لوگ جن کو ذرا بھی معلوم ہو جائے کہ انہیں لوگ پسند کرتے ہیں، ہماری کچھ دیکھ ہے تو بھی یہ اس طرح کے جھگڑنے آزماتے ہیں، دینس ہونے کے لیے، اپنی دیکھ کو زیادہ پانچ کرنے کے لیے اور جہاں معاملہ لڑکیوں کا آجائے تو پھر اسی طرح بے نیازی و لاپرواہی کا مظاہرہ کیے جاتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کا کریز بتا جائے، لڑکیوں کو پورا نہ بتایا جائے۔“ لفظ تھے یا لگا رہے اس کے اندر گویا آگ بھڑکنے لگی، وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو بیٹھا۔

”پلیز اب ایسے بھی مت کہو، وہ بہت برائی کر کے شریف انفس ہیں، وہ پورڈو نہیں کرتے، ہر ٹکلی و لڑکیوں سے دور رہتے ہیں۔“

”ایک دن میں نے تم لوگوں کو ان صاحب کی اصلیت نہ دکھا دی تو کہا، ایسے ہیر و موقع ملنے ہی زیر و بن جاتے ہیں۔“ ایک بڑا ہٹا و کٹک دار منہ کھلا اڑاتی آواز ابھری اور اسے لگا، اگر وہ یہاں سے فوراً نہ اٹھا تو ضرور کچھ غلط کر بیٹھے گا۔

”پہلے دن موصوف کی آنکھیں اٹھوا لی ہیں آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔۔۔“ وہ کسی آتش فشاں کی مانند پھٹ پڑتا، اگر نورانی وہاں سے اٹھ کر باہر نہ نکل جاتا۔ پیچھے کھڑے حیدر نے تمام گفتگو سن لی تھی۔ وہ خاموشی سے ہاتھ میں بکڑا سا مان نیل پر رکھتے ہوئے اپنی نگاہوں سے برابری نیل کے گرد بیٹھی لڑکیوں کو دیکھنے لگا اور ان کو وہ شناخت کر چکا تھا۔ یہ وہی لڑکیاں تھیں جن کو وہ صبح کیفے کے پاس دیکھ چکا تھا۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے بھاپ اڑاتے ہیزار کو دیکھا، ساتھ سیلز کا ہاؤل تھا اور کوئلہ ڈرک، جس کے لیے وہ لایا تھا وہ جا چکا تھا اور وہ جانتا تھا، اب کل سے قبل وہ ذوالنون سے نہیں مل سکے گا۔ غصے میں وہ اپنا روم بند کر کے بیٹھ جاتا ہے، کسی کی ہمت نہیں ہوتی پھر اسے اس کی مرضی کے خلاف باہر لانے کی۔

یہاں کی صورت حال سے بے خبر وہ سب چیز اٹھانے کے دوران گپ شپ میں مصروف تھیں۔ وہ بھی ہٹا کھائے وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆----☆----☆

مدد صاحب، منصور بیگم، ہنزہ، معیز، خضریٰ عریہ اور کونین ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ عریہ کونین کی فرمائش پر کولہ کافی بنا کر لے آئی تھی، سب کو سرو کرنے کے بعد وہیں تک گئی تھی۔

”بھابی صاحبہ! آج کل بہت زیادہ بڑی ہیں، کئی بار ڈرائی کر رہا ہوں مگر ہر بار سیل فون بڑی بل رہا ہے یا بند ہوتا ہے۔“ مدد نے کونین سے دریافت کیا۔

”آج کل تانہ کے ساتھ پارٹیز وغیرہ میں مصروف ہیں، دراصل تانا جان اس پارٹیشن میں حصہ لے رہے ہیں، اس گہما گہمی میں مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔“

”آپ کے نانا کو کس پورس کھیل میں انٹرسٹ ہے، شاید دنیا کی بدترین سیاست ہمارے ہاں ہوتی ہے جہاں نہایت بے بسی، بے خمیری و بے جستی کے کھلے مظاہرے آپ کو نظر آئیں گے۔“ معیز بخیدگی سے بولا۔

”اپنی اپنی نیچر ہوتی ہے جیانا۔ اپنی وزیر مجھے بھابی صاحبہ سے ملتا ہے، بلکہ می بھی کب سے ملتا چاہ رہی ہیں ان سے۔ ان سے نام لے کر انظار کرنا، تاکہ ہنزہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کر سکیں۔ ہنزہ کے سسرال والے بار بار کال کر رہے ہیں، ہم اس لیے جواب نہیں دے پا رہے ہیں کہ بھابی سے مشورہ نہیں ہوا ہے۔“ مدد صاحب اٹھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

”جی بہتر انگل! میں کل جواب دیتا ہوں۔“ کونین نے متدب لبجہ میں کہا۔ وہ باہر نکلے تو منصور بھی ان کے پیچھے چلی گئی تھیں۔

”ہماری ہونے والی بھابی گھر والوں پر یو جھ ہیں جو بار بار فون کر رہے ہیں۔“ بڑوں کے جاتے ہی مزل کی زبان کھلائی تھی۔ وہ ہنزہ کی جانب دیکھ کر بولا۔

”لو کیاں یو جھ ہی ہوتی ہیں۔ شادی سے پہلے ماں باپ پر اور شادی کے بعد شوہر کی جیب پر، بھائی ہوشیار ہو جائیں۔“ خضریٰ نے سمجھایا۔

”میری بیوی ابھی آئی بھی نہیں اور تم لوگوں نے کان بھرنے شروع کر دیے۔“

”میرے خدا! بھائی یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“ عریہ شدید حیران تھی۔

”بھابی گھر پر آئی بھی نہیں اور آپ بدل گئے۔“ خضریٰ پریشان تھی۔

”میں نے کامن بات کی ہے۔ تم لوگ اتنے کنفیوز کیوں ہو گئے۔“ ہنزہ ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ چھپا کر پوچھنے لگا۔

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے، میں ہنزہ کے ساتھ ہوں۔“ کونین نے ہنزہ کی حمایت میں کہا۔

”ارے..... آپ نے فوراً پارٹی بدل لی؟“ خضریٰ نے شانے اچکا کر کہا۔

”سسر! ابھی آپ نے سنا نہیں کونین بھائی کے نانا جان سیاست دان بن گئے ہیں۔ سیاست اب ان کی فیملی میر ہے۔ ڈیلی آپ کو اسی طرح موصوف پارٹیز بدلتے نظر آئیں گے۔“ خضریٰ نے کہنے پر ان کے لیوں پر گہری مسکراہٹ در آئی تھی جب کہ کونین جینپ کر رہ گیا تھا۔

”بال کی کمال نکالنا کوئی تم سے سیکھے۔ خضرئی میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بے فکر رہیں میں ان میں سے نہیں ہوں جو پارٹی بدلتے ہیں۔“ وہ بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوا تھا کہ اس کے لفظوں کی ادائیگی بہت عام فہم تھی مگر خضرئی اس کی آنکھوں سے لودیتی نئی جون سے بے خبر نہ رہ سکی تھی جو کچھ عرصے سے وہ اپنے اس خوش مزاج و خوش گفتار تایازا کی بدلتی نگاہوں میں دیکھ رہی تھی اور خوف زدہ تھی۔

جانتی تھی کہ.....

محبوں کا موسم

چاہتوں کی رات

آفتوں کی برکھا

کب اس خاندان کو اس آئی ہے؟ محبتوں نے ہمیشہ جدائی کے زہر پیئے ہیں۔ چاہتوں کو ہمیشہ تاراج کیا جاتا رہا ہے۔ آفتوں کو ہمیشہ در بدری عقدہ رہوئی ہے۔ محبت اس خاندان کے لیے ہمہ وقت رسنے والا ناسور بن کر دو گئی ہے۔

”میں مذاق کر رہا تھا سو یہ سسر! تم سچ سمجھ گئیں۔“ اس کی گہری خاموشی کو ہنر نے صدمہ سمجھا اور اس کا سراپے بیٹے سے لگا کر ہوا پیار سے گویا ہوا نہ جانے کس احساس کے تحت وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

بی بی جان کا پی پین ہاتھ میں لیے حساب کتاب کرنے میں مصروف تھیں۔ سیرا، حمیرا کچن میں رات کے ذر کے لیے مصروف تھیں۔ لڑکیاں سب وہیں تھیں۔ کوئی ٹوٹس بنانے میں مصروف تھی تو کوئی نیسٹ کی تیاری میں تھیں۔ بی بی جان بار بار تاک پر بھٹلنے والی نینک کو درست کرتیں۔ لڑکیوں کی طرف کن اکھیوں سے دیکھتی جا رہی تھیں۔ لڑکیاں اپنا ہوم ورک ان کے سامنے کرتی تھیں۔ لڑکوں کو بھی گاہ بگاہ ان کے سامنے حاضری دینی پڑتی تھی، وہ از حد حقاہ طبیعت کی مالک تھیں۔

بی بی جان اولاد کے لیے اس حاورے کی قائل تھیں کہ کھلاؤ سونے کا نوالہ، دیکھو شیر کی لگاؤ سے، سوان کی لگاؤ میں ہی نہیں، وہ خود بھی ہمہ وقت ان کے درمیان موجود رہتی تھیں اور ان کی کڑی حکمت عملی کے باعث ہی گھر میں موجود نوجوان نسل میں وہ بے باکی و فضولیات سرايت نہ کر سکی تھیں جو اس عمر میں نمونہ نوجوان لڑکے لڑکیوں میں گھر کر جاتی ہیں۔

”حمیرا! ذرا یہاں تو آؤ۔“ وہ کتاب بند کر کے قدرے اونچی آواز میں بولیں۔

”جی بی بی جان!“ حمیرا ان کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”اگلے ماہ جمیدہ صاحب اپنی بیٹی غمرہ کی شادی کر رہے ہیں، سوچ رہی ہوں وہاں کیا دینا چاہیے؟ اللہ بخشنے مرحوم ابا جان کے بڑے اچھے تعلقات تھے اس فیملی کے ساتھ ان کے والدین کو فوت ہوئے عرصہ بیت گیا مگر آج تک اسی محبت و خلوص سے ملتے ہیں۔“

”جو آپ مناسب سمجھیں بی بی جان۔“ حمیرا سادگی سے گویا ہوئی تھیں۔

”لو..... یہ کیا بات ہوئی؟ میرا مانع زیادہ نالائق ہے جو میں ہی سوچوں۔“ ان کی طبیعت کچھ کہہ بار کے گدھے جیسی خصلت کی تھی جو

معلوم کب سیدھے چلتے چلتے ایٹھ کرکڑا ہو جائے۔ وہ ایک دم ہی نروٹھے پن سے گویا ہوئی تھیں اور ان کے بدلے توروکچہ کر میرا بولکھلا سی گئی تھیں۔ لڑکیوں نے ترچھی ٹٹا ہوں سے دیکھا تھا اور ایک دم در آنے والی مسکراہٹ چھپانے کے لیے مزید جھک گئیں۔

”میرا..... یہ مطلب نہیں تھا بی بی جان! آپ نہ امان گئیں“۔ میرا نے ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنا بیت سے کہا تو وہ غصہ بھول کر مسکرا دیں۔

”میں نہ اکیوں مالوں گی۔ یہ تمہارے اور میرا کے بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ اب میری انگلی پکڑ کر چلنا چھوڑ دو۔ ماشاء اللہ جوان بچے بچیوں کی مائیں ہو، ان کے رشتوں ناتوں کا بھی سوچنا ہے، پھر جب نئی رشتے داریاں بنتی ہیں تو لینے دینے کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کب تک مجھ پر چھوڑ کر بیٹھو گی۔ تمہیں ایسے معاملوں سے بچنا آنا چاہیے یہ متعدد ہے میرا“۔

”بی بی جان! اللہ آپ کو سلامت رکھے یہ کام بھی اور وہ کام بھی سب آپ کو ہی کرنے ہیں۔ انشاء اللہ آپ ہی کریں گی“۔ میرا مطمئن تھیں۔

”یہ بھی خوب کہا تم نے مگر میری چند اچھی لمبی زندگی کی چاہت کس کو ہے، بس میں تو یہ چاہتی ہوں اگلے جہاں کی تیاری پوری ہو اور بلاوا آ جائے“۔ ان کے لہجے میں حسرت سی در آئی تھی۔

”ایسے مت کہیں اللہ آپ کو کسی عروے“۔ میرا تڑپ کر بولیں۔

”کس کا بلاوا آ گیا اور کہاں سے؟“۔ سود کو بتا ہوا اندر داخل ہوا۔

”خاموش رہو، بلا سوچے سمجھے بولنا شروع کر دیتے ہو“۔ میرا نے ڈانٹا۔

”سود! ہاسٹل سے کچھ لوگ آئے تھے، تمہارا پوچھ رہے تھے“۔ پیچھا س کے ہریرہ اور وحی داخل ہوئے تھے۔

”ہاسٹل سے..... کون لوگ تھے خیریت ہے نا؟“۔ ہریرہ نے پوچھا۔

”خیریت ہی تو نہیں ہے“۔ وہ بی بی جان کی موجودگی سے ناواقف تھے۔

”کیوں.....؟ کیا ہوا؟“۔ اس کے ساتھ سب چونک گئے۔

”ان میں سے ایک ڈاکٹر تھا، کہہ رہا تھا اس نے تمہارے موزے مرلیض کو بے ہوش کرنے کے لیے مونگکھائے تھے مگر..... وہ مر گیا“۔ سود ان کی بکواس پر فٹھ گھور کر رہ گیا جب کہ وہ اس کی کسی صورت دیکھ کر بے اختیار تہقیر لگانے لگے تھے۔

”مت ہنسا کرو اتحاد مل مردہ ہو جاتا ہے حد ہوتی ہے کسی بات کی“۔ بی بی جان کی کراہی آواز پر انہوں نے چونک کر دیکھا تو تہقیرانہ کے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ ان کی طرف دیکھ کر سود چڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

”یہ کیا بکواس کر رہے تھے، کون سا مرلیض سود کے موزے سوکھ کر مر گیا.....؟ ہیں..... جاؤ اپنا دنیاں چا کر سو گھاؤ، شاید سانسیں بحال ہو جائیں“۔

☆.....☆.....☆

بہرے آف ہونے کے بعد وہ پارٹنر کے سامنے بنے لان میں بیٹھ گئی تھیں۔ شرین، شاہ، مردانہ، وباد، مول اور حورین بہت کم عرصے میں دوسری دے تکلفی کی ڈور میں بندہ چکی تھیں۔ اس وقت بھی مردانہ و باد کینٹین سے کولڈ ڈرنکس اور سو سے لے آئی تھیں۔ کھانے پینے کے دوران ان کی گفتگو پڑھائی سے ہٹ کر پھر اس شرط کی جانب محو چکی تھی جو شرین نے بڑے مان و یقین سے لگائی تھی اور بڑی بے یقینی دیکھی کے ساتھ ہادی تھی تب سے وہ حورین سے کچھ چھپ چھپائی رہتی تھی۔ یہ بات حساسی حورین نے محسوس کی تھی۔ اس وقت وہ بول اٹھی تھی۔

”اکی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ شرین نے مسکرا کر کزور لہجے میں کہا۔

”کسی غیر شخص کے لیے ہمارے درمیان تکلف کی دیوار آ جائے یہ ناپسندیدہ بات ہے پلیز..... خود کو ایزی میٹل کرو۔“

”مجھے یہ میٹل ہوتا ہے ایسا میری وجہ سے ہوا اور..... معلوم ہے..... اس دن جو ہم بیڑا ہٹ میں ڈوالون کا مذاق اڑا رہے تھے، وہ سب سن رہا تھا۔“

”کیا.....؟ تم نے دیکھا تھا؟“ حورین کے علاوہ دوسریں حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔ ان کے چہروں پر یک دم ہی پشیمانی پھیلنے لگی تھی۔

”اس نے ہماری گفتگو سنی تھی اور اس وقت اس کا چہرہ عیسے سے دیکھ رہا تھا اور شاید طے کی زیادتی کے باعث وہ بغیر کھائے جا چکا تھا ساتھ حیدر تھا وہ بھی اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔“ شرین کے انکشاف نے ان کو حیران پریشان کر ڈالا تھا البتہ حورین پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

”یہ بات تمہیں کل ہی بتانی جا چکی تھی نا۔“ روانے کہا۔

”کیوں کیا کرتی تھی تم؟ حورین نے چہینا۔“

”یہ بہت برا ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“

”ہاں یاد رہی بہت غلط ہوا ہے بات ہمارے درمیان رہتی تو ٹھیک تھی۔“

”نیشن نہ لو، جو ہوا اچھا ہوا، جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔“

”حورین! اس قدر سخت پھر مت بنو۔ مذاق اس وقت تک رہتا ہے جب تک کسی کی دل شکنی نہ ہو، ورنہ یہ گناہ بن جاتا ہے۔“

”ہیس فور اس بندے سے معذرت کر لی جاوے۔“ مول کی تجویز پر وہ متفق ہو گئی تھیں۔

”اس کڑوے کر لیے سے ایک سکيو ذکر کرتی ہے میری جوتی، پھر میں نے کوئی مذاق نہیں کیا تھا۔ اسے اس کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا۔“

”تہہ دی سوچ مثبت نہیں ہے حور۔“ شانے آہستگی سے کہا۔

”تم لوگوں کی یہ بلا وجہ کی امدادی میری سمجھ سے باہر ہے جو ہوا، ہو چکا ہے۔ جس طرح ہنجرے سے اڑنے والے پرندے واپس نہیں آتے اسی طرح جو ہو چکا ہوتا ہے، نہ پلٹ سکتا، نہ درست ہو سکتا ہے۔“

”انسانوں اور پرندوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہم میں اپنی غلطی کو سدھارنے کی صلاحیت قدرت نے رکھی ہے۔“ شرین نے سنجیدگی سے کہا۔

”اچھا..... تو جاؤ اور جا کر سدھار داپنی غلطی کو۔ ایک بدو ماں اور بد مزاج شخص کو مزید غرور اور احساسِ تقا میں مبتلا کر دے کہ وہ جو کرنا ہے بالکل درست کرتا ہے۔ صبح نازک سے اس کا تھکیک بھرا ذلت آمیز رویہ بالکل جائز ہے۔ یہ تو اسی قائل ہے ہونہ۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی بوتل جھٹکے سے نیچے رکھی تھی۔ اپنی قاتل اور پرس افشا کرواں سے چلی گئی تھی۔ وہ چاروں اسے مٹانے کے لیے پیچھے گئی تھیں۔

اوپر نیس پر کھڑے ذوالنون کی سرخ انگاروں ہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ اوپر اتنا فانی کھڑا تھا مگر اپنا نام سن کر اس نے نیچے دیکھا تھا، پھر اس کے چہرے کی سرخی اور پیشانی پر شکنوں کا جال بنتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

راحیلہ بیگم اور صد صاحب دو گھنٹے سے بیٹھے برہان ہاؤس میں منال کا انتظار کر رہے تھے، مزید ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود کوئی وہاں نہیں آیا تھا۔ برہان ہاؤس جو خاطر تواضع و مہمان نوازی میں مشہور تھا، جہاں آنے والا سائل بھی خالی ہاتھ و خالی پیٹ نہیں جاتا تھا۔ وہاں آنے والے ان دونوں نفوس کو سادہ پانی پلانے تک کی ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی، سیٹنگ روم تک رہنمائی کے بعد کسی ملازم نے اندر مہمان تک نہ تھا۔

بہت صبر و تحمل سے وہاں بیٹھا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے منال کے مزاج کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے ناظم آنے کا فیصلہ کیا تھا، جب کوئین اور پرس دونوں گھر میں نہ ہوں، کیونکہ انہیں معلوم تھا منال اپنے طرز عمل و بد مزاجی کے مظاہرے سے گریز نہیں کرے گی اور وہ دونوں بچے واوی اور بچا کی بے عزتی برداشت نہ کر سکیں گے، پھر منال اور قاتلہ بیگم کو یہ الزام لگانے میں دیر نہ لگتی کہ وہ از خود بچوں کو باغی کرنے کے لیے آئے تھے۔ ایسے الزامات کا سلسلہ بچوں کے بچپن سے ہی جاری تھا جن میں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شدت آتی جا رہی تھی۔ تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ ایسے وقت میں آئے تھے مگر تیزی سے گزرتے وقت نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔

افتخار کی اذیت سے خوب دوچار کر کے وہ اندر آئی تھیں، بغیر استیوں کی چھوٹی ٹائٹ پنک شرٹ اور لوئر آؤزر میں ملیوس جیسے مزاج کے ساتھ۔ صد سلام کرتا ہوا کھڑا ہوا تھا، انہوں نے نہ سلام کا جواب دیا۔ شان کو بیٹھنے کا کہا۔ بے چارے شرمندہ سے خود ہی بیٹھ گئے۔

”بنزوی کی شاوی کی ڈینٹ فلیسڈ کرنی ہے اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا تھا۔“ مہذ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”جو کرنا ہے کر لیں، مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔“ درمیان میں نیبل تھا، دوسری طرف منگل مو نے پر پاؤں پر پاؤں رکھے منال روکھے انداز میں گویا ہوئیں۔ ان کے برائے انداز سے نفرت و بے زاری حیاں تھیں۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو منال تم ہمارے گھر کی بہو ہو۔ بڑی بہو اسی رشتے سے تمہارا حق ہے ہر کام میں مشورے و شرکت کا۔“

راحیلہ بیگم نے پہل کی۔

”بہو.....؟ مطلب بھی جانتی ہیں کہ بہو کس کو کہتے ہیں؟“ وہ ان کی بات کاٹ کر طحیہ انداز میں گویا ہوئی۔

”ہاں اچھی طرح..... بیٹے کی بیوی کو بہو کہتے ہیں۔“

"کہاں ہے بیٹا؟ پہلے بیٹے کو تلاش کر لیں۔ پہلے اس بڑول شخص کو تو لے کر آئیں جوڑے دار یوں سے بچنے کے لیے بھاگ گیا جس کو نہ بیوی کی ضرورت تھی نہ بچوں کی۔ عیاش رو، آوارہ آدمی۔"

"اپنی زبان کو قابو میں رکھو بہن۔" راحیلہ بیگم سے برداشت نہ ہوا۔

"تمہیں رہے گی میری زبان قابو میں۔ مجھ سے شوہر اور بچوں سے باپ جدا ہوا ہے۔"

"یہ مت بھولو کہ ماں سے بیٹا اور بھائی سے بھائی بھی جدا ہوا ہے۔ میں حمزہ کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی۔" ان کا وصیہ لہجہ

بارعب تھا۔

"سننا پڑے گا آپ کو، جو شخص اپنے لیس کی خوشی کی خاطر پیچھے ایک نہ فتم ہونے والے مذاہب میں جٹا کر کے چلا گیا تو جس نے نہ بیوی کی پروا کی، نہ بچوں کی، میں ایسے شخص کی کبھی عزت نہیں کر سکتی۔" وہ نہایت بدتمیزی سے راحیلہ بیگم سے کاٹب تھیں۔

"ہائیز بھائی! کوئی ڈاکو، ہم یہاں پرانے قصبے دہرائے نہیں آئے ہیں۔ آپ خواہ ہمیں اپنا نہ سمجھیں مگر ہم آپ کی اور بچوں کی صورت میں حمزہ بھائی کو دیکھتے ہیں، اسی لیے ہم آئے ہیں کہ آپ سے مشورہ کر کے حمزہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کریں، آپ بتائیں کہ آپ کے پاس فارغ دن کب ہیں؟" مہم نے معاملہ بگڑنے دیکھ کر مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں کے لیے نہ آج ہے اور نہ کبھی ہوگا وقت۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھائی آپ.....؟" مہم نے نرمی سے کہا۔

"صاف کہہ رہی ہوں، مجھے تم لوگوں سے ملنا گوارہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئین اور پرنس کا۔" انہوں نے کھڑے ہو کر حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

"تیری اسی بد سزا جی، غرور اور محمندی نے تجھے ہر خوشی سے محروم کر دیا ہے اور میرے بیٹے کو مجھ سے دور۔ ابھی وقت ہے منال اللہ سے رور و کراہی خطاؤں کی معافی مانگ لے۔ سب درست ہو جائے گا ورنہ پچھتاؤں کی آگ قبر تک پچھتاؤں چھوڑے گی۔" راحیلہ بیگم جو بہت مبر سے اس کی گستاخیاں پھیل رہی تھیں، بالآخر غصے سے بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اوہو..... نو سو چوہے کھا کر لی جج کو چلی۔ ماضی کی ڈکٹٹر کر پٹ عورت، آج چار سجدے کر کے دوسروں کو اللہ کا خوف دلارہی ہے۔ پہلے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھو پھر دوسروں کو نصیحت کرنا۔"

"یہاں جو کرتا ہے، وہی بھر کر جاتا ہے۔ دنیا کو دنیا میں ہی بھگت کر جانا پڑتا ہے۔ میں اپنا کیا بھگت رہی ہوں۔"

"اور مرنے کے بعد بھی بھگتو گی۔" وہ بدتمیزی کے عروج پر تھی۔

"بھائی! پٹیر مہا بزرگ ہیں آپ کی۔" مہم بچنے بچنے لہجے میں بولا۔

"نکل جاؤ تم لوگ یہاں سے، آئندہ یہاں قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں ملنا نہیں چاہتی تم لوگوں سے، پھر کیوں آ جاتے

ہو۔“ غصے و خنجر سے اس کی بُری حالت تھی۔ عروت و لحاظ ان کی نفرت میں شامل نہ تھا پھر یہ دو لوگ تھے جو اس کی ناپسندیدگی کی فہرست میں سب سے پہلے نمبر پر آتے تھے، سودہ کسی رواداری و انکساری کی قائل نہ تھیں۔ اس کے شدید طرز عمل نے صمد کو شرم سار کر کے رکھ دیا تھا۔ مستزاد ماں کی بے عزتی و شدید ترین توہین آمیز دردِ بے نے انہیں مثال سے تنفر کر کے رکھ دیا تھا، اگر ماں کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ ایک لمحہ یہاں نہ کھانا گوارہ نہ کرتا۔ اس کی بہ نسبت راحیلہ بیگم کے چہرے پر غمخوار و سکون کی کیفیت موجزن تھی، گویا ان پر اس تلخک آمیز سلوک کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کا بچی اطمینان مثال کو بے سکون کر رہا تھا۔

”جو ہمارا فرض تھا، وہ ہم نے ادا کر دیا، آگے تمہاری مرضی ہے تم آتی ہو یا نہیں۔ ہمارے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے رہیں گے اور رہا سوال بچوں کا تو تم ان کو نہیں پابند کر سکتی۔ وہ ہاشم و بوش مند ہیں، کھرا کھوٹا پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ویسے بھی ناخنوں سے گوشت جدا نہیں کیا جاسکتا، یہ قدرت کا اصول ہے۔“

”ہونہہ..... مائی فٹ۔“ وہ ان کی جانب سے پٹھ پھیر کر کمز ہو گئی۔ راحیلہ بیگم اور صمد صاحب خاموشی سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ کار میں بیٹھنے ہی لگے تھے، جب گرے کار اندر آئی تھی جس میں بیٹھے کوئین کو دیکھ کر ان دونوں کے ہی چہروں پر ٹکرات اُبھر آئے تھے۔ کوئین بھی انہیں دیکھ چکا تھا۔ حیرت انگیز مسرت و اشتیاق اس کے وجہ جہرے پر اُبھرے تھے۔ وہ ڈرائیو کے اترنے سے قبل ہی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل کر چیز تیز قدموں سے ان کی جانب بڑھا تھا۔ کار کی آواز سن کر مثال باہر نکل آئی تھی۔ باہر کا منظر اس کے خون کی گردش تیز کرنے کے لیے کافی تھے۔

راحیلہ بیگم نے کوئین کے سر پر ہاتھ رکھ کر چیشانی چوی تھی۔ صمد نے بھی بڑی گرم جوشی سے اسے سینے سے لگایا تھا۔ اس وقت جو والہانہ انداز و محبت کوئین کے چہرے سے عیاں تھا، وہ مثال جیسی حاسد اور کم ظرف عورت کو طیش دلانے اور اس شک کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی تھا جس میں بتا دیکھے وہ خنجر کی طرف سے چلا ہو چکی تھی۔ اس کی لُس لُس میں آگ بجڑ گئی تھی۔

”داود! انکل! پلیز کچھ دیر مزید بیٹھ جائیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ نہ معلوم کتنے عرصے بعد آپ لوگ یہاں آئے ہیں، پرنس بھی آنے والا ہوگا۔“ کوئین بالکل بچوں کی مانند اصرار کر رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔

”آئیں گے جیسا! ابھی تو اجازت دیں آپ کی آنٹی وین کر رہی ہیں۔“

”ہاں بیٹا! عصر کی نماز بھی پڑھنی ہے، صمد کو ہاسپٹل بھی جانا ہے۔“

”مما! آپ نے داود اور انکل کی خاطر تو وضع اچھی طرح کی ہے۔“ کوئین ماں سے گویا ہوا جو قریب آکھڑی ہو گئی تھی۔

”تم فکر مت کرو میرے بچے، تمہارے ممانے اتنی شان دار خاطر تو وضع کی ہے کہ شاید ہی کسی کی اس گھر میں کی جاتی ہو، کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔“ راحیلہ بیگم کا لہجہ شہنشاہی لیے ہوئے تھا جس سے کوئین سمجھ نہ پایا مگر مثال کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔

”یہ اس گھر کی روایت ہے جس حیثیت کا مہمان ہوتا ہے، اسی حیثیت کو مدِ نظر رکھ کر مہمان لوازی کی جاتی ہے۔“ مثال بھی راحیلہ بیگم کے انداز میں بولیں۔

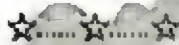
”او کے بیٹا! اجازت دیں۔ او کے بھائی صاحب اللہ حافظ“۔ مثال نے بھی بیٹے کے خیال سے مسکرا کر گریٹ سے باہر جانے

تک ہاتھ ہلایا تھا۔

”میں پہنچ کر کے آتی ہوں، آپ بھی فریش ہو جائیں پھر باتیں ہوں گی۔“

ان کی زیرک ٹاکہوں سے بیٹے کی بے چینی و بے قراری مٹتی نہ رہ سکی تھی جو وہ اسے فوراً موقع دیتی کہ ان کی ملاقات کا ایک ایک لفظ جاننے کا خواہش مند ہوگا۔ اس کی خواہش سے ہٹ کر اس کے اندر نئی پلاننگ جنم لے رہی تھی اور اسے پلان کرنے کے لیے تباہی و یکسوئی کی ضرورت تھی۔ کونین کو اس نے بہانے سے وہاں سے ٹال دیا وہ حسب عادت ماں کی بات مانتے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھ گیا تھا، حالانکہ دل میں کھد بدمو رہی تھی، جلد سے جلد معلوم ہو، ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور مواد ہاں کب جائیں گی.....؟

جہاں اس کے خوابوں کی ملکہ، سپنوں کی پری رہتی ہے۔ اسے یقین تھا ماما سے ایک بار دیکھیں گی تو پھر اس کی محبت کو سراہے بنانہ رہ سکیں گی، اس لیے ضروری ہے مواد ہاں جائیں۔



ملازمہ خیرون سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سامنے بی بی جان پلنگ پر بیٹھیں اسے گھور رہی تھیں جو کئی چٹخیاں کرنے کے بعد کل آئی تھی اور آج پھر چٹخی کا ٹکڑا تھا۔

”بی بی! تمہیں دم نے کام کے لیے رکھا ہے یا چٹخیاں کرنے کے لیے۔ غضب خدا کا پورے مہینے میں چار مرتبہ آئی ہے اور آج پھر چٹخی مانگ رہی ہے۔“ گھوڑے کے بعد وہ کلس کر بولیں۔

”مجبوری ہے بی بی جان۔“ خیرون منمنائی تھی۔

”کیا مجبوری ہے، میں بھی سنوں۔ جھوٹی مکارن آج کیا بہانہ ہے؟“ انہوں نے ناک پر پھسلتی بینک درست کرتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔

”وو..... میری بیٹی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“

”اچھا کیا ہوا اس غریب کو؟“

”بی بی ہو گئی ہے اس کو۔“ خیرون کہنے کے بعد منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

”ارے چپ کر نا بجا عورت! تیری زبان بے لاج چلتی ہے۔ پچھلے پختے ٹو آئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تیرے بیٹے کی حالت نازک ہے۔ تجھے چٹخی دے کر چوکیدار کو بھیج کر طبیعت معلوم کرواؤ تو پتہ چلا وہ بھلا چٹکا گلی میں کچے کھیل رہا ہے۔ معمولی سا زلزلہ ہو رہا تھا بچے کو اور ٹو اس بہانے چند روٹیوں کی چٹخیاں کر کے بیٹھ گئی، پھر دو دن آنے کے بعد ٹو نے کہا تیری ساس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، اس بہانے سے تو کئی چٹخیاں کر کے بیٹھ گئی، تیرے مگر معلوم کرواؤ تو پتہ چلا وہ بہت عرصے سے معذور ہیں۔ میں نے تجھے پھر بھی معاف کیا کہ چلو کوئی ایسی

مجبوری ہوگی جو بتائی نہ جاسکتی ہو، یہاں ہم معاف پر معاف کر رہے ہیں اور تو احسان ماننے کے بجائے، ہمیں بے وقوف سمجھ رہی ہے، مری کا قائدہ اٹھا رہی ہے۔“ بی بی جان تمام کسر آج نکالنے کے سوڈ میں تھیں۔ خیر دن روتے ہوئے قسمیں کھانے لگی۔

”چپ قسم مت کھا۔ دیکھو بہت لحاظ کر لیا میں نے حیرا، مگر آج تو نے جھوٹی قسم بھی کھائی ہے، ایسے لوگوں سے مجھے سخت ترین نفرت ہے، سمجھ نہیں آتا کہ کسی ظالم عورت ہے تو، کہی سنگ دل ماں ہے تو، بچوں کی معمولی تکلیفوں پر ماں تڑپ اٹھتی ہے، صحت کی دعائیں مانگتی ہے اور تو جان کر جھوٹی بیاریوں کو بڑی بتاتی ہے تاکہ ان بہانوں سے آرام کرے لیکن جان لو دعا کسی کا سکا نہیں ہوتا، جھوٹ کبھی نہیں پہنچتا..... میرا ذرا ادھر آؤ۔“ خیر دن سے باتیں کرتے کرتے وہ میرا کو ہکا بھارے لگیں، جبکہ اتنا کچھ سننے کے باوجود خیر دن اپنی بات پر قائم تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی ہے۔

”جی بی بی جان!“ میرا دہاں آکر گویا ہوئیں۔

چوکیدار کو کھڑا رات پور کو ساتھ لے کر جائے اور خیر دن کی بیٹی کو لے کر آئے، تم اسے میں نوں کر کے ڈاکٹر زیدی کو بلاؤ، تاکہ اس بچی کا چیک اپ ہو جائے۔“ میرا ”جی اچھا“ کہہ کر آگے بڑھ گئیں اور خیر دن کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔

”بی بی جی! آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔“ اس کا انداز مضطربانہ تھا۔

”تکلیف کی کیا بات ہے، اچھا ہے سرکاری اسپتالوں میں دیکھنے کھانے سے فائدہ جادو کی، مگر بیٹے بہترین و مفت علاج ہوگا۔“

”مگر..... مگر وہ گھر پر نہیں ہے، اس کی خالہ لے گئی ہے اسے۔“

”ارے ٹو ماں ہے ڈاکٹر؟ اتنی خراب طبیعت میں تو نے اسے جانے دیا۔“

”اس کے پیچھے بھی درو بھری داستان ہے، اب میں اسے سنبھالوں یا مگر گھر جا کر دو وقت کی روٹی کھانے کے لیے محنت کروں۔“ میری بہن ترس کھا کر اسے لے گئی، تاکہ میں کام پر آسکوں۔“ وہ روہانے لہجے میں بولی۔

”واہ بھی شاباش ہے حیرے دماغ پر، منہوں میں کہانی گھڑ ڈالی، اگر کہیں جھوٹ بولنے کا مقابلہ ہوا تو پہلا انعام جیت کر لائے گی تو جھوٹی۔ چل جا کر انہیں منع کر کے آ۔ پٹھیاں نہیں دیکھتی اپنی تنخواہ لینے مینے سے پہلے آ جاتی ہے، اس کے علاوہ الگ بہانوں سے بڑھتی ہے پھر بھی آنکھ میں لحاظ نہیں ہے۔“ خیر دن جا چکی تھی مگر بی بی جان مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

”اس گھر کے تنگ میں وقاف نہیں ہے جو ملازم بھی سرچہ جاتے ہیں۔ اوّل تو گھر میں ملازموں کی ضرورت نہیں ہے، بچیاں کرنا چاہیں تو آرام سے کر سکتی ہیں مگر آگ لگے موئے فیشن کو جب تک گھر میں لو کروں کی تعداد نہ ہو، لوگوں پر رعب بھی کیسے پڑے گا، دولت کا، حیثیت کا، ادھیڑھے لوگ ہی ایسی اوجھی حرکتوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان جیسی ہڈ حرام عورتوں کے مزے آ جاتے ہیں۔“ ان کا غصہ عروج پر تھا۔

☆.....☆.....☆

کوئین فریش ہو کر آیا تو بے تکلف چائے کا اہتمام تھا۔ سیاہ فیروزہ پیٹری ورک سے مزین خوب صورت ساڑھی باندھے منال تیار ٹیبلٹی تھی۔ ڈالٹون بھی یونینو رسی سے آچکا تھا۔ براؤن ٹراؤز اور وہائٹ ٹی شرٹ میں نکھر نکھر بیٹھا تھا۔ چائے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ بہت سرسری طور پر دو ڈالٹون کو اس کی وادی اور بچی کی آمد کے متعلق بتا چکی تھی، اپنا طرز عمل وہ بالکل گول کر چکی تھی۔

”ڈیری کا فون آیا تھا اسلام آباد سے۔ ان کو اور مگی کو مزید کچھ دن وہاں رکنا ہوگا، کچھ ایپورٹمنٹ مینٹنر رہتی ہیں ان کی۔ وہ کہہ رہے تھے، ٹوکیو میں وہاں کی ایک بڑی بزنس پارٹی سے انہوں نے کچھ مشینری خریدنے کی بات کی ہے، بلکہ انہیں ہاف پے منٹ بھی کی جا چکی ہے اگر ہم نے فل پے منٹ اسی ہفتے نہ کی تو وہ پارٹی اینڈ وائس کی رقم ہڑپ کر جائے گی اور مشینری نہ ملے سے ویسے ہی ہمارے بزنس کو بڑا نقصان ہوگا۔“ کوئین کی مسرتوں کے پھول کھلتے ہی مرجھا گئے تھے اس کے بے سکون چہرے پر یک دم ہی رنجیدگی پھیلی تھی، لمحہ بھر کو اس کا چہرہ تاریک ہو کر فوراً ہی وہ خود کو سنبھال چکا تھا لیکن ڈالٹون کی لگا ہوں سے اس کے بدلے چہرے کے تاثرات فنی نہ رہ سکے تھے۔

نانا جان نے بھی ذکر نہیں کیا۔“ کوئین آہستگی سے گویا ہوا۔

”نانا جان نے اس اسپیشل ڈے کے لیے سر پر انڈر کھما: ہوگا۔“

”کیا مطلب تمہارا؟“ تم اتنی طرح گفتگو کیوں کرتے ہو؟“

”وہی مطلب ہے میرا جو آپ سمجھ رہی ہیں۔ وادو کے ہاں جانے سے بچنے کے لیے آپ نے یہ پلاننگ کی ہے، ورنہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے جیسا بھی کرنا اہم ہو۔“ ڈالٹون کے لہجے میں وہی بے باکی دہچائی تھی جس سے منال کو چڑھتی تھی۔

”بزنس اپلیز ماما کو ڈسٹرب مت کیا کرو۔“

”میں وی کبہر ہا ہوں جو سچائی ہے۔“

”میں تمہارے منہ لگن نہیں چاہتی، تم بد تمیز ہو، تمہیں بات کرنے کی حقیر نہیں، تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھے پرالزام لگانے کی۔“ وہ بڑی طرح سٹپا تھی۔

”مگی اپلیز کول ڈاؤن، پرسن آپ سے بہت پیار کرتا ہے۔“

”ماما! اگر آپ کی پلاننگ نہیں ہے تو آپ یہ کام شادی کے بعد کر لیں۔ شاہی کے بعد آپ چلی جائیے گا۔“ اس کے وجہ یہ چہرے پر مخصوص سنجیدگی تھی۔

”ایسی کوئی ایمر جنسی نہیں ہے۔“ وہ بڑی طرح تملدار رہی تھی۔

”میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔“ ڈالٹون نے اطمینان سے کہا۔

”شٹ اپ شادی میں شرکت کرنے کی کوئی ایسی ایمر جنسی نہیں ہے، شادیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہ شادی بھی ہو جائے گی ہمارے بغیر۔“ دوسرا مگی کا پلہ سنبھالتی ہوئی اٹھی اور کہتی ہوئی چلی گئی۔

”مئی کے ساتھ تمہارا ایسا رویہ مجھے اذیت پہنچاتا ہے، مت نہیں کیا کرو انہیں، وہ پہلے ہی آپ سیٹ رہتی ہیں۔“ کونین آرزو کی سے گویا ہوا۔

”میں تمہیں پہلے ہی کہتا تھا مئی“ مئی کی طرح ہی سردو بے حس اور بہت خود غرض عورت ہیں۔“ وہ سرد لہجے میں گویا ہوا تو کونین پھر کچھ نہیں بولا، اس میں اور ذوالنونوں میں یہی فرق تھا۔ ذوالنون ہر بات صاف کوئی اور منہ پھٹ انداز میں مقابل کے منہ در منہ کہنے کا عادی تھا، خواہ نتیجے میں کتنی ہی گالیاں دہاتیں سننے کو ملیں، وہ پروا نہ کرتا تھا اور وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا تھا جو بات کچھ لمحوں قبل ذوالنون نے کہی تھی۔ وہ بھی سمجھ گیا تھا مگر کہہ کر ماں کی دل شکنی اسے گوارا نہ تھی۔ اپنے نو لے دل کی پروا نہ تھی جہاں ڈھیروں خواب راکھ ہوئے تھے۔

”مئی کے ساتھ میں جاؤں گا۔“ اس نے بالکل اُن ہونی بات کہی تھی، کونین نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا پھر بولا۔

”مئی کے ساتھ..... اور تم.....؟ پھر تو بہت اچھے لمحے ہوں گے میری زندگی میں۔“

”میں نے ایسی کوئی ناممکن بات نہیں کی ہے۔“ بھائی کی حیرانگی پر وہ بے ساختہ ہنس کر کہہ اٹھا۔

”کم از کم میرے لیے سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تم جو مئی کے ساتھ چند لمحوں میں اختلاف کر بیٹھے ہو، مئی کس طرح گناہ کر سکتے ہو۔“

”آپ کی خوشی کی خاطر مجھے یہ جبر بھی منظور ہے جو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا..... بابا کے بعد میری حیات سے وابستگی آپ کی ذات ہے بھائی اور میں نہیں چاہوں گا کہ..... بابا جیسی زندگی آپ گزاریں۔“

”تم..... تم..... کہتا کیا چاہ رہے ہو.....؟“ وہ گڑبڑا کر مدہ گیا۔

”بابا جب ہم سے جدا ہوئے تھے اس وقت جو تکلیف، جو رنگ ان کی آنکھوں میں، ان کے چہرے پر، ان کے وجود پر پھیلا ہوا تھا اس تکلیف کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس اداسی و دھشت کا رنگ میری ذہنت کا رنگ بن گیا ہے۔ ان آنکھوں کی گرفت سے میں آج تک نہیں نکل پایا ہوں اور شاید کبھی نکل بھی نہ پاؤں گا۔“ ایک طویل عرصے کے بعد وہ اپنے دل کی بات کر رہا تھا۔ اپنے باپ کی بات کر رہا تھا، مگر نہ وہ ایسی گفتگو سے اجتناب کرتا تھا کہ یہ گفتگو اس کے رستے زخموں کو مزید کھریڈے یا جلی تھی۔

”اور..... پرنس اتم نے بابا کا ذکر کیا؟ تمہیں بابا یاد ہیں؟“

”کیسی بات کر رہے ہیں بھائی آپ..... باپ بھی کوئی بھولنے والی شخصیت ہوتے ہیں۔ اس وقت شہلی ہمارے بابا جیسے باپ۔“ اس کی سرخی مائل آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔ سنجیدہ چہرے پر یا سیت پھیل گئی تھی۔

”یاد انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھول جاتے ہیں، بابا کو میں کبھی نہیں بھولا، نہ کبھی بھول سکوں گا۔“ اس نے تیزی سے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑی تھیں۔ کونین نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا، چٹشانی چوم کر۔

”بابا کی نامرادی و نارسانی کا ہلکا سا رنگ کچھ لمحوں قبل میں نے آپ کی آنکھوں میں بھی اُبھرتے دیکھا تھا۔ اس کی وجہ کون ہے یہ

میں نہیں جانتا کیوں ہے یہ سمجھ سکتا ہوں، آپ کی آنکھوں میں یہ رنگ پھر بھی مجھے دوبارہ نظر نہ آئے، اس لیے ماما کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے وہ اطمینان سے گویا ہوا اور کونین ہنس پڑا۔

”غضب کے نظریاز ہو پھر بھی نازنینوں کو شکایت ہے تمہاری کم لگائی کی۔۔۔ اپنی دے ماما کے ساتھ میں ہی جاؤں گا۔“
 ”ماما کسی بزنس کے چکر میں نہیں جا رہی ہیں۔ وہ صرف ہنزہ کی شادی کے فنکشن سے لا تعلق رہنے کی وجہ سے جا رہی ہیں، مجھے یقین ہے۔“

”میں ماما کو کچھ دینے نہیں چاہتا۔ مجھے جانے دو وہاں سے میں رابطے میں رہوں گا۔ تم ہر فنکشن میں شرکت کرو اور کوشش کرنا کہ انہیں میری اور بابا کی محسوس نہ ہو۔“ کونین نے شانہ چھپاتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

خورین ان چاروں سے خفا تھی۔

وہ اس کے منع کرنے کے باوجود ڈانٹوں سے معذرت کرنے لگی تھیں اور حیرت انگیز بات تھی کہ وہ جواب میں کوئی بڑا کھیلا جملہ کہنے کے بجائے خاموش رہا تھا، البتہ اس کے ساتھیوں سے ان کی خاصی کپ شپ رہی تھی۔ یہ سب موٹی نے اسے بتایا تھا، اب بھی وہ ان سے آگے آگے چل رہی تھی۔ سارا دن اس نے انہیں لفٹ نہیں کرائی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم پارکنگ لائٹ سے گزر رہی تھی، تب ہی اچانک کسی کار کا دروازہ بند ہوا تھا اور اس کا دوپٹہ بھی کھینچا تھا۔ اس نے گھبرا کر دوپٹے کی طرف دیکھا جو آف وائٹ ڈرائیونگ ڈور کے نیچے دبا ہوا تھا اور وہ شخص دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔

”اے مسٹر.....! مسٹر۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی پیچھے سے چبھتی تھی۔“

چونک کر پیچھے دیکھنے والا ڈانٹوں تھا۔ واسٹ شلوار، سرخ قمیص پر سرخ و پیپڈ پریٹنڈ دوپٹے کو ایک ہاتھ سے سنبھالے شرمندگی و خضوع جس کے چہرے سے سرخ تھا، وہ سخت براہمی سے اسے گھور رہی تھی۔ دوپٹے کا پلو ڈور میں پھنسا دیکر وہ تیزی سے پلٹا تھا۔

جیب سے چابی نکال کر اس نے بنا کچھ کہے ڈور کھولا تھا۔ دوپٹہ اندر لاک میں پھنس گیا تھا۔ اس نے اس طرح منہ ہٹا کر دوپٹہ کا وہ پلو تھا جیسے نہ معلوم کسی ناپسندیدہ دنا قابل برداشت چیز کو ہاتھ لگانا پڑ رہا ہو۔ دوپٹہ بڑی طرح پھنسا ہوا تھا جس کو اس نے قفل سے نکالنے کے بجائے جھنجھلاہٹ میں کھینچا تھا اور دوسرے لمحے چر کی آواز کے ساتھ وہ حصہ وہیں پھنسا رہ گیا تھا، ایک جھکے سے دوپٹہ اس نے باہر پھینکا تھا۔
 ”آہ! آپ نے میرا دوپٹہ پھاڑ دیا؟“ خورین پھرتی سے دوپٹہ درست کرتی ہوئی احتجاجاً بولی۔

”دوپٹے کی پاکیزگی و نقل و حرکت سے واقفیت نہیں رکھتیں تو کیوں یہ فارمیٹی نیما رہی ہیں، جھوڑ دیں، کیوں اسے ری کی طرح لٹکا رکھا ہے؟“

”مسٹر! آپ کی ٹاکہ کز دگلتی ہے۔ میرے سات میٹر کے دوپٹے کو ری کہہ رہے ہیں، آپ نے پہلے آنکھیں بند کر کے دروازہ بند

کیا پھر میرا دل پہ پھاڑ دیا اب پھر دے رہے ہیں۔۔۔ جواب داد چیخ کر بولی۔

اس وقت پارکنگ ایریا میں کوئی نہیں تھا، صرف اس کے پیچھے آئی ہوئی زدیا اور مول تھیں جو حیدر سے بات کر رہی تھی مگر ان کی نگاہیں اس طرف نہیں اٹھی تھیں۔

”پہلے آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیے، بشرطیکہ وہ موجود ہو۔“ یہ کہہ کر وہ اطمینان سے آگے بڑھ گیا تھا اس کے لیوں پر دل آویز فاطمہ جی مسکراہٹ تھی۔ حورین خاموش نہیں ہوئی تھی مگر وہ جاچکا تھا۔ حیدر سے باتیں کر کے وہ دونوں آئیں تو اسے پشما ہوا دل پہ ہاتھ میں لے کر غصے سے بڑبڑاتے دیکھ کر حیرت سے ہو گئیں۔

”اورے یہ کیسے پشما.....؟ کتنا خوب صورت دل پہ خراب ہو گیا۔“ زدیا نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

”شاید میری نظر لگ گئی، مگر یہ پشما کیسے؟“ مول نے کہا۔

”تمہارے اسی چہیتے راجہ اندر نے پھاڑا ہے، داد پر سے کہتا ہے میرے پاس دماغ نہیں ہے۔“ بکے پھٹکے انداز میں بات کرتے اس نے دانت پیچے ہوئے کہا۔

”راجہ اندر..... لا حول و لا قوۃ۔ تم نے اسے خطاب بھی دیا تو کیسے گھٹیا انسان کا جو مقدس رشتے پامال کرتا تھا، اگر نام ہی دیتا تھا تو یوسف ثانی، شہزادہ گلنام، دوش و غیرہ کا دے سکتی تھیں۔

”اورے چھوڑ ڈھٹیل سے ہوا یہ، مگر چلو باہر ڈرائیو رانٹلار کر رہا ہو گا۔“ مول نے بات دفع دفع کرنے کی سعی کی۔ حورین نے غلگی بھری نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

کرن اور ناریہ شاہنگ کر کے آ رہی تھیں، جب کار کنٹریل بند ہونے پر ایک مصروف سڑک پر زک مٹی تھی۔ وہ دونوں شاہنگ پر بڑے زور و شور سے سہرہ کر رہی تھیں، مٹا کرن کی نگاہ کچھ فاصلے پر زکی ایک کار کی بیک سیٹ پر پڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتی رہی مٹی۔ لفظ اس کے گٹے میں گھٹ گئے۔ زبان اکڑ کر رہ گئی۔

تیس برس بعد ان کو دیکھ رہی تھی جن کو دیکھنے کی چاد دل نے تازیست نہ کی تھی۔ وہ بالکل ویسے ہی تھے گریس فل و صحت مند، چاق و چوبند، اتنے طویل عرصے نے بھی ان کی صحت پر کوئی اثر نہ ڈالا تھا۔ شاید دولت نے نہ انہیں بوڑھا ہونے دیا تھا نہ کمزور۔ دو آج بھی تیس سال پہلے جیسے تھے۔ ان کے برابر میں ایک ماڈرن سی عورت چلتی تھی، اس کے چہرے سے اعتماد و عظمت کا ہر ہونٹ تھی۔

یہ سب ایک نظر میں اس نے دیکھا تھا اور جھٹ سائیڈ میں دکھا، سالہا کھا کر اپنے چہرے کے آگے کر لیا کہ چہرہ چمپ کر رہ گیا۔

”کیا ہوا کرن! تم کا نپ کیوں رہی ہو.....؟“ ناریہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

”سا..... سامنے..... دیکھو.....“ وہ میگزین چہرے سے ہٹائے بنا ہو گئیں۔

”اوہ..... اچھا! مگر تم ڈر کیوں رہی ہو؟ وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہیں۔“ فاریہ ذرا نیور کے خیال سے دھجے سے پولیس۔

”تم نہیں جانتی، یہ کس قدر خطرناک ہیں۔ پلیز شو فر سے کہہ دو کار دوسرے راستے سے لے کر چلنا۔“ خوف و وحشت سے ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ فاریہ نے ڈرائیور کو ہدایت دی کہ کار بلیو ایریا سے لگا لے اور اسی لئے مستقل کھل جانے کے باعث ٹریفک روتاں و دیاں ہو گئی تھی۔ شوکی قسمت کہ برہان لٹاری کی کار کاروٹ بھی وہی تھا جو ان کی گاڑی کا تھا۔ کرن کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ جا کر ان کی گاڑی دوسری طرف مڑی تو ان کی جان میں جان آئی اور وہ پھر بھی احتیاط سے کئی راستے بدل کر گھر پہنچے تھے۔ فاریہ بے دم ہوتی کرن کو سہارا دے کر اس کے بیدار دم تک لائی اور بیڈ پر لیٹنے میں مدد دی تھی۔

”کرن! کرن! سنبھالو خود کو، اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے؟“ وہ ملازمہ کو کولڈ ڈرنک لانے کا کہہ کر کرن کے قریب بیٹھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں پولیس۔ کرن نے زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا۔

”وہ آگئے، پلیس ڈھونڈتے ہوئے یہاں آ پہنچے۔ بہت بُرا دوا، یہ بہت بُرا ہوا، مجھے ڈر تھا، یہی ڈر تھا۔“ وہ بُری طرح خوف زدہ تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہوا، یہ محض اتفاق ہے، انہوں نے ہماری طرف دیکھا نہیں ہے۔“

”یہ اتفاق نہیں ہے بھابی! میرا دل کہتا ہے یہ اتفاق نہیں ہے۔“

ملازمہ کو کولڈ ڈرنک سے لے آئی تھی، فاریہ اپنے ہاتھوں سے گھونٹ گھونٹ پلا رہی تھی۔

”یہ بہت پرانی آگ تھی جو اب راکھ بن چکی ہے، تم لگرمٹ کرو۔“

”آگ راکھ میں تبدیل ہو جائے مگر راکھ میں چنگاریاں دہلی رہتی ہیں جو وقت آنے پر پھر سے شعلے بن جاتی ہیں، پھر سب کچھ جلا کر بھسم کر ڈالتی ہیں۔“

”اب کچھ بھی بھسم نہیں ہوگا جو ہونا تھا وہ ہو گیا، خود کو رینکس رکھو۔ آج رات کی کلاٹ سے انس بھائی آرہے ہیں، اس طرح ان کا استقبال کرو گی۔“ فاریہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے شوکی سے پولیس۔

”یہ رشتے بھی کتنا کمزور اور بزدل بنا دیتے ہیں۔ وقت بھی کیسے کیسے مذاق کرتا ہے۔ انسان سے کیسی اُن ہونی پہلیاں بھجوانا ہے۔ ایک وقت ایسا تھا جب میں تنگ وقتی دور کرنے کی غرض سے اسکول میں پڑھایا کرتی تھی۔ وہ وقت مجھے اپنی زندگی کا حسین دور لگتا تھا۔“ وہ ماضی کے اسرار میں کھو گئی تھی۔

”اسکول کا وقت ختم ہوتا تو میرا دل بڑا گھبراتا تھا۔ واپسی پر گھر جانے کے خیال سے میں ہر روز سب سے آخر میں نکلتی تھی۔ میری دوست بہت ناراض ہوتی کہ مجھے اسکول سے اتنا خشق ہے تو وہیں پڑی رہا کروں۔ آہ..... گزر گیا وہ وقت جو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ کبھی نہیں گزرے گا اور آج میں اس خوف میں مبتلا ہوں کہ کہیں میرا گھر مجھ سے چھوٹ نہ جائے۔ میرے اپنے نہ مجھ سے بچھڑ جائیں۔ کل گھر سے بھاگنے والی لڑکی آج گھر کو جانے سے ڈرتی ہے۔ کل تک جس کو کسی کی پروا نہ تھی، آج وہ سب کی فکر میں گھلتی جا رہی ہے، کیا تضاد ہے نا یہ

وقت کا۔ وہ گہری سانس لیتی ہوئی گویا ہوئی تو فاریہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”یہی زندگی ہے۔ ایسے تجربات کی، بھی میں حل کرکندن بنا جاتا ہے۔“

”برہان لغاری یہاں کیا کر رہے ہیں اور وہ عورت کون تھی جو ان کے ساتھ بیٹھی تھی؟ دو منال تو ہرگز نہ تھی۔“ ان کی ذہنی رد پھر بے بسی تھی۔

”برہان لغاری کوئی غریب آدمی تو نہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر نہیں جاسکتے، بلکہ وہ پوری دنیا میں اس طرح گھومتے ہیں جس طرح کوئی عام آدمی شہر کے علاقوں میں گھومتا ہے۔ دو کہیں بھی جاسکتے ہیں، اب تم اپنے خوف پر قابو پانے کی سعی کرو۔ ہم دونوں جتنے کل کو بچوں کی موجودگی میں ایسی ہی جوائنٹن ہوئی تو کس طرح بچوں کو سمجھائیں گے..... یہ سوچا ہے؟“

”میں بہت کوشش کرتی ہوں مگر ان کے میں نے ایسے ایسے روپ دیکھے ہیں کہ میں خود پر قابو نہیں کر سکتی۔“ ان کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

☆.....☆.....☆

دل میں پیدا کرو پہلے میری ہی جراثیم

اور پھر دیکھو کہ تم کو کیا بنا سکتا ہوں میں

میں بہت سرکش ہوں لیکن اک تمہارے واسطے

دل بچھا سکتا ہوں میں، آنکھیں بچھا سکتا ہوں میں

ہنزدہ کی شادی کی تقریبات عروج پر تھیں۔ ”مدا ہاؤس“ دل کش روشنیوں سے جھلکار رہا تھا۔ مہمانوں کی کثیر تعداد اندرون و بیرون ملک سے شرکت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ مایوں، مہندی کی رسمیں، پچھلے عین دنوں سے جاری تھیں۔ آج شادی کا دن تھا۔ ایک افراتفری سی ہر سمت نظر آرہی تھی۔

ذوالنون نے ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا کہ جزوہ اور کوئین کی کی محسوس نہ ہو مگر وہ دیکھ رہا تھا، صدا نکل اور داد کی آنکھیں ہر تقریب میں بیگم رہی تھیں۔ کئی اہم موقعوں پر صنوبر آئی کی آنکھیں اسے دیکھتی تھیں اور ہنزدہ، منزل اور خضر تو کوئین کو بہت یاد کرتے رہے تھے۔

”ذوالنون! یہاں سب سے الگ تھلک کھڑے کیا سوچ رہے ہو، کوئی مسئلہ ہے؟“ خضر نے اس کے پاس ٹیبل پر چلی آئی۔

”نہیں۔ اندر بہت شور ہو رہا تھا۔“ خضر نے دو واحد لڑکی تھی جس سے وہ احترام سے بات کرتا تھا، بے حد عزت بھی کرتا تھا۔

”ہوں، ایسے موقعوں پر ہی لڑکیوں کو گانے کے مواقع ملتے ہیں۔“

”گانے کے نہیں، لوگوں کے کان خراب کرنے کے۔“ اس کی بات پر وہ مسکرا دی تھی۔

”اگر ایسے جولی لوگ نہ ہوں تو پارٹیز جان واد نہ رہیں۔“

"اگر ایسے ہی لوگ ہونے لگے تو جان ہی نہ رہے گی۔" وہ منہ ہٹا کر بولا اور خضریٰ بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

"تم نہیں سدھرتا۔ کمرے میں آ جاؤ، میں نے چائے بنا رکھی ہے۔" وہ اس کے ساتھ کمرے میں آ گیا جہاں عریہ خضر سے ضد کر رہی تھی کہ وہ اسے میچنگ کی چوڑیاں دلوالائے جو ابھی نکالتے میں ٹوٹ چکی ہیں مگر وہ لے جانے کو راضی نہ تھا۔

"آپنی اویٹیکس نہ خضر مجھے....." پیچھے سے آتے ذوالنون کو دیکھ کر وہ کھڑکی کی کھڑکی رہی گئی۔ وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو گئیں؟ ایک گھنٹے سے میرا دماغ کھا رہی ہو۔" وہ ذوالنون کی طرف دیکھتا ہوا شرارت سے بولا۔

"کیا مسئلہ ہے؟ بیٹھ جاؤ۔" وہ عریہ سے مخاطب ہوا جو اس کے کہنے پر اس پھرتی سے بیٹھی تھی کہ چیئر سے گرے گرتے ہی تھی۔

"وہ..... میرا..... سینڈل..... ٹوٹ..... گیا..... تو....."

"جین۔ یہ ذوالنون بھائی کو دیکھ کر چوڑیاں سینڈل کیسے بن گئیں؟"

"پریشان مت کرو اسے۔" خضریٰ نے ڈانٹا۔

"جو اسے لینا ہے، شاٹنگ کروالادو۔"

"لیکن..... گاڑی کوئی بھی نہیں ہے۔"

"میری گاڑی لے جاؤ۔"

"تو آپ خود ہی لے جائیں، آپ کو بھی تجربہ ہو جائے شاٹنگ کا۔"

"نہیں..... نہیں، میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ جانے سے بہتر ہے میں نیچے پاؤں بارات کے ساتھ چلی جاؤں، چنگیز خان نا

ہوں تو۔"

"لو اس سے اچھی بات کیا ہوگی، ایک گھنٹے سے میں تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔" خضر خوش ہو کر بولا۔

"کہو اس مت کرو، نے کر جاؤ اسے۔" ذوالنون نے چابی اس کی جانب اچھالتے ہوئے کہا تو عریہ حیرت سے بے ہوش ہوتے

ہو رہے تھی۔

"میرے پیچھے پیچھے آؤ ورنہ....." وہ عریہ کو دارنگ دیتا ہوا چلا گیا۔ پیچھے عریہ بھی نکل گئی تھی۔ ملازمہ چائے انہیں پیش کر چکی

تھی۔ ساتھ ہنزہ بھی آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"شادی کرنا بھی کتنا بڑا جہال ہے۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے۔" وہ چائے کے گھونٹ لیتے اُستائے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"ابھی تو ابتداء عشق ہے رہتا ہے کیا

آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا"

ذوالنون نے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

”وادیا راتم تو چھپے رستم لکھے۔ لا جواب کرو یا تم نے مجھے۔ کونین کی واپسی کب تک ہوگی؟ یہ معلوم ہے یا نہیں؟“
 ”وہ جلد آ جائیں گے۔“ وہ کپ نیل پر رکھتا ہوا بولا۔

”میں داد کو دیکھتی ہوں۔“ خضرئی اٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”میرے خیال میں کچھ وقت آپ بھی داد کے پاس گزار لیں، ان سے دعائیں لیں تاکہ جناب آپ کے لیے خوش حال بن جائے۔“ وہ بیویں ساتھ ہی کمرے سے لکھے تھے۔ لاؤنج میں مگھتے ہی وہاں موجود گانے گاتی لڑکیوں نے ہنزدہ کو گھیر لیا تھا۔ وہ خاموشی سے لاؤنج سے باہر نکل آیا تھا۔ پیچھے سے اس نے خضرئی آواز سنی جو بھاگتا ہوا اس کی طرف ہی آ رہا تھا۔

”ہرا! وہ مارا..... پکڑی میں نے آپ کی چوری۔“ وہ بڑے جوش و خروش سے قریب آ کر اس سے مخاطب ہوا تھا۔
 ”چوری؟“ وہ متعجب ہوا تھا۔

”تمہاری چوری۔“

”کیسی چوری؟“

”جیسی چوری ہوتی ہے۔“ وہ اس کی حالت سے مکتوظ ہو رہا تھا۔

”دیکھو سید سے سید سے بات کرو۔“

”میں سید ہی بات کر رہا ہوں۔“

”کیا ہوا؟ تم عربہ کو شاپنگ کروانے لے کر جا رہے تھے پھر کیا ہوا جو بکواس کرتے ہوئے آئے ہو۔“

”عربہ کو کمانے نہیں جانے دیا کہ اس کے پاس پہلے سے ہی ہر چیز ڈسٹ ہے، اسے کریز ہے شاپنگ کا، وہ منہ بنا کر چلی گئی۔“
 ”اوکے..... لاؤ چابی دو۔“

”اچھا..... مجھے باتوں میں لگا کر بیٹھے ہیں؟“

”خضر! بہت ہو گیا ہے میری برداشت کو مت آزماؤ۔“

”پہلے میں سب کو بتاؤں گا پھر آپ کو۔“

”اچھا..... ادھر آؤ میرے قریب۔“ وہ ہونٹ بھیج کر بولا۔

”نہیں..... ایسی باتیں دور دور سے ہی اچھی لگتی ہیں۔“ وہ اس کا ارادہ بھانپ کر کئی قدم پیچھے ہٹے ہوئے کہنے لگا۔

”یار بتاؤ تو سہی کیا مطلب ہے تمہاری بات کا؟“ وہ زچ ہو کر بولا تو خضر کے اعزاز نے اس کی چھٹی جس کو چرکنا کر دیا تھا۔

”آپ کی فرینڈ شپ کسی لڑکی سے نہیں ہے؟“

”لڑکی سے.....؟ پاگل ہو گئے ہو تم؟“

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" اس کا انداز چلانے والا تھا۔

"مجھے تمہاری بکواس سے کوئی سروکار نہیں ہے، میں جا رہا ہوں۔ مجھ سے بکواس کرنے کی کوشش مت کرنا۔" وہ غصے سے کہتا ہوا

چلتا تھا۔

"اچھا..... تو پھر یہ کیا ہے.....؟" خضر کا انداز ڈرامائی تھی۔ ذوالنون بے ساختہ چلتا تھا اور پھر اس کی آنکھوں میں برہمی کی جگہ

تعب و حیرانگی نے لے لی تھی۔

خضر کے ہاتھ میں سرخ و سپید کپڑے کا ٹیس تھا۔ اس کی نگاہوں میں کل والا مضر محسوس کیا جب وہ جامد سے واپسی پر موبائل بولنے کے باعث کار سے جلدی میں لگا تھا اور دیکھ نہ سکا تھا کہ کوئی دوپٹہ ہوا کے جھونکے سے اڑ کر ڈرائیونگ ڈور میں پھنس گیا ہے۔ اس نے جلدی میں دوپٹے کو کھینچ کر نکالا تھا اور پھر یہ بھی دیکھنا گوارا نہ کیا تھا کہ وہ جانے والا وہ دوپٹے کا ٹیس کہاں گرا ہے جواب خضر کے ہاتھ لگ گیا تھا اور خضر کب سے کسی ایسے ثبوت کی تلاش میں سرگردان تھا۔



"مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں سے آیا اور کیسے؟" اس نے شانے اچکاتے ہوئے بالکل لاپرواہی و لاعلمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت

اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے کہ خضر جیسا کائیاں و ڈھیت بندہ بھی مغز بڑا کر رہ گیا۔ اس کا تمام جوش و اشتیاق جھاگ کی مانند بجھ گیا۔

"برائی..... آپ نہیں جانتے اس میں کس کے متعلق؟"

"میرے خیال میں تم اس کو اسٹپ پیپر پر تحریر کروالو اور یقین آنے تک پڑھتے رہنا۔" وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

"کیا..... کیا تحریر کرواؤں؟" خضر ہونٹ بن گیا تھا۔

"مجھی کہ میں اس میں کس کے بارے میں نہیں جانتا۔" ذوالنون اس کی بوکھلاہٹ سے غفلت طور پر ہاتھ

"اوکے..... لیکن..... مجھے یقین نہیں آیا۔"

"کیوں.....؟" اس کی نگاہیں بار بار اس مکرے پر اٹھ رہی تھیں۔

"یہ آپ کی کار کی فرنٹ سیٹ کے نیچے دبا ہوا تھا اور آپ کہتے ہیں۔"

"اوو..... کم آن خضر! مٹی ڈالو اس پر، تیاری کرنی ہے یا نہیں..... اکل مقررہ ٹائم پر ہارات۔ لے کر جائیں گے۔ کون تیار ہے،

کون نہیں، وہ پرواہ نہیں کریں گے۔"

"ہاں..... ہاں بالکل درست بات کی ہے آپ نے۔ ایک تو ڈیڑی انتظار نہیں کریں گے، دوسرے بے عزتی انگ ہوگی، اگر

وقت پر تیار نہ ہوئے تو۔" وہ ایک دم ہی چمک کر کہتا ہوا اندر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

"یہ تو دے کر جاؤ....." ذوالنون نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو دے کر جاؤں.....؟" وہ ٹٹک کر رہ گیا۔

"ہاں..... نہیں..... میرا مطلب ہے پھینک دو اس کو۔"

"کیوں پھینک دوں؟ اس کی آنکھوں میں بھیجی جوت پھر جٹنے لگی۔

"کتنا حسین ہے یہ بھوس، کسی دل نہا کے دل کی طرح، سوچ رہا ہوں وہ خود کس قدر خوب صورت ہوگی؟ جس کا وہ پہناتا حسین و

دل کش ہے۔"

"بھانڈ میں جاؤ، میرا ہی دماغ خراب ہو گیا تھا جو تم سے بکواس کی۔" وہ غصے میں اندر چلا گیا تھا، خضر کی معنی خیز مسکراہٹ نے

اسے خوب تپا ڈالا تھا۔ خضر اس کے پیچھے اندر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

تم سے اُلفت کے تقاضے نہ نبھائے جاتے

دور نہ ہم کو لگی سنا تجھی کہ چاہے جاتے

تم سے اُلفت کے تقاضے نہ نبھائے جاتے

"دلیر ہریرہ! مجھے ڈسٹرب مت کرو۔" حورین نے ہریرہ کو دیکھتے ہوئے بخیرگی سے کہا، جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"تم ڈسٹرب ہوتی ہو.....؟ نئی خبر ہے۔"

"میں انسان نہیں ہوں کیا؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"نہیں۔"

"کیا۔؟"

"مم..... میرا مطلب ہے تم مجھے پری لگتی ہو، پری۔" ہریرہ نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بے ساختہ ہنس کر انے لگی۔

"جسبیں معطوم ہے پری کے؟" ان کو "کیا کہا جاتا ہے؟"

"دیو۔" اندر آتے شریو ٹولے میں سے ایک نے فقرہ چست کیا۔

"ہو گئے تم خود دیو ہلکے..... دیوؤں کے دیو مہادیو۔" ہریرہ جل بھن کر یولا۔ وہ جھٹے ہوئے کارپٹ پر بیٹھ گئے تھے، جہاں ہریرہ

فلور کشن کے سہارے نیم دراز ہوا تھا۔ حورین صوفے پر بیٹھی تھی۔

"یہ ٹیکنیکل دور ہے۔ لوگ چاند سے آگے پہنچ گئے ہیں اور ہم ابھی تک پریوں اور دیوؤں کے چکر میں گم ہیں۔" دامن نے

احساس دلانے کی سعی کی۔

"ٹیکنیکل دور میں دیو بھلے تاہید ہو گئے ہوں مگر پریاں تو بھائی تا قیامت رہیں گی۔" سعود نے نہ لائقین۔ لہجہ میں کہا۔

"جب دیوانہس ہوں گے تو پھر پریوں کا کیا کام؟" سفیان بولا۔

"بھئی پریاں ہمارے لیے ہیں، دیوؤں کے لیے تھوڑی ہیں۔" ہریہ حور کی طرف دیکھ کر بولا اور سب کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

"توبہ..... توبہ اس دور کے نوجوان.....؟ اللہ کی پناہ! مرے جا رہے ہیں شادی کے لیے۔ لڑکیوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کرتے

ہی چہروں پر پھنکار برس رہی ہے۔ صورت نہ شکل، بھارے نکل۔" وحی نے بی بی جان کے اعزاز میں کہا اور ان تہمتوں میں حورین اور ایرج کی ہنسی بھی شامل تھی۔

"دورست کہتی ہیں بی بی جان، آپ لوگوں کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" ایرج متنبہ لہجے میں بولی۔

"سسر! تم کیوں منہ لٹکا کے بیٹھی ہوئی ہو، امی پر اہلم؟" واصف نے حورین کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو دوسرے بھی

اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

"کچھلے دو تین دن سے بہت اُداس و تہمتا لگ رہی ہیں۔"

"مئی بیچا بہت یاد آ رہے ہیں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"مجھے بھی یاد آ رہے ہیں۔" ایرج اس کے قریب ہوتے ہوئے اُداسی سے بولی۔

"یہاں کوئی پریشانی ہے؟ کسی نے کچھ کہا تو ہمیں ہے؟" حساس طبیعت کے مالک واصف نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے

بہم روی سے پوچھا۔

"ارے نہیں..... یہاں تو سب اتنے اچھے، امنے کیمرنگ ہیں کہ گمان ہی نہیں ہوتا کہ ہم گھر سے دور ہیں، بس انسان ازل سے

محبیوں کا طلب کار اور چاہتوں کا مٹلاشی ہے۔ محبت و چاہت کتنی ہی مل جائے، ہمیشہ تنگی و امن کا شکار احساس رہتا ہے۔" حورین نے مسکرا

کر وضاحت کی تھی۔

"ہوں..... تو یوں کہیں ناب می بیچا سے باز اُٹھوانے خرے دکھانے کو دل چل رہا ہے۔" سفیان مسکرا کر گویا ہوا۔

"ویسے بات تو دورست ہے، آپ کو کتنی بھی محبتیں مل جائیں مگر والدین سے ملنے والی محبت و توجہ کا احساس ہی الگ ہوتا ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟" وحی سرمد سے حیرانگی سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں..... یہ تم کس خوشی میں اتنے حیران ہو رہے ہو؟"

"خوشی میں نہیں دکھ میں....."

"کس دکھ میں.....؟"

"کل تم اپنی "سکلی" سے کہہ رہے تھے، پھر تمہیں اس سے اتنی محبت ہے جنسی دنیا میں کوئی کسی سے کر نہیں سکتا اور اب کہہ رہے ہو،

دنیا کی سب سے بہترین محبت وہ ہے جو آپ کے والدین آپ سے کرتے ہیں۔"

”اس میں کیا کیا ہے؟ یہ تو اپنی ہر سبکی سے یہی کہتا ہے۔“

”یہاں کوئی خفیہ بات چیت نہیں ہو رہی ہے۔“ سرد شپنا کر بولا۔

”بہت جھوٹے ہو یا رتم، کچھ تو لیٹا کر دو۔“

”دیکھو دسی! بہت ہو گیا۔“ ان دونوں کو ایک دیکھ کر وہ ہنرک اٹھا۔

”یہی تو تمہیں کہہ رہے ہیں، بہت ہو گیا ہے۔ لڑکیوں سے جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔“ وہ دونوں سرد کو گھیرنے میں کامیاب ہو گئے

تھے۔ ہر یہ مسکراہٹ منبٹ کیے سرد کے غصے سے چھوٹے پھٹکتے تھفنے دیکھ رہا تھا۔

”مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو، خود تم سب سے بڑے جھوٹے ہو۔“

”تمہ سے تو چھوٹے ہیں بھائی۔“ دسی باز آنے والا نہیں تھا۔

”کل سو بائیں پرٹو کیا کہہ رہا تھا اپنے دوست سے۔۔۔؟“

”کیا کہہ رہا تھا؟“ وصل سنبھل کر بیٹھا۔

”شادور کھول کر داش روم کے دروازے کے پاس کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے، یار میں کراچی میں نہیں سوات میں ہوں، یہاں بڑی

طوفانی بادش ہو رہی ہے۔ بادش بند ہوتے ہی میں پہلی فلائٹ سے آ جاؤں گا۔“ وہ دسی کو گھور کر بولا۔

”یہ سفیان صاحب! انہوں نے داش روم کا نیا نام ایجاد کیا ہے، ایئر پورٹ۔“

”ایئر پورٹ۔۔۔۔؟“ حورین اور ارجح سخت متعجب ہو گئیں۔

”جب بھی کوئی ایئر مینسی کال آتی ہے ان کے پاس تو فوراً کہہ دے گا سرد اسوری میں ایئر پورٹ پر بیٹھا ہوں۔“ سرد کا انداز ایسا

تھا کہ ان کے ساتھ دو دونوں بھی نہیں پڑے تھے۔

”ہم تو مذاق کر رہے تھے، تم سنجیدہ ہو گئے یار۔“ وہ اسے مٹانے میں لگ گئے جو ناراض تھا، اسی اثنا میں بی بی جان اندر آئی تھیں۔

وہ الٹ ہو گئے۔

”بی بی جان! آج کل یہ کاپی آپ کے ہاتھ میں بہت نظر آنے لگی ہے۔“ واصف نے بہت مہذب انداز میں ان کے ہاتھ میں پکڑی

کاپی اور چین کی طرف اشارہ کیا۔ سیدہ مخصوص کاپی تھی جس میں خاندان اور باہر کی تقریبات میں دیئے گئے تحائف و رقوم کا اندراج ہوتا تھا۔

”تقریبات بھی بن بلائے مہمانوں کی طرح نازل ہونے لگی ہیں۔ پہلے سال میں چند تقریبات ہوتی تھیں، سب دور نزدیک

کے کل بیٹھتے تھے، پرانی یادیں تازہ کرتے تھے، من بڑا شانہ ہوتا تھا مگر اب تو سال گزر جاتا ہے اور کام ختم نہیں ہوتے ہیں، اب تقریبات

میں وہ لطف نہیں رہا، کام ایسے ہوتے ہیں جیسے بوجھ سے جان چھڑائی جا رہی ہو، پھر نیتوں میں کھٹ آ گیا ہے، دعوت ایک اور تقریبات کئی

ہوتی ہیں۔“ بی بی جان کا پسندیدہ موضوع چھیڑا گیا تھا جس پر وہ گھنٹوں سیر حاصل مگھکو کر سکتی تھیں۔

"جیسے بچھلے ہفتے میں مگی تھی، ابھی صاحب کے بیٹے کے ویسے میں، وہاں کئی کام ایک ساتھ تھے۔ بیٹے کا ولیم، بیٹی کی رخصتی، پوتوں کے عقیقے اور پوتوں کی بسم اللہ شریف۔ لوگوں کی ذہنیت میں یہی فتور آ گیا ہے، ویسے والے کی پوری ٹاٹ پٹ جاتی ہے۔ تقریبات نہ ہوتیں کاروبار بن گئیں۔" دو سانس درست کر کے قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"اس ملک کی مہنگائی کا تو پوچھو نہیں، پاکستان تو کوئی چاند پر بھی نہ جاسکا مگر یہاں کی مہنگائی چاند کو بھی پیچھے چھوڑ کر ساتویں آسمان کو چھو رہی ہے۔" دوکس کر کہہ رہی تھیں۔

"بی بی جان! ہماری عورتوں کا پسندیدہ و موسوم ہے مہنگائی، کیا وجہ ہے آخر میں نے بھی مردوں کو اس فکر میں ہلکان ہوتے نہیں دیکھا.....؟" سفیان جو آج کل بی بی جان کو اسی گٹھ جوڑ میں مصروف دیکھ رہا تھا، کبر تو بڑے مزے سے گیا مگر جواباً کئی لحوں تک ان کی کڑی نگاہوں کے زیر اثر دکر اسے احساس ہوا، بے دھیانی میں وہ کیا لفظی کر بیٹھا ہے؟

"سنو میاں! مرد تو صرف ایک کام میں الجھتا ہے اور لاکر ہمدردی مگی رقم عورت کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے۔ مانو بڑا کارنامہ انجام دے دیا ہو، وہ اپنی ذمے داری سے آزاد ہو جاتا ہے، اب کم بختی آتی ہے عورت کی، بلز، بچوں کی پرہیزی کے اخراجات، گھر کا بجٹ، چھوٹی موٹی خریداری اور یہ جو نیا فیشن نکلتا ہے، ایک کام میں چار کرنے کا پھر یہ جو تم لوگوں کی آئے دن کی پارٹیاں ہیں، ایسے تمام کام عورتوں کی سمجھ داری و کفایت شعاری سے ہوتے ہیں، ہر ضرورت کے لیے تم ماں کو پکارتے ہو یا باپ کو، ایک دفعہ کے بعد دوسری مرتبہ باپ سے جیب خرچ کیوں نہیں مانگتے؟ معلوم ہے ناں لات لگے گی، ماؤں کو مسکا لگا کر دس ہار لیتے ہو، ایسے اور دوسرے مسائل ہوتے ہیں جن کی تمام تر ذمے داریاں فقط عورت ہی نبھاتی ہے۔ مردوں کو تھوڑی معلوم ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو ایک دن گھر میں گوشت پکا بوانہ ملے تو ہا ہر کھا کر آتے ہو۔" حسب عادت وہ لہجہ سرد سے بیٹھی تھیں۔

"بی بی جان! ہمارے ہاں ایسے مسئلے نہیں ہوتے ہوں گے، کیونکہ ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ بڑے پیا اور پیا کا شمار چند ٹاپ کے بزنس میٹروں میں ہوتا ہے۔" وہی نے کہا۔

"وہی بات آگئی نا، بڑے لوگوں کے خرچے بھی بڑے ہوتے ہیں اور پھر بیٹا ہر گھرانے میں خواہ کسی بھی طبقے کا ہو میانہ روی و توازن رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ دولت ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے خوب لٹاؤ، پھر کنگال ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

"آپ تو آج شادی میں جانے کی کہہ رہی تھیں۔" امیرج نے پوچھا۔

"ہاں..... میں تو بھول ہی گئی، تم لوگوں کی باتوں میں۔ یہی معلوم کرنے آئی تھی کہ آج میرے ساتھ کون چلے گا؟" وہ عینک درست کرتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"شادی میں....." امیرج اور حورین کے علاوہ وہ سب چونک کر گویا ہوئے تھے۔

"ہم سب..... ایک دوست کے..... ہاں..... مدعو ہیں۔" وہی نے گھبرا کر کہا۔

”دوست..... رشتے داروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں؟“

”وہ بی بی جان.....“ ان سے کوئی جواب نہ دینا چاہا، ایسے میں ان کی مدد کرنے کی کوشش حورین نے کی۔

”بی بی جان! میں چلوں آپ کے ساتھ“ حورین نے کہا۔

”ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں، بھلا اس سے اچھی بات کیا ہوگی، ان ناخبرداروں کو میں کون سا خوشی سے لے جانا چاہ رہی تھی۔

دراصل شروع سے اماں، اماں نے تمہا گھر سے باہر نکلے نہ دیا کہ شریف گھرانوں کی بیوی بیٹیاں تنہا نہیں نکلتیں۔ بس وہی عادت پڑ گئی ہے، اس بڑھاپے میں بھی تمہائی کا تصور محال ہے۔“ وہ اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں پھر اسے جلد تیار ہونے کا کہہ کر چلی گئیں۔

”ارے یہ کیا غضب کر لیا؟ اپنے پاؤں پر خود کلباڑی مار لی؟“

بی بی جان کے قدموں کی آواز دور ہوتے ہی وہ سب اس سے مخاطب ہوئے۔

”ان کے بیچے میں کتنی محبت تھی، ایسی محبتیں حاصل کرنے کے لیے میں خود کو ہزار بار نقصان پہنچا سکتی ہوں۔“

”یہ بات درست ہے مگر بی بی جان کی رشتے داریاں بہت مشکل ہوتی ہیں اور اس پر تعارف کی ذوریں بڑی طویل ہوتی ہیں۔

ایسے ہی موقع پر ایک دفعہ میں ان کے ساتھ تمام ایک خاتون سے تعارف ہوا، بی بی جان پوچھنے لگیں۔ ”آپا فہمیدہ! تمہاری بہن کی پھوپھی کی نواسی جن گھر میں گئی ہے، وہ لوگ کیسے ہیں۔۔۔؟“ سنا ہے بڑے عالم لوگ ہیں۔ جواب میں آپا فہمیدہ نے ایک طویل سرد سانس لے کر درجہ

حرارت کو چمیزنے کی ناکام کوشش کی، پھر بولیں، وہ تھے ہی منحوس لوگ، پہلی بار دعوت پر آئے تو من بھر دودھ پھٹ گیا، چھوٹے بھائی کے ساتویں بیٹی ہو گئی، برائی کے چاول اینٹھ گئے، قورے کا گوشت کم گھلا، فرائی میں نمک تیز ہو گیا اور.....“

”بس بس ٹھیک ہے جو بچہ میں خوشی سے برداشت کر لوں گی، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ حورین ہنستی ہوئی کھڑی

ہو کر گویا ہوئی۔

☆.....☆.....☆

شہر کے اعلیٰ ہوٹل میں بارات کا انتظام تھا۔ راحیلہ بیگم اور محمد صاحب نے کسی کو مدد کی تھی، ان کی وجہ سے ہی بارات ٹائم پر سبز زار پہنچ گئی تھی، جہاں مہمانوں کا جوش و خروش سے والہانہ استقبال کیا گیا تھا۔

ریگ دیو کا طوقان ہر سمت پھیلا ہوا تھا۔ مہمانوں کی کثیر تعداد تھی جو وہاں پھیلی ہوئی خوش گیلیوں میں مصروف تھی۔ ہار دی ویئرز

مہمانوں کو کوئلڈ رنگس سرو کر رہے تھے۔ حسین ماحول تھا۔

رنگیں نضا تھی۔

حسینوں کے قہقہے، مدہ جینوں کی اداؤں کے جال ہر سو بکھرے تھے۔ کوئی الجھ رہا تھا کوئی بھاگ رہا تھا مگر سب کے لبوں پر ہنسی تھی۔

سب خوش باش و مطمئن نظر آ رہے تھے۔ اس بھرے بے فکر خوش باش ہجوم میں فضا ہی تھا جو اس خوشی کے موقع پر بھی مسکرا نہ سکا

تھا۔ دادو کی آنکھوں سے گرتے آنسو، چچا کی افسردگی ورنجیدگی جو اس اہم موقع پر بڑے بھائی کی غیر موجودگی کے خیال سے ورا آئی تھی۔ اس پورے منٹے میں اس نے ہر تقریب کے دوران ان لوگوں کو اپنے باپ کے لیے روتے، افسردہ ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے سوچا تھا اگر ماما اس موقع پر قحوظی اپنے دل میں گنجائش نکال کر شرکت کر تیں تو یقیناً ان خوشیوں میں کچھ رنگ حقیقی بھی پیدا ہو جاتے۔ ماما خود نہیں، ساتھ کوئین کو بھی لے گئیں تاکہ وہ بھی شرکت نہ کر سکے۔ اسے اپنی ماں کی یہ عادت شروع سے ناپسند تھی کہ وہ پسند نہ کرتی تھیں کہ وہ دادو اور چچا کی فیملی سے ملیں۔ اس کے علاوہ بھی ان سے اس کو بے حد شکایتیں تھیں مگر ان کے اس طرز عمل نے اسے سخت متاثر کر دیا تھا۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، بھرے ہجوم میں وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ مسکراتے چہرے، ہنسنے والے لوگ اسے خود پر، اپنے والدین کی ناکام زندگی کا مسکھہ اڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے اندر ابھرتی دھشتوں میں اور اضافہ ہو جاتا مگر محل اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ نہ کرتا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں، بھائی کا نکاح ہونے والا ہے۔“ مزل اسے ایک طرف تھاپ بیٹھے دیکھ کر بولا۔

”ایسے ہی بیٹھے گیا تھا، چلو.....“ وہ اس کے ساتھ اسٹیج کی طرف آگیا جہاں نکاح کی تیاری مکمل تھی۔ صدمہ صاحب نے اس کا ہاتھ تھام کر بٹھا لیا تھا۔

پارکنگ لائٹ میں کاروں اور دوسری بڑی گاڑیوں کی طویل قطاریں تھیں۔ ڈرائیور کو کار پارک کرنے کے لیے جگہ نظر نہ آ رہی تھی۔

”کا! آپ جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کر دیں، ہم اندر جا رہے ہیں۔“ حورین بڑی عمر کے ڈرائیور سے مخاطب ہوئی اور بی بی جان کے ہمراہ آگے بڑھ گئی۔ آسمانی ٹکڑی سیارڈر ڈروائی ہلکی کڑھائی کی ساڈھی میں ساوہ سیاخوڑا بنائے بی بی جان آج تمام دنوں سے بہت منفرد اور اچھی لگ رہی تھیں۔ گولڈ کی ٹازک سی جھمکیاں اور گلے میں لاکٹ جھین، کلائیوں میں وہی گولڈ کی چوڑیاں تھیں جو عام دنوں میں بھی ان کی کلائیوں کی زینت بنی رہتی تھیں۔ میک آپ کے نام پر صرف آنکھوں میں کاجل لگایا گیا تھا اس ساڈھی میں بھی ان کا خسن باوقار لگ رہا تھا۔

گیٹ سے کچھ اندر ان کا استقبال ایک سو بر خاتون نے کیا تھا۔

”میں ابھی آپ کو ہی کال کرنے والی تھی۔ بازات آگئی، نکاح بھی ہو گیا اور آپ کا کچھ بچا بھی نہیں تھا۔ اس سے قبل آپ ہر کام میں وقت سے پہلے جاتی تھیں۔“ لائٹ پر بی بی شلوار سوٹ میں لائٹ میک آپ اور جیولری میں وہ خوش اخلاق و مزاج خاتون ڈوبن کی والدہ تھیں۔

”سدا خوش رہو، گھر سے ٹائم سے پہلے ہی نکلے تھے، ڈرائیور کا بھی گدھا گاڑی سے بدتر چلا کر لایا ہے۔“ بی بی سلام کا جواب دے کر ان کو مبارک باد دے کر ان سے بغل گیر ہوئی تھیں۔

”بی بی جان ایہ کس کی لڑکی ہے؟ پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔“ وہ حورین سے ہاتھ ملاتے ہوئے پُر اشتیاق لہجہ میں بولیں۔

”فار یہ یاد ہوگی نا تمہیں؟“

”ہاں..... ہاں اچھا یہ فار یہ کی بیٹی ہے۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہے، آنکھیں۔“ وہ ان کی پوری بات سنے بغیر بولتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھیں۔

”گجوڑی کو بہت بولنے کی عادت ہے، پوری بات سنے دیا ہی.....“ وہ سرگوشی میں حورین سے مخاطب ہوئیں۔

”کوئی بات نہیں لی بی جان! فارسیا مٹی مجھے مٹی کی طرح ہی پیار کرتی ہیں۔“ وہ ان کے ہمراہ چہرے پر بیٹھ گئی تھی۔

شادی کی مخصوص روایتیں اپنے عروج پر تھیں۔ رنگ برنگے مجتہدے بلوسات، بیش قیمت جیولری کی چمک دمک، امپورٹڈ فرنیچر کی مہک، زمانہ مردانہ قبضوں کی جھجکاریں ماحول میں گونڈ تھیں۔

وہ بہت دلچسپی سے ارد گرد کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کی یہاں پر یہ پہلی تقریب میں شرکت تھی اور اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کھانا دیڑھ گھنٹے میں شروع کر دیا تھا۔ کئی طرح کی ڈشز تھیں۔ اس نے فردوس ملا اور چائیز رائس رغبت سے کھائے تھے، وہی بوئے چکھے تھے سویت ڈش میں صرف رسوائی پلیٹ میں ڈالی تھی۔ اس کے برعکس لی بی جان نے ہر ڈش سے انصاف کیا تھا اور اسے بھی اصرار کرتی رہی تھیں کہ خواہ کھاؤ نہیں مگر سب چیزیں چکھو ضرور اور وہ اس کی تعمیل نہ تھی۔

”آج کل کی لڑکیوں کی کوئی خوراک ہی نہیں ہے۔ ذرا سا کھایا اور بس، پھر گیا پیٹ، یہ کوئی کھانا ہوا ہلا.....؟“ لی بی جان تیسری مرتبہ چٹکن روست اور آلو بخارہ کی چٹنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اسے سرزنش کر رہی تھیں۔

”لوگ کیسے ہیں؟ بارات لانے کے بعد لڑکے والوں کی اسلیٹ کھل کر سامنے آتی ہے۔ کوئی مزاج وغرہ تو نہیں دکھایا یہاں آنے کے بعد.....؟“ اکرم صاحبہ اور ان کی بیگم لی بی جان کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آکر وہ ضرور ان کے پاس بیٹھتے پھر کوئی بلا تاتو معذرت کر کے چلے جاتے۔ اب کھانے سے فارغ ہو کر مسز اکرم آکر ان کے درمیان بیٹھی تو لی بی جان پر تجسس انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

”نہیں لی بی جان! بہت سی اچھے لوگ مل گئے ہیں جتنا غیر برادری میں بیٹی دینے سے ڈر رہی تھی، میرے رب نے میری لالچ رکھ لی۔ مہکار کے سرال والے اسنے ہی اچھے اور بااخلاق، بامروت لوگ ہیں، میں ابھی طوالتی ہوں آپ کو، دیکھئے گا آپ خود بھی۔“ بیٹی کے سرالوں کے حلقوں بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر طمانیت کے چراغ روشن تھے، پھر وہ حورین سے مخاطب ہوئیں جو ان کے درمیان خاموش بیٹھی تھی۔

”بیٹا! آپ کیوں یہاں تنہا بیٹھی پور ہو رہی ہیں، وہاں اسٹیج پر جائیں، دولہا ڈولہن کے پاس بنگامہ بچا ہوا ہے۔“ ساتھ ہی انہوں نے ایک لڑکی کو آواز دی تھی جس کا نام بینش تھا۔ وہ بہت خوش خوشی اسے لے کر یک پارٹی کی طرف آئی تھی، سب سے تعارف ہوا تھا، وہ سب ڈولہن کی کزنز تھیں۔ حورین ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

سامنے اسٹیج تھا جو کیمروں اور مووی کیمروں کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ڈیپ میرون کمر کے شرارہ سوٹ میں ڈولہن حسین لگ رہی تھی۔ اس کے برابر میں براہمان دولہا بھی شیردانی سوٹ میں بہت سویرو ڈیسینٹ لگ رہا تھا۔ دونوں کی جوڑی بہت ڈیر دست لگ رہی تھی۔ اسٹیج پر قہقہوں کا ساز اور موسیقی کا ترنم، شوخ فقرہ کا جملہ رنگ بگ رہا تھا۔

بینش نے اسے اسٹیج پر لے جانا چاہا مگر اس نے یہیں بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ اچانک چونک کر سیدھی بیٹھی تھی۔ اسٹیج پر ایک مسخر

خاتون کا ہاتھ پکڑ کر بے حد احتیاط سے اوپر لاتے ہوئے غصہ کو دیکھ کر خواہ مخواہی اس کی پیشانی پر ہاتھ گزاری کی ٹھنکیں درائی تھیں۔

"ہاؤ سوینڈرم، لی شنگ، یہ دولہا کا کون ہے؟ میں کب سے اسے دولہا کے ساتھ دیکھ رہی ہوں۔" وہاں بیٹھی ایک لڑکی نے اشتیاق سے لہجہ میں بولی۔

"تم پوچھ تو ایسے رہی ہو جیسے دولہا کی پوری فیملی کو جانتی ہو۔" دوسری لڑکی ہنسی۔

"ہاں سب کو جانتی ہوں، دولہا میاں کے دو بھائی، دو بہنیں ہیں اور یہ داوی ہیں مگر..... یہ چار منگ پر سائلی والا بندہ کون ہے؟ نہیں جانتی۔" جتنی اس لڑکی کی گفتگو میں سبے باکی تھی، اتنی ہی لگا ہوں میں بھی۔

"یہ بندہ بھائی کے کزن ہیں، منہ جو رکھو یہاں تمہاری وال نہیں گلنے والی۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔" دوڑھٹائی سے ہنس کر بولی۔

"وہ جتنے بندرم، لی شنگ ہیں، اس سے بھی زیادہ مفرد ہیں۔ دیکھا نہیں تم نے جب سے آئے ہیں، مجال ہے جو کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھا ہو۔"

"تم فکر مت کرو، صرف تعارف کراؤ اور پھر کام میرا....."

"نہ بابا! مجھے شوق نہیں ہے بھڑوں کے چپے کو چھیرنے کا۔" بیٹش کالوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی تعلیمت بھرے لہجہ میں گویا ہوئی تھی۔ وہی نہیں، وہاں بیٹھی تمام لڑکیاں سرگوشیوں میں ذوالنون کی پرسائی ڈسکس کر رہی تھیں۔ ان کی لگا ہیں ٹمبر ٹمبر کرا سٹیج پر اٹھ رہی تھیں، جہاں وہ موجود تھا۔

سبے وقوف لڑکیوں کے اعتماد خواب، ہر چمکتی شے کے پیچھے بھاگنے والی نا سمجھ لڑکیاں جن کا معیار صرف ظاہری دکھ رکھاؤ اور خوب صورتی ہوتا ہے۔ تصویر کا ایک رخ دیکھ کر اپنی زندگیاں داؤ پر لگا دینے والی ان جیسی فضول اور احمق لڑکیوں سے اسے سخت ترین چڑ تھی۔ وہ اٹھ گئی تھی، بیٹش اور لڑکیوں کے رونکنے کے باوجود.....

"بھائی! آج تو ماحول کی رنگینی سے لگا ہوں کو حرارت دینے، داد! ہر سمت خشن کی فراوانی ہے، ایک سے بڑھ کر ایک حسین پس ہے۔" خنسنے ہاتھ میں پکڑے کمرے کو گلے میں لگاتے ہوئے ذوالنون کے قریب پہنچ کر ٹھکانا مشورہ دیا، جواب میں دو درجوں سے گھور کر رہ گیا۔

"اس کوٹ سوٹ میں سبے حد سمارٹ لگ رہے ہیں آپ، کئی لڑکیوں کی مائیں آپ کا اینڈریس پوچھ چکی ہیں۔"

"اپنا اینڈریس دے دیتے۔" وہ ہونٹ بھینچ کر گویا ہوا۔

"دے دیا۔" وہ سبے سادگی سے بولا۔

"تو زبان بند کر کے بیٹھ جاؤ۔" خنسر کی زبان اسے ہمیشہ زنج کرتی تھی۔

”وہ شعر سنا ہے آپ نے.....“

جو چپ رہے گی زبان مخنجر

لبو پکارنے لگا آستین کا

”خنجر ہلیر! جاؤ یہاں سے۔“

”عربہ سے چھپ کر یہاں بیٹھا ہوں۔ اس کی اور اس کی اوگٹی بوگٹی فریڈ زکی فونو کھینچ کھینچ کر نکھ آگیا ہوں مگر ان کی طبیعت سیر نہیں ہو رہی، تصویریں بنواؤ گا کر۔“

”دادو کی کوئی تصویر لی تم نے؟“

”ابھی تو نہیں لی، چلیں آپ کے ساتھ لیتا ہوں۔“

”رہنے دو۔ دادو ابھی وہاں مصروف ہیں، نہ معلوم اور کتنی رسومات رو مانی ہیں، فضول ناٹم ویسٹ ہوتا ہے ہمارے ہاں۔“ وہ رست وایق دیکھتا ہوا بے زاری سے گویا ہوا۔ خنجر مسکرا کر بولا۔

”آپ اپنی شادی پر ناٹم ویسٹ مت کیجئے گا۔ نکاح ہوا اور آپ ولہن کو لے کر عتاب ہو جائیے گا، جو ہوگا میں سنبھال لوں گا۔“

”شٹ آپ۔“ اس کی نگو اس پر وہ مسکرا بٹ مضبوط کرنا ہوا بولا۔

”اونکے پاس! اوہ..... ہو..... زبردست محسوس ہوتا ہے۔ زمین پر آکاش مع چاند ستاروں کے مجسم ہو کر اتر آیا وہ بہت خوب.....“ یک دم خنجر کی توصیف سے بھرپور آواز پر ڈوالٹون کی لگا ہیں بے ارادہ ہی اٹھ گئی تھی۔ سامنے سے گزرتی حورین کو دیکھ کر اس کا چہرہ سپاٹ ہوتا چلا گیا۔

سیاہ نرا ڈر سوٹ پر بڑا سا دوشہ پھیلائے وہ خنجر کے قیاس پر پوری اتر رہی تھی۔ سیاہ سوٹ پر باریک باریک گولڈن تارے چمک رہے تھے۔ اس جگہ کاٹ میں دمکا چاند چہرہ و ستارہ آنکھیں دپشت پر پھیلے گولڈن براؤن گنے بالوں کی آبشار..... ادھر ادھر دیکھے ہٹا وہ بڑے شاہانہ انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

”شاید وہ ولہن والوں کی طرف سے آئی ہیں۔“ خنجر کی نگاہیں بہت دور تک اس کے تعاقب میں لگی تھیں۔

”تمہیں کیا مسئلہ ہے جو بے سکون ہو رہے ہو؟“

”نہ معلوم آپ کس مٹی کے بنے ہیں جو ایسے ایسے حسین شابکار دیکھ کر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا؟“ خنجر بیڑہ کر جیرانگی سے بولا۔

اسی وقت صمد صاحب کے وہاں آنے سے وہ خاموش ہو گیا تھا۔

”انکل! کتنا وقت اور لگے مجھے؟“

”زیادہ نہیں..... بس رخصتی ہونے والی ہے۔“ صمد صاحب اس کے شانے پر مسکرا کر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”بی بی جان! کب تک چلیں گی؟“ دولہا کے قریب آ کر استفسار کرنے لگی۔

”چلتے ہیں بیٹا۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔ سزا کرم بی بی جان کو ذہن کے پاس لے گئی تھیں، تاکہ وہ اسے دعائیں دے سکیں۔ وہ سائیز میں کمزری ہو گئی تھی، تب ہی اسے کسی کی ہمدردی سے لگا ہوا احساس ہوا تھا۔ اس نے لگاؤ اٹھا کر دیکھا، فرسٹ رو میں کچھ دور بیٹھا ذوالنون اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور لگاؤ میں ملنے ہی اس کے چہرے کے تاثرات ایسے ابھرے جیسے ایک دم منہ میں کوئی کڑوی شے آ گئی ہو۔ ایک اعزاز سے وہ گردن موڑ چکا تھا۔

”ہونہہ..... بے شرم کہیں کا.....“ اس نے جل کر سوچا۔

☆.....☆.....☆

انس برائیں ٹور سے واپس آ چکا تھا۔

کرن کی آخری صورت و کمزور صحت نے اسے آتے ہی اس کی جانب سے ٹھکر کر دیا تھا۔ فاریہ کی زبانی وہ تمام صورت حال سے واقف ہو گیا تھا، حالانکہ کرن نے بہت کوشش کی تھی کہ کم از کم آتے ہی اس کی طرف سے انس کسی پریشانی و فکر میں مبتلا نہ ہو مگر..... جو دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے ہوں، چاہت جن کی دقاؤں پر نازاں ہو، ایسے چاہنے والوں سے کچھ چھپا نہیں رہتا، بن کہے وہ سب جان جاتے ہیں۔“

دن بھر وہ ان کے ساتھ گپ شپ میں مصروف رہا تھا۔ کراچی بات بھی چاروں بچوں سے کی تھی پھر رات میں وہ کرن کو سمجھانے کے ارادے سے بیٹھ گیا تھا۔

”ایک ماہ چار دن میں تم سے دور رہا ہوں..... اس تھوڑے سے عرصے میں تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے؟“ اس نے اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے سنجیدہ تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے، آپ کو دہم رہتا ہے۔“

”دہم کے صحرا میں تم ابھی تک پہنچتی پھر رہی ہو، وقت جن ادراک کو اپنے منگ لے جا چکا ہے، ان لفظوں کی دہشت میں تم ابھی تک مبتلا ہو، کم آن یا راتھو کہ مار کر اس خوف کے کچے گھڑے کو توڑ دو، جس نے ہماری زندگی جیتے جی جہنم بنا دی ہے۔ اس کے لہجے میں کرب دیا سیت تھی۔

”میں کیا کروں؟ میں خود سے ایسا کچھ نہیں کرتی ہوں، خوش رہنا کس کو اچھا نہیں لگتا، میں بھی خوش رہنا چاہتی ہوں، خوش رکھنا چاہتی ہوں، آپ کو اور ہم سے وابستہ لوگوں کو لیکن..... لیکن میرے اندر جو سرگوشیاں ہوتی ہیں، وہ مجھے خوش رہنے نہیں دیتیں، ہنسنے نہیں دیتیں۔“ وہ ایک لخت رو پڑی تھی۔ انس نے اسے سینے سے لگا لیا اور گویا ہوئے۔

”کیا میری محبت پر، میری وفا پر، میرے بازوؤں پر مجھ سے نہیں ہے تمہیں؟ خدا کی قسم، کبھی کوئی ایسی بات ہوئی تو پر اٹھنے والی

آنکھیں نکال دوں گا۔ تمہاری طرف بڑھنے والے قدموں کو موت کی نیند سلا دوں گا تم پرواہ کیوں کرتی ہو.....؟" اُنس کا لہجہ محبت کی آگ میں دہکا ہوا، بڑے غم تھا۔ اس کے ہر لفظ میں سچائی و محبت کی مہک تھی، کچھ ایسی ہی جنونی محبت وہ اس سے کرتا تھا۔

"یہ آپ نے کیسے سوچ لیا، آپ کی محبت پر جس دن شک کروں وہ لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو۔ یہ آپ کی محبت ہی تو ہے جس نے دہی بنا دیا ہے مجھے۔"

"جداائی والی باتیں نہیں کیا کرو یا..... ابھی تو زندگی ڈھنگ سے نہیں جی۔ ہم نے حیات کا بہت سارے رنگ چھانا ہے ابھی۔" وہ اسے ہانپوں میں بھرتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں بولا اور وہ دل کی بات دل میں ہی چھپا گئی تھی کہ کس طرح بتاتی اسے اس کے وہم حقیقت کا چہرہ دکھانے لگے ہیں، اندر رہتی سرگوشیاں اب واضح ہونے لگی ہیں۔

برہان لغاری کا اتنے قریب سے نظر آنا کوئی وہم نہیں تھا، اس دن کوئی نیکی آڈے آگئی تھی جو اس کی نگاہان پر پڑ گئی تھی، دور نہ معاملہ برعکس بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اسے دیکھ لیتے اور وہ بے خبر رہتی جس طرح برہان لغاری رہے تھے پھر کیا ہوتا.....؟ وہ زمین پر ہونے کی بجائے زمین کی تہہ میں لاش بین کر پڑے ہوتے اور حورین..... حورین اس کا کیا حشر کرتے..... اپنے باپ سے اسے کسی خیر کی توقع ہرگز نہ تھی۔ وہ جانتی تھی انسانی روپ میں پوشیدہ وہ ایک بھیڑیا، ایک درندہ ہے جو اپنے دشمنوں کی لیلوں کو بھی نیست و نابود کر کے چھوڑتے ہیں پھر اس بات کا کیا ثبوت تھا کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں سکے؟

☆.....☆.....☆

ہنزہ کے ویسے کے ایک ہفتے بعد منال واپس آگئی تھیں۔ اس دوران برہان لغاری اور فائقہ بھی اسلام آباد سے آچکے تھے۔ منال بہت فریٹش اور خوب صورت نظر آ رہی تھیں، وہاں جا کر انہوں نے اپنے پھر اسٹائل بدل دیا تھا اور اس میسر اسٹائل میں وہ اپنی عمر سے کئی سال پیچھے نظر آ رہی تھیں۔ فائقہ بیگم نے ان کو بہت سراہا تھا۔

برہان لغاری بزنس میننگ کی وجہ سے جا چکے تھے وہاں وہ چاروں بیٹھے تھے۔ منال فائقہ کو اپنے ٹور کے بارے میں بتا رہی تھیں جس میں تقریباً تانولے فیصد شاپنگ اور بیونی ٹریسٹ کے متعلق گفتگو ہوتی تھی۔ کونین سے باتیں کرتے ذوالنون کی سماعتوں میں بخوبی ماں کی آواز پہنچ رہی تھی۔

"ہنزہ کا موڈ کیسا رہا؟ شادی کے دوران مجھے ہار ہار کال کرتا رہا تھا۔"

"بہت مس کر رہے تھے بلکہ سب نے ہی بے حد مس کیا تھا آپ کو۔"

"مجھے معلوم ہے..... شاید نصیب میں نہیں تھا اس کی شادی میں شرکت کرنا، امی وے اس کی بیوی کیسی ہے، ملاقات تو ہوئی ہوگی؟" کونین نے وہ وقت بڑی مشکلوں سے گزارا جب ہنزہ کی شادی کی تقریبات ہو رہی تھیں اور وہاں وہ ہندو کمرے میں شدید یوریت و دل گرفتگی کا شکار ہو رہا تھا، کیونکہ وہاں انہوں نے دو تین معمولی سی بزنس میننگز میں شرکت کی تھی جن میں کسی مشینری کا کوئی ذکر تک نہ تھا۔

مثال جھوٹ بول کر آئی تھیں اور اس بار ماں کی غلط بیانی پر اسے از حد ملال ہوا تھا مگر ایک لفظ اس نے نہیں کہا تھا، صرف خاموشی سے اپنے بیڑوم تک محدود ہو گیا تھا جس کا مثال نے کوئی نوٹس نہ لیا تھا، ویسے بھی ان کو اپنی ذاتی دلچسپیوں سے فرصت نہ تھی۔

”وہ کیسی ہیں؟ یہ آپ ان سے مل کر دیکھئے گا، ورنہ جہاں تک میرا خیال ہے، عورتیں تمام ایک ہی فطرت کی ہوتی ہیں۔“ ذوالنونو نے اچکا کر بولا۔

”میں شام تک جاؤں گا، تم بھی چلو گے؟“

”نہیں..... میں ماما کے ساتھ جاؤں گا۔“ وہ ماں کی جانب دیکھتا ہوا قدرے بلند لہجے میں گویا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

”اودا! میری جگہ ڈے، کہاں چلیں گے آپ میرے ساتھ؟“ مثال خوشی سے چپکٹی آواز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

”مشینری دیکھئے.....“ ان کی جانب دیکھتا ہوا ذوالنونو اطمینان سے بولا۔

”مشینری..... کون سی مشینری.....؟“ بے دھیانی میں وہ بڑا بچہ بیٹھی تھیں۔

”جو آپ نوکیڈ سے لینے گئی تھیں جو بے حد اہم تھی۔“

”وہ..... وہ مشینری! کچھ نیلی.....“ سچ کے سامنے جھوٹ اس طرح بے نقاب ہوتا ہے، وہ نورانی کوئی جواز پیش نہ کر سکی تھیں۔ اسی وقت بیٹی کا ہاتھ دبا کر فائدہ لاد بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔

”ذیروز اودہ ڈینک آپ کے نانا جان کریں گے، دراصل پیچر پر برہان کے دستخط تھے۔“ وہ کہہ رہی تھیں اور جواباً ذوالنونو کے چہرے پر پھیلنے والی گہری سنجیدگی دونوں ماں بیٹی کو غفل کر چکی تھی۔

”آپ کے لیے بڑی فکنا سنگ شاپنگ کی ہے میں نے۔ ایک سوٹ کیس آپ کے سامان سے بھرا ہوا ہے، اس میں آپ کے فرینڈز کے لیے بھی کٹنس ہیں۔“

”تھینکس اے لاث ماما! سامان اور چیزیں کبھی رشتوں کا خم البدل نہیں بن سکتے۔ آپ بہت زیادتی کرتی ہیں۔“ وہ دھیسے لہجے میں گویا ہوا اور وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا اور اس کے پیچھے کونین بھی چلا گیا تھا۔

”دیکھا ماما! جب سے آئی ہوں، داکٹر! اکڑا ہے۔ مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا ہے۔ یہ نہ ہراس بڑھیا کا بھرا ہوا ہے۔ وہ چاہتی رہی ہے جس طرح اس کا بیٹا چھوڑ کر بھاگ گیا، اسی طرح مجھے بھی بیٹے چھوڑ دینا۔“ مثال منہ جا کر ماں سے مخاطب ہوئی تھی۔

”بے لگ رہو ذیروز! ایسا کچھ نہیں ہوگا، تمہارے بیٹے تمہارے ہی رہیں گے، کونین کی کوئی لگڑ نہیں ہے۔ وہ چلا ہے آپ کے اشاروں پر، پرانس پر اہم کرتا ہے۔ اس کو ہینڈل کرو، اس کے انداز سے قائم نکال کر اس کے ساتھ چلی جاؤ، وہاں کچھ دیر بیٹھ کر کٹنس وغیرہ دے کر چلی آنا۔ اس سے پرس بھی خوش ہو جائے گا اور تمہاری سسرال پر بھی رعب پڑ جائے گا۔“ ذوالنونو نے پُر سوچ انداز میں حل نکالا۔

"مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں۔ میں نہیں جانتی وہاں....." ان کے انداز میں مخصوص کبیدی اور نفرت تھی جو وہ ان سے کرتی تھیں۔
 "اتنی جلدی لمبر لوز مت کرو، بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" انہوں نے سخت لہجے میں سرزنش کی۔
 "آپ وہاں جانے کی بات کر رہی ہیں، مجھے ان کے ناموں سے نفرت ہے۔"

"میں نے کب کہا ان سے نفرت مت کرو۔۔۔ مگر جب دوسروں کی آگ اپنے گھر تک آنے کا اندیشہ ہو تو مکمل پٹانگ کی جاتی ہے۔ پرنس کی وجہ سے آپ کو اپنی نفرت کو تھوڑا سٹنڈا کرنا ہوگا ورنہ..... وہ تمہاری ریٹج سے آؤٹ ہو جائے گا۔" فائنل بیگم ہمیشہ کی طرح منال کو سمجھانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ وہ گہری سانس لے کر گویا ہوئیں۔

"ٹھیک ہے ماما! کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو دل نہ چاہنے کے باوجود ہمیں کرنے پڑتے ہیں کیونکہ اس میں ہماری کامیابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ یہ سچ ہے پرنس کے بغیر میں زندہ بھی نہیں رہ پاؤں گی۔"

☆.....☆.....☆

"بریرہ..... بریرہ۔" حورین اسے آوازیں دیتی ہوئی لاؤنج تک آئی تھی جہاں وہ آرام سے کشتی کے سہارے غم و رازنی وی پر اسپورٹس پیچس لگائے بیٹھا تھا، ساتھ ہی سووا دروسی بھی تھے۔

"میں ہر طرف تمہیں آوازیں دیتی پھر زنی ہوں اور تم جواب نہیں دے رہے۔" وہ اس کے قریب پہنچ کر پاؤں پیچ کر بولی۔

"بہت پیاری ہے آواز تمہاری"

اسے سنتے رہنے کو دل چاہتا ہے

میں زندگی میں اوز کیا چاہوں

اگر مل جائے رفاقت تمہاری"

وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے عاشقانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہی اور سوونے مسکراہٹ ضبط کرنے کے لیے سر جھکا لیے تھے۔

"سٹ آپ! ابھی سیریس نہیں ہو جایا کرو۔"

"میں تو سیریس ہی ہوں، اب جانے تم کب سیریس ہوگی؟" وہ آہ بھر کر معنوی ذہنی لہجے میں گویا ہوا۔

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے، دیکھنا میں تم سے بات نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے پھر کر جانے لگی۔ بریرہ نے لپک کر اس کا

زمین کو چھوتا آنچل پکڑا اور گویا ہوا۔

"یوں ناراض ہو کر غصے میں جایا نہیں کرتے

اپنے دیوانوں کو ستایا نہیں کرتے

ہر وقت بس جیسے تمہارا خیال ہو

اسے اپنی دوستی کے لیے تڑپا نہیں کرتے۔

”صبر کرو، ابھی میں تمہاری ساری عاشقی نکلاؤاتی ہوں۔ بی بی جان۔“ وہ اس سے دوپٹے کا پلو چھڑا کر آگے بڑھتے ہوئے بی بی جان کو پکارنے لگی تھیں۔ اسی لمحے ہریرہ دروازے میں کھڑا ہوا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

”میں نے سنا ہے، ہم اسلام آباد جا رہے ہیں، کیا درست ہے؟“

”یہ خبر کسی دشمن کی اذائی لگ رہی ہے۔“

”دیکھو تم پھر پٹری سے اتر رہے ہو..... آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے، تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے؟“ وہ بڑی طرح رنج تھیں۔

”پہلے تم وعدہ کرو..... شادی صرف مجھ سے کرو گی۔“ وہ اس کی براؤن ول کش آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ رات بلیک پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ میں اس کی سرخ و سپید رنگت نمایاں تھی۔

”اوہ شٹ انداق کی بھی حد ہوتی ہے۔ آپ لوگ جا رہے ہیں اگلے ہفتے، ایک ویک اینڈ کے لیے.....“ وہی کو اس پر ترس آئی گیا۔ وہ ہریرہ کو ڈپٹ کر حورین سے مخاطب ہوا۔

”اوہ..... جی..... آپ لوگ بھی چل رہے ہونا.....“ ماما پاپا سے ملنے کی خوشی سے اس کے چہرے پر گلاب کھل اٹھے تھے۔

”نہیں بہنا! اگلی دفعہ ہمارا جانا ہوگا، آپ لوگوں کے ساتھ لمبی چھٹیوں میں گھومنے کا مزہ آتا ہے۔ سب ہوں گے، خوب انجائے منت ہو گی۔ ابھی تو آپ لوگ ہی جائیں کیونکہ آپ کی ماما آپ کو مس کر رہی ہیں۔“ رات بھر مارے خوشی سے اسے نیند مشکل سے آئی تھی۔

بات ان سے روز ہوتی تھی مگر رات ایک دوسرے کی قربت میں ملتی ہے۔ اس نے اس کے اندر بہت زیادہ نفسی بھروی تھی۔ اس کی خواہش تھی، وہ ہر ویک اینڈ اسلام آباد میں گزارے مگر یہاں بھی بی بی جان کی حکمت عملی کام آئی، انہوں نے سختی سے منع کر دیا کہ وہ ان کو نہیں بھیجیں گی کہ اس طرح وہ اپنی بھرپور توجہ پڑھائی کی طرف نہ دے سکیں گے، البتہ دو تین ماہ بعد چند دن کے لیے وہ آجائیں گے۔

”ایکسکیوز می مس!“ وہ ڈپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، پیچھے سے آتی مردانہ آواز سن کر وہ زکی تھی اور مڑ کر دیکھتا تھا۔ لائٹ گرے پیٹنٹ، ریڈیائی شرت میں ملبوس وہ کوئی اجنبی شخص تھا۔

”جی.....“ اس کے چہرے پر ہلکی دائمی مود نہیں تھیں۔ حورین کو جو اس کی حرکت ناگوار گزری، وہ اس کا بڑی طرح محسوس کر دیکھتا تھا۔

”یہ پاؤج آپ کی فاکٹرز سے گرا ہے۔“ اس نے پشت کی طرف کیا ہوا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا اس میں پنک ٹکڑا پاؤج تھا۔

”بہت شکریہ آپ کا۔“ اس نے بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے پاؤج لے لیا۔

”ارے شکریہ کی کیا بات ہے، ہمارا کام ہی مدد کرنا ہے، میرا نام رؤف ہے مگر میرے دوست.....“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر

بٹسا۔ دشمن بھی مجھے روکی پکارتے ہیں۔“ اس کی وحشت خیز نگاہیں حورین کے چہرے پر جمی تھیں۔

"میری کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔"

"مس! آپ کو کوئی کام ہو، کوئی پریشانی ہو، کسی اسٹوڈنٹ سے شکایت ہو یا پروفیسر سے، مجھے بتائیے گا، سب پر حکومت چلتی ہے میری۔" اس کے لہجے میں بد معاشوں جیسی ہٹ دھرمی، فخر و غرور تھا۔ حورین خاموشی سے وہاں سے چلی گئی اور وہ اوجھل ہونے تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے ساتھی قریب آ گئے تھے۔

"کیوں استاد! میں نے کہا تھا، اسے دیکھو کے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔"

"تمیز سے نام لے، جانتا ہے وہ کون ہے اب؟" رؤف عرف روکی اپنے ساتھی کو غصے سے دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"سوری یاس! وہ زبان ڈرا بے قابو ہو جاتی ہے۔" وہ کان پکڑ کر بولا۔

"یاس! اب تو قاتل یا سٹار میں ڈنر پکا ہے؟" دوسرا ساتھی خوشامدی لہجے میں بولا تو اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے ساتھی خوشی سے شوقیاں کرتے آگے بڑھ گئے اور اسی دم درخت کے پیچھے گمراہی و ٹکرات میں گھر گیا تھا۔ وہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ روکی کو حورین سے بات کرتے دیکھ کر رک گیا تھا، تمام گفتگو سینے کے بعد وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے کیا ارادے ہیں؟ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

بیرہنہ ٹم ہونے کے بعد وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھی چائے اور سموسوں سے پین بھر رہی تھیں۔ موضوع روکی کی ذات تھی۔ ان سب نے بھی میسرے سے دیکھا تھا۔

"تمہیں ذرا ڈر نہیں لگا اس سے ہاتھیں کرتے ہوئے؟" ثمرین کے لہجے میں خوف کا عنصر نمایاں تھا، یہی تاثرات ان چاروں کے بھی تھے۔

"میں تمہاری طرح بڑول نہیں ہوں پھر وہ ایک انسان ہی تو ہے، کوئی آدم خور مگر مجھے نہیں۔ ایک ذرا سی بات کا تم نے اتنا بڑا جھگڑا بنالیا ہے۔" حورین نے سموسہ کھاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"آدم خور مگر مجھ اس کے آگے بے ضرر ہے۔ بہت دہشت ہے اس کی یہاں پر، پچھلے سال میرا کزن یہاں پڑھتا تھا، اس نے بتایا تھا کسی معمولی سی بات پر مشتعل ہو کر روکی نے پچھلے سال وہ اسٹوڈنٹ کو گولی مار کے ہلاک کر ڈالا تھا اور کوئی کچھ نہ کہہ سکا تھا اس سے۔"

"ہلیز آئندہ اس کے منہ نکلنے کی ضرورت نہیں۔ بہت خوف آتا ہے اس سے، بلکہ یہاں ہر لڑکی کو اس سے بچ کر چلا دیکھا ہے۔" وہ ایک کے بعد ایک اسے سمجھا رہی تھیں اور اسے بلاوجہ ہنسی آرہی تھی۔

"ہو جائے شرط اگر میں نے....."

"نہیں..... نہیں..... اس کے لیے کوئی شرط نہیں لگے گی۔" وہ ہل کر بولیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے حورین، یہ کوئی ایڈ وٹھر نہیں ہے جو تم اس قدر ہرجوش ہو رہی ہو، وہ ایک خطرناک بندہ ہے..... وہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ایک مجرم ہے، جس کا کام ہی دہشت گردی کرنا اور بے گناہوں کو پریشان کرنا ہے۔ وہ ایک بڑی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے، ایسے لوگ جائز و ناجائز کی پروا نہیں کرتے، کیونکہ ان کے پیچھے بے حد اثر و رسوخ والے لوگ ہوتے ہیں۔" وہ چائے سو سے بھول کر اسے سمجھانے لگ گئی تھیں، کیونکہ ان کا اور حورین کا ساتھ کئی ماہ پر محیط تھا۔ اس عرصے میں وہ اس کی ضدی طبیعت کے متعلق جان گئی تھیں۔

"بہت عرصہ ہو گیا شرط لگائے ہوئے۔ یہاں آکر میں شرط لگانا بھول گئی ہوں۔" دوبارہ شور و غوغا مچا دیا۔

"خدا کے لیے ہوش کے ناخن لو حورین۔" موئل نے پوکھلا کر کہا۔

"کہاں ملتے ہیں؟" وہ بر جھکی سے بولی تو اسے چند سیکنڈ گھورنے کے بعد وہ ہنس پڑی تھیں۔

"میں سمجھ گئی دوستو! لیکن میں بلاوجہ کسی سے خوف زدہ ہونے والی نہیں ہوں۔ نہیں تو میں مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتی ہوں۔ تم لوگ لائبریری آ جانا مجھے لوٹس کے لیے تیار ہی کرنی ہے۔" حورین چائے کا خالی گئیل پر رکھتے ہوئے بولی اور ناٹک اٹھا کر باہر نکل آئی۔

کورینڈور میں اسے ڈالٹون کا پورا گروپ کھڑا نظر آ رہا تھا، ساتھ وہ بھی تھا۔ بلوچیز، بلیک شرٹ میں دنیا بھر کی منجیدگی چہرے پر طاری کیے دوا اپنے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی بحث سے خاصا لا تعلق و قدرے بے زار دکھائی دے رہا تھا۔ دو تمام راستہ بلاک کر کے کھڑے تھے۔ حورین نے وہاں سے جانا مناسب نہیں سمجھا، وہ واپس مڑنے لگی تھی، تب ڈالٹون کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرانی تھی۔

"ہنس مٹم، ہمیں کسی کے فیئر میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

"وہ لڑکی کا معاملہ ہے یا رہم کس طرح بے لکری سے بیٹھ سکتے ہیں۔" مدثر جذباتی انداز میں گویا ہوا تو ان سب نے ہنس ہنس ہنس ماری۔

"مگر شہ دو سالوں میں روکی گروپ سے ہماری بہت مارا ماری ہو چکی ہے اور جب سے کچھ بے گناہ لڑکوں کی جانیں ضائع ہوئی ہیں، تب سے میں تہیہ کر چکا ہوں، ہم اسے بالکل نظر انداز کر دیں گے، ایسا کرنے سے وہ دم دھائے بیٹھا رہتا ہے۔" وہ سخت لہجے میں بولتا چلا گیا، اسی دم حیدر کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تو وہ کچھ گڑبڑا سا گیا تھا جب کہ ڈالٹون کہہ رہا تھا۔

"لڑکیاں یہاں پڑھنے نہیں، اپنے پر پوزل تلاش کرنے آتی ہیں۔ مگر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے سے بہتر یہ لڑکیاں اس طرح چلی آتی ہیں۔ ان کے پیچھے مغز ماری کرنا بالکل فضول ہے۔" حیدر کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی ان طرز متوجہ ہو گئے تھے جہاں حورین اپنے متعلق اس کا رہنما کس بن کر آگ بگولہ ہو گئی تھی۔ واپس جانے کی بجائے وہ ادھر آ گئی۔

"کیا کہا آپ نے۔۔۔ لڑکیاں یہاں پر پوزل تلاش کرنے آتی ہیں؟" وہ ڈالٹون سے مخاطب ہوئی تھی جس کی گھرے آنکھوں میں لمحہ بھر جھرا گئی نمودار ہو کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ اس کی وہاں موجودگی سے سکر لا علم تھا۔

"بالکل، میں نے غلط نہیں کہا۔" اس کے لہجے میں اکھڑپن تھا۔

"ہلیز۔۔۔۔۔ ہلیز! میری بات سنیں مس حورین۔" حیدر پریشانی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ موئل اور شرین وغیرہ بھی وہاں آ گئی تھیں۔ دوسرے اسٹوڈنٹس بھی جمع ہونے لگے تھے کیونکہ یہ راستہ لائبریری سے ملحقہ تھا۔

”کیا ہوا حورین! اتنا غصے کیوں ہو رہی ہو؟“ مول اس کے سرخ تھے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہلائی۔

”ان صاحب کا کہنا ہے کہ لڑکیاں یہاں پڑھنے نہیں پر پڑھو غصے نے آتی ہیں۔“ غم و غصے سے اس کی آواز کانپ رہی تھی، جبکہ ذوالنون الطہینان سے اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

”تم کیوں اتنا بھڑک کر رہی ہو، جانتی ہو وہ کیسا بندہ ہے، چلو فضول میں یہاں تماشا بند رہا ہے۔“ مول نے سرگوشی کی۔

”ان کو معافی مانگنی ہوگی، اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے۔“

”مس اخدا کے لیے، آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں، ذوالنون نے آپ کو نہیں کہا ہے۔“ مامون نے حورین سے کہا۔

”کیا ہو رہا ہے یہاں.....؟“ پروفیسر آفتاب حسن صالِح ہاں آکر مخاطب ہوئے تو وہ سب ہی مودب ہو گئے تھے۔

”آفس میں آئیں آپ لوگ۔“ وہ باری باری حورین اور ذوالنون پر نگاہیں ڈال کر گویا ہوئے اور ان کے جاتے ہی وہاں سے بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ وہ لوگ سر آفتاب کے روم میں بڑھ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

سب معمول کو نین کا استقبال گرم جوشی سے کیا گیا تھا۔

وہ جو یہ سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہا تھا کہ بنزو کی شادی میں شرکت سے انکار کرنے اور اس طرح اچانک چلے جانے پر وہ کس کس کو وضاحت دے کر مطمئن کرے گا اور ہمیشہ کی طرح اس کو کسی جھوٹ یا بھانے کا سہارا نہ لینا پڑا تھا۔

عجیب لوگ تھے دو..... شکوہ..... شکایت..... نکلے.....

ان کی سرشت میں شامل نہ تھا۔ بڑی محبت سے سب پیش آئے تھے۔ دادو اسے پلٹائے خاموش آنسو بہاتی رہی تھیں۔ صمد چاچو، صنوبر آغی، منزل اور عریہ کسی نے اسے نہیں بتایا بلکہ ایک بار عریہ نے کہا بھی کہ انہوں نے اپنے دوست کی شادی میں کردی تو صنوبر آغی نے اسے سرزنش کی تھی۔

بنزو اپنی بیوی کے ساتھ آج صبح ہی بنی مون کے لیے روانہ ہوا تھا۔ کونین سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

”کیا سوچتے رہتے ہو؟ کتنا کمزور کر لیا ہے خود کو تم نے۔“ تنہائی میسر آتے ہی دادو تشویش بھرے انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

”آپ لوگوں کو بہت مس کیا ہے دادو۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگا، بڑس مینٹلز کے علاوہ تمام ٹائم میرا روم میں گزرا ہے۔“ ان کی شفقت بھری آغوش میں سر رکھ کر اس کے نقشہ دل کو قرار ملے لگا تھا۔

”میں جانتی ہوں میرے بچے! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دل کو دل پہلے ہی آگاہ کر دیتا ہے پھر ہم سب اس ڈور سے بندھے ہوئے ہیں جس کو نصیب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہم سب نصیب کی کڑ پتلیاں ہیں میرے بیٹے۔ اس کی جنبش پر ہماری آرزو نہیں، حسرتیں اٹھائیں انہاں جو دپاتی ہیں۔“

”کونین بھائی! چلیں آپ کو بھائی کی شادی کی سووی دکھائیں۔ آپ کے خیال میں میں نے ہر ایونٹ کی مکمل کوریج کی ہے۔“
خضر امداد آتے ہوئے گویا ہوا۔

”خضرئی کو آنے دو، پھر سب بیٹھ کر دیکھنا۔“ دادو نے کہا۔
”خضرئی کہاں ہے، مجھے نظر نہیں آئی، جب سے آیا ہوں۔“ جس دشمن جاں کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی تھیں، ہر آہٹ پر جس کا گماں تھا، اس کے ذکر پر اس کے اندر کیف و سرور پھیلنے لگا تھا۔
”ہا اکل گئی ہوئی ہے، درات کو کوئی ایمر جنسی آگئی تھی تب سے وہیں ہے۔“ اسی وقت منور نے آکر خضر سے کہا کہ وہ خضرئی کو لے آئے۔

”مئی! مجھے ایک ضروری کام سے ابھی جانا ہے۔“ دوسرے واقعہ دیکھتا ہوا گویا ہوا۔
”ابھی تو سووی دیکھنے بیٹھ رہے تھے، ماں نے کام کا کہا تو تمہیں ضروری کام یاد آگیا؟“ دادو اسے گھور کر بولیں۔
”میں کوئی کام چور تھوڑی ہوں، دادو جان، وہ تو.....“
”اوکے..... میں چلا جاتا ہوں خضرئی کو لینے۔“ اس کی دلی سزاؤں پر آئی۔ وہ کوئی لمحہ ضائع کیے بنا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
”اللہ عمر دراز کرے، آپ کا بیٹی اپنا پن بجھے پسند ہے، میں اسے میں کھانا تیار کر داتی ہوں۔“ منور نے سناٹھی۔ لہجہ میں کہا۔
دوسرے سا کارڈ رانیو کرتا ہوا ہا اکل پہنچ گیا پھر خضرئی کو کار تک آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔
”اسنو پڑا اتنی دیر سے آئے ہو، کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ ممانے! ایک گھنٹہ پہلے فون کیا تھا۔“ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر پرس ڈیش بورڈ پر رکھ کر سیٹ بیک سے سر کا کرا آکھیں بند کر کے بولی۔
”کونین نے کارا مارت کرتے ہوئے ایک لگاؤ اس پر ڈالی۔
خوب صورت چہرے پر جھکن سے لرزاں ہلکیں..... سیاہ بالوں کی بے ترتیب لٹیں.....
اس نے حسن کو اتنا بے پرواہ بھی نہ دیکھا تھا، وہ ہر ایک کا خیال کرنے والی انسانہ خود سے ہی لاپرواہ تھی، تھی اور اس لاپرواہی میں بھی اس کا حسن سحر انگیز تھا۔

”اگرے سورج کس سمت سے نکلا ہے، جو تم اتنے خاموش بیٹھے ہو۔ کیا جانے کسی بات پر کورٹ مارشل کیا ہے؟“ خضر کی موجودگی میں اتنی خاموشی معنی خیز تھی۔ وہ کہتی ہوئی آنکھیں کھول کر بیٹھی تو ڈرائیونگ سیٹ پر خلاف معمول کونین کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔
”آ..... آ..... آپ؟ ممانے! کہا تھا، خضر کو بھیج رہی ہیں۔“ وہ اس وقت شرمندگی سے لگاؤ نہ اٹھا پارہی تھی۔
”جی..... میں..... میں نے سوچا، خضر روز ہی یہ کام انجام دیتا ہے، کبھی ایسی خدمت ہمیں بھی کر لینی چاہیے۔“ وہ دل کشی سے مسکرا کر گویا ہوا۔ اس پر لگاؤ پڑتے ہی وہ اپنی تمام تر کوفت و بے زاری بھول گیا تھا۔ گویا کوئی جادو کی چھڑی لہرا کر سب غم بھلا دیئے۔

”آتم سواری! میں نہ معلوم کیا کیا کبہ گئی خضر کچھ کر۔“

”نہیں کوئی بات نہیں، مجھے نہ انہیں لگا، اگر گالیوں میں بھی محبت و اچانیت ہو تو میں رات دن کھانے کو تیار ہوں۔ خلوص و مردت سے آپ مجھے جوئے بھی لگا نہیں گی، تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“ دو مسکراہٹ چھپائے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ جواباً خضریٰ مارے شرمندگی کے لگاؤ اٹھانہ پار ہی تھی اور وہ کارڈز اڑاتے کرتے ہوئے اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

”ہلیز! ایسا مت کہیں، میرا یہ مطلب برگرز نہ تھا..... میں..... میں ایسی بدتمیزی کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔“ دو روہانسی ہو گئی۔

کوئین ہنس پڑا۔

”اوہ گاڈ! مت روؤ بھی! میں تو مذاق کر رہا تھا، کیسا چڑیا سا دل ہے تمہارا اور بین بٹنی ہو ڈاکٹر۔ مریض تکلیف سے بعد میں روتے ہوں گے، پہلے آپ ہی رونے لگتی ہوں گی۔“ وہ اسے چھینرتے ہوئے بولا۔

”جی نہیں..... میں مریض کو سنبھالنا جانتی ہوں۔“ اسے جیسے دیکھ کر وہ سنبھل کر بولی۔ ”آپ کب آئے؟“ وہ خود کو سنبھالتی ہوئی بولی۔

”کل رات کو.....“

”کیسا رہا آپ کا سفر؟“

”جہیں بہت مس کیا میں نے۔“ خلافت توقع وہ اس لمحے اپنے جذبوں کی زور آوری سے شکست کھا کر گویا ہوا۔

”آپ..... کو بھی بہت مس کیا، سب نے بھائی کی شادی کے بر کنکشن میں.....“ وہ لگا ہیں چہا کر گویا ہوئی۔

”مجھے معلوم ہے لیکن اس وقت میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا ہوں..... کیا تم نے بھی اسی طرح مس کیا مجھے جس طرح میں نے لکھ لکھ، تمہاری یاد میں، تمہاری چاہ میں، تمہاری جستجو میں گزارا ہے، کیا ایک پلی بھی تم نے ایسا گزارا ہے؟“ ونڈ اسکرین پر لگا ہیں، جمائے ڈرائیور کرتے ہوئے دو کم مہم بٹنی خضریٰ سے مخاطب تھا اور وہ کب سے لاشعوری طور پر کسی ایسے ہی وقت سے ذرتی تھی جو اس پر بھی وارد ہوا تھا۔ کوئین کی بدلتی نگاہوں کے جذبوں کی خبر اس کے دل کو بعد میں ملی ہوئی۔ اس کی حساس طبیعت بہت پہلے یہ راز جان گئی تھی اور احتیاط برتنے لگی تھی مگر جب انہونی ہوئی ہے تو.....

”خضریٰ! اتنی گہری خاموشی؟ کچھ تو کہو.....“

”کیا کہوں.....؟“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

”کچھ بھی..... اقرار..... انکار.....“ اس نے کار ایک سائیڈ پر روک دی تھی۔ کچھ قاصطے پر کولڈ اسپاٹ تھا۔ ہارن بجانے پر ایک

لڑکا کولڈ ڈرنک دے کر چلا گیا تھا۔

”میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔“ وہ کانپتے ہاتھوں سے کولڈ ڈرنک لیتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

”اوہوں..... سمجھتے ہوئے بھی نا سمجھ بننے کی سعی نہ کرو۔ ہم ٹین ایجر نہیں ہیں، جہاں ان تین نظموں کی اداسی کے بغیر جذبوں کا

اظہار کمال نہیں ہوتا ہے۔ ہم فوری شعور ہیں، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔“

”ان تمام دعوؤں کے باوجود پھر کبھی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں..... میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں، میں شادی وہیں کروں گی جہاں گھر والے کہیں گے، کیونکہ ہمارے لیے ہمارے بزرگ ہم سے بہتر و عمدہ فیصلے کرتے ہیں۔ بہترین سوچ رکھتے ہیں۔“

”اوہ..... بہت ضدی ہو۔“ وہ سیپ لیتا ہوا مسکرا کر بولا۔

”یہ میں نے تمہارے لیے خرید ا تھا، دیکھو کیسا ہے؟“ اس نے میرون کھر کا جیہڑی بکس کھول کر اس کی طرف بڑھایا جس میں دل کی شکل کا بریسلیٹ تھا۔ اس میں گلے میں تیت، بیرے کی چمک سے لگا ہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

اس بیرے کے بریسلیٹ سے زیادہ چمک و روشنی اسے کونین کی آنکھوں اور چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

”لاؤ نکلائی میری طرف۔ میں اپنے ہاتھ سے پہناؤں گا۔“

”بہت بہت شکریہ! مجھے ضرورت نہیں ہے اس گفٹ کی۔“ وہ اپنے لہجے میں نکلائی پیدا کر کے گویا ہوئی۔

”کک..... کیوں کیا ہوا؟“ وہ بکا بکا رہ گیا۔

”میں آپ سے گفٹ نہیں لے سکتی۔“

”کیوں میں کوئی فیر نہیں ہوں جو تم یوں ہنگامہ ماری ہو۔“

”اور ایسا کوئی قرہبی رشتہ بھی نہیں ہے جو میں یہ گفٹ لے لوں۔“

”خضرئی! یہ کیا کہہ رہی ہو، میرا قرہبی تعلق نہیں ہے؟“ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ کچھ لمحوں قبل چمکنے والی روشنی ایک دم فیوز ہو گئی تھی۔

”آپ میرے کزن ہیں۔ تایا کے بیٹے ہیں مگر اس کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔“

”نہیں ہے..... مگر بن تو سکتا ہے، میں ہانا چاہتا ہوں۔“

”ناممکن..... ایسا نہیں ہو سکتا۔“ اس نے دھواں دھواں شروع کر دیا تھا، اب وہ کیا بتاتی اسے کہ وہ اس کی محی کی نفرت و مزاج

سے پوری طرح آگاہ ہے۔ کچھ عرصے قبل اس کے پاپا دادو کے ساتھ ہونے والے قوانین آمیز سلوک سے واقف تھی، وہاں سے آنے کے بعد دادو نے سب ہٹا ڈالا تھا۔ وہ کبھی اس سے کچھ چھپاتی نہیں تھیں۔

کونین جب اسے خاموش کرانے میں ناکام رہا تو کولڈ ڈرنک کی رقم وے کر کارڈ رانیو کرنے لگا تھا، پھر سطر بالکل خاموشی

سے کنا تھا۔

☆.....☆.....☆

پروفیسر آفتاب حسن نرم مزاج و دوست پرور صفت کے باعث تمام ہی اسٹوڈنٹس کے فہرٹ تھے۔ انہوں نے اپنے آفس میں بلا کر حیدر کی تمام لنگھو سی تھی۔ خاصی دیر وہ لو جو ان نسل کو اقبام و تقسیم، صبر و تحمل، رواداری و مروت کا درس دیتے رہے تھے۔

حورین نے انہیں پہلی بار سنا تھا اور ان سے متاثر بھی ہوئی تھی مگر جب انہوں نے ذوالنون کے بجائے خود اس سے معذرت کی تو وہ ہرٹ ہو گئی تھی۔ معاملہ ختم ہو گیا تھا مگر اس کے دل میں مگرہ ہی پڑ گئی تھی۔ ذوالنون کی بات متضاد و معذرت نہ کرنا، اسے اپنی انا کا مسئلہ لگا تھا کیونکہ وہ ریہارکس اسے ملا تھا۔ وہ سخت انا پرست تھی۔

گھر آ کر بھی وہ چپ چاپ رہی تھی۔ رات ڈھنگ سے نیند بھی نہ آئی تھی۔ اذان ہوتے ہی اس نے نماز فجر ادا کی اور لان میں نکل آئی تھی۔ ہر سو گزرتی رات کے گیسو پھیلے ہوئے تھے۔ خوشبوؤں سے لدی ہوا میں وہ کچھ دیر تک ٹہلتی رہی تھی۔ غم گھاس کی ٹھنڈک نے اس کے جھڑکتے ہوئے ذہن کو تازگی بخشی تھی۔ سرور و مس کی واقع ہونے لگی تھی۔ وہ کچن میں چلی آئی کہ شاید ایک کپ چائے سے سر کا پو جھل پکنا دور ہو جائے، لیکن خالی تھا۔ دونوں آنٹی اور بی بی جان اپنے کمروں میں نماز و تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر اشراق کی نماز کے بعد باہر آتی تھیں۔ وہ اپنے لیے چائے بنا کر کمرے میں ڈال کر لان میں آ گئی تھی۔ پیدہ پھری تمام رعنائیاں عروج پر تھیں اور وہ بھی سوچوں کے صحرا میں سر ہٹ دوڑ رہی تھی۔ اسے اس شخص کو بے سکون کرنا تھا جو اسے بے چین کر کے بڑے کروڑوں اکڑا کر محکوم رہا تھا۔ اس بد و مانع و مفرور شخص کو ایسا سبق دینا چاہ رہی تھی جو اسے عرصے تک یاد رہتا۔

سوچوں کے سمندر میں ڈوبتے ڈوبتے بالآخر ایک سرا اس کے ہاتھ میں آئی، وہ خوشی سے اُچھل پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

جہاں تم ہو وہ دنیا کب تمہاری ہے
وہ دیکھو چاند لٹکا ہے
ستارے جگمگاتے ہیں
ہماری خطر آنکھیں
تمہیں ہی سوچتی آنکھیں
تمہیں ہی ڈھونڈتی آنکھیں
دعائیں مانگتی آنکھیں
تمہیں دایس بلاتی ہیں
یہ دل جب بھی دھڑکتا ہے
تمہارا نام لیتا ہے

یہ آنسو جب بھی بہتے ہیں
تمہارے دکھ میں بہتے ہیں
سنو! اب لوٹ آؤ نا.....

"پرنس! پرنس! آج شام گھر میں ہی رہنا"۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا، مثال کیونکس لگاٹی اس سے مخاطب ہوئیں۔
"کیوں۔۔۔؟ ایسا کیا ہے؟" وہ خیالوں کی حسین وادیوں میں کھویا ہوا تھا۔ مثال کی بے جا مداخلت نے اس کا سوؤ آف کر دیا تھا۔
"آج شام میں گرینڈ پارٹی دے رہی ہوں۔ بہت بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ کل ہر طرف ہماری پارٹی کے چرچے ہوں گے"۔ وہ ناخنوں پر پھونکے مارٹی ہوئی بڑے مسرت لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"مما! آپ پورے کیوں نہیں ہوتی ہیں؟ روزانہ پارٹیز اور پیج اور اینڈ کر کے کیا ملتا ہے آپ کو.....؟" وہ منہ ہٹا کر بولا۔
"بھئی انجوائمنٹ تو لائف ہے میرے بیٹے"۔

"مجھے پسند نہیں ہے، میں ایسا پارٹی اینڈ نہیں کرتا ہوں، یہ آپ جانتی ہیں، میرا مصنوعی لوگوں کے درمیان دم گھٹتا ہے"۔
"پرنس! ہم جس سوسائٹی میں سو کر رہتے ہیں، اس سرکل کا مین حصہ ہے ایسی گیدو رجن، سب ملتے ہیں، ہلاکلا کرتے ہیں"۔
"ہائیز ممما! آپ مجھے فورس مت کریں، میں نہیں آؤں گا"۔ اس کا انداز ہنوز برقرار تھا۔
"تھک آگئی ہوں میں تمہاری بکواس سن سن کر، کبھی تو میرا خیال کر لیا کرو۔ میرا دل خوش کرنے کی خاطر"۔ مثال کو بڑی طرح غصہ آ گیا تھا۔

"یہ آپ کا خیال ہی تو ہے جو یہاں رہ رہا ہوں ورنہ....."
"ورنہ۔۔۔ ورنہ چلے جاتے اس بڑھیا کے پاس، ان کرپٹ میاں بیوی کے پاس جو میرے اور میرے والدین کے خلاف تمہارے کان بھرتے ہیں، سکھاتے ہیں تمہیں ہمارے خلاف"۔
"آپ ہر معاملے میں ان کو مت ٹھسینا کریں"۔ ذوالنون کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "نہ وہ ایسے ہیں اور نہ میں کسی کی باتوں میں آنے والا ہوں"۔

"آخر کو نہیں بھی تو ہے، اس نے کبھی مجھے ناں نہیں کہا، وہ تم سے بڑا ہے"۔
"اپنی اپنی فطرت ہوتی ہے، کوئی برداشت کر لیتا ہے اور کوئی نہیں کر پاتا"۔
"اپنی فطرت بدلو، اس طرح کوئی کامینڈک بن کر زندگی نہیں گزار سکو گے میری جان"۔ وہ بیٹے کے وجہ پر بڑے کی جانب دیکھتے ہوئے ملاوٹ آمیز لہجے میں گویا ہوئیں۔
"آپ میری برداشت کیا کریں"۔

"کیسے نہ کردیں وہاں ہوں تمہاری۔"

اسی لمحے دردِ داز و لوک کرتی فائدہ بیگم اندر آئی تھیں۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ماں بیٹے میں؟" وہ ان کے درمیان بیٹھتے ہوئے ہشاش بشاش لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کیا باتیں ہوں گی، یہ پرس تو بالکل ہی ناکارہ بن کر رہ گیا ہے۔" منال قدرے جل کر گویا ہوئیں۔

"بیٹا! کیوں تنگ کرتے ہو ماں کو..... خیر یہ فون سیل ویسے آئی ہوں، آپ لاؤنج میں چھوڑ آئے تھے، ایک کال آئی تھی ابھی۔

فائدہ بیگم کے چہرے پر نہ اسراہی مسکراہٹ ابھری تھی۔ "ایک لڑکی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"لڑکی کی کال..... وہ بھی پرس کے سیل پر.....؟" منال بیگم غور سے ذوالنون کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں، جو نانوں کے منہ سے

کسی لڑکی کا سن کر گڑبڑا گیا تھا۔

"ہاں..... رو رہی تھی۔ پرس اس سے خفا ہے کسی بات پر۔"

"میل کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔" زندگی میں پہلی بار اسے کسی کو یقین دلانا ناممکن لگ رہا تھا۔



"کون ہے یہ لڑکی؟" منال اس کی جانب کھوجتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ ان کے انداز میں محسوس کی جانے

والی سرد مہری تھی۔ "اور آپ نے یہ لڑکیوں سے دوستی کب سے شروع کر دی؟"

"ذبات ربش ماما! میں یہ سب کیوں کرنے لگا۔" وہ ہونٹ کاٹا ہوا بولا۔

"ڈونٹ بی کلی منال! کیا اسٹوپز سوال کر رہی ہو، یہ بیک جنریشن کا قہر مل ہوتا ہے۔ انجوائے منٹ ہوتی ہے اگر اس راتج میں یہ

سب نہیں ہوگا تو ہماری عمر میں ہوگا۔" فائدہ بیگم نے کال انڈیک کی تھی، وہ کچھ زیادہ ہی بڑے جوش و کھالی دے رہی تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی کس اسٹوپز لڑکی نے یہ سب حرکت کی ہے اور آپ خواہ مخواہ....."

"ہوتا ہے، ایسا ہوتا ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ پریشان مت ہوں۔" فائدہ بیگم اس کی بات قطع کر کے گویا ہوئیں۔

"ماما! آپ نے معلوم کیوں اتنی بڑے جوش ہو رہی ہیں، میں ایسی لڑکی کو یہو بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی جو اس طرح گھر والوں سے

ریکوسٹ کرتے ہوئے اپنی اکورڈ پوزیشن کا خیال نہ رکھے۔ وہ کتنی گھٹیا دان مینرڈ فیملی سے تعلق رکھتی ہے، ایسی لڑکی کی پرچائیں بھی میں

اپنی فیملی پر نہ پڑنے دوں۔" منال شانے اچکاتے ہوئے منہ ہٹا کر کہہ رہی تھی۔

"منال! ڈیز کیا ہو گیا ہے؟ کل تک تمہیں لگ رہی تھی کہ پرس لڑکیوں سے دور بھاگتا ہے، اسے کوئی پرائلم ہے، اب کیوں اس قدر

ٹینس ہو رہی ہو؟ ہمارے لیے یہ مسرت کا دن ہے۔" وہ منال سے مخاطب تھیں۔ ذوالنون اسی لمحے غصے سے چہرہ پٹتا کرے سے نکل گیا۔

"دیکھا آپ نے ماما! چوری اور سینڈزوری، کس طرح یہاں سے گیا ہے۔" منال فائدہ بیگم سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”آپ بھی کبھی بہت زیادتی کر بیٹھتی ہیں، کیا ضرورت تھی اس سے اس طرح سخت انداز میں دریافت کرنے کی؟ اس کی نیچر کو اچھی طرح جاننے کے باوجود آپ کا رویہ مجھے بہت بُرا لگا ہے، جس سوسائٹی میں ہم رہتے ہیں وہاں لو جو ان کیا کچھ نہیں کرتے، کس کس طرح لیلی اور لیلی ممبرز کی عزت و ناموس کو روندنا جاتا ہے، وجہیاں بکھیری جاتی ہیں پھر والدین ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ معاشرے میں ان کے لیے اعلیٰ مقام بناتے ہیں، حالانکہ وہ کھوٹے سکے ہوتے ہیں، نہ کردار ہوتا ہے نہ اخلاق و قابلیت۔“ منال سر جھکائے سن رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

گرمی کی شدتیں عروج پر تھیں۔

ہر صبح طلوع ہونے والا سورج پہلے سے زیادہ وحش و گمراہی اپنی جلتی سکتی شعاعوں میں سمیٹ کر لارہا تھا۔ زمین و آسمان دھبہ رہے تھے۔ ہر ذی روح اس قیامت خیز گرمی سے چمک رہے تھے۔

ایسے میں بی بی جان کا حراج دوا آئندہ ہو سکے رہ گیا تھا۔ بات بے بات وہ غصہ اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو رہی تھیں۔

”یہ گرمی کم ہونے کے بجائے دن بدن بڑھ رہی ہے۔ کچھ نہیں آتا کیا ہو گا نہ کیوں اس قدر گرمی ہونے لگی ہے جو برداشت سے باہر ہے؟“ سمیرا لائٹ نہ ہونے کے باعث ان کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں جو گیلری میں بیٹھی تھیں جہاں عقیلا لان سے تیز ہوا آ رہی تھی و مارٹل کے ٹخنہ سے فرش پر کاؤنگیوں کے سہارے نیم ہوا تھیں۔

”یہ سب بد اعمالیوں کی گرمی ہے سمیرا! گناہوں کے الاؤ اس قدر بڑھ چکا اٹھے ہیں کہ کہیں نیکیوں کی ٹخندک ہوتی بھی ہے تو محسوس نہیں کی جاتی ہے۔“ دوا ایک آؤ بھر کہ گویا ہوئیں۔

”بی بی جان! اچھے میاں کے اماں، ابا کیسے یکے بعد دیگرے اس دنیا سے چلے گئے۔ کل تک دونوں بیٹے دہو نہیں مگر میں رکھنے کی روادار نہ تھیں، ایک ماہ بھی تو دو دونوں جی نہ سکے۔“ سمیرا نے اسے انسو روگی سے کہا۔

”انسان کو مارنے کے لیے کوئی وہم کی ضرورت نہیں ہے۔ ارے انسان تو کالج سے بھی زیادہ نازک اور پھول سے زیادہ نرم مٹی سے بننا ہے۔ اس کو مارنے کے لیے بد صورت رویے اور نفرت ہی کافی ہے۔ شاید ہم نغذہ اور پانی کے بغیر زندہ رہ سکیں مگر محبت و اہمیت اور خلوص کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ نفرت و بے اہمیت اگر دوستوں کے درمیان بھی آ جائے تو بے چین و متغرب کر ڈالتی ہے پھر سوچو۔۔۔۔۔ ماں باپ اولاد کے درمیان آ جائے تو۔۔۔۔۔؟“

”مار ڈالنے کی جیسے اچھے میاں کے والدین ایک عرصے سے بیماری، تنگدستی و بے بسی سے لڑ رہے تھے مگر اولاد کی بے اہمیت اور نفرت برداشت نہ کر سکے اور زندہ گیاں ہار بیٹھے۔“ سمیرا بھی بہت ملول سی تھیں۔

”ہمارے معاشرے میں یہ سب بہت تیزی سے کسی موذی مرض کی طرح پھیل چکا ہے۔ آپ کو ہر گھر میں ایسی ہی کہانیاں جنم لیتی ہوئی نظر آئیں گی۔ موضوع ایک ہی ہوتا ہے، صرف کردار بدل جاتے ہیں، کہیں بھوسا، سر کی زیادتیوں کا شکار ہے تو کہیں ساس

سسر، بہو کی چلتر بازیوں، سازشی جال میں مقید نظر آتے ہیں تو کبھی غلوں کی چالاکیاں قلم کی انتہاؤں کو چھوتی نظر آتی ہیں تو کبھی دیور بھابیوں کی ستم طرہیوں کے آگے در بدر دکھائی دیتے ہیں۔“

”افسوس و ذکھ کا مقام یہ ہے کہ ایسے بد اخلاقی و بے حسی سے بھرپور مظاہرے ہم مسلمانوں کے گھروں میں رائج ہو رہے ہیں، ہم جس مذہب کی پیروی کرتے ہیں جس کو ماننے ہیں اس مذہب اسلام میں ہر رشتے کے آداب و مرتبے سے آگاہی بخشی ہے۔ ہمارا دین تو ہے ہی رواداری، درگزر، محبت و مروت کے پھولوں سے مہکتا چمن ہے پھر ایسی نفرت و جھگڑوں کو حراج بنانے والے ہم میں سے کیوں ہو گئے ہیں؟“

”جب میں کہیں ایسی لڑائیاں و حق تلفیاں دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے اس دنیا کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔“ بی بی جان سیدھی بخشتی ہوئی رنجیدگی سے گویا ہوئی تھیں۔

در اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب کو ماننے تو ہیں مگر یہ مذہب کو جاننے اور اسے سمجھنے کی کوشش بالکل نہیں کرتے، نہ ہماری نمازوں میں تسلسل ہے، نہ دوسرے عملیات میں روانی، اگر ہم اپنی نمازیں درست کر لیں تو انشاء اللہ سب کام درست ہو جائیں گے، پھر مگر کو جنت یا دوزخ بنانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے عورت پر لڑکی کی تربیت بہترین ہوتی ہے تو وہ سسرال میں اپنی قابلیت، اپنی ذات کو منوانے میں کامیاب رہتی ہے، گزریہ کر لیتی ہے سب کو اپنا اور اپنے اور غیر سب ہی اس کی تعریف و عزت کرتے ہیں، ورنہ معاملہ برعکس ہی ہوتا ہے جیسے اچھے میاں اور بھارے میاں کی بیویوں کی مثال ہے اگر ان کی تربیت میں نیکی و اچھائی اور بڑوں کی عزت کرنے اور چھوٹوں کی غلطیوں کو درگزر کرنے کی صلاحیت ہوتی تو مگر جنت کا نمونہ ہوتا۔“

”درست کہہ رہی ہیں آپ۔ بڑوں کی نفرتیں وعداؤں میں بچوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، دونوں بھائیوں کے بچوں کو میں نے کبھی ساتھ نہیں دیکھا، بلکہ میت والے دن نجی ایک دوسرے سے دور تھے۔“

”بچپن سے جن کے دلوں میں قاصدے پیدا کر دیئے گئے ہوں، وہ اپنی آسانی سے تھوڑی سیٹنے والے ہیں۔ یہ ان جامل عورتوں کی عاقبت اندیشیاں اور بد عقلیاں ہوتی ہیں جو بیٹیوں کے حجام ہونے پر ان کی راہوں میں رکاوٹیں بنتی ہیں۔“

”کس طرح بی بی جان؟“ سمیرا اور حمیرا دونوں متعجب ہوئی تھیں۔

”جب مانیں اپنے بیٹوں کے لیے لڑکیاں دیکھنے نکلتی ہیں تو صرف لڑکی کی خوب صورتی کو ہی ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ آنے والی بہوئیں اور جانے والی بیٹیاں کس طرح رہ رہی ہیں؟ ساس، مندوں اور دیورائیوں اور جینٹیلوں سے تعلقات کی نوعیت کیا ہے کیونکہ لڑکی جو ماحول گھر میں دیکھ کر آئے گی، وہی برتاؤ اپنے سسرال میں کرے گی۔ میں کہتی ہوں بیٹیوں کو لاکھوں کا جہیز مت دو لیکن کروڑوں کی تربیت دو۔“

☆----☆----☆

حیدر وغیرہ اور ثمرین، مول وغیرہ سے بے تکلف ہو چکے تھے۔ آج کل ان کی گفتگو حورین اور پرنس کے درمیان چھڑی سرد جنگ کے مطابق ہی ہوتی رہتی تھی کیونکہ دونوں فریق ایک جیسے مزاج و طبیعت کے حامل تھے۔ دونوں میں سے کوئی جھگڑے کو تیار نہ تھا۔

ذوالنون کی آج بھی یہی ضد تھی کہ لڑکیاں پر پوزل تلاش کرنے آتی ہیں، بلکہ شکار کی تلاش میں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔ حورین نے ان الزامات کو اپنی اتاد و کار کا مسئلہ بنالیا تھا۔ اس کا کہنا تھا وہ اپنی فضول بکواس پر تمام طالبات سے معافی مانگے۔ یہ معاملہ بہت خطرناک صورت اختیار کر سکتا تھا اگر بروقت پرو فیسر آفتاب حسن مداخلت نہ کرتے اور دونوں کو نہ سمجھاتے۔

پرو فیسر آفتاب حسن کے احترام میں ذوالنون نے اپنی زبان بند کر لی تھی، مزید اس نے کچھ نہ کہا تھا مگر حورین سے معذرت کرنے پر راضی نہیں ہوا تھا۔ پرو فیسر آفتاب حسن اس کے والد کے جاننے والوں میں سے تھے اور بہت حد تک وہ اس کی فیملی بیک گراؤنڈ اور بالخصوص ذوالنون کی طبیعت و مزاج سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے انہوں نے مناسب گفتگو میں حورین سے ذوالنون کی جانب سے معذرت کی تھی۔

اس وقت بھی وہ لوگ فری پیرے میں لان میں بیٹھی تھیں، اب ہی وہ لوگ اسی طرف آئے تھے۔ ٹلیک سلیک کے بعد وہ لوگ حورین سے مخاطب ہوئے تھے۔

”حیدر! آپ مجھے فزین نہیں کر سکتے۔“

”بس! ہم آپ کو فورس نہیں کر رہے بلکہ ریکورسٹ کر رہے ہیں، بھول جائیں جو ہوا سو ہوا، پھر ذوالنون نے جو کہا وہ آپ کے لیے نہ تھا..... بلکہ..... بلکہ ایسی لڑکیوں کے لیے تھا جو ایسا کرتی ہیں اگر کہیں تو یہاں کی ڈیجیروں مثالیس رے سکتا ہوں جس سے ثابت ہو جائے گا کہ ذوالنون نے ایسی غلط بات نہیں کہی ہے۔“ حیدر کے بعد مامون اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”آپ لوگ کچھ بھی کہیں، لیکن میں جانتی ہوں جو غلط ہے وہ غلط ہے، اگر چند لوگ برا کرتے ہیں تو یہ مطلب نہیں کہ سب بُرے ہیں اور اگر ایسا بھی ہے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا ان کو برا کہنے کا۔“ اس کا موڈ بڑی طرح آف ہو چکا تھا۔

”حورین پلیز! کول ڈاؤن۔ سب بھول کیوں نہیں جاتیں، سر آفتاب حسن نے معذرت تو کر لی ہے، اب بلاوجہ بات کو طول دینا ہے۔“ ثمرین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا۔

”سب سے زیادہ افسوس مجھے اس امر کا ہے، سر آفتاب نے بھی ایسے فیصلے کا ساتھ دیا ہے جو مستحب مخالف کی عزت و توقیر کرنا نہیں جانتا۔“ حورین کسی طرح سر بڑھ کر نے کو تیار نہ تھی، اس سے قبل دو چار دن بھی اسے کئی مرتبہ سمجھا چکی تھیں اور وہ نہ مانی تھی۔

”آپ سر آفتاب سے بدگمان مت ہوں مگر حورین! وہ بہت گریٹ انسان ہیں ان جیسے نائیکس لوگ دنیا میں نایاب ہیں۔“ مڈر نے بھی لب کشائی کی۔

”آپ کچھ بھی کہیں میں بہت ہرٹ ہوئی ہوں اس کے رویے سے۔“

”اور..... حور! کم آن جو ہوا پلیز بھول جاؤ۔ سر آفتاب کی ہم سب عزت کرتے ہیں تم بھی کرتی ہو، ان کی خاطر ہی فراموشی کر دو۔ ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے اس ٹاپک پر ماحول ٹینس ہوئے۔ اگلے ماہ سے سمسٹر شروع ہونے والے ہیں اور ہم تیار ہوں گے ساتھ ساتھ پریشانی میں جکڑ ہو گئے ہیں۔ پلیز خود بھی ہڈ سکون ہو جاؤ اور دوسروں کو بھی ہونے دو۔ فضول میں آپ سیٹ رہنے لگی ہو۔“ زویا کے انداز میں عصمانہ پن تھا جس کی سب نے تائید کی تھی۔

”او کے میرا کیا جاتا ہے اگر تم لوگوں میں ہی سیلف رسیکٹ نہیں ہے تو پھر میں کون سا اس پر کوڑے برسا رہی ہوں۔“ حورین بڑی طرح کبیہہ خاطر ہو کر بولی تھی۔

حیدر، مامون، مدثر کچھ دیر مزید وہاں بیٹھے رہے تھے پھر اٹھ کر اپنے ڈیپارٹمنٹ چلے آئے تھے جہاں پیریز شروع ہونے والا تھا۔ پیریز کے بعد وہ ڈو والٹون کے ساتھ بیٹھے، اس کی اس پریشانی کو ڈسکس کر رہے تھے جو پچھلے کچھ ہفتوں سے اسے پوری طرح موبائل پر ریج کر چکی تھی۔

پہلے صرف اس کی کال اس کے موبائل پر آتی تھی لیکن اس کے بعد نانو، نانا جان، ماما، کوئین اور اس کے فریڈز کے موبائلز پر بھی کالز آنے لگی تھیں۔ وہ سب سے اس کی شکایت کرتی اور ایسے میں اس کے لہجے میں اتنی صداقت و سچائی ہوتی تھی کہ کوئی بھی یہ جان ہی نہیں پاتا کہ وہ اداکاری کر رہی ہے۔

وہ جو کوئی بھی تھی، بہت ذہین و مزاح شاس تھی جس سے بھی بات کرتی وہ اس کی سائیڈ ہو جاتا تھا۔ اسے حیرا لگی تھی، ہر گز رتاؤں ان کی حیرا لگی و پریشانی کے ساتھ ساتھ تجسس میں بھی اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ وہ کون ہے؟

اس طرح کر کے کیا حاصل کرنا چاہتی ہے؟ جس کا مقصد شاید اسے اپنی خلافت میں مبتلا کرنا تھا اور وہ ہو گیا تھا۔ بے سکونی، اضطرابی کیفیت میں وہ جتلا ہو چکا تھا۔ مسٹر او ماما کے جیلے کئے ریمارکس، نانا جان کی فراخ دلانہ آفرز، کوئین کی شوخیان، دوستوں کی شرارتیں اس کے حواسلے سے، جس کو وہ جانتا بھی نہ تھا جس کے وجود سے وہ یکسر لاعلم و انجان تھا۔

اسے ملال اس بات کا تھا کہ سب اس کے مزاح و مرثت سے اچھی طرح واقفیت رکھنے کے باوجود اسے جھٹلا رہے تھے۔ نہ معلوم وہ بڑی تھی یا ساحرہ؟

”تمہارا موڈ مجھے کچھ زیادہ ہی بگڑا ہوا لگ رہا ہے۔ کیوں نہ کچھ عرصے کے لیے سمسٹرز کے بعد ساؤتھ ایریا چلیں وہاں کی خوب صورتی یقیناً فریش کرے گی، قدرتی حسن سے مالا مال ہیں وہ ایریا“۔ حیدر نے کچھ زیادہ ہی اس کی سنجیدگی محسوس کر کے کہا۔

”لیکن..... وہاں جانے سے قبل کسی کی اجازت ضروری ہے۔“ مامون فو و معنی لہجے میں گویا ہوا۔

”کس کی؟“ ذوالنون نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”وہی..... جو آپ کی بے اعتنائی.....“

”اپنا منہ بند کرو، بہت ہو گیا۔“ حسب توقع وہ بھڑک اٹھا۔

”ریلیکس..... ریلیکس میرے بھائی! وہ جو کوئی بھی ہے تمہیں پریشان کر کے انجوائے کر رہی ہے۔ شاید وہ یہی چاہتی ہے کہ تم اس طرح ڈپریشنڈر ہو اور ڈپریشن میں سب سے دور ہو جاؤ۔“ مڈثر نے سوچ کر کہا۔

”یار اتم کیوں است سرور و ناتار ہے، ہو بہت سارے ذرائع ہیں اس راز کو سامنے لانے کے لیے، وہم کسی بھی ذرائع سے معلوم کر سکتے ہیں اس کا ثروالی کا نام وائپر لیس اور پھر.....“

”وہ بہت چالاک لڑکی ہے ایسے تمام مراحل کو مد نظر رکھ کر اس نے یہ کیم شروع کیا ہے۔ اسے فریس کرنے کی کوشش مل ہو گئی ہے۔“ حیدر نے تفصیل بتائی تھی۔

”ابنی وے۔ اس سٹیز کو بند کرنے کے پروسیجرز ہمارے پاس بہت سارے ہیں مگر..... ہم خود اسے ڈھیل دے رہے ہیں کہ دیکھتے ہیں مگر نہ کس حد تک جاتی ہیں۔“ دو تینوں بیٹھے آراوے رہے تھے۔ ان کے درمیان موجود ذوالنون بالکل خاموش تھا۔

☆.....☆.....☆

منال پنک اور بلیک باڈر والی فینسی ورک کی سازشی میں بک سک سے تیار ملازموں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

سفید کلف شدہ وردیوں میں مصروف ملازمین جی سے ادھر ادھر مقرر تھے۔ لیکن سے اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔

”کونین! آج بہت اچھی طرح سے ڈریس اپ ہونا۔“ دو لاؤنچ سے گزرتے کونین سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”اوو! کوئی خاص مہمان آرہے ہیں؟“ وہ مسکرایا۔

”ارے میں نے کل بتایا تھا آپ کو کہ سز طلعت اپنی بیٹیوں کے ہمراہ آرہی ہیں۔ میں نے انہیں ڈنر پر مدعو کیا ہے۔“

ان کے انداز میں خاصی سرت پنہاں تھی۔ کونین نے انہیں اس طرح بے فکری سے مسکراتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتے بہت کم

ہی دیکھا تھا۔ وہ جب بھی اس طرح مسکراتیں تو خوشی آنکھوں سے اور بے فکری ہر احساس سے عیاں ہوتی تھی۔ اسے ماں کا یہ روپ بہت

سرور کرتا تھا اور اس کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ اسی طرح سدا فینسی مسکراتی رہیں۔

”کوئی بات؟“ خاص ”معلوم ہوتی ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“ وہ اس کی جانب دیکھتی معنی خیزی سے گویا ہوئیں۔ ”گیس کرو؟“

”آپ کے ہر مہمان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور ہوتی ہے، کم از کم میں گیس نہیں کر سکتا۔ کیوں نالو! ٹھیک کبر ہا ہوں نا؟“ وہ

اندرا آتی فالتھ پیگم سے تائیدی لہجے میں گویا ہوا۔

”بلاشبہ میرے بیٹے“۔ انہوں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

”اوہ کے جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔ وہ آنے والے ہیں۔“ کونین فوراً ہی سر ہلاتا ہوا تابعداری کے انداز میں وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کی بھی تابعداری و فرما برداری محال اور ناقہ نگہیم کو سرشار کر دیتی تھی۔

”مما! پاپا ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ میں نے کہا ابھی تھا کہ آج جلدی آئے گا۔“ منال درست واضح دیکھتی ہوئی پولیس۔

”میں وی تو بتانے آئی تھی۔“ دو صوفے پر بیٹھتے ہوئے پولیس۔

”کیا۔۔۔؟ کیا ڈیڑی نہیں آرہے؟“ وہاں کے چہرے پر لکھی تحریر بتا کہ پڑھ چکی تھی۔

”ہاں، کوئی بزنس ڈیپلیکیشن اچانک ہی آ گیا ہے، اس وجہ سے دو معذرت کر رہے تھے۔“

”اوہ ممما! ڈیڑی سے ملاقات ہو جاتی ان کی تو اچھا تھا۔۔۔۔۔“

اوہ کم آن ڈیڑا کیوں اس قدر پریشان ہو رہی ہو؟ مسز طلعت تھوڑی دیر میں آ رہی ہیں۔ ابھی پہلی ملاقات ہے، اس کے بعد بھی ہوتی رہیں گی۔

”سوری ممما! میں بہت جلد آپ سیٹ ہو جاتی ہوں۔“ ایک حقیقت سکرا بٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔

مسز طلعت نام کے مطابق ابھی تک نہ پہنچی تھیں۔ کونین کے ساتھ ڈو النون بھی بیٹھا تھا اور تانوں کے مہمانوں کے انتظار میں بے چین دکھ رہا تھا۔ منال کے بار بار اصرار کے بعد وہ یہاں موجود تھا۔

”ڈنر کب شروع ہو گا؟“ ڈو النون گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

”مسز طلعت کا انتظار ہو رہا ہے، وہ آ جائیں۔“ کونین نے تسلی دی۔

”آخر میری بھینجھ میں نہیں آتا، ممما! ایسے لوگوں سے متاثر کیوں ہوتی ہیں جو ویسٹرن ممالک میں رہتے ہوں؟“ اس بار اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

”مسز طلعت کوئی ایسی ویسی نہیں ہیں، انگلینڈ میں ہائی سٹریٹ میں مو کو کرتی ہیں، بہت ٹاپ ہول تک ریلیشن ہیں اور بزنس تو کئی ملکوں تک پھیلا ہوا ہے۔“ منال حسب عادت قصیدہ گوئی میں مصروف تھیں۔

”میں جا رہا ہوں۔“ ڈو النون سے مزید مروت نہ برتی گئی۔

”پرنس میری جان اچھے جاؤ پلیز اوہ آر سی ہیں، ابھی کال آئی ہے۔ آپ کے نانا جان بھی مصروفیت کے باعث نہیں آئیں گے، ان کو کہنی دینے کے لیے کسی کو تو ہونا چاہیے نا۔“ ناقہ محبت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”سوری نا تو! میں کبھی نہ دے پاؤں گا۔“

”ہاں، آپ کو تو نکلے نکلے کی لڑکیوں کو کہنی دینے کی عادت ہے۔ اپر کلاس کی لڑکیوں کی کہنی کیسے افورڈ ایبل ہوگی آپ کے

لیے۔“ منال بیگم تخت طویلیہ انداز میں گویا ہوتی تھیں۔

”مما پلیز! کول ڈاؤن“۔ کوئین ماما کے گڑتے تھوڑا دیر ڈالنا کاج و کچھ کرنا کھڑا ہوا تھا۔

”منال! تم بھی حد کرتی ہو، بلا سوچے سمجھے ہر بات کہہ دیتی ہو۔ پرنس! بیٹھو اتنی جلدی ڈس ہارٹ مت ہوا کرو“۔ وہ منال سے

تخت لہجے میں کہہ کر اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”سوری نا تو اچھے مست روکیں، میرا یہاں سے جاتا ہی ٹھیک ہے، دور نہ ماما کی پارٹی خراب ہو جائے گی اگر میں یہاں رہا تو“۔

اس کے وجہ بہ چہرے کے نقوش میں سرخشی تھی، دو نور اچلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”یہ بی بی جان کیا عجیب و حیرت انگیز بلکہ..... بلکہ تجسس آمیز کام کر رہی ہیں، کچھ سمجھ نہیں آ رہا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا

ہے؟“ سرد پریشان انداز میں دمی سے مخاطب ہوا تھا۔

”مجھے لگ رہا ہے ان کا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہے“۔ وہ سرگوشیاں انداز میں گویا ہوا۔

”قتل؟“ سرد اٹکھیں نکال کر بولا پھر اس کی شرارت سمجھ گیا۔

”گناہ ہے تمہارا ہی کریں گی، تمام گناہوں کی توبہ کر لو“۔

”اچھا“۔ اس کا انداز چڑانے والا تھا۔

”ہاں کیونکہ مرتے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔ توبہ کے دروازے زندگی میں ہی کھلے رہتے ہیں“۔ دو عالمانہ انداز میں کہہ اٹھا۔

”کیا ہوا؟ کس کے دروازے کھل گئے؟“ سودا اور ہریرہ اندر داخل ہوتے ہوئے پُر تجسس انداز میں گویا ہوئے تھے۔

”سودا کی سنگ دل مجاہد کے دل کے دروازے“۔ دمی کوئی سوچھی تھی۔

”مبارک ہو یا ر! اس خوشی میں پارٹی کب دیر رہے ہو؟“ وہ اسے گھیر کر بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔

”میں کوئی پارٹی پارٹی نہیں دوں گا“۔ وہ مجھے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔ ”تم لوگ سیدھی بات کرنا تو جانتے ہی نہیں“۔

”یار پارٹی نہیں دینا چاہتے تو نہ دگر..... اس قدر رخصت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ ہریرہ حیرانی سے بولا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں اس دمی کو سمجھا رہا تھا کہ کبھی تو اپنے بائیں شانے والے فرشتے کو آرام کا موقع دیا کرو جو تیرے

گناہ آلودر جہنم بھر کر تنگ آ چکا ہوگا، کبھی اس پر رحم کھالے“۔ سرد نے جوش کے بجائے اب ہوش کی لائیں پکڑی تھی۔

تم دونوں چو نہیں لڑا رہے ہو، بات کیا ہوئی؟“ ہریرہ کے پوچھنے پر دمی نے ساری بات بتا دی تو وہ بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

”شاباش ہے بھئی!“ اسی دم بی بی جان اندر آ کر گھومتے ہوئے بولیں اور جواباً اسی ان کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

”کل سے کہہ رہی ہوں اسنو روالی دو چھتی سے اچار کے مرتبان اتار دو مگر تمہارے کانوں پر کوئی جوں نہیں رہتی“۔

”بی بی جان! آپ نے ہمیں لڑکیوں کی طرح گندہ سمجھا ہوا ہے جو ہمارے سر میں جوئیں ہوں اور وہ بھی اتنی تعداد میں کہ کان پر رکھیں۔“ وحی کی زبان بے قابو ہوئی تھی اور بی بی جان کا ہاتھ۔

”ذبا نہیں تمہاری لڑکیوں سے زیادہ تیز ہیں جو کٹر کٹر قہقی کی طرح چلتی بھی رہتی ہیں اور کام کے نام پر سانپ سونگھ جاتا ہے۔“ مگر اوٹھ ٹھور کی بنی دو جھتی سے وہ بڑے بڑے بھاری بھر کم مرتبان اٹارنا گوا آسمان سے تارے توڑ کر لانے سے کم ہی معرکہ رہا تھا۔ کئی مرتبان ان کے ہاتھوں سے گرتے گرتے پہنچے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لہزش دیکھ کر وہاں کھڑی بی بی جان نے کہا تھا۔

”خبردار! ایک بھی مرتبان نہیں ٹوٹنا چاہیے۔“

”اگر..... ہماری ہڈیاں ٹوٹ گئی تو؟“ سہو نے ہانپتے ہوئے گلہ کیا۔

”تو کوئی بات نہیں۔“ نہایت اطمینان سے جواب ملا۔

”ہڈیاں جڑ جائیں گی مگر..... مرتبان جو داوی کی نشانی ہیں، ٹوٹ گئے تو کبھی نہ جڑ پائیں گے۔“

”ان مرتبانوں میں برادری کے خاندان والوں کی رو میں تو براجمان نہیں ہیں جو یہ اسٹنہ بھاری بھر کم ہیں۔“ ہریرہ کی سرکشی پر انہوں نے مشکل سے قہقہہ روکے تھے۔

”بہت سخت محنت کے بعد وہ چھوٹے بڑے کئی قسم کے مرتبان اٹارنے میں کامیاب ہوئے تھے۔“

”کیسے پسینے پسینے ہو گئے ہیں کچھ لڑکے! محنت کی عادت جو ختم ہو گئی ہے۔“ پسینوں سے شرابور ہانپتے ہوئے لڑکوں کو دیکھ کر وہ ہمدردی کے بجائے طے سے پولیس اور نیا حکم صادر کیا کہ وہ تمام مرتبان محکم میں پہنچا دیں۔

”بی بی جان! اتنا سارا اچار بنائیں گی آپ؟ میرا مطلب ہے بیچنے کا ارادہ ہے کیا؟“ ہریرہ کو بہت تعجب ہو رہا تھا۔

”چچا۔“ حسب توقع وہ خوش دلی سے مسکرائیں۔ ”ارے نہیں چنا! یہ جو مرتبان دیکھ رہے ہونا سال سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان میں بھرے ہوئے اچار دوسرے۔“

”کیا جنات وغیرہ کی دعوتیں کرتی ہیں آپ؟“ مہمان ہونے کی وجہ سے ان تینوں سے وہ کافی رعایت برتی تھیں، اس لیے بے دھڑک دو لوگ ان سے ایسے سوال بھی پوچھ لیا کرتے تھے جو یک پارٹی خواہش کے باوجود نہ پوچھ سکتی تھی۔

”جنت تو مفت میں بدنام ہیں، ہم انسان کسی جن سے کم ہیں کیا۔“

”بی بی! پھر بھی اتنا دھیروں اچار دوسرے مقصد سمجھ نہیں آیا۔“ ہریرہ ابھی بھی گولگو کی کیفیت میں تھا۔

”دراصل بی بی جان کے ہاتھوں میں اچار اتنا لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے کہ خاندان کے علاوہ دوست، احباب بھی بلا جھجک مانگ کر لے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ اچار کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔“ سہو نے کھل کر وضاحت کر دی۔

”بی بی جان بتاتی بھی تو کئی قسم کے اچار ہیں۔ لوگ ایک کے بعد دوسرا اور تیسرا مانگتے آتے ہیں۔“ وحی کے لہجے میں تو صیغہ تھی۔

”یہ تو خامدانی روایت چلی آرہی ہے، ہمارے بزرگوں کے دور سے۔“ بی بی جان کی آنکھوں گزرتے وقت کے چراغ لوہے لگے تھے۔ قتل اس کے کہ وہ کتاب ماضی کے اوراق پلٹے بیٹھ جاتی، ملازمہ شربت لے آئی تھی اور انہوں نے جان بچ جانے پر تشکر آمیز سانس لیے تھے۔

☆.....☆.....☆

ذوالنون کے غصے میں جانے کے بعد ماحول خاصا ٹینس ہو گیا تھا۔ کوئین جو پہلے ذوالنون کی ماں کے ساتھ مس انڈر اسٹینڈ ٹیم اور رویے پر اسے سمجھا تا رہا تھا مگر اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ ماما اس کے ساتھ بہت سرد رویہ اختیار کرتی تھیں اور ان کا یہ رویہ اس وقت تک کمر و نہیں نہوتا تھا جب تک وہ ایسے ہی کسی جوانی رویے کا اظہار نہ کرے۔ اس لیے وہ اب زیادہ تر اسے تنہائی میں سمجھانے کو ترجیح دیتا تھا۔ جس دن سے کسی لڑکی نے سوہاگل پر شرارت شروع کی تھی، اس دن سے ماما اس کی سخت دشمن بن گئی تھیں۔ بات بات اس کو جاہل عورتوں کی مانند طعنے دیتی تھیں۔ اس کی دل آزاری کر کے نہ معلوم ان کو کیوں سکون ملتا تھا؟ ان کا معلوم ٹون کا لڑکی وجہ سے ان ماں بیٹے کے درمیان تناؤ تھا۔ شروع شروع میں اس نے بھی سچ سمجھ کر ذوالنون کو بہت آخر ز کی تھیں مگر رفتہ رفتہ بھائی کی سچائی اور انکار پر یقین آچکا تھا۔ یہ حقیقت مثال بیگم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھیں۔ ان کی اسی ہٹ دھرمی و بے یقینی نے ان کے درمیان فاصلے بڑھا دیئے تھے۔

”جب بچے قدم میں دم سے بھی اونچے ہو جائیں تو بہت سوچ سمجھ کر ہینڈل کیا جاتا ہے ان کو، کتنی بار سمجھایا ہے لیکن.....“
 ”اوہ ماما! آپ خیال مت کریں۔ اس کا چلے جانا ہی بہتر ہے، ورنہ ہمارا امپرنیشن سز طلعت اور ان کی بیٹیوں پر اچھا نہیں ہوتا۔“
 سز طلعت اپنی دونوں صاحب زادوں کے ہمراہ تشریف لائیں۔ قاتلہ بیگم اور مثال نے بہت بڑے تپاک طریقے سے استقبال کیا تھا۔ سز طلعت بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ دونوں بیٹیاں بھی ماں کے ساتھ کمزری سیاہ کوٹ سوٹ میں ملبوس خیمے نقوش و سفید رنگت والے اس خوب صورت جوان کو دیکھ رہی تھیں جس کی شخصیت سے وقار و تمکنت چاندکی کرنوں کی طرح جھلمل ہو رہی تھیں۔
 ”یہ میری بیٹیاں ہیں، زینبی اور زمرہ۔“ سز طلعت نے تعارف کروایا۔
 ”ہاؤ سو کیٹ۔“ انہوں نے ہاری ہاری دونوں کے رخساروں کو چوما۔

”سز طلعت! آپ کی بیٹیاں بھی آپ کی طرح دل آویز پر سنائی کی مالک ہیں۔“ مثال اور قاتلہ کی تعریف میں کوئی ہٹاؤٹ و چالپسی نہ تھی۔ زینبی و زمرہ میں ماں کی طرح وقار تھا۔

عام سے ٹراؤزرو سوٹ پر دوپٹے اور پکے سے میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھیں، ان کے لباس سے انداز سے ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ کسی آزاد و بے ہاک ملک کی پروردہ ہیں۔ زینبی تعلیم سے فارغ تھی۔ زمرہ انگلش لٹریچر میں ایم اے کر رہی تھی۔

”یہ میرے بڑے بیٹے ہیں کونین۔ ایم۔ بی۔ اے کے بعد اپنا بزنس سنبھال رہے ہیں۔“ منال نے کونین سے تعارف کروایا، جو اب مسز طلعت کو سلام کیا تو انہوں نے بڑی شفقت سے جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ لڑکیوں سے بھی چلو ہائے ہوئی تھی۔ وہ انہیں لے کر لیوٹنگ روم میں آگئی تھیں جہاں ان کی تواضع چیری اور پائٹن اہل سے کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ملازمہ کو کھانا لگانے کا آرڈر بھی دے دیا گیا تھا۔

”مسز طلعت! آپ مانی نہیں ورنہ میرا تو آپ کے اعزاز میں ایک بڑی پارٹی دینے کا ارادہ تھا۔ اس طرح کوئی انجوائے منٹ ہو رہی ہے۔“ منال ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے، مگر کا ماحول، آپ لوگوں کی اپنائیت۔ یہ سب کسی پارٹی میں کہاں ملتا ہے؟ ہٹاؤٹی لوگ، ہٹاؤٹی انداز، ہٹاؤٹی چہرے، کھوٹے سیکے کی طرح لگتے ہیں مجھے۔ میں ہی نہیں طلعت صاحب اور بچیاں بھی سخت بوریت محسوس کرنے لگی ہیں ان پارٹیز میں۔“ منال اور فاطمہ بیگم نے تعجب خیز نظروں سے ایک دوسروں کی جانب دیکھا تھا۔

”کئی پارٹیز پر میں نے جانے سے معذرت کر لی تھی۔ عجیب لوگ ہو گئے ہیں یہاں کے۔ خلوص، مروت، وفا تو گویا بھول ہی گئے ہیں۔ مسز طلعت کے لیے جن محبت ہی آج ختمی۔

”جو جس کے نزدیک ہوتا ہے، جو زیادہ محبت و چاہت کا اظہار کرتا ہے، پیٹھ پیچھے وہی اس کا بدترین دشمن ہوتا ہے۔“ مسز طلعت کے انداز میں ڈکھونا پسندیدگی تھی۔

وہ دونوں ماں بیٹی اندر ہی اندر جزیبہ ہو رہی تھیں، دو جس جگہ سے آئی تھیں وہاں کی ذرا بھی نمائندگی نہ کر رہی تھیں۔ اپنی باتوں سے، انداز سے، کسی دور افتادہ علاقے کی ہاسی لگ رہی تھیں۔ پارٹیز میں ٹھیکسرا نظر آنے والی سوشل سی منفرد سی دو ماں بیٹیاں اس وقت اپنے مختلف روپ میں تھیں کہ وہ حیران تھیں۔

کھانا بہت بے تکلف ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد کافی کے دور میں مسز طلعت کو کچھ یاد آیا۔

”منال! آپ کے دوسرے بیٹے نظر نہیں آ رہے؟ آپ نے ان کا بھی ذکر کیا تھا۔“

”پرنس کے دوست کے ہاں ٹنکشن ہے، وہاں گئے ہوئے ہیں۔“ انہوں نے پہلے ہی جھوٹ کی تیاری کر لی تھی۔

”کونین ازینی کولا بھریری دکھاؤ۔“ وہ مسکرا کر زینی کی طرف دیکھ کر گویا ہوئیں۔

کونین جو یہاں سے جانے کا سوچ رہا تھا، اس نئے حکم پر جزیبہ ہو کر رہ گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا، صاف انکار کر دے جس طرح ڈالٹون اپنی مرضی و مرشت کے خلاف کسی بھی کام کو منع کر دیتا تھا مگر..... اگلے لمحے وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ اس نے اوّل روز سے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مہما کو خوش رکھے گا۔ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو انہیں دکھی کرے۔ چا جو ڈکھان کی جھولی میں ڈال کر گئے تھے وہ اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ اس تکلیف کا مادہ کرتا چاہتا تھا۔

اس دور میں بھی ہوتا ہے، جو محبت کرتا ہے وہ آزما جاتا ہے ایک بار نہیں، بار بار.....

زمران کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ زینی نے بھی لائبریری دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ وہ لان میں چلی آئی تھیں۔

"کیا باہر ہیں آپ کی؟" وہ چلتی ہوئی کونین سے مخاطب ہوئی۔

"باہر؟" وہ دل کشی سے مسکرایا۔ "ایجوکیشن لائف میں وہی کاسن ہائیز ہی ہیں۔ لانگ ڈرائیونگ، میوزک، بکچر، مہلہ گلہ جو اس

عمر میں ہوتی ہیں۔"

"اس عمر میں؟" وہ اس کی بات اُچک کر شوخی سے بولی۔

"ابھی کیا آپ خود کو دادا ابا کی اتج کا بھتیجے لگے ہیں؟"

"اتج تو نہیں..... لیکن ٹین ایجر تو اب نہیں ہوں"۔ کونین کے اعزاز میں وقار و اعتماد تھا۔

"شاید آپ نے خود پر بڑے بیٹے ہونے کے حوالے سے بہت زیادہ ذمے داریاں ڈالی ہوئی ہیں، اسی باعث آپ خود کو

ادور اتج سمجھتے ہیں، ورنہ پر سنالٹی تو آپ کی ابھی بھی کالج اسٹوڈنٹ کی طرح ہے۔ زینی اس سے از حد متاثر نظر آ رہی تھی۔

"میں سمجھ نہیں رہا، یہ میری تعریف ہے یا....."

"اوسے نہیں..... یہ آپ کی تعریف ہے، بالکل جائز اور اصلی"۔ وہ کھٹکھٹا کر گویا ہوئی تھی۔ کونین مسکرا کر رہ گیا۔

آسمان پر چاند کی روشنی مدھم تھی۔ لان میں لگے یسپ سے مرکری روشنیاں ہر نو پھلی ہوئی تھیں۔ موتیا اور موگرے کی روح پرور

خوشبوئیں ہوائے کے ساتھ مل کر فضاؤں میں گردش کر رہی تھیں اور اس کے دل میں عجیب سی خوابیدہ خواہش بیدار ہونے لگی تھی۔

دل کی اسکرین پر وہ چہرہ اپنی تمام اختیاء، لاپرواہی و بے نیازی و دل آویزی سمیت روشن ہو گیا تھا۔

دل پاگل ہے، اس کے باد لے پن کی کوئی حدود و قیود نہیں، جب یہ پاگل پن پرتا ہے تو پھر دنیا انشت بدعواں رہ جاتی ہے۔

محبت کے سمندر میں، خواہشوں کی سر پھری موجیں عظیم برپا کرتی رہتی ہیں۔ اس کے اندر بھی ایک خواہش کی موج اپنی زور

آداری دکھانے لگی تھی، پھٹنے لگی تھی کہ..... اس وقت اس کے ساتھ زینی کے بجائے خستری ہوئی اور وہ وقت کی تیلوں کو اپنی مٹیوں میں قید کر

لیتا..... کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔

زینی اس کے ساتھ چلتی ہوئی نہ معلوم کیا باتیں کر رہی تھی۔ اسے ہوش نہ تھا، وہ دماغی طور پر غیر حاضر تھا۔

"مسٹر کونین!" اپنی باتوں کے جواب میں اسے خاموش پا کر زینی نے اسے پکارا تھا مگر وہ ہم تھا کسی سرونٹ کو اندر سے گیت ابھرا تھا۔

محبت چوے جن کے ہاتھ

جوانی پاؤں پڑے دن رات

سینس نہ ہائے..... وہ کسی کی بات

زینبی نے تعجب سے اس کے کھوئے کھوئے انداز کو دیکھا تھا۔

نینوں میں جن کے کا جل بین کر

رہے سہائی رات.....

محبت چوسے جن کے ہاتھ

جوانی پاؤں پرے ون رات

سینس نہ ہائے..... وہ کسی کی بات

”مسٹر کوئین! کیا آپ لہیک ہیں؟“ اس بار اس نے کوئین کا شانہ ہلا کر کہا تو وہ گڑبڑا کر حواسوں میں لوٹا تھا۔

”ہاں..... ہاں میں ٹھیک ہوں۔ چلیں اندر چلتے ہیں۔ بہت ٹائم ہو گیا ہے۔“ وہ اپنی بات پوری کر کے تیز قدموں سے اندر

غائب ہوا تھا۔ زینبی اس کے الجھن آمیز رویے پر ہکا بکار ہو گئی تھی۔

مسز خلعت اندر خوش چپیوں میں ان کے ساتھ مصروف تھیں۔

کوئین خاموشی سے کارنگال کر جا چکا تھا، دل کے راستوں پر۔

☆.....☆.....☆

مہم زندگی حیرتی راہ میں

حسب آرزو تیری چاہ میں

وہ آہز گیا، وہ بسا نہیں

جو چھڑ گیا، وہ ملا نہیں

جو دل و نظر کا سرور تھا

وہی اک گلاب اُمید کا

میری شاخ جاں پر کھلا نہیں

میرا ہم سفر جو عجیب ہے

تو عجیب تر ہوں میں، آپ بھی

مجھے منزلوں کی خبر نہیں

اسے راستوں کا پتہ نہیں

وہ ایڑی چیر پر بیٹھا تھا۔ آنکھیں بند کیے سوچوں میں گم تھا۔ ایک ہفتے قبل مہاسے ہونے والی جھڑپ نے اسے مزید شرب کر

دیا تھا۔ وہ بھی اس بار صلح کے موڈ میں نہ تھیں۔ اسے دیکھتے ہی جملے پھینکنے شروع ہو جاتی تھیں کیونکہ اس بدقیض لڑکی کی کالز برابر آرہی تھیں۔ بات اتنی نہ بگڑتی، صرف مذاق تک نہیں رہتی اگر دہلائی اپنا نام بتا دیتی یا ان کے ہزار بار پوچھنے کے باوجود والٹون کوئی فرضی نام بتا دیتا۔ وہ دولوں ماں بیٹے اس وقت غصے و بے اعتمادی کے ٹکچے میں پھنسے ہوئے تھے۔

مثال جن کی مدت کی خواہش رہی تھی کہ وہ صنف مخالف میں دلچسپی لے، فریڈ شپ کرے جیسا کہ ان کے سرکل موسائٹی میں ہوتا تھا مگر ڈالٹون ان کی آرزوؤں کے برعکس تھا۔ اس کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنے خول سے باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ مہر کر کے بیٹھ گئی تھیں تو اب ان کا ٹرنے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ پہلے وہ اس کو کسی لڑکی کی شرارت سمجھی تھیں مگر شرارت طویل نہیں ہوتی ہے۔ انہیں یقین تھا۔ یہ لڑکی یقیناً صمد کی چھوٹی بیٹی عریبہ ہے۔ وہ ان کی پلاننگ سمجھ گئی تھیں کہ کس چالاکی سے وہ لوگ ان کی زندگی کا جہنم بنانے کا ارادہ رکھتی تھیں..... لیکن وہ بھی کم نہیں تھیں کہ ایک بیٹے کو وہاں منسوب نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ تو پھر دونوں بیٹوں کا معاملہ تھا جو سر کر بھی انہیں منکور نہ تھا، اسی وجہ سے ان کے درمیان بدگمانی و سرد مہری کی دیوار قائم ہو گئی تھی۔

گو کہ ابھی انہوں نے اپنے خدشوں کا اظہار کسی سے نہ کیا مگر ڈالٹون کچھ کچھ ان کے طعنے اشاروں سے سمجھ رہا تھا اور یہی ان کو ان سے بدظن کرنے کا باعث تھا۔
تیل فون کی بیل نے اسے متوجہ کر لیا تھا۔
"ڈالٹون بول رہا ہوں۔"

"بولتے رہتے پلیز۔" دوسری طرف سے شوخ نسوانی آواز نے اس کے اعصاب چنچھوڑ دیئے تھے۔ وہ سخت غصے سے گویا ہوا۔
"تم..... اسٹوپ! انجی میں سکوگی مجھ سے۔"

"اود..... چنکا کون چاہتا ہے۔" دوسری طرف سے سرواہ بھر کر کہا گیا پھر ایک قہقہہ گونجا تھا۔
"یو چیپ گرل! تم نے جرات کیسے کی میرے رشتے داروں سے کنٹیکٹ کرنے کی؟ انہیں مس کا بیڑہ کرنے کی، تم سوچ بھی نہیں سکتیں، جو میں تمہارا حشر کروں گا۔" اس کے لہجے میں آدم خور و دندان جیسی غراہٹ تھی۔ غصے دھنوں کی حدوں سے وہ لکھ چکا تھا۔ لہجے بھر کو دوسری طرف خاموشی چھائی تھی، پھر دوسرے لہجے دی قہقہہ گونجا تھا۔
"ہی ہی..... اتنا غصہ..... اتنا غصہ نہیں کرتے۔"

"شت اپ۔"

"اتنا غصہ کرو گے تو دو باتیں ہوں گی۔ تمہارے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی یا دل کام کرنا بند کر دے گا، اگر ایسا کچھ بھی نہ ہو تو پھر بھی دو باتیں ہوگی، یا تو لوگ تمہیں پاگل سمجھیں گے یا سائیکل، اگر سائیکل سمجھیں گے تو بھی دو باتیں ہوں گی....."
"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" اس نے اس کی بات قطع کر کے ٹون خوار لہجے میں کہہ کر سیل آف کر کے بیڈ پر اچھالا اور خود دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

شدید اشتعال میں اس کا وجہ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شریانوں میں خون کی روانی بڑھ چکی تھی۔
”بہت ہو گیا، اب اس اسٹوری کا ڈراپ سین کرنا پڑے گا۔“ اس نے محکم ارادہ فیصلہ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”حورین پلیز! اس بے وقوفی کو یہیں ختم کر دو۔ مجھے لگ رہا ہے تمہارا مذاق سنگین صورت اختیار کرنا جا رہا ہے۔“ زویا نے تنبیہ کی
سے اس سے کہا جو ابھی آواز بدلی کر ڈالنا کوننگ کر رہی تھی اور کئی بہتوں سے اس نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا تھا، جب سے ڈوالٹون نے
اسے ہرٹ کیا تھا، بجائے معافی مانگنے کے بہت دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔

کافی دنوں تک حورین اس کی اس حرکت اور سخت الفاظ کی گرفت میں بے چین رہی تھی اور آخر کار مول اور زویا کو اعتماد میں لے
کر اس نے یہ پلاننگ کی تھی۔ پہلے دو دونوں مان نہیں رہی تھیں مگر اس نے بھی منوا کر چھوڑا تھا، پھر ان کے ذریعے ہی حیدر وغیرہ سے وہ تمام
فون نمبرز اس طرح حاصل کیے گئے کہ خود انہیں بھی محسوس نہ ہو سکا۔ آج پہلی بار وہ ڈوالٹون سے مخاطب ہوئی تھی۔

”یہ مذاق نہیں انتقام ہے اس انسلٹ کا جو اس نے میری کی اور مجھے ذاتی طور پر مار چڑ کیا۔ ابھی تو کچھ نہیں ہے آگے آگے دیکھنا
ہوتا ہے کیا۔“ موسوف کوچ چچ پائلن خانے نہ پہنچا دوں تو۔“ وہ ہنستے ہوئے نیم دراز ہو کر گویا ہوئی۔

”بھل کو بھی کبھی قریب آنے دیا کرو۔ معلوم ہے وہ ہم کے ذریعے تم تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔ اتنا عرصہ بھی وہ اس لیے شاید مبرا
کرتے رہے کہ تم نے ان سے براہ راست بات نہ کی تھی۔“ مول نے اسے سمجھانا چاہا۔

”اب میں اتنی بے بھل بھی نہیں ہوں کہ ڈائریکٹ اپنی ہم استعمال کروں گی۔“ وہ چہرے پر آنے والی سہمی گویا ہوئی۔
”پھر یہ ہم کس کی ہے؟“ وہ دونوں چوکی تھیں۔

”خان بابا کی۔“

”خان بابا کی؟“ زویا اچھلی۔

”کیا مطلب؟ وہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟“ مول نے پوچھا۔

”وہ مارغ سے۔“ وہ کھٹکھٹا کر ہنسی ہوئی گویا ہوئی۔

”اوہ پلیز سسٹنس پیدا مت کرو۔“

”پاپا میرے لیے نیا سیل لے کر آئے تھے، پہلے والا میرے لیے بے کار تھا۔ ایک دن اتفاقاً مجھے معلوم ہوا کہ خان بابا (ڈرائیور)
کے پاس سیل فون نہیں ہے، میں نے وہ سیل انہیں دے دیا تھا۔ اب کچھ دیر کے لیے لے لیتی ہوں۔“ وہ بانیں آنکھ باکر شونی سے گویا ہوئی۔

”اوہ! گیم تم نے اچھا کھیلا ہے۔“ وہ دونوں بھی ہنس پڑی تھیں، پھر مول کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

”آج ان کی گفتگو سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ اب ہر طریقے سے یہ معلوم کر کے دیں گے، کس کی شرارت ہے؟“

"تو کریں معلوم..... خان بابا صاف بول دیں گے کہ صیب ام کو نہیں معلوم کون لڑکی آپ کو تنگ کرتا ہے۔" حورین سب سے زیادہ اعتماد تھی۔

تم دل کو بے قرار کیوں نہیں کرتے
میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں کرتے
جی نہیں سکتا ہو کہ جدا تم سے
لیکن تم تو محبت کا اظہار نہیں کرتے
ہریرہ ونگٹا تا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں؟ دروازہ تاک کیے بغیر اندر آتے ہو۔" وہ تینوں جو آڑی ترجی بیڈ پر بیٹھی تھیں، جلدی سے سیدی پیٹھ مٹی تھیں۔ حورین اسے گھور کر بڑبڑاتی۔

"دروازہ پہلے سے کھلا تھا۔۔۔ میں سمجھا میرے لیے کھلا ہے۔" وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے نہ تھا۔
"یونہی! میرے لیے کھلا ہو، منہ دھو رکھو۔"

"تم منہ دھونے کی بات کرتی ہو، میں نہا کر آیا ہوں۔"

حورین اسے گھور کر رہ گئی، جب کہ وہ دونوں ہنس پڑی تھیں۔

"اتنا قصہ مت کرو یہ خوب صورت چہرہ بگڑ کر رہ جائے گا اور مانیں تمہارا نام لے لے کر بچوں کو ڈرایا کریں گی۔" وہ کچھ جھک کر اس کے ہال بگڑتا ہوا بولا۔

"ہریرہ بھائی! کیوں تنگ کرتے ہیں آپ اس کو؟" مول نے اس کی سائیڈ لی۔

"بی بی جان کو معلوم ہو گیا تو خیر نہیں آپ کی۔"

"بی بی جان نے ہی تو بھیجا ہے مجھے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم نے کہا تھا تا اسلام آباد جانے سے قبل شاہک کرنا چاہتی ہو۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ کیا تم نے بی بی جان سے اجازت لے لی؟" حورین لڑائی بھول کر بیڈ سے اترتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اگر شاہک سینئر اس دنیا میں نہ ہوتے تو تم لوگ کیا کرتیں؟ کیسے زندگی گزارتیں؟" وہ از حد حیران تھا۔

"اگر ہم نہ ہوتے تو شاہک سینئر نہ ہوتے، کیونکہ ہم نے ہی ان شاہک سینئر کو قائم کیا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے کاروبار

صرف ہم خواتین کی وجہ سے چل رہے ہیں۔" حورین فخریہ انداز سے بولی۔

”وہ کسی نے کہا ہے کہ۔“

”وجود زن سے ہے کائنات میں رنگ۔“

”تو صرف کائنات ہی نہیں کائنات کی ہر شے زن کی وجہ سے ہی گل دھجھار و روشن ہے۔“ وہ ایک کے بعد ایک جواب دے رہی تھیں۔ ہر پر پہلی بار ان کی موجودگی میں لا جواب ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہنزہ اور اس کی بیوی ہنی مون سے واپس آچکے تھے۔ راجیلہ بیگم نے سہو کے مشورے سے ڈنر پر خاصا اہتمام کروایا تھا، کیونکہ آج کوئین کی بھی ہنزہ کی بیوی سے پہلی ملاقات تھی۔ وہ پہلے ہی ان سے ملاقات کے دن گمن گمن کر گزار رہا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بھی کئی بار آچکا تھا، البتہ وہ انون نے کافی دنوں سے کوئی چکر نہ لگایا تھا اور نہ ہی کال کی تھی۔

وہ ایسا ہی تھا۔ خبر گیری کرنے پر آتا تو کالز پر کالز کرتا، مگر پر بھی آتا یا پھر ایسے ہی بھول کر بیٹھ جاتا، وہ کوئین کے ذریعے اس کی خیر خیریت معلوم کرتی رہتی تھیں۔

کوئین سب کے لیے تھانف لے کر آئی تھا، (مثال کی بے خبری میں) ہنزہ کی بیوی کے لیے طلائی سیٹ تھا جس میں قیمتی تکیوں کا کام تھا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ حرے دار باتیں ہو رہی تھیں۔ صبر انکل، صنوبر آنٹی، دواو و سب ہی موجود تھے۔ ہنزہ کی ایک ایک بات بتائی جا رہی تھی۔ غصے کے شوق جملوں کے ساتھ محفل و صفران زاد بھی۔ ہنزہ کی بیوی نے انکسٹل کافی بتائی تھی سب کے منع کرنے کے باوجود، وہ ہنس رہا تھا۔ باتیں کر رہا تھا مگر اس کے اندر اضطراب و اضطراب زرد آندھی کی طرح پھیلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل یہ وقت، یہ لحاظ اسے زندگی کا حاصل لگ رہے تھے۔ پھولوں کی تمام خوب مسورتیاں، ستاروں کی تمام نیامہ پاشیاں اسے یہاں بکھری ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ اٹھ کر کیا گئی، گویا چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ پھول مرجھا کر اپنا رنگ دیکھو بیٹھے تھے۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، بھر وہ بیٹھا نہیں تھا، جلد آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔

خضریٰ نے کمرے کی کھڑکی سے اس کی کار کو دیکھ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا، پھر ان کی نظریں لوٹ آئی تھیں۔ نہ معلوم اس کے گداز دل میں کیسا احساس جاگزیں ہوا تھا، وہ اسی کھڑکی کی چوکھٹ سے ہاتھ لٹک کر رونے لگی تھی۔

جذبوں نے جب تک حجاب کی ادا اداؤں کی ہوئی تھی، تب تک وہ اس کے ساتھ، اس کے سامنے بیٹھی رہا کرتی تھی۔ احتیاطی چلوں کو جھکائے ہوئے مگر جب جذبوں کی زور آوری حجاب و احتیاط کو تار تار کر کے سامنے ایسا وہ ہو گئی تو پھر اس نے گریز دے رکھی کو تو تھپار بنایا تھا لیکن..... ایسا کر کے اسے بے نامی اداسی نے آن گھیرا تھا۔ دل تنک کا پھاڑ بن گیا تھا جو آنکھوں کے راستے بہتا تھا۔

کوئی طلب بھی نہیں سو گوار بھی ہوں

پکارتی بھی نہیں محو انتظار بھی ہوں

نجانے کتنے ارادوں میں بٹ گیا ہے وجود

اسے بھلا بھی دیا اور سبے قرار بھی ہوں

”چندا! دادو کی لرزتی آواز، کا پتا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کر کے اس نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ”کیا ہوا چندا کیوں رو رہی ہو؟“ دادو جب بہت لاڈ میں ہوتی تو اسے اسی نام سے پکارتی تھیں۔

”کچھ نہیں دادو! بس ایسے ہی۔“ وہ دوپٹہ چہرے پر لگاتی ہوئی گویا ہوئی مگر آنسوؤں پر کب کسی کا بس چلا ہے، وہ رُک نہیں رہے تھے۔

”بس ایسے ہی۔“ وہ اسے شانوں سے تمام کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ”چلو مل کر روتے ہیں، میرا بھی ایسے ہی دل چاہ رہا ہے۔“ آواز ان کی پہلے ہی بھرائی ہوئی تھی۔ قل اس کے کہ خضریٰ سنبھلتی دوا سے سینے سے چٹائے بنے آواز رو رہی تھیں۔

”میں جانتی ہوں میری بچی! جو تجھ پر اور میرے بچے پر گزر رہی ہے، گزرا وقت ایک بار پھر ہے روپ میں میرے سامنے کھڑا ہے۔ حزن اور کزن مجھے آج کل بہت یاد آ رہے ہیں، تمہارا کونین کو دیکھ کر کتران، اس کی موجودگی میں زیادہ تر اپنے کمرے میں رہنا اور اس کا ہر دوسرے تیسرے دن ہماگ بھاگ کر آنا، بے چمن نگاہیں، بے تاب انداز کچھ بھی میری نگاہوں سے چھپا نہیں ہے۔“ وہ روتے روتے اس حقیقت کو عیاں کر رہی تھیں جو وہ کبھی تھی کہ کوئی نہیں جانتا۔

”دادو! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے کبھی بھی ان کی پذیرائی نہیں کی بلکہ..... پہلے قدم پر ہی لوٹا دیا تھا۔“ وہ سسکی ہوئی بولی۔

”مجھے احساس ہے میری بیٹی اتم بالکل درست کر رہی ہو، یہ وہ راستے ہیں جن پر کا مزن ہو کے منزل نہیں ملتی، بتائیاں، رسوائیاں ملتی ہیں۔ محبت کا ایک گلشن میں نے خود خاک کیا تھا کی راکھ نہ معلوم کب تک مجھ پر چھٹکی جاتی رہے گی۔“ ان کے آنسوؤں میں ندامت و پچھتاوے تھے۔



بیٹا! ہمیں ہمارا مذہب از حد وسعت قلبی و تحمل و درواری کا درس دیتا ہے، بالخصوص منصف نازک کی عزت و احترام تو سب پر لازم ہے۔ عورت صرف ایک جسم و تسکین کا نام نہیں ہے، اس سے بہت سارے احترام و عزت، محبت و خلوص کے رشتے بھی وابستہ ہیں کہ ماں کے روپ میں جنت کا ٹکس، بہن کے روپ میں شہنشاہی چھاؤں، بیٹی کے روپ میں چاہت ہی چاہت، شریک حیات کے روپ میں راحت و وفا۔ ان کے علاوہ بھی عورت سے وابستہ رشتوں میں سکون و اُپائیت ہوتی ہے، مثلاً دادو، نانی، پھوپھو، خالہ، تائی، چچی وغیرہ وغیرہ۔“ پروفیسر آفتاب حسن نے موقع دیکھ کر اسے اس کی زیادتی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی کیونکہ انہیں احساس تھا اس واقعے کے بعد حورین ان سے کچھ کہنی کہنی ہی رہے گی ہے۔ اس کے فنگلی بھرے رویے نے ہی انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ نعلی سراسر ذالانوں کی ہے۔

”سرا! میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن یہ جنس بہت بڑی ہے راہ روئی کا بھی شکار ہے اور اس کو ہم کسی باعزت و اخلاقی

رشتے سے وابستہ نہیں کر سکتے۔ مجھے ان کریکٹرز سے نفرت ہے، شدید نفرت۔ وہاں کلف شدہ شلوار سوٹ میں اس کی شان دار شخصیت نمایاں تھی۔ مگر آکھیں شفاف و روشن قمیص، وجہ چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”پھر وہی بات ہوگئی جس طرح ہاتھ کی تمام انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اسی طرح ہر لڑکی بھی خراب نہیں ہوتی، سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”اس اوکے۔ آپ ڈائریکٹ وہ بات کریں جو کہنا چاہ رہے ہیں۔“ وہ قریب رکھی ڈائری کے ورق اٹھاتا ہوا گویا ہوا۔

”ہاہاہا..... بہت نکاد شمس ہو، میں کہہ رہا ہوں، یہاں چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام کرتا ہوں، چند اسٹوڈنٹس کے ساتھ ان لڑکیوں کو بھی انوائٹ کریں گے اور تم معذرت کر لینا، ہلکے پھلکے اعزاز میں۔“ وہ چائے میں چینی ملا رہے اس کی حالت سے بے خبر کہہ رہے تھے، جبکہ ڈوائنوں کی نگاہیں ڈائری کے ایک ورق پر کھے موہاں نمبر اور نمبر کے سامنے لکھے نام پر جم کر رہ گئی تھیں۔ چند لمحے قبل نظر آنے والا اس کا مطمئن انداز بدل گیا تھا۔

”کیا ہوا تم خاموش کیوں ہو گئے؟ آؤ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“

”سر! سر!..... یہ نمبر..... یہ نمبر کتنا کیوں گیا ہے؟“ وہ ڈائری ان کے کتے ٹھیل پر رکھتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

”یہ نمبر حورین کا تھا۔“ وہ اس کے اندر ہوتی ہیما تک اپنل سے بے خبر چائے کا لگ بڑھاتے ہوئے اطمینان سے بولے۔

”تھا سے مطلب سر؟“ وہ مضطرب ہوا۔ اُن بھی ڈور کا سراہا تھا آکر نکلا رہا تھا۔

”حورین نے دوسرا سیل لے لیا ہے بلکہ یہ نمبر اس کے شو فر کا ہے۔ حورین نے اسے یہ موہاں گفٹ کیا ہے مگر آپ کیوں انکواری کر رہے ہو؟ موہاں کے ذریعے معذرت کا ارادہ ہے کیا؟“ وہ شوخی سے بولے تھے۔

”شی ڈونٹ لائک۔“ وہ نفرت بھرے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

موسم ابر آلود تھا۔ ہوا بند اور شدید گھٹن وجہ سے ماحول میں پھیلا ہوا تھا۔ سر آفتاب کے ہاں ہونے والی پارٹی ابھی ختم ہوئی تھی۔ تمام اسٹوڈنٹس جا چکے تھے۔ حورین اور ڈوائنوں کے علاوہ سر آفتاب نے انہیں دانستہ روکا ہوا تھا۔ حورین بار بار رستہ واضح دیکھ رہی تھی۔

”سر! ابھی تک گھر سے شو فر نہیں آیا ہے۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔“ وہ سر کے قریب آکر پریشان لہجے میں گویا ہوئی۔

”پریشان نہ ہوں، ڈوائنوں آپ کو ڈراپ کر دیں گے۔“ وہ شفقت سے مسکرا کر ڈوائنوں کی طرف دیکھ کر گویا ہوئے جو جانے کی تیاری میں تھا۔ ان کی بات سن کر ٹھیک کر ڈک گیا۔

”آتم سو ری سر! میرا روٹ الگ ہے۔“

”زیادہ وفا صلہ نہیں ہے، ڈراپ کر دو، موسم کے تیور دیکھ رہے ہو کسی بھی وقت برس سکتا ہے۔“

”سر! شو فر آتا ہوگا، میں انتظار کر لوں گی۔“

”موسم ٹھیک ہوتا تو میں خود تمہیں ڈراپ کر آتا۔ اس وقت آپ دونوں اٹا کی قید سے نکل آؤ جو ہوا د بھول جاؤ۔ ابھی بہت سارا وقت تم لوگوں کو ساتھ گزارنا ہے، اگر اسی طرح نفرتیں، ہندوا میں پالتے رہے تو کل اپنے گولڈن جیریڈ کو کس طرح یاد کرو گے جو ہر اسٹوڈنٹ

اپنی آئندہ زندگی میں یاد رکھتا ہے۔" ان کے لہجے میں ایسی کوئی بات ضرور تھی کہ دونوں ہی سر جھکا کر رہ گئے۔ سر آفتاب نے خود اس کے لیے ڈرائیونگ ڈور کھولا تھا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ دوسرے ہاتھ ملا تا جوا محکوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سرائیکی مہک بھیل گئی۔

سر آفتاب کا رادھل جو نے تک ہاتھ ہلاتے رہے تھے۔ ان کی کوشی مضاماتی علاقے میں تھی۔ یہاں بہت بہت فاصلے پر بچلے کونیاں بنی ہوئی تھیں۔

دو جب ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی، تب بھی موسم بھیگا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ ہوا کے جھونکے بھی تھے۔ سر سبز اور ہر سو پھیلی خاموشی کو اس نے خوب انجوائے کیا تھا اور اس وقت، دو اتنی ہی بیزار و خوف زدہ تھی۔ دن میں لگا ہوں کو تراوت بخشے والا سبز اس وقت آنکھوں میں خوف بھر رہا تھا۔ آسمان سیاہ تھا اور اس کی سیاہی ہر شے پر محیط تھی۔ فضاؤں میں عجیب نڈاسرا سرگوشیاں تھیں، اس کا دل بڑی طرح دھڑکنے لگا تھا۔ ساتھ بیٹھا شخص کسی روٹ کی مانند تھا، ایک لفظ نہ کہا تھا۔ پارٹی میں بہت مختلف وطن سارا نظر آنے والا اس وقت وہی اپنے کھور پن دسر دہری میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر شے سے باہر پھیلی سیاہی کو دیکھنا شروع کیا مگر یہ کیا؟

"یہ..... یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہ راستہ غلط ہے۔" وہ کار کو پیچھے کی بجائے آگے رواں دواں دیکھ کر ہراساں ہو کر کہتی۔

"خاموش رہو، مجھے معلوم ہے یہ راستہ غلط ہے۔" اس کے لہجے میں گویا ڈر ہوں کی پمنا تھی وہ پوری جان سے کانپ اٹھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کے انداز میں وحشت تھی۔

"میں نے کہا نا خاموش رہو۔" وہ دھاڑا۔

"کیوں خاموش رہوں؟ تم..... تم گھٹیا انسان کا روکو، کار روکو در نہ میں....." ڈر، خوف، وحشت خیر لگا ہوں سے کبھی باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ کبھی اس کے سفاک چہرے کو دیکھ رہی تھی، جہاں صرف درنگی و بے رحمی دکھائی دے رہی تھی۔ باہر گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی تھی۔

"ہلیز! میری بات سنو کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ تم..... تم آخر چاہتے کیا ہو؟" کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ جک اٹھی تھی۔

"اتنی آسانی سے بتا دوں۔" وہ استہزاء انداز میں گویا ہوا۔

"تم کو میں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ تم جیسی لڑکیوں کے باعث عبرت ہوگی۔ تم اپنی مکاریوں سے دوسروں کی زندگی، ہمیں و سکون سب ختم کر دیتی ہو۔" اس نے ایک دیران جگہ پر گاڑی روک دی تھی۔

اس کے چہرے پر خطرناک عزائم کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھیں لیورنگ تھیں، اس کے لفظوں میں شیطوں کی لپک تھی۔

"تم نے سیل کالز کے ذریعے جس قدر مجھے ذہنی و جسمانی ذمہ سب کیا، ان سب کا بدلہ لوں گا۔" اس نے ڈیش بورڈ میں رکھی ایک بوتل نکالی تھی اور از حد مسرت سے جھک کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ کی گرفت میں جکڑ لیے تھے۔ وہ بڑی طرح مچلے لگی تھی۔

"خدا کے لیے مجھے معاف کر....." بوتل سے تیزاب اس کے چہرے پر پھینکا جا چکا تھا اس کی لرزوز خیز چیخوں سے کار گونج اٹھی تھی۔



بادل بڑی زور سے گر جاتا۔

اس شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نیم خوابیدہ آنکھیں ارد گرد گھمانیں، ہر سونگھپ اندھیرا تھا، بیڈ کے عین سامنے کمر کی سے باہر سوسلا دھار بارش دکھائی دے رہی تھی۔

کمرے کی دیوہیز خاموشی میں باہر ماربل کے فرش پر گرنا بارش کا پانی بہت شدت سے شور کر رہا تھا۔ اس کی آواز اور ذوالنون کی بے ترتیب سانسوں کی آوازیں اس تاریک ماحول میں عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ کئی لمحوں سے وہ یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کچھ دیر قبل جو اس نے دیکھا، وہ خواب تھا یا۔۔۔ یہ خواب ہے؟

بارش اسی طرح برس رہی تھی اور بادلوں کی کھن گرج بجلی کی چمک اسی طرح تھی۔

کارٹیں وہ اور حورین..... اور اس کا حورین کے چہرے پر ایسٹ جھپکناس کی درود تکلیف میں ڈوبی اذیت ناک کراہیں، وہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کونین اسے پکارتا ہوا اندر آیا تھا۔ اندھیرا دیکھ کر اس نے تمام لائٹس آن کی تھیں۔ بیڈ پر اسے پسینے میں شرابور دیکھ کر پریشانی سے آگے بڑھا۔

"پرنس! کیا ہوا پارٹنر! تمہیں اتنے پیسے کیوں آرہے ہیں؟" اس کے شانے پر بازو رکھے ہوئے ایک جہاں کی فکرتھی اس کے لہجے میں۔

"اوہ..... جھینکس گاڈا وہ خواب تھا۔" مہری سانس لے کر ڈھیلے انداز میں وہ بھائی کے شانے سے سرٹکا کر گویا ہوا۔

"خواب؟ کیا خواب دیکھ لیا؟" اس نے برادرانہ شفقت سے ذوالنون کو ہٹایا کیونکہ وہ ایسی بے تکلفی بہت کم کرتا تھا۔

"بہت بھیا، بہت خطرناک۔" وہ ابھی اس کیفیت سے نکل نہیں پایا تھا۔

"خواب محض خواب ہوتے ہیں ان سے کیا ڈرنا، کم آن لائک ڈرائیونگ پر چلتے ہیں وہاں سے پھر داد کی طرف چلیں گے۔" وہ الطمینان سے جھنستا ہوا بولا، جبکہ ذوالنون کے چہرے پر حیرانگی درآئی تھی۔

"بھائی! اس ٹائم لائک ڈرائیونگ اور دادو کے ہاں جانا ٹھیک رہے گا؟" اس کے استفسار پر کونین کے منہ سے نکلنے والا تہتہ بے

ساختہ تھا۔

"ڈائیر برادر! یہ رات کے نہیں دن کے چار بج رہے ہیں۔ آپ آج یونیورسٹی سے جلدی آگئے تھے اور سو گئے تھے۔" کونین کی

وضاحت پر خفیف سی مسکراہٹ اس کے چہرے کو روشن کر گئی اور اسے یاد آیا کہ وہ آج یونیورسٹی گیا تھا اور دوپہر یونیورسٹی کے سر آفتاب کی طرف چلا گیا تھا۔ دو کئی دلوں سے اسے گھرنارہے تھے۔

وہاں باتوں کے دوران اتنا چٹاس کی نگاہ ڈائری میں نوٹ حورین کے سیل نمبر پر پڑ گئی تھی۔ سر آفتاب کی وضاحت کے باوجود

اسے اس کا گیم سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی، وہ انہیں کچھ بتائے بغیر واپس آ گیا تھا۔ غصے و جنون کے باعث اس کی حالت ضبط سے باہر تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی جو دوسری تمام لڑکیوں سے مختلف ہے۔ خود سر، جھمنڈی، بددماغ کیوں اسے پریشان کرنے پر کمر بستہ ہے اور اب اس انکشاف نے اسے بالکل آؤٹ کر دیا تھا کہ وہی لڑکی ہے جو اسے اور دوسرے لوگوں کو اس حوالے سے تنگ کرتی رہے گی۔ وہ اسی سوچ میں مویا تھا پھر جو کچھ دیکھا تھا وہ اس کے غصے و جنون کا اثر تھا جو خواب میں نظر آیا۔

☆.....☆.....☆

انس نے کالام میں ہایک خوب صورت کالج خریدا تھا۔

اپنی مرضی سے اس میں کچھ تبدیلیاں کروانے کے بعد نئے سرے سے اس کی تزئین و آرائش کر دالی، جس سے کالج کی خوب صورتی کئی گنا بڑھ گئی اور یہ کالج اس نے ویڈیو گیمز پر کرن کو گفٹ کیا تھا۔ وہ چاروں سالگرہ منانے اس کالج میں آئے تھے۔ سارا دن سیر سپاٹے میں گزر گیا۔ ڈنر ایک اعلیٰ ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چل رہا تھا، اس اور سعد ہاتھوں میں مشغول تھے۔ فار یہ بھی ان کی گفتگو میں گا ہے بگا ہے حصہ لے رہی تھی۔ اس کے برائے مضمین کرن ڈی طور پر وہاں سے غائب تھی۔ سیر دن بھر کی بنا رہی ساڑھی، جس پر ایک گولڈن بارڈر اور گولڈن و میرون کنٹراسٹ میں دیدہ زیب کام ہوا تھا۔ گولڈن بلاؤز میں اس کا تناسب سراپا آج بھی وہی دل کشی درخشاں کیلئے ہوئے تھے۔ گزرے تیس سال گویا اسے چھوئے پہاڑی گزر گئے تھے۔ اس کے سراپے میں محبوبہ و قدر و کمالت نے اسے شان دار بنا دیا تھا۔ انس اس کی محبت میں ہر حد و عبور کر چکا تھا، وہ اسے دیکھ کر جیتا، ہر گزرتا دن ان کی محبت میں اضافے کا باعث تھا۔

اب بھی اس کی وارفتگی بھری نگاہیں بار بار چل چل کر اٹھ رہی تھیں۔ پیچنگ جیولری، لائٹ ہیک اپ میں ان کا حسن دو چہ تھا۔ "باز آ جاؤ"۔ سعد نے کافی کلک اٹھاتے ہوئے ڈومنی لہجے میں کہا۔ "بھائی کو نظر لگا کر چھوڑو گے؟ کب سے دیکھے جا رہے ہو....." "کیوں بھی! آپ کو کیا تکلیف ہے! اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں۔" "لیکن اعزاز تو آپ کا محبوبہ کو دیکھنے والا ہے۔"

"محبوبہ کو ہی دیکھ رہا ہوں۔ شادی کے تیس سال بعد بیوی دیکھنے والی نہیں جھپکنے والی شے بن جاتی ہے۔" وہ کافی سے سب لیتے ہوئے شوخی سے بولے۔

"ار..... رے انس بھائی! کسی باتیں کر رہے ہیں..... میرا تو خیال کیجئے۔" فار یہ نے خوف زدہ ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی تو وہ تینوں مسکرا دیے۔

"بے فکر رہیے بھابی صاحب! آپ کے بارے میں یہ ایسا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ اس نے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

”کیوں بھی! مجھ پر یہ پابندی کیوں؟ تیس سال میں بیوی پھینکنے کے لائق ہو جاتی ہے تو مجھ پر ان کو نہ پھینکنے کی پابندی کیوں؟“
 سعد اس طرح جریز ہو کر گویا ہوئے جیسے وہ ناریہ بیگم کو اسی وقت قارغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور انس کی بات ان کی راہ میں رکاوٹ بنی ہو۔ قاریہ بیگم نے انہیں خشکیں لگا ہوں سے گھورا تھا۔

”اس لیے جناب من! کہ بھابی صاحبہ اب کے بیوی ہی نہیں بلکہ دو بچوں کی ماں بھی ہیں جن میں سے ایک عدد کڑیل جوان بیٹا ہے اور جب بیٹا باپ کے قد کے برابر ہو جاتا ہے تو ماں کو بیوی مضبوط بنا دیا گاہ لگتی ہے، اب تم ان کو نہیں پھینک سکتے یہ.....“ دو دانستہ جملہ ادھر اچھوڑ کر مسکرانے لگے تھے۔ قاریہ بیگم کے ذکر پر فخر سے مسکرانے لگی تھیں اور سعد صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

”تم سے میں آج اتنے سال بعد بھی نہیں جیت سکتا یا مگر یہ محبوبہ اور بیوی والا کیا فلسفہ بھانڈا ہے جو کچھ نہیں آیا؟“
 ”یہ فلسفہ نہیں میرے جذبات ہیں برادر“۔ وہ کافی کا بسپ لے کر کرن کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ کافی سے نکلتی بھاپ کی پر چھانچوں میں جس کے حسین دند وقار چہرے پر شرم کی قوس قزح نکھری ہوئی تھی۔

”لوگ پہلے محبت کرتے ہیں پھر شادی“۔ انس نے جذب کے عالم میں بیٹا شروع کیا۔ کرن کے چہرے پر سرخی گہری ہونے لگی تھی۔
 ”محبوبہ جب تک محبوبہ رہتی ہے تو زندگی بہاروں، ستاروں، چاند اور چاندنی کی طرح دل کش و حسین لگنے لگتی ہے اور جب محبوبہ بیوی بن جاتی ہے تو سمجھو..... بہاروں کی مہک، ستاروں کی طرح چمک، چاند کی طرح دیکھتے دن چاندن کی محسوس ہوتے ہیں اور بیوی کسی آسیب کی طرح خود پر مسلط نظر آتی ہے۔ میں نے پہلے شادی کی پھر محبت کی۔ کرن پہلے میری بیوی بنی اور پھر محبوبہ۔“ اس کا لفظ لفظ انوت محبت کی خوشبو میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا لہجہ چاہت کی خوشبوؤں سے معطر تھا۔ کہیں بھی کسی غلش، کسی کک، کسی تڑپ کی بے چینی نہ تھی۔
 سعد نے بہت عقیدت سے انس کا ہاتھ چوما تھا۔

☆.....☆.....☆

خضریٰ وارڈ کے داؤغ سے قارغ ہو کر چلی تھی کہ وارڈ بوائے ایک وزینٹ کارڈ لے کر اس کے پاس آیا، کارڈ پر چمکتے نام نے اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب کر دی تھیں۔ عجب سنساہٹ اس کے رگ دہے میں دوڑنے لگی۔ اس شخص کی آج دیتی لگا ہوں کی تلاش سے بچنے کے لیے وہ گھر میں چھپی پھرتی تھی، کمرے میں مقید ہو جاتی تھی۔

مگر یہاں..... ہسپتال میں..... کس طرح قرار حاصل کرے؟

”ڈاکٹر! کیا جواب دوں.....؟“ منع کر دوں؟“ وارڈ بوائے کی زیرک لگا ہوں نے اس کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھتے ہوئے درست گمان کیا تھا..... اور وہ چاہنے کے باوجود اثبات میں گردن نہ ہلا سکی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گرے چنٹ سوٹ، وائٹ شرٹ پر آویزاں گرے نائی میں چمکتے خوب صورت چہرے پر ایک ایسی سحر انگیز مسکراہٹ تھی جس میں کئی رنگ تھے۔ ہلکے شکایت، اچانکیت و چاہت، اُلفت و محبت جو روشنی بن کر اس کی آنکھوں میں جگمگا رہی تھی۔ وہ ان چمکتے رنگوں کی دہلی روشنیوں کی تاب نہ لا سکی

اور ٹاچیں جھکتی چلی گئیں۔

”بیٹھ جاؤ۔“

”جھینکس اسے لٹا، ورنہ میں سمجھا تھا آپ مجھے سی طرح سزا میں کھڑا رکھیں گی۔“ وہ مسکرا کر کہتا ہوا کرسی پر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

”سزا..... کیا، کیا ہے آپ نے جو میں آپ کو سزا دوں گی.....“ اس نے اپنی اٹھل پٹھل ہوئی دھڑکنوں اور سنسناتے اعضاء پر قابو

پاتے ہوئے مخصوص انداز میں کہا جو انداز اسے باوقار و مستربنا تھا۔

”آپ کو تلاش کرنے کی جسارت بدویر و خفاقات کی گستاخی کی سزا۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ کو نین..... بھائی.....“ ایک عرصے سے وہ اسے ”بھائی“ کے خطاب سے پکارتی آئی تھی مگر جب

سے کو نین نے نئے جذبوں کی تشبیہ شروع کی تھی، تب سے اس کی زبان کو نین کو پکارتے ہوئے ہر بار لڑکھڑا جاتی تھی۔

اس نے اس کے ان چاہتوں کے سمجھنے جذبوں کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ ہر بار شدت سے رد کرتی اور ٹھکراتی آئی تھی مگر..... کو نین

کے چہرے پر ناگواری و ترشی اس کی زبان کو بے ربط کر دیتی تھی۔

”شٹ اپ، شٹ اپ، تمہارے منہ سے نکلا یہ لفظ مجھے زہر لگتا ہے۔“ وہ نئی طرح جڑ بڑھ کر گویا ہوا تھا۔

”تعلقات کبھی بھی زہر خند نہیں ہوتے ہیں۔“

”اگر رشتوں کو غلط طریقے سے پکارا جائے تو گولی بن جاتے ہیں۔“ کو نین کا رد عمل منمنھل تھا۔ خنثی پہلو بدل کر رہ گئی۔

”کیا ایسے گے آپ، کوئلہ ڈرک، چائے یا کافی؟“ اس نے موضوع بدلاتھا۔ کو نین نے جواب میں کچھ توقف سے اس کی طرف

دیکھا پھر بولا۔

”زہر۔“

اس کے جواب میں اتنی قطعیت و سرد مہری تھی کہ وہ چند ثانیے دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ زبان حرکت کرنا بھول گئی۔

”اپنی سبے زخمی و بے بہانہائی کے زہر سے دیسے ہی تم مجھے دھیرے دھیرے قتل کر رہی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو، میں تمہاری طرف سے

غافل ہوں؟ نہیں..... ہرگز نہیں۔ تمہارا کتنا..... کمرے میں چھپ کر بیٹھنا..... فون نہ سننا..... میرا نمبر دیکھ کر تیل آف کر دینا..... کچھ بھی

چھپا نہیں ہے مجھ سے۔“ اس کے گمبیر لہجے میں سرد آغ تھی۔

خنثی کی ٹاچیں جھکتی چلی گئی تھیں۔ دل کی دھڑکنوں میں عجیب سوگوار سا انتشار برپا ہو گیا، وہ اضطراب میں ہونٹ دانتوں سے

کاٹنے لگی۔

”میری حالت ذبح ہوتے جانور سے بھی زیادہ ذرت ناک ہے، کیونکہ وہ گردن کٹ جانے کے بعد اذیت سے راحت پالیتا ہے

اور میں تو مسلسل کرب میں ہوں، کیونکہ مجھے ذبح کرنے کا طریقہ بالکل مختلف ہے۔ میری گردن کے بجائے جسم سے اہتمام کی گئی ہے۔“

"یہ سب لایعنی..... لا حاصل ہے۔" بالآخر اس کا اعتماد بحال ہوا تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھائی تھیں مگر اس کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا اور اتنا کام پر کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔

"جس دور میں ہم رہتے ہیں، یہاں سب ممکن ہے۔ صرف جذبوں میں صداقت ہونا شرط ہے..... تم صرف ایک بار اقرار کر لو..... لا حاصل کو حاصل میں کر کے دکھاؤ گا۔" اس کے لہجے میں کچھ محبت کی کلیاں کھل اٹھی تھیں۔ نگاہوں میں جذبوں کی شمعیں روشن اور اتنا مزے جنوں خیر مشق کی دیوانگی جھلک رہی تھی۔

"آتم سو سو ری۔ میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی اور جذبات آپ کے لیے میرے دل میں نہیں ہیں۔"

"ا..... چھ! میں مان جاؤں گا..... اگر جیسا سب تم میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو تو....." اس کے چہرے کی لڑی رنگت، کانپتے لب درخشاں آنکھوں میں اُلٹی نمی، لرزاں ہاتھ جن کی انگلیوں کو وہاں خطرناک انداز میں ایک دوسرے میں بار بار پیوست کر رہی تھی۔ وہ تمام حرکات و سکنات جو اس سے بلا ارادہ و سبب اختیار سرزد ہو رہی تھیں، اس کے جذبوں کی حقیقت بیان کر رہی تھیں۔

دہ اقرار

دہ اظہار

دہ راز

جو وہ خود سے چمپاری تھی، نگاہیں چراہی تھی۔ وہ از خود ہی عیاں ہو رہا تھا۔ اپنا بھید کھول رہا تھا۔

محبت ایک خوشبو ہے۔

اور وہ ہلکی اس خوشبو کو چمپانے کی سہی کر رہی تھی، پھر ناک کی کو مقدر بننا ہی تھا۔ خوشبو کو عیاں ہونا ہی تھا۔ سو وہ عیاں ہو گئی۔

"میں باہر کھڑا اوروازے پر اس وقت تک دستک دینا رہوں گا جب تک دروازہ کھل نہ جائے۔" کونین کے لبوں پر دل کش تبسم تھا۔ اس کے چہرے پر یقین پالنے کی خوشی تھی۔ "تم نے کہا تھا میں غلط دروازے پر دستک دے رہا ہوں۔"

"ہاں کہا تھا اور..... اب بھی کہہ رہی ہوں یہ دروازہ کبھی داند ہوگا۔" دوسرے سے اپنی کیفیت پر قہقہہ بول رہی۔

"میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو تو مالوں۔" وہ شوخ ہوا۔ قہقہہ اس کے کہ اس کی شوخیوں کو مزید موقع ملنا غصہ کی کولیگ کے بردقت آنے سے از خود ہی موضوع بدل گیا تھا اور غصہ کی نے طمانیت بھری سانس لی تھی، جبکہ کونین کے لبوں پر بڑی آسودہ سکون مسکراہٹ تھی۔

☆.....☆.....☆

امتحانوں کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ آج کل لائبریری میں تمام سٹینس بک تھیں۔ بک فیلٹ سے بکس نکلائی جا رہی تھیں۔ ایسے میں جب بے فکرے وغیرہ بنجیدہ اسٹوڈنٹس بھی پڑھائی کی طرف راغب دکھائی دیتے تھے، ان معروف ترین دنوں میں

روف عرف روکی کا شریک گروپ اپنی غیر نصابی دشرا انگیز سرگرمیوں میں مگن تھا۔ اس باران کا منصوبہ امتحانی پرچہ حاصل کرنے کا تھا، تاکہ سرمایہ داروں کی بگڑی اولادوں کو فروخت کر کے منہ مٹائی رقم اور دوسری من پسند مراعات حاصل کر کے عیش کر سکیں اور عین وقت پر جب وہ اپنے منصوبے کی کامیابی کے قریب قریب پہنچ چکے تھے۔ ذوالنون اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے ان کا تمام منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے تمام پیچھے منسوخ کر کے نئے سرے سے ترتیب دیئے تھے اور سخت ترین نگرانی کی جا رہی تھی۔ سیاسی پشت پناہی کے باعث روکی کے خلاف کوئی سخت ایکشن نہ لیا گیا صرف دارن کر کے چھوڑ دیا گیا تھا کہ اس نے آئندہ ایسی حرکت دوبار روکی تو اسے جامعہ سے خارج کر دیا جائے گا۔ وہ اپنی ناکامی و بے عزتی پر سخت طیش میں تھا اور موقع کی تلاش میں تاکہ ذوالنون اور اس کے ساتھیوں کو اچھی طرح مزہ چکھایا جائے۔ اس کی حالت گھائل ناگ کی مانند تھی۔

ذوالنون اور اس کے ساتھی روکی اور اس کے ساتھیوں کی فطرت سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں جو کرنا تھا، وہ کر کے منظم تھے اور خطاط بھی وہ کسی موقع پر ان کو حالات خراب کرنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ روکی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر دور سے ہی راستہ بدل لیا کرتے تھے۔

آج بھی یہی ہوا تھا۔ ذوالنون اور حیدر انہیں گیٹ کے پاس کھڑا دیکھ کر دوسرے راستے کی طرف بڑھ رہے تھے، جب روکی کے ساتھی نے بلند آواز میں ہٹ کی تھی۔

”بزدلوں کی طرح کہاں بھاگ رہے ہو.....؟ اگر مرد ہو تو مقابلہ کرو، ورنہ چڑیاں بہن کر گھر بیٹھ جاؤ۔“ کئی تسخروانہ قہقہے ابھرے جن میں روکی کا قبضہ سب سے بلند تھا، وہ بڑی اشتعال انگیز لگا ہوں سے ذوالنون کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر گہری سرخی چھانے لگی تھی۔

”اسٹاپ اٹ۔“ حیدر ان کی جیسے باڑی برواشت نہ کر سکا وہ غصے میں پھرا ہوا آگے بڑھا تھا۔ ذوالنون نے ہاتھ بڑھا کر تھپی سے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

”چھوڑ دو مجھے..... میں بتاتا ہوں چوڑیوں کی ضرورت کس کو ہے.....“

”ہوش سے کام لو، کچڑ میں پتھر پھینک کر گندگی پھیلاتا چاہے ہو کیا؟“ ذوالنون روکی کی طرف گھورتا ہوا ذمہ داری سے لہجے میں گویا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ روکی نے جیکٹ کی اندرونی جیب سے ہتھیار نکالنے کے لیے ہاتھ اندر کیا ہی تھا کہ دور سے آتے پرپہل کو دیکھ کر دانت سمجھ کر رہ گیا۔

”پرپہل آرہے ہیں تم لوگ ادھر ادھر ہو جاؤ، شکار کل گیا ہاتھ سے، کتنے دنوں بعد موقع ملا تھا۔“ اس کی انگارہ نگاہیں دور جاتے ہوئے ذوالنون پر تھیں۔

”کوئی بات نہیں استاد! بکرے کی ماں کب تک خیر متائے گی۔“ ان کے بے ہاک قہقہے فضا میں گونج اٹھے تھے۔

"ہماری خاموشی اور گریز کو یہ گیدڑ ہماری کمزوری و بزدلی سمجھ کر خود کو شیر سمجھنے لگے ہیں، اب ان کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔" حیدر نے غصے سے کہا تھا وہ سب کلاس کے باہر نہیں پر موجود تھے۔ حیدر کی زبانی سن کر وہ بھی مشتعل تھے۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو، ہم ان کو ان کی اوقات یا دولانی ہوگی۔ ہماری برداشت سے یہ لوگ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

"اب کہ ان کا وہ حال کریں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔"

"اور تانی بھی....." مہر، مامون کے بعد حیدر بولا، تو وہ ہنس پڑے۔

"تم بھی تو کچھ کہو، گوتم بدھ کے مجسمے کی طرح گم مسم کھڑے ہو؟" حیدر ذوالنون کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"اجتہاد ہونے تک کوئی کچھ نہیں کہے گا، ان لوگوں سے اچھٹنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خود پڑھتے ہیں اور نہ کسی اور کو پڑھتا دیکھنا چاہتے ہیں۔" اس کے انداز میں وہی سنجیدگی و قطعیت تھی جس کے آگے کسی کی بھی مجال نہ تھی ایک لفظ کہنے کی۔

وہ خاموش ہو گئے تھے۔ مامون کو بے قرار دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"تم کچھ کہنا چاہ رہے ہو؟"

"مجھے خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے، اگر انہوں نے پہل کی تو؟"

"پھر ہم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

☆.....☆.....☆

سعود اور داخل ہوا تو اس حسین لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ خاصا بڑا اعتماد تھا اس کا۔

"آپ کا نام جان سکتا ہوں؟" وہ ادھر ادھر دیکھ کر گویا ہوا۔

"چاندنی۔" لڑکی نے اٹھلا کر جواب دیا۔

"پھر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں، آپ کو تو آسمان پر ہونا چاہیے تھا۔" لڑکی کا بے تکلفانہ انداز سعود کے لیے حوصلہ بخش رہا تھا۔

"آپ ہیں کون؟ اور یہاں گیٹ کے پاس کیون کھڑی ہیں؟" معاش کی نگاہ اس کے لباس اور ہاتھ میں پکڑی جھاڑو پر پڑی تو

وہ گڑبڑا کر گویا ہوا تھا۔

"میں نئی ملازمہ ہوں، یہاں جھاڑو لگا رہی تھی کہ آپ آ گئے۔"

"نو کرانی.....؟" وہ اس کے چہرے اور منہ سب لباس اور ٹھٹھک ٹھاک چلے کو دیکھتا ہوا حیرانی سے گویا ہوا۔

"ہاں صاحب! نصیب نصیب کی بات ہے۔" اس نے مسکسی ہی شکل بنا کر آدھرتے ہوئے کہا۔

"صورت تمہاری نو کرانی جیسی نہیں ہے..... جس میں تو..... رانی بننا چاہیے کسی کی۔" اسے اپنی جانب راغب دیکھ کر سعود نے

جذباتی انداز میں کہا۔

”چاندنی..... او چاندنی! کہاں مرگئی کبھت۔ ذرا سا کام تجھ سے نہیں ہوتا۔ یہ تو نے لاؤنج کی جھاڑو لگائی ہے، کارپٹ پر تمام کر کر ہو رہی ہے۔“ بی بی جان کی کمراری پاٹ دار آواز نے مسود کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ اندر لاؤنج کی صفائی کا معائنہ کر رہی تھیں، ساتھ ساتھ تاثرات بھی جاری تھے۔

”ایک تو یہ بی بی ہر وقت بڑبڑاتی رہتی ہیں۔ اس عمر میں بھی ان کی آنکھوں میں دور بین فٹ ہے۔ معمولی سی دھول بھی نظر آجاتی ہے ان کو۔“ وہ منہ بنا کر بی بی جی پر آگے بڑھتے ہوئے مسود کو دیکھ کر بولی۔

”آپ بہت اچھی باتیں کرتے ہیں پھر کب ملیں گے؟“

”کل اسی وقت۔“ وہ تیز چلے ہوا اشارے سے بولا تھا۔ سے ڈر تھا بی بی جان باہر آئیں تو حشر ہو جاتا ہے۔

”اری تو لڑکی ہے یا چھلادہ؟“ مسود کے مقدر نے یادری کی تھی جو وہ دوسرے گیت سے اندر گیا تھا اور بی بی جان یہاں سے باہر آئی تھیں۔ ”کبھی پارہ صفت لڑکی ہے، ایک جگہ جال ہے جو تک جاسے۔“ وہ کھوجتی نگاہوں سے ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ان کی حساس سماعت نے چاندنی کی آواز سن لی تھی۔

”تھوڑی ہوا کھانے باہر آگئی تھی نیگم صاحبہ! صفائی کرتے کرتے دم گھٹنے لگا تھا۔“ بی بی جان کے جاود جلال کے آگے وہ زیادہ بول نہ پاتی تھی۔

”دم لینے لڑک گئی تھی، ایسا کیا پہاڑ کھود ڈالا تو نے تا مرا۔“ حیرے ہاتھوں میں دم نہیں، زبان میں بہت دم ہے، جب دیکھ پڑ پڑ جلتی ہے اور یہ بتا..... تو ابھی کس سے باتیں کر رہی تھی؟“ وہ اسے گھور کر گویا ہوئیں۔

”میں..... میں کس سے باتیں کروں گی نیگم صاحبہ!“ ایک لمحے کو وہ گڑبڑائی، پھر اطمینان سے بولی۔ جھوٹ بولنے میں ماہر تھی وہ۔

”میرے کانوں میں آوازیں آئی تھیں۔“ ان کا انداز ہنوز وہی تھا۔

”خود سے ہی باتیں کر رہی تھی۔ مجھے نادمہ ہے جی بولتے رہنے کی۔ کوئی ہویا نہ ہی میں خود سے باتیں کرتی ہوں بلکہ میری ماں کہتی ہے، میں رات کو بھی سوئے میں باتیں کرتی ہوں۔“ ان نے بھصوم سی صورت بنا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں آؤتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں اور یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں۔ میں دل کا حال نہیں جانتی، پر چہرے پڑھنے میں کوئی اس گھر میں میرا ثانی نہیں، کبھی تا.....؟ سوچ سمجھ کر رہتا۔ سب لوگ مجھے بی بی جان کہتے ہیں، تم بھی یہی کہتا۔“ چل اب دھیان لگا کر کام کر۔“ چاندنی برق رفتاری سے اندر گئی تھی اور بی بی جان وہاں خضنا میں پھیلی پرفیوم کی مہک سے اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگیں کہ یہ خوشبو کون استعمال کرتا ہے؟

☆.....☆.....☆

”مزرطعت وہاں اے وہ من؟ میری سمجھ میں یہ عورت نہیں آئی۔“ منال مدہوش خمار آلود لہجے میں فائقہ سے مخاطب تھیں۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنے پسندیدہ شغل سے فارغ ہوئی تھیں۔ فائقہ ڈرنک اور دوسرا سامان سیف میں رکھ رہی تھیں۔

”اتنی دولت، اتنی عزت اور بے حساب مہبتیں ملنے کے باوجود وہ عورت خود کو بدل سکی نہ بیٹیوں کو۔“ دیکھنے میں تو طلعہ صاحب بھی ماؤری، ہائی فائی نظر آتے ہیں مگر ذہنی اعتبار سے وہ بھی کنزرویٹو ہیں۔ پرانی قدروں پر چلنے والے لاسٹو پڈ شخص۔“

”ایسے لوگوں کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے لکیر کے فقیر۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے لیکن ایسے لوگ اپنی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔“ فائقہ بیگم نے نوشی کا سامان لاک کر کے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”مجھ سے کہنے لگیں نماز پڑھا کرو، دانا مانگا کرو، تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے کہا، مزرطعت میرے پاس سب کچھ ہے۔ کل نماز بنگلہ، شان دار برنس، خدمت کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپے، ہر ٹیکو میں اپورنڈ یا ڈنر کا ڈیاں، ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ محبت کرنے اور خیال رکھنے کے لیے مہیا ہیں اور سہارا بننے کے لیے دو جوان خوب صورت، شان دار وجیہر بنے ہیں میرے پاس سب کچھ ہے پھر میں یہ سب کچھ کیوں کروں؟ بھئی ان لمبی لمبی نمازوں اور دعاؤں کی ضرورت تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جو غریب ہیں جن کو دودھ وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔“

”پھر کیا بولیں وہ؟“ فائقہ ان کے بالوں میں اٹھکیاں پھیرتے ہوئے دلچسپی سے استفادہ کرنے لگیں۔

”ان کے چہرے پر ایک دم ہی شدید خوف کے آثار اُبھر آئے۔ وہ کانپتے لہجے میں گویا ہوئیں۔ منال یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، فوراً تو بے سچے اللہ کی ذات سے توبہ کر کے کو آخری سانس تک مانگنا ہوتا ہے۔ اس کی رحمت و ہدایت کی دعا تو ہمیں ہر لمحہ کرنی چاہیے اور ڈرتے رہنا چاہیے جو آپ نے کہا وہ آپ کی باتیں درست ہیں۔ اس ذات پاک نے آپ کو بہت نواز ہے، اس کا شکر جتنا ادا کیا جائے، کم ہے وہ ذات ایسی ہے، کسی کو نواز کر آزماتی ہے اور کسی کو بے نواز ہے..... وہ عمل و عطا کے موازنہ میں تھیں۔ میں ہی بہانا بنا کر اُنھ آئی۔“

”نشان کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ وہ سیدھی لیٹ گئی تھیں۔ خوب صورت چہرے پر حسرت و طلال، تپش و بے وقوفی، نا آسودگی و بے ثباتی کے رنگ گنڈھ ہونے لگے تھے۔ وہ مفلوج آنکھیں جو کسی کی طرف نرم انداز میں اٹھنے کی عادی نہ تھیں جن میں حقارت و تکبر بصارت کی طرح رہتا تھا، ان کی آنکھوں میں اس وقت وہ حزن و سوزنی بین کر تیر رہا تھا۔

کسی چٹان کی طرح اکڑی ہوئی بلند قامت دکھائی دینے والی منال اس وقت خاک کے ریزوں کی طرح نکھری ہوئی تھیں۔

”ایک بات ان کی میری دل میں خار بن کر چبھ گئی۔“ دیرے دیرے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر انہوں نے فائقہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کون سی بات؟ انہوں نے کیا کہا؟“ بیٹی کے لہجے میں لرزاں اس لمحے وہ نامرادی و پڑھروگی کی ایسی شدید تڑپ محسوس کر رہی تھیں جس نے ان کا دل بھی بے کل کر ڈالا تھا۔

"عورت جب بیوی بن جاتی ہے تو شوہر کی رفاقت میں زندگی گزارنا اس کی خوش نصیبی ہوتی ہے..... یہ بات دو عام عمار میں کر رہی تھیں مگر مجھے لگا وہ مجھے سنا رہی ہوں اور..... اس پل مجھے لگا کہ دنیا کی سب سے غریب..... سب سے فقیر عورت ہوں میں....." بندہ ہوتی بوجھل آنکھوں کے گوشوں سے بے اختیار آنسو نکل نکل کر بجے میں جذب ہونے لگے تھے۔ چند لمحوں تک وہ بھرائے ہوئے لہجے میں مزہ کو کوئی رہی تھیں، کالیاں دیتی رہی تھیں پھر آنکھیں بند کیے دنیا دانیہا سے غافل ہو گئی تھیں۔

"مائی پور گرل! ایک غلطی تمہیں عذاب میں مبتلا کر گئی ہے۔ جذبات کی حکمرانی ول پر چل سکتی ہے اگر دماغ پر بھی یہ غالب آنے لگیں تو اس طرح بہاریں خزاؤں میں بدل کر زندگی کی ہر خوب صورتی دھسن پر بد صورتی دے سکونی کی خاک بکھیر دیتی ہیں۔" دو اس کی طرف دیکھتی ہوئی ذکھ سے سوچ رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

سنو برادر جیلز ہسپتال کے پاس میٹھی خطرئی کے حلق متنگ کر رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی و نظرات کے سائے تھے۔ "فکر مند کیوں ہوتی ہو بہو! خطرئی ایک قابل ذاکر ہے۔ تم تو جانتی ہو، ڈاکٹر تو ہیں گئی ہے دو ہمدردوں چڑیا جیسا ہے، تکلیف میں مریض ہوتے ہیں اور تڑپتی دو خود ہے۔ ہر ایک کا ذکھ دوا اپنی جان سے لگانے کی عادی ہے وہ اسی لیے اتنی کم گو و پییدہ ہو گئی ہے۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں ان کی تشفی کرنی چاہتی تھی۔

"نہیں ماما! مجھے کچھ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی بڑے ڈپریشن کے صدمات سے گزر رہی ہے۔ بات یہ نہیں ہے کچھ اور ہے۔" "کیا بات ہوگی، پوچھ لیتی اس سے۔" انہیں ان کے ان جذباتوں کی پروا داری رکھتی تھی، جو پروے میں رہتے تو اچھا تھا، اس لیے وہ اپنے لہجے میں لا پرواہی دونا آشنائی سنو کر کہہ رہی تھیں۔

"میں نے پوچھا تھا تو اس کر کہنے لگی، سب میرا وہم ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے، مگر میرا دل کہتا ہے ایسی کوئی بات ضرور ہے جو مجھ سے وہ شیر نہیں کرنا چاہ رہی۔" ان کے انداز میں مستی بے ہوشی تھی۔

"مما! دو آپ سے بہت کلوز ہے، آپ کی ہر بات مانتی ہے، آپ معلوم کریں اس سے کتنا سے کیا پر اہم ہے۔" "اچھا... اچھا میں معلوم کروں گی، تم خواہ دو لو ٹینشن مت لو۔ ہر بروہ کی بیوی کب تک آئے گی میکے سے؟" "ایک ہفتے کا کہہ کر گئی ہیں۔"

"ایک ہفتہ.....؟ کیسے گزرے گا، اسے گئے آج دو دن ہوئے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے گویا مینوں گزر گئے۔" ان کے انداز میں پوتے، بہو کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے، بہت محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ کتنی جلدی سب کو اپنا گرویدہ بنا چکی ہے۔ کونین بھی ماریہ کی بہت عزت کرتے ہیں اور مجھے اچھا لگتا ہے۔"

”ہاں مجھ سے بھی کبہ رہا تھا آپ کا اور آنٹی کا دھاریہ بھابی کے روپ میں بپھر پڑا تو کھل آیا ہے۔“ مسکراتے ہوئے ایک دم ہی انسرود ہو کر گویا ہوئی تھیں۔

”ڈوائٹون کی مجھے فکر لگی رہتی ہے۔ وہ باپ کی جدائی اور ماں کی سخت طبیعت کا روگ لگا بیٹھا ہے۔ اس کی خاموشی، تہائی، گہری سنجیدگی، جو اس کی شناخت بن چکی ہے، یہ اچھی نہیں ہے۔ اس عمر میں جب اس کے دم عمر بڑھ کر دیکھ دیکھ سے مبرا زندگی کی سرتمیں وراثتیں کشید کر رہے ہیں اور دو اندر ہی اندر رکھ میں وہی ہوئی چنگاری کی طرح جل کر خاک ہو رہا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ اس کی گھر میں وہ ہمیشہ کی طرح آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

”بہت لائق و حساس ہے وہ، اسی لیے سب سے الگ ہے۔ بھابی کے رویے سے زیادہ ڈوائٹون نے جزو بھائی کی جدائی کا اثر لیا ہے۔ بچپن سے آج تک وہ اسی غم و محرومی کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔“

”تو کچھ کہتا ہی بڑا ہو کسی سے شیر کر سنے سے گھٹ جاتا ہے، دلکھ کی شدت ماند پڑنے لگتی ہے، وہ کچھ کہتا ہی نہیں، اندر ہی اندر جلا رہا ہے خود کو۔“

”بہت دن ہو گئے ہیں کوئی چکر نہیں لگایا۔“

”میں جانتی ہوں اس کا مزاج مثال بیباں ماریہ کو دیکھنے اور ایسے مبارک باد وسیع نہیں آتی، اس لیے وہ مارے ندامت کے نہیں آیا۔“ راحیلہ بیگم دور رہ کر بھی دونوں پوتوں سے اور ان کے مزاج سے واقف تھیں۔ ایک عمران کی گھر میں جھانی، دیو رانی سے سیاسی چالوں میں گزری تھی، اب وہ سب سے معتب تھیں مگر لٹا ہوا سیاسی نہ لگتی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات بادل خوب ٹوٹ کر برے تھے۔ ہر شے دھل کر نکھر گئی تھی۔ ابھی بھی آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، جس پر کبھی کبھی سفید بادل کا کوئی ٹکڑا جھومتا ہوا گزرتا تھا۔ بڑا خواب ناک، ماحول تھا۔ خوشگوار ہواؤں کے مست جھوکے نیچے لان میں لگے خوب صورت پھولوں کی خوش نما گھاس و دورختوں کی چمکتی ہریالی سرمئی ماحول میں روح کو تراوت بخش رہی تھی۔ جیسی جیسی پھوار پھرنے لگی تھی۔

”مجھے معلوم تھا تم یہیں پر ہی ہو گی۔“ شرین ٹرے میں دھک بھاپ اڑاتی چائے لے کر وہیں چلی آئی تھی سر پر۔

”موسم بہت خوب صورت ہو رہا ہے۔“ حورین نے اس کے لیے کرسی آگے کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”ان کپڑوں میں تم بھی موسم کا ایک حصہ لگ رہی ہو بلکہ..... بادل کا ایک ٹکڑا۔“ دھک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے اس کے سرمئی لباس کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی، جس میں اس کی گلابی رنگت نمایاں تھی۔

”تو دیکھاں ہے؟“

”سورہی ہے، پڑی ہوئی، نہ معلوم اس لڑکی کو اتنی نیند کیوں آتی ہے؟ آج موسم کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں گئے تو وہ نیندیں پوری کر

رہی ہے۔" وہ زویا کے زیادہ سونے کی وجہ سے بہت چڑتی تھی۔

"سونے رو، کیوں چڑتی ہو اس کے سونے سے.....؟" وہ چائے کا پلٹ لیتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"بی بی جان نے دیکھ لیا تو دو حال کریں گی کہ رات بھی سونے سے ڈرا کرے گی۔"

"اس کے پلے کئے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ شوق رنگ رخساروں پر گہرے گڑھے پڑے تھے جنہوں نے اس کے صبح چہرے کو مزید جلا بخشی تھی۔ مول نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"تم لوگ کچھ دنوں سے کس موضوع پر ڈسکس کرتے ہو تو تمہارے چہروں سے فکر مندی و تشویش چھلکے نکلتی ہے؟"

"آج کل روکی گروپ سے ان کی زبردست چپقلش چل رہی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ روکی گروپ جامدہ میں کسی ہنگامہ آرائی کی کوشش میں مصروف عمل ہے اور زوالتون بھائی اور ان کے دوستوں کی کوشش ہے کہ وہ سب نہ ہو پائے جو وہ کرنا چاہ رہے ہیں تاکہ احتمالات اچھے ماحول میں ہو جائیں۔"

"اب ایسا بڑا اہم فیصلہ ہے وہ..... یہ تمہارے ذوالنون صاحب اور ان کے ساتھی خواہ مخواہ ہیر دینے کے لیے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔" وہ چائے پیتے ہوئے منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم ان سے بلا وجہ کی دشمنی میں کچھ خود غرض ہو گئی ہو، اسی لیے منع کرنے کے باوجود تم ان سے نفی ہو، حالانکہ جامعہ کی ہر عقل مند و باشعور لڑکی ان کی پرچھا نہیں سے بھی بچ کر گزرتی ہے، تم جانتی نہیں ہو۔" وہ کہنے لگی۔ وہ چپ لوگ ہیں یا تم جانتا بھی نہیں جانتی ہو۔" دو ملامت آمیز لہجے میں بولی۔

"تم ہر دفعہ اس شخص کی حمایت کرتی ہو جو کبھی وقت پڑا تو تمہاری حمایت نہیں کر سکتا۔ تم کیوں اس کی سائیڈ لیتی ہو؟" حسب معمول پھر ان کے درمیان ذوالنون کی ذات کا نزاع بن رہی تھی۔

"پلیز حورین! سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"اوکے، میں سمجھ گئی، اب تم کہو کیا کہتا ہے تمہارا ہیر؟" حورین کے انداز پر مول مسکرائے گی۔

"وہ میرا ہیر نہیں، بھائی ہیں۔" مول نے ہنس کر وضاحت کی۔

"اچھا..... یہ انقلاب کب ہوا؟" حورین طنز بولی۔

"کچھ دنوں سے کافی تہدیلی آگئی ہے ان میں، اب ہم سے گفتگو بھی کر لیتے ہیں مگر انداز میں وہی پیچیدگی دوکار ہوتا ہے۔ تم تو ہم سے دور دوری رہتی ہو، اس لیے تمہیں کیا معلوم۔"

"مجھے کچھ معلوم کرنا بھی نہیں ہے۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"حیدر بتا رہا تھا، روکی نے جو حرکت کی اور موقع پر پکڑا گیا، اپنی اس ناکامی اور اسنوڈشس پر عجب قائم کرنے کے لیے وہ چاہتا

ہے کہ کسی وجہ سے ہنگامہ ہو، یونیورسٹی بند ہو جائے، امتحان نہ ہوں تاکہ اول اس کا جو رعب و دبدبہ ہے وہ قائم رہے اور دوئم آئندہ کوئی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے، اس لیے وہ ان لوگوں کے علاوہ دوسرے اسٹوڈنٹس کو بھی تنگ کر رہا ہے۔

"جوڑو کا ویٹھا جائے گا، آؤ نیچے چلتے ہیں بارش تیز ہونے لگی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے آگئی جہاں سعود کی آواز آ رہی تھی۔

چاندنی ادیسری چاندنی

چاندنی ادیسری چاندنی

اسے معلوم نہیں تھا، وہ دونوں اوپر سے آ رہی ہیں، وہ گیلری میں رکھے پودوں کی صفائی کرتی چاندنی کو دیکھتے ہوئے گڑبڑا رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹوں سے وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔

"ہیہاں ابھی کون تھا؟" مول پُرسکون انداز میں کام کرتی چاندنی سے مخاطب ہوئی تھی جس کے انداز میں ڈرا بھی ڈر، خوف یا گھبراہٹ نہ تھی۔

"کوئی نہیں تھا بی بی جی!"

"کوئی تو تھا، اس کے کانے کی آواز میں نے خوب سنی ہے۔"

"کانے کی آواز مالی کے کوارٹر سے آ رہی ہوگی۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"اچھا..... میوزک کے بغیر کانے کی آواز۔"

"میں کیا جانوں..... جب کام کرتی ہوں تو کان بند کر لیتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک بول رہی ہے تو، کان بند کر سکتی ہے، منہ کھولے رکھتی ہے۔" بی بی جان بگڑے تیور لیے وہاں آ کر چاندنی سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"اری ویدی ہوئی تجھے اتنی سرجہ کہا یوں کوئوں کدروں میں کام نہ کیا کر، تجھے حیرا، میرا کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹانے کے لیے رکھا ہے یا اس طرح گھر کے کوئوں میں چھپکلی کی طرح چپکے کے لیے....."

"مجھے تو جی صنائی پسند ہے۔ مکن میں سرج مصالحوں کی بو سے میرا دم گھٹتا ہے۔ بڑیاں کانٹے سے میرے ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں۔" اس نے بو سے انداز سے اپنی پسند ناپسند سے آگاہ کیا جو رین نے بڑی مشکل سے اپنی ہلسی منبٹ کی تھی۔ مول اسے گھور رہی تھی۔

"آئے ہائے مہارانی کے مزاج تو دیکھو۔" بی بی جان نے شدید غصے میں اس کی لعل آمارتے ہوئے کہا۔

"خیرون نے ایک جیتی جاگتی مصیبت میرے لیے بھیج دی۔ ایک نمبر کی چھلاوا لڑکی۔ ایک ہل میں! اور، ایک ہل میں! اور، جوان جہاں لڑکوں کا گھر ہے، میں کہاں تک چوکیداری کروں.....؟ اوپر سے اس لڑکی کے چلنے مجھے ٹھیک نہیں لگتے، پر چھائیں مین کر رہنا پڑتا ہے مجھے اس کی۔"

"چھٹی کریں نا بی بی جان! اس کی، کیوں سرور رکھا ہے؟"

"نہیں نہیں..... ایسی بات نہ کہیں جی، میری بوڑھی بیوی ماں اور چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کے پیٹ سے روٹی کیوں تھینتی ہو۔" وہ ایک دم عیا ہاتھ جوڑ کر گڑغڑانے لگی۔

"اچھا..... اچھا ہاتھ مت جوڑ، ہم بھلا کیوں کسی کی روزی پر لالت ماریں گی۔ ہم ہوتے کون ہیں، سیدھی طرح کام کر، نہ تجھے شکایت، نہ ہمیں شکایت۔" وہ اوپر سے جتنی سخت نظر آتی تھیں، اندر سے بالکل نرم تھیں۔ منہ پھٹ و صاف گوتھیں مگر لحاظ و مروت کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑتی تھیں۔ چاندنی کو اس ہاتھ جوڑے دیکھ کر وہ موسم کی طرح پتھل گئی تھیں۔

"بہت بڑی اداکارہ ہے یہ لڑکی۔ گھر کے لڑکوں کو اس نے اٹو بنایا ہوا ہے۔ کبھی کوئی انگہار عشق فرما رہا ہوتا ہے تو کبھی کوئی گیت سنا رہا ہوتا ہے۔ کلن وی معلوم ہے کون سا شعر سنا رہا تھا؟"

چاندنی! آج سے میں نے اپنا نام چاند رکھ لیا ہے کیونکہ.....
چاندنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں
محبت ایک سے ہوتی ہے ہزاروں سے نہیں
دلوں میں پڑیں۔

"سب معلوم ہونے کے باوجود تم بی بی جان کو کیوں نہیں بتاتیں؟"

"میں جانتی ہوں یہ سب وقت گزاردی ہے، ورنہ اس گھر کے لڑکوں کی پسند ایسی چیپ نہیں ہو سکتی۔"

"مجھے تمہاری عادت بہت پسند ہے مولی! تم سب میں اچھا دیکھتی ہو، اچھا سمجھتی ہو۔" وہ مولی کی طرف دیکھتے ہوئے تو صلی لہجہ میں گویا ہوئی۔

"تم بہت بہت اچھی ہو بس....." وہ کچھ آگے کہتی کہ ایک دم اس کا پاؤں سلپ ہوا تھا۔ وہ بے اداسان مگر تھی۔ سر دیوار سے لکرانے کے باعث خون نکل آیا تھا۔ مولی کو سہارا دینے کی خاطر آگے بڑھنے والی حورین اس کے سر سے نپٹتے خون کو دیکھ کر ہڈیاں اٹھاڑ میں پیچنے لگی۔ اس کی چیخوں نے لمحے بھر میں سب کو وہاں جمع کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آنسو کا ایک قطرہ

اور پانی کی اک بوند

شکل و شبابت ایک جیسی لیکن

دلوں کی حیات ہے کتنی

پھیلتے ہی دھپکتے ہی

اک لمحے کو بھرتے ہی

اگلے لمحے کو فنا ہو جانا

فرق صرف اتنا ہے ان میں

پانی ایک ہوند پہ دھبے کا گماں دے جائے

اور آنسو کا یہ قطرہ جذبات کا بیاض دے جائے

”نیکوں سوچتے ہو اتنا پیٹا! سوچیں تجائیوں کے جنگل میں بھٹکا دیتی ہیں، جہاں انتشار کے ناگ و نگر کے بھگوان سے رہتے ہیں۔“ سر آفتاب حسن نے چائے کا کپ ماسر سمیت اس کی طرف بوجھتے ہوئے حثایت سے کہا۔

یہ سوچیں ہی تو میری بچی رہتی ہیں سر! ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس جانے کے لیے مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آتی ہے۔ آہٹ پاتے ہی یہ مجھے اپنیوں کی طرح ہٹا ہٹا لے لیتی ہیں اور میں بند آنکھوں سے وہ دیکھنے لگتا ہوں جو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ وہ بھاپ اڑاتی چائے کے سبب لیتے ہوئے دھبے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

پروفیسر آفتاب حسن نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ آسانی نگر کے کاشن کے کلف شدہ شلوار سوٹ میں اس کے چہرے پر ایک ایسی تمکیر تھی جس سے اس کی محرومیاں وہ تمام نا آسودہ و نا مکمل خواہشات بے نقاب ہو جاتی تھیں جن کو وہ سردمیری و لافلتی میں چھپائے رکھتا تھا۔ بہت کم لوگ تھے ایسے جن کے آگے اس کی محرومیوں و نا آسودگیوں کا پردہ گر جایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک پروفیسر آفتاب بھی تھے

”دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ جو گزر گیا وہاں بھولنا بہتر ہے۔ ابھی آپ کے آگے ساری لائف ہے، گزرے وقت کو بھول کر آنے والے وقت کو سنوارنے کی جستجو کریں۔ خوشیوں کے خزانے پوشیدہ آپ کے منتظر ہیں۔ انہیں کھوجیں، تلاشیں پھر دیکھئے گا ساری سرسبز آپ کی دسترس میں ہوں گی۔ زندگی بہت خوب صورت ہے۔“

”شاید۔۔۔ میرے لیے کبھی بھی خوب صورت نہ ہوگی۔“ اس کی خوب صورت گرے آنکھوں میں سرخی ہی چھانے لگی تھی۔

”ملاہات بہت خراب بات ہے یہ۔ امید تو مومن کا ہتھیار ہے۔ مایوسی کی اندھیری راہوں کا چراغ ہے، امید ہی تو دراصل بندے کا اپنے رب کی ذات پر یقین کا اظہار ہے۔ کتنی غلط سوچ ہے آپ کی۔“ وہ مارے جذبات کے چند لمحوں میں چائے ختم کر کے اس سے غلغلے سے مخاطب ہوئے۔

”امید تو وہ پتنگ ہے جس کی ڈور آخری سانس کے ساتھ ہی ٹوٹتی ہے پھر مسلمان کا ناامید ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟“

”سر! یہ مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں۔“ اس نے خالی کپ ماسر پر رکھتے ہوئے ملامت سے کہا۔

”بہشتی کے دو عکس ہوتے ہیں، ایک اچھا اور ایک بُرا۔ ایک خوب صورت اور ایک بد صورت۔ ایک شیریں اور ایک تلخ۔ ایک مثبت اور ایک منفی، آپ مجھ سے آج تک صرف ٹیکلمنٹ سائیڈ دیکھتے آئے ہیں۔“

”سر! اس میں میری کوئی خطا نہیں، جو مجھے دکھایا گیا وہی میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں کے پاس بہت سارے رشتے ہوتے ہیں، دوستیاں ہوتی ہیں، مشغلے ہوتے ہیں، وہ ان کے ساتھ لائف انجوائے کرتے ہیں، میرے پاس صرف ایک بابا تھے اور مجھے ان کے ہوتے ہوئے کسی اور رشتے کی ضرورت بھی نہ تھی، وہ میرے لیے عبادی سب کچھ تھے۔“ وہ اندر سے سمندر کی لہروں کی طرح مضطرب ہونے لگا تو اُنھ کھڑا ہو گیا۔

”کیا باپ اور بچوں کا رشتہ اتنا ہی بے وقعت و بے جان ہوتا ہے کہ کسی عورت کی خاطر سب کو لمحے بھر میں ٹھوکر مار کر توڑ دیا جائے..... چھوڑ دیا جائے؟“ ”مجھ کی وہ بے رحم یادیں ذہن کی اسکرین پر پھر اُبھرنے لگی تھیں، گو کہ وقت کی دھول نے سب کچھ دھندلا دیا تھا۔ تمام چہرے گزردہ ہو گئے تھے مگر اس واقعہ کی تمام جزئیات اسے پوری طرح اُذیر تھیں۔

”کول ڈاؤن میرے بچے اریٹیکس..... ریلیکس.....“ ”پر دوسرا آفتاب حسن نے اُنھ کو اس کی پیشانی چومی تھی، پھر اسے صولنے پر اپنے قریب بٹھا کر بہت محبت و شفقت سے گویا ہوئے۔

”دو عورتوں کی وجہ سے ہماری دو سمان جہاں کی آکی اور اب میری نانج کے مطابق عورت ہے، ہی قابلِ نفرت۔“

”جس کو غلط بالکل غلط۔“ وہ ساوگی سے مسکرائے تھے۔

”سر! آج آپ عہد کر کے بیٹھے ہیں کہ میری ہر بات کو غلط ثابت کریں گے؟“ ”وہ اپنی ساہتہ منتشر حالت پر قابو پا کر مسکرا کر بولا۔

”ارے یہ آپ نے کیسے سوچ لیا۔“ جواباً وہ بھی ہنس پڑے تھے۔

”آپ کی باتیں بتا رہی ہیں۔“ اس کے لیوں پر بھی نرم مسکراہٹ تھی، جو اس کے وجہ چہرے کو دل کش بنا رہی تھی۔

”ہاں میں ہاں ملانے والے دوست ہوتے ہیں، نہ عقل مند آپ سے حقیقی و سچی محبت کرنے والا وہی شخص ہے جو آپ کو غلط پر روکے اور درست سمت رہنمائی کرے..... آپ کو اپنے دل و دماغ سے اس غلط فہمی کو نکالنا ہوگا کہ عورت ذاتِ فساد کی جڑ ہے۔ لائقِ عزت و احترام نہیں ہے، قابلِ نفرت ہے۔“ ”دو دھمکے لہجے میں اسے سمجھانے لگے۔

”محبت آدم علیہ السلام کی روح ہے، محبت کے بغیر جنت کی خوب صورتی بھی بے رنگ ہے۔ محبت کے خیر سے ہی عورت نے جنم لیا ہے، ذوالنون، آپ کو معلوم ہوگا اللہ نے آدم علیہ السلام کو بنایا، ہر آرام دہ آرائش جنت میں دیں مگر جنت بھی حوا کے بغیر آدم علیہ السلام کے لیے بے رونق تھی۔“

ذوالنون بہت خاموشی سے سن رہا تھا۔

”عورت اور مرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔“

”بدلتے وقت نے پرانی قدروں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس وقت کی محبت اور آج کی محبت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا دن و رات میں ہے۔“

”نہیں بیٹا! کبھی محبت ہمیشہ لازوال ہوتی ہے۔ یہ وہ چاند ہیں جن کو کبھی گرہن نہیں لگتا، یہ وہ پھول ہیں جو کبھی مرجھاتے نہیں۔ یہ وہ دروہے جو ہمیشہ سینے میں دل بن کر دھڑکتا رہتا ہے۔ یہ محبت آدم علیہ السلام کی میراث ہے، یہ وہ شمع ہے جو دل کے ایوانوں میں ایک بار ضرور روشن ہوتی ہے اور روح تک منور کر دالتی ہے۔“ پروفیسر آفتاب حسن کی عینک کے دیہریشوں کے پار سے نظر آنے والی ہر دم بھیجی آنکھوں میں کچھ ویسے تو ویسے لگے تھے، ان کا انداز کھویا سا تھا۔

”میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں سر! شاید مجھے کبھی یقین نہیں آئے گا۔“ اس کی بھاری آواز میں بے یقینی کی گہرائی تھی۔ پروفیسر آفتاب حسن نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا، پھر بے شوق انداز میں گویا ہوئے۔

”آپ یقین کرو گے۔“

”ناممکن ہے سر!“

”جب محبت کی کوئل پھولتی ہے تو میرے بیٹے! ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے، یہاں سب ایک بار محبت ضرور کرتے ہیں اور آپ بھی کرو گے۔“

”اوہ مائی گاڈ! یہ آپ مجھے وعادے رہے ہیں یا بدوعا؟“ وہ منہ بنا کر اس نرئی طرح جزیرہ ہوا تھا کہ اس کے تاثرات دیکھ کر آفتاب حسن ہنسنے لگے تھے۔

”یہ احساس بعد میں ہوگا بچے! یہ دعا ہے یا بدوعا۔۔۔۔۔ کیونکہ یہ وہ آگ ہے جو لگائے نہ لگے اور بجائے نہ بجھے۔“

”او کے سر! میں چلتا ہوں۔“ وہ ٹوٹے ہوئے گویا ہوا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ ضرور۔“ وہ اسے پھیلنے لگے۔

”نہیں سر! آپ سے بھاگ کر کہاں جاؤں گا؟ آپ کے پاس آ کر میری دشتوں کو سکون ملتا ہے، زندگی ہے شناسائی ہونے لگتی ہے۔“ اس کے لہجے میں ان کے لیے بڑی عقیدت و احترام تھا۔

”پارٹی امتحانوں کے بعد فائل ہے نا؟“

”پارٹی۔۔۔۔۔ جو آپ کہیں گے سر، وہی ہوگا۔“ پارٹی سے البتہ اسے وہ خواب یاد آ گیا اور وہ جبر جبری لے کر رو گیا۔

☆.....☆.....☆

موتل کے سر میں معمولی زخم آیا تھا، وہ نارٹل تھی۔ اس کی پہ نسبت حورین ابھی تک خوف زدہ تھی۔ موتل کے سر سے بہتے خون نے اسے نرئی طرح حواس باختہ کر ڈالا تھا اور چیخ چیخ کر اس نے سب ہی کو اس کی طرف دوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

کل سے اب تک اسی طرح کم صم تھی، سب نے مول سے زیادہ اس کی دل جوئی کی تھی۔ سیرا، حمیرا، آفاق صاحب، صادق صاحب اور خود بی بی جان اس کی دل جوئی کر رہی تھیں۔ نو جوان الگ اس کا خیال رکھ رہے تھے۔ وہ ان کی اس قدر محبت و اپنائیت پر شرمندہ تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ وہ سب کو تامل نظر آئے اور کوشش کے باوجود وہ اپنے چہرے پر چھائی دہشت و خوف سے چھٹکارا نہ پا رہی تھی۔ اس کے شعور میں بچپن کا خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اسے اب بھی وہ سب اچھی طرح یاد ہے جب ایک مرتبہ اس کے پاپاشیو بہا رہے تھے، وہ بھاگتی ہوئی دھڑ دھڑ میں داخل ہوئی تھی اور پاپا سے پٹ گئی تھی اور دوسرا لمحہ بڑا ہیسا تک تھا۔

دھڑ دھڑ کے دانت مارے فرش پر سرخ سرخ خون تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔ اس نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا تو پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔ پاپا کے شانوں پر پڑا دانت نڈول، ہاتھ میں پکڑا ریزر گٹے سے نکلے خون میں سرخ تھے اور اسی وقت اس کے منہ سے ہڈیانی جھپٹیں نکلنے لگی تھیں پھر اسے ہوش نہ رہا تھا اور کافی دنوں تک وہ اسی خوف کے زیر اثر اسپتال میں ایڈمٹ رہی تھی۔ باپ کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ رنہ رنہ تامل ہو گئی تھی مگر یہ خوف اس کے ساتھ ساتھ جوان ہوتا آیا تھا۔ وہ آج بھی کسی کا معمولی سا خون دیکھ کر ایسی ہی دہشت و خوف میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

”دیپے تو بڑی بہادر بنتی ہو، معمولی سا خون دیکھ کر ابھی تک تمہارے حواس کم ہیں، کیا ہوگا تمہارا؟ کیا ہوگی بڑی ہو کر۔۔۔“ ہریرہ نے کل سے ہمیشہ جھاڑ کر اسے زنج کر رکھا تھا۔

”شت آپ ہریرہ! میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔“ وہ اسے گھور کر گویا ہوئی۔

”بندہ اسی آس میں جی رہا ہے۔“ وہ ہائیں آنکھ دبا کر ڈھٹائی سے گویا ہوا۔

”لگاؤں بی بی جان کو آواز۔۔۔؟“ وہ غصے سے تل کھا کر گویا ہوئی، ہریرہ ہنس پڑا۔

”ہریرہ بھائی! کیوں خشک کر رہے ہیں، مالیک تو ویسے ہی کل سے اس قدر اس کا خون خشک ہو چکا ہے۔“ مول نے حورین کی سائیڈ لی۔

”اس کو کہتے ہیں مدی ست، گواہ چست۔ چوت تمہیں لگی ہے اور خون اس کا خشک ہو گیا۔“ وہ بانو آنے والا نہ تھا۔

”مول! تم نے ابھی منیڈ سین لی ہیں اب سو جاؤ، میں کل یونیورسٹی چلی جاؤں گی، کلاسز انینڈ کروں گی تو نوٹس مل جائیں گے، وہ ہم شیئر کر لیں گے، تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ حورین مول کے پاس سے اٹھتے ہوئے قلمی آئینہ لیے میں گویا ہوئی۔

”تم اکیلی ہو جاؤ گی؟ زویا کو بھی لٹو ہو رہا ہے۔“

”ہاں تو کیا ہوا، وہاں شرین روا بھی تو ہوں گی۔“

”لٹیک ہے۔۔۔۔۔ مگر اپنا خیال رکھنا۔“

”اور ساتھ فیڈ ضرور لے کر جانا۔“ ہریرہ نے ٹکڑا لگایا، جواباً وہ اسے مارنے کے لیے پیچھے بھاگی تھی۔

مول کروٹ لے کر ہنس پڑی تھی۔

شرین اور ردایو نیورٹی نہیں آئی تھیں۔ وہ کچھ کوفت میں مبتلا ہوئی تھی، ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ تنہا ہو پھلا جبریڈ اینڈ کر کے وہ لائبریری کی جانب بڑھ گئی تھی، ماہر سے گزرتے ہوئے وہ نیچے ٹکڑے ماسٹوڈنٹس کو بے لگاری سے خوش کہیوں میں گن دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

امتحانات کی تاریخ آچکی تھیں۔ دو ہفتوں بعد امتحان ہونے تھے۔ طلباء کو دیکھ محسوس نہ ہوتا تھا کہ امتحان ہونے والے ہیں۔

”السلام علیکم مس!“ اس نے مرکز دیکھا، اس سے کچھ ہی فاصلے پر وہ سب کھڑے تھے۔ بیو جیمز، وائٹ شرٹ میں ملبوس کھڑے شخص پر بے ساختہ اس کی نگاہ اٹھی تھی۔

اس کے چہرے پر اسے کچھ پریشانی و مگر منہ دی کے سائے نظر آئے تھے۔ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے دھیمے لہجے میں کچھ گفتگو کر رہا تھا۔

”آپ اکیلی ہیں آج؟“ حیدر اسے تنہا دیکھ کر استفسار کرنے لگا۔

”جی..... زویا اور موئل کی طبیعتیں ٹھیک نہیں ہیں، شرین اور ردانہ معلوم کیوں نہ آئیں۔“

”اگر آپ تنہا کی محسوس کر رہی ہیں تو ہماری کچھٹی میں آ سکتی ہیں۔“

”تو جھینکس، مجھے امتحان کی تیاری کرنی ہے۔“

”اوکے، اگر پھر بھی کوئی مسئلہ ہو تو ہم حاضر ہیں۔“ حیدر ویسے بھی اسے بہت زیادہ تعظیم دیتا تھا۔

”جھینکس۔“ وہ سیدھی لائبریری روم میں آگئی، وہاں بھی زیادہ تر تھیرنر زوئی پڑی تھیں، بہت کم طلباء وہاں تھے، وہ کتابیں لینے کے لیے ریکس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

انس اور کرن اینڈ پریم وراڑ تھے۔ واک سے واپس آ کر وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئے تھے۔ کرن ان سے گویا ہوئی تھیں۔

”نہ معلوم کب حورین کا بچپنا جائے گا، ابھی بچوں جیسی خند کرتی ہے۔“ انس کے لبوں پر تبسم جاگزیں ہوا۔

”ہوں..... کیا کہتی ہے ہماری بیٹی؟“

”اچھا..... گویا آپ تو جیسے جانتے ہی نہیں ہیں؟“ ان کے انداز میں مصنوعی ناراضی تھی۔

”آپ بتائیں گی تو جائیں گے۔“

”وہ کہتی ہے ہم اس سے ملنے کراچی جائیں، وہ ایگزٹم کی وجہ سے آ نہیں سکتی۔“ ان کے لہجے میں اضطراب چھکولے لینے لگا۔

”رائٹ پھر چلتے ہیں۔“

”انس! آپ سب جانتے ہوئے بھی کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں..... کرن اس خوف کے خول میں کب تک یوں زندگی کو بے رنگ کرتی رہو گی۔ ہر ذرہ ہر خوف کی ایک حد ہوتی ہے۔ کب

ٹکڑی اس بودے خوف کے چنگل سے جس نے ہماری سب کی زندگی بے مزہ کر دی ہے۔" اس اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے گویا ہوا۔

"یہ خوف بے وجہ نہیں ہے، آپ جانتے ہیں۔" وہ ان سے ہاتھ چھڑا کر کانپتے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"کچھ بھی ہو..... اب اس خوف کی دیوار کو ہم نے توڑنا ہے۔ کرن اپنی زندگی ہم نے جی لی، جس طرح بھی جی مگر اب ہماری زندگیاں ہماری بیٹی سے وابستہ ہیں۔ میں اسے کسی خوف کے چنگل میں تاحیات سرگرداں بھٹکتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے لیے تمہیں حوصلہ کرنا ہوگا، مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمارے لیے نہیں مانی بیٹی کے لیے، اس کے اچھے مستقبل کے لیے۔"

"ابن! آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے، وہ انسان نہیں۔"

"وہ جو کوئی بھی ہیں، میں ان کو متاوینا چاہتا ہوں، میں کون ہوں، بہت برداشت کر لیا میں نے تمہاری خاطر..... مگر اب اپنی بیٹی کی خاطر میں برداشت نہیں کر سکتا، مارو یا مہراجا، اسی پر فیصلہ دگا اب۔" بہت عرصے بعد اس نے اس کو گھسے میں دیکھا تھا اور وہ کچھ کہہ نہ سکی تھیں۔

☆.....☆.....☆

فائل پر اس کا قلم رواں تھا کہ ایک دھماکا ہوا تھا اور پھر یکے بعد دیگرے کئی فائرز کی آوازیں خاموش ماحول میں گونج اٹھیں تھیں۔ وہاں موجود طلباء افراتفری مچ گئی۔ وہ سب میٹ کی طرف سر ہٹ بھاگے تھے، ان کی بدحواسی و حکم پل سے وہاں عجیب شور مچ گیا تھا۔ اس نے کبھی ایسا ماحول دیکھا نہ تھا۔ وہ دھڑکتے دلی سے ان کو تیزی سے بھاگتے دیکھ رہی تھی۔

"بہن! ٹکڑی یہاں سے نیچے زبردست ہنگامہ ہو رہا ہے، کتنے ہی اسٹوڈنٹس چلے گئے ہیں، آپ کیا کر رہی ہو یہاں؟ وہ بیٹوں یہاں کے دروازے لاک کرنے آیا تھا۔ اے وہاں بیٹھے دیکھ کر حیرانی سے گویا ہوا، اس کی آوازیں کڑواہوں میں لوٹی تھیں۔ کانپتے ہاتھوں سے ٹیکل سے اس نے سامان سمیٹا تھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئی تھی۔ نیچے نکلا، ڈالنے ہوئے اس کا دل بالکل ہی بے قابو ہو گیا تھا۔ کچھ دیر قبل جہاں زندگی کی خوب صورتیاں بکھری تھیں، اب وہاں موت کا بد صورت سناٹا چھا رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ اسی اثنا میں حیدر بھاگتا ہوا اوپر آیا تھا۔

"مجھے یقین تھا آپ یہیں ہوں گی، چلیں آپ کو یہاں نہیں رکنا چاہیے تھا۔" حیدر نے تیزی سے کہتے ہوئے اس کے کانپتے ہاتھوں سے فائلز نکالی تھیں۔ وہ پریشان لگا ہوں سے حیدر کی بلیو شرٹ پر سرخ سرخ وجہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گردن پر بھی زخم تھے، جن سے خون رسی رہا تھا۔

"یہ..... یہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ فائرنگ اور تمہارے زخموں سے خون نکل رہا ہے۔" وہ روہاسی لہجے میں گویا ہوئی۔

"جلدی کریں، ابھی وقت نہیں ہے، کوئی بھی کوئی یہاں آ سکتی ہے، پلیز آپ میرے ساتھ آئیں۔" حیدر اسے پھٹکی سائیڈ سے

چہتا چہتا ایک آفس ٹائپ روم میں لے آیا تھا۔ وہ روم میں بڑھ گیا تھا۔

”کہاں چلے گئے تھے تم؟ میں نے کہا تھا نہ وہ چلی گئی ہوگی پھر بھی.....“ حورین کو حیدر کے پیچھے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا اور حورین کے قدم تو گویا زمین سے چپک گئے۔ وہ خوف زدہ ہٹٹی ہٹٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی جس کی وائٹ شرٹ خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ فرش پر خون کے دو بے پھیلے ہوئے تھے۔

”کم آن سسر!“ حیدر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا جس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ڈوائلن نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

متوحش چہرہ، رنگت زرد

خوف و دہشت سے آنکھیں پھٹی ہوئیں، اگر حیدر آگے بڑھ کر اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ گر پڑتی۔

ڈوائلن نے غیر ارادی طور پر اسے کرسی ٹیبل کی تھمی اور کمر سے پانی کا گلاس بھر کر دیا تھا مگر اس نے پانی نہیں پیا اور ایک دم ہی ہی دولوں ہاتھوں میں چہرہ چہتا کر دیا شروع کر دیا تھا۔



ڈوائلن نے استغاثہ اعدا زمین اس کی طرف دیکھا تھا۔ ڈارک بلوسٹ میں اس کی صاف و شفاف رنگت نمایاں تھی، چہرے کے گرد لپٹے دو دو سیاہ بازو اور لرزتا، کانپتا اس کا ہانک سراسر اس کے لیے بہت اٹوٹھا دینا تھا سب کچھ۔۔۔ گلاس ریک میں رکھتے ہوئے اس نے حیدر کی طرف دیکھا جو شدید تکلیف کے باعث بول نہیں پا رہا تھا۔

”چلو..... میں تمہاری ڈیرینک کروں، بلیڈنگ زیادہ ہونے لگی ہے۔“ وہ حیدر کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

باہر اب ہانکل خاموشی تھی۔

حورین کا خوف و دہشت سے بے حال تھا، وہ خود کو ان لوگوں کے درمیان دیکھ کر عجیب محسوس کر رہی تھی پھر ماحول پر چھائی وحشت اور میاں کی خون کی سرخیاں دیکھ کر اس کا خوف مزید بڑھ گیا تھا اور وہ دادھ مری ہو گئی تھی، ایسی سنگین صورت حال کا اس نے کبھی سوچا نہ تھا کہ ایسا وقت دیکھنے کو ملے گا، وہ بھی ایسے لوگوں کے درمیان رہ کر جن کی وہ ہر چھائیوں کو بھی ناپسند کرتی تھی۔

وہ منٹ بعد ڈوائلن حیدر کی ڈیرینک سے فارغ ہو کر باہر آیا تو وہ بنوڑا سی پورٹیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

”ایکسکیوز می؟“ ہالا خراس کو مخاطب کرنا پڑا، اس کی آواز پر وہ ایسی اچھلی تھی جیسے کرنٹ لگا ہو، ہٹٹا کر اس نے چہرے سے ہاتھ

ہٹائے تھے، چہرہ شدت گریہ سے سرخ تھا، بھیگی بھیگی آنکھیں اس کی گرے مخروطی نگاہوں سے کمرائی تھیں۔ حورین نے لگا ہی جھکالی تھیں۔

”آپ اپنے گھر کال کر کے گاڑی منگوائیں فوری، یہاں ہم زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے، پولیس بہت جلدی یہاں آنے والی ہے۔“

اس کی بھاری آواز کی دل نشی اس بے پھل کر دینے والے سناٹے کو چہرے نے لگی تھی۔

”مم۔۔۔ مم۔۔۔“ وہ خوف و دہشت کے باعث ہکلا کر رہ گئی۔ ڈوائلن نے بہت حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ زرد پڑتی

رگت اس پر مستزاد یو کلاہٹ و سرا۔ سنگی نے اس کی حالت بگاڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے آنکھوں دکھتے ہاتھوں کی لرزش اور گنگ ہوتی زبان نے اس کی تمام بہادری و حجب زبانی کا پول کھول دیا تھا، خول کے اندر سے وہی ڈری، سہی ڈر پوک لڑکی برآمد ہوئی تھی جو بادل کے تیز گرجنے اور بجلی کے کڑکنے سے ڈر جائے، ایسی شدید ٹینشن کے باوجود اس کے اندر رقیبہ اُٹنے لگے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ ہنسے اور خوب ہنستا چلا جائے۔

اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے وہ لڑکی تھی جس نے پہلی مرتبہ اسے چیلنج کیا تھا، اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا۔

وہ مصتبہ نازک کی علم بردار تھی، حقوق نسواں کی آواز بلند کرنے اور لڑنے والی سر بھری لڑکی اباہر سے بہت خاص و مضبوط کسی چٹان کی طرح نظر آنے والی لڑکی اور حقیقت اندر سے وہی عام سی کم بہت، کم حوصلہ لڑکی تھی۔ ڈوائون کے لمبوں پر گہری مسکراہٹ مسکراہٹ ابھر کر اس کے وجہ چہرے کو روشن کرنے لگی تھی، وہ بڑی کاٹ وار نگاہوں سے اس کے لرزاں وجود کو دیکھ رہا تھا۔

ادھر حورین کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ڈر، خوف، وہشت کے ساتھ ساتھ اب اس پر گھبراہٹ سوار ہونے لگی تھی، کیونکہ چمکی ہوئی نگاہوں کے باوجود وہ بخوبی ڈوائون کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر شدت سے محسوس کر رہی تھی اور اس شخص کے ساتھ کی گئی زیادتیوں اسے اچھی طرح یاد آنے لگی تھیں۔ اگر وہ شخص اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا بدلہ لینے کی سعی کرے تو اس وقت کون روک سکتا تھا اسے؟ وہ ابھی پوری طرح اس کی دسترس میں تھی اور خود کو پچانے کی طاقت و ہمت محسوس نہ کر رہی تھی۔

اسے یقین تھا کہ ڈوائون اس کی بے بسی و کمزوری سے پوری طرح آگاہ ہے، اسی لیے وہ جو نگاہ اٹھا کر دیکھنا اپنی انسلٹ تصور کرتا ہے، بسن طرح لگا ہیں جمائے گھڑا ہے۔

ایک عجیب سے احساس ہے اس کی گردن سینے سے لگ گئی، سیاہ مخمیری ٹائیس سرخ بھیکے عارضوں پر لرزنے لگی تھیں۔ ڈوائون نے اُحد و گھبی سے اس کے چہرے پر خوب چھاؤں کا منظر دیکھا تھا اور گہری سانس لے کر اندر بڑھ گیا تھا، پھر اس کی واپسی فوراً ہی ہوئی تھی۔ حیدر اس کے ساتھ تھا، اس کے خاصی چوٹیں آئی تھیں، اسی لیے وہ کئی جگہوں سے انہوں میں جکڑا ہوا تھا مگر پھر بھی بہت حوصلے سے چل رہا تھا، حورین سے مخاطب ہوا تھا۔

”مس! آپ اپنے گھر کال کر کے کسی کو بلائیں، ہمیں یہاں سے فوراً اٹلنا ہوگا۔“ حیدر کو دیکھ کر اسے خاصی ڈھارس ملی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے پرس سے سل فون نکالا تھا لیکن کپکپاہٹ کے باعث سل ہار ہاں اس کے ہاتھ سے کنٹرول نہ ہو رہا تھا۔

”حیدر اتم نرائی کرو، ہمارے پاس اتنا تم نہیں ہے۔“ لمبے بھر میں اس کے چہرے پر مدنی تاؤ اور لہجے میں جزاوری و رآئی۔ حیدر نے اس کے مطلوبہ نمبر کو پیش کیا تھا مگر دوسری طرف سل آف تھا، دو تین بار نرائی کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوا تھا۔

”سل آف ہے۔“ حیدر پریشانی سے گویا ہوا۔

”اب خود بھگتو، میں نے منع بھی کیا تھا خواہ مخواہ کی ہمدردیاں اسی طرح گلے پڑتی ہیں۔“ وہ منہ پھٹ تھا، سوکہ گیا۔

”قارچا ڈسک پار! کچھ تو خیال کرو۔“ حیدر سرگوشی میں بولا مگر حورین کی سماعتیں بے اثر نہ تھیں وہ سن رہی تھی اور اس کے بدلے موڈ اور تیور بھی بھانپ چکی تھی لیکن جان کراگور کرنے میں ہی اسے اپنی بہتری نظر آ رہی تھی۔

”سنی ہے تو سن لے، یہ میرا در دسر نہیں ہے۔“

”ہلیز ذالنون! اپنے غصے پر قابو پاؤ اور سوچو ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے..... کیونکہ ہمیں ان کو بھی ساتھ لے کر یہاں سے نکلتا ہوگا۔ مجبوری ہے، ان کے نمبر پر رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے۔“ اسے خود کو گھورتے پا کر وہ شانے اچکا کر آہٹلی سے بولا۔

”تم پچھلی سائیڈ سے ذیلی سڑک پر آ جاؤ، میں کسی نہ کسی طرح گاڑی وہاں لے کر آ رہا ہوں۔“ وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ حیدر حورین کے ہمراہ پچھلی سائیڈ سے چھپتے چھپاتے باہر نکل چکا تھا۔

جامعہ کے اندر باہر پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری تھی، پولیس موبائلز کے بوئرز سے نکلتی بھیاں آوازوں نے اس خاموش ماحول کو لرزا کر رکھ دیا تھا، ان آوازوں میں اتنی وحشت تھی کہ وہ پوری طرح غمگین ہو گئی تھی، پورا وجود دل بن کر وحز کے لگا تھا۔ وہ ذیلی سڑک پر پہنچے ہی تھے، جب دو کاریں وہاں رکی تھیں۔ گرے کار سے ہریرہ ہاں پر لگا تھا، حورین کو دیکھ کر اس کے چہرے پر پچھائے پر بیٹھائی دنگر کے سائے یلغٹ پھٹ گئے تھے۔

”شکر ہے خدا کا کہ تم زندہ ہو..... میں تو یہاں ہنگامے کا سن کر تم پر قاتلہ پڑ چکا تھا۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا، اگلے لمحے حورین اس کے سینے پر سر رکھ کر ایسے روئی، گویا برسوں کے بھٹکے کو دیرانے میں کوئی شام سا مل جائے۔

”آپ لوگ جو بھی ہیں مگر میں آپ کو نیک فرشتوں کے نام سے پکاروں گا، بھری کزن ایسی پتوایشن سے فرسٹ ٹائم انٹروڈیوس ہوئی ہیں، خوف و دہشت سے جوان کی حالت ہے، اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ میں یہاں گزیر کی اطلاع ملتے ہی فوراً روانہ ہو گیا تھا مگر ہر جگہ رکاوٹیں دیکھ کر میں نے یہ رستہ اختیار کیا تھا۔“ وہ حیدر اور ذالنون سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا، حورین خود پر خاصی حد تک قابو پا چکی تھی مگر ہریرہ کا دایاں بازو ابھی بھی اس کی گرفت میں تھا۔ حیدر، ہریرہ سے گفتگو میں مصروف تھا، جبکہ ذالنون بہت خاموشی سے بیویجیکٹ میں لمبوس شانے کو اس کی دو حسیا ہاتھ کی گرفت میں دیکھ رہا تھا، کچھ لمحوں قبل دہشت میں ہراساں کسی ہرنی کی طرح جس لڑکی کو اس نے دیکھا تھا وہ اس شخص کے قریب کھڑی مطمئن دہ سکون نظر آ رہی تھی، گویا ہر خوف و فکر سے اسے امان مل گئی ہو۔ وہ غلیک سلیک کے بعد چلے گئے تھے۔

”ہوں، چلو۔“ وہ گہری سانس لے کر کار کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

راحیلہ بیگم کو خطرئی سے بات کرنے کا موقع کھر میں میسر نہ ہو رہا تھا، مختصرئی ہاسٹل سے نکلی ہوئی آتی، کبھی لچ کرتی یا کبھی بھاگنے کے ہی تھکان کے باعث سو جاتی تھی، پھر شام میں ہی وہ کمرے سے باہر نکلتی تھی، اس وقت تک سب کھر میں موجود ہوتے تھے۔ ڈنر کے بعد

سب سے پہلے واک کے بعد اپنے روم میں جانے والی خضریٰ تھی اور دو روز اس موقع کی تلاش میں تھیں کہ کسی طرح وہ خضریٰ سے تہائی میں گفتگو کر سکیں۔ خضریٰ واک کے لیے باہر نکل رہی تھی جب انہوں نے اس سے کہا کہ وہ بھی اس کے ساتھ واک پر جائیں گی۔

”واو جان! یہ آج آپ کو واک کا کیسے خیال آگیا؟“ خضریٰ نے ٹیکن سے متہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔ واو واک پر نہیں جاسکتیں؟“ منزل بول اٹھا۔

”جا تو سکتی ہیں۔۔۔ مگر جاتی نہیں ہیں۔ مجھے تو کچھ دال میں کالا لگ رہا ہے۔“ وہ خوشی سے گویا ہوا۔

”بیٹا! میرے جوتے کھائے بہت دن ہو گئے ہیں اس لیے کالا، ہرا، پیلا نظر آنے لگا ہے، ابھی لگیں گے جوتے تو حواس ٹھکانے آجائیں گے۔“ راحیلہ بیگم مصنوعی غصے سے گویا ہوئیں۔

”واو! آپ کس کی باتوں میں آرہی ہیں، آنیں چلیں۔“ خضریٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر لان میں آگئی، جہاں دھیرے دھیرے چلتی ہوا ٹھنڈی دھڑکدار تھی۔

”تم نے خود کو اتنا مصروف کر لیا ہے بیٹا کہ گھر میں رہنے کے باوجود بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔“ تنویر اساجیل کر وہ اس کے ساتھ کرسی پر بیٹھے، وہ نے شکایتی انداز میں گویا ہوئیں۔

”مسردنیات از خود ہی پڑ گئی ہیں۔“ وہ ان کے برابر والی کرسی پر براہمتان تھی، وہاں لگے سرکری بلب کی روشنی میں اس چہرے کی پڑمردگی نمایاں تھی، جگنوؤں کی طرح چمکنے والی آنکھیں کسی دیرانے کا پتا دے رہی تھیں۔ اس کے ضبط پر، اس کے کرب پر، ان کا دل تڑپ کڑھ گیا، وہ جس آگ میں سوختہ ہوئی جا رہی تھی، وہ پیش واپس اپنے اندر بھڑکتی ہوئی محسوس کرنے لگیں۔

”فرار کا یہ راستہ جو تم نے چنا ہے، درست نہیں ہے میری بیٹی! اس طرح کب تک ٹوڈو کا درد و مردوں کو فریب دو گی؟ تمہارے اس طردعمل نے، مگر یز و خاموشی نے آج تمہاری ماں کو چوٹ لگایا ہے، کل باپ پریشان ہوگا، پھر بھائی اور بھابی تمہاری کھوج میں لگ جائیں گے، کس کس سے چھپاؤ گی؟ کیا بتاؤ گی؟ اپنی آدم بے زاری، تمہا پسندی، خاک ہوتا روپ و رنگ اور لبوں پر جامد خاموشی کی کیا دلیل پیش کرو گی۔“ ان کا انداز ماحسانہ تھا۔

واو! امی نے کچھ کہا ہے آپ سے؟“

”ہاں۔۔۔ تمہاری گرتی صحت اور گوشہ نشینی نے اسے پریشان کر دیا ہے۔“

”واو! میں ہمیشہ سے ایسی ہوں، تمہائی پسند، کم گو پھر میری پروفیشنل لائف اتنی ٹھ ہے کہ۔۔۔ میں ہلہ ٹکھ، موج مستی، انورڈ نہیں کر سکتی، یہ میری غیر نہیں ہے، مگر تو خود میڈیکل فیلڈ سے انچ رہی ہیں، وہ میری پراپھر سمجھتی ہوں گی پھر۔۔۔“

”صنوبر ڈاکٹر شادی سے پہلے تھی، شادی کے بعد اس نے گھر، شوہر اور بچوں کو پورا پورا وقت دینے کے لیے خود کو الگ خاتون خانہ بنالیا، وہ اب صرف اچھی بہو، بیوی اور ماں ہے، ڈاکٹر نہیں۔ ڈاکٹر کی نگاہوں سے دل کی کیفیات چھپ سکتی ہیں مگر ماں کی نگاہ سے

نہیں۔“ وہ اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔

”میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا، نہ میں خود کو زمین پر محسوس کر رہی ہوں نہ آسمان پر، زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو کر رہ گئی ہوں۔“ اس کی آواز میں درد کی کرچاں تھیں۔

”مت سوچا کرو۔۔۔ جو ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔“

☆.....☆.....☆

انس نے کرن سے کراچی جانے کا اقرار کر دیا تھا، جس روز ان کی ملاقات تھی اسی صبح کرن ہاتھ روم میں سلب ہو گئی جس کے نتیجے میں ان کی دائیں ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔ شروع کا ایک ہفتہ کرن نے بڑی تکلیف میں گزارا تھا، دو ہفتے تک وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہ کر تکلیف کم ہونے کے بعد ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئی تھیں، اس دوران انس نے تو انہیں ہتھیلی کا چھال بنا کر رکھا ہی تھا، سعد اور فارید نے بھی اسے کسی حقیقی رشتے کی محسوس نہ ہونے دی تھی، دن رات اس کا خیال رکھا تھا۔

کیا سوچ رہی ہیں مادام!“ وہ بچیوں کے سہارے نیم دراز تھی اور بہت گہری سوچ میں مستغرق ساؤ ٹیبل پر رکھے کرسٹل کے گلدان میں سجے سرخ پھولوں کو دیکھتے جا رہی تھی۔ انس جو کسی بزنس نیگزین کا مطالعہ کر رہا تھا، نیگزین ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے شروع کیجے میں گویا ہوا۔

”میں نیکی سوچ رہی ہوں، میری وجہ سے آپ لوگوں کا بھی کراچی جانے کا پروگرام خراب ہو گیا۔“

”پروگرام کا کیا ہے، پھر بن سکتا ہے، مگر میں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک تمہاری اپنی خواہش نہیں ہوگی، میں کبھی تمہیں کراچی جانے پر مجبور نہیں کروں گا۔“ انس کے لہجے میں بے لوث چاہت کی آمیزش تھی جس نے کرن کو زندگی سے پیار کرنا سکھایا تھا۔

”کیا مطلب؟“ کرن نے ان کی طرف دیکھا، وہ بھی ان کی طرف دیکھ رہے تھے، اس سے ان کی گرے آنکھوں میں ایک ایسا حزن و کسک ٹو پینے لگا تھا کہ وہ نگاہیں نہ ملا سکی تھیں۔

”مطلب آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں۔“ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

”ایسا خطرہ کہ رسک! ایسی تکلیف زدہ حرکت کرتے ہوئے آپ کو میرا خیال نہیں آیا؟ حورین کا نہیں سوچا؟ شکر ہے؟ ٹانگ کی بڑی محفوظ ہے، ہڈی ٹوٹ جاتی یا۔۔۔ خدا نخواستہ کچھ اور ہو جاتا تو ہم کیا کرتے؟ یہ نہیں سوچا یہ حرکت کرنے سے قبل؟“ وہ ان کا سر دھونے لگا تو اپنی آنکھوں سے لگا کر آرزوگی سے کہہ رہے تھے اور کرن ہلکا بکاسی ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

”میں نے تمہیں دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ چاہا ہے کرن! جن کو ہم ول کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں ان کی تمام خوبیوں، خامیوں سے ہمیں آگاہی رہتی ہے، ہم ان کو اتنا جانتے ہیں جتنا شاید وہ بھی اپنے آپ کو نہیں جانتے۔“

”جو بابا وہ کچھ نہ کہہ سکیں، نہ معلوم کس جذبے کے تحت ان کے آنسو خساروں پر بہنے لگے تھے۔“

"روومت، تمہارے یہ آنسو مجھے کمزور کرنے لگتے ہیں۔" اس نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"جان بوجھ کر تم سلب ہو گئیں، تاکہ کراہتی جانے سے بچ جاؤ، میں یہ سوچ کر لرز جاتا ہوں کہ اس سے بڑی چوٹ لگ جاتی تو....."

"آنسو سوری، میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی مگر..... مگر میرے پاس کوئی اور ترکیب نہ تھی کراہتی جانے سے بچنے کے لیے۔" وہ

بھینکے لہجے میں گویا اقرار جرم کر رہی تھی۔ "میں آپ سب کو ہرٹ کرنے پر شرمندہ ہوں، مگر مطمئن بھی کہ ہم زندہ رہیں گے تو ساتھ رہیں گے اور مجھے وہاں زندگی نظر نہیں آتی۔"

☆.....☆.....☆

"مما ڈیڈی کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں آج کل، پہلے دیک انڈ کو ملاقات ہو جاتی تھی، ایک عرصے سے وہ بھی نہیں ہو رہی۔" منال صوفی پر آرام سے بیٹھتے ہوئے فائدہ سے مخاطب ہو گئیں۔

"ہاں..... ان کی کمی مجھے بھی محسوس ہونے لگی ہے، میں نے شکایت کی تھی تو کہنے لگے عادت ڈال لو، آگے تو اس سے بھی زیادہ مصروفیات آئیں گی۔" وہ ہاتھوں پر ہینڈ لوٹن کی باتیں کرتے ہوئے ہنس کر کہہ رہی تھیں۔

"ڈیڈی کو کبھی نہ معلوم کیوں سیاست میں داخل ہونے کی سوجھ بوجھ، کچھ تو ہے ہمارے پاس۔ عزت، دولت، دنیا کی ہر آسائش سے بھری زندگی، پھر کیوں خود کو مصروف کر رہے ہیں۔" وہ کشتی کا کرشمہ راز ہو گئی تھیں۔

"یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی طلب بڑھتی ہی رہتی ہے، پھر جو مزد مگرانی کرنے میں ہے، وہ کسی میں بھی نہیں بے صبری جان۔"

"جانتی ہوں ممّا! یہ نشہ..... کرسی کا نشہ ہر نشے سے بڑھ کر ہوتا ہے، یہ بھی سوچیں، اس کا چسکا جان کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور میں نے زندگی میں اتنا کچھ کھویا ہے کہ اب کچھ کھونے کا تصور بھی مجھے خوف زدہ کر دیتا ہے، میں بے سکون ہو جاتی ہوں۔" فائدہ بیگم نے لوٹن ڈرائنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آہستہ میں ان کے ٹکس کو دیکھا تھا۔ پنک کمر کے ٹراؤزر سوٹ میں بکھرے بالوں کے ساتھ وہ خود بھی بکھری بکھری لگ رہی تھیں۔

"ڈرائنگ! وہاں کے قریب بیٹہ کہ بال سنوارتے ہوئے گویا ہو گئیں۔" اپنے ڈیڈی کی نیچر جانتی ہو، وہ دل میں آئی بات اور فیصلہ کبھی نہیں بدلتے خواہ اس کا رزلٹ کچھ بھی نکلے جو انہوں نے سوچا ہے وہ کر کے بد ہیں گے، اب میرا اور آپ کا خون جھلانا، کڑھنا بے معنی ہے۔"

"جانتی ہوں، پھر بھی میں چاہتی ہوں ڈیڈی پہلے جیسے بن جائیں، آفس کے بعد سارا راتنام ہمارے ساتھ گزارنے والے، کتنی گز ٹیلیگ ہوتی تھیں جب ڈیڈی ہمارے ساتھ پارٹنر شپ میں تھے، کبھی لاگ ڈرائیو، تو کبھی ڈنر پر ساتھ ہوتے تھے۔"

"اوو.....! یہ آج کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ کون کہہ سکتا ہے آپ دو جوان بیٹیوں کی ماں ہیں، باتوں سے بالکل..... چائلڈ لگ رہی ہیں۔" فائدہ بیگم مسکرا رہی تھیں۔

"مما شاید عورت ہمیشہ ادھوری رہتی ہے، وہ اپنی ذات کے کھوئے ہوئے حصے کو کسی نہ کسی وجود میں، کسی نہ کسی رشتے میں تلاش

کرتی رہتی ہے، میں بھی اپنا گمشدہ حصہ اپنے لوگوں میں تلاش کرتی ہوں۔“

”اب کیا ٹینشن ہے مسلسل ٹینس کیوں رہنے لگی ہیں، معلوم تو ہو؟“

”مجھے کیا ٹینشن ہوگی کچھ بھی نہیں۔“ وہ سیدھی بیٹھی تھیں۔

”مسز طلعت کوڈرپر انوائٹ کر لیتے ہیں، ان سے گپ شپ میں بوریت دور ہو جائے گی۔“

”بوریت دور نہیں ہوگی، اور بڑھ جائے گی۔“ وہ منہ بٹا کر گویا ہوئیں۔

”کیا مطلب؟“ دوازدہ حیران تھیں۔

”وہ عجیب پاگل عورت ہے ماما! ایک آزاد معاشرے میں رو کر بھی جس کی ذہنیت وسوج میں تبدیلی نہیں آتی، وہ اس دور میں بھی صدیوں پرانے انداز کے دوپٹے اوڑھتی ہے، جس کو بریک فاسٹ میں جیم بریڈ کے بجائے دہراٹھا اور چار پینڈ ہے، بیڑا کی بجائے وہ وال چاول شوق سے کھاتی ہے، اسی رنگ میں اس نے دولوں بیٹیوں کو رنگا ہوا ہے اور تو اور طلعت صاحب بھی تھری ڈیئر سوٹ میں ٹوپی پہن کر نماز پڑھتے ہیں، اپنے اسٹینڈرڈ کے لوگ نہیں ہیں وہ۔“ ان کے چہرے اور لہجے نے آکٹا ہٹ دنا گواریت عیاں تھی۔

”یہ عادت آپ کی ابھی تک نہ گئی، جس کی طرف جتنی تیزی سے لپکتی ہو، اس سے احتیاجی بے زاری سے چھوڑنے میں ناظم بھی نہیں لگاتی ہو۔“

”بہت عادتیں کہاں ترک ہوتی ہیں ماما!“ دوازدہ سے مسکراتی تھیں۔ اسی دم منال کا فون بج اٹھا تھا۔

”کیا ہوا؟“ منال کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر وہ پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔ ”کس کی کال تھی؟“

”یونیورسٹی میں کچھ ڈسٹرنبس ہوگئی ہے۔“ وہ تیزی سے ذوالنون کے موبائل سے رابطہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور ان کے ہار بارزائی کرنے کے باوجود رابطہ نہ ہوا تھا۔

”پریشان مت ہو، پرنس ٹھیک ہوگا۔“ وہ متوجش ہوتی منال کو تسلی دیتے ہوئے اپنے سِل سے اس کا نمبر فراہم کرنے لگی تھیں۔ اس سے رابطہ کرنے میں انہیں بھی ٹاکا کی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”چاندنی.....! اوچاندنی! اری کہاں مرگئی کبھت۔“ بی بی جان وراٹھ سے اسے آواز میں لگاتی مکن تک چلی آئی تھیں۔ وہ مزے سے واک مین کانوں سے لگائے میوزک کی نے پر پاؤں ہلارہی تھی۔

”اچھا یہاں یہ عیش بور ہے ہیں۔“ وہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئیں تو وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی تھیں اور اسی غلت میں واک مین سے چھٹکارا پایا تھا۔ اس دوران بی بی جان کی کاٹ دارنگا ہیں اسے گھورتی رہی تھیں۔

”کیا ہو رہا تھا یہ؟“

”کچھ نہیں..... وہ..... وہ میں.....“ اس سے کچھ نہ کہا گیا۔

”پہلے یہ مجھے بتا..... مجھے تیرے اماں، باوا نے کتنی غصہ اور تیری کنیز رکھا ہے جو ہر دم مجھے تیرے پیچھے پیچھے ہی رہنا پڑتا ہے۔“

”ایسا نہ کہیں بی بی جی! کنیز تو میں آپ کی ہوں، آپ کی خدمت کرنے آئی ہوں۔“ وہ مسکین صورت بنا کر گویا ہوئی۔

”مجھے کھنکھانے میں کہتی ہوں، ایک جگہ کبھی کیوں نہیں ٹو؟ چلاؤ! کیوں بنی رہتی ہے۔“ وہ اس کے انداز سے متاثر ہونے

والی نہ تھیں۔

”آپ ہی تو کہتی ہیں، لڑکیوں کو بھاگ بھاگ کر کام کرنا چاہیے۔“ اس نے ان کی بات کو جواز بنا کر جان چھڑانی چاہی۔

”ہوں..... بھاگ بھاگ کر کام کرنے کی ترغیب دیتی ہوں، چھپ چھپ کر آرام کرنے کا مشورہ نہیں، تجھے میں نے کہا تھا،

میرے کرے کی بندھنیں بدل دے۔“

”تو بدل دی ہے بی بی جان۔“ وہ بات قطع کر کے ہوئی۔

”کئیوں پر غلاف کون چڑھائے گا؟“

”اووو میں بھول گئی، ابھی چڑھاتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”مگر اس گھر میں کام کرنا ہے تو اپنی عقل ٹھکانے رکھا کرو اور میرے کام مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔“ چاندنی سر ہلاتی ہوئی

چلی گئی۔ دو چاندنی کے پیچھے جانا چاہ رہی تھیں معائن کی نگاہ بریرہ کے ساتھ اندر داخل ہوتی حورین پڑ پڑی تو اس کی خوف زدہ سی آہری صورت

دیکھ کر وہیں ڈک ٹکی تھیں، پھر اضطرابی انداز میں آگے بڑھیں، حورین ان کی طرف بھاگتی ہوئی آئی اور ان سے پست کر شدت سے رو پڑی۔

”ارے..... کیا ہوا جی! اہائے اس طرح کیوں رو رہی ہو؟“ وہ نرمی طرح بولکھائی تھیں اس کے اس طرح زار و قطار رونے سے۔

”بی بی جان آپ پریشان مت ہوں۔“ بریرہ نے مختصر آواز کو تفصیل بتائی، اس دوران وہ لاؤ راج میں آگئے تھے۔ حیران حیران

سمیت سب جمع ہو گئے تھے۔ روپا بھاگ کر پانی میں ٹھوکر مار کر لے آئی تھی۔ بی بی جان نے اپنے ہاتھ سے اسے پلایا تھا۔ حیران حیران بھی

بہت پیار سے اس سے چٹائی تھیں۔

”لو بھلا اور سنو ادب کتب بھی میدان جنگ بن گئے، درس گاہوں سے تو جاہلیت کے اندھیرے مٹا کر علم و فضل کی روشنیاں ملتی

ہیں جو زبانوں کے جس زور و درپچوں کو شعور و آگہی کی تازگی عطا کرتی ہے جس سے انسان میں تیز و تہذیب پیدا ہوتی ہے، اچھے نرے کو سمجھنے

کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، ادب و آداب آتے ہیں، اگر درس گاہوں میں لڑائی، جھگڑے، قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی تو ہماری

موجودہ اور آنے والی نسلوں کو کون علم و دین کی روشنی دے گا؟ علم و عمل سے بے بہرہ و مبرا و استقامت اور تحمل حرا جی ہم سے اکل جائے گی تو پھر

ہم میں اور چودہ سو سال قبل زمانہ جہالت کے لوگوں میں کون تمیز کرے گا، کون آئے کا حق و محبت کی مشعل سے جہالت کے اندھیروں کو

مٹانے کے لیے؟“

”بی بی جان! علم و آسمانی کی جو مشعل ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشن کی تھی، وہ تاقیامت روشن رہے گی، اسے کسی میں طاقت نہیں ہے گل کرنے کی، یہ سب خیر و شر کی لڑائی ہے جو ازل سے چلی آ رہی ہے اور اب تک جاری رہے گی، یہاں وہی کامیاب رہ سکتا ہے جو ایمان کی حفاظت کرتا ہے۔“ وہی نے کہا۔

ماحول پر نا موٹی چھائی ہوئی تھی۔

”وہی، سفیان، سعود وغیرہ بھی آگئے تھے۔ جامعہ میں ہنگامے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔“

”عجب ہے آج کل کی جزیں بھی جو ظلم حاصل کرنے جاتے ہیں، وقت پڑنے پر اس کو ہی بھول جاتے ہیں، قائدہ کیا ایسی تعلیم کا۔“ میرا جنیراچن کی طرف جاتے ہوئے گویا تھیں۔

”چلو! ٹھو، ول بڑا کرو چندا، نہ معلوم وقت کیا کیا دکھائے گا، اس طرح حواس کھوؤ گی تو گزر گئی زندگی، جا کر ہاتھ نو، کپڑے پیچ کر دو، میرا چائے بنا رہی ہے، منافقت آؤ پھر چائے پیٹے ہیں۔“ حمیرا نے کافی ساری چیزیں بتائی ہیں۔ ”وہ حورین کو کسی بچے کی طرح خرید کر رہی تھیں، ہر دم ہنسی مسکراتی حورین کا یہ روپ انہیں متا سے لبریز کر گیا تھا۔ حورین خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی، دو کھڑی ہوئی تو زویا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”چلو میں تمہارے وارڈ روب سے سوٹ کال دوں گی۔“

”اس سے ابھی کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، بچی ڈری ہوئی ہے۔“ بی بی جان اس کی ہر تجسس طبیعت سے بخوبی واقف تھیں، اسے حورین کا ہاتھ پکڑے جاتے دیکھ کر تنہی لہجے میں گویا ہوئیں۔

”جی اچھا۔“ مارے شرمندگی نے وہ یہی کہہ سکی۔

”پرو روگا رکاشکر ہے ہر یہ، تم نا تم پر پہنچ گئے، مجھے تو یہ سوچ کر ہول اٹھ رہا ہے، اگر پرانی بچی کو کچھ ہو جاتا تو..... کیا منہ دکھائی میں اُس اور کرن کو، میں نے ہی اصرار کر کے بلوایا تھا بچی کو۔“ حورین کی دگر کون حالت نے سب کو ہی حیران کر دیا تھا۔

”میں فون کر کے پہلے اسلام آباد وغیرہ کی خبر دے دوں، ان کو معلوم ہوگا تو پریشان ہوں گے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”بی بی جان! انہیں یہ مت بتائیے گا کہ حورین مری طرح ڈر گئی ہے بلکہ کہہ دیجئے گا کہ وہ آج بونورسٹی گئی نہیں تھی۔“ سعود اپنی رو میں کہہ گیا پھر یک دم ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ساکت ہو گیا، بی بی جان کی لگا ہوں کے فریم میں تھا وہ۔

”اچھا..... اور کچھ سمجھاؤ مجھے بے عقل کو؟“

”نہیں..... نہیں میرا مطلب تھا۔“ وہ گڑبگڑا گیا۔

”ہاں..... اب اتنے بُرے دن آگئے ہیں میرے کہ یہ کل کے بچے آج مجھ کو عقل کی باتیں سکھائیں گے۔“ وہ سعود کو گھور کر گویا ہوں، باقی سب گرونیں جھکائے بیٹھے تھے فرما رہی واروں کی طرح۔

”سوری بی بی جان“۔

”یہ لفظ بھی خوب ہے، سامنے والے کی بڑی سے بڑی بے عزتی کرو اور حجاب میں کہہ دو ”سوری“ وہ آسانی سے محاف کرنے والی نہ تھیں۔

”سعدو سوچ سمجھ کر بولا کہ وہ بھلا بی بی جان سے زیادہ کوئی عقل مند ہو سکتا ہے۔ ہماری بی بی جان دوسروں کو عقل دیتی ہیں اور تم ان کو سکھا رہے ہو آئندہ سوچ سمجھ کر بولنا۔“ وہی نے خاصی ہوشیاری سے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا تھا مگر وہ جلدی میں بھول گیا کہ ہاتھوں میں ٹکھن کی آمیزش ضرورت سے زیادہ ہو گئی ہے۔

”ایک نہ شد و شد، یہاں آوے گا آوے ہی گزرا ہوا ہے، ارے میرے قابل و ہونہار بھائیوں کی ناکارہ اولاد و جہیں دنیا میں یہی مگر ملا تھا پیدا دے کے لیے، کیا ہوگا میرے بھائیوں کا؟“ وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں اور ان سب نے کل کر سائیس لی تھیں۔

”کس نے کہا تھا تجھے مشورہ دیتے کو؟“ وہی نے اسے ڈانٹا۔

”اور تجھے کس نے کہا تھا؟“ وہ اس سے دو بدو بولا۔

”مجھے تجھ پر ترس آ گیا تھا“۔

”کیوں..... کیا میں اندھا ہوں؟“

”ہاں عقل کے اندھے کو بھی اندھا کہتے ہیں“۔

”مگر میں اندھا ہوں تو..... تو بالکل معذور ہے عقل سے“۔

”اوہو، کیا ہے بھئی! کوئی اچھی بات بھی کرے گا پاپوں ہی آپس میں چونچیں لڑاتے رہو گے“۔ سول نے کہا، قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتے، اسی لمحے چاندنی نے چائے لکھنے کی اطلاع دی تھی۔

☆.....☆.....☆

حیدر کے زخموں کی بینڈیج اس نے عارضی طور پر کر دی تھی، اس کے خود بھی خاصے زخم آئے تھے جو پشت اور سینے کی طرف تھے جن میں اب قابل برداشت نہیں اٹھنی شروع ہو گئی تھیں اور اس سے ڈرائیونگ کرنا مشکل ہو رہا تھا، حیدر فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر میں تقریباً غلط حال بیٹھا ہار ہار غنودگی کا شکار ہو رہا تھا۔

”یار! ڈالٹون! یہ راستہ کب ختم ہوگا؟ ہسپتال کب آئے گا؟ جان لگی جا رہی ہے، ہسپتال ہے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہا“۔

”حاتم طائی بننے کا ارادہ رکھتے ہو تو ولی میں صبر و استقامت بھی بھرپور انداز میں رکھو“۔ اسٹیرنگ تھماتے ہوئے وہ طنزیہ انداز

میں بولا۔

”دیکھو بھائی، مجھے معلوم ہے تو ایک عرصے تک اس موضوع پر جوتے مارتا رہے گا، اس حقیقت سے قطع نظر کہ جو کچھ میں نے کیا

وہ ایک نیکی ہے، بلکہ جس طرح بھی رہے تم میرے ساتھ رہو، اگر میں حورین کا خیال نہ رکھتا تو نہ معلوم کیا ہوتا..... اور تم نے دیکھا تھا وہ کس قدر خوف زدہ تھی، کم از کم میں نے آج سے قبل کسی بولڈ، بریولڈ کی کو اس طرح روٹے نہیں دیکھا۔“

”حورین کا ذرا سا خوف سے زرد چہرہ اور آنسوؤں سے کانپنا وجود جھماکے سے اس کی ذہن کی اسکرین پر ظور ہوا اور بے ساختہ اس کے لیوں پر دل فریب مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

”اسٹوڈنٹ گریڈ! یہ لڑکیاں بے وقوف ہی ہوتی ہیں۔“

”ہاں..... میرے بھائی! جس دن کوئی لڑکی تمہیں نکرائے گی تو پوچھوں گا، کون بے وقوف ہوتا ہے۔“ حیدر غنودہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ کارایک پرائیویٹ ہاسٹل لے آیا تھا جہاں کونین پہلے سے موجود تھا، وہاں ہنزہ نے خود انہیں اسٹینڈ کیا تھا اور خواب آور انکشن کے ذریعے وہ دونوں بے خبر سو گئے تھے۔

اس کی آنکھ ابھی تو کمرے میں ٹیوب لائٹس آن تھیں، کنزیکوں کے شیشوں سے نظر آتے باہر کے منظر میں اترتی رات کی سرسراہٹیں تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو حیدر ابھی تک بے سوجھ بوجھ پر اتھا، اس کی جانب سے آنے والی ہلکی خراٹوں کی آوازیں اس کی گہری وہ سکون خیزی کی نماز تھیں۔

”ذوالنون بیٹے! اب کیا فیل کر رہے ہیں؟“ اسے خند سے بیدار دیکھ کر صدر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے تھے۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں انکس۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”ٹھیک کیسے نہیں ہوں گے، آخر تمہارے ڈاکٹر کس لیے ہیں۔“ کونین اور ہنزہ جو اس پل اندر داخل ہو رہے تھے، کونین نے شوخی سے کہا۔

”آل رائٹ مائی سن۔“ صدر صاحب نے مسکرا کر تائید کی، کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلے گئے تو ہنزہ اور کونین اس سے دریافت کرنے لگے کہ یونیورسٹی میں کیا ہوا ہے اور انہیں یہ پوچھیں کس طرح آئیں، اس دوران حیدر بھی بیدار ہو چکا تھا اور وہ بھی ذوالنون کی طرح ہنزہ کی ایکسٹریکٹ کے باعث خود کو چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔

”جو آج ہوا اسے بہت پہلے ہونا تھا، ہم سے روکی اپنا مطلب حاصل نہ کر سکا تو آج اس نے اس اسٹوڈنٹس تنظیم سے مجھے چھڑا دیا، جو ان کی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتی ہے۔ ان تنظیمی لوگوں میں برداشت کہاں ہوتی ہے، یہ لوگ بن بادل برسات کی مانند ہوتے ہیں، بے موقع بن بادل برس پڑتے ہیں۔“ حیدر نے آج ہونے والے جھگڑے کی تفصیل بتائی تھی۔

”مجھے میں نہیں آتا، تنظیمی اداروں میں کیفر کی طرح پھیلتی ہوئی پالیٹکس کو سیاست دان اور حکمران اگتور کیوں کرتے آئے ہیں جو اسٹوڈنٹس ہاتھوں میں قلم کی جگہ ہتھیار پکڑیں گے ان کا فوجی کس طرح برائے ہوگا؟“

”میں نے جب ایک جینرل پر یہ نیوز دیکھی تو فوراً ہی تمہیں کال کی تھی مگر کافی دیر بعد بھی تمہاری طرف سے رسپانس نہیں ملا تو میں

یونیورسٹی گیا وہاں ریجنل پولیس کی بھاری نفری نے راستے ہلاک کر رکھے تھے، ان کے آفیسرز سے معلوم ہوا کہ اندر کوئی نہیں ہے، میں ہنزہ کے پاس آیا تھا کہ تم آگئے۔“ کوئین نے اسے دیکھتے ہوئے کہا جس کی دہانت شرت جگہ جگہ سے خون کے دھبوں سے پڑ تھی جو سوکھ کر حریہ بد نما لگ رہے تھے۔

”تم لوگوں کے چوٹیں کس طرح آئیں؟“ ہنزہ نے انٹرکام پر کافی کا آؤر دیتے ہوئے ان دونوں سے استفسار کیا تھا۔
 ”دراصل ہم کوچ سے اندازہ ہو چکا تھا کہ آج کچھ صورت حال گریڈ چل رہی ہے، ڈوائنوں نے دوسرے فریڈز کو بھی الرٹ کر دیا تھا کہ وہ خبردار رہیں، ارد گرد سے اگر کچھ غیر معمولی بات دیکھیں تو فوراً لوہاں سے نکل جائیں، وہ لوگ تو فوراً ہی نکل گئے تھے، ہم بھی نکل جاتے مگر وہاں چھپنے بے قصور اسٹوڈنٹس کی مدد کرنے کے دوران ہی یہ ذمہ آئے ہیں، لوگوں کے ارمان اس طرح پورے ہوئے ہیں۔“
 ”ایک ہفتے تک تم دونوں کو ہیڈ ریست کرنا ہے، ڈریسنگ کروانی ہے، مگر کاڈاکٹر ہوں، اس لیے ایڈمٹ نہیں کر رہا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود سے بالکل لاپرواہ ہو جاؤ۔“ کافی پینے کے بعد ہنزہ اپنے پیشہ ورانہ انداز میں مخاطب ہوا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 ”لو، کے، مگر مت کرؤ۔“ کوئین نے ہنزہ سے الوداعی مسافہ کرتے ہوئے کہا۔

”او، کے، تم لوگ جا گھبران رہے ہو، مگر چلو وہاں سب ڈوائنوں کو طے کوئے جین ہیں۔“ ہنزہ نے دڈوں کی طرف دیکھ کر اصرار کیا۔
 ”ایکجگہ ملی مہاس کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہیں، نالو نے انہیں بہلایا ہوا ہے، کچھ میں بھی سمجھا کر آیا ہوں، اگر اس وقت ہم نہ گئے تو وہ نہ معلوم کیا خیال کریں، تم کہہ دینا، بہت جلد ہم آئیں گے۔“

”حیدر کوڈراپ کر کے وہ گھر آئے تو رات اپنے سیاہ گیسو کائنات پر دراز کر چکی تھی۔ ماحول میں مٹھیر خاموشی رہی تھی۔
 ”تم، اپنے روم میں جا کر کپڑے پہنچ کر دو، میں مہما اور نالو کے پاس جا رہا ہوں۔“ کار سے اتر کر کوئین اس سے مخاطب ہوا۔
 اس نے کپڑے پہنچ ہی کیے تھے کہ گیت کھول کر تیزی سے مثال اندر داخل ہوئی تھیں، ان کے پیچھے فالتھ پیگم اور کوئین تھے۔
 مثال بڑے والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی تھیں اور اس کے ہاتھوں کو چم کر رونے لگی تھیں، ان کے انداز میں مثال کا لیس تھا، تڑپ تھی۔ ڈوائنوں شاگرد رہ گیا تھا۔ اس نے ان کا یہ انداز کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ ان کے اسی روپ کو دیکھتا آیا تھا جس میں ان کی لاپرواہی و بے نیازی کے ساتھ طر فحسے و بات بات پر اس کے بابا کے حوالے سے کڑے کیلے طے دینے کی ناقابل برداشت عادت تھی، اس نے انہیں ہمیشہ ایک خود مر، خود پسند، بے حس و مغرور عورت کے روپ میں دیکھا تھا جو اسے قطعی پسند نہ تھا۔ یہ بے ترتیب ہال، اتر چلیے اور اسے لپٹائے بے قراری سے روتی ہوئی عورت کا روپ، ایک ماں کا روپ تھا، ایسی ماں کا روپ جس کا متقاضی تھا۔ اس کی نگاہیں ہمیشہ سے ایسی ٹوٹ کر چاہنے والی ماں کی مستلاشی تھیں، ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو پانی نہیں، پچھوتی تھے۔ وہ موتی جو صرف ماں کی مثال کے ساگر میں ہی پائے جاتے ہیں۔

”مہما! میں ٹھیک ہوں، فکر نہ کیجئے۔“ اس نے ان کے شالوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

”معاذ! اللہ کا شکر ہے ہمارے پرنس کو کچھ نہیں ہوا، صرف معمولی زخم آئے ہیں، آرام کرنے دو اس کو“۔ فائدہ نے نرمی سے انہیں ڈالائون سے دور کیا تھا، وہ صوفے پر بیٹھ کر بھی رو رہی تھیں۔

”مما! اپنی بریو۔ پرنس ٹھیک ہے۔“ معمولی چوٹیں ہیں، ایک ہفتے ریست کرے گا ٹوٹ ہو جائے گا، آپ ٹینس نہ ہوں۔“ کوئین ان کے قریب بیٹھ کر انہیں سمجھانے لگا۔

”آپ کیا فیمل کر رہے ہیں پرنس! این زیادہ تو نہیں ہے؟“ فائدہ اس کے قریب بیٹھ کر استفسار کر رہی تھیں۔

”نہیں نانا“ اس کی بھرپور مسکراہٹ میں آسودگی تھی۔

”نالو! پہلے ڈنکر لیتے ہیں پھر پرنس کو میڈیسن دینی ہیں۔“

”فیروزہ سے کہہ کر کھانا ہمیں منگوا لیتے ہیں، پرنس کو میں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گی، بہت تکلیف ہے ان کو، یہ چسپا رہے ہیں مگر میں محسوس کر رہی ہوں، یہ چہرے پر دیکھیں کیسی زردی پھیل گئی ہے۔“

وہ اس کے قریب آجینگی تھیں اور بہت محبت بھرے انداز میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”بہت پیارا آرہا ہے بیٹے پر۔“ فائدہ ہنسمسکرا کر گویا ہوئیں۔

”یار تو میں اسے بہت کرتی ہوں، یہ الگ بات ہے کہ آج سے قبل احساس نہیں ہوا تھا۔“ دو اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر ڈالائون غنودہ حالت میں اپنے اندر اترتی سرشاری و طمانیت میں اپنے اندر چھائی برسوں کی تھکن و محرومی میں کچھ تدارک دیکر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ممی! خضرئی کے لیے رضوان طلوی کے بیٹے مہران طلوی کا پرنس پوزل آیا ہے۔ ویسے تو اور کئی فیملیز کے پرنس پوزل ہیں مگر مجھے یہ مہران طلوی کی فیملی خضرئی کے مزاج کے مطابق لگ رہی ہے۔ آپ خضرئی سے معلوم کر لیں۔“ صنوبر ہنسمسکرا کر اچیلہ ہنسمسکرا کر بولیں۔

”رضوان طلوی کا لڑکا پرنس ہے؟“ وہ یادداشت پر زور دیتی ہوئیں پوچھنے لگی تھیں۔

”جی..... جی وی خضرئی فیملی ہے، چار افراد پر مشتمل، بیٹی کی شادی بھی وہ بیٹے کے ساتھ کریں گے، مجھے تو پرنس پوزل ہر لحاظ سے خضرئی کے لیے موزوں لگ رہا ہے، کیونکہ خضرئی طبیعتاً تنہائی پسند کم گو ہے، ایسی لڑکیوں کے لیے ایسی فیملیز مناسب رہتی ہیں پھر مہران سے آپ بھی کئی بار ملی ہیں، بہت ڈینٹ اور پرنس لکڑا کا ہے اور اس کی خواہش پر ہی یہ پرنس پوزل آیا ہے۔“

”انہیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا خضرئی کی جانب پر؟“ ان کے اندر افراتفری پھیل رہی تھی۔ کوئین کا سراپا ان کی نگاہوں میں چمکنے لگا تھا، اس کی محبت کی دیوانگی سے واقف تھیں، اس کی ہر شوق نگاہوں کا اضطراب و جنون ان سے مخفی نہ رہا تھا اور جانتی تھیں یہ لمحے ان کی زندگی میں ضرور آئیں گے کہ کسی نہ کسی دن ان سے خضرئی کے لیے آنے والے رشتوں کی بابت رائے لی جائے گی۔ وہ کس طرح کس دل سے حق بات کہیں گی؟

”جیس می! مسز رضوان کا کہنا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، خضرتی جاب کرے یا نہ کرے، رضوان صاحب کا بھی یہی کہنا ہے کہ مہران ان کا انگوٹھا بیٹا ہے، سب کچھ اسی کا ہے، اگر خضرتی شادی کے بعد شوقیہ اپنی جاب جاری رکھے تو ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”اچھا..... میں خضرتی سے معلوم کرتی ہوں، ویسے مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گی، ہماری تربیت بھی ایسی ہے کہ اتنا پڑھنے لکھنے کے باوجود حد سے تجاوز نہیں کر سکتیں۔“ صنوبر بیگم کو ان کی بات سے پورا پورا اتفاق تھا، وہ چلی گئی تھیں۔

راحیلہ بیگم کی نگاہوں میں کوئین اور حمزہ کے چہرے کسی سزا کی طرح قبت ہونے لگے تھے، ان کے اندر وحشت و بے چینی صحرائی گبولے کی طرح گردش کرنے لگی۔ وقت ایک بار پھر خود کو دوہراتا ہوا محسوس ہوا، کل انہوں نے طاقت کے غرور میں نفرتوں کے جذبات میں ڈوب کر اپنے بیٹے کی محبت کو نیست و نابود کیا تھا۔ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے چمن میں آگ لگائی تھی اور وہ آگ ایسی آگ تھی جو ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود بجھی نہ تھی، اب بھی وہ آگ انہیں بھسم کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی، جس سے وہ مضطرب تھیں۔

”اے غمخوار لرجم! اے پروردگار! اے ستر ماؤں سے زیادہ رحم سے محبت کرنے والے! ہم کو چاہیے والے رب امیری حالت پر رحم فرما، مجھ میں حوصلہ نہیں ہے، اب مزید گھر جلتے دیکھنے کا، تیری قدرت بہت بڑی ہے، جہاں سے بندوں کے اختیار کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے تیری حد شروع ہوتی ہے۔ تو تو وہ بادشاہ ہے جس کی بادشاہت ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے، ہمارا اول و آخر سہارا و امید صرف تو ہے۔ پروردگار! امیری مدد کر، ہماری آنکھوں کو سلجھا دے۔ آمین۔“

جب بندہ ہر طرف سے مایوسیوں و ناامیدیوں کے گھور اندھیرے میں جھپکنے لگتا ہے تو نور کی ایک وہی کرن نظر آتی ہے جس کا درجہ ہر وقت اپنے بندوں کے لیے وار جتا ہے جو شب کے پچھلے پہر صدا دیتا ہے، کون ہے مانجھے والا..... جس کو میں نوازاؤں..... کون ہے بخشش کا طلب گار، جس کو بخش دوں..... کون ہے گناہوں سے تائب ہونے والا، جس کو میں معاف کر دوں۔ اس کی صدائیں بے حساب ہوتی ہیں، اس کی کرم نوازیوں کی طرح لامحدود، بندہ اس کی طرف چل کر جاتا ہے، وہ دوڑ کر آتا ہے۔

ایک وقت تھا جب نوشاہ، اپنی بیٹی کرن سیت ایک ممبر آزما امتحان سے گزر رہی تھیں۔ سسرال سے ٹھکرائی ہوئی، شوہر کی ناپسندیدگی کا بوجھ لیے، جب انہیں انہوں کی ضرورت تھی، اپنائیت کی چاہ تھی، جب جواب میں انہیں انہوں سے اس قدر سرد مہری و بے گامگی ملی تھی کہ انہوں نے پھر پرتوجہ سے صدق دل سے اپنے رب کو پکارا تھا، اس سے لو لگائی تھی، اس کے بعد انہیں کسی کی طلب نہ رہی تھی، ان کی بے چینی و بے گلی کو قرار مل گیا تھا، ان سب کی کڑوی بات، ہر نار واریہ انہیں نرسکون رکھتا، مبر و سکون کی وہ مجسم مثال تھی جب راحیلہ بیگم اپنی دیوانوں (جو مدت ہوئی ان سے قطع تعلق کر چکی تھیں) سے مل کر ان کے خلاف بڑے بڑے پروپیگنڈے کرتیں، مقصد صرف ان ماں بیٹی کو وہاں سے بے دخل کرنا تھا، جس میں وہ کامیاب ہو گئی تھیں لیکن وہ کامیابی آنے والی ہر ناکامی کا آغاز تھی، ماضی ان کے لیے گلے سے لپٹا سانپ بن چکا تھا جو ہر موقع پر ان کو ڈستا تھا، کل نوشاہ کو نماز و دعا کف میں مشغول دیکھ کر ان کو جاؤ گرنی و کتنہ پروردگار نے والی راحیلہ بیگم

آج اپنے نام اشکوں سے مجھ سے کی جگہ بھگودیا کرتیں، دن و رات کا وقت ان کا زیادہ تر جائے نماز پر ہی گزرتا تھا، پھر بھی خمیر کا بوجھ کم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔

روح پر پھالی تھکن روز بروز بڑھ رہی تھی، دل کی بے چینی فرو نہ ہوتی تھی، ذہن پر کثافت تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔
وعائیں قبولیت کی سند نہ پا سکی تھیں۔

مجدوں میں شاید ابھی وہ اخلاص پیدا نہ ہو سکا جو ان کی دانستہ و نادانستہ کی گئی خطاؤں و گناہوں کو معاف کروا سکے، مشکلات و مصائب کے دوران پروا دیتے نئی نئی پریشانیاں انہیں گھیرے تھیں۔ حسب توقع خنثی نے کوئی انکار و اقرار نہ کیا تھا۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ فیصلہ بزرگوں کا منشاء پر چھوڑ دیا تھا۔

کونین کو آگے بڑھنے سے روکنے کا اس سے بہتر راستہ اور کوئی نہ تھا، کونین کی ہر روز بڑھتی دیرانگی نے اسے لگزمہ کمر لکھا تھا۔
مجھے تم سے یہی اُمید تھی میری بچی! مگر میں تمہارے دل کے کرب سے بھی بے خبر نہیں ہوں، میری دعا ہے تمہیں ڈیروں خوشیاں ملیں اور..... اس دیرانے کے لیے بھی دعا کرنا، اللہ تم جیسا صبر و حوصلہ اسے بھی عطا کرے۔“ دو خنثی کو لپٹا کر بولیں۔

☆.....☆.....☆

”لو ہو گئے پھر؟“ زویا اندر آتی ہوئی بولی۔
”کیا ہوا؟“ موہن اور حورین چونک کر گویا ہوئیں۔
”وہی ہوا، جس کا اندیشہ ذوالنون بھائی کو تھا۔“

”ہاں..... چلو اچھا ہے اب ڈرامے سے تیاری کریں گے، ورنہ سچ مجھے بڑی یلینشن ہو گئی تھی۔“ زویا ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

”سچ بات تو یہ ہے کہ اگر بی بی جان کا ذکر نہیں نہ، تو تم بڑھنے جاؤ گی نہیں مائے پتے بیڑوم میں رسالے پڑھتی رہو اور صوبی دیکھتی رہو۔“
”تم سے بالکل میرے دل کی ترجمانی کی ہے تم نے۔“ دو خنثی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی، موہن نے اسے گھورا تھا ڈھٹائی پر۔
”بھئی! میرے خیال میں لڑکیوں کا پڑھنا اس حد تک درست ہے کہ دو رسالے پڑھ سکیں، نیٹ پر چیٹنگ کر سکیں اور تھوڑی بہت الٹی، سیدھی انگلیش بول کر اپنی فرینڈز کو اپرٹس کر سکیں، یہ اتنی بڑی بڑی ڈگریز لے کر بھی ہم لڑکیوں کو وہی چلہا، ہانڈی و لیئر کرنا ہوتا ہے۔“
”ضروری نہیں ہے، اس دور میں ایجوکیشن ضروری ہے، چلہا ہانڈی کے لیے ملازم انفرڈ کیے جاسکتے ہیں یا کسی بھی ہوٹل سے ضرورت پوری کی جاسکتی ہے مگر تعلیم آپ خرید نہیں سکتے، اسے حاصل کرنا پڑتا ہے۔“

”ہمارے ہاں ایسی کسی عیاشی کا تصور ہی حماقت ہے، نمٹھی ہٹی، ہمارے مردوں کا پیٹ گھر کی خواتین کے ہاتھوں سے کپے کھانوں سے ہی بھرتا ہے، کبھی کبھی ہی منہ کا ڈانٹہ بدلنے باہر نکلتے ہیں۔“ زویا نے توجہ پریش کی۔

”بڑی اماں اچھیں کون سا سدا ای گھر میں رہنا ہے۔“ مول نے ہنسی بچی پر چڑکرا سے بڑی اماں کے لقب سے پکارا حورین کلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

”مجھے تو اس گھر سے باہر جانے کے چانس نظر نہیں آتے۔“

”اوہ..... کیا ارادے ہیں؟“ حورین نے شوخی سے چھیڑا۔

”مجھے نیک نظر نہیں آتے۔“ مول نے کہا، تینوں ہنس پڑیں۔

”بزرگوں کی نظریں مجھے آج کل کچھ گز بڑ لگ رہی ہیں۔“ زویا نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

”بزرگوں کی نظریں یا کسی اور کی نیت؟“

”نہیں لڑکھڑا! کسی نے ایسی نظر سے دیکھا ہی نہیں تو“ نیت“ کیسے معلوم ہوگی۔“ زویا مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔

”خواہ مخواہ سہنس کری ایمٹ کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہو، تم بتاؤ حورین! کل یونیورسٹی میں کیا ہوا تھا؟“

”بتایا تو تھا، کتنی مرتبہ سنوگی۔“

”یہ بتاؤ حیدر وہاں تنہا تھا یا تمہاری خاطر زکا تھا، جہاں تک میرا خیال ہے وہ ڈالٹون بھائی کی پرچھائیں ہے، کبھی بھی ہم نے اسے ان کے بغیر نہیں دیکھا تو کل کیا وہ ان کے ساتھ نہیں تھے؟“ وہ دونوں ہی تجسس تھیں، کل سے اب تک سنی بار اسے کریدنے کی سعی کر رہی تھیں۔

”تو پھر اس سنو پڑ کے ساتھ اس“ بھائی“ کا دم چھلے لگانے کی کیا ضرورت ہے؟“ وہ بڑبڑائی۔

”ضرورت ہے، ڈالٹون بھائی کی پرسانائی ہے ہی اتنی گریس فل کہ بندہ خود ہی احترام کرنے لگتا ہے۔“ مول نے کہا۔

”ہونہ، ال مضر ذ، جاہل، ڈونیا بھری بے حسی ہے اس میں۔“ ڈالٹون کی تحریف پر وہ بیخ پا ہو کر گویا ہوئی تھی۔

”ارے رے..... ایسا کیا کر دیا اب انہوں نے؟“ زویا سخت حیران تھی۔

”میں کل جو زندہ بچل کر وہاں سے آئی ہوں تو اس میں حیدر کی کوشش تھی، وہ مجھے لائبریری سے لے کر آیا، حالانکہ اس کی حالت

بہت دیک تھی، بہت انجڑ تھا وہ، مگر پھر بھی اس نے میری خاطر اسٹریگل کی، مجھے مشکلوں سے وہاں سے نکالا، تم تو جانتی ہو مجھے بلڈ سے کس

قد خوف محسوس ہوتا ہے، حیدر کو خون میں دیکھ کر میرے حواس گم ہو رہے تھے۔ مزید اسے دیکھ کر تو میں بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔“

”کیوں..... کیا وہ بھی انجڑ تھے؟“ زویا چونک کر گویا ہوئی۔

”مثاہ..... کیونکہ اس کی وہاٹ شرٹ خون سے ریہ ہو رہی تھی۔“

”اوہ! اس کا مطلب ہے وہ بھی اس جنگڑے کی زد میں آئے ہیں۔“ زویا کی تجسس آمیز طبیعت پارے کی طرح متحرک تھی۔

”یقیناً تمہیں وہاں سے نکالنے کے چکر میں وہاں مجرڈ ہوئے ہوں گے۔“

”مجھے نکالنے کے چکر میں خواہ مخواہ اس کا اپنا ہی کوئی چکر ہوگا۔“ حورین ہنسنے لگی۔

”تم ان کی طرف سے ہمیشہ بدگمانی میں مبتلا رہتی ہو، وہ تم سے نہیں ہیں، وہ اگر تمہاری مدد نہیں کرتے تو تم کس طرح وہاں سے نکل پاتیں؟“ مول ذوالنون کی سائیڈ لیتے ہوئے بولی۔

”اس نے میری کوئی مدد نہیں کی، حیدر کی وجہ سے میں باہر آئی ہوں۔“ وہ کسی طور ماننے کو تیار نہ تھی۔

”حیدر نے ان کی بیک پر ہی تمہاری سپورٹ کی، اگر ان کی مشاوندہ دوتی تو حیدر تمہاری ہیپلپ کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔“

زویا بھی مول کی طرح ذوالنون کی سائیڈ لے رہی تھی، اس کے حسین چہرے کی فراخ پیشانی پر شکنوں کے جال بن گئے تھے، آنکھوں سے ناگواری عیاں تھی۔

”تم جب اس شخص کی حمایت لیتی ہو، مجھے سخت برا لگتا ہے۔“

”ہم ان کی حمایت نہیں لے رہے، تم مائنڈ مت کرو۔“

مول اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر نرمی سے گویا ہوئی۔

”یہ تو ویسا انداز ہوا کہ کسی کے گلے پر چھری رکھ کر کہو، ہم تمہارے گلے پر چھری پھیر رہے ہیں، جینز تکلیف محسوس مت کرنا۔“ اس کے جلے کئے انداز پر دونوں خنسن پڑی تھیں، پھر مول اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر لگاؤت بھرے لہجے میں بولیا ہوئی۔

”یو ڈونٹ نو مالٹی سویٹن فرینڈ! تم سے زیادہ ہمیں کوئی عزیز نہیں ہے۔“

تمہارے لیے یہ خوب صورت قطعہ عرض ہے۔

نئے دور کے نئے خواب ہیں، نئے موسموں کے گلاب ہیں

یہ مجھوں کے چراغ ہیں، انجیل نظروں کی ہوا نہ دے

ذرا دیکھ چاند کی چٹوں نے بجکر بجکر تمام شب

تیرا نام لکھا ہے ریت پر کوئی لہر آ کے مٹا نہ دے

”مجھے تمہاری ایسی باتیں اسپرٹس نہیں کر سکتی ہیں انڈر اسٹینڈ؟“ وہ ہونٹوں تلے مسکراہٹ دبا کر مصنوعی غصے سے بولی۔

”اوکے..... اوکے مادام! کسی اور کا قصہ ہم پر ٹکا لےنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مطلب یہ تھا کہ تم ہماری باتوں کو مائنڈ کیے بنا

یہ بتا دو کہ بے چارے ذوالنون بھائی سے اب کیا خطا ہوگئی جو تم ان کو ایسے نمرو سے پکار رہی ہو جو ان پر سوٹ نہیں کر رہے ہیں۔“

”سپرٹس پر فکرت، تم بھند ہو کہ حیدر نے تمہاری ہیپلپ کی ہے تو اس کی پیچھے بھی ذوالنون کی ذات ہے۔“ زویا نے بھی مول کی تائید کی۔

”تمہارا وہ ”بھائی“ حیدر سے کہہ رہا تھا، یہ وہ ہمدردی ہے جو گلے پڑتی ہے۔ حیدر نے آہستہ سے کہا کہ یار! خیال کرو، سن رہی

ہے تو موصوف کہنے لگے، سنی ہے تو سن لے، اٹ اٹ اٹ مائی بیڈک۔“ وہ غصے میں اس کی تسلی اُتارتی چلی گئی۔

”کوئی گھسیاے گھسیا شخص بھی اس طرح کسی گرل کی انسٹلٹ نہیں کرتا ہے۔ اس شخص کو تو لگتا ہے انسانیت چھو کر بھی نہیں گزری ہے۔“

"ادکے، کلوز کرتے ہیں ہاس چیئر کو، ابھی ہمارے پاس ایکسٹرانام ہے اور میں چاہتی ہوں اس ٹائم کو خوب انجوائے کرتے ہیں، بہت دن ہو گئے ہم نے کوئی پکنک کا پروگرام نہیں بنایا ہے، کیوں نہ شان واری پکنک منائی جائے؟" زویا نے لکھت ہی موضوع بدل کر پُر جوش انداز میں کہا۔

"ہوں..... ہوں، کیوں نہیں، بی بی جان سے اجازت کون لے گا؟"

"حورین کس مرض کی ودا ہے، یہ لے گی اجازت۔"

"میں..... نہ..... نہ مجھے ڈر لگتا ہے بی بی جان کی شکل سے۔"

"مغضول ہی لگتا ہے، بی بی جان جتنی اہمیت تمہاری باتوں کو دیتی ہیں، اتنی کسی اور کو نہیں، تم کہہ کر تو دیکھو، انکار نہیں کریں گی۔"

زویا نے ہست بڑھائی۔

☆.....☆.....☆

بے خبر لوٹ کر سوئے ہیں وہ نیندیں میری

جذبہ دل پر ترس کھانے کو جی چاہتا ہے

کب سے خاموش و خفا سے جانِ جہان کچھ تو بدلو

کیا ابھی اور تم ڈھانے کو دل چاہتا ہے

ہریرہ طہیت عاشقی کے انداز میں منگلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"پہلے نام لینے سے حاضر ہوتے تھے، اب بتا نام سننے ہی حاضر ہو جاتے ہو، اتنی جفا بت بڑھ گئی تمہاری۔" حورین نے جل کر کہا۔

"کیا کریں پرو مشن تو ملنی تھی۔ آخر تم سے رشتے داری جو بڑھ گئی ہے۔" وہ بھی ہریرہ تھا، لا جواب ہونا جس نے سیکھا نہ تھا۔

"مجھ سے کون سی رشتے داری بڑھ گئی ہے تمہاری؟"

"یاد کرو..... کل یہی وقت تھا اور ایسا ہی موسم جب میں کار کسی سپراسٹار ہیرو کی طرح ددڑاتا ہوا یونیورسٹی پہنچا تھا جہاں تم اس

نو جوان کے ساتھ ڈری، سبھی کھڑی تھیں اور پھر مجھے دیکھ کر میری طرف اس محبت سے بڑھیں..... جیسے..... جیسے....."

"کوئی بے بی اپنے بچا کی طرف بڑھتی ہے۔" وہی نکلا لگا ہوا اندر داخل ہوا تھا، دو تینوں کلنگھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"یار! دل تو چاہ رہا ہے تجھے ایسی بد عبادوں کہ ساری زندگی یاد کرے۔"

"میں بتا بدو کا کہ بھی ساری زندگی تمہیں یاد کروں گا۔"

"وہی! پلیز خاموش رہو، ہریرہ کل کی بات سنا رہے ہیں۔" زویا نے ٹھٹھک کر اسے چپ رہنے کو کہا۔

"ہاں..... کل میں یونیورسٹی گیا تو موسم بڑا سہانا تھا، آئرا آلود تھا، خشخشی ہو امیں ٹی تھی، درختوں میں کوئل کوک ری تھی، ہا دل

برسنے کو تیار ماحول میں خواب ناک سرنگی اندھیرا.....“

”شٹ آپ، جسٹ شٹ آپ“۔ حورین چبکی۔

”ہریرہ بھائی! کپ مارنے کی نہیں ہو رہی ہے، سچ جچ بتائیں“۔ مول مسکراتے ہوئے اصرار کرنے لگی۔

”اچھا..... لیکن تم کیوں ناراض ہو رہی ہو؟“

”تمہاری اس بکو اس سے مجھے چڑ ہے۔“

”مگر مجھے تمہارا کل میرے شانے پر سر رکھ کر رونا بہت اچھا لگتا ہے۔ میری کلی آفر ہے جب بھی تمہیں رونا، وہ یہ شانہ حاضر ہے۔“

”کل..... کل تو میں بہت ڈر گئی تھی اس لیے.....“

”میری دعا ہے تمہیں ایسا ڈر بردقت لگے۔“ وہ مسکرایا۔

”وہ نہ، تم ایسی جتنا نہیں لے کر رہی مر جانا۔“

”میں نے کم کم ایسی محبت دیکھی ہے۔“ وہی کھڑے ہوئے گویا ہوا۔

”ہم بیسی محبت؟“ ہریرہ فخریہ انداز میں گویا ہوا۔

”ہاں..... اس دور میں بھلا کون بھائی اپنی بہن سے ایسی محبت.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی، ہریرہ اس کی طرف بڑھا تھا وہ

پہلے سے ہوشیار تھا، اسے پاس آتے دیکھ کر وہ بھاگتا تو ہریرہ بھی پیچھے بھاگتا تھا۔

”خس کم جہاں پاک“۔ حورین نے بڑے سکون انداز میں کہا۔

☆.....☆.....☆

رستے بھر رو کر ہم سے پوچھا دل کے چھالوں نے

بستی کتنی دور بسائی دل میں بسنے والوں نے

کون ہمارا درد پڑھے گا ان زخمی دیواروں پر

اپنا اپنا نام لکھا ہے سارے رونے والوں نے

دل کا غموں سے رشتہ کیا ہے؟ عشق کا حاصل آنسو کیوں؟

ہم کو کتنا زہر پلایا ان بے درد سوالوں نے

”ان غلاؤں میں کچھ دریافت نہیں کر پاؤ گے، واپس آ جاؤ۔“ پروفیسر آفتاب حسن نے اس کی جانب دیکھ کر کہا تو وہ گہرا سانس

لے کر بیٹھ گیا۔

”سر! کسی اور کو بھی انوائٹ کیا ہے آپ نے؟“

”ہاں، حیدر، ماسون، صفدر نے آنے کی ہائی بھری ہے زویا، موئل اور حورین بھی آئیں گی، میری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ تمام طلباء و طالبات آئیں مگر لوگ آج کل سیڈک مسٹی، ہلہ گڈناچ گانے والی پارٹیز میں جانا پسند کرتے ہیں یہاں ہونے والی روکی پھینکی محفل میں انہیں کوئی چارم، کوئی افریکشن فیل نہیں ہوتی وہ نہیں آتے۔“

”دو اپنے مخصوص مشقاندہ نرم انداز میں بات کر رہے تھے۔“

”آپ افسردہ نہ ہوں سراجہ سے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ جب ہم چلیں ہیں تو کارواں سن ہی جائے گا۔ اچھائی کی روشنی دیر سے پھلتی ہے مگر ہمیشہ ساتھ رہتی ہے۔“ اس نے مسکرا کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ سر سے جھوم اٹھے تھے۔

”جینکس ایک مین! جب آپ جیسے جوان عزم وائل حوصلے والے لوگ میرے ساتھ ہیں تو مجھے کوئی اندیشہ ناکامی نہیں ہے۔“

”جینکس سراجہ! آپ ہمیں اپنے ساتھ ہی پائیں گے۔“

”انشاء اللہ میں ذرا ہاتھ لے کر آ رہا ہوں، جب تک اگر کوئی گیسٹ آجائے تو رہیو کیجئے گا۔“ وہ کہہ کر بیڈروم کی طرف بڑھ گئے، وہ نیکل پر رکھے نیوز پیپر پڑھنے لگا تھا، کچھ دیر بعد کال بیل ہوئی تھی۔

اس نے گیسٹ کھولا تو سیدھی نکلا ہیں اس کی نگاہوں سے نگرانی تھیں جو کچھ کنفیووزی ہو گئی تھیں اسے وہاں دیکھ کر۔

”سر! آقا ب حسن ہیں؟“ جارجسٹ کے وہائٹ سوٹ میں جس پر لائٹ اینڈ ڈارک پنک کلر کی کڑھائی میں ہمرنگ ستارے موتی پنک رہے تھے، پنک نازکی سی جیولری میں سادہ فریش چہرے سے وہ چاند کی طرح اجلی اجلی و سحر انگیز لگ رہی تھی۔

”میں نے پوچھا ہے آپ سے، سر! آقا ب حسن ہیں؟“ اسے خاموشی سے کھڑے دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر گویا ہوئی، اس کے انداز میں بے اعتمادی تھی، ایک تو وہ اس کے راستہ دینے کے باوجود اندر نہ آئی، دوسرے پیچھے ہٹ کر جو اس نے بے اعتمادی کا تاثر چھوڑا تھا، اس نے ڈائلٹون کا وائچ پوری طرح کھولا ڈالا، جواباً اس نے دروازہ زوردار آواز سے بند کر دیا۔



وہاڑ سے بند ہونے والے دروازے کی صدا پیچھے آنے والی موئل اور زویا نے بھی سنی تھی، وہ حیرانی سے دروازے اور اس کی جانب دیکھ رہی تھیں جس کے چہرے پر شرمندگی اور فحش کی سرخی چھا رہی تھی۔

”کیا ہوا؟ یہ دروازہ کس نے بند کیا ہے؟“ زویا نے پوچھا۔

”وہ جانور ہے، میں جا رہی ہوں۔“ وہ شدید غصے میں واپس مڑی تھی، وہ دونوں حیران و پریشان ہی اس کے پیچھے تھیں۔

”کیا ہوا تھا ابھی؟ وہ آواز کیسی تھی؟“ سر! آقا ب حسن نے وہاں آ کر دریافت کیا، وہ دروازے کی زوردار آواز سن کر بوکھلا کر آئے تھے۔

”آپ کے گیسٹ ہیں باہر سر!“ وہ اپنے اندر اچلتے اشتعال پر قابو پانے کی جدوجہد میں ان سے مخاطب ہوا۔

”میرے گیسٹ!“ انہوں نے ڈائلٹون کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ اس کی فوجین آنکھیں متوجہ انداز میں اس کی بدلی

ہوئی کیفیت کو کھوج رہی تھیں، کچھ دیر قبل وہ بہت مطمئن دسرور نظر آ رہا تھا، اب اس کے چہرے پر تڑاؤ و جمجھلاہٹ واضح تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے، کوئی ایسی بات ضرور ہے جو اس کے حراج کے خلاف ہوئی ہے، ایسا کیا ہوا ہے؟ وہ سوچتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے، اسی لمحے ایک نکتہ ان کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ذوالنون نے جس گیسٹ کا نام لینے سے گریز کیا تھا، اس کا بھڑا موڈ وہ گیسٹ کہیں حورین تو نہیں ہے؟ اس خیال کے آتے ہی وہ گیٹ کھول کر باہر نکلے تھے، وہاں ان کا چھوٹا سالان خالی تھا، وہ پارکنگ لاٹ کی طرف گئے تو وہاں حورین، مولیٰ اور زویا کو کھڑے پایا۔ حورین کے چہرے کی غیر معمولی سرخی دور سے نظر آ رہی تھی۔ ساتھ کھڑی مولیٰ اور زویا سے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل لٹی میں سر ہلار رہی تھی۔

”السلام علیکم سر!“ وہ قریب پہنچے تو تینوں نے سلام کیا تھا۔

”علیکم السلام! یہ آپ لوگ یہاں کیوں کھڑی ہیں، اندر آئیں۔“ انہوں نے مشتاقانہ انداز میں سلام کا جواب دے کر کہا تھا۔

”یہ حورین۔“

”سر! اچانک ہی میرے سر میں درد ہونے لگا ہے، آٹم بوری سرائیں واپس جانا چاہتی ہوں۔“ اس نے مولیٰ کی بات قطع کر کے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے، آپ یہاں آکر نہیں سے واپس چلی جائیں، اندر چلیں، وہاں حرے وار چائے پیئیں گے، بھاگ جائے گا سرور!“ انہوں نے مسکراتے ہوئے سرور کا جل چیش کیا مگر حورین کی صورت اب ذوالنون کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھی۔

”میں نیکسٹ ٹائم ضرور جوائن کروں گی سر! ابھی تو پلیز جانے دیں، میں نے شوفر کو کال کر دی ہے، ابھی دور استے میں تھا، واپس آ رہا ہے۔“

”پروفیسر آفتاب حسن کی اس سے بڑھ کر انسٹ کیا ہوگی کہ کوئی مہمان آکر درد و اذیت سے ہی واپس لوٹ جائے، کیا ہم آپ کو ایک کپ چائے پلانے کے بھی قابل نہیں ہیں؟ اتنے نالائق میزبان ہیں ہم؟“ انہوں نے جذباتی انداز میں کہا، حسب توقع وہ ان کے دباؤ میں آ گئی تھی۔

”پلیز سر! ایسا مت کہیں، آپ بہت گریٹ ہیں سر۔“ انہیں ناراض دیکھ کر حورین اپنی ٹھکی بھول کر گویا ہوئی، اس کا ساتھ ان دونوں نے بھی دیا۔

”سر! ہم سب یہاں آئے ہیں آپ کے پاس، اس سے بڑھ کر آپ کی قابلیت اور لائق ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟“ زویا نے کہا۔

”اور رہی بات چائے پینے کی تو ہم صرف چائے نہیں پیئیں گے، چائے کے ساتھ سمو سے ہسٹ بھی کھائیں گے۔“ مولیٰ نے خواہش ظاہر کی۔

”چلیں سر! میں نے شوفر کو منع کر دیا ہے۔“ حورین سیل آف کر کے پرس میں رکھتی ہوئی پولی، دو تینوں ان کے پیچھے اندر داخل ہوئی تھیں۔

مول اور ذویا ذوالنون سے اس کی خیریت دریافت کرنے لگی تھیں، وہ آکر شہیل کے صوفے پر بیٹھ گئی، کوشش کے باوجود اپنے چہرے پر آئے کبیدگی کے تاثرات چھپانہ سکی تھی۔

سر آفتاب انہیں یہاں بٹھا کر نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ مول اور ذویا ذوالنون کے ساتھ باتیں کرنے میں ایسی مگن ہوئی تھیں کہ اس کی یہاں موجودگی کو گویا فراموش کر چکی تھیں۔

ذوالنون کی اس حرکت سے وہ پہلے ہی تہی ہوئی تھی اور اس طرح ان کا اسے نظر انداز کر کے اس کیلئے انسان کے ساتھ باتیں بنانا بُری طرح کھولار ہا تھا، جبکہ وہ انہیں اس کے نامناسب طرز عمل کے متعلق بتا چکی تھی، جسے سن کر انہوں نے اس کے غلط طرز عمل کو برا کہا تھا اور اب اس کے معمولی سے لٹ کروانے پر سب بھول کر اس سے باتیں کر رہی تھیں، حورین کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ قصداً اسے جھلانے کے لیے ان سے باتیں کر رہا ہے۔

”کیا باتیں ہو رہی ہیں؟“ سر آفتاب کرے میں داخل ہوتے ہوئے ان تینوں سے گویا ہوئے، پھر حورین کو تہا بیٹھا دیکھ کر گویا ہوئے۔ حورین! آپ وہاں تہا کیوں بیٹھی ہیں، یہاں آئیں۔“

سر آفتاب نے اس سے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو انہوں نے ان کے لیے اسی سینٹر صوفے پر جگہ بنائی تھی، جس کے ایک سائیڈ وہ بیٹھا تھا جس کی موجودگی اسے ایک آنکھ نہ بھاری تھی مگر اسے مجبوراً بیٹھنا پڑا تھا۔ سر خود درمیان میں بیٹھ گئے تھے۔

”آپ کہاں غائب ہو گئے تھے سر؟“ ذویا نے کہا۔

”چائے تیار کرنے کے لیے رکھ کر آیا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”وباٹ! آپ خود سر۔ مول خیرانی سے گویا ہوئی۔

”یس، کوکنگ تو ویسے بھی زیادہ تر میں خود ہی کرتا ہوں، باقی دوسرے کاموں کے لیے بخشو ہوتا ہے، پھر ذوالنون کے لیے کوکنگ ہوتی ہی کتنی ہے۔“ وہ اپنے مخصوص ششاندہ مہرے انداز میں کہہ رہے تھے۔

”آج اتفاقاً بخشو اپنے دوست سے ملنے گیا تو وہاں دیر ہو گئی، چنانچہ اسے دور نہ جب بہمان آتے ہیں تو کچن کی ذمہ داری دینی سنبھال رہے۔“

”سر الیڈیز کی موجودگی میں آپ کچن میں ٹھن کریں، میں اس سے ایگری نہیں کرتا۔“ ذوالنون نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”جی سر! بالکل درست بات کہہ رہے ہیں۔“ ذویا اور مول نے گردن بھی زبانی کے ساتھ ساتھ ہلائی تھی۔

”اٹس اوکے مائی چلڈرن! یہ چائے آکھٹھی حورین کے لیے ہے۔ یہ ہم سے ملے بنا ہی واپس جا رہی تھیں، دسر میں ورو کی وجہ سے۔“ ان کے انداز میں بڑی اچانک تھی، ایسی ہی جیسے کسی باپ کے لہجہ میں اپنے بچوں کے لیے ہوتی ہے، حورین شرمندہ سی ہو گئی، وہ ان سے پھر معذرت کرنا چاہ رہی تھی، معاس کی نگاہ اس کی جانب اٹھی تھی جو کچن آکھٹھیوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، اس کی سر مٹی مغرور

آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی، لبوں پر بہم استہزائیہ مسکراہٹ۔

اس کے اندر لبوں کی کھولن شرارے بن کر دوڑنے لگی اور شدت سے دل چاہنے لگا کہ اس کے تھپڑ لگائے کہ چہرے کا رنگ اس کی ٹی شرٹ کے کھڑکی طرح ریڈ ہو جائے اور آنکھیں فیروزہ بلب کی طرح بے نور نظر آئیں۔

”تھمیں کس سرا جو آپ آگئے تھے اگر میں چلی جاتی تو آپ کی گریس فل کمپنی سے محروم رہنے کا افسوس رہتا، بعض اوقات ہم اپنے راستے میں آنے والے کانٹوں سے نہچنے کے لیے راستہ بدل لیتے ہیں اور انجانے میں نقصان کر بیٹھتے ہیں، اگر ہم ایسے فاضل نہ ہو جائیں تو ایک خوکہ سے وہ خار بہت سکتے ہیں۔ بات ہے ہماری جذباتیت کے آؤٹ آف کنٹرول ہونے کی۔“

اس کے ذوق منی لہجے میں گہری کات تھی، ذوالنون نے پہلو بدلا تھا۔

”سزا! میں چاہوں گی ہماری آج کی محفل کا فرسٹ سبجیکٹ، ”گڈ میسرز“ ہونا چاہیے۔ اچھے ٹیلی سر! گڈ میسرز سے ہماری پرستاشی کی شناخت ہوتی ہے، ذوالنون کے چہرے پر چھائی کچھ ایسے قیل کی بشارت، دلمانیت، ناگواری اور غصے میں بدلے لگی تھی، ہر بار وہ اس کے اعزازوں سے بڑھ کر ثابت ہوتی تھی، اس سے قبل اس نے کسی لڑکی کو اپنے خلاف نہیں پایا تھا، اس کو دیکھ کر بڑی سے بڑی گھمنڈی و طرحدہ لڑکی سوہم کے سانچے میں داخل جاتی تھی، اس کی بے زنجی، بے اعتنائی، بے عزتی کو کسی اعزاز کی طرح سمیٹتی تھیں، کبھی کسی کے منہ سے لفظ شکوہ نہ نکلتا تھا۔ اس سر پھری لڑکی نے صحیح معنوں میں اسے چوٹا دیا تھا۔

اب بھی وہ برادر راست اس کو ٹارگٹ بنائے لشکروں سے ایک کر رہی تھی۔ وہ اس سے کمزور تھا، ہر حملے کا بھرپور جواب دیتا جانتا تھا مگر پہلے بھی ایک مرتبہ وہ اس لڑکی کی وجہ سے سر آفتاب کے سامنے گنیفوز ہوا تھا۔ اب دوبارہ وہ ایسا برگزیدہ چاہتا تھا، سو برداشت کر گیا۔ حیدر، ماسون اور توصیف بھی آگئے، دروازہ اور ٹرین کے آگے کے بعد وہاں ایک ہنستے قتل ہونے والے جامد میں ہنگامے کے متعلق باتیں ہونے لگی تھیں۔ چائے کے ساتھ سر آفتاب نے خاصا انتظام کر رکھا تھا۔ ان پانچوں نے فل کر لاؤنج میں بچے کا رہٹ پر دسترخوان لگا کر چائے اور دیگر لوازمات رکھے تھے۔ وہ سب کھانے پینے کے دوران ہلکی سیلنگی باتوں میں مگن تھے۔ سر آفتاب بار بار اچھے میربان کی طرح انہیں کچھ نہ کچھ پیش کر رہے تھے۔

”حورین! تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟“ ثمرین نے سو سے پرکچپ ڈالنے ہوئے سرگوشی میں حورین سے دریافت کیا۔

”میرا موڈ کیوں آف ہونے لگا۔“ وہ تھرا س میں سے چائے نکالتی ہوئی سپاٹ اعزاز میں گویا ہوئی، لیکن میں سامان کی سیٹنگ کے دوران موٹل اور زردیاں دونوں کو تمام باتوں سے آگاہ کر چکی تھیں، موٹل وزو یا کا خیال تھا اس نے جو میسرز کی بات کر کے صرف ذوالنون کو نشانہ بنایا تھا، وہ اس کا طرز عمل درست نہیں تھا۔ ثمرین اور روانے بھی ان کی بات کی تائید کی تھی۔

دو چاروں جو اس سے دوستی و محبت کا دم بھرتی تھیں، ذوالنون سے لٹل ملنے کے بعد سے اس سے دور ہوتی جا رہی تھیں، کل وہ اس کے ساتھ تھیں، آج اس شخص کی طرف داری میں زمین و آسمان کے قلابے ملائی تھیں، سب کچھ جاننے کے باوجود ثمرین کا سوال اسے جلا گیا تھا۔

"کچھ بھی کہو تمہارا بی بیو میز نارمل نہیں ہے۔" روانے سمجھایا۔

"مطلوبات فراہم کرنے کا شکریہ"۔ کہہ کر وہ زکی نہیں، چائے کا کپ لے کر میز پر آگئی جہاں تازہ و شفاف ہوانے اس کا

استقبال کیا تھا۔

سر آفتاب حسن کا یہ چھوٹا سا خوب صورت بچہ شہر کے بنگالوں سے دور اس مضافاتی علاقے میں تھا جہاں آبادی برائے نام تھی، یہاں درختوں اور پہاڑوں کے درمیان اُگی جھاڑیوں، جنگلی پھول و پودوں نے ہر بھرا جنگل بنا ڈالا تھا، ماحول میں ایک بڑے سکون خاموشی اُتر آئی تھی۔ وہ وہاں رکھی چیئر پر بیٹھ کر دو سر مگی پہاڑ کے عقب میں آہستہ آہستہ گم ہوتے سورج کے سرخ قہال کو دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو حورین صاحبہ! ہاؤ آر یو؟" حیدر اس کی طرف آکر بولا۔

"تائن، آپ بتائیں کیسے ہیں؟" پہلی بار اس کے لہجے میں حیدر کے لیے عزت وزی پیدا ہوئی تھی۔

"اللہ کا بڑا کریم ہے، بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا، اس نے بھی حورین کی خوش مزاحی کو

محسوس کیا تھا۔

"اس دن تمہیں کافی چائیں آئی تھیں، وہ ٹھیک ہو گئیں؟"

"جی، اب تو بہت بہتر ہوں، چند دن تکلیف رہی تھی۔"

"خصوصاً مجھے آپ کو شکریہ کہنا تھا، اگر آپ اس دن میری مدد نہ کرتے تو..... نہ معلوم کیا ہوتا؟" اس کے انداز میں صداقت تھی۔

"وہ میرا فرض تھا، پریشانی اطلاع دے کر نہیں آتی مگر ہماری گہری لگاؤ ہیں روکی اور اس کے ساتھیوں کی نقل و حرکت پر قہیں، بہت

مرتبہ اس نے ہم کو بھڑکانا چاہا تھا، اگر ذوالنون کی رہنمائی ہمیں میسر نہ ہوتی تو یہ ہنگامہ بہت پہلے ہو چکا ہوتا۔"

"حیرت ہے، روکی تو بہت حکمرانز آج آوی ہے، میری اکثر اس سے گفتگو ہوتی رہی ہے، وہ بہت نرم لہجے میں بات کرتا ہے۔"

"اب میں کیا کہوں، سب آپ کے سامنے ہے، دراصل جو لوگ ذلیل مائنڈ ہوتے ہیں، وہ ہری شخصیت کے لوگ! وہ ہمیشہ اپنا

بھیا تک چہرہ ماسک میں چھپا کر رکھتے ہیں جو ایسے وقت ماسک سے باہر آتا ہے، آپ ایسے لوگوں کے لیے ہاتھی والی کہاوٹ دے سکتی

ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاتھی والی مثال..... کیا؟"

"میری ای اکثر دیتی ہیں یہ مثال کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔" اس کے انداز پر وہ قہقہہ لگ کر گویا ہوا۔

"سوری، مجھے مثالیں یاد نہیں رہیں۔" وہ بھی مسکرائی تھی۔

"حیدر! چل رہے ہو؟" ذوالنون بولا ہوا اس طرف آیا تھا، وہاں حورین کو بیٹھا دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے

تھے۔ بکی حال حورین کا ہوا تھا، اس کی مسکراہٹ یکجہت غائب ہوئی تھی، حیدر کی حساس نگاہوں نے فوراً ہی معاملہ جانپ لیا تھا۔

"بھونکا چلتے ہیں ابھی۔" اس نے جیسر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں جا رہا ہوں، تم آتے رہنا۔" وہ اس کی ہائیکش نظر انداز کر کے سر آفتاب کے روم کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

"کچھ ایٹی کنکس، میرا آپ اپنے فریڈ کو بھی سکھائیے۔" وہ جان کر تیز لہجے میں گویا ہوئی جس کو ذوالنون نے بخوبی سنا، وہ وہ پلٹ کر جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سر آفتاب اسی ساعت کمرے سے نکلے تھے۔ اس نے اجازت لی تو حیدر بھی وہاں چلا آیا تھا۔ وہ مامون کی کار

میں آیا تھا، اب اسے معلوم تھا شمرین اور ردا کی موجودگی میں وہ جانے والے نہیں تھے، اس لیے وہ پہلے ہی ذوالنون سے کہہ چکا تھا۔

"آج تو سارا ناٹم باتوں میں گزر گیا یا ایک دوسرے کے انتظار میں، اگلی بار سب ناٹم پر آئیں گے تو محفل بے گی، تم آج بھی

سب سے پہلے آگے ہو گے۔" حیدر نے کارڈ رائیو کرتے ذوالنون سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"حورین، زویا اور موہلی کب آئی تھیں؟"

"میرے بعد۔"

"سر آفتاب بھی کمال ہیں، پتھر کو موم بنانا چاہتے ہیں، کچھ عرصہ قبل حورین، ہم سے اپنی پرچھائی بھی بچاتی تھی، آج سر کی بدولت

وہ ہم میں سے ہیں، ہم سے بات کرتی ہیں، ہمارے درمیان بٹھکتی ہیں۔"

"تم اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو، وہ زمین کی ہی جھلک ہے کوئی آسمان سے اترتی ہوئی نہیں ہے۔" حورین کے بار بار ذکر پر وہ

اپنی کبیرگی مزید پوشیدہ نہ کر سکا۔

"تم یاد! ان کے نام پر انکار ہے کیوں چہانے لگتے ہو۔"

"پھر کیا پھول برساؤں؟" وہ ترشی سے گویا ہوا۔

"میرے خیال میں تمہیں اب اپنا رویہ تبدیل کرنا چاہیے۔"

"میرے خیال میں مجھ پر اتنا زیادہ اوقات نہیں آیا ہے کہ ایک بددماغ اور کم عقل لڑکی کے لیے اپنا رویہ بدلوں۔"

"بات ایسی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو اور ویسے بھی....."

"پلیز میں اس نا پاک پر کوئی بکو اس سننا نہیں چاہتا۔"

اس کے سنجیدہ لہجے میں وہ مخصوص قلعیت تھی جو مقابل کو جرح کا موقع نہ دیتی تھی۔

☆.....☆.....☆

مثال، فائنل بیگم کے ساتھ پارٹی سے لوٹی تھیں، ملازمہ نے آکر اطلاع دی کہ راحیلہ بیگم کا فون آیا تھا، کچھ دیر بعد وہ کال بیک

کریں گی۔

"اوو، کیسے یاد آگئی آپ کی ان کو؟" فائزہ بیگم ڈریس چھینج کر آتے ہوئے پولیس، منال بھی ٹائٹ ڈریس بدل چکی تھیں۔
 "یونوما! یاد تو ہماری ان کے دل میں دھڑکن کی طرح رہتی ہے، مگر ہم لٹ ہی نہیں دیتے تو وہ جھجکتی ہیں، ورنہ دات دن فرصت نہ ہو ہمیں ان کی محبت والفت کے سمندر میں غوطہ زن رہنے سے۔"

دو ہالوں میں آنکلیاں پھیرتی ہوئی ادائے بے نیازی سے گویا تھیں۔

"کوئی توجہ ہوگی کال کرنے کی۔" وجہ تجسس انداز میں گویا ہوئیں۔

"نہیں، کوئی نہ کوئی ایپورٹڈ بیچ ہے ورنہ ان کی ہمت کہاں ہوتی ہے، بلاوجہ کال کرنے کی، کوئی پروگرام ہوگا جس میں انوائٹ کرنا چاہ رہی ہوں گی۔ ان کے ساتھ یہی پرابلم ہے، کوئی بھی مسئلہ ہو، سب سے پہلے وہ میری طرف ہی دوڑتی ہیں کہ گھر کی بڑی بہو ہوں، میری مرضی کے بنا کوئی کام نہیں ہو سکتا، عجیب لوگ ہیں وہ ماما! کتنی بار ان کی انسلٹ کر چکی ہوں مگر ہر بار وہ سب بھلا کر آ جانتے ہیں۔"

"ان کے آنے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جس سے رشتہ جوڑا ہے وہ آئے تب بات ہے، ورنہ سب دکھا دیا ہے، جھوٹ ہے۔" ہمیشہ کی طرح فائزہ بیگم نے انہیں سرالیوں سے متفر کیا تھا۔ فائزہ دو عورت تھی جو سسرال سے وابستہ ہر شے کو ٹھوکر لگاتی آتی تھیں، نہ انہوں نے اپنی ساس کی عزت و قدر کی، نہ کوئی احترام بخشا اور ایسی ہی تربیت وہ بیٹی کی کڑتی آتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ منال ان لوگوں کو ذرا بھی وقت دینے کو تیار نہ تھیں، حالانکہ ان کا بہترین رویہ کبھی کبھی ان کے سمیر کو چھوڑ دیتا تھا اور ضمیر کے بیدار ہونے سے قبل ہی فائزہ بیگم یا ان کے امداد موجودان کے خلاف نفرت ہر اچھے احساس و جذبات کو ختم نہ لینے دیتے تھے۔

غلام فون لے آتی تھی، دوسری طرف راحیلہ بیگم تھیں۔

"جی فرمائیے؟" ان کے لہجے میں سرد مہری و کمر دراپن موجود تھا۔

"کیسی ہو بہو!" راحیلہ بیگم کے لہجے میں محبت تھی۔

"میں نے آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے مجھے اس نام سے نہ پکارا کریں، نفرت ہے مجھے اس نام سے۔" وہ بہو لفظ پر چڑ کر پولیس۔

"میرا رادو تمہاری دل شکنی نہیں ہے، پر کیا کروں یہ رشتہ جھوٹ بھی نہیں ہے، تم میری بہو ہو۔" ان کے لہجے میں غمی و رآئی۔

"تمہارے بزدل بھگدوے بیٹے نے تم سے یہ حق چھین لیا ہے، اب صرف میں اپنے بیٹوں کی ماں ہوں، نہ کسی کی بہو، نہ کسی کی بیوی۔" فائزہ بیگم کے لبوں پر رادو بھری مسکراہٹ تھی، گویا بیٹی کے طرز گفتگو سے بہت خوش ہوں۔ منال بھی ان کی جانب دیکھتے ہوئے ہاتھ کر رہی تھیں۔

"میرے بیٹے سے جو تمہارا رشتہ ہے وہ پاک و جائز ہے، کیوں گالی بناتی ہو اس مقدس تعلق کو، میری بہو، میرے بیٹے کی بیوی بنے بناتم ان بچوں کی ماں بھی نہیں کہلائی جاسکتی ہو، بہتر ہوگا حواس قابو میں رکھو۔" راحیلہ بیگم نے آئینہ دکھایا تو لمحے بھر کو تو وہ چپ رہ گئیں، پھر کچھ توقف کے بعد جھلاہٹ بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"کس لیے کال کی ہے؟"

"جہیں اطلاع دینی تھی، صمد کی بیٹی خسری کا رشتہ آیا ہے، وہ لوگ منگنی کی تاریخ طے کرنا چاہتے ہیں، اگر تمہارے پاس وقت ہو تو آ جاؤ۔"

وہ کیا کہہ رہی تھیں، خسری کی منگنی انہیں اپنی ساتھوں پر دھوکے کا گمان ہوا، بھلا خسری کا کائناتی آسانی سے کیسے نکل سکتا ہے؟ جب کہ انہوں نے خود کو نمین کی آنکھوں میں اس کے نام پر دھپ جلتے دیکھے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ کوئین خسری کو جنون کی حدوں سے بڑھ کر چاہتا ہے۔

"ہو.....! یہ کیا ہوا..... آواز نہیں آرہی؟" دوسری جانب سے ان کی پریشان آواز سن کر وہ ہوش میں آئی تھیں۔

"کیا کہا؟ کس کی منگنی ہو رہی ہے؟" اس نے تصدیق چاہی۔

خسری کی، صمد کی بڑی لڑکی، خیر تم کو کہاں یاد ہوں گے بچے، مدت ہو گئی ان سے جہیں ملے ہوئے۔

"ہاں..... ہاں یاد ہے مجھے وہ سانولی، صمد سے نقوش والی خسری۔"

"ارے۔" راحیلہ بیگم کی قل قل کرتی ہنسی نے انہیں شرمندہ کر ڈالا۔

"نہ معلوم جہیں کس کا نقش یاد ہے، شاید کسی ملازمہ کی بیٹی ذہن پر ہوگی، خسری کا حسن پھولوں کو شرماتا ہے، رشتوں کی بھرا ہے اس کے لیے۔"

"یہ رشتہ کہاں سے آیا ہے؟" وہ متحسب ہوئیں۔

"رضوان علوی کے صاحب زادے، مہران علوی کا رئیس، ابن رئیس ہیں وہ۔" راحیلہ بیگم کے لہجے میں فخر و افسانہ تھا، وہ چونک پڑیں۔

"رضوان علوی..... مار بڑا لے؟"

"ہاں وہی بہت بڑا بڑا ہے ان کا پوری دنیا میں نام ہے۔" نہ معلوم وہ ان کو جڑا رہی تھیں یا خود کو بھلا رہی تھیں یا مبہم انداز میں انہیں کوئی پیغام دیتا چا رہی تھیں۔

"پھر آرہی ہو تم؟"

"یقیناً، میں چند دن بعد آتی ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا تھا۔

"اوہ..... کیا ہاتھ مارا ہے۔ یہ لڑکی بڑی قسمت والی ہے۔ رضوان علوی کی پراپرٹیز اور بینک بیلنس کا تو شمار بھی نہیں ہے، پھر اکوٹا چٹا ہے، سب کچھ اس لڑکی کا ہی ہوگا۔" وہ درشک بھرے انداز میں ناکہ سے گویا ہوئیں، جو سب سن چکی تھیں۔

"ہوں..... مگر شکرو کرو، کتنی آسانی سے جان چھوٹ گئی اور نہ کوئین کہتا تو ہم کس طرح انکار کر سکتے تھے، ہماری بلائی ہے۔"

"اوہ ایس ماما بہت آسانی سے یہ سب ہو گیا۔" وہ اذہ سرد تھیں۔

”مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کے اور پرنس کے ریلیشن بہت اچھے ہو گئے ہیں، وہ بھی بہت چنچ ہو گیا ہے، ہر وقت ناک پر رہنے والا غصہ بہت کم ہو گیا ہے، اب ہمیں کچھ بھی دینا ہے۔“

”جھٹکنس گاڈما! مجھے دقت سے قبل عقل آگئی، میں جانتی ہوں، پرنس وہ مہرہ ہے جو میری شکست کو کامیابی میں بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس خان کی کی گئی ذلت آمیز بے عزتی کا بدلہ میں لے کر رہوں گی۔“

☆.....☆.....☆

راحیلہ بیگم نے ریسیور کرڈیل پر رکھا تھا۔ خود بید پر دراز ہو گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو جھلکانے لگے تھے۔ مثال کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیٹے کی پسند سے آگاہ ہیں۔ ایک عورت ہی دوسری عورت کے اندر کا حال اس کے چہرے سے، آنکھوں سے اور لفتوں سے بہت کچھ اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہاں تو معاملہ بھی مزاج شناسی و یکساں طبیعت کا تھا۔ مثال کی اور ان کی ایک ہی فطرت ہے، وہ بخوبی جانتی تھیں۔

”کیا ضروری ہے، جب دقت کی طمانیں ہمارے ہاتھ میں ہوں، فیصلوں کے اختیارات ہمیں حاصل ہوں، حکمرانی کی سب سے بلند سند پر براجمان ہو کر ہم صرف اپنے ذاتی مفاد وانا کی خوشنودی کے لیے ایسے فیصلے کریں جو قطعی خوشی دے رہے ہیں مگر پھر جب دقت کی طمانیں ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہیں اور حکمرانی کی بلندی سے معزولی کی پستی میں ہم گر جاتے ہیں تو ہمارے ہاتھ شکست د رینکٹ آتی ہے جو ایک ماسور کی طرح آخری سانس تک ہمیں کرب میں مبتلا کرتی ہے۔ کاش یہ سب ہمیں اس دقت سمجھ میں آجائے جب دقت اور فیصلے ہمارے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔“

آنسو ان کے عمر رسیدہ چہرے پر قوت سے بہہ رہے تھے۔ مثال کے رویے نے ان کے ماضی کی ڈائری کے وہ اوراق کھول دیئے تھے جب وہ محرومی کی کرن سے محبت و جنون کو جاننے کے باوجود اس تک دو میں رہی تھیں کہ کوئی ایسی بات، کوئی ایسی وجہ مل جائے کہ وہ ان کو ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا سکیں اور بہت جلد ورجل گئی، جس کا انہوں نے مہر پور فائدہ اٹھایا۔ ایک تیر سے دو شکار کامیابی سے کیے، کرن اور لوشابہ دونوں کو ہی گھر سے الزام لگوا کر نکال دیا تھا اور انجانے میں ایک دہائی اپنی جان پر لے لیا تھا۔

برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے، جو گڑھا دوسرے کے لیے کھودا جاتا ہے، انسان کا لالچ و حاداسے خود اس میں دھن کر دیتا ہے، کر بھلا سو ہو بھلا، کر برا ہو برا۔ یہ رہنمائی ہمیں راہ ہٹکنے کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہے اور اس دقت تک ہم سب کچھ کو چکے ہوئے ہیں۔

”مثال! میری دعا ہے دو دکھ تہاری جھولی میں نہ گریں جو میری متا میں کائنات کی طرح ہر سست ہو چکے ہیں۔ شریک سفر کی بے افتائی تمہارا مقدر بنی ہے، خدا نہ کرے، بیٹے کی جدائی تمہارا نصیب بنے۔ مجھے ڈر ہے، میں خوف زدہ ہوں، میرا وجدان کہتا ہے، شاید وہ کہانی پھر و برائی جائے گی، عشق و فراق لازم و ملزوم ہیں، ویسے بھی یہاں کس کو محبت کی فضا اس آئی ہے، مجھے اندیشہ ہے کچھ ہونہ جائے۔“

☆.....☆.....☆

یونیدسٹی مکمل کی تھی۔

پیلا ہیرینڈ اینڈ کر کے وہ لان میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ سب قریب قریب بیٹھی تھیں جبکہ حورین ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی، نوٹس بک کھولے لکھتے میں مصروف ہو گئی تھی، اس کے انداز میں ایک ہفتہ قبل ہونے والی ذوالنون سے ملاقات کے بعد، ان چاروں کا اس کی سائیڈ لینے پر جوا مختلف ہوا تھا وہ فحشی ابھی تک قائم تھی جس نے اسے ان سے دور کر دیا تھا۔

”یہ تمہاری خود ساختہ ناراضی کب تک چلے گی؟“ ثمرین نے اسے چھیڑا۔ ”کسی بھلے شخص سے خواہ مخواہ کا عناد اچھا نہیں ہوتا ہے۔“ زدیانے کہا۔

”حورین! یہ بلا وجہ کے تنازعات ہم میں باختلافات کا باعث نہ بن جائیں۔ تمہارے مزاج ہمیں مایوس کر رہے ہیں۔“

”بلا وجہ؟“ وہ ڈوٹ بک بند کرتی حورین سے گویا تھی۔

”لیس..... آف کورس۔ تم گزری باتوں کو بھلا کیوں نہیں دیتیں، وہ خود کو بدل چکے ہیں، تم بھی بدل جاؤ۔“ روانے مشورہ دیا۔

”میں کیوں کسی کی خاطر خود کو بدل لوں؟ میرا اس سے رشتہ بھی کیا ہے، نہ میں اس سے تعلق پیدا کرنے کی آرزو مند ہوں، اس سے بے عزت ہونا تم انورڈ کر سکتی ہو، میں نہیں۔“ وہ غصے کی انتہا پر تھی۔

”زیٹیکس یا راقم ٹیپر کیوں لوڑ کر رہی ہو، جو ہمارے درمیان فریڈ شپ ہے وہ کسی زبردستی کی محتاج نہیں ہے۔ تم سائنڈ مت کرؤ۔“ موٹل سے اس کی ناراضی برداشت نہ ہوتی تھی۔

”میرے سامنے اس کی سائنڈ مت لیا کرؤ۔“ بات اتنی بڑی تو نہ تھی جو بھلائی یا نظر انداز نہ کی جاسکتی ہو۔ انسان جب سوچ سمجھ کر فیصلے کرتا ہے تو بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دی جاتی ہے، ناقابل معافی زیادتی بھلا دی جاتی ہے، معاف کر دی جاتی ہے، یہ سب کچھ دل و دلائل مندی سے کیا جائے تو ممکن ہوتا ہے اور یہاں تو سب باتیں محض ضد و انداز کی سرپرستی کی سرہون مست تھیں، ایک طرف وہ جھکنے کو تیار نہ تھی تو دوسری جانب وہ ہل کر نے کو تیار نہ تھا۔

بظاہر ان کا آپس میں ایسا کوئی تعلق نہ تھا اور عجیب بات تھی اس لائق تعلق و بے نیازی کے مظاہروں نے ان کے درمیان ایک تعلق پیدا کر دیا تھا، لوگ ان کی جانب متوجہ ہونے لگے تھے۔

”اوکے، موڈ درست کرؤ۔“ وہ مسکرا دی تھی، ماحول کی کشیدگی مٹ گئی تھی، وہ باتیں کرتی ہوئی کینٹین میں آگئی تھیں جہاں گرم سموں اور چائے کے دوران فیشن میگزینز پر گفتگو کرتے ہوئے وہ کچھ دیر قبل ہونے والی کشیدگی بھول چکی تھیں۔

”مل پے میں کروں گی۔“ حورین نے پرس سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔

”شیور..... شیور..... وائے ٹاٹ.....“ ثمرین کے ساتھ وہ کلک کلک اٹھیں۔

”مس اعلیٰ کی صحت کی جاچکی ہے۔“ کاؤنٹر پر موجود شخص کی بات سن کر وہ لمبے بھر کو حیران رہ گئی تھیں۔

"یہ اچانک حاتم طائی کی آمد کیوں کر ہوئی؟"

"یہ کس کی حیثیت ہے؟"

"یہ کس کو تیار سے کھانے پینے سے محبت ہو گئی؟"

"کوئی بھی، وہ مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے، ہم دو دفعہ گئے بجائے دس دفعہ یہاں آئیں گے۔ وہ اسی طرح بلے پہ کھتا رہے۔ (آمین) "روا کی بات پر وہ سب کھٹکھٹا کر ہنس پڑی تھیں جبکہ حورین دو بارہ نیچر کی طرف بڑھی تھی۔

"بلے کس نے پہنچا ہے؟" اس کے لہجے میں سخت سرد مہری تھی۔

"سوری مس! وہ..... میں....." نیچر حواس باختہ تھا۔

"آپ مجھے نام بتائیں اور یہ چار جڑ پکڑیں" اس نے غصے میں ہاتھ میں پکڑے نوٹ کاؤنٹر پر رکھے تھے۔ نیچر کے چہرے پر موجود گھبراہٹ و خوف نے ان کے چہروں کی مسکراہٹ تذبذب میں بدل دی تھی۔

"وہ..... وہ..... آپ میری پرابلیم سمجھیں مس!" نیچر کا انداز رو دینے والا تھا۔

"میں آپ کی شکایت پرنسپل سے کروں گی، ہمیں کیا سمجھ کر آپ نے یہی سے حثیت لی اور اب اس کا نام بھی چھپا رہے ہیں۔" نیچر کے چہرے پر سراسیمگی و گھبراہٹ حد درجہ بڑھ گئی تھی اور میانی عمر کے سانولے چہرے والے نیچر کی آنکھوں میں الجھتی تھی، وہ کہتا چادر ہا

تھا مگر کسی خوف کے باعث کہہ بھی نہیں پاتا تھا، اسی لمحے ذوالنون اندر داخل ہوا تھا۔

اس کی تیز نگاہوں نے کچھ محسوس کیا تھا، وہ سیدھا مول کے پاس آ کر بیولا۔

"کیا مسئلہ ہے؟"

مول نے صورت حال بتادی۔

"معاملہ کیا ہے؟" وہ سنجیدگی سے نیچر سے دریافت کرنے لگا۔

"آگے کنواں پیچھے کھائی والا معاملہ ہمارے سامنے درپیش ہے صاحب۔"

"جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا سیدھے طریقے سے جواب دو، ورنہ....." اس کے سخت لہجے کے آگے وہ گھٹکھٹا کر گویا ہوا۔

"رو کی صاحب نے کہا ہے کہ یہ مس جب بھی یہاں آئیں، تو ان سے بل نہ لیا جائے اگر میں نے بل لیا تو وہ مجھے یہاں کھینچیں سمیت زندہ جلا دیں گے۔" نیچر نے ڈرتے، کانپتے لہجے میں انکشاف کر دی دیا۔ ذوالنون نے جلتی لگاؤ کا صلے پر کھڑی حورین پر ڈانی، نہ معلوم ان لگا ہوں میں کیسے احساسات تھے کہ وہ اس سے لگا ہیں چراغ پر مجبور ہو چکی تھی۔

"یہ نوٹ اس کے منہ پر مارنا میری طرف سے۔" وہ نوٹ نیچر کی طرف اچھال کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

رو کی کی اس اوجھی حرکت پر اسے شدید تنگی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے کیا سمجھا تھا، اسے، جو ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی جرأت

ہوئی۔ وہ اسے ایسی غیر مہذبانہ حرکتوں سے مرعوب ہونے والی لڑکی سمجھ رہا تھا؟ ایسا کرتے ہوئے اسے اس کی عزت کا خیال نہیں آیا؟
کیوں.....؟

کیا وہ اتنی ہی مری ہوئی لڑکی تھی؟

سوچوں کا ایک الاؤ تھا جو اس کے اندر بجزک اٹھا تھا جس میں لکڑیاں روکی کی حماقت نے میا کی تھیں، تو آگ ذوالنون کی اس ایک لگاؤ نے بجز کائی تھی، آنکھوں کی کاٹ، زبان کی کاٹ سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ عزت، وقار اور احرام صنف نازک کے کردار کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ وہ بیش بہا خزانے ہیں جن کی حفاظت بڑی جان فطانی سے کی جاتی ہے کہ یہ وہ آئینے ہیں جو معمولی ہی شخص سے بکھر جاتے ہیں۔ ایک غلط طرز عمل داغ دار کر دیتا ہے، ایک گرم لگاؤ چھلکا دیتی ہے، جس طرح ابھی اس شخص کی لگاؤ اسے اس عرش کی شفاف رفتوں سے پاتال کی سیاہ ظلمتوں میں لاپہیہ نکاتا تھا۔

شوخی قسمت روکی اسے ڈپارٹمنٹ کے باہر ہی مل گیا تھا۔

”ہیلو“۔ وہ بشارت بشارت سا اس کی جانب بڑھا۔

”یہ کیا حرکت ہے؟“ نہ معلوم کیوں وہ اس کے چہرے کو تھپڑوں سے لال نہ کر سکی، دھچکا ہوا ہاتھ بے دم ہو گیا تھا۔

”حرکت!“ اس کے مسکراتے چہرے پر حیرانگی ورائی تھی۔

”کھینچ میں آپ نے مل پے کیوں کیا ہے؟“

”اوہ..... میں ڈر ہی گیا تھا کہ نہ معلوم کیا بات ہو گئی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کی لگاؤ اس کے چہرے کو گرفت میں لے ہوئی تھیں، حورین کے جیسے آتی وہ چاروں ٹھیک کر رکت گئی تھیں۔ روکی کو دیکھ کر ان کے چہروں کے رنگ سنخیر تھے۔

سرخی، ہل گئی رنگت، بہترین بات والا رد و ف عرف روکی اگر عام انسانوں کی طرح نارمل ہوتا تو پا پلہ پر سناٹا ہوتا مگر غلط طرز عمل و برے ہینکے لوگوں کی سرپرستی و رہنمائی میں وہ اچھائی و نیک نامی کی معراج سے گر چکا تھا، شری پندی وہ بدبخت گروہی اس کی پہچان بین چکی تھی، انسان کی خصوصیات نیک ہو یا بد ان کا عکس ضرور اس کے کردار و مزاج پر ثبت ہو جاتا ہے۔

روکی بھی اپنا تعارف آپ بن چکا تھا، بے ترتیب ہال، دھیرے سے چپکی ہوئی خشونت، آنکھوں سے برستی ہوئی وحشت و دہنگ لہجہ اسے کبھی بھی اچھے لوگوں میں شمار نہ ہونے دیتا تھا، لوگ اس کے قریب سے گزرنے سے بھی گریزاں رہتے تھے۔

”آپ نے مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھا ہے؟ کیا سوچ کر آپ نے یہ حرکت کی؟“ حورین غصے میں بولتی چلی گئی۔

”کوئی ڈاؤن، کول ڈاؤن“۔ وہ قدم آگے بڑھ کر اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ پھر لگاؤ سے گویا ہوا۔

”بہت احرام ہے اس ولی میں آپ کا پہلی بار میں کسی لڑکی کی عزت کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ اس سے قبل میں لڑکیوں کو صرف وقت گزاری کا ذریعہ سمجھتا رہا تھا۔ آپ کو برا لگا ہے، میں معذرت کرتا ہوں، پلیز مجھ سے خفا مت ہو جائیے گا۔“ اس کے نرم لہجے میں از حد

الٹا سٹ آئی تھی وہاں چاروں کی سانس رکنے لگی۔

”آپ ناراض تو نہیں ہیں نا؟“ وہ منظر ہوا۔

”اٹس اوکے، آئندہ خیال رکھئے گا۔“ مخصوص پرفیوم کی مہک متواتر آ رہی تھی جس کا مطلب تھا وہ آس پاس موجود ہے۔ وہ جانتی

تھی ان دونوں میں محاذ آرائی ہے، اس کے نام پر ہی اس نے اس کو حقارت آمیز لٹکا ہوں سے دیکھا تھا۔ بڑا حقیرانہ انداز تھا۔

اسے جلانے کے لیے وہ روکی سے دو جتنی برقرار رکھنے کا فیصلہ کر بیٹھی۔

”جھینکس۔“ وہ گویا جھوم اٹھا۔

”سننا ہے یہاں ہنگامہ آپ نے کروایا تھا؟“ اس سوال پر اس کے چہرے پر رنگ چند لمحوں کے لیے متغیر ہوا، پھر وہ سنبھل کر بولا۔

”ابھی آپ کا فرسٹ ایئر ہے، یہاں نہ معلوم کیا کیا سنیں گی، یہاں میرے دوست کم دشمن زیادہ ہیں جو ہر معاملے میں مجھے

بدنام کرتے ہیں۔ وہ نہ معلوم اور کب تک وہاں کنزروا رہتا، جیڑی کی بٹلی بن کر حورین آگے بڑھی تو وہ چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

کرن کی ٹانگ میں تکلیف معمولی سی رہ گئی تھی، اب وہ اسٹک کے سہارے چل پھر لیتی تھیں، اس وقت بھی اسٹک کے سہارے

چلتی ہوئی فاریہ کے پاس آ بیٹھی تھیں۔

”کیا بات ہے بھابی! بہت ادا اس لگ رہی ہیں؟“ کرن نے ان کے چہرے پر پچھلی آوازی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”بس آج صبح سے ہی طبیعت ادا اس ہے، کچھ اچھا ہی نہیں لگ رہا ہے،“ ان کی مسکراہٹ میں گہری آوازی تھی۔

”بچے پاؤ آرہے ہیں؟“

”آپ کو نہیں آتے؟“

”ہاں..... کیوں نہیں، ماں بننے کے بعد عورت کی آدمی ذات بچوں کے لیے ہی وقف ہو جاتی ہے، بچوں کے دم سے ہی گھر میں

رواق ہوتی ہے۔“

فاریہ کی آوازی کی وجہ وہ بھانپ گئی تھی، خود ان کا بھی یہی حال تھا، پھر جب سے حورین نے کالٹر کر کے انہیں کراچی آنے کی امداد

شروع کی تھیں وہ اندر ہی اندر منظر ہونے لگی تھیں۔

”بات درست ہے آپ کی، بچوں کے دم سے ہی بہاریں ہیں مگر ہم جو ان کی جدائی برداشت کر رہے ہیں، وہ ان کے منہرے

مستقبل کے لیے ہے۔“

”ہاں ہماری کوشش یہی ہے کہ ان کا فوج برائمت ہو مگر حورین کا یہ حتمی اصرار مجھے الجھن میں جتا کر رہا ہے، کوئی نہ کوئی بات

ایسی ضرور ہے شاید کوئی پرائیلم ہے اسے۔“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"حالانکہ ہونی تو نہیں چاہیے تھی سب بہت خیال رکھنے والے، چاہنے والے ہیں، بی بی جان بہت خیال رکھتی ہیں اس کا۔"

"ارے یہ بات نہیں ہے قاریہ۔" انہوں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "وہاں موجود لوگوں کی بہت تعریف کرتی ہے وہ اور بی بی جان کی تو کچھ زیادہ ہی دیوانی ہے، اس سے زیادہ ان کی محبت کا اور ثبوت کیا ہوگا کہ وہ اتنے ماو سے ان کے ساتھ رہ رہی ہے، اور نہ وہ ایک دن ہمارے بغیر کہیں گزرنے والی نہ تھی۔"

"پھر کیا وجہ ہے آپ معلوم کرتیں؟"

"میں نے بہت کوشش کی مگر وہ کہتی ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے، مجھے وہم ہے لیکن میں جانتی ہوں ایسی کوئی بات ضرور ہے۔"

"نکرن! ایک دفعہ اپنے دل سے خوف کو نکال کر کراچی جانے کے لیے تیار تو ہو..... دیکھنا کچھ نہ ہوگا، کیا دل نہیں چاہتا اپنے شہر کو دیکھنے کا، وہاں کی لٹاؤں میں سانس لینے کا، زندگی کا ابتدائی حصہ جہاں گزرا، وہ آپ کو یاد نہیں آتے ہیں؟"

قاریہ نے انجانے میں ان کے زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا، وہ شدت تکلیف سے تڑپ کر وہ گھٹیں گھٹیں مگر منہ سے آواز نکالی تھی۔

"جانتیں نہ نکرن! کیا یاد نہیں آتے وہ گزرے دن؟"

"یہ کیسے سوال کر رہی ہیں بھائی! بھلا یہ بھی کوئی بھلاسنے کی باتیں ہیں۔" نکرن کی آواز میں کچپکاپ تھی۔ "یادیں تو ہماری زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں جن کے سہارے ہم آئندہ کی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں، اگر یادیں نہ ہوں تو ہم کس طرح جی سکتے ہیں؟ مجھے یاد آتا ہے سب، اس زندگی کا مواد، گزری حیات کے لمحوں سے اذخود ہوتا رہتا ہے، کبھی ہم زندگی کی خوشیاں پانے کے لیے ہاتھ آئی ہوئی خوشیوں کو گنوا دیتے ہیں، ان کی صورت سے نا آشنا ہو جاتے ہیں، اتنے اجنبی اور بیگانے کہ جب خوشیاں مفقود بنتی ہیں تو ہم ان کو پہچان نہیں پاتے، لائق ہو جاتے ہیں میری طرح، کل تک انھی داماں تھی، آج سیراب ہوں تب بھی وہ سب محسوس نہیں کر سکتی جو مجھے کرنا چاہیے۔"

☆.....☆.....☆

"بیک مین! کیا پراہم ہے؟" برہان بخاری بخاری ڈریس میں اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ ابھی شکار پر سے لوٹے تھے، ملازم سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ آج بھی کمرے سے باہر نہیں نکلا ہے تو وہ غر مند سے اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئے، "دوسرے لمبے وہ چونک گئے، اس کی پیشانی دھک رہی تھی، وہ نیم غنودگی میں تھا۔"

"ہائی ٹور ہو رہا ہے، آپ کو بتانا چاہیے تھا۔"

"میں ٹھیک ہوں نانا جان! آپ کپڑے پہنچ کر لیں، سارے دن کی محنت ہے آپ کی، کیا شکار کیا آج؟" کومین ہٹ کر کے اٹھ بیٹھا تھا۔

"تیر ہیں بہت اعلیٰ نسل کے ان کا گوشت بہت ذائقے دار ہوتا ہے۔ ملازم مصالحہ لگا رہے ہیں پھر دست کریں گے کھا کر دیکھنا،"

کتنے لذتہوتے ہیں مگر تمہیں ہوا کیا ہے، آئے تو میرے ساتھ شکار پر ہوتے ہو لیکن ایک بار بھی یہاں سے باہر نہیں نکلے۔ وہ اس کی بے ترتیب حالت دیکھ کر استفسار کر رہے تھے، اس سے قبل کونین کو انہوں نے ہمیشہ چاق و چوبند تک سک سے تیار دیکھا تھا، پہلی بار انہوں نے اسے اسی سوٹ میں دو دن پہلے دیکھا تھا، شیو بھی بڑی ہوئی تھی، آنکھیں بھی بھیجی سی، دونوں سے کمرے میں بند وہ مکمل طور پر زندگی سے لاتعلقی نظر آتا تھا۔ وہ جب بھی شکار پر آتے تو پوری تیاریوں سے آتے تھے جس میں سرفہرست فرسٹ ایڈ بکس ہوتا تھا، وہ منگوا کر انہوں نے قمر یا منر سے اس کا بخار چیک کیا، پھر اسی حساب سے اسے فیلڈ اور میرپ پلایا، ساتھ لو کر کو کافی اور سینڈویچ لانے کا آرڈر بھی دیا۔

”نانا جان! آپ آتے ہی میری جیروادری میں لگ گئے، آپ ہاتھ لیں، کپڑے چنچ کریں، شکار سے واپسی پر بہت تھکن ہو جاتی ہے۔“ کونین ان کے الفاظ پر جھل سا ہو گیا۔

”ایک بات بتاؤں مائی ڈیزین! آؤی اور گھوڑا کبھی تھکن کا شکار نہیں ہوتا، اسوشلی جب شکاریوں کو خوب شکار مل جائے تو تھکن تمام بھاپ کی صورت اُڑ جاتی ہے۔“ وہ از حد مسرور تھے بے حد شاداں۔

”نانا جان! آپ کو بہت انٹرست ہے شکار میں۔“

”جنون کی حد تک، آپ کا نانا جان پرانا شکاری ہے، انریڈ کے گتے جنگلوں تک میں شکار کھیلنے کا اعزاز حاصل ہے، نہیں۔“

”اوہ ویری فنی! آپ کو خوف نہیں محسوس ہوا وہاں تو سنا ہے آدم خور قبیلے آباد ہیں اگر لوگ ان کے ہاتھ لگ جائیں تو بھون کر کھا جاتے ہیں۔“ کونین کے سوال پر وہ ہنس پڑے تھے۔

”ہم نے دو گائیڈز ہائیر کر لیے تھے، ہم نے بہت شکار کیے ہیں جانوروں، پرندوں سے لے کر انسانوں تک کے، کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔“

”انسان کا شکار؟“ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“

”نہیں سمجھ پائے آپ!“ وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولے۔ ”مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ کی یہ کنڈیشن کسی گرل کی وجہ سے ہوئی ہے۔“

”وو..... وو..... وو“ گھبرا اٹھا۔

”اؤنہوں، مجھ سے محبت بولنے کی ضرورت نہیں ہے، نام بتائیں مجھے اس لڑکی کا، پھر دیکھئے گا راست کو ہی وہ آپ کے بیڈروم میں ہوگی۔“

ان کے انداز اور ارادے نے اسے سر تا پا لرزا ڈالا تھا۔ یہ انہوں نے کیا کہہ دیا تھا؟ اس کے دل میں اپنی محبت کے لیے بہت عزت و احترام تھا۔

ایسی رذیل سوچ، اتنا گھٹیا خیال!

ایسا ناپاک ارادہ، اس سے بڑھ کر محبت کی توہین کیا ہوگی؟

”کیا سوچ رہے ہو یک میں! کسی لڑکی کا ہی چکر.....“

”نو..... نو..... تو نا نا جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے کسی لڑکی کا چکر نہیں ہے۔“ دو لمحوں میں پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ اس کے اندر کھلبلی مچ گئی تھی۔ اس کی محبت شبنم کے قطروں کی طرح پاکیزہ تھی۔ لہک پر چمکتے چاند کی طرح منور و بلند۔

”شرماؤ مت، بتا دو مجھے، پھر اپنے نا نا جان کے سوز سزدیکھیے گا۔“ برہان لغاری اس کی مضطرب کیفیت کو شرم پر محمول کر رہے تھے جبکہ وہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی یہ سوچ کر تادم ہوئے جا رہا تھا کہ یہ اس لڑکی کے متعلق کہا جا رہا ہے جس کو وہ بیاد و احترام کی نگاہوں سے دیکھتا تھا، وہ بیلے کی کلیوں کی طرح نرم و نازک لڑکی، جس کی نگاہیں بارحیا سے جھکی رہتی تھیں، اس قابل تھی اس کے متعلق ایسا سوچا جائے؟

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ کونین کے لہجے میں ناپسندیدگی سن آئی تھی۔ برہان لغاری اسے آرام کی یقین کرتے ہوئے چلے گئے تھے۔

وہ نڈھال ہو کر نیچے پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

اس کی ہر اون آنکھوں میں ٹھکر یزے ابھر آئے تھے جس نے کئی دن مضطرب کو دورِ رفع کرنے کے لیے یہاں آیا تھا وہ یہاں آ کر حد سے سوا ہو گیا تھا۔

اس دن اچانک اس نے وہاں سے گزرتے ہوئے سب کچھ سن لیا تھا، دادو کی ماسے فون پر گفتگو کے بعد ماما اور نانا تو کے اظہارِ مسرت و اظہارِ خیال نے اس سے قوت گویائی چھین لی تھی۔

اس وقت بہت کچھ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

اس کا دل، رشتوں پر اعتماد، مہتر پر اعتبار، ماں اپوری کائنات میں جس کا کوئی ثانی نہیں ہے، ماں دوستی ہے جو بچوں کی خوشیوں کے لیے اپنی سریتیں خاک کر دیتی ہے، بچوں کے لیے دشمنوں کو اپنا لیتی ہے۔

ممانے کیا کیا.....؟

انہوں نے ممتا کا مفہوم ہی بدل ڈالا ہے، انہوں نے ماں اور اس کی ممتا سے حق کی کہانی کو بدل ڈالا ہے۔ ایثار، قربانی، مہر و قفل، ورگزار و اخلاص کے ہر روپ کو انہوں نے کرید کر ڈالا ہے، گہنا دیا ہے۔ اس کے احساسات کی بالکل درست جانچ کی تھی بنا کہے و اس کی

پہند سے واقف بھی ہو گئی تھیں۔ اس موڑ پر آ کر ان کے اندر کی مستمر و مہنگی اور انتقام کی ماری عورت پوری طرح بیدار ہو گئی۔ انہوں نے وہی کیا جو ایک خود پرست و خود پسند عورت کی فطرت کرواتی ہے۔ یہ بات کوئی اور اسے بتاتا تو وہ یقین نہ کرتا مگر اپنی سماعتوں سے سب سننے کے بعد اسے لگا اگر ایک لمحہ بھی وہاں دوڑ کا تو دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرا نہیں تو پاگل ضرور ہو جائے گا۔

اسی وقت کسی نیچی ادا کی طرح برہان لغاری کی کال آگئی اور سیدھا یہاں چلا آیا۔ گزشتہ دو دن سے کچے گھڑے کی مانند بکھرا پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

”مجھے لگتا ہے تمہارے ہوش و حواس ٹھکانے پر نہیں ہیں۔“ گھر میں فرست ملے ہی مول نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

”کیوں؟ میں نے ایسی کیا نازیبا حرکت کر دی۔“ وہ انگوڑا کھاتے ہوئے ہنس کر گویا ہوئی۔

”کیا ضرورت پڑی تھی تمہیں اس سے اتنی باتیں کرنے کی؟ آنکھیں دیکھی تھیں اس کی، جیسے کوئی شیطان دیکھ رہا ہو، سب جانتی ہو کتنی باتیں سنی ہیں اس کے متعلق پھر بھی۔“

”کسی کے اچھے اور بُرے ہونے سے مجھے کیا سروکار، اچھا تو ہمیں خود ہونا چاہیے، خود پر اعتماد ہونا چاہیے۔“ اس نے مٹھی بھر کر انگوڑے بروٹی اس کے منہ میں بھر دیتے ہوئے لا پرواہی سے کہا۔

”تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟“ وہ جھنجھلائی۔

”میں سمجھتا نہیں چاہتی۔“

”ہوں، ٹھیک کہہ رہے تھے کل دو الٹون بھائی۔“

”کیا کہہ رہا تھا وہ؟“ اس نے کانچ کے انگوڑے سے بھرے باؤں کو دیکھتے ہوئے تیزی سے چاکر پوچھا۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے.....“ اس نے چڑایا۔

”کیا کہہ رہا تھا وہ؟ صورت دیکھی ہے کبھی آئینے میں غور سے اس نے اپنی۔“

”لڑکیاں ہیں دیکھنے کے لیے ان کو، انہیں کیا ضرورت پڑی ہے آئینہ دیکھنے کی۔ جب بھی آئینہ دیکھتے ہیں، ٹوٹ جاتا ہے۔“

”اچھا ہاتھ سے یر آمد ہو کر زویا بھی شریک ہو گئی تھی۔“

”ظاہر ہے ایسی ہر ایک شکل آئینہ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔“

”مول اور زویا دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔“

”جسہیں تو سیاست میں آ جانا چاہیے، وہاں تم جیسے لوگوں کی خوب جتنی ہے جو مزدور مزد اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں۔“

”ان سے بلا وجہ کی دشمنی میں تم حد سے گزر گئی ہو۔“

”فالتو بکو اس چھوڑو، یہ بتاؤ کیا کہہ رہا تھا وہ؟“

”اے..... اتنی بے چینی، جاننے کے لیے، خیریت ہے نا؟“

”سنا ہے..... محبت کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے، نفرت اور محبت ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔“ دونوں اسے زچ کرنے پر کر بستہ تھیں۔ اس کی حالت زخمی ناگن کی طرح ہو گئی، وہ فونوں کرتی ان کی طرف کشمکش اچھالنے لگی تھی۔

”پاگل! جنگلی! تم نے ایسا سوچا بھی تو کیسے؟“

”ٹھیک کہہ رہے تھے وہ، جسہیں دنیا میں آنے کی اتنی جلدی تھی کہ قتل لینے کے لیے بھی نہ ٹھہری۔“ زویا ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

کمرے میں بونچال سا آگیا تھا حورین نے کشن کے علاوہ میگزینز بھی اچھالنے شروع کر دیئے تھے اور دولوں ہنستے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔

”وہ دو تاقون ہے میرے بارے میں کمنٹس دینے والا؟“ وہ تھک کر بیٹھ گئی۔

”حورین! خنڈے دماغ سے سوچو گی تو سب سمجھ جاؤ گی، درو کی اچھا لڑکا نہیں ہے، یہ تم بھی جانتی ہو، یہ الگ بات ہے کہ تم بلا وجہ کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر اس کو لفٹ دے رہی ہو، جس سے شریف لڑکیاں جھجکتی ہیں۔“

”اور ہمیں ڈر ہے کہ تم خود نیچے نہ گر جاؤ۔“

وہ دونوں سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگی تھیں۔

”میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں۔“

جو ہم نے سمجھا تھا وہ کوشش کر ڈالی، اب تمہاری مرضی ہے جس طرح بھی معاملے کو ہینڈل کرو مگر ہمیں ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤں لگی۔ دولوں نے اس کے گلے میں ہاتھیں ڈال دیں۔

”حورین بی بی! آپ کو بی بی جان بلا رہی ہیں۔“ خیرون نے حورین سے آکر کہا۔

”بی بی جان نے بلایا ہے۔۔۔ خیریت تو ہے نا؟“ وہ دونوں تجسس ہوئیں۔

”خیریت ہی ہے جی۔“ خیرون نے دانت نکالتے ہوئے اطلاع دی۔

”بی بی جان کی حورین سے خوب مٹتی ہے، وفارغ ہوں گی تو سوچا ہو گا بلا کر ڈر اکپ شپ کی جائے۔“

”شکر ہے خدا کا ابی بی جان کی کسی سے مٹتی ہے، ورنہ انسان کسی دوست کے بنا کیسے رہ سکتا ہے۔“ مول کی بات پر زویا اور خیرون نے گردن ہلائی تھی۔

”بی بی جان کی دوست اور میں؟ یہ بہت بڑا اعزاز ہے میرے لیے۔“

”خیرون! چاندنی کو داپس کیوں بلایا؟ یہاں تو بڑی رونق رہتی تھی اس سے اور بی بی جان کو اس کے پیچھے واک کرنے کی عادت پڑ گئی تھی۔“ اس نینتے سے خیرون نے کام دوبارہ سنبھال لیا تھا اور چاندنی داپس چلی گئی تھی، مگر کے لڑکوں نے بھی دقت بے وقت گھراؤنا چھوڑ دیا تھا۔

”میری بہن اسے اپنے ساتھ دوسری کونٹری پر لے جانے لگی ہے، یہاں پر مکن کا سارا کام دونوں بیگمات کرتی ہیں، پردہاں تو دو لوگ خروٹل کر پانی بھی نہیں پیتے، اس کے لیے بھی انہیں گھاس چکڑا پڑنا ہے لیکن یہ کمرے کا حال کیا ہو رہا ہے؟“ خیرون کا دھیان اب کمرے کی طرف گیا تھا۔

”حورین بی بی پر جن آئے تھے ابھی، انہوں نے یہ سب کیا ہے۔“ زویا حورین کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

”اوئی۔۔۔ اللہ معافی بی بی جی! ایسے مت کہیں۔“ خیرون کا فحش ہوتا چہرہ انہیں بے ساختہ ہنسا گیا تھا۔

”ہمارے محلے میں ایک لڑکی پڑھتی ہے جن بہت بُرے حال ہے اس لڑکی کا۔“

”اچھا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جن ہمیشہ لڑکیوں پر ہی کیوں آتے ہیں؟ انہیں مرد پسند نہیں ہیں کیا؟“

”تم لوگوں نے کیا باتیں شروع کر دی ہیں، میں بی بی جان کے پاس جا رہی ہوں۔“ حورین نے انہیں ٹوکا۔

”کسی دن اس لڑکی کو بی بی جان کے پاس لے آنا دے اسے جو تے ماریں گی پھر کبھی جن نہیں آئے گا۔“ مول کو اس لڑکی سے ہمدردی تھی۔

”اور گا؟ اتم ایک بات کی کھوج میں لگ جاتی ہو، تمہیں معلوم ہے شرع کہاں ملے گی؟“

”مکتا یوں میں۔“

”کیا مطلب؟“

وہ کتابی کپڑا ہے، رات دن کتابوں میں منہ چھپائے نظر آتی ہے، ہوگی کسی کو نہ کھدوے میں کتاب میں منہ چھپائے پڑھ رہی ہوگی۔“ لڑکیاں نے حسب عادت تشریح پیش کی تھی، وہ اسے گھورنے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی، یہ سب کے آرام کا نام ہوتا تھا، وہ خیر دن کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”بی بی جان، میں بلا کر لے آئی۔“ خیر دن چمکی۔

”بلا کر لائی ہے، یاد ریاضت کر کے لائی ہے؟“ سائینڈ نیکل پر دکھا چشمہ اٹھا کر لگاتے ہوئے وہ سخت لہجے میں بولیں۔

”بی بی جان! آپ نے بلایا ہے؟“

”ہاں ہاں، آؤ بیٹو۔“ ان کے لہجے میں ایک دم ہی چاشنی بھل گئی، مشکل بند پر اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنا کر گویا ہوئیں۔

”شکر یہ بی بی جان۔“ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

”برادر والے کمرے میں کچھ دیر لیٹ کر ٹو بھی آرام کر لے۔“ وہ مودب کمز خیر دن سے مخاطب ہوئیں۔

”میں یہیں ٹھیک ہوں۔“ وہ گھبرا کر گویا ہوئی۔

”دماغ چل گیا ہے تیرا کیا؟ کہہ رہی ہوں اندر جا کر لیٹ۔“ معمولی سی حکم عدولی ان کے شاہانہ مزاج کو آگ بگول کرنے کو کافی تھی۔

”بی بی جان! آپ سو جوتے ماریں، میں آف نہیں کروں گی مگر تنہا کمرے میں سونے کا مت کہیں۔“ وہ دُری طرح گھٹکیاٹی۔

”لو دیکھو اس الٹی کھوپڑی کی بات، کیوں رہی، میں تجھے آرام کرنے کا کہہ رہی ہوں یا کالا پانی کی سزا سن رہی ہوں؟“

”بی بی جی! بہت ڈر لگ رہا ہے۔ گھر سے نکل تھی تو حاجی میاں کی لڑکی گھور گھور کر دیکھ رہی تھی، میں سمجھ گئی، آج میرے ساتھ کوئی

برائی ہے۔“

”اوری چپ کر وہی، حاجی صاحب کی بیٹی کی نظروں میں کون سے برائی کی خبر دینے والے لے لگے ہوئے ہیں۔“

”جن آتے ہیں اس پر جن۔ وہ سب خبر کر دیتے ہیں۔“ خیرون کے لہجے سے پکا اعتقاد جھلک رہا تھا۔

”جن آتے ہیں جن۔“ بی بی جان نے غصے میں اس کی بھدی آواز کی نقل اتاری، خورین نے بمشکل اپنا قبضہ ضبط کیا، خیرون کا خوف اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ مگر سے ڈری ہوئی آئی تھی، مستزاد زویا کی شرارت نے اس کے دہم کو پختہ کر دیا تھا اور وہ یہ سوچ کر ڈر رہی تھی کہ اس لڑکی کا جن اس کا پیچھا کرتا ہو یا یہاں تک آن پہنچا ہے، مگر بی بی جان کے آگے کس کی چل سکتی ہے، انہوں نے اسے دوسرے کمرے میں پہنچا کر ہی دم لیا تھا۔

”جن لڑکیوں کی عمریں بڑھ جائیں اور ان کی شادی نہ ہو تو ان پر ہسٹریا کا دورہ پڑنے لگتا ہے، جو کئی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، اس میں زیادہ تر ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں لڑکیاں آسیب زدہ ہو گئی ہیں یا ان پر جنوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کتنے ہی جاہلیت کے مارے لوگ وفات برادری اور امری غریبی کے چکروں میں پڑ کر بچیوں کی عمریں نکال دیتے ہیں، جب ان کی ایسی کیفیات ہوتی ہیں تو پھر نام نہاد ہی فقیروں کے پیچھے بھاگتے ہیں جہاں نہ صرف ایمان و دولت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ کئی بے خمیر جعلی بیروں کی ہوس کا شکار مظلوم بچیاں ہو جاتی ہیں پھر وہ کچھ کہہ نہیں پاتیں، شرم مانع ہوتی ہے اگر کوئی جرأت کر بھی لے تو پھر صاحب وہیں لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر بے دردی سے مرمت کرتے ہیں یا عجیب عجیب دھونیاں دے کر انہیں زبان کھولنے کی سزا دیتے ہیں۔“

”کیا یہ سب سچ ہے بی بی جان۔“ اس کے رو تھکے کھڑے ہو گئے تھے۔

”ہاں..... بالکل سچ۔“

”ان لڑکیوں کے والدین کچھ نہیں کہتے، کوئی کس طرح والدین کے سامنے ان بچیوں کو مار سکتا ہے۔“ اس کی برادری آنکھوں میں حیرانی و خوف چمکنے لگا تھا، یہ سب اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔

”وہ عقیدت کے مارے، عقل کے اندھے ہوتے ہیں، لڑکیاں کتنا بھی چلائیں، شور مچائیں، مدد کے لیے پکاریں، وہ بت بنے رہتے ہیں کہ پھر صاحب کے بقول لڑکی کی آواز میں جن بول رہا ہوتا ہے اور وہ تکلیفیں لڑکی کو نہیں جن کو پہنچ رہی ہوتی ہیں، اس طرح وہ دونوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔“ بی بی جان نے اس معاشرے کا ایک بھیا تک المیہ اسے سنایا تھا، جسے سن کر وہ دم بخود تھی۔

”اوہ مائی گاڈ اتنی سلاکت، اتنی بے رحمی۔“

”اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، جب ہم دین کو سمجھیں گے نہیں تو اچانک اس کے کس طرح سے؟ پورے پورے داخل کس طرح ہوں گے، آج اس لائسنس کے باعث ہم فرقوں، طبقتوں اور جماعتوں میں بٹ گئے ہیں، یہ سب سزائیں نہ جاننے کی وجہ سے ہیں۔ خیر چھوڑو، خیرون کی وجہ سے بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔“ انہوں نے اس کے چہرے کے بدلے رنگوں کو دیکھ کر موضوع بدلاتھا۔

”یہ بتاؤ یہاں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے، دل لگ گیا ہے نہ تمہارا؟“

”جی مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے، سب اتنا چاہتے ہیں، کیئر کرتے ہیں لیکن..... کیوں بوجھ رہی ہیں، مجھے یہاں آئے بہت نام نہ ہو چکا ہے۔“

”یونہی بیٹا! میں محسوس کر رہی ہوں تم کچھ پریشان ہو جاتی ہو کبھی کبھی، بے زاری رہنے لگتی ہو، اس لیے میں نے سوچا تم سے تنہائی میں کسی دن معلوم کروں گی کہ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ؟“۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے بی بی جان“۔ ان کے خلوص سے اس کی آنکھیں بھرا آئیں، وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے کہہ رہی تھیں۔

”جس دن بھی کچھ محسوس کرو، نور اپنا پھر دیکھنا کسی شامت ملاتی ہوں، پر مجھے امید ہے تم سے کوئی خفا نہیں ہو سکا، اتنی موتی صورت ہے تمہاری، اتنے اچھے مزاج و اخلاق ہیں کہ دشمن تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا“۔ بی بی جان اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھیں اور ان کی نگاہوں میں ہلا ارادہ و ذوالنون کا چہرہ آ گیا۔

”اگر یہ سب سچے تو یقیناً تم شاگرد رہ جاتے ایڈریٹ“۔ وہ تصور میں ذوالنون سے مخاطب ہوئی تھی۔

جب سے زریا اور مول ذوالنون سے ملنے لگی تھیں، تب سے ان سے کبھی کبھی بھرپور بے گامی کا احساس ہونے لگا تھا اور اسے اب محسوس ہوا بی بی جان ہر ایک پر خصوصی توجہ دیتی ہیں، یہ ان کی محبت کا انداز تھا۔

☆----☆----☆

”بہت عرصہ ہو گیا ہے یا تمہیں کوئی دعوت کھلائے ہوئے، ایسا کرو آج تو ذریعہ پر انوائٹ کر ہی ڈالو“۔ مامون نے ذوالنون کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”کس خوشی میں؟“

”اسی خوشی میں کہ میں نے تم سے فرمائش کی ہے، اب کبجوس مت ہو“۔

”یہ تو وہی بات ہوئی، مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ تم خود کیوں نہیں کر لیتے سب کو انوائٹ۔ ذوالنون کی گردن چھری پھیرنے کے لیے نظر آ رہی ہے“۔ حیدر نے ہمیشہ کی طرح ذوالنون کی سائیڈ لی۔

”ارے یا راجہا یا رتو دوستوں کا دوست ہے، ایسا دریا دل دوست کسی کسی کو ملتا ہے، ہم تو لگی ہیں جو ایسا دوست ملا ہے۔“

توصیف نے بھی چالوسی شروع کی۔

”ادو..... ایک نہ شدہ دشد۔ اتنا کھن تم یقیناً ذوالنون کا بی بی ٹوٹ کر رہو گے“۔ حیدر پیچھے ہٹنے والا کہاں تھا۔

”او کے اجناؤ کہاں لو گے ڈنر؟“

”ان کی باتوں میں کیوں آرہے ہو ساری پاکٹ منی ان لوگوں نے اپنی گرل فرینڈ پر گواہی ہوگی، اب تمہیں لوٹنے آئے ہیں اور تم ہو کمان کی باتوں میں آرہے ہو“۔

"حیدر! دوست ہے دشمنوں کی طرح باتیں کرنا زیب نہیں دیتا تجھے۔"

"اچھا..... بس بس میرا مانگ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر باہر آ گیا تھا، دوسرا پیر یڈ فری تھا۔

حیدر کے پیچھے ہی ذوالنون بھی باہر نکل گیا تھا۔ موسم بدل رہا تھا۔ ہوا سرد تھی، ماحول میں بھی خشکی کا اثر نمایاں تھا۔

"کافی کاموڈ ہو رہا ہے۔" ذوالنون نے کہا۔

"ہوں..... تو چلتے ہیں۔" حیدر نے اس کے کانہ سے پر بازو رکھتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ سامنے سے آتے ہوئے

روکی کو دیکھ دو لوں رک گئے تھے۔ روکی بھی سخت نظرت بھری نگاہوں سے ذوالنون کو گھورنے لگا۔

"کیا بات ہے آج کل اس جگہ کے بہت چکر لگانے لگے ہو؟" ذوالنون اس کے قریب آ کر سخت لہجے میں گویا ہوا۔

"جہیں کیا پریشانی ہے؟" وہ بھی اس کے مقابل آ کر بولا۔

"مجھے تمہارا اس جگہ آنا قطعی پسند نہیں ہے۔"

"تم اس جگہ کے ٹھیکے دار کب سے بن گئے؟"

"میں بے معنی سوالوں کے جواب نہیں دیتا، لاسٹ وارنگ ہے تمہارے لیے، یہاں خطرہ مت آتا، اسی میں تمہاری بچت ہے۔"

ذوالنون کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ روکی چند لمحوں اس کی جانب دیکھتا رہا پھر بولا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں۔" وہ جانے کو مڑا۔

"میں بھی جا چتا ہوں، تم مجھے دیکھو اور یاد رکھو تاکہ آئندہ یہاں آتے ہوئے تمہیں ہزار مرتبہ سوچنا پڑے۔" ایک عرصے بعد اس

کے اندر پرانے والا ذوالنون بیدار ہوا تھا جو مخالف پارٹی کے لیے قہر ثابت ہوتا تھا۔ روکی کو کئی معرکوں میں وہ اس کی اوقات بتا چکا تھا۔ روکی

کو وہ سب یاد تھا، سو وہ خاموشی سے چلا گیا مگر اس کے تیور خطرناک تھے۔ حیدر منہ کھولنے حیرت کی تصویر بنا کر اٹھا۔

"جہیں کیا ہوا؟" وہ بتائش لہجے میں حیدر سے مخاطب ہوا۔

"یہی سوال میرا تم سے ہے، بہت عرصے بعد میں اس روپ میں دیکھ رہا ہوں۔"

"سر آفتاب کی باتوں نے مجھے اس روپ سے بچانہ کر دیا تھا مگر اب محسوس ہو رہا ہے بخش شرافت و خاموشی انسان کو بزدل بنا دیتی

ہے۔ میں مزید اس پالیسی پر نہیں چل سکتا جو انسان کو بزدل اور بے ہمت ثابت کرے، ویسے بھی یہاں کی کچھ کم عقل و عاقبت نااندیش بے

وقوف لڑکیوں نے اس دو لک کے حوصلے بلند کیے ہیں۔" وہ سائیڈ سے آتی حورین کو دیکھ کر جتانے لگا۔

"مسٹر! آپ کو لیڈر بننے کا شوق ہے تو کہیں اور جا کر اپنا شوق پورا کیجیے، یہاں آپ کی وال نہیں گلنے والی۔" حورین طنز یہ انداز

میں کہہ رہی تھی۔

"میں لڑکیوں کے منہ نہیں گلتا۔" اس نے خضر سے کہا۔

"کسی کو خواہش بھی نہ ہوگی۔"

"پلیز اسٹاپ! یہ آپ دونوں کیا بچوں کی طرح بیہوش کرتے ہیں۔" حیدر نے بات بڑھتی دیکھ کر کہا۔ "مس حورین! پلیز آپ مدد کی سے دور رہیں تو بہتر ہے۔"

"دوہم لوگوں کی نگاہوں میں نہ رہو گا مگر میں اسے بہترین انسان سمجھتی ہوں، کم از کم وہ دوسرے کرپٹ لوگوں کی طرح ماسک زدہ نہیں ہے۔"

اس نے ذوالنون کی طرف دیکھ کر کہا جس کے چہرے پر سرخی آگ کی طرح بڑھنے لگی تھی۔



ایک قبر آلود نگاہ اس کے بہت دھری برساتے چہرے پر ڈال دیا آگے بڑھ گیا تھا۔ حیدر نے فکر مندی نگاہ ذوالنون کے آگے بڑھتے وجود پر ڈالی تھی پھر آہستگی سے حورین سے مطالبہ ہوا۔

"وہ بہت ٹونا بکھرا شخص ہے، حورین جی پلیز امیری ریگسٹر ہے آپ سے محض نظر پاتی اختلاف کے باعث آپ کوئی انتہائی قدم مت اٹھا لیجئے گا کیونکہ ضد و نادان میں ہم جتنا نقصان اپنے آپ کو پہنچاتے ہیں اتنا دشمن کو بھی نہیں پہنچا سکتے۔" حیدر کے انداز میں سادگی و اہمیت تھی۔

"بائبل ہمیشہ آپ کے دوست کی طرف سے ہوتی ہے اور میری عادت ادھار رکھنے کی نہیں۔ بندے کو کام سے کام رکھنا چاہیے۔"

"ایگزامز چند دنوں میں شروع ہو جائیں گے، تیاری کر رہی ہیں آپ؟ اگر ہماری مدد کی ضرورت ہو تو پلیز تکلف مت کیجئے گا۔" حیدر کی پیشکش پر وہ شکریہ ادا کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی جہاں وہ چاروں کھڑی تھیں، ان کے چہروں پر فکر و ناراضگی عیاں تھی۔

"تم لوگوں کو کیوں سناپ سونگہ کیا ہے۔" حورین قریب آ کر بولی۔

"اگر تم ذوالنون بھائی سے دوستی نہیں کر سکتی ہو تو دشمنی بھی مت کرو۔" روانے بتایا تھا۔

"عجیب دماغ ہے تمہارا بھی، جس سے دشمنی رکھنی چاہیے اس سے دوستی رکھ رہی ہو، ایک کریکٹرلیس شخص ہے جو مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے۔" شرین کا انداز بھی ناسکا تھا۔

"کچھ بھی کہہ لو، کچھ بھی سمجھاؤ اس لڑکی سے اپنی بات منوان نہیں سکتے اور زیادہ کیوں ماسک کر جاتی ہے۔" زویانے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کے چہرے پر ناگوار پھیلتی جا رہی تھی۔

"پلیز! بند کر دیہ موضوع۔ لاہری چلتے ہیں، کچھ کتابیں لینی ہیں۔" مول نے حورین کے بگڑتے تیور دیکھ کر اُکٹائے ہوئے لہجے میں کہا۔



میں نے مانا کہ یہ نظریہ کا لکھا ہے اہل
میر ایمان دعاؤں میں اثر ہوتا ہے
اس کو مانگوں گی خدا سے میں جنوں کی حد تک
عشق جب حد سے گزرتا ہے تو امر ہوتا ہے

ہا ہر دور تک دھند بھیلی ہوئی تھی۔ ہواؤں میں نمی تھی۔ وہ میرس پر کھڑا خلاؤں میں کچھ تلاشنے کی سعی میں مصروف تھا۔ اپنے دل
میں بھیلی ہوئی دیرانی اسے ہر شے بکھری نظر آ رہی تھی۔ ہر شے سے گویا اُداسی دھڑن چک رہا تھا۔ کل تک جو دنیا پھولوں سے بھکتی اور رنگوں سے
چمکتی دکھائی دیتی تھی، یکھٹ ہی اس کے پھول مرجھا کے کانٹے بن گئے تھے، اور رنگ اُڑ کر سیاہی رہ گئی تھی۔

وہ سیاہی تھی یا جلنے جڑیوں کی راکھ!

صاحب! بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں آپ کو۔ ملازم نے آکر اطلاع دی تو وہ دل نہ چاہنے کے باوجود اٹھا کر نہ کر سکا۔ وہ لاؤنج
میں آیا تو سب جمع تھے۔ نانا جان، نانو، ماما اور ذوالنون، بہت عرصے بعد ساتھ بیٹھے تھے۔ نانا جان نے اسے دیکھ کر اپنے بائیں پہلو میں جگہ
بنائی تھی۔ دائیں پہلو میں ذوالنون بیٹھا ہوا تھا۔

"اُم سوچ رہے ہیں، ہمارے گھر میں اب کسی حسین و خوب صورت وجود کا اضافہ ہونا چاہیے۔" برہان لغاری نے کونین کی
جانب دیکھتے ہوئے ذمہ داری اُٹھا کر کہا تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"اوہ اس عمر میں بھی آپ کو کسی ایسے وجود کی ضرورت ہے؟" فائیکہ نے دوسرا مطلب اخذ کرتے ہوئے انہیں لڑا تھا۔

"سوتلی عکس والی عورت! میرا اشارہ کونین کی طرف ہے، ہم عورتوں کی عکس تو ہمیشہ گھاس چرے نے گئی ہوتی ہے۔"

"بات ساری آدی کے کردار کی ہوتی ہے۔" فائیکہ بیگم نے گہری چوٹ کی تھی کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ برہان لغاری آج کل
اپنے آفس میں آپریٹر سے خاصے تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔

"ماما پلیز! بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی بڑائی بیڈروم میں لڑیں۔" منال نے دسبے نیچے میں ماں کو سرزنش کی تھی۔

"فکار کا پروگرام میں نے اس لیے نہیں بنایا تھا کہ برخود ارقام نام روم میں لاکھ ہو کر گزار دیں پھر مزاج بھی ان کا اتنا دور رہا
تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کونین کسی لڑکی سے ٹوک کرنے لگے ہیں مگر نہ معلوم کیا پرالہم ہے کہ بتانے سے گریزاں ہیں، حالانکہ میں نے ادھین
آفر کی تھی۔"

"پلیز نانا جان! نانا جان کا بے باک انداز گفتگو اس کی حساس و ستھری طبیعت پر گراں گزرتا تھا پھر گفتگو بھی اس پاکیزہ وجود
کے متعلق جس پر اس نے کبھی تپتی نگاہ نہ ڈالی تھی، اس کے متعلق ایسے گھٹیا مشورے کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ وہ ان کی بات قطع کر کے
سنجیدہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

”کوئین! آپ اس قدر کفیوز کیوں ہو رہے ہیں، ہم اسے بہو بنا کر لائیں گے۔ اس گھر میں واقعی ایک خوب صورت وجود کی ضرورت ہے۔ پرنس کے ایسے کوئی ارادے نظر نہیں آتے، انہیں ابھی صرف اپنی تعلیم سے پیار ہے جلد یا بدیر ان سے بھی کوئی لڑکی ایسی ضرور نکرائے گی جو ان کے خول کو توڑ کر پیار کرنا سکھائے گی“۔ نائٹہ بیگم سامنے صوفے پر براجمان ذوالنون کی طرف دیکھتے ہوئے شونی سے کہہ رہی تھیں، جبکہ ان کے لبوں پر آدیزاں مسکراہٹ کی خاطر وہ دھیسے سے مسکرایا تھا مگر اس کی ذہین حساسیت سے لبریز آنکھیں کوئین کے طرز عمل و مضطرب کیفیت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

اور اس کے اندر گویا سناٹے سے اترنے لگے تھے۔ پیار چہرہ از زندگی سے بے رغبت بھیجی تھیں آنکھیں، مگر درد شکستہ وجود۔ اس کی نگاہوں میں ایک سراپا لہر آنے لگا جس کو دیکھے برسوں گزر گئے تھے مگر اس وجود کا اس چہرے کا ایک ایک نقش اسے ازبر تھا۔ آج برسوں بعد وہ وجود وہی انداز سے کوئین میں براجمان نظر آئے تھے۔ وہ دل کی عمیق گہرائیوں سے کسی درد کو ابھرتے دیکھ رہا تھا۔

”آپ کی ہانڈ ٹھیک کہہ رہی ہیں کوئین! آپ اپنی خواہش کا اظہار تو کریں ہم ہر طرح اسے پورا کریں گے“۔ برہان اللہاری نے ہمیشہ اپنی زندگی میں بیٹوں کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ دو بیویوں سے انہیں دو بیٹیاں ملیں۔ اولاد زینہ سے ہنوز محروم رہے تھے۔ اب نواسوں کی صورت میں انہیں وہ دونوں ملے تھے جن کو وہ بیٹوں سے بڑھ کر چاہتے تھے، بے حد محبت کرتے تھے۔

”آپ کافی بچیں مانا جان! مجھے شادی نہیں کرنی ہے“۔ ملازمہ کافی سرد کر کے گئی تھی۔ بھاپ اُڑاتی گرم کافی کی پیالیاں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ کوئین مسکرا کر ان سے مخاطب تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بڑا تضاد تھا۔ جتنے لب، روتی آنکھیں، جڑن زدہ چہرہ۔

مثال کن اکھیوں سے پیٹنے کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی کیفیت کا انہیں پوری طرح اندازہ تھا مگر جب دل پر نظرت کی برف جم جاتی ہے تو ممت جیسا لازوال گداز محبت بھرا احسان سب سر پڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی بے حس بنی اس کی محبت کے درد کو نظر انداز کرتی رہی تھیں۔

”آپ شادی کیوں نہیں کریں گے بھائی؟“ ذوالنون نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا تھا۔

”ہاں..... ہاں متاویزا! ہمیں نہیں مانا چاہو رہے تو اپنے بھائی کو تو لازمی بتائیں۔ آپ کے انکار کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔“

برہان اللہاری کافی کا سب لیتے ہوئے مگر مندی سے گویا ہوئے۔

نائٹہ بیگم اور مثال نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف تشریف بھری نظروں سے دیکھا۔ کافی کی پیالیاں ان کے ہاتھوں میں کانپ اٹھیں۔ اسی لمحے بے ساختہ اس کی نظریں ان کی طرف اٹھی تھیں۔ درد کا ایک اور تیرا اس کے سینے میں ترازو ہو گیا۔

یہ مہربان وجود، کل تک اس کے لیے زندگی سے بھرپور سائبان تھے..... آج ان کی نامہربانوں کے باعث ہی وہ خود کو زندگی سے دور بہت دور محسوس کر رہا تھا۔ کتنا اچھا ہوتا ان محبت بھری ہستیوں کی وہ مکروہ شکلوں کو نہ شناخت کر پاتا۔ اس دن اس کی ساتھیوں بے آواز ہو جاتیں، جب اتفاقاً طور پر ان کی گفتگو اس نے سنی تھی، پھر ایک محبت کے کھونے کا دکھ اسے نہ ملا تھا..... کئی محبت و چاہت بھرے رشتوں سے

دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انسان عمر بھر کی کمائی ایک دم لٹ جانے کے غم سے ہلاک نہیں ہوتا..... مگر جن رشتوں پر ایک عمر سے انحصار کرنا آیا ہو، وہ چھن جائیں تو جینا محال ہے۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ خواہ مخواہ کوئین کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ آج کل کے جوان اتنی جلدی پابند ہونا پسند نہیں کرتے۔ پھر کون سا ہمارے کوئین کی عمر نگلے جا رہی ہے جو آپ سیریس ہو رہے ہیں، جب ان کا موڈ ہوگا خود کہہ دیں گے۔ اب وہ وقت نہیں رہا کہ لڑکے کے برسرِ روزگار ہوتے ہی اماں دبا بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی تیاریاں شروع کر دیتے تھے اور بے چارہ لڑکا ساری زندگی ذمے داریاں ورڈ سے داریاں کی جھکی میں پھنسا دینا سے سدھار جاتا تھا، اب ایسے نہیں ہوتا۔“ فائدہ بیگم ہوشیاری سے دھنڑا بدل کر گویا ہوئی تھیں، کیونکہ انہیں ڈرتا تھا خدا نخواستہ کوئین اپنی پسند کا اظہار کر دیتا ہے تو کون روک سکتا ہے ان کو من مانی کرنے سے، پھر ساتھ ان کے ذوالنون بیٹھا تھا جس کی بہت دھری و مشتعل مزاجی سے وہ دونوں ہی خوف زدہ رہتی تھیں۔ سیر کو سوا سیر مل جاتا۔ ان کی تمام سازش و مکاری دھری کی دھری رو جاتی اور دھری کو دھین بن کر آتے یہاں کیا نام لگتا؟

”نانو جان کا خیال بالکل درست ہے۔ واصل اب ہماری وراثتی کارمائیٹ اسکوپ اتنا طاقتور نہیں رہا ہے کہ گاہک چاہنا ورنہ کوزیادہ قسطیں نکلتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے چند بھتیگوں میں ہمیں ان ممالک کا ورڈ کروں چنانچہ بزنس مارکیٹ کا مورال ٹاپ کلاس ہے۔ وہیں کوئی ملک منتخب کر کے بزنس کا سینٹر آپ کرویں گے۔“ کوئین کہہ رہی تھی۔ ذوالنون کی نگاہیں اس کے اترے، تھکے تھکے چہرے پر تھیں۔ اضطراب و اضطراب کا طوفان تھا جو ان کے اندر چکرانے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ بڑے کمرے میں جمع تھے۔

بی بی جان کو اچانک ہی دھبی کی شادی کرنے کے ارمان جاگے تھے۔ یہ خواہش تو سب ہی کی تھی مگر وہی سنجیدہ دکھائی نہ دے رہا تھا مگر اس پر بی بی جان کا دباؤ بدستور ہی گیا تو بالآخر وہ ہتھیار ڈال کر ان کی خواہش کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا۔

جامعہ میں امتحان چل رہے تھے۔ لڑکیوں کو اس دوران سر کھانے کی بھی فرصت نہ تھی۔ پرسوں امتحان سے فارغ ہو کر وہ لمبا ریٹ کرنا چاہتی تھی مگر بی بی جان نے فقط دو دن ریٹ کے لیے دیئے تھے۔ اب وہ ان کے سامنے لائن حاضر تھیں مگر وہی کی شادی کا سن کر ان کی باقی کوفت و تحنن بھاپ بن کر اڑ گئی۔

”بی بی جان! وہی کی شادی کا چرچا کئی دنوں سے سن رہا ہوں۔ شادی کے لیے ایک عدد لڑکی کی بھی ضرورت ہے۔ آپ وہی کی شادی ”لڑکی“ سے ہی کر رہی ہیں یا.....“ سعود کی زبان حسبِ عادت رواں ہوئی مگر ان کے خشونت بھرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ دانتوں تلے زبان دبا کر بیٹھ گیا۔

”ہاں..... کھوڑک کیوں مجھے؟ لڑکیوں کی زبانوں کو بھی تم نے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ہر وقت کٹر کٹر چلتی رہتی ہے، سوچے سمجھے

بغیر۔ لانا تو کبھی کسی لڑکے کی شادی لڑکے سے ہوئی ہے؟“

”ہوئی ہے بی بی جان! حال ہی میں امریکہ میں دو.....“

”چپ ہو جانا مراد!۔ مثالیں ہمیشہ اچھے و نیک لوگوں کی دی جاتی ہیں۔ بد بخت و بدکار لوگ مثال نہیں بنتے۔ امریکہ کو کوئیس نے دریافت کیا تو یہ کچھڑ و کند سے دھنسا ہوا تھا، صدیاں گزارنے کے بعد وہ کند و کچھڑ حل و حلا کے نئے وجدید شیرآباد ہو گئے مگر وہاں کی ٹیلیں آج تک اس کند و قلعن زدہ کچھڑ سے لتھڑی ہوئی ذہنیت لے کر پیدا ہوتی ہیں جن کی گندگی و نجاست ان کے کردار اور فعال سے ظاہر ہوتی ہے۔“ بی بی جان کے مطالعے کی عادت ہر خبر سے باخبر رکھتی تھی۔

”بی بی جان! آپ نے وہی بھائی کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے؟“ حورین نے غماط انداز میں ان کی نین چھیچ کی۔

”میں تو کہہ دی ہوں وہی سے، اگر اسے کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دے۔ اچھا ہے ہم زحمت سے بچ جائیں گے مگر یہ ماننا ہی نہیں۔“

”آپ کی پسند ہی میری پسند ہوگی بی بی جان!“ وہی کے لہجے میں اعتماد و عقیدت تھی۔

”تم کیا کہتی ہو سیرا؟ کسی لڑکی کو بہو بنانا پسند کرو گی؟“ وہی سے مطمئن ہو کر وہ میرا سے مخاطب ہوئیں جو میرا کے ساتھ سامنے ہی بیٹھی تھیں۔ انہیں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر گویا ہوئیں۔

”بی بی جان! ہم آپ سے بہتر نہیں جان سکتے، آپ کی پسند ہی ہماری پسند ہے۔ ان بچوں کو ہم سے زیادہ آپ نے پرورش کیا ہے۔“

”ہلکی ہلکی ہوا آئے گی، کچھ تو بتاؤ کسی ہو؟“

”زیگ صاف ہوا دھوڑی اسارٹ۔“ ان کے بار بار کہنے پر سیرا کہہ بیٹھیں۔

”یہ کیسی کم ظرنی و کند ذہنیت والی بات کر دی تم نے سیرا!۔ وہ ناک پر پھیلتا چشمہ درست کرتی ہوئی حیرانگی سے گویا ہوئیں۔

”میں نے کچھ غلط کہہ دیا بی بی جان؟“ وہ شپٹائیں۔

”گوری بہو لانے کی چاد ہے جنہیں بھی۔ وقت کے چلن کے ساتھ مت پلو۔ گوری ذہین گھونگٹ آٹھتے ہی گوری سے“ گوریلہ

بن جاتی ہے اور ری بات اسارٹیں کی تو وہ بچوں میں آج کل لڑکیاں غبارہ بن جاتی ہیں۔ حسن و جوانی کبھی سدا رہنے والی چیز نہیں ہیں۔ وقت ہر ذی روح کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہمیشہ صورت سے زیادہ سیرت خلوص و اخلاق والے لوگ پسند کیا کرو۔“ ان کا انداز ناصحانہ تھا۔

”میرا مطلب یہی تھا بی بی جان!“ سیرا جھینپ کر گویا ہوئی تھیں۔

”خیر ہماری بات نہیں، آج کل لوگوں کا مزاج یہی بن گیا ہے۔ اپنے گھر میں کالی کٹوٹی بیٹیاں بیٹھی ہیں، خواہ گھر میں لڑکے کا رنگ

اُلائے توئے جیسا ہی بہو چاہیے دودھ جیسی سفید، جب وہ گوری چھڑی کی بہو، اپنی طبیعت کی سیاحتی ہر سو پھیلاتی ہے تو پھر ایسی عورتیں سر پکڑ کر روتی ہیں کس سے اچھا تھا ہم ایسی بہو لے آتے جو خوب صورت نہ ہوتی مگر دل جس کا حسین ہوتا، مزاج جس کا خوب صورت ہوتا۔“

”اوگاڈ! بی بی جان تو انسان کو شرمندہ کر کے بھی نہیں چھوڑتیں۔“ زویا نے سرگوشی کی۔

”حمیرا! شفقت بھائی کی بیٹی دیکھی ہے تم نے؟ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ اس نے گرجویشن کیا ہے۔ پچھلے ہفتے ایک محفل میں ملاقات ہوئی تھی، بہت قیصر دار اور باادب لڑکی ہے، حالانکہ اکلوتی ہونے کے باعث گھر بھر کی لاڈلی ہے مگر میں نے اس لڑکی میں ذرا بھی کوئی ایسی بات نہ دیکھی جو آج کل کی بگڑی لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ رنگت چھیلی کی طرح کھلتی ہوئی ہے، نین نقوش جاذب نظر، ہر لحاظ سے دسی کے لیے موزوں ہے۔“

”بی بی جان! پھر دیر کس بات کی؟ ابھی چلتے ہیں بات پکی کر آتے ہیں۔“ میرا حمیرا دوں خوش خوش کھڑی ہوئی تھیں۔

”ہاں..... چلو، مجھے امید ہے شفقت بھائی انکار نہیں کریں گے۔“ وہ اٹھ کر تیار ہونے چلی گئیں۔

”یارو! مجھے پر بھی بی بی جان کو دم آ جائے۔“ دعا کرو سب مل کر (آمین)۔“ سودا گنگنا تا ہوا دسی کے گلے لگ گیا۔ بڑوں کے بعد وہ سب دسی کو گھر سے دوسے تھے۔

”یار! سب سے پہلے میرے سر پر ہاتھ پھیرو۔“ ہریہ ہر جھٹکا کر اس کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

”تاکہ میں بھی جلد سے جلد یہ مبارک دن دیکھوں۔“ جواب دہی نے بڑے درویشانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”بابا! صرف میرے ہی نہیں، اس کے سر پر بھی ہاتھ پھیرو۔“ اس کے انداز پر سب ہنس پڑے تھے۔ ہریہ حورین کا ہاتھ پکڑ کر گویا ہوا تھا۔

”تم بیکواس کرنے سے باز آنا۔“ حورین نے ہنسنے سے ہاتھ چھڑایا۔

”ہمارے دیدہ تر کو محبت ہو گئی تم سے“

”کسی گھر سمندر کو محبت ہو گئی تم سے“

”کسی لمحے اگر تم کو محبت ہو گئی مجھ سے“

”سمجھ لیتا مقدر کو محبت ہو گئی تم سے“

”ہونہہ، اسی آرزو میں مر جانا تم۔“ حورین تن فن کرتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ وہ تینوں بھی چلی گئیں۔

”چلو بھائیو! اب دم یہاں دک کر کیا کریں گے۔ کائنات کے تمام رنگ یہاں سے غائب ہو چکے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

صوبہ بریگم محسوس کر رہی تھیں جب سے خضرئی کی بات پکی ہوئی تھی۔ راحیلہ بیگم کو چپ سی لگ گئی تھی۔ گفتگو وہ پہلے بھی بہت کم کیا

کرتی تھیں۔ اب ان کی خاموشی عجیب تھی۔ یہی خیال انہوں نے مہر صاحب سے ظاہر کیا تو وہ چونک کر گویا ہوئے۔

”مہر! مرضی نہیں ہیں کیا، اس رشتے پر؟“

”جس ان کی مرضی سے ہی رشتہ قبول کیا ہے، انہوں نے خود برہان اور مسز برہان سے رضامندی ظاہر کی ہے۔ آپ موجود تھے اس وقت“۔ محمد صاحب نے اثبات میں مرہلایا تھا۔

”پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟ آپ نے خضرئی سے مطوم کیا تھا، کہیں ایسا تو نہیں، یہاں اس کی دلچسپی نہ ہو، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ ماما کے قریب ہے، بہت کلوز فرینڈ شپ ہے ماما سے خضرئی کی“۔ محمد صاحب بڑے سوچے انداز میں گویا تھے۔

”آپ بھی کسی باتیں کرتے ہیں ماما! اتنے اہم موضوع پر میں خضرئی سے اس کی مرضی معلوم نہ کروں گی۔ لباس سے جوتے تک میں اس کی پسند مرضی کا خیال رکھتے آئے ہیں تو زندگی کا ساقھی منتخب کرنے کے لیے ہم اپنی مرضی کریں گے“۔

”میں یہی تو سوچ رہا ہوں پھر ایسی کیا بات ہو گئی جو ماما پریشان ہیں“۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے تھے۔

”منال بھابی نے کال کی تھی، وہ بڑی ہیں آنہ سیکس کی پھر ذوالنون اور کونین نے بھی کافی ٹائم سے یہاں چکر نہیں لگایا، ماما انہیں دیکھ کر کافی خوش ہو جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے میرا دم ہو کہ وہ خضرئی کی بات چکی کرنے کے بعد سے متصل رہنے لگی ہیں، شاید وہ ان دونوں بچوں کو یاد کر رہی ہوں۔ ذوالنون تو دیسے بھی کم آتے ہیں، البتہ کونین بچے میں کئی چکر لگا لیا کرتے تھے، وہ بھی یہ معلوم کیوں نہیں آ رہے“۔

”میں کال کر کے معلوم کرتا ہوں اور بتاتا ہوں ماما، وہم لوگ کتنے اُفاس ہو رہے ہیں اس کے بغیر“۔

”فون تو ہم بھی کر سکتے ہیں مگر منال بھابی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ ان کو پسند نہیں کہ ہم ان کی اولاد سے کوئی رابطہ رکھیں۔ مگر آفس کہیں بھی ہم اس خوف سے فون نہیں کرتے کیونکہ وہ آفس میں بھی ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں“۔

”دو دونوں اب بچے نہیں رہے پیگم۔ ماشاء اللہ اب جوان ہیں اور عقل و سمجھ داری میں ہم سے بھی آگے ہیں۔ بھابی پیگم ہوں یا ان کے والدین۔ وہ ہمارا نمبر سنیں انکریں پر دیکھ کر خود سیف کر لیتے ہیں۔ میں تو عموماً بات کرتا رہتا ہوں، کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ذوالنون کے اسی بچے احتیانات ختم ہوئے ہیں، چند دن پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ جب اس کے احتیانات ہو رہے تھے“۔

”خضرئی کی منگنی کی تاریخ مانگ رہے ہیں وہ لوگ۔ ماما سے بات کی تھی میں نے، وہ کہہ رہی ہیں سب ساتھ بیٹھ کر مشورہ کر لو، جب کسی کی کوئی مصروفیت نہ ہو تو وہ تاریخ ان کو دے دی جائے“۔ خاصے غریبے بعد محمد صاحب صنوبر کو کاروغ ملے تھے۔ وہ فرصت سے باتیں کر رہی تھیں۔

”اگلے بچے مجھے ایک کانفرنس میں اسلام آباد جانا پڑے گا، تب تک ہسپتال کی تمام ڈسے داریاں خضرئی اور ہنزہ پرور ہیں گی اور اس سے آگے آنے والے کئی بچے ہمیں ہانپ نہیں ملے گا۔ دراصل ہم اور سینئر زل کر ایک تحریک چلا رہے ہیں۔ ان بے ایمان اور بے ضمیر لوگوں کے خلاف جو مسیحاؤں کے بہرہ پر میں چور لیرے ہیں، ان جیسے شیطان مفت لوگوں کی گناہوں کی کاوشوں کے باعث آج انسانی اعضاء کا کاروبار مردج پر ہے۔ خاص طور پر گردے کی تجارت سر فیر مست ہے“۔

”انسان اپنے مقام سے کتنا گر تا جا رہا ہے۔ دولت حاصل کرنے کی ہوس میں وہ اللہ کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ موت کو بھی بھول

جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک نئے جینٹل پرایک خبر دیکھی تھی۔ پڑوسی ملک کے نوجوان کے کوئی ایسا ہی ڈاکٹر و دنوں گردے نکال کر فرار ہو گیا تھا۔ اس بڑے کا درد و کرب میں تڑپا چہرہ۔ بے بسی سے بہتے آنسو میں آج تک بھلا نہ کی ہوں۔ "صنوبر کے لہجے میں درج و ملال تھا۔

"ایسے بے شمار کیسز ہمارے یہاں بھی موجود ہیں۔ ہم یہی کوشش کر رہے ہیں، لوگوں کو زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جا سکیں، بلکہ ہم ایک ایسا قانون پاس کروانے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں لوگوں کو اس امر کے لیے راضی کیا جائے کہ وہ بخوشی اپنا ایک گردہ وقف کریں، جب ایسا ہوگا تو از خود ہی یہ چوریاں رک جائیں گی۔ مردہ ضمیر لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ ایسے لوگ بھی راہ راست پر آجائیں گے جو کاروبار کرتے ہیں اور ضرورت مندوں سے لاکھوں روپیہ ہوتے ہیں۔"

☆.....☆.....☆

کرن بالکل صحت یاب ہو گئی تھیں۔ اب جھڑی بھی استعمال نہ کر رہی تھیں۔ بغیر جھڑی کے وہ چلتے ہوئے بے حد خوش محسوس کر رہی تھیں۔ اسی خوشی میں انہوں نے آج ڈر پر خاصا اہتمام کیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے کئی ڈشز بنائی تھیں۔ بہت خوش گوشت ماحول میں کھانے اور گرین فی کا دور چلا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سعد اور قاریہ نے اس کو تھانف دینے تھے۔ انس پہلے ہی بلیک ڈائننگ کا ٹیکس سیٹ گفٹ کر چکا تھا۔ "کرن! میں سوچتا ہوں میں اس قافلے تو نہ تھا کہ تم جی شریک حیات مجھے ملتی۔ میں اکٹرو سوچتا ہوں اگر تم مجھے نہ ملیں تو آج زندگی کا چہرہ اتنا حسین نہ ہوتا۔ اتنے بڑے سانچے سے گزر کر کیا میں اس طرح خوش و مطمئن رہ سکتا تھا؟ اس نے میرے جذبوں کو، میرے احساسات کو، محبت کو قتل کر دیا تھا۔ جذبوں کا قتل انسانی قتل سے زیادہ سنگین ہوتا ہے لیکن شاید میرے جذبوں میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ احساسات پوزی طرح ہلاک نہ ہوئے تھے۔ محبت لب جاں تھی تمہاری بے غلوں رفاقت پا کر از سر نو ہر جذبہ، ہر احساس بیدار ہوا اور میں خود کو آج خوش نصیب انسانوں میں شمار کرتا ہوں۔" وہ سامنے بیٹھی کرن سے پیار بھرے لہجے میں مخاطب تھے۔

"آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں جن سے مجھے شرمندگی ہو، آپ کی اعلیٰ عمرنی ہے جو مجھے ہی ادنیٰ حیثیت کا آپ نے رتبہ بڑھایا ہے۔ مان دیا ہے، دگر نہ میں خاک کے ذرے سے بھی بکتر و بے وقعت تھی۔" کرن کی آنکھوں میں آنسو جھللائے لگے تھے۔

"اوسہ۔۔۔ یہ حسین رات آنسو بہانے کے لیے نہیں ہے۔" انس نے بڑی چاہت سے ان کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

"میرا دل چاہتا ہے تجھ پر محبت بار بار دہرائے ہوں، کیونکہ ہر بار مجھے ایک نئی سرشاری دسرت محسوس ہوتی ہے۔" بلوسا زمی میں اس کے حسین چہرے پر چھائی قوس قزح بہاروں کی طرح دل کش لگ رہی تھی۔

"نہ معلوم کیا بات ہے، میں آج کل شدت سے محسوس کر رہی ہوں کہ جو رین کی یاد مجھے ہمہ وقت آنے لگی ہے۔" بہت خوب صورتی سے انہوں نے ان کی دادرگشی سے بچنے کی راہ نکالی۔

"بہت استاد ہو۔" وہ خوشی سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

”حورین کے امتحانات ختم ہو گئے ہیں۔ ہریرہ اور نثر بھی فارغ ہیں ہم ان کو کل ہی بلوالیتے ہیں۔“

”حورین یہاں آنے کو راضی نہیں ہے، میری آج فون پر بات ہوئی ہے، وہ کہتی ہے یہاں بوریٹ ہے اور بی بی جان نے دمی کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے، وہ جلد ہی دمی کی شادی کا ارادہ رکھتی ہیں۔“

”مجھے بھی کال کی تھی، سمیرا بھائی اور انظہر بھائی نے بھی مہلک ہادوی تھی۔ میں نے سعد کو کہا ہے کہ وہ فاریہ بھابی کو لے کر مبارک باد دینے جائیں۔ اسنے اہم موقع پر اپنیوں کی شمولیت ضروری ہے۔“

”سعد بھائی نے کیا جواب دیا؟“

”سعد نے کوئی جواب نہیں دیا، جانتی ہو فاریہ بھابی تمہاری تمہائی کے خیال سے جانا پسند نہیں کریں گی۔“

”میرا خیال رکھنا ایسا ضروری نہیں ہے۔“

”محبت خیال رکھنا سکھا دیتی ہے جان من۔“

”ایک سر پرانہ زوڑوں آپ کو۔“ وہ انس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پولیس تو وہ سرور سے اُنھ بیٹھے۔

”ہاں وہاں کیوں نہیں؟“ انس کے انداز میں تجسس تھا۔

”میں..... آپ لوگوں کے ساتھ کراچی چلوں گی۔“

☆.....☆.....☆

”ہریرہ، ہریرہ۔ کہاں ہو بھی؟“ حورین نے تیز لہجے میں کہا۔

”دل کی آنکھیں کھول کر دیکھو۔ ہر جگہ، ہر سمت، ہر سو مجھے ہی پاؤ گی۔“ وہ وہ جیبہ چہرے پر شرع مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے تھا۔

”ہریرہ! میں سیریس ہوں۔“

”مجھے سیریس ہونے ایک عرصہ ہو چکا ہے۔“

”تم اسی حسرت میں مر جاؤ گے، دیجئے۔“

”ذرا پیار سے سمجھاؤ تو شاید سمجھ جاؤں۔“

”ہمیں شاپنگ کرنی ہے، تم فافٹ تیار ہو جاؤ۔“

”شاپنگ پر؟ نہ ہا ہا صاف کرؤ۔“ اس نے فوراً کان پکڑے۔

”شاپنگ سینٹر چلنے کو کہا ہے، پچانسی کے تختے پر لٹکے کو نہیں کہا۔“ اس کی شوخیاں حورین کو ہمیشہ چڑا دیا کرتی تھیں۔

”ایک ہی بات ہے تم تو ایک ٹاپس کی جوڑی بھی پورا شاپنگ سینٹر چھاننے کے بعد لیتی ہو، پوری شاپنگ کرو گی تو لگتا ہے میں

یوڑھا ہو کر واپس آؤں گا۔“ ہریرہ کہاں باز آنے والا تھا۔

”مبالغہ آرائی کوئی تم سے سکھے۔“

”تم چل رہے ہو یا نہیں؟“ وہ پاؤں تلخ کر بولی

”ایک شرط پر چلتا ہوں۔“

”کیسی شرط؟“

”پہلے..... کیواؤ لکھو۔“ وہ مسکرایا۔

”جہنم میں جاؤ۔“ حسب توقع وہ غصے سے چبھی تھی۔

”نامی! سیرا تمہارے بغیر کہیں دل نہ لگے گا۔“

”تم کیا سمجھتے ہو، میں تمہارے بغیر جا نہیں سکتی، دیکھنا چاہیے جا کے دکھاؤں گی، بڑے آئے سپر مین بن کر۔“ وہ اسے شعلے لگتی لگا ہوں سے دھمکتی ہوئی گیسٹ کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

”بچھتاؤ گی بازار میں گم ہو جاؤ گی۔“

”کچھ اس کرتے رہو میں تمہیں جا کر دکھاؤں گی۔“ وہ اسے چیلنج کرتی ہوئی واپس چلی۔ اس کا پرس صوفے پر ہی پڑا رہ گیا تھا۔

جریرہ نے پرس سے رقم نکال کر وہیں چھوڑ دیا اور خود اپنے روم میں آکر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے معلوم تھا حورین اس کے اور رقم لیے بغیر نہیں جائے گی۔

☆.....☆.....☆

پورا ایک ہفتہ اس نے بہت خاموشی سے کونین کی حرکات و سکنات کو دیکھنے اور دیکھنے میں لگا دیا اور اس دوران اس پر کئی انگشتاں ہوئے کہ کونین کسی ایسی پریشانی میں مبتلا ہے جو اسے ہر دم گھیرے رہتی ہے۔ شوخ و خوش مزاج کونین سنجیدہ آدمی بن کر رہ گیا تھا۔ خاص بات جو اس نے نوٹ کی تھی وہ بہت حیرت انگیز و گہرا انگیز تھی۔

مما اور اس کے درمیان خاصے فاصلے آگئے تھے۔ ہاتھ سے بھی دور ہو گیا تھا۔ یہ انگشتاں ایسے تھے کہ اسے حقیقی معنوں میں تشویش نے آن گھیرا تھا، کیونکہ کونین نے شروع سے ممہا کی سائیڈ لی تھی، دودھ از حد مہربان تھا، ان پر دان کے خلاف کوئی جائز لفظ بھی سننے کا روا وارد تھا۔ ان کے حکم پر وہ آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کا عادی تھا۔ اب نہ معلوم ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ ممہا سے ہاتھ بھی برائے نام کرنا تھا اور زیادہ تر وقت اپنے روم میں گزارنے لگا تھا۔

”ہمارے درمیان یہ اجنبی فاصلوں کی خلیج کیونکر پیدا ہوئی ہے بھائی؟“ وہ موقع دیکھ کر اس کے پاس جا پہنچا تھا۔

”کیسے فاصلے؟ کیسی خلیج؟ میں تو تمہارے پاس ہوں، تمہارے قریب۔“ کونین کہتا ہوا اس کے گلے سے لگ گیا تھا۔ ذوالنون

نے بھی بڑی چاؤ سے اسے لپٹا لیا تھا۔ کونین کی آنکھیں بھرا آئیں، بمشکل انہیں چھلکنے سے روکا تھا۔

"بھائی! آپ جانتے ہیں میرا بچپن، بچپن میں رخصت ہو گیا تھا۔ چھ سات سال کی عمر میں میرا ذہن بالغ ہو گیا تھا پھر اب تو واقعی میں بڑا ہو چکا ہوں۔ اس لیے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش بالکل مت کیجئے گا۔ سچ کی پرکھ ہے مجھے۔" وہ بھائی کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کبہہ ہاتھ تھا۔

"تم جو پوچھتا چاہتے ہو پوچھو، میں سچ بولنے کی کوشش کروں گا۔" کونین کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بددی و تسکین تھی۔

"شادی سے انکار، پھر ملک سے فرار ہونے کا منصوبہ کس لیے ہے؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں تمام مسائل۔"

"آپ نے حقیقت چھپائی ہے۔ اس دن بھی مجھے آپ کے لفظوں سے جھوٹ کی بو آ رہی تھی اور ابھی بھی وہ بو برقرار ہے۔"

ذوالنون کے انداز میں گہری تنبیہ کی تھی جس سے اپنائیت، بے حد محبت و انسانیت کی خوشبو آ رہی تھی۔

اس کا دل تو پہلے ہی گھائل و اجڑا ہوا تھا۔ انہوں کی سازش نے اس سے زندہ رہنے کی اُمتگ ہی چھین لی تھی۔ پہلی بار اس نے باپ کی کمی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔ ان کی موجودگی میں اسے اس درد سے نہیں گزرتا پڑتا، اگر ایسا ہوتا بھی تو دوبار کے سینے سے لگ کر وہ تمام آنسو بہا دیتا جو اس کے اندر گھر رہے ہیں اور اس سکتے آنسوؤں کی ٹھنڈی بڑھ کر اسے بے کل کیے دے رہی تھی۔

ذوالنون کو دیکھ کر اسے بڑی تقویت ملتی تھی۔ اپنی مضبوطی کا احساس ہوتا تھا، اس لمحے بھی وہ چاہ رہا تھا کہ اس کے سینے سے لگ کر وہ تمام آنسو بہا ڈالے جو اس کے اندر عیز اب میں رہے ہیں۔ وہ وجہہ شکل، ذہن آنکھوں، حساس دل والا ذوالنون، اس کے چہرے کے ہر نقوش سے دوا اپنے لیے پیار و گرمندی جھلکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

مما کے رویے سے بدظن ضرور تھا مگر انہیں کوئی رنج پہنچانے کا ارادہ نہ رکھتا تھا، اس لیے ہونٹوں پر قفل لگا لیے تھے کہ ایک عرصے بعد ذوالنون اس کے قریب ہوا تھا۔ ان کا خیال رکھنے لگا تھا، اگر اس کے منہ سے سچائی نکل گئی تو وہ ایسا تباہ کن طوفان بن جائے گا جس کی زو سے کوئی شے تباہ ہونے سے نہ بچ پائے گی۔

"بھائی! جھوٹ کے لیے اتنا سوچنا پڑتا ہے، سچ ان اعتبار سے برا ہوتا ہے۔" وہ اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر کہہ بیٹھا۔

"سچ تمہاں نہیں رہے، اب جھوٹ بولنے کے لیے سوچنا تو پڑے گا۔" وہ چہرے سے ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

"مجھے لگسوں رہے گا اس بات کا کہ آپ نے مجھ پر اکتفا نہیں کیا۔" یک دم ہی اس کے لہجے میں ڈیروں تسکین اور افسردگی در آئی۔ کونین مضطرب ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیا کہے جو ذوالنون کو مطمئن کر دے اور اس کی پردہ داری بھی قائم رہے۔ اس کی نظریں غلاؤں میں جھلکنے لگیں۔

"میری جان! میں تم پر سب سے زیادہ اعتبار و اعتماد کرتا ہوں، مگر ایسا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں جو تم سے شیر کروں۔" اسے مسلسل خاموش دیکھ کر کونین نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"بڑا پیار آ رہا ہے تمہیں اپنے اس سڑیل حراج بھائی پر۔" میرون و گولڈن باری درک والی ساڑھی میں ہلکی پھلکی تیاری میں

منال وہاں آکر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

”آپ زیادتی کر رہی ہیں مہا پرنس جیسے لوگ دنیا میں کم ہی آتے ہیں۔“

”ہاں آپ بھائی کی حمایت نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔“ وہ جھٹتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئی تھیں۔

”مہا! آپ نے اس بات کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟“

”کس بات کا پرنس؟“

”بھائی کسی دوسرے ملک میں سیٹل ہونے کی بات کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ پوری سنجیدگی سے مخاطب ہوا۔

”پرنس..... پرنس کی وجہ سے۔“ وہ نرمی طرح گمز بڑا گئیں۔

”یہ کوئی وجہ نہیں ہے مہا! ہمارا پرنس بہت مستبوط پوزیشن میں ہے۔ چائیز اور جاپانیز آئلز ہماری تیار کردہ مصنوعات کا کسی طور مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں اس لیے ہمیں بیرونی مارکیٹ میں فضول محنت کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس کے انداز میں قطعیت تھی۔

”بابا کے جانے کے بعد بھائی کے جانے کی گنجائش رہتی ہے؟“ پرانے زخموں سے ناکھٹے ٹوٹے گئے تھے۔ ”کیا ہماری قسمت یہی ہے کہ ہم ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے جدا ہوتے رہیں، سسکتے رہیں؟ جدائیاں ہی ہمارا مقدر ہیں؟“

”پرنس! یار اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟“ کونین نے اس کے شانے پر بازو رکھتے ہوئے کہا مگر اس کا موڈ بدستور آف تھا۔

”نانا جان! ٹھیک کہتے ہیں آپ کی شادی ہونی چاہیے، پھر ہم دیکھیں گے آپ کہاں بھاگتے ہیں، کیوں مہا! آپ کا کیا خیال ہے؟“ اس کا موڈ یک دم ہی ہشاش بشاش ہو گیا۔

”اور..... پرنس! آپ بھی ایسی لنگو کر سکتے ہیں۔“ منال سرت بھری حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔ دونوں مسکرائے تھے۔

”مہا! میں بھی اس دنیا کی مخلوق ہوں، نہنا مسکرانا آتا ہے مجھے۔“

”یوں کہہ سکتے ہیں اس معاملے میں سنجوس ہیں۔“

”اور کے، جیسا تم چاہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔

”مجھے شاپنگ سینٹر جانا ہے، چل رہے ہو کونین؟“

”پرنس کو لے جائیں مہا! ان کو بھی تجربہ ہونا چاہیے۔“ منال کی طرح اس کا انداز بھی جھینپا جھینپا سا تھا۔

”میں اور شاپنگ، کم از کم مجھے لیڈر شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی میں کارڈس پیڑ کرانٹاکٹر کر سکتا ہوں۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوگا، میں اپنی شاپنگ خود کرتی ہوں اور ایک ہی بلیٹک سے کرتی ہوں، حتم ضائع نہیں کرتی۔“ آپ چل کر ہوئیں

ہوں گے پرنس! اور اصل کونین نے آج تین مینٹگرا انینڈ کی ہیں، بہت تھک گئے ہوں گے، اس لیے آپ کو ہی چلنا ہوگا میرے ساتھ۔“ اس کے لہجے میں مان بھرا اصرار تھا، سو وہ راضی ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

و دھسے سے مول کو لے کر مارکیٹ چلی آئی تھی۔ اس نے پرس چیک کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ جھوٹی مولیٰ شاہک کی اماں گل مول نے کی تھی، پھر بوتیک سے انہوں نے خاصی خریداری کی تھی۔ کپڑے، جیولری، جوتے اور میچنگ پرس۔ ایک کے بعد ایک وہ چیک کرواتی گئی تھیں، کاؤنٹر پر شاہر زکاؤ حیرانگہ گیا تھا۔

”مول! پرس سے روپے غائب ہیں۔“ مل کی اماں گل کے لیے جیسے ہی اس نے پرس کھولا، رقم کو غائب پا کر پریشانی سے گویا ہوئی۔

”میرے سامنے تو تم نے رکھے تھے، آرام سے دیکھو۔“

”نہیں ہیں..... بار بار دیکھ چکی ہوں۔“ کلف شاہک کرنے دو پہلی بار آئی تھیں۔ کاؤنٹر اذہر چہرے سے سخت مزاج لگ رہی تھی۔ اس سے کسی لحاظ و مروت کی توقع ہی عبت تھی۔

”اود۔ میرے پرس میں بھی معمولی سی رقم ہے اور یہ میڈم مجھے رعایت دیتی ہوئی نظر بھی نہیں آ رہی۔ بڑی سیکی ہوگی اگر انہوں نے ہماری درخواست نہ مانی تو.....“

مول بھی اس صورت حال پر سخت پریشان ہو گئی تھی۔

”ریلیکس..... میں بات کرتی ہوں، اگر چاہیں گی تو اعتبار کریں گی، ورنہ سامان واپس کر دیں گے۔“ حورین کی خود اعتمادی عود کر آئی تھی۔

”ہلیز ادا ہنسی کی بات مت کرو، کسی طرح سے راضی کر لو کہ دو سامان ہمیں دے دے، مگر جا کر ہم چار جز پہنچا دیں گے۔“ مول کسی طرح سے دو سامان چھوڑنے کو راضی نہ تھی۔

ڈوالتون منال بیگم کو بوتیک میں معروف چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا۔ خوب صورت انداز میں نئی سجائی ہوئی کس اور شاہک پر لڑکیوں و عورتوں کا رش تھا۔ ہر چہرہ عروقت کی قید سے آزاد و میک آپ کے ڈیسر میں ڈوبا ہوا تھا۔ الزما رڈرن، فیشن ایبل نظر آنے کی جستجو میں بادقار لباس و باحیا انداز کو خیر باد کہتیں، دعوت نگارہ دیتی، وہ عورتیں اور لڑکیاں اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں جن کی نگاہوں کی زد میں وہ خود کو مسلسل محسوس کر رہا تھا اور اسی احساس نے اس کے چہرے پر ناگواری و نا پسندیدگی کے رنگ بکھیر دیئے تھے۔ وہ ان ستائی نظروں کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، جب اس کی نگاہ سامنے آئی تھی۔

شاہک چنگ سوٹ پر بلیک اسٹارز کے فینسی کام والے لباس میں اس کے چہرے کی ٹھایاں نمایاں تھیں، کاؤنٹر پر شاہر زکاؤ حیران تھا۔ قریب وہ کھڑی کاؤنٹر پر موجود خاتون کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ عورت مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

ڈوالتون اس کی طرف بڑھ گیا۔ قدموں کی آہٹ اور تیز کلون کی خوشبو پر اس نے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ وہ آہستگی سے بولا۔

”میں..... رقم گھر بھول آئی ہوں۔“ اس کے منہ سے بروقت نکلا۔

”نو پر اہلہم۔“ کہتا ہوا وہ آگے بڑھا اور اس کے انکار کے باوجود کاؤڈر پر ادا ہو گئی۔ حورین مارے شرمندگی دتوہن کے کٹ کر رو گئی تھی۔ وہ ادا ہو گئی کر کے جا چکا تھا، مگر اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

”حورین! میں نے باری باری سب کو فراموش کیا ہے۔ لگتا ہے سامان چھوڑ کر ہی جانا پڑے گا۔“ مول اس کی کیفیت سے بے خبر قریب آ کر گویا ہوئی تھی۔

”تمہیں، شوفر کو بلاؤ، وہ سامان لے کر جائے گا۔“

”یہ کیا بول رہی ہو تم؟ اور تمہیں ہوا کیا ہے۔ اتنی سردی میں بھی پیسے میں تر ہو، چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں؟“ مول حیران و پریشان تھی۔

”سائین کی قیمت، ذوالنون نے ادا کر دی ہے۔“ ان چند لفظوں کی ادا ہو گئی نے گویا اس کے حلق میں خراشیں ڈال دی تھیں۔ کتنا تکلیف دہ واذیت ناک، دوتا بہان لوگوں سے ایسے وقت میں مدد حاصل کرنا، جب خواہشوں کے اعتبار سامنے ہوں اور پرس خالی۔ اس کے سامنے ہمیشہ اپنی خودداری وانا کا پرچم اس نے بلند رکھا تھا اور اس طرح بھرے ٹھنڈے میں وہ اس کی خودداری وانا پر بھرپور چوٹ لگا گیا تھا اور وہ خود کو زمین میں دھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

”اوہ! ذوالنون بھائی یہاں آئے تھے؟“

”کاش اس کے آنے سے قبل موت آ جاتی۔“ دل سے کراہ گئی۔

”تم نے ان سے کہا کہ ہم رقم گھر بھول.....“

”ہائیز! شوفر کو بلاؤ، لوگ ہماری طرف متوجہ ہو چکے ہیں، مگر جا کر سب معلوم کر لینا۔“ مول کی ذوالنون کے نام پر پڑ جوشی اسے ایک آنکھ نہ بھائی۔ وہ منہ بنا کر بولی۔ مول اس کی جانب دیکھتے ہوئے شانے اچکا کر باہر نکل گئی، چند لمحوں بعد ڈرائیور اس کے ہمراہ تھا۔

”تمہارا موڈ کیوں آف ہو گیا ہے، حالانکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ.....“

”اس نے مجھ پر احسان کیا ہے۔“

”احسان تو احسان ہی ہوتا ہے، اب تم نہ مانو تو دوسری بات ہے۔“

”وہ احسان تو ایسے کر کے گیا، گویا بھیک دے کر گیا ہو، دل ادا کرنے کے بعد ایسا گیا ہے جیسے کسی فقیر کے کٹورے میں نوٹ ڈالنے کے بعد کوئی بندہ مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔“ وہ بوتیک سے نکل کر فرسٹ فلوئر کی جانب بڑھتے ہوئے اسے تمام روواؤنا چکی تھی، جسے من کر مول نے کہا۔

”تم غلط سمجھ رہی ہو حور! اصل میں وہ اتنی نرم طبیعت کے ہیں تمہاری سبکی کے خیال سے پھر غلط نہ ہوئے ہوں گے۔“

”میں سب جانتی ہوں، تمہاری اور اس کی فطرت۔“

”ادو خدایا، تم خواہ تو ادا کرے چہا رہی ہو، بجائے ان کی مسنونیت کے، تم اُنہی التزام لگا رہی ہو ان پر، اگر انہیں تماشہ ہی دیکھنا ہوتا تو وہ آکر بل کیوں ادا کرتے؟“ مول کو اس کے انداز پر اعتراض تھا۔

”بس خاموش رہو، میں جانتی ہوں تم ویسے بھی اس کی ہمدردی کے فیور میں مبتلا رہتی ہو، تمہیں میں ہی غلط نظر آؤں گی۔“ وہ چڑ گئی۔

”مائی گاؤ تم نے معلوم کب ان کی خطائیں معاف کرو گی؟ تمہارے ساتھ وہی مثال فٹ ہوتی ہے۔ نیکی کرو یا میں ڈال۔“ مول جھپٹتے ہوئے باہر نکل آئی تھی، جبکہ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

باہر سردی کا احساس نمایاں تھا، ہوا میں بھی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔

”حورین! باہر سردی کچھ زیادہ ہی لگ رہی ہے، یہاں سے گھر کا فاصلہ طویل ہے، کیونکہ نہ کافی پی لیں، کیفے بھی سامنے ہے۔“

مول نے دوپٹے کو اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔

”میرا موڈ بالکل بھی نہیں ہے۔“

”ہلیز امیری خاطر پی لیتا۔“ وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

”یاد کرو، ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، بل کی ادائیگی کے لیے اب کون آئے گا؟“ وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

”ارے اب ہم اتنے بھی غریب نہیں ہوئے کہ کافی نہ پی سکیں۔ میرے پرس میں اس وقت اتنے روپے ہیں کہ ان میں ہم ڈنر بھی کر سکتے ہیں۔“ مول جھپٹتے ہوئے گویا ہوئی تھی تو وہ بھی بے ساختہ مسکرائی تھی۔ اسی لمحے اس کی نگاہ سامنے پڑی تھی اور وہ نگاہ جھپکنا بھول گئی تھی۔

مہرون، گولڈن ہناری ساڑھی میں ملبوس، شانوں اور سینے کے گرد میچنگ ریشمی شال ڈالے تک سبکی تیار اس کی ماما کی ہم شکل باوقار عورت کھڑی سیل پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔

”کیا ہوا؟ تم کیوں حیران کھڑی ہو؟“ مول نے حیرانگی سے کہا۔

”حیرت، یہ خاتون بالکل میری ماما کی طرح ہیں۔“ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں مول نے بھی دیکھا، وہ بھی حیران ہوئی تھی۔

”ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو، کرن آئی کو کبھی قریب سے نہیں دیکھا مگر فونوز میں دیکھ کر وہ یاد ہیں۔ یہ خاتون حیرت انگیز طور پر کرن آئی کا ٹکس لگ رہی ہیں۔ تمہوؤں فریق یہ ہے کہ یہ معمولی سی موٹی ہیں، اگر اسات بوتیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا، یہ کرن آئی نہیں ہیں۔“

دو دونوں کھڑی باتیں کر رہی تھیں، تب ہی ڈالٹون وہاں نظر آیا تھا، اس کی نگاہ ان دونوں پر پڑی تھی۔ مول نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ مول کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ درآئی تھی۔

”ارے وہ دیکھو، ڈالٹون بھائی۔ چلو ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔“ مول اسے ہاتھ کے اشارے سے دس کرتی حورین سے بولی۔

”ضروری نہیں ہے، میں نہیں جاؤں گی۔“ ڈالٹون پر نگاہ پڑتے ہی اسے اپنی بے عزتی کا احساس مزید قوی لگا تھا۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

”ہماری مشکل میں جو کام آئے، اسے کھینکس کہنا ہمارا فرض ہے۔ تم اپنے کپلیکس سے باہر مت نکلنا، انا کے زعم میں تمام میوز بھول جاؤ، مگر میں ایسی احسان فراموش نہیں ہوں۔“ مول زیادہ بولنے کی عادی نہ تھی مگر اس وقت حورین کی ہٹ دھرمی نے اسے جڑا دیا تھا۔ وہ دوڑیا، شمرین، رورا سے اس کی حمایت لیا کرتی تھی مگر اس کی بے لگی ضد نے اسے تپا کر رکھ دیا تھا۔

”ہاں وہاں جاؤ۔ جاؤ جا کر اس کے پاؤں دھو دو کہ پوہا اگر اس سے بھی اس کے احسان کا بدلہ پورا نہ ہو تو اس کی غلامی کرنے ساتھ گھر چلی جانا۔“ حورین بھی اس وقت کوئی ادھار رکھنے کے موڑ میں نہیں تھی۔ وہ آس پاس گزرتے لوگوں کے خیال سے دھیسے لہجے میں گفتگو کر رہی تھیں۔

”ایک سکیم زی۔“ وہ کرن کی ہم شکل خاتون سیل فون پر اس میں رکھتے ہوئے ان کے قریب اڑ خود ہی آگئی تھیں۔

”جی.....“ وہ دونوں چونک اٹھی تھیں۔ ان کو اپنے سامنے دیکھ کر جب کہ ذوالنون بھی دھیمی رفتار سے اسی طرف آ رہا تھا۔

”میں نے سوچا خود ہی جا کر ان سویت سی لڑکیوں سے تعارف کراؤں جو بہت دیر سے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے آپس میں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔“ وہ ان کی طرف آ کر خوش ولی سے گویا ہوئیں۔

”اوہ، سویری میڈم اور اہل میری کرن کی ماما کا فیس سیم آپ کے فیس جیسا ہے، ہم حیران ہو رہے تھے کہ کیا کوئی اتنی مشابہت بھی رکھ سکتا ہے۔“

”ہیلو مول ایکسی ہو؟“ ذوالنون قریب آ کر گویا ہوا۔

”میں ٹھیک ہوں..... کیا آپ دونوں.....“ وہ گوگو کی کیفیت میں تھیں۔

”یہ میرا بیٹا ہے۔ پرئس نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ مول سے تو تعارف ہو گیا ہے۔ آپ کا نام کیا ہے بیٹا؟“ ان کا روئے سخن اس کی طرف تھا۔ ان کی سیاہ چمک دار آنکھوں کے حصار میں اس کا چہرہ تھا جو خود کو اس وقت بے حد بے وقوف و بے بس محسوس کر رہی تھی۔ ماما کے چہرے والی یہ عورت تھا ہوتی تو وہ ان سے بہت اچھی طرح ملتی۔ اپنے تمام احساسات ان سے شیر کر تے جو انہیں دیکھ کر اس کے دل میں جا سکے۔ تھے مگر پاس کھڑے ان شخص نے سارے احساسات سنبھال کر دیئے تھے، حالانکہ وہ اس وقت اس سے بالکل اجنبی بنا کھڑا تھا۔ مول سے گفتگو کرتے وقت بھی اسے بالکل نظر انداز کر چکا تھا۔

”حورین“ ان کے دہرانے پر اسے کہنا پڑا۔

”گڈ ہیو مول..... حورین..... بہت خوب۔ ایک بات ہے آپ کو میری شکل اپنی ماما سے ملتی نہیں، دوری ہے اور مجھے بھی آپ کچھ“ اپنی اپنی“ سی نہیں ہو رہی ہیں۔“ ان کا اہلکار حورین کی جانب مائل تھا۔

”ماما! انو نے جلدی آنے کو کہا تھا۔“ ذوالنون نے مداخلت کی۔

”اوہ، ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ بی بی جان پریشان ہو رہی ہوں گی۔ سردی بھی پڑھ گئی ہے۔“ اس نے مول کو چلنے کا اشارہ

کرتے ہوئے معذرت بھرے لہجے میں ان سے جان چھڑانی چاہتی تھی، جن کی نگاہیں اس کے اندر عجیب سی بے چینی بھر رہی تھیں۔ بے نام الجھن و گھبراہٹ اسے اپنے اندر بھنپتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور دل کہہ رہا تھا، ان نظروں سے ادا مکمل ہو جاؤں۔

”ہم کافی پیٹنے جا رہے ہیں، آپ دوڑوں بھی ساتھ چلیں، نہ جانے کیا ہو رہا ہے اس دل کو، آپ سے بہت ساری باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔“ منال کے لہجے میں سچ تھا۔ نہ معلوم کیا ہوا تھا انہیں کہ میڑھیاں اترتی اس لڑکی کو انہوں نے دیکھا تھا۔ پھر دل میں عجیب سی خواہش مچ گئی کہ اسے بار بار دیکھیں اور دیکھتی رہیں۔ شومئی قسمت اس وقت انہوں نے اس لڑکی کو اپنی جانب چمک کر متوجہ ہوتے دیکھا تھا اس نے ساتھ دوسری لڑکی کو بھی اس طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ اس دوران میل کے بہانے اس کی جانب ہی کن اکٹیل سے دیکھ رہی تھی۔ دوسری لڑکی کی آنکھوں بھی ابھرتی حیرانگی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ وہ اپنے اندر ابھرتے تجسس سے باز نہ رہ سکیں۔ اسی اثنا میں ذوالنون شاپنگ سیلنگز کار میں رکھ آیا تھا۔ دوسری لڑکی نے ذوالنون کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔ ان کے تجسس کو مزید ہوا مکی، پھر ان کو ذوالنون سے یہ معلوم کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ دونوں یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ وہ سیدھی ان کی طرف چلی آئی تھیں۔

”سوری..... ہمیں دیر ہو رہی ہے۔“ حورین نے معذرت کی تھی۔
 ”سوری نہیں چلے گی، آپ کو کافی مٹی ہوگی، کم آن پلیز۔“ منال اس کا ہاتھ تھام کر بڑی اپنائیت سے آگے بڑھی تھیں۔ ساتھ مول کو بھی لیا تھا۔

حورین اس التفات پر بری طرح شہنا مگی تھیں۔ مول کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار تھی۔ وہ بڑی شرارتی نظروں سے حورین کو دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں سے زیادہ سراسیمہ و حیران ذوالنون تھا۔

وہ کسی کو خاطر میں نہ لانے والی ماں کا یوں حورین پر بری طرح فریفتہ ہونا، اپنائیت بھری گفتگو و ریشہ خطمی ایسا رویہ تو کبھی اس نے ان کو کسی کے ساتھ کرتے نہ دیکھا تھا۔

کافی کے ساتھ چیر، سینڈ ویچ اور بزرگ کا آرڈر اس نے دیا تھا۔ مگر حورین سے اترتے ہوئے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ ماما کا اعزاز اسے اب نرمی طرح کوفت میں جٹا کرنے لگا تھا۔ ان کا حورین کو لٹ دینا اسے ناگوار لگ رہا تھا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے نخیل پر پڑا میگزین اٹھا لیا تھا۔

”آپ کے والدین آپ کو بہت چاہتے ہیں؟“ وہ حورین سے مخاطب ہوئیں۔

”جی..... لیکن وہ یہاں نہیں، اسلام آباد میں ہوتے ہیں۔“

”اوہ..... آپ یہاں کس کے پاس ہیں؟“

”دونوں ماموں کی فیملیز ہیں، ایک خالہ بھی ہیں جنہیں ہم سب بی بی جان کہتے ہیں۔“ دو آہستگی سے بتا رہی تھی۔ چہرے پر گھبراہٹ تھی، اس دوران کافی دینندہ چیز اور برگر آچکے تھے۔ اسرار کے باوجود اس نے صرف کافی لی تھی۔ اس کے گھونٹ بھی کسی بد مزہ

سیال کی مانند اس کے مطلق میں اتر رہے تھے۔ اس کے دہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح اس شخص کے ساتھ بیٹھ کر اپنے بارے میں گفتگو کرے گی۔ بظاہر وہ شخص لائق و بے نیاز بنا بیٹھا تھا مگر وہ جانتی تھی اس کی ساتتیں اس طرف مرکوز ہیں۔ چہرے پر ناگواری و ناپسندیدگی ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا اپنی مہما سے ایسے رویے کی توقع نہ کرتا تھا۔ مثال کی نظریں انکسے کی طرح ایک ایک نقوش کا جائزہ لے رہی تھیں اور ان کے اندر کی دنیا میں ظلم برپا تھا۔

لاشعور بہت سی سرگوشیاں کر رہا تھا۔

آگہی و ادراک بھی اٹھ اٹھایاں لے کر بیدار ہو رہے تھے۔ شدید شور، شدید ہنگامہ ان کے اندر پھیلا ہوا تھا۔ سب کی آوازیں ایسی گونجنے لگی تھیں کہ کوئی ایک آواز بھی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ وہ حورین کو دیکھ کر جاری تھیں۔ ذہن کے کیڑوں پر ماضی کی تصویر بننے دینے لگی تھی۔

"آپ کی مہما کی کوئی پچھڑی بہن ہیں؟"

"نہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ مثال پیچم بھی گویا حواس میں لوٹنے لگی تھیں۔ سب انہوں نے اپنی پوزیشن کلٹر کرنے کے لیے مول سے بھی ایسے ہی سوالات شروع کر دیے تھے اس دوران کافی کے ساتھ سینڈوچز و دیگر سے بھی لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ ذوالنون نے بھی صرف کافی پی تھی۔ سب دوا لیکس آکٹا ہٹ بھرے ٹائمرات چہرے پر سجائے بیٹھا تھا کہ ذرا سا اشارہ ملے اور وہ ہوا کی طرح غائب ہو جائے۔

حورین کے سیل فون کی ہپ پر ذوالنون نے چونک کر دیکھا تھا۔

"نہیں۔" اس نے اسکرین پر ہریرہ کے سیل نمبر دیکھ کر کہا۔

"تم شاپنگ کرنے نکل گئیں، پہلے پرس میں رقم تو چیک کر لیتیں۔"

"کیا مطلب؟" حورین کے انداز میں جھٹا ہٹ تھی۔

"تمہارے پرس سے میں نے رقم نکال لی تھی تاکہ میرے آنے تک تم جانہ سکو۔ مگر پرس چیک کیے بغیر چلی گئی۔ میں کب سے غرائی کر رہا ہوں، کوئی مسئلہ تو نہیں؟" وہ مشکور انداز میں پوچھ رہا تھا، لاؤڈ آؤن ہونے کی وجہ سے آواز بخوبی ذوالنون تک بھی پہنچ رہی تھی۔ چہرہ اس کا سپاٹ تھا مگر کن اکبیدوں سے وہ حورین کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ مول اور مثال گفتگو میں مگن تھیں۔

"ہریرہ! میں تمہیں مار دوں گی، مان سنس۔" اس نے غصے میں سیل آف کر کے پرس میں رکھا اور مثال سے اجازت لے کر اٹھ

کھڑی ہوئی۔

"آپ کی مہما کراچی آئیں تو ضرور ملوایئے گا۔" وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کار کی طرف بڑھتے ہوئے اسے محسوس ہو رہا تھا، گویا کسی گھٹن سے نجات ملی ہو۔

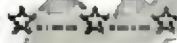
"کیا بات ہے یار! ذوالنون کی مہما پر کچھ زیادہ غار دکھائی دی ہیں۔ مجھے لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔" مول پارکنگ کی طرف

بڑھتے ہوئے سختی خیر لہجہ میں بولی۔

"کوئی کالا، پیلا نہیں ہے، تم اپنا داغ درست رکھو۔ بیٹے کی طرح وہ بھی کسی کمپلیکس کا شکار نظر آتی ہیں۔" حورین منہ بنا کر بولی۔
 "کیا..... تم کس قسم کی لڑکی ہو، دو تم سے اتنے اخلاق و محبت سے ملی ہیں، جنہیں اتنی اہمیت دی ہے اور تم کہتی ہو، وہ کسی احساس کمتری کا شکار ہیں۔"

"تم زیادہ اعتماد بھی کہہ سکتی ہو۔"

"میرے خدا۔ حورین! تم..... تم مجھے لگتا ہے سائیکی ہو گئی ہو۔" مول کو اس کا بے چارے انداز بالکل نہ بھایا تھا۔ وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی۔
 "یہ حقیقت ہے اس عورت نے مجھے ذرا بھی انسا نہیں کیا، میری ماما کی فیس کا پی ضرور ہیں مگر طبیعت میں میری ماما کے بالکل متضاد ہیں۔ کم از کم میں ان سے دو بارہ ملنا پسند نہیں کروں گی۔" وہ سامنے نظر آتی کار کی جانب بڑھ گئی۔
 اس لئے مول بھی اس سے پوری طرح بدقن ہو گئی تھی۔ اس کے خیال میں حورین نے بدظاہمی و احساس فراموشی کی تمام حدیں توڑ دی تھیں۔



وہ آفس سے گھر جانے کی بجائے صدا نکل کی طرف جانے والی سڑک پر کار ڈال چکا تھا۔ موسم خشکی سے بوجھل تھا۔ اس کے دل کی طرف احساسات سرد پڑ گئے تھے۔ انسان پر کیسے کیسے حالات کے تغیرات اترتے ہیں اور وہ انجان سا ان کی لپیٹ میں اُلٹتا چلا جاتا ہے، نہ اسے سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ چھوٹا سا کھڑا پوری طرح حاوی و احساسات پر قابض ہے۔ اس کے سر ہولنا منت انسانی زندگی جنت بھی بن جاتی ہے اور جہنم بھی۔ اس کے مزاج کی بدولت بہاریں گشتگاری ہیں، غزائیں ڈیرے لگاتی ہیں۔ انسانی زندگی کی باوشاہت کا تاج اسی کے سر پر ہے۔ جذبات و احساسات پر اس کی حکمرانی ہے۔ کل جب وہ ان راستوں پر کار دوڑاتا تھا تو لگتا تھا سفر طویل ہے، منزل نہ معلوم کب آئے گی؟ دیدار یاد کے لیے آنکھیں حد سے زیادہ بے قرار و بے چین رہتی تھیں۔ منتکس، آرزوئیں، یہی دعائیں کرتیں کہ پہلا دیدار اسی اپسر کا ہو جو اس کا چین و قرار لوٹ کر انجان بنی ہوئی ہے اور اب..... بالکل سلوڈ رائیوٹک کے باوجود لگ رہا تھا، صمائل کا گھر بہت قریب ہے۔ ماسے گویا سٹ گئے تھے جن کی حوالت اسے کبھی کوفت میں جکڑ چکی تھی۔ دل دُعا کو تھا کہ اس سے سامنا نہ ہو جس کو سب سے پہلے دیکھنے کی آرزو ہوا کرتی تھی۔ دل کی خواہشیں کبھی بھی ایک جہتی نہیں رہتیں، موسموں سے بھی زیادہ تیزی سے بدلتی ہیں۔ کل جس کی محبت زندگی زینت کی چاد پیدا کرتی تھی، آج اس کی دید کے خیال سے روح خا ہوتی نظر آ رہی ہے۔ صمائل کی کالرا سے متواتر محمول نہ ہوئیں تو وہ آنے والا نہ تھا۔

کار پھٹیکو میں کھڑی کر کے وہ اندر چلا آیا۔ خلاف معمول وہاں سٹائے پھیلے ہوئے تھے۔ ودلائی سے گزر کر لاؤنج کی طرف بڑھا، وہ بھی خالی تھا۔ لاؤنج سے ملحقہ کوریڈور میں بھی کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ حیران و پریشان سادادو کے کمرے کی طرف بڑھا، دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ کھلا تھا۔ وہ دشمن جاں سامنے تھی۔

شاید نماز پڑھ کر لگی تھی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں پلٹا چہرہ، شدت گریہ سے ہوتی سرخ آنکھیں اور آنکھوں میں موجود وہی

اُداسی و بے چکی جو خود اس کے وجود کو بھی اپنی گرفت میں جکڑے ہوئے تھی۔

وہ دونوں بے خود سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے، جو لفظ کبھی زبان نہ کہہ سکی تھی، وہ آنکھیں بیان کر رہی تھیں، جو اعتراف کبھی زبان کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکی تھی وہ اس لمحے ٹکا ہوں نے کر دیا تھا اور نہ معلوم کب تک آنکھوں کی گفتگو آنکھوں سے جاری تھی، معاہدہ ہر سڑک سے گزرنے والی کسی گاڑی کے تیز بارن نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"آ..... آ..... آپ؟" دونوں سنبھل گئے۔ خضریٰ کے چہرے کی رنگت خفیر ہو گئی۔ یہ کیا ہوا تھا جس راز کی وہ خفاقت کرتی رہی تھی، اس طرح عیاں ہوا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو گیا، لٹکا بیٹھکتی چلی گئیں۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟" کوئین کو معلوم تھا وہ اس کو پسند کرتی ہے اور اعتراف نہیں کرتی..... آج اعتراف ہوا بھی تو دل کو اور پوچھ ل کر گیا۔ اس کے گریز اور لٹکا کی وجہ سے اب سمجھ میں آئی تھی۔ وہ قریب رہ کر بھی ماں کو سمجھ نہ سکا تھا اور وہ دور رہ کر بھی آگاہ تھی۔ وہ دل سے اس کی عظمت کا قائل ہو چکا تھا۔

"آپ بیٹھیں ناں کوئین بھائی!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"نہیں..... میں چلوں گا، مجھے کچھ ضروری کام ہے۔"

"ابھی تو آپ آئے ہیں۔" وہ اس کے یوں جانے پر بولی۔

"میں نے کچھ دوستوں کو ڈنر پر بلوایا ہے، مجھے ہوٹل پہنچنا ہے، یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا خیریت معلوم کرنا چلوں۔" اس نے بہانہ تراشا۔

"نینی میں کسی کی شادی ہے، وہاں می پاپا اور دادو مٹی ہیں، بھابی بھی ساتھ ہیں۔ ہنزہ بھائی ہاسٹل گئے ہیں۔ خضر اور منزل بھی کسی پارٹی میں گئے ہیں اور عریضہ بھی اپنی فریڈ کے ہاں..... آپ بیٹھیں ناں۔"

"میں پھر کبھی آؤں گا ناو کے۔" وہ کہتا، واز کا نہیں۔

☆.....☆.....☆

ان لوگوں کے درمیان لیا محاذ قائم ہو گیا تھا۔ گھر آ کر اس نے بریرہ سے خوب لڑائی کی تھی۔ بریرہ کو اپنی غلطی کا احساس تھا۔ اس نے وہ حرکت اس لیے کی تھی کہ وہ اس طرح جانہ سکے گی اور وہ فریڈ جو کرا نہیں خود لے جانے کا، راوور دیکتا تھا اور اس دن اتفاق ہی تھا کہ حورین شدید غصے میں پرس چیک کیے بغیر چلی گئی تھی، سو وہ خاموشی سے اسے چیتا چلاتا دیکھ رہا تھا۔ صرف بی بی جان کے خوف سے وہ دروازہ لاکھڑ کیا تھا اس نے، مول جو حورین کے رویے سے سخت متحیر ہوئی تھی، زویا کو آ کر اس نے سب کچھ بتایا تو وہ بھی اس کی ہم خیال ہو گئیں۔ دوسرے دن کال کر کے ردا اور ثمرین کو بھی بلایا گیا، کیونکہ استقامت کے بعد یونیورسٹی میں چھٹیاں تھیں۔

ردا اور ثمرین نے بھی حورین کے رویے کو غلط قرار دیا تھا۔ ان چاروں کا خیال تھا۔ اسے ان کو تنہا تنہا ضرور بولنا چاہیے اور وہ کسی

طور ماننے کو تیار نہ تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ صرف اس کی ادا کی گئی رقم لوٹائے گی، بغیر کسی اظہار کے۔ ذوالنون نے بھیک کے انداز میں احسان کیا ہے جس کا شکر یہ صرف رقم کی ادا ہو چکی ہے۔ اس نے گمراہ کر کے سامان کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، ورنہ اپنی شاپنگ دوس بار دیکھتی اور دکھاتی تھی۔ اس کی بہت دھری دھنگ مزاجی ہے ان کے درمیان مرد جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

حدین نے ذوالنون کی دی گئی رقم خرین اور ردا کے ہاتھ ہی بھجوائی تھی، جو اس نے یہ کہہ کر واپس کر دی تھی کہ یہ رقم چیریٹی سینٹر میں دی جائے اور اس بات نے اسے پٹکے لگا دیئے تھے۔ اس نے شاپر زنگ سامان کے ان چاروں کو سوپ دیئے تھے۔ وہ کچھ سٹنے کو تیار نہ تھی۔ انہوں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر حورین انا کے خول میں بند ہو چکی تھی۔ اسے دوستوں کی باتیں ذوالنون کی حمایت و چاہلی محسوس ہوتی تھی۔ وہ چاروں ریا کاروں کا رونا باز ہیں، وہ ان لوگوں سے برائے نام ہی تعلق رکھتی تھی اور اس کی اس سرد مہری نے انہیں از خود ہی ذوالنون کی جانب جھکا دیا تھا۔ ہر بات وہ اس کے گوش گزار کرتی اور وہ عادت کے برخلاف انہیں لفٹ دینے لگا تھا۔ اس دوران پروفیسر آفتاب کی کال پر دوسب وہاں جمع تھے۔ چائے کا دور ہو چکا تھا، نہ معلوم اس کے دل میں کیا آئی، وہ مطلوبہ رقم لے کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

”یہ پکڑیں اپنی رقم اور خود بانٹتے پھریں۔“ وہ کئی بڑے نوٹ اس کے آگے رکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر درجھی ابھرنے لگی۔



اس کے برابر میں بیٹھے سر آفتاب نے پہلی نگاہ ذوالنون کے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی، پھر ردا کو کھڑی حورین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات بھی بگڑے تھے۔ ”ادوشٹ“ اس نے شدید اشتعال میں دہس کر لکھے گئے نوٹ ہاتھ مار کر در پھینکے تھے اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”جھگڑتی کیا ہو خود کو تم؟ تم جیسی لڑکیوں کے دماغ درست کرنا جانتا ہوں۔“ وہ لگا ہوں سے شعلے برساتا ہوا اس سے قہر آلود لہجے میں گویا ہوا۔

”مجھے جیسی لڑکی، ہونہر، پہلے اپنے گریبان میں جھانکو، خود کیا ہو؟“ وہ بھی گھائل شیرنی کی طرح دھمازی تھی، اسی لمحے بکا بکا سے سر آفتاب کو مدافعت کرنی پڑی، دوسرے کمرے سے حیدر، مامون اور وہ چاروں بھی گھبرائی ہوئی وہاں آ گئی تھیں جہاں وہ تینوں موجود تھے، نیچے کارپٹ پر لوٹ پھلے ہوئے تھے اور انہیں چوہنیشن سمجھنے میں دیر لگی تھی۔

”کول ڈاؤن، ریلیکس مائی چائلڈز، یہ ہو کیا رہا ہے؟ پہلے مجھے بتاؤ تو سہی، یہ کس بات کا جھگڑا ہے؟ ہوا کیا ہے؟“ پروفیسر آفتاب ایک دم پریشان ہو بیٹھے تھے، ان دونوں کے جارحانہ تیور دل سے۔

”تمہنگ سر، خواہ مخواہ میرے گفے کا ہار بننا چاہ رہی ہے۔“ اس کے انداز میں مخصوص رعوت واکٹر پن اُتر آیا تھا۔

”مائی فٹ؟“ حورین نے منہ کھولا ہی تھا کہ سر آفتاب نے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بڑی متانت و رعب سے کہا۔

”کیپ کو اسٹ، کوئی نہیں بولے گا، دونوں میں سے۔ بیٹھ جائیں سب، حیدر، یہ تمام نوٹ اکٹھے کر کے یہاں رکھو۔“

حیدر نے وہ نوٹ نیکل پر رکھ کر خوب صورت سپروائٹ کے نیچے: یاد دیتے تھے، پھر سر آفتاب کے دوبارہ کہنے پر مول نے وہ تمام گفتگو ہرادی تھی جو چند دنوں قبل ان کی شاہجگ سینئر میں ہوئی تھی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے، ذوالنون نے آپ کی ہیلپ کی، آپ کے کام آئے، میں خوش ہوں۔ ذوالنون نے اچھائی و ہر دہاری کی راہ اپنائی ہے حورین، اکثر اوقات ایسا ہو جاتا ہے، ہم غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں جو ہم سمجھتے ہیں ایسا ہوتا نہیں ہے، ذوالنون نے آپ کی مدد پورے خلوص و سچیدگی سے کی ہے، آپ کس مس انڈر اسٹینڈنگ کا شکار ہو رہی ہیں؟" مول سے ساری بات بہت توجہ سے سننے کے بعد وہ ملاحت مہرے سلجے میں حورین سے مخاطب ہوئے، جو منہ بنائے بیٹھی تھی۔

"سر! میں سمجھتی ہوں، مہرز، اپنی کیٹس سے میں نا ابلد نہیں ہوں"۔ اس نے ایک تھپی ہوئی نگاہ کچھ فاصلے پر براہمان مول، ذویا وغیرہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"سب جانتی ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ خلوص و احسان میں کیا فرق ہے۔ میری بات کا میں پوائنٹ یہ ہے کہ احسان، احسان میں فرق ہوتا ہے۔ خلوص وہ بھی سچیدگی سے ہر ہو تو سامنے والے کو سمون کر دیتا ہے لیکن یہی خلوص کسی کے چہرے پر کسی کی انا، کسی کی عزت، نفس و خودداری پر بھرپور طمانچے کی طرح مارا جائے تو آپ خود فیل کر سکتے ہیں سر! اس کاری ایکشن کیا ہوگا؟ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے گا؟"

حورین کے سلجے میں وہ تمام حساسیت موجود تھی جو وہ گزشتہ تین دن سے پہلے ذوالنون کے انداز، پھر مول، ذویا، اردو اور شمرین سے مسلسل بحثوں کے بعد اس کے اندر اتری تھی، جس سے وہ خود کو بالکل تنہا سمجھنے لگی تھی، ان چاروں کے چہرے چند سیکنڈز کے لیے پھیکے پڑے تھے۔ مامون اور حیدر حورین سے متاثر نظر آ رہے تھے جبکہ وہ جس کی ذات اس جھڑپ کا سبب بنی تھی جو اصل فساد کی جڑ تھی۔ وہ چہرے پر دنیا بھر کی بے نیازی دے پر وانی سجائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس طرح اکڑا بیٹھا تھا گویا اس کی نہیں کسی اور کی بات ہو رہی ہو۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا..... کس طرح آپ دونوں کو سمجھاؤں؟....."

پروفیسر آفتاب حسن کو بات کی تہہ میں پہنچنے میں دیر نہ لگی تھی، وہ ذوالنون کے مزاج شناس تھے۔ اس کی نچر، اس کے اپنی ٹیڈ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جان گئے تھے اس نے اپنی نچر کے مطابق اسے براہم میں دیکھ کر اس کی مدد تو کر دی مگر پھر مرکز حورین کی طرف دیکھنا اچھی گوارا نہ کیا ہوگا اور حورین جو پہلے ہی اس کے سامنے سکی کے خیال سے گھبراہٹ کا شکار تھی، اس کی اس لا پر داسی نے اسے دوہری شرمندگی سے دوچار کر ڈالا، مستر اس کا رقم لینے سے انکار کرنے نے اس کو اشتعال انگیزی میں چلا کر دیا تھا، نتیجتاً بات بڑھتی چلی گئی۔

"آپ پریشاں نہ ہوں سر! وہ ان کا شکار چہرہ دیکھ کر بولا۔

"اُم سوری، اپنی ویز میں نے جو کچھ کیا، انسانی ہمدردی و اخلاقی طور پر کیا..... انہیں مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہے، کچھ نئی یہ مس انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے، یہ ان کا اپنا اپنی ٹیڈ ہے، اپنی جھکنک ہے، ان کا اپنا آپ ہے، ایسے لوگ جیسے خود ہوتے ہیں، گھٹیا ذہنیت و گھٹیا

سوچ رکھنے والے ایسی سوچ وہ دوسروں کے متعلق بھی رکھتے ہیں۔ اس نے معذرت بھی کی تو اسے لفظوں کے تیروں سے گھاگل کر ڈالا تھا، اس کا اندر گویا شعلے بجڑ کئے لگے تھے۔

”نو..... نو..... نو بانی بن! اب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“ حالات کو پھرتاؤ کی جانب بڑھتے دیکھ کر انہیں مداخلت کرنی پڑی۔
 ”اُم نامٹ ماسٹر ڈسرا کیونکہ انہوں نے اپنا آپ ایک سپوز کر دیا ہے، ایسی لوڈز فریٹنگو میری ہوئیں سکتی ہیں۔“ حورین کسی طوور سرنڈر کرنے کو راضی نہ تھی تو وہ بھی چٹان کی طرح اکڑا ہوا تھا، مضبوط دھوس۔

”یہ ضد برائے ضد، بحث برائے بحث والا معاملہ چل رہا ہے، آپ دونوں ہی شاید سوچ پچھے ہیں کہ کوئی کچھ بھی سمجھائے، کچھ بھی کہے آپ نے سننا نہیں ہے، مکمل اپنا فضول ہی ضد نے آپ کو اس حد تک بدگمان کر ڈالا ہے کہ اس طرح ہی سلسلہ چلتا رہا تو آپ لوگوں کے درمیان مکڈلیٹنگو کبھی ممکن ہو سکتی ہیں۔“

سرا قحاب حسن نیک دم ہی بے حد تنجید ہو گئے اور ان کی اس تنجیدگی کو سب نے ہی محسوس کیا۔
 ”سرا آپ افسردہ نہ ہوں۔“ حیدر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں رنجیدہ ہو جاتا ہوں کہ جب دیکھتا ہوں ہم بلاوجہ کی رنجشوں و جھگڑوں میں پڑ کر اپنی زندگی کے سب سے خوب صورت دنوں کو بد صورت و اجاڑ کر لیتے ہیں، میں سوچتا ہوں محبت، خلوص، رواداری، مبرورداشت کی ضرورت جتنی اس وقت ہم کو ہے، اس سے قبل شاید ہی سمجھی رہی ہو، آج آپ کہیں سے بھی گزر جاؤ، ہر جگہ افراتفری و خود غرضی نظر آتی ہے، زندگی کے حسن ماند پڑ گئے ہیں، ان کی شوخی و دل کشی وقت سے قبل اڑ گئی ہے۔“

وہ کہہ رہے تھے اپنی وہی دل کش آواز میں اور لفظ مدہ بھری خوشبو کی طرح ان کے ذہنوں میں سرایت کرنے لگے تھے۔
 ”اُم سواری سرا میرا استعداد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔“ حورین نے شرمندہ لہجہ میں کہا۔
 ”میں چاہتا ہوں، ہم خود اپنی ذات سے ابتدا کریں، درگزر اور رواداری کے پرچار کی، درگزر اور رواداری جب ہمارے مزاج کا حصہ بن جائے گی تو پھر از خود محبت و خلوص کے گل کھلیں گے جن کی جاوداں خوشبوؤں سے حیات کے گلستان اپنے حسین جوین پر محیط ہو کر زندگی کو زندگی بنا دیں گے۔“ وہ چند لمحوں توقف کے بعد گویا ہوئے۔ ”یہ جب ہی ممکن ہوگا جب ہم اُم و بیسٹ کہنے کے بجائے پورا روادار بیسٹ اکہیں گے، جب ہم کسی کو عزت دیں گے تو ہمیں جواباً دینی عزت ملے گی۔“ آخری لفظ انہوں نے بغور ذوالنون کی جانب دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

”عشق، پیار، محبت، مجھے نفرت ہے ان لفظوں سے سرا عشق مجازی تو فنا ہونے والا عشق ہے، ہوتا تو عشق حقیقی میں ہے، محبت تو صرف اللہ کی ہے جس کی طاقت کبھی نہیں بدلتی اور پیار وہ ہے جو ہم رب کے محبوب اور اپنے آقا و سرور صلی اللہ علیہ وآلہ سے کرتے ہیں، ان جذبول کی صفات بہت پاک و مقدس ہیں۔ میں اس دور کے اس قدر ڈکلاس عشق و محبت کی بات نہیں کر رہا، جو گندگی کی طرح کلی کلی کھرا پڑا

ہے، میں اس محبت کی بات کر رہا ہوں جو اس کائنات کے وجود میں آنے کا باعث بنی جو اصل عشق کی اساس ہے۔ ضروری نہیں ہے دو جنس مخالف کی دوستی کا مطلب محبت ہی ہو۔ وہ محبت جو نفسانی آلائشوں سے پاک و انسانیت سے بھرپور۔

"دور پھر بھی" محبت "پری رہا سرا" مامون نے جیسے ہوئے کہا تو سب کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی جس سے کشیدہ ماحول میں کچھ تازگی ابھری تھی وہ بہت کچھ سمجھاتے رہے تھے۔

"یہ رقم وجہ تنازعہ بنی ہے یہ اب چرٹی میں جائے گی آپ دونوں پلیز بھول جائیں جو ہوا سو ہوا، حورین نے رقم دے دی اور ذالنون نے لے لی، اب یہی سمجھئے گا آپ لوگ" سر آفتاب نے وہ تمام نوٹ اٹھاتے ہوئے کہا، ذالنون کے سنجیدہ چہرے پر کافی پراؤڈ مسکراہٹ ابھری تھی جو حورین کو خوب تپا گئی تھی مگر وہ مصلحتاً چپ رہی اور وہیسی تک چپ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"سنال! کیا بات ہے، دیکھ رہی ہوں دو چار دنوں سے بہت سوچوں میں گم رہنے لگی ہیں، کوئی سیکرٹ پراہم ہے جو مجھ سے بھی شیئر نہیں ہوگا؟" فائیکہ بیگم نے سنال کی طرف دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"مما! کبھی آپ سے کچھ چھپایا ہے جواب چھپاؤں گی، میں نے تو وہ باتیں بھی آپ سے شیئر کی ہیں جو انسان خود سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتا۔"

"ڈیش رائٹ، بٹ کوئی اے لیجن تو ہے۔" ریڈ اینڈ بلیک پرنٹڈ ساڑھی میں ملیوس سنال کے سادہ چہرے پر گہری سوچوں کا عکس سرخی بن کر چھپایا ہوا تھا، براؤن خوب صورت آنکھوں میں بھی سوچ داغ نظر آ رہا تھا۔

"ایک کنفیوژن ہے ممما! سے میں خود ابھی سمجھ نہیں پاتی ہوں کہ وہ حقیقت ہے یا صرف میرے احساسات کی کارستانی۔"

فائیکہ بیگم نے چونک کر دیکھا تھا ان کی طرف۔

ان کا لہجہ!

ان کا انداز!

گزرے وقت کی اس دیوانگی کی جھلک لیے ہوئے تھا جس نے انہیں حیات کی مسرتوں سے دور کر دیا تھا، سب ہی کچھ جھین کر جی داماں کر دیا تھا، پھر آج ایک عرصے بعد وہ اس صحنہ میں چکراتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"ایسا کیا ہے بیٹا! مجھے مینشن ہونے لگی ہے۔"

"اوو نو ممما! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، نینس تو میں ہوں۔"

"ایسی کوئی مینشن نہیں پائی ہے آپ کو اب، سب کچھ کو دیا ہے اس پائل پن میں ملانے کو بچا ہی کیا ہے؟ صرف بچے ہیں کیا ان

کو بھی....."

”میں نے ایسا کیا کبہ دیا؟ آپ سمجھ کیا رہی ہیں؟“ منال نے حیرانگی سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کے الفاظ سے مجھے اس ڈیول کی یاد آ رہی ہے جس نے ہمیں پل پل اذیتوں و ذلتوں سے نوازا تھا، بلکہ ہم ابھی بھی اسی کی وجہ سے ایسی زندگی گزار رہے ہیں جس میں سکون و خوشیاں دہلی دہلی ہیں۔“

”وہ ایسا تو نہ تھا ماما! محبت اس نے مجھ سے کی تھی، دل و جان سے چاہا تھا مجھے، عجیب محبت تھی اس کی، ہم روز ملتے تھے مگر کبھی بھی اس نے میرا ہاتھ تک پکڑنے کی جسارت نہ کی، کبھی ایسی لگاؤ نہ ڈالی جو مجھے لگا ہیں جھکانے پر مجبور کر دیتی، بہت پاکیزہ و سچی محبت کرتا تھا وہ مجھ سے، جب تو مجھے ان جذلوں سے آشنائی نہ تھی، میں محض پاپا کے ہلان کے مطابق ان کی پرنس مارکیٹ ڈاؤن کرنے کی سازش لے کر محبت کا ڈھونڈ رہا رہی تھی، اپنے دل کی حالت سے بے خبر..... اس کے انو بننے پر ہنسی تھی، مذاق اڑاتی تھی۔ یہ سب تو اسے کھونے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ سب ہوتی کیا ہے؟ سچا چاہنے والا موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ وہ کسی معتبر و معزز شخصیت کی طرح آپ کی عزت کرتا ہے، تعظیم کرتا ہے۔“

”اچھا.... آپ کو اس کی محبت یاد ہے اور جو اس نے کیا وہ بھول گئیں آپ کہ کس طرح ایک دنیا کے سامنے دو کرن کو لے کر ہماری عزت قدموں تلے روند کر چلا گیا تھا، ایک مدت تک جگ ہنسائی ہوئی تھی ہماری، کس بڑی طرح لوگوں سے منہ چھپا کر رہتے تھے ہم یہ یاد نہیں۔“

”یہ بھولنے والی باتیں نہیں ہیں ماما، یہ وہ نقش ہیں جو دل پر ثبت ہیں۔“ ان کے مضحل لبے میں مدیوں کی تھکن درآئی تھی۔

”پھر آج اس کی یاد کا کیا جواز ہے؟“

”کبھی دشمن بھی اچھے وقت کی طرح یاد آ جاتے ہیں، انسان کو صرف دو لوگ، دو رشتے یاد رہتے ہیں، ایک دشمن کو کبھی بھلا یا نہیں جاتا، ایک دوست ہوتا ہے جو ہر موقع پر ساتھ دیتا ہے، آج کے دشمن کل کے اچھے ہونے والے دوست ہی تو ہوتے ہیں۔“

”جب سے پرنس کے ساتھ شائیک سے آئی ہیں، جب سے آپ کو پریشان دیکھ رہی ہوں آخر ہوا کیا مجھے بھی معلوم ہو؟“

”مما!“ انہوں نے حورین سے ملاقات کا ایک ایک لفظ انہیں سنا ڈالا، لمبے بھر کو کا نغہ بیگم بھی چونک اٹھی تھیں مگر پھر گویا ہوئیں۔

”یہ محض اتفاق ہی ہو سکتا ہے ڈیڑا اور نہ وہ بھائیوں و بہنوں جیسے رشتوں سے محروم تھی پھر وہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا چکے ہیں۔“

انہوں نے دانستہ کرن اور انس کے نام لینے سے گریز کیا تھا۔

”آئی نو، مگر..... مگر اس لڑکی میں جو حکمت و وقار تھا، لہجہ کا ٹھہراؤ، گفتگو کا وہی دل نشین انداز اور..... آنکھ میں وہی پراڈوسی

چمک“ سان کے ذہن کے کیوں پر حورین کی شبیرہ کا ایک ایک نقش ابھرا تھا۔

”اس لڑکی میں ایسا کچھ ضرور تھا جو مجھے ایک عرصے بعد بے قرار کر گیا ہے۔“

”آل رائٹ دینس مت ہوں، ہم ایک آدمی دوں میں اس لڑکی کو یہاں لُچ پر انوائسٹ کر لیتے ہیں، ساتھ ایک بار اس کا جیلی بیک گراؤنڈ پوری طرح معلوم بھی کر لیں گے، تسلی مل جائے گی آپ کو بھی۔“

”اوکے، پرنس آجائے تو کہتی ہوں اس سے۔“ ان کے انداز میں سب چینی ہنسوڑتی۔

☆.....☆.....☆

بی بی جان شفقت صاحب کے گھر سے باہر ادھوٹی قمیص دیکھ سب ان کی روداداری، ہر ایک سے حسن سلوک اور آپس میں پیار و محبت سے جڑے رہنے کا انداز تھا کہ شفقت صاحب اور ان کی بیوی نے روایتی طور پر چند دن سوچ و پکار کے بھی نہ مانگے تھے اور فوراً ہی ہیں میں جواب دے دیا تھا۔ گھر میں خوشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

تازہ نگلاب جا مین اور جم جم سے بھرا نوکر ملازموں سے لے کر گھر کے ہر فرد کا منہ میٹھا کر چکا تھا، خصوصاً سب نے دسی کو مٹھائی کھلا کھلا کر بوکھلا ڈالا تھا۔ لڑکے آتے جاتے اس کے منہ میں کبھی نگلاب جا مین، کبھی جم جم ٹوفس رہے تھے اور جبراً سے کھانے پر بھی مجبور کر رہے تھے۔

”کار کا ڈسک، تم لوگ کیا مجھے شادی سے پہلے ہی شوگر کا مریض بنا کر مار ڈالنا چاہتے ہو؟ حد ہوتی ہے کوئی مٹھائی کھلانے کی بھی۔“

دسی سود کو بھرا سی اناؤسہ سے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر جھنجھلایا تھا۔

”دیکھو بیٹے! شوگر، شوہر میں فقط ایک لفظ کا کاہیر پھیر ہے مگر تا شیر و نون کی ایک ہی ہے، اچھا شوہر بننے کے لیے بندے کو شوگر کی طرح ہی میٹھا بنانا پڑتا ہے۔“ سود نے کسی بزرگ کی طرح سمجھایا۔

”مے اپنے مشوروں کو اپنے لیے سنبھال رکھو۔“

”ہماری ہونے والی بھابی کا اسم مبارک تو معلوم ہی نہیں ہے۔“ رؤف نے اہم سوال کیا تھا۔

”شاید ابھی نام رکھا نہیں گیا ان کا۔“ منیان کے لبوں پر شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ دسی نے گھڑ کر دیکھا تو وہ منہ پھاڑ کر ہنس پڑا۔

”چند نام ہے ہماری بھابی کا، وہ خود بھی چاندی ہیں۔“

”چند؟ دادا! پریشی نیم اب دسی یہی کہتا نظر آئے گا۔ چند او چند! یہ کیا ہو گیا میرا دل کھو گیا او چند۔“ سود کے گنگٹانے پر چھت پھاڑتے بھابھ لگے، دسی بھی ہنس پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

تیری نظر میں کہاں باریاب ہونا تھا
تمام عمر یہی اضطراب ہونا تھا
بڑی امید تھی کار جہاں میں دل سے مگر
اسے تیری طلب میں خراب ہونا تھا

حضرتی ڈیر! مہران علوی تم سے ملنا چاہتے ہیں، کئی بار کالز کر چکے ہیں، خاصے بے تاب ہیں ملاقات کے لیے، اب بتائیں کیا کہوں ان سے؟“ وہ ہسپتال سے آکر ہاتھ لینے کے بعد کچھ سستانے کو لیٹی، ہی تھی کہ بھابی چائے کے ساتھ اسٹیکس لے کر اس کے پاس آگئیں، ان کے لہجہ میں کھٹک اور آنکھوں میں شوق تھی، وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

حضرتی کے اندر گویا سانے اترنے لگے، اس نے بھی اس پہلو پر نہ سوچا تھا کہ مہران علوی اس سے ملاقات کا خواہش مند بھی ہو سکتا ہے۔

”ارے کیا سوچے گئیں؟“ وہ قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”کچھ نہیں بھابی! بس ایسے ہی“ اس نے چکراتے سر کو ہاتھوں سے تھامنا تو چیرے پر ہاتھ آجانے کی باعث بھابی نے کچھ اور ہی مطلب اخذ کیا پھر پلیٹ میں سینڈویچ رکھ کر ہنستی ہوئی بولیں۔

”اوہ کاڈا تمہاری یہ شرمانے کی ادا، میرا دل لوٹ لے گئی، اتنی بولڈ کا فیڈنٹ ڈاکٹر کو میں اس طرح شرمانے دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی“۔ وہ کچپ ڈال کر پلیٹ اس کی طرف بڑھا کر بولیں۔

”میں صرف چائے لون گی“۔ بھابی کی حیرانگی پر اس کے لبوں پر بے علم سی مسکراہٹ کی کرن چمکی تھی وہ اس کی دل کے تپا ہی سے بے خبر تھیں۔

”جس، بالکل نہیں، پراپر ڈائیٹ لینی تم چھوڑ چکی ہو، صحت دن بہ دن گرتی جا رہی ہے، پھر ہارڈ ورکنگ بہت ہو، میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گی“۔ انہوں نے اس کی حراصت والکار کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے زبردستی سینڈویچ کے پیس کر کے اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا۔

”پلیز بھابی! اب ڈرنگ کاش نہیں ہے“۔ اس نے انہیں دوسرے سینڈویچ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا۔

”چلو یہ بھی بہت ہے کہ تم نے ایک تو کھایا“۔ وہ چائے سرو کر کے بولیں۔

”پھر کیا جواب دوں مہران کو؟“ وہ اپنے لیے فلاسک سے چائے نکالتی کو یا ہوئیں۔

”آپ کو معلوم ہے مجھے یہ سب اکورڈ فیل ہوتا ہے“۔

”میں ہی کیا سب گھروالے تمہاری نیچر جانتے ہیں“۔

”پھر میں کس طرح ان سے مل سکتی ہوں؟“

”حضرتی! کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو نہ چاہنے کے باوجود کرنے پڑتے ہیں“۔

”کیا مطلب؟“ اس نے کپ لیوں سے بنا کر استفادہ کیا۔

”ہم جس سوسائٹی میں موو کرتے ہیں وہاں اس سے بڑی بڑی باتیں بہت عام سے انداز میں ہو جاتی ہیں۔ ہماری فیملی ایجوکیٹڈ، ڈائنامک میں شمار کی جاتی ہے اور اس میں آپ کا پروفیشن بھی آتا ہے جہاں میل، فی میل کی ایک ہی کمیٹی گھوری ہے۔ یہ مہران

ملوی کی اعلیٰ پرورش کا ہی ثبوت ہے کہ نہ انہوں نے ڈائریکٹ آپ سے رابطہ کیا، نہ ہسپتال گئے، اگر چاہتے تو کوئی مشکل نہ تھی، پہلے مسز برہان علوی آئی اور داد سے پر مشن لے کر گئی ہیں، اس کے بعد مہران نے مجھ سے رابطہ کیا کہ میں تم سے درخواست کروں۔ ان کی باتوں نے اس کے اندر راخضرابی پھیل چکی تھی۔

”بھابی! پلیز ابھی کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا، مہیا کانفرنس اینڈ کرنے گئے ہوئے ہیں ہسپتال کی ہیکس رسپنڈنسی میری اور بھائی کی ہے اور ان دنوں O.T میں بہت ٹائم دینا پڑ رہا ہے، میزراپرٹ کرنے کے بعد تو مہر دوں بیسی حالت ہو جاتی ہے آج بھی ایمر جنسی میں دو میزراپرٹ کیے ہیں، اب دل چاہ رہا ہے لیکن جان کے سوجاؤں۔“

”اچھا..... میں مہران کو سمجھانے کی کوشش کروں گی، تم سوجاؤ۔“ وہ زانی لے کر چلی گئیں، وہ بے جان انداز میں لپٹی تھی۔

☆.....☆.....☆

بے خبر لوٹ کر سوئے ہیں وہ نیندیں میری

جذبہ دل پر ترس کھانے کو دل چاہتا ہے

کب سے خاموش ہوا ہے جان جہاں کچھ تو بولو

کیا ابھی اور تم ڈھانے کو بقی چاہتا ہے

”کب تک ناراضگی کے خنجر سے گھائل کرتی رہو گی یا را بھولی جاؤ گزری باتوں کو، میں تم سے معافی مانگ چکا ہوں، مگر تم ہو کہ معاف کر کے ہی نہیں دے رہی ہو پلیز، اہم سواری آگین۔“ بربر داس کے آگے گھٹنے کے تل پیٹ کر معافی مانگتا ہوا گویا ہوا۔

”معافی؟ ہونہہ، تم اپنی گردن بھی کٹوا لو تو معاف نہ کروں، تمہاری اس شرارت نے میرا کتابڈا، بلکہ ناقابل تلافی نقصان کیا ہے، وہ کبھی پورا نہیں ہوگا، ایک کم ظرف و چھوڑے شخص کے سامنے جو سبکی ہوئی ہے، وہ انسلٹ میں کبھی بھلا نہ پاؤں گی۔“ اس کی آنکھوں میں وہ منظر از سر نو تازہ ہو گیا جب وہ بولٹیک کی ادھر سے پریشانی بیان کر رہی تھی اور دو مسلسل لمبی میں سر ہمارے تھی۔ اسے ان پر اعتماد نہ تھا کہ وہ مگر سے رقم لا کر دے رہی ہیں۔ نہ وہ اس کی ڈائمنڈز کی جیولری رکھنے کو تیار تھی، قبل اس کے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک بنا کر واپس پلٹتی، اس لمحے ہماری قدموں کی تیز گونج سے وہ تیز تیز چلتا ہوا اس طرف آیا تھا، مخصوص مہک اور خوب صورت گیمیر لپیر اسے پید نہ کر گیا تھا۔ دو مارے شرمندگی و خجالت کے سینے سے لگا سر نہ اٹھا سکی تھی، اس نے کاؤنٹر پر چار چڑپے کرتے وقت نہ معلوم کیا کہا تھا کہ دو سخت حراج ادھر یک دم ہی مصری کی ڈلی بن گئی، اس نے حورین سے معذرت کرنی چاہی تھی مگر وہ اپنی طور پر وہاں سے غائب تھی۔

ڈوائون کا اس طرح سے جانا اسے دہری شرمندگی میں مبتلا کر گیا تھا، دوول میں سوچ چکی تھی اس کا شکریہ ادا کرنے کا، مگر اس کی رعونت بھری بے نیازی اس کے شاہانہ حراج کو بھڑکا گئی اور پھر غصے و ضد میں وہ ہر ایسا کام کرتی چلی گئی جو خود اس کی سرشت و تربیت کے خلاف تھا۔ ”حورین! تم رور رہی ہو! او..... میں برا ہوں بہت برا..... پلیز مجھے معاف کر دینا، اس دن بھی میں تم سے مذاق کر رہا تھا، میں

نے رقم پرس سے اس لیے نکالی تھی کہ تم پرس چیک کیے بنا جاؤ گی نہیں اور اتنی دیر میں، میں تیار ہو کر آ جاؤں گا اور میں پانچ منٹ میں پہنچ کر کے آ گیا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا تم اتنی ایسٹبل ہو جاؤ گی کہ چیکنگ کے بنائے پرس اٹھا کر ہٹل دو گی، میں فوراً ہی کارڈ نکال کر تمہارے پیچھے گیا مگر کسی بھی مارکیٹ کی پارکنگ میں کارندہ دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ کسی نئی مارکیٹ گئی ہو، سیل فون پر رابطہ بھی نہ ہو رہا تھا۔ ہر وقت سوچ مستی، ہلا گد و شرارتوں میں تگن رہنے والے ہر پرہ کے چہرے پر افسوس و دکھ بہت اجنبی لگ رہا تھا۔ حورین کے بے تحاشہ رونے نے اسے پریشان کر ڈالا تھا، اس سے قتل اس نے اسے اس طرح روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا، ہر وقت مذاق اچھا نہیں ہوتا ہے لیکن تمہیں کبھی سمجھا آئی ہے نہ آئے گی، کوئی مرتا ہے مرے کسی کی عزت جاتی ہے جائے کسی کی انسلٹ ہوتی ہے ہوتی رہے، تمہیں کسی کی ہنگ سے کیا سروکار؟ تم وہی کرو گے جو تمہارا دل چاہے گا۔“ وہ روتی ہوئی کھڑی ہو گئی تھی۔

”پلیز حور! میں بے حد پشیمان ہوں، تم رونا بند کر دو پلیز۔“

”نہیں، میں روؤں گی، تم مجھے منع نہیں کر سکتے۔“ وہ بھاگی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور کمرہ لا کڈ کر لیا، ہر پرہ خاصی دیر تک دروازہ ناک کر تار ہا تھا اور تھک کر بائیک لے کر چلا گیا۔

وہ سینہ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرنے لگی، دراصل آج کل ر دیا، مول، شرمین، روا سے تعلقات اس حد تک کشیدہ ہو گئے تھے کہ ان کے درمیان بات چیت بھی برائے نام ہی رہ گئی تھی، وہ دانستہ ذوالنون سے ملنے لگی تھیں جو آج کل بڑا خوش مزاج اور ان کو لفٹ دینے والا بنا ہوا تھا۔ سر آفتاب کے ہاں ہنسنے میں ایک بار ان سب کی ملاقات ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی بارہا اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے شاید باہر بھی ملنے لگی تھیں اور وہ اتنی ہی اس سے دور ہونے لگی تھیں۔ اس نے ہمیشہ محبت و چاہت پائی تھی، وہ پہلی بار سماء، پاپا سے دور ہو کر بھی ان کی سنگت میں بہل گئی تھی۔ اب ان کی بدلتی دوستی کی بے زنجی نے اسے تنہا کر دیا تھا۔ اس تنہائی غم نے ایسی بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا کہ بلا سوچے سمجھے ہر پرہ سے منہ پھلا کر ان سب کی زیادتیوں کا بدلہ لے رہی تھی۔

باہر راہ داری میں کسی کے سپرڈ کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ تیزی سے فلیڈ پر دروازہ ہو کر کھیل اواز دے چکی تھی، دروازہ کھلا، کوئی اندر آ یا تھا۔

”حورین! اتفاقاً تیار ہو جاؤ، بی بی جان نے کھلوا یا ہے وہی بھائی کے سرال والوں نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔“ آنے والی بیلا تھی۔

”میں نہیں جاؤں گی، مجھے نیند آ رہی ہے۔“ اس نے کھیل سے منہ نہ نکالا۔

”ارے آ کر سو جانا، چلو مزہ آئے گا، سب جا رہے ہیں۔“ وہ قریب آئی۔

”میرے سر میں درد ہو رہا ہے، میں نے گولی کھائی ہے، سوؤں گی تو ٹھیک ہو جائے گا، پلیز دوبارہ ڈسٹرب مت کرتا۔“ وہ بیچھا چہرہ دکھاتا نہیں چاہتی تھی۔

”اچھا مگر بی بی جان کہاں مانیں گی۔“ بیلا اُبابائی طبیعت کی مالک تھی۔

”میں کل ان کو خود مٹا لوں گی۔“ اس نے جان چھڑائی۔

”اوکے، اپنا خیال رکھنا بی بی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہارا سرد بادبئی مگر بی بی جان کو تو جانتی ہو اگر ذرا بھی دیر ہوئی تو.....“

”تم جاؤ، مجھے آرام آ جائے گا۔“ بیلا گردن ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

کرن نے کراچی جانے کی ہابی بھری تو انس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے اسی دن سے انتظامات شروع کر دیے تھے، سعد اور قاریہ بھی انہیں اس شہر سے متعلق پر اپنی خوشگوار باتیں یاد دلادلا کر اس اچانک نمودار ہونے والے جذبے کو مضبوط بنانے کی سعی کر رہے تھے۔ ”مجھے سمجھ نہیں آتا بعض اوقات کہ کراچی سہل ہونے کا فیصلہ درست بھی ہے یا غلط؟“ دو دلائل میں بیٹھے ہی پلاننگ کر رہے تھے، جب معا کرن نے انہیں زندہ لہجے میں کہا۔

”دکرن! فیصلہ ایک بار ہوتا ہے بار بار نہیں، پھر یہ فیصلہ تم کو ایک نہ ایک دن کرنا ہی تھا اور یہ بالکل درست فیصلہ ہے۔ کوئی سوچے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بہت جلد یہاں سے شفٹ ہو جائیں گے۔“ انس نے انہیں تذبذب میں دیکھ کر اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

”میں..... کس طرح وہاں ایڈجسٹ ہو سکوں گی؟ میرا ماضی کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑتا، مستقبل کے روزوں سے نکال کر دوسروں و خدشوں کے سانپ، بچھو ہر وقت ڈستے رہتے ہیں۔“ ان کے لہجے میں گزرے دنوں کی کمک تھی۔ سعد نے آگے بڑھ کر ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”دوسروں و خدشوں کے ان سانپوں و بچھوؤں کو آپ کو خدا اپنے یقین، اعتماد کے قدموں سے چلتا ہوگا، مارنا ہوگا، اپنی خوشی کے لیے اپنے سکون کی خاطر میرا درہنا ہوگا کرن۔“

”پھر ایسی کوئی پریشان ہونے والی بات بھی نہیں ہے، وہاں سب اپنے ہیں اور اتنی جرأت رکھتے ہیں کہ نئی نگر سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال کر پھینک سکیں۔“ قاریہ نے بھی ہمت بندھائی۔

”آپ نے وہاں انتظار نہ تو نہیں کر دیا؟“ کرن مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”ارے نہیں..... قاریہ طرح مجھے بھی سر پر اندر دینے میں مدد دیتا ہے۔“

”انتا عرصہ ساتھ اور ایک گھر میں گزارنے کا آپ لوگوں کا یہی مزاج تو ہے جس نے کبھی آپ و دذوں کے درمیان معمولی سی بھی ٹکراؤ نہ ہونے دی اور ہم دونوں بھائی بھی ایک گھر، ایک چھت تلے آرام سے رہ رہے ہیں، ورنہ گھر کے ہزارے سے نقل ہی دلوں کے ہزارے ہوتے ہیں پھر گھر کے، مگر تو مل جاتے ہیں، دل کبھی نہیں مل پاتے۔“ سعد کے لہجے میں آج دینا ہوا دکھ و مسرت کا امتزاج تھا۔

”وہ دن کبھی نہ آئے سعد بھائی، جب ایسا ہو۔“

☆.....☆.....☆

رات بارش ہوئی تھی، بیڑ پودے سب دھل کر کھر گئے تھے، ہواؤں میں نئی موجودگی، اس بارش سے سردی میں خاصا اضافہ ہوا تھا۔
برہان لغاری کا روباری وزٹ پر کوسہ آئے تھے، ان کے اور قاتلہ کے درمیان کچھ دنوں سے تعلقات کشیدہ چل رہے تھے، وجہ
تازعدان کی لیڈی آپریٹر تھی۔ اسارٹ دیکھتے نقوش والی مارتھا جوزف، جو کرپشن تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ اپنی خوب صورت ڈریسنگ اور
نازغروں سے انہیں اپنی جانب راغب کر چکی تھی۔ برہان صاحب تو ویسے بھی ایسے چہروں والاؤں کے شیدائی تھے، انہوں نے پہلی بار میں
ہی اس کو اوکے کر دیا تھا اور قتل اس کے کہ بات آگے بڑھتی قاتلہ بیگم تک اسی دن یہ خبر بیچون نے پہنچا دی جو درحقیقت ان کے لیے جاسوسی
کر تھا، انہوں نے مگر بیٹھے بیٹھے ہی مارتھا جوزف کو جانب سے نکلوا دیا تھا مگر برہان لغاری سے ناراضگی ان کی چل تھکی تھی، اس وزٹ پر وہ
ان کو اس لیے ساتھ لائے تھے کہ ان کی خفگی دور کر سکیں۔

”میں آپ کے ساتھ آگئی ہوں تو یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کو معاف کر چکی ہوں، کم از کم میرا نہیں تو کوئین اور ذوالنون کا تو خیال
رکھنا چاہیے تھا آپ کو؟ کتنی عزت کرتے ہیں آپ کی، اپنی عمر کا نہیں تو ان بچوں کا خیال ہی کر لیا ہوتا۔“ قاتلہ ترش روی سے کہہ رہی تھیں۔
”ایسا کچھ نہیں تھا قاتلہ، تمہیں فضول انتظار میں دی تھی کسی نے، کیا مجھے اپنی ساکھ و پر سنائی کا خیال نہ ہوگا؟ اور پھر ایک لیڈی
آپریٹر سے اخیر چلاؤں گا؟ اتنا غیر دانش مند سمجھا ہوا ہے مجھے؟“ وہ ایسے انداز میں کہہ رہے تھے جس میں ذکھ و افسوس کا عنصر تھا۔
”مجھ سے جھوٹ مت بولیں برہان! انہوں نے شانے سے ہاتھ ہٹایا۔
”تمہاری قسم۔“

”ہا..... امیری قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔“
”او کے اب تاریخی دور کرو، ایک عرصے بعد اس طرح مل کر بیٹھنے کا موقع ملا ہے، کیوں ویٹ کرتی ہو اس ٹائم کو۔“ ان کے
شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ تھارڈ لوولج میں گویا ہوئے۔
”پرامس کریں، پھر کبھی مجھے جیت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے؟“ قاتلہ حریف اپنی خفگی قائم نہ رکھ سکی تھی، وہ مسکرا کر گویا
ہوئے۔ ”نہیں کبھی نہیں.....“ انہوں نے انکاوش میں گردن ہلائی۔

☆.....☆.....☆

دو دنوں ہوٹل سے ڈنر کے لوٹ رہے تھے، جب کارڈرائیو کرتے ذوالنون کی نگاہ سائیڈ میں پڑے کسی وجہ کی طرف اٹھی تھی۔
”کیا ہوا؟“ برابر میں بیٹھے حیدر نے اسے کارڈو کتے دیکھ کر پوچھا۔
”سامنے کوئی گرا ہوا ہے، شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔“ ذوالنون تیزی سے باہر نکلا تھا۔ پیچھے اس کے حیدر بھی چلا آیا تھا، وہ
بھاگتے ہوئے اس طرف گئے تھے جہاں سڑک سے دور زمین پر کوئی نوجوان بے حس و حرکت پڑا تھا۔ ذوالنون نے تیزی سے بیٹھ کر اسے
سیدھا کرتے ہوئے نبض چیک کی جو بہت دھیمی چل رہی تھی، وہ شخص بے ہوش تھا۔

”وعدہ ہے؟“ حیدر تشویش بھرے انداز میں جھک کر پوچھنے لگا۔

”ہاں، مگر کنڈیشن از ویری سیریس۔“

”شاید کسی ٹوک سے حادثہ ہوا ہے، وہ وہی لوگ ایسا کرتے ہیں، مار کر پلٹ کر دیکھتے بھی نہیں ہیں۔“ حیدر نے سڑک سے گزرتے ٹرکوں کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا، اس وقت سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھی، سردی اور گہری دھند نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

”محسوس تو ایسا ہی ہو رہا ہے، ابھی اسے فوراً ہسپتال لے کر چلنا پڑے گا، سر سے اب بھی خون نکل رہا ہے، بلیڈنگ پہلے ہی کافی ہو چکی ہے۔“

وہ دونوں اُسے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا چکے تھے۔ کار کا زرخ صدا نکل کے ہسپتال کی طرف تھا جہاں اس نوجوان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا، وہاں کا تمام اسٹاف اسے جانتا تھا، کسی بھی پریشانی سے گزرے بغیر وہ لوگ اس نوجوان کو ٹریسٹ دے رہے تھے، اس کی حالت کافی خراب تھی۔ وہ دونوں وہیں موجود تھے جہاں ردم کے اندر ڈاکٹر ز اور دوسرا اسٹاف موجود تھا، اس وقت دوسرے ڈاکٹر ز تھے۔

بیڈ نرس نے بتایا تھا کہ کچھ دیر قبل ہی ڈاکٹر ہنزہ اور ڈاکٹر غفرانی گھر گئے تین۔

”سر! آپ کہیں تو ڈاکٹر ز کو کال کر کے بلاؤں؟“ وہ موبوب انداز میں بولی۔

”تو تھینکس، مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں خود کال کر لوں گا۔“ وہ سپاٹ لیجے میں گویا ہوا تو نرس چلی گئی، حیدر بے ساختہ مسکرایا۔

”تم کس خوشی میں تھو پیسٹ کا ایڈ بنے ہوئے ہو؟“

”کیا ہے یار! اگر تم اس غریب سے خوش اخلاقی سے پیش آ جاتے۔“

”یہ سخاوت تمہارے لیے چھوڑ دی ہے میں نے۔“ اس نے شانے اچکا کر کہا۔

”کوئی تمہاری بارے میں بالکل درست رائے رکھتا ہے۔“ وہ کوئی ہڑ زور دیتا ہوا گویا ہوا تو ڈاکٹر ز کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”یہ کوئی سے کیا مراد ہے تمہاری؟“

”کوئی نہیں بھائی! اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا، اسی اثناء میں ڈاکٹر اندر سے باہر نکلتا دکھائی دیا تو وہ دونوں اس کی جانب بڑھ گئے۔

”پیشہ ابھی بے ہوش ہے۔ بلیڈنگ بہت زیادہ ہو جانے کے باعث کنڈیشن دیکٹیس کا شکار ہے، چوٹیں بھی زیادہ آئی ہیں۔“

ڈاکٹر اس کی جیب سے نکلنے والا سامان ان کے حوالے کرتا ہوا بتانے لگا تھا۔

”کوئی سیریس میسر تو نہیں ہے ڈاکٹر صاحب؟“ حیدر پوچھنے لگا۔

”جب تک انہیں ہوش نہیں آ جاتا، کچھ نہیں کہہ سکتے۔“ ڈاکٹر کے جانے کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا،

دس بج چکے تھے، حیدر نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اب اس ٹوک کے گھر والوں کو انعام کرو دینا چاہیے، کیونکہ اس لڑکے کی جیبوں سے نکلے سامان میں والٹ اور موبائل فون بھی تھا، ڈاکٹر ز نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سیل سے نمبر

چیک کیا، اسکرین پر نمبر کے ساتھ جو نام آیا اس نے اسے چمکا ڈالا تھا۔

"والٹ میں دیکھا، شاید آئیڈنٹی کارڈ موجود ہو؟" اس کی فراخ چمکتی ہوئی پیشانی پر ٹکٹیں ابھر آئی تھیں، حیدر کو والٹ میں آئیڈنٹی کارڈ مل گیا تھا، اس نے نکال کر دیکھا تو چونک کر بدلا۔

"ہریر وسعد، یہ تو کچھ جانا بچپانا چہرہ لگ رہا ہے۔" وہ کارڈ پر آدین اس فونو دیکھ کر نام پڑھتا ہوا گویا ہوا۔

"ہوں یہ کزن ہے اس کا، یونیورسٹی میں ملے تھے نا۔" یک دم اس کے مزاج میں عجیب کی درا آئی تھی، "وانتہ حورین کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔"

"اس کا.....؟ حیدر نے اُن بھن بھرے لہجے میں کہا اور پھر اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ "اس کا" کا مفہوم سمجھ گیا۔
"اچھا! چنانچہ حورین کا کزن ہے۔ ہاں مجھے یاد آیا، اس دن یونیورسٹی میں گزری ہوئی تھی، یہ ہی حورین کو چک آپ کرنے آیا تھا۔"
حیدر کو وہ سب یاد آچکا تھا۔

"کیا کرنا چاہیے باب؟"

"کنٹیکٹ کرو....." اس نے سیل فون اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کس سے؟ یہ پہلا نمبر حورین کا ہے مگر ایسی نیوز سے خواتین کا ڈیپارٹمنٹ جلد ہی ایڈمٹ ہو جاتا ہے۔" وہ سوچتے ہوئے گویا ہوا۔

"زود یا، موٹل بھی تو ساتھ ہی رہتی ہیں، ایسا کر دگر کے نمبر پر کال کرو۔"

گھر پر کال کی تو فون کسی ملازمہ نے اٹھایا اور بتایا کہ گھر پر حورین کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

"اب کیا کریں؟ سب گھر والے کسی دعوت میں گئے ہوئے ہیں اور نہ معلوم کب واپسی ہو، ہم اتنا رسک بھی نہیں لے سکتے۔"

"اس کو ہی انفارم کر دو، طریقے سے۔"

"میں ایسا کرتا ہوں، خود چلا جاتا ہوں۔" حیدر نے تجویز پیش کی۔

"تم ایڈریس سے واقف ہو؟"

"ہاں، کچھلی دفعہ سرائی کے ہاں سے میں ہی ڈراپ کر کے آیا تھا انہیں۔"

☆.....☆.....☆

حیدر کو اچانک دیکھ کر اس کی حیرانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ہریرہ کا ایکسیڈنٹ کا سن کر وہ بالکل حواس باختہ ہو گئی۔

"ایزی، ایزی کوئی سیریس بات نہیں ہے، معمولی سا انجری ہے وہ۔" اپنی توقع سے بھی بڑھ کر اسے بدحواس دیکھ کر حیدر کو اسے

سمجھانے میں دیر لگی۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا، میں نے جھگڑا کیا اس سے، وہ مجھے منارہا تھا، میں نہیں مانی، یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔" سارا رداست
وہ روتی بڑبڑاتی ہوئی آئی تھی۔ حیدر کے ساتھ وہ منظر باندا نماز میں چلتی ہوئی روم تک آئی تھی، وہ سفید ٹیوں میں جکڑا بے سوجھ بڑا تھا۔
وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

آنسو بہت خاموشی و ردائی سے بہہ رہے تھے، وہ ایک ننگ آنسو برساتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، اسے بارگرو کا ہوش نہیں
تھا، وہ یہ بھی نہ محسوس کر رہی تھی کہ کسی کی نگاہیں بہت گہرائی سے اس کے چہرے کا اس کی ایک ایک حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی ہیں۔
وہ ہریہ کو دیکھتے ہوئے روئے جارہی تھی جس کی پیشانی پر ڈریسنگ تھی، کبھل کے نیچے جسم میں نہ معلوم کہاں کہاں پٹیاں ہوں گی۔

دائیں بازو میں ڈرپ لگی ہوئی تھی، وہ بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا، اس کا دل کا پھینے لگا، ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ اس طرح خاموش
ہوا ہو۔ ہر دم ہنسا، شرارتیں کرنا، سوج و مستی میں وقت گزارنے والے ہریہ کو یوں دیکھ کر اس کے اندر وحشتیں بڑھنے لگی تھی، وہ ایک دم ہی
متوحش ہو کر اسے پکارنے لگی۔ "مس حورین! ٹیک! ٹیک! ایزی پیسیز!" حیدر نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا جبکہ ڈالٹون ایک
طرف خاموش کھڑا رہا تھا۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے، کیا آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا؟ خاموشی تو اس کو زہن نہیں آتا۔" اوگا ڈا، یہ سب میری وجہ سے ہوا، اس کی
حالت بہت خراب ہے، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

حیدر بیٹھا اسے تسلیاں دے رہا تھا، سمجھا رہا تھا کہ وہ اب خطرے سے نکل آیا ہے۔ پریشان کن کوئی بات نہیں ہے، وہ دو واؤں کے
زیر اثر سو رہا ہے۔ یہ سب اسے ڈالٹون نے بتایا کہ جب وہ حورین کو لینے گیا تھا، اس کے پیچھے سے ہریہ کو ہوش آ گیا تھا، شدید تکلیف کے
باعث اس نے زیادہ بات نہ کی تھی، ڈاکٹر نے اسے یہاں کچھ دن کے لیے ایڈمٹ کر لیا تھا۔

"آپ کسی سے رابطہ کریں، اب تک وہ ڈرنے سے فارغ ہو گئے ہوں گے۔" حیدر کو حورین نے بتایا تھا کہ سب لوگ اس کے کڑن
کے سسرال ڈرنے پر گئے ہیں تو اس نے ایسے خوشی کے موقع پر اطلاع دینا اچھا نہ سمجھا، اب جبکہ انہیں یہاں آئے ایک کھنٹے سے زیادہ ہو چکا
تھا۔ حیدر نے کہا۔

"وہی بھائی کراچی سے باہر گئے ہوئے ہیں، سرمد کو یا سفیان کو کال کرتی ہوں۔" اس نے ہریہ کے تیل فون سے نمبر پیش کرتے
ہوئے کہا۔ اس کا خوف و سراسیمگی ڈاکٹر کی تسلی آمیز باتوں سے کم ہوئی تھی، اب آلسو تو قسم گئے تھے مگر جیکوں پر نمی موتیوں کی طرح چمک
رہی تھی۔ پہلے اسے ہر نو اند میرا ہی اند میرا نظر آ رہا تھا۔ ہریہ کو اس حال میں دیکھ کر وہ بدحواس تھی، اتنی بوکھلائی ہوئی کہ وہاں موجود
ڈالٹون کی موجودگی محسوس نہ کر سکی۔ اس کی موجودگی سے تب آگاہ ہوئی تھی جب اسے مسلسل روتے دیکھ کر وہ ان دونوں ڈاکٹر کو لے کر آیا
جنہوں نے ہریہ کو ہسپتال ڈیوٹی تھی۔ انہوں نے ہی اسے بتایا تھا کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔

اس کی موجودگی کے خیال سے ہی وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ حیدر اس کے قریب ہی بیٹھا رہا تھا۔ اسٹاف روم سے ان کے لیے کافی

بھی آئی تھی۔ وہ اپنی سابقہ سردمہری و بے نیازی برقرار رکھتے ہوئے خاموش بیٹھا رہا تھا۔

”یہ اعجاز ہے حسن آوارگی کا جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے۔“ حیدر نے ذوالنون کی طرف کافی کانگ بڑھاتے ہوئے آہستگی سے گفتگو کیا تھا۔ جواباً وہ اسے گھور کر رہ گیا تھا، وہ کافی میڈلز نے پہنچائی تھی۔

کال سرمد نے ریسرو کی تھی اور کچھ دیر بعد سفیان کے ساتھ موجود تھا۔ ان کے چہروں سے پریشانی و فکر مندی ہویہ آتی۔ ہریرہ کو دیکھنے کے بعد وہ حورین کے پاس چلے آئے تھے، جو ایک دم ہی جھکی جھکی نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے ارد گرد بیٹھ کر پیار سے تسلی دینے لگے تھے جس کے آنسوؤں میں بھرروانی آگئی تھی، وہ یہی کہے جا رہی تھی کہ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔

”جینکس گاڈ! کوئی فریکچر نہیں ہوا ہے۔ ذمہ گہرے ہیں مگر جلد مبر جائیں گے، ڈونٹ وری پریشان مت ہو۔“ سفیان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت بھرے لہجے میں کہا، وہ لوگ اس وقت سنجیدگی میں بڑے باوقار دکھائی دے رہے تھے۔ سرد ذوالنون کی طرف دیکھ کر بولا۔

”یہ جو ہمارے کزنز ہیں، ہریرہ اور حورین کی محبت بھی عجیب ہے، یارہ، ہر وقت لڑتے رہتے ہیں کبھی دم نے ان میں امن و صلح نہ دیکھی مگر اب اس کو ذرا سنا زخمی دیکھ کر اس کی کیا حالت ہے۔“

وہ باہر کو ریڈور میں ان سے مل چکے تھے اور عادت کے مطابق بے تکلف ہونے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی تھی۔ ذوالنون کو شش کے باوجود نہ مسکرا نہ کلا۔

”انتا تو غرؤ ہے، تم کہہ رہے ہو ذرا سا۔“ وہ اٹھ کر ہریرہ کے قریب چلی آئی اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ اس لیے ذوالنون کی نگاہیں بے ساختہ اس کے چہرے پر انٹھی تھیں، بلیک سوٹ پر مٹی دھاگوں کی کڑھائی والے سوٹ میں اس کے بکھرے سبے حسن کی تمام رعنائیاں و زیبائیاں عروج پر تھیں۔ مسلسل گریہ زاری سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، اذراک براؤن آنکھیں سوچ کر کچھ زیادہ ہی دل کش لگ رہی تھیں۔ گولڈن براؤن بالوں نے اس کی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اُلجھے اُلجھے سلکی بالوں کی بے ترتیب کچھ لٹیں اس کے چہرے کے گرد بھی تھیں، جن کو وہ کانوں کے پیچھے کزتی مگر پھر وہ چہرے کو چھوئے لگتی تھیں۔ اس کا لباس بھی سلوٹ زدہ تھا، اس بے ترتیب چلیے میں وہ ایک ایسا سحر میسج ہوئے تھی کہ نہ معلوم اس کے اندر نیا دلوں کا احساس جاگا تھا۔ اس کے اندر زبردست سراپائی و وحشت جنوں پھیلاتا چلا گیا، وہ اس سے نظر ہٹا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب ہمیں اجازت دیں۔“ وہ سرمد سے مخاطب ہوا۔

”آپ لوگوں نے جو احسان کیا، وہ تو ہم کبھی نہ اتار سکیں گے لیکن پھر بھی دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔“ سرمد نے بڑی گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”ورنہ آج کل لوگ مدد کرنے کے بجائے مرنا ہوا دیکھ کر گزر جاتے ہیں۔“ سفیان ان دونوں سے ہاتھ ملا کر مخاطب ہوا تھا۔

”او کے، پھر ملاقات ہوگی، یہ ذوالنون کے انکل کا ہسپتال ہے اگر کوئی بھی کام ہو تو تکلف مت کرنا، ویسے بھی ہم میڈلز سے

کہہ دیتے ہیں دو آپ لوگوں کا خیال رکھیں گی۔ حیدر کن اکھیوں سے ذوالنون کے سرخ پڑتے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
 ”ہیڈنرس، کوئی ریلیشن شپ ہے ان سے؟“ دو دلوں خود اسی فیڈ کے تھے، فوراً ٹاڑ گئے، وہ اسے زچ کر رہا ہے۔
 ”ہے تو نہیں، لیکن ہونے میں دیر کتنی لگتی ہے۔“ حیدر کہہ کر فارغ ہی ہوا تھا کہ وہی نرس سامنے سے تیز تیز چلتی ہوئی ادھر سے آتی نظر آئی تو وہ حیدر کو آنے کا اشارہ کرنا باہر کھل گیا، پیچھے حیدر کے قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”کونین اشام کو ریڈی رہے گا۔“ منال ناشتے سے فارغ ہو کر اٹھتے ہوئے کونین سے بڑے چاہت بھرے انداز میں مخاطب ہوئیں۔
 ”کوئی کام ہے؟“ وہ اٹھتے اٹھتے پینے گیا۔

”جی۔ بہت بڑا کام۔۔۔۔۔ بلکہ بہت خوب صورت کام۔“ ان کے ہونٹوں کی تراش میں معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس سے آپ کا کیا مطلب ماما؟“ اس کا لہجہ عام سا تھا۔

”آئی مین مائی سن اچھے بھی محسوس ہونے لگا ہے میری ذرا ان لاء کو اب ہمارے درمیان آ جانا چاہیے، اس کے لیے میں نے مسٹر شیرازی کی بیٹی کا احباب کیا ہے، اسی بچے اس کے سے آئی ہے۔ بہت کیوٹ، بہت ویل آف ہے، آپ دیکھیں گے تو میری پسند کی واو دیں گے۔“

”میں نے اس دن آپ کو بتا دیا تھا کہ میں اب شادی کبھی نہیں کروں گا۔“ اس کے لہجے میں ادب کے ساتھ ہی قلعیت بھی تھی۔
 منال نے اس کی طرف دیکھا تھا، اس کے جھکے چہرے پر ہلکی سرفخی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی بیٹا؟ شادی سے اس طرح انکار کرتے تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا، البتہ کسی کو فوری تو کسی کو دیر سے راضی ہوتے ضرور دیکھا ہے، یہ بالکل ہی انکار کی وجہ بھی تو کچھ ہو؟“

کونین کے اور اپنے تعلقات میں جو ایک خاموش سرومہری محسوس کر رہی تھیں، انہیں ذرا قہار اب ظاہر نہ ہونے لگے، کیونکہ
 فائدہ تو واقف تھیں مگر برہان اور ذوالنون بے خبر تھے۔ برہان صاحب کی اپنی بے تحاشہ معروضیات تھیں جن کی وجہ سے شادو ڈاؤر ہی انہیں
 موقع ملتا تھا ان کے درمیان بیٹھنے کا، اس لیے ان سے تو انہیں کم کم ہی خوف تھا مگر آج کل ذوالنون کی چٹھیاں تھیں اور وہ زیادہ وقت گھر میں
 ہی گزارنے کا عادی تھا اور وہ دیکھ رہی تھیں، ذوالنون بھائی کی جانب سے فکر مند ہے۔ وہ اس کی خاموشی بدلی کیفیت جاننے کی جستجو میں
 ہے اور قبل اس کے کہ وہ اصل حقیقت تک پہنچ پائے وہ اس خوف کو مٹانے کا پلان بنا چکی تھیں۔

”میری زندگی میں کسی لڑکی کی گنجائش نہیں ہے۔“

”ریزن؟“ اس بار ان کے لہجے میں سختی تھی۔

”ذیت از نوٹ ریزن۔“

”میں کیسے مان لوں؟ کوئی توجہ ہوگی؟“

”آپ مجھے فوراً مت کریں، پلیز ماما؟“

آپ ریٹائر ہو، میں فوراً نہیں کروں گی۔“

”ریزنہ!۔۔۔“ اس نے جن بڑھی نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا تھا وہ اگر ان ماؤں کی طرح ہوتیں جو حساس و گمازول رکھتی ہیں تو ایسے بھر میں تحلیل جاتیں، اپنے آپ پر شرمندہ ہوتیں کہ خود ہی اس کی زندگی میں آگ لگا کر خوش تھیں کہ خود پرستی و ہٹ دھرمی اس کی سرشت میں تھی۔

"ریزن..... آپ جانتی ہیں ماما!" اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا تھا۔

”میں..... میں..... کیا مطلب ہے آپ کا؟“ یہ انہوں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ وہ کبھی اس طرح بھی ان کی چوڑی کاہر کر سکتا ہے۔
وہ گزیر گئی تھیں۔

”میں آپ کو فخر نہیں کروں گا ماما لیکن میری آپ سے ریکوئسٹ ہے، پھر کبھی مجھ سے آپ یہ خواہش ظاہر نہ کیجئے گا۔“

دو نوراً اُٹھ کر چلا گیا تو مثال ساکت رہ گئی تھیں۔

★ ★ ★

سرزمی اپنے عروج پر تھی۔

رات ہونے والی بادشہ نے ٹھکانہ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اب زرد دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی حرارت بخش رہی تھی۔ ہریہ کی طبیعت کافی بہتر تھی مگر اس کی چھٹی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ زخموں میں تکلیف کے باعث زیادہ مزید پر ہی نکار جاتا تھا مگر زبان اس کی اسی رفتار سے چلتی تھی، بالخصوص حورین کی دیگر گوں حالت دیکھتے تھے آئندہ اس نے اسے حیران کر دیا تھا اور مزید خوش بھی۔

بی بی جان نے اس کے صدقات اتارے اور مٹی شکرانے کے لوافل ادا کیے تھے کہ اللہ نے اس حادثے میں اس کو اپنی رحمت سے ڈھانپے رکھا تھا۔ چونس جو آئی تھیں، زخم جو لگے تھے وہ ایک نہ ایک دن ٹھیک ہو جائیں گے، اگر خدا خواستہ کچھ ہو جاتا تو اس کا ہوا ممکن نہ تھا، کیونکہ ٹرک کی زد میں آکر بانٹک پر دو پر دو بکھر گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ بیٹھی ہوئی یہی ذکر کر رہی تھیں۔ حمیرا میرا کمر لگی تھیں، یہاں مول، زویا اور حورین موجود تھیں، ہر پرہو کا ہوا تھا۔

”میں تو اللہ کا بھتا شکر کروں، کم ہے کہ اس باری تعالیٰ نے میرا منہ اجلا رکھا، میں تو یہ سوچ سوچ کر بول رہی ہوں اگرچہ نکر نکتے سے اُچھل کر دور نہ گرنا تو..... میرے منہ میں خاک، تو کیا ہوتا؟“

وہ ہریہ کے قریب کرسی پر بیٹھیں بڑے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ بھیرتے ہوئے باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔

”پھر یہ ہوتا کہ حورین کے ہاتھوں میں میرے بجائے کسی اور کے نام کی مہندی لگتی اور یہ کسی اور بچا کے سگ ہنسی خوش چلی جاتی۔“ وہ قہر ماس سے چائے نکالتی حورین کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”لڑکے! اچھا اچھا بولو، دیکھو ایسی باتیں کرو گے تو میں تمہاری اس حالت کی پروا کیے بغیر مار لگا دوں گی۔“ بی بی جان نے غصے سے کہا تو ہریرہ نے فوراً کان پکڑ لیے تھے۔

”تم کینا جانو میری حالت؟ جب تک تم اپنے والدین سے دور ہو، میری ذمے داری ہے اور ذمے داری نبھانا لو ہے کے چپے چبانے کے مترادف ہے۔ میں تو کوئی اونچے نیچے ہونے سے ڈرتی ہوں اور یہی دعا کرتی ہوں جس طرح بیٹوں بچے میرے پاس ہنسی خوشی وہ تندرست آئے ہیں، اسی طرح واپس بھی جائیں۔“

”یہ آپ کی وعادوں کا ہی ثمر ہے بی بی جان! جو میں آپ لوگوں کے درمیان ہوں۔۔۔ ورنہ ایک لمحے کو تو مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا کہ میں اب کبھی بھی آپ لوگوں کے درمیان لوٹ کر نہ آ سکوں گا۔“ دو یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”خیر میرے بچے! مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ اس کو تار یہ کی مانتا ٹھنڈی رکھنی تھی، میری اور بھائی، بھابیوں کی لالچ رکھنی تھی۔ سو اس نے وہاں دو فرشتے بھیج دیئے، انسانی روپ میں جو تمہیں یہاں لے آئے۔ اے مولیٰ! تم کہہ رہی تھیں وہ لڑکے تمہاری یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں، جانتی ہو تم ان کو، ذرا فون کر کے بلاؤ تو سہی، میں شکر یہ تو ادا کر دوں ان بچوں کا، جنہوں نے اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ مجھ پر ہی کیا ہم سب ہی، میں ان سے ملنے کو تڑپ رہی ہوں۔“ وہ حورین سے چائے کا کپ لیتی ہوئی مولیٰ سے غائب ہو گئیں، یہ فرمائش دوبارہ کر چکی تھیں۔ اتفاق کی بات تھی، حیدر اور ذوالنون دونوں سے ہی رابطہ نہیں ہو رہا تھا، اُن وقت بھی یہی ہوا تھا۔

”یہ معلوم کس طرح نمبر ملائی ہو، چلو سہل حورین کو دو، دو ملائے گی۔“ وہ مولیٰ کو ڈانٹتی ہوئی بولیں۔

”ہاں، حورین کے ہاتھوں میں جاو ہے یہ جو چاہے وہ کر سکتی ہے۔“

ہریرہ نے مسکراتے ہوئے ان کی جانب دیکھ کر کہا جو مولیٰ کے ہاتھ سے سل خون لیتے ہوئے خاصی کٹیفوز تھی۔

”اب میں تمہاری پیاری کا نگاہ کر رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں جو دل چاہے گا، بولتے جاؤ گے۔“ نہ معلوم کیوں اسے غصہ آ گیا۔

”بیٹی! صبر سے کام لو، علاج چل رہا ہے غریب کا۔“ بی بی جان کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ وہ تینوں فیس پزے تھے۔ حورین

خاموش رہی۔

”کسی کا غصہ کسی پر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بی بی جان کو صاف صاف بتا دو کہ وہ شخص کبھی بھی تمہارے شکر یہ کے قابل نہیں

رہا ہے، خود وہ کبھی عزت بچائے یا جان، وہ ان چند خصوصی لفظوں کا مستحق نہیں ہے۔“ مولیٰ اس کے گلے حراج دیکھ کر گویا ہوئی تھی۔

”اتنا کچھ ہونے پر تمہیں اپنی خود ساختہ انا و گریز چھوڑ دینی چاہیے اور سن لو ہم از خود نمبر روٹک ڈال کر رہے ہیں، اب تمہیں خود

ان سے بات کرنی ہوگی اور بلا نا ہوگا۔“ زدیا نے ہری جھٹٹی دکھائی تھی۔

”لڑکیو! یہ کیا کھسر بکھر لگا رکھی ہے؟ میں نے فون ملانے کو کہا ہے۔“

”حورین ملارہی ہے بی بی جان!“ زدیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں باہر گیلری میں جا کر نمبر پیش کرتی ہوں، شاید یہاں سگنلز نہ مل رہے ہوں۔" ہر بار وہ اس وقت دواؤں کے زیر اثر سو گیا تھا۔

بی بی جان کے علاوہ ان دونوں کی نگاہیں بھی اس پر ہی مرکوز تھیں جن سے وہ پریشان ہو رہی تھی۔ گیلری میں آ کر اس نے حیدر کا نمبر پوچھا۔

ابتدائی خیر خیریت کے بعد اپنا مدعا بیان کر دیا تھا اور یہ بھی کہ ساتھ ذوالنون کو لے آئے۔

"مس حورین! آپ شاید اس بندے کی نیچر جان گئی ہوں گی، ازل تو اسے اپنی نیکی کی تشبیہ پسند نہیں ہے۔ اس حوالے سے وہ کسی بھی پروڈکٹ کو نہیں ایکسپٹ کرے گا....."

"پلیز حیدر! آپ لڑائی تو کریں انہیں انگریز کرنے کی، ہماری بی بی جان جو سوچ لیتی ہیں وہ کر کے چھوڑتی ہیں، جب تک وہ ان سے مل کر حصٹیکس نہیں کہہ دیں گے، انہیں بے سکونی رہے گی، کچھ ایسی نوعیت کی حساس ہیں وہ۔"

"آپ سے پہلے مول اور زویا بھی خون کر چکی ہیں اور آپ کی طرح ہی گفتگو انہوں نے بھی کی ہے مگر وہ منع کر چکا ہے۔"

"اوہ جو..... ان سے کہہ دیں، ایک ہارل لیس بی بی جان سے اور بے لگور ہیں، نننن کوریڈ کار پٹ پروڈکٹ دیا جائے گا، نہ توپوں کی سلامتی ہوگی اور نہ ہی ان کی نیکی ضائع ہوگی۔ بی بی جان کا مان رہ جائے گا۔" اس کے جملے کھانا انداز پر حیدر کے بھرپور تہنیتی کی آواز آتی تھی۔

"جواب نہیں ہے آپ کا، کیا فکسنگ پائٹس مارے ہیں، آپ ایسا کریں خود اسے شرم دلائیں، ہزاروں سے دعا نہیں لینے میں کتنا رہا ہے۔"

"میں..... میں کس طرح؟" حیدر کی بات پر وہ شٹا کر رہی مئی۔

"بات سمجھئے، یہ میرے قریب ہی بیٹھالا ڈورڈن ہونے باعث تمام گفتگوں چکا ہے۔" حیدر کی وضاحت نے اس پر مگر ڈوں پانی ڈال دیا تھا، وہ بالکل حواس باختہ ہو گئی، بھلا کس طرح اس سے بات کرے؟ پہلے دن سے ان کے درمیان بننے والی دیواریں اب بہت بلند ہو چکی تھیں، اگرچہ ان دیواروں میں منبوی نہ تھی، انا و ضد وہ چھوڑ بیٹھتے تو شخص ریت کی دیواریں ثابت ہوتیں مگر انا و ضد تو پھر دلوہے سے بھی مضبوط ہوتی ہے۔

"ہے..... لو۔" اس کی آواز عجیب سی شرمندگی و شکست سے لرز رہی تھی۔ نظریں فرش سے چپک کر رہی گئی تھیں۔ زویا اور مول کی نگاہیں وہ خود ہی محسوس کر رہی تھی اور سہم گئی تھی، یہ ان کا بچایا ہوا جال ہے، پہلے اس سے غلط بیانی کی اور پھر وہاں شاید حیدر کو اس گیم میں شریک کیا ہے جو ذوالنون کے ساتھ بیٹھا کال ریسیور کر رہا تھا، وہ بھی لاؤ ڈورڈن کر کے.....

"ہیلو" دوسری جانب سے ذوالنون کی گھبراہٹ آواز میں اظہار تھا اور وہ گویا تصور کی آنکھوں سے اس کی دگرگوں حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر کسی نیکی کے موڈ میں تھا، فوراً ہی بولا۔

"ڈونٹ وری، ہم بہت جلد آئیں گے، ٹائم ملتے ہی۔" دوسری جانب سے بہت دل نشیں انداز میں کہہ کر رابطہ ڈسکونیکٹ کر دیا گیا۔

☆.....☆.....☆

”ڈونٹ دمی؟ یہ تم نے کہا ہے حورین کو؟ اُس دیری دیری امیزنگ۔“ حیدر نے حیرانی سے ڈوالٹون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
 ”میں نے ایسی کون سی حیران کن بات کر دی ہے جو تم اس قدر پریشان ہو رہے ہو؟“ وہ کشن کے سہارے نیم دراز ہوتا ہوا مسکرا کر استفسار کر بیٹھا۔

”حیران ہونے والی بات ہے بھائی تم اس لڑکی سے مخاطب تھے جس کی طرف دیکھنا بھی تمہیں گوارا نہیں ہے۔“ حیدر اس کے نرم دیکھنے والے انداز پر حیران تھا۔

”مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی؟ میں بختی سے بولاں تب تمہیں قرار نہیں، مری سے کہوں تو تم بے چین ہو جاتے ہو، چاہتے کیا ہوا آخر تم؟“
 ”کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مگر میری جان اتم پچھلے چند دنوں سے کچھ کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔“ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا بغور جائزہ دیتے ہوئے پُر تجسس انداز میں گویا ہوا تھا۔ بلوچیز، لمبی شوخ رنگوں کی لانگ شرٹ میں ملبوس اس کی وجہ بہ پرستائی نمایاں تھی، مگر غریب صورت آنکھوں میں روشنیوں کے شکم میں ایک حزن بھی نمایاں تھا۔ وہ حزن اسے سب سے دور رکھتا تھا، وہ سب میں منفرد و نادر نظر آتا تھا۔

”یو مین، دم نکل آئی ہے؟ سینک نکل آئے ہیں یا میں امین بن گیا ہوں جو تمہیں بدلا بدلنا نظر آ رہا ہوں؟“ خلاف معمول وہ خوشگوار موڈ میں بات کر رہا تھا۔ حیدر اسے دیکھے گیا۔

”تمہیں محبت پر کتنا یقین ہے؟ آئی مین محبت دنیا میں باقی ہے؟“

”محبت ہی دنیا کے قائم و دائم رہنے کی وجہ ہے، سر آفتاب نے بتایا تھا کہ محبت صرف اسی کا نام نہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہو، محبت کے بہت سے رنگ ہیں، بہت سے روپ ہیں۔ ہر رنگت میں اس کی پاکیزگی ہے، ہر روپ میں تقدس ہے جہاں یہ مقدس جذبے نہیں، وہاں پھر محبت کے فریب میں حیوانیت ہوتی ہے۔“

”ہوں، خاصی الہامی سوچ ہے محبت کے بارے میں تمہاری۔ کیا کسی سے ”محبت“ کرنے لگے ہو؟“ حیدر کا لہجہ ذومعنی تھا۔

”محبت کرنے نہیں لگا، محبت کرتا ہوں۔“

”اچھا ابھی اچھے رستم نکلے، کون ہے ”ذات شریف“؟“ حیدر نے مارے تجسس کے اس کے چہرے سے چہرہ ملا دیا، اس نے دھکا دے کر دور کیا۔

”شت یار!“ وہ جھنجھلایا، حیدر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”میں نے جتنی شدت سے محبت کی ہے، اتنی ہی شدت سے نفرت بھی کی ہے، بلکہ کرتا ہوں۔ ابھی بھی اور ہرگز رنے والا دن میری نفرت کو بڑھاتا ہوا ہی گزرتا ہے۔“ لکھت اس کے لہجے میں خون خواری ورا آئی۔

”ارے ایسا کون ہے وہ جس کو تم جان سے بڑھ کر چاہتے ہو اور دو کون بد بخت ہے جو تمہاری نفرتوں کا مستحق ہے؟“

”نیا میں، میں جس کو سب سے زیادہ چاہتا ہوں وہ میرے بابا ہیں۔“ باپ کے ذکر پر اس کے چہرے پر تازگی ابھری تھی جو دوسرے پل ہی غائب ہو کر تمدی و نفرت میں بدل گئی تھی۔

”اور نیا میں، میں جس سے سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں وہ..... دو عورت ہے جس نے ہمیں بابا سے دور کر دیا اور بابا کو سب سے دور کر دیا۔ میں اس عورت کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ اندرونی جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، حیدر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”تم ہمیشہ اس عورت کے ذکر پر آگ بگولہ ہو جاتے ہو، میرے خیال میں تمہارا انداز فکر تمہیں کسی ایسے گمراہی کے راستے پر نہ لے جائے جہاں سے واپسی کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ بہتر ہوگا اگر ہم انکل کی واپسی تک اس بات کو سوچیں ہی نہ کہ کبھی کبھی حقیقت ہماری سوچوں سے یکسر الٹ ہوتی ہے۔ بس اب تو بیک دعا ہے، انکل جلد از جلد واپس لوٹ آئیں تاکہ تم بھی دل سے خوش ہونا سیکھ جاؤ۔“

☆.....☆.....☆

جہاز کراچی کے لیے ٹیک آف کر چکا تھا۔

کرن اپنی سیٹ پر نیم مزدوسی بیٹھی تھی، ان کے برابر میں بیٹھے ہوئے انس نے ان کا سر ہاتھ پڑی چاہت سے اپنے مضبوط ہاتھ میں دبا رکھا تھا۔ ”ٹیک اسٹ ایزی کرن ابی کیئرنگ یار، آنکھیں کھولو۔“ انس نے جھک کر سرگوشی کی تھی، کرن نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں مگر ان کے چہرے پر ایک سکوت و خاموشی شہت ہو کر رو گئی تھی۔ تمام رعنائی و رنگینی خزاں زدہ پھول کی طرح مرجھا گئی تھی، ایک ماوی مسلسل زہنی جدوجہد کے بعد دو آج رخت سڑک لکلی تھیں۔ اس شہر کے لیے جہاں زندگی نے اپنے بہت سارے پہلوؤں سے اسے آگاہ کیا تھا جس کا ہر پہلو ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

”جس منگواؤں؟“ انس نے دریافت کیا تو انہوں نے انکار میں جواب دیا۔

”اب سمجھو! اپنے بچوں کے پاس جارہے ہیں، ہم، اپنے شہر جارہے ہیں۔“

”اور موت کے قریب بھی۔“ ان کی آواز کزدہ تھی۔

”وہم ہے سب، ایک لمٹ ہوتی ہے یار ہر چیز کی، کب اس خوف سے ہار نکلو گی؟ اچھی باتیں سوچو، اچھے دن یاد کرو، کل کے خدشات میں کیوں آج کو بھی خراب کرتی ہو۔“ دوزی سے سمجھانے لگے تھے۔

”یہ سوچو، جب ہم بالکل غیر متوقع طور پر سب کے سامنے جائیں گے تو وہ سب کیسے سر پرانز زدہ جائیں گے اور اسد شفی حورین، اس کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ ہوگا۔ ہریرہ، بشرح کس قدر ایکسائیڈ ہوں گے۔ ناریہ بھابی کو دیکھو، کتنی خوش و سرور دکھائی دے رہی ہیں، حالانکہ وہ جانتی ہیں ہریرہ کے ایکسائیڈ کے بارے میں، بھر بھی کتنی بہادری کا ثبوت دے رہی ہیں۔“ وہ برابر میں بیٹھے سعد اور قادریہ کے حقائق کہنے لگے تھے۔

”ہریرہ اب تو بہتر ہے، جب بھابی نے سنا تھا تو دو دن بہت ڈپر سیز رہی تھیں، دن میں کئی بار اس سے بات کرتی رہی ہیں۔“

”میرے کہنے کا مقصد یہی ہے، پریشانیاں اور مشکلات سب پر آتی ہیں جو قی طور پر پریشان بھی کرتی ہیں اور بے چین بھی، جب دوست گزر جاتا ہے تو اس کی یاد میں پھر ساری زندگی خراب نہیں کی جاتی۔ میرا دل کہتا ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا، دشمنی کی آگ ایک بار سرد ہو جائے تو پھر نہیں بھڑک سکتی۔ اپنے شہر کی زمین پر بر قدم تمہیں بہت اعتماد سے ہر خوف دوسو سے مبرا ہو کر رکھتا ہے، ہم نے جو کیا تھا وہ نکلنا تھا، ڈرتے دو ہیں جو کچھ غلط کرتے ہیں۔“

حیدر اور ذوالنون، بی بی جان سے ملنے آئے تو وہاں حورین نہیں تھی، میرا بیگم اور موٹل موجود تھیں۔ بی بی جان ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں، شکر یہ کہ ساتھ بہت ساری دعاؤں سے بھی لواز تھا انہیں، یہ مہذب و لیک اطوار نو جوان بہت پسند آئے تھے۔

ایسی شائستگی و وقار وہ اپنے بھائیوں کے بچوں میں دیکھنے کی خواہش متھیں مگر وہ مسخرے بنے رہتے تھے، البتہ اب وہ وہی میں کچھ عجیبگی دیکھ رہی تھیں، کیونکہ وہ مصروف رہنے لگا تھا۔

”ہلیز پار! جیسے یہاں سے دسپاراج کر دو، بیڈریٹ کرتے کرتے میں خود کو پیڑی کھٹے لگا ہوں۔“ ہریرہ جوان سے خاصی باتیں کر چکا تھا، بے تکلف انداز میں بولا۔

”ہاں، تاکہ تم پھر مینڈک کی طرح پھدکتے پھرو، جب تک مارے زخم مندمل نہیں ہو جاتے، تب تک میں جھٹی لینے والی نہیں ہوں۔“

بی بی جان نے کہا، اسی اثاء میں میرا اور موٹل مینڈک پر چائے کے ساتھ لواز نہت رکھ چکی تھیں، ذوالنون نے اعتراض کیا تھا۔

”تکلف کیسا بیٹے! آپ لوگوں کے احسان کا کوئی بدل ہی نہیں ہے۔“

”حیدر کو گھر ڈراپ کر کے وہ آگے بڑھا تھا، جب ٹیکسی سینٹر کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔“

پرہیز کلر دلیوٹ کے موٹ پر پرہیز اور بلیک پھولوں کے پرنٹ والا بڑا سا دو پہلے شائوں پر پھیلانے، بلیک اسکارف سر پر خوب صورتی سے باندھے وہ بڑے طمطراق سے سڑک کی جانب ہی آ رہی تھی۔ بائیں بازو پر شوڈر پرس لگ رہا تھا، دائیں ہاتھ میں شاہر پکڑا ہوا تھا، وہ دائیں بائیں دیکھے ہمارے سوچوں میں گم چلی آ رہی تھی۔ ذوالنون کی نگاہیں بے ساختہ اس کی جانب اٹھی رہ گئی تھیں، سردیوں کی اس گلابی شام میں دل کشی و حسن اسے اس کے چہرے پر چھایا محسوس ہونے لگا تھا، وہ حسن پرست نہیں تھا مگر کچھ دنوں سے وہ محسوس کر رہا تھا اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی دل کے اندر عجیب سی آنچ سگنے لگتی تھی، وہ اس سے دور بھاگنا چاہتا تھا مگر پھر از خود ہی نکلا اس کی حلائی رہتی تھیں۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ شام اچانک سیٹھنے کو تھی، وہ ٹیکسی لینا ہی چاہتی تھی کہ اچانک بلوکار اس کے قریب رکی تھی۔



خویرین نے کار کو بالکل اپنے قریب رکھ دیکھ کر گھبرا کر دیکھا، جو چہرہ اسے ڈرائیو تک ڈور سے جھانکنا ہوا نظر آیا، لمحے بھر کو وہ اسے دیکھ کر گھبرا رہی تھی، بھلا اس شخص سے ایسی لڑائی کی توقع کیوں کر ممکن تھی۔

”میسوری گھر سیف کر کے آئی ہیں یا آئی سائیڈ ویک ہو گئی ہے؟“ وہ اسے ہونٹوں کی طرح کھڑا دیکھ کر گویا ہوا۔
”جی نہیں..... میں“ وہ نرمی طرح بول کھلائی۔

”اوو شٹ..... کم آن! اب یہاں تماشا لگانے کا ارادہ ہے؟“ وہ ارد گرد سے گزرتے لوگوں کی پرتجسس نگاہوں سے اس کا سر بولا۔
”تو تجھ تکس..... میں چلی جاؤں گی۔“

”میں بھی آپ کو ڈراپ ہی کروں گا، ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں ہے۔“

اس کے کھڑا صراہ بھرے انداز سے وہ شش و پنج میں مبتلا تھی کہ ایک احسان لینے کے لیے جو نتائج بھگتنا پڑے تھے، دوسرے احسان کی خود کو وہ متحمل نہ سمجھتی تھی۔ حقیقی طور پر اس کا دل اس کی طرف سے صاف نہ تھا۔ ایک وہ تھا کہ مسلسل اس کی جانب دیکھے جارہا تھا، کچھ دیر قبل دکھائی دیے والی مردت کی رعنائیاں اس کے دھیمہ چہرے سے اوجھل ہونے لگی تھیں۔ ان خوب صورت آنکھوں میں جہاں کچھ دیر قبل ایک شوق و انبساط چمک رہا تھا وہاں اب ہلکی ہلکی برہمی کی سرخی چھانے لگی تھی۔

”میں چلی جاؤں گی“ اسے اپنے ارد گرد اکتھا ہونے والے لوگوں اور رکتی، دلی گاڑیوں کو دیکھ کر وہ حواس باختہ ہونے لگی۔

”اب تمہیں میرے ساتھ ہی چلنا ہوتا“ تماشا بننے دیکھ کر وہ پوری طرح کھول اٹھا اور اس کا تہور بھی بگڑ گیا تھا۔

”اپنی پراہم مس؟“ کار سے اتر کر ایک لوجوان اس کی طرف بڑھا۔

”تھک“ اس لمحے وہ ڈرائیو تک ڈور کھول کر اتر اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا اشارہ لے لیا اور ایک نگاہ اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے پر ڈال کر اس سوئچ بوٹڈ لوجوان سے گویا ہوا۔

اس کے درشت لہجے اور ناخوشگوار انداز نے اس لوجوان کو اُلٹے قدموں واپس کر دیا تو خویرین بھی خاموشی سے فرنت سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شاہر ذوالنون بیک سیٹ پر رکھ چکا تھا۔ بہت جلد حاضرا انداز میں اس نے کار اسٹارٹ کی۔

”کس اسٹوپیڈ نے ایئر وائز دی تھی اس جٹم آپ کو تباہ کرنے کی۔“

چہرے تلے ہونے والے تمناشے نے اس کی ساری خوشگوار میت غارت کر دی تھی۔

”مجھے کسی ایئر وائز کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنے فیصلے خود کرتی ہوں۔“ وہ حواسوں پر قابو پاتی پڑا اعتماد لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”وہ تو آپ کی حرکتوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے کہ کس قدر ایلی ٹینس اور مہل ہیں آپ۔ اس کا انداز سنجیدگی سے پڑھا۔

”یہ شہر ہے یہاں جولوگیاں بے خبری میں گھروں سے نکل جاتی ہیں تو..... گھر لوٹ کر جانے کے قابل نہیں رہتی ہیں۔“ اس کی

آواز پست تھی۔

”معلوم کیا سمجھ کر آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں، دور میں نے ایسی کیا حرکت کر دی جو آپ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔“ میں تو بربرو کے لیے گنٹ لینے آئی تھی۔“ ذوالنون کا نام سنا سنا انداز سے ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

”گھر سے کسی کو بھی لے کر آ سکتی تھی۔“ وہ اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

”کیوں؟ کیا ہوا اگر میں تنہا گھر سے شاپنگ کرنے آ گئی۔ روز لاکھوں لڑکیاں مختلف ضروریات کے تحت گھر سے نکلتی ہیں اور گھر پہنچتی ہیں پھر میں کیوں نہیں نکل سکتی؟“ اس کی بھرا دے دو مری طرح مشتعل ہو گئی تھی۔

”بحث برائے بحث کی فضول عادت سے مجھے چڑ ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔

حورین نے کچھ حیرت و تعجب سے دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کی گریز آنکھیں وٹا سکڑین پر مرکوز تھیں۔ براؤن پیٹ کوٹ میں اس کی وجہ پر سنائی نمایاں تھی۔ کپڑوں سے پھوٹی ول آویز مہک..... بجکتی شام کے گہرے پڑتے سائے اس کا رڈ انداز، ریش ڈرائیجنگ، دو بہت کچھ کہنے کی چاہ کے باوجود چہرہ جمکا کر دو گئی اور وہ بھی گویا حواس میں لوٹ آیا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا اسے اب محسوس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔

حورین کو لگت و پتا وہ بھی خوب بازخروں سے نیچے آزمائی کے بعد، بھلا ایسا کیونکر ہوا؟ کسی عمر زدہ انسان کی طرح بلا سوچے سمجھے۔

”اوومائی گڈنٹس!“ وہ بے وسایانی میں خود کو ڈپٹا ڈپٹا لیش بورڈ میں مکنا مار بیٹھا۔ غصے، جھنجھلاہٹ اور کوڈل سے مری حالت تھی۔

”کہا ہوا.....؟“ اس کے جنونی انداز پر وہ پوکلا اٹھی اور وہ سابقہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھے بیٹا بگڑے لہجے میں گویا ہوا۔

”تھنک۔“ حالت ایسی تھی گویا ابھی نیند سے بیدار ہوا ہو۔

تمام راستہ خاموشی سے کٹا۔ ذوالنون نے پھر کوئی بات نہ کی۔ حورین بھی اس کی جانب سے رخ موڑے کھڑکی کے ساتھ لگے شیشے سے باہر دیکھتی رہی۔ ایڈریس بتانے پر گیٹ کے سامنے کار صرف اس کے اترنے تک رکی اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی، شکر یہ یا اندر آنے کی دعوت دیتی، دوہ کار اس کے اترنے ہی بھاگ کر لے گیا اور وہ چند ٹائیپے تیزی سے دور ہوتی بلوا کارڈ کی سرخ لائٹس کو دور ہوتے دیکھتی رہی۔

وہ الجھا اور بکھرا ہوا شخص اسے بھی الجھا گیا تھا۔ عجیب سا احساس تھا اس نا مہرباں کی مہربانوں کا، گویا گلاب کی ٹکلیوں میں کانٹے آویزاں تھے۔ خوشنمائی و خوشی کی کا گھائل انداز سیٹھے۔

☆.....☆.....☆

الیشن کی گہما گہمی عروج پر تھی۔ برہان لغاری بھی بے پناہ معروف تھے۔ جلسے جلوسوں و دیگر تقریبات میں جیسے پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا، سوچے سمجھے بغیر اس بات کا یقین تھا کہ ہر سرائق دار آکر سب سود سمیت وصول کر لیا جائے گا۔

آج دو گھر پر ہی تھے، شام کی چائے پر وہ فائدہ نگیم، منال اور کوئین کے ساتھ معروف منگلو تھے۔ منال بہت گہرائی سے باپ اور

پھر اس کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی اور یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ کچھ عرصے سے جوان دونوں کے درمیان ایک کشیدگی چل رہی تھی، وہ ختم ہو گئی تھی۔

"میرا اب بھی مشورہ وہی ہے مانا جان! آپ اس راہ سے واپس لوٹ آئیں، زیادہ راستہ عبور نہیں کیا ابھی آپ نے۔" کوئین نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، وہ اس کے انداز پر مسکرا دیے۔

"راستے پر قدم رکھ دیے ہیں مائی سن! اب منزل پر ہی جا کر رکھیں گے۔"

"منزل؟۔۔۔۔۔" جواباً دو گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"افسوس کا مقام یہی ہے کہ منزل جو ہمارے ملک پاکستان کی صورت میں ہمیں مل چکی ہے، وہ پا کر ہم سمجھا ہونے کے بجائے منتشر ہو رہے ہیں۔"

"یک مین! یہ لائف انجوائے کرنے کی ہے۔ یہ گورکھ دھند سے آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے جو سمجھ میں نہ آئے وہ نہ سمجھتا بہتر ہے۔" انہوں نے لائٹر سے سگار ساگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کوئین کی بات درست ہے، آپ خواہ خواہ اس طرف چلے گئے ہیں۔" فائیکہ بیگم نے بھی اس کی تائید کی۔

"کرسی میں بڑی کشش ہوتی ہے مئی جی! ہم نے بہت سے خاندان اس کی چاہ میں تباہ ہوتے دیکھیں ہیں، کوئی نہ کوئی تو راز ہے اس کی چاہ میں۔"

"اوہ منال! آپ بھی اپنے قادر کی طرف وارنا کر رہی ہیں۔" فائیکہ بولی۔

☆.....☆.....☆

مہران علوی کا اسرار ہرگز روتے دن کے ساتھ شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خضریٰ سے فون پر بات کرنے کے لیے بضد تھا، گویا خضریٰ کے فون پر نہ آنے کی وجہ نے اس کے جذبہ شوق کو مزید ہوا دی تھی اور بالآخر راجیلہ بیگم کو خضریٰ کو سمجھانا پڑا کہ وہ اس سے بات کرے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"میرا..... دل نہیں مانتا داؤد۔" وہ ان کی جانب دیکھتی ہوئی بے چارگی سے گویا ہوئی۔ اس کی آنکھیں جھپکنے لگی تھیں۔

"کبھی دل کی بات ان سنی کر کے دوسرے کی بھی ماننی چاہیے۔" دادو نے اس کا سر سینے سے لگاتے ہوئے رسانیٹ سے سمجھایا۔

"دادو! میں جانتی ہوں، نہ چاہنے کے باوجود میں اس مراب کی طرف بڑھتی چلی گئی جو لا حاصل تھا۔ میرے دل میں محبت کی کلی بنا کھلے ہی مرجھا گئی ہے اور میں جانتی ہوں..... میرے اندر بہار صرف ایک شخص کے لیے اترتی ہے وہ نہیں تو..... کچھ بھی نہیں ہے۔ اب میں مہران علوی سے محبت تو کیا..... شاید بھدروی کے چند لفظ بھی نہ کہہ پاؤں گی۔"

جب سے کوئین یہاں سے لوٹا تھا اور اس نے اس کا ٹوٹا ٹکڑا، شکستہ روپ دیکھا تو وہ اس سے اپنے جذبات کچھ دن تک تو

چھپائے رہی مگر جب کھٹن حد سے تجاوز کر گئی اور پھر اچانک ہی مہراں علوی اس کی جانب متوجہ ہونے لگا تو اس نکلتش میں دوڑی طرح برت دوری تھی کہ داد (جو اس کی مزاج آشنا و سہرا تھیں) نے بڑھ کر ہمیشہ کی طرح اسے سہارا دھو سلا دیا۔

”ایسے مت سوچو، کچھ بھی نہیں ہوا تمہارا۔ سہارا کو نہیں کے درمیان، جس طرح خاموش محبت پیدا ہوئی تھی وہ اسی طرح کھٹن لگائے فنا ہو جائے گی۔ تمہاری محبت تمہارے جذبے ابھی ان چھوئے ہیں۔ مہراں علوی کے ساتھ تم کوئی دھوکہ نہیں کر دو گی، کوئی فریب نہیں دو گی۔ یہ سب خیالات دل سے لکال دو۔“

ان کے پورے دلائل کے ساتھ سمجھانے کے باوجود وہ خود کو مہراں علوی سے ہات کرنے پر مائل نہ کر سکی، اس کی کال اسے جبراً اینٹھ کرٹی پڑی۔

”ہیلو۔۔۔ اس کے انداز میں خود بخود سنجیدگی در آئی۔

”جی۔ مہراں علوی..... آپ ڈاکٹر فخری؟“

دوسری جانب سے بے اشتیاق لہجے میں ایک عالم شوق کا بوجھ تھا۔

”جی..... جی ہاں۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”اوہ ٹھیکس گاڈ! آپ کی آواز تو سنائی دی، آپ کو معلوم ہے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے انتظار کرتے ہوئے۔“ وہ ہنسا۔

”دراہل میں آپ سے کچھ ضروری بات، بلکہ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”جی۔۔۔ دوپٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

”یہ پورا مہینہ اگر میں کہوں، میں نے صرف آپ کو سوچتے ہوئے گزارا ہے۔“ طے کی آواز تو اسی دن سے ہو رہی تھی، جب سے

آپ کی غیر موجودگی میں ہنرہ کی شادی کی نو فوڑ میں آپ کو دیکھا تھا۔“

اس کی بڑے وقار آواز میں ٹھہراؤ کے ساتھ جذبوں کی کھٹک بھی تھی۔

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”اس طرح کیسے بتا سکتا ہوں، میرا مطلب ہے، اب تو فیس نو فیس بات ہونی چاہیے۔“

دوسری جانب جذبوں کی جولانیاں عروج پر تھیں۔

”ابھی تو نہیں.....“

”پھر کب؟“

”آپ کو دیت کرنا ہوگا۔“

”لیس، میں کر سکتا ہوں تا زیست..... مگر ایک شرط پر.....“

”وہ کیا؟“ ضررئی ہے ساختہ کبریا نھی۔

”آواز کا یہ تعلق ٹوٹنے نہ پائے۔“ وہ آہوں کو دبا کر ہامی بھر بیٹھی۔

☆.....☆.....☆

بھیر میں زمانے کی

ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں

دست دراز لیگوں میں

سلوٹس ہی پڑتی ہیں

ایک ذرا سی رنجش میں

شک کی زبردستی پر

اس طرح سے کھلتے ہیں

فاصلے کی اینٹوں سے اینٹ جڑنے لگتی ہے.....

جہاز سے اترتے وقت ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ذہن بگولوں کی مانند چکر رہا تھا۔ ماضی سرگوشیاں کر رہا تھا۔ آنکھوں کے

سامنے بہت سارے چہرے تھے۔

اپنے چہرے، پرانے چہرے۔

شفیق چہرے، رقیب چہرے۔

ماضی کے جھولے جھولتی ہوئی وہ حال میں نیم خوابیدہ کیفیت میں کسی خمار زدہ کیفیت میں اس صاحب کا ہاتھ پکڑے میڑھیاں اتر

رہی تھی، پھر جیسے ہی زمین نے ان کے قدموں کو چھوا، ان کے قلب میں ایک عجیب سی پھوار پڑنے لگی تھی، میٹھی میٹھی، شغلی شغلی۔ ایک

ایسی مانوس سی مہک جو مہک کی آغوش سے آتی ہے۔ لازوال مہکار، انمول خوشبو، زمین بھی تو ماں ہوتی ہے۔

ماں تو نو ماوا اپنی کوکھ میں رکھتی ہے۔ زمین کی کوکھ صدیوں سے ہم آدم زادوں و زادیوں کے لیے وقف ہے۔ اس کا درجہ مہک سے

زیادہ بلند ہے۔

زمین کی مہک، مہک کی خوشبو، دونوں ہی ہم آہنگ، ہر کراس سے لپٹی تھیں اور ان کے آفٹنہ جذبات پکھل کر موتیوں کی صورت

میں رخساروں سے بننے لگے تھے۔

ایک طویل عرصے بعد انہوں نے اس شہر میں قدم رکھا تھا جو ان کا اپنا تھا، جہاں انہوں نے اپنی کو غیر بننے دیکھا تھا، غیروں کو

انہوں سے بڑھ کر پایا تھا۔ کچھ رشتے کھوئے تھے، کچھ پائے تھے اور ان لکھوں میں جو قریب تھے وہ پس منظر میں چلے گئے تھے، جو پچھڑ گئے

تھے وہ قلب دنگاؤں میں سمٹ آئے تھے۔ اُن انگشت چھروں میں ایک چہرہ بہت واضح تھا۔

حلقی شام کی آداسیاں لیے ہوئے وہ نور چہرہ نوشاہہ بیگم اور ان کی ماں کا تھا جن سے بچھڑنے کا لال انہیں تادم آخر ہوتا تھا۔
 انس صاحب کے علاوہ ان پر گزرنے والی کیفیات سے سعد اور قاریہ بھی واقف تھیں۔ سودہ خاموشی سے ان کے ہمراہ چلتے رہے۔ گھر پر ان کی اچانک آمد نے سب کو سرت بھری حیرت میں ڈال دیا تھا۔ بہت دالہانہ طریقے سے ان کو دیکھ کر کہا گیا۔ ان بیٹیوں سے تو سب گھرا لے ملتے رہے تھے کہ ان سے رو برو ان کی پہلی ملاقات تھی۔ بڑے تو بڑے بچوں نے بڑھ کر ان کی پندیرائی کی پھر جس شدت و محبت سے حورین ان سے لپٹی تھی، اسے آغوش میں بھر کر ان کے بے سکون دانتوں کو خاصا اطمینان ملا تھا۔

”آئی مس یومما! رنلی مس یو“۔ وہ ان کے گال چومتے ہوئے گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی۔ اس کے چہرے سے بے تحاشہ خوشی عیاں تھی۔

اسی لیے میں آئی ہوں میری جان“۔ وہ اس کو لپٹاتے ہوئے بولیں۔

”یہاں آکر آپ ماما کی بیٹی بن گئیں، اب میرا کیا ہوگا؟“ سب گھراؤوں کی بھرپور توجہ اور حورین کو دیکھ کر جو کرن میں بھرپور تبدیلی آئی تھی جو زندگی و بے شہس تھی اس نے انس کو بہت سرور کر دیا تھا۔

”آپ کی بیٹی آپ کی رہے گی، یو ڈونٹ وری“۔ وہ جھٹ اس کے شانے سے لپٹتے ہوئے لاڈلے انداز میں گویا ہوئی تو وہ دونوں مسکرا دیئے۔

ان کے آجانے سے گویا خوشیاں اُڑ آئی تھیں۔ دونوں بہوؤں نے کچن سنبھال لیا تھا جہاں سے نت نئے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹنے لگی تھیں۔ بی بی جان نے لڑکیوں کو ہدایات دی تھیں کہ وہ انیکسی میں ملازماؤں سے اپنی نگرانی میں صفائی کروائیں، تاکہ وہاں کے روزمران لوگوں کو دیکھ جائیں۔ ساتھ ساتھ وہ خود بھی گاہے بگاہے جائزہ لے رہی تھیں، سب سے اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ آج اچانک ہی ہریرہ کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ وہ خاصی حد تک صحت یاب ہو چکا تھا۔

سعد اور قاریہ کے ساتھ کرن اور انس کو بھی اسے نارٹن حال میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ ہریرہ اور نشر بھی کھل سے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

قسمت کے کھلونوں سے بہل جاؤں گا ایک دن

منہر کی طرح میں بھی بدل جاؤں گا ایک دن

سورج کی طرح تجھ کو بھرنے ہے جہاں میں

میں سایہ یوار ہوں ڈھل جاؤں گا ایک دن

کب تک یوں ہی بھگوں گا زمانے کے کھنور میں

اے عمر رواں تجھ میں ڈل جاؤں گا ایک دن
چھوڑا ہے تیرا ساتھ تو یہ فیصلہ کر کے
خود بخود کریں کھا کھا کر سنبھل جاؤں گا ایک دن

”ہاؤ آر یو پائنڈ؟“ ڈالٹون نے کونین کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ وہ سوچوں میں غرق تھا، سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”آئی ایم ٹائن، آؤ بیٹھو۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا چکا تھا۔

”نیو نیور ٹی ہند ہے؟“ دوپوری طرح سے بھائی کی طرح متوجہ ہو چکا تھا۔ ڈارک کوٹ سوٹ میں اس کی وجیہ پر سنائی عیاں تھی۔ مسکراہٹ سے ہمیشہ محروم رہنے والے گلابی لبوں پر اب اکثر مسکراہٹ رہنے لگی تھی۔ سرخ و سپید رنگ والے وجیہ چہرے سے وہ کرختگی و بے ذراوری بھری دعوت غائب ہو چکی تھی جو کسی کو بھی اس کے قریب نہ ہونے دیتی تھی۔ مگر آج آنکھوں میں البتہ جلال و تزیں کی وہ سرخی ہنوز موجود تھی جو باپ سے جدائی کے وقت ایسی ٹھہری تھی کہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ وہ بڑھتی چلی گئی۔

”آپ یہاں تنہا بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں؟“

”اسٹڈی کر رہا تھا۔“ کونین ٹھیک کی جانب اشارہ کر کے بولا جہاں رکے اخبارات میں پہلے صفحے پر سیاسی خبروں میں برہان لغاری کی تصویر بھی موجود تھی، جیسے میں تقریر کرتے ہوئے۔

”نانا جان کی یہ ہالی مجھے پسند نہیں آئی، مائی ویز آپ فری ہیں؟“

”ہوں، کہیں چلنے موز ہے؟“

”نیس، دادو کے پاس چلتے ہیں، بہت ناٹم ہو گیا ہے ان سے ملے ہوئے۔“

”وہاں..... اچھا.....“ کونین کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

”بھائی، ایک بات بتائیں گے؟“ اس کی حساس نگاہوں سے اس کی کیفیت چھپی نہ روکی تھی، وہ سنجیدگی سے استفسار کرنے لگا۔

”آں..... ہاں وہاں۔“ کہو۔ اسے اس لیے کا ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کی نگاہوں میں چھپے اس دورے آشنا نہ ہو جائے جو اس

کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا اور ہر خوشی سے بڑھ کر عزیز ہو چکا تھا، وہ سمجھو کہ چکا تھا، اپنے اس دکھنا رسائی سے مگر یہ سب اسے تنہا ہی گوارا تھا۔ ڈالٹون کو وہ اس لیے کی ہوا بھی نہیں لگانا چاہتا تھا۔ جانتا تھا، وہ اس کی خاطر کسی کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ دادو کے ہاں کوئی اس کی بات کو رد نہیں کر سکتا تھا تو یہاں نا تو اور ماما کی ڈیکٹر شپ بھی اس کے سامنے زیر ہو جاتی۔ خنثی اس کی ہو سکتی تھی مگر.....

خود غرض نہ تھا، نہ خود پرست۔ یہ اس کی سوچ تھی کہ اس کی چاہت صرف اس کی نہ ہو، مگر بھر کی چاہت بن کر رہے۔

”آپ دادو کے ہاں جانے سے کترانے لگے ہیں کوئی بات ہوئی ہے؟“

”ارے نہیں، بھئی!“ اے اپنا قہقہہ مجھ سے مبرا محسوس ہوا۔

”ایسی کوئی بات کیوں ہوگی بھلا؟ وہاں سب اتکا چاہتے ہیں، اس قدر محبت دیتے ہیں۔ انگل، آئی، ہنزہ، منزل، خضرئی، پھر دادو کی محبت، ان کا انداز تو سب سے منفرد ہوتا ہے، ریلی تون بڑھ جاتا ہے۔“

”آئی ڈونٹ نو، آپ مجھے بھلا رہے ہیں یا خود کو؟“ وہ ٹیچیدگی سے بولا۔

”کیا مطلب؟“ کوئین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”مطلب ہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔“ وہ بھی وجہ سے مسکرا کر بولا۔

”قاریو کا سٹڈ انٹار مشن مائی جونیئر برادر! مطلب پرست لوگ مجھے پسند نہیں۔“

دو لوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔ اسی دم حیدر کی کال اس کے سیل پر آئی تو وہ تردد میں پڑ گیا۔

”کیا کہا ہے حیدر نے؟“ کوئین اسے شش و پنج میں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”وہ اسی وقت ملنا چاہتا ہے۔“

”کوئی ضروری کام ہوگا۔“

”شاید کافی سیر نہیں تھا، ہم دادو کے ہاں پھر چلیں گے۔“

☆.....☆.....☆

ندو الکار کرتی ہے، مذاق اڑا کرتی ہے

لیکن مجھے پتا ہے وہ مجھے ہی پیار کرتی ہے

”بھائی! ذرا ڈھنگ سے پتا“ کرواؤ کہیں لڑکی کو کئی بہری تو نہیں ہے۔“

سرد نے لکڑی کا اٹھار کیا، وہ سب ہاں میں جمع تھے۔ موسم بھی ٹھنڈا تھا۔ سردی نے برقی ہاتھیں پوری طرح وا کر دی تھیں، ہر شے کو سردی نے جکڑ لیا تھا، یہاں بھی سردی سے پوری طرح لطف اندوز ہوا جا رہا تھا۔ گرم گرم کائی کے ساتھ ڈرائی فروٹس بھی خوب کھائے جا رہے تھے۔ گھر کی خواتین اور مردوں کی سسرالی دعوت تھی، مگر ان اور قاریہ وہاں گئی ہوئی تھیں اور نوجوان پارٹی کو پوری طرح موقع مل گیا تھا۔ دوبلہ گلہ کرنے میں مصروف تھے۔ تمام لڑکے کارپٹ پر کھڑے کے سہارے ڈھیر تھے۔ لڑکیاں صوفوں پر مکمل شانوں تک ڈالے سگری بیٹھی تھیں۔ ان میں صرف حورین تھی جو ہلکا سا سویٹیر پہنے بیٹھی تھی۔ اس کی گود میں کاجو اور ننگین پستے کی پلیٹ تھی۔ ساتھ ہی کارڈ بیچل پر رکھا سنگ سائز کپ کافی سے بھرا بھاپ اڑا رہا تھا۔ وہ بڑے سروانہ انداز میں بیٹھی ڈرائی فروٹس کھا رہی تھی۔

وہ ایک دوسرے کو ڈرائی کہانیاں سنا رہے تھے۔ سرد اور سفیان کو سردیوں کی خاموش راتوں میں ایسی کہانیاں پڑھنے، قہقہے سننے سنانے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ لڑکوں کی حرص میں لڑکیاں سن تو لیتی تھیں، پھر ڈر کے مارے جو ان کا حال ہوتا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت

بھی وہ کمرو بند کیے اس ٹاپک کی کہانیاں سنارہے تھے۔ معاہرہ کی زبان ملی، وہ تنجیدگی سے کہانی سنی ہوئی حورین کو دیکھ کر گنگایا۔
 ”ڈنٹ ناؤل ہریرہ! اب تمہیں کوئی نکاسک ڈراؤنی کہانی سنانی ہے اور تم سناؤ گے، اس طرح حورین سے الجھ کر فرار نہیں پاسکو
 گئے۔“ دوسی نے تنبیہ کی۔

”اس کو فالتو بکواس کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔“ حورین نے جوت کی۔
 ”اگر ایسی بات ہے تو سنو، میں ایک ہانگل سچا واقعہ سنا تا ہوں، جو حال میں میرے ساتھ پیش آیا ہے۔“ سب کی محورتی نگاہوں
 اور حورین کے چیلنج نے اس کے اندر کی انا کو بیدار کر دیا، وہ اکڑ کر بیٹھنے ہوئے نہ جوش لہجے میں بولا۔

”پہلے حلف اٹھاؤ، یہ جو تم سنانے جا رہے ہو، یہ واقعہ سچا ہی ہے۔“
 ”جیئے! ابھی اس ایکسیڈنٹ میں انجرجنرل حیلے کر داکراٹھے ہو، نہ معلوم ابھی فٹنگ درست ہوئی ہے یا نہیں؟ خدا نخواستہ ایک
 آدھ اسکر وٹکل کر گر گیا تو پراہم ہو جائے گی۔ انسانی اسکر وپارٹس ملتے بھی نہیں ہیں۔“ اسے حورین کی طرف بڑھتے دیکھ کر دوسی گویا ہوا تھا۔
 ”جل منڈے! شروع ہو جا۔“ سرمد نے کافی پیتے ہوئے چمکا رہا۔

”دوسرو کی ایک بڑی تاریک رات تھی۔ بارش برس کر ڈک چکی تھی جس سے سردی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہاں میں بہت تیز
 تھیں۔ آسمان پر چھائی سیاہی نے زمین کی ہر شے کو اپنے گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ ماحول میں کثیف دھند آلود تاریکی چھائی تھی۔ ہواؤں کے
 جھکڑوں میں ایسا غموس ہوتا تھا، گویا لاکھوں چڑھیں مل کر رو رہی ہوں۔“ اس نے کسی کہنے مشن کہانی سنانے والے کی طرح کہنا شروع کیا۔
 ”پہلے یہ بتا، ایسی رات میں ٹوکیوں نکلا تھا؟“ دوسی نے کہا۔

”اور کہاں نکلا تھا، میرا مطلب ہے کہاں گیا تھا؟“ سرمد بھی گویا ہوا۔
 ”دیکھو فرینڈز! اگر سننا ہے تو سنو، ورنہ میں چلا۔“ اس نے ڈرایا۔
 ”لیکن بتانے میں حرج کیا ہے؟“ سفیان نے اصرار کیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ یہ روز روز جو ناؤنر پڑھتے ہوں تو ان کے رائٹرز سے کبھی دریافت کیا ہے کہ وہ کہاں اور کیوں ایسی کہانیاں تحریر کرتے
 ہیں، کبھی پوچھا ہے کسی سے؟“ وہ بری طرح چٹ چکا تھا۔

”اسناپ اٹ، اسٹوری ساری کر کر رہی ہے پلیز۔ درمیان میں کوئی نہ بولے۔“ رؤف نے مصالحتی انداز میں کہا تو ہریرہ
 پھر گویا ہوا۔

”سخت ترین سردی میں آسمان سے لے کر زمین کی ہر شے مہیب تاریکی میں گم تھی۔ رگوں میں خون جمادینے والی ہواؤں میں
 چڑیلوں کی آہیں، سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ میں تیز حیرت قدم اٹھاتا ہوا اپنے ایک دوست کے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ جیسے ہی میرے
 قدموں میں تیزی آئی، ساتھ ہی مجھے ایک عجیب سی آواز آئی اور میں جوتک اٹھا۔“

”کیسی آواز؟“ سب بے ساختہ کہا تھے۔

”چمن چمن کی آواز“۔ ہریرہ کے چہرے پر اس لمحے سہاویں والی سنجیدگی تھی اور وہ خاص خاص موقعوں پر ہی سنجیدہ ہوتا تھا۔

”چمن چمن کی آواز! اوو مائی گاڈ! یعنی کوئی..... کوئی چیز.....“ مول کی کھٹکھی بندھ گئی۔

”اوو..... ہلیر مول! چپ ہو جاؤ، نام مت لو“۔

نشر اور زویا بھی خوف زدہ سی ہو گئی تھیں، کیونکہ ہریرہ کا انداز سچ کی غمازی کر رہا تھا پھر گھر میں کوئی بڑا نہ تھا، وہ لوگ بھی سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے تھے اس لیے ارد گرد سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ رات ہونے کے باعث وہ خوف زدہ ہو رہی تھیں۔ البتہ حورین بہت خاموشی سے کافی پی رہی تھی۔

”پہلے تو میں سمجھا مجھے وہم ہوا ہے۔ یہ چمن چمن کی آواز میری سماعت کا قریب ہے، اسی خیال سے میں تیز تیز چل رہا تھا اور آواز بھی اسی انداز سے بڑھ رہی تھی۔ چمن چمن چمن..... چمن چمن چمن..... چمن چمن چمن۔ میں تو اتنی سخت سردی میں بھی پیسے پیسے ہو گیا۔ اب میں تیز تیز چلنے لگا اور چمن چمن چمن بھی تیز تیز ہونے لگی۔ پہلی دلع مجھے معلوم ہوا خوف کس کو کہتے ہیں۔ میں بھاگنے لگا تو آواز اور بھی بڑھ گئی۔ چمن چمن کوئی اور بھی میرے ساتھ اسی اسپید سے بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے مین سانس لینے کے لیے ڈکا تو وہ چمن چمن بھی رُک گئی پھر میں چلا، وہ بھی چلی۔ میں نے اندھیرے میں دائیں بائیں دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا، لیکن آواز آنا بند نہ ہوئی، جیسے میرے قدموں کے ساتھ وہ چمن چمن کی آواز قدم بڑھا رہی ہو۔“

”تمہیں صرف اس کی پازیب کی آواز سنائی دے رہی تھی؟“ سرد نے حیرانگی سے دریافت کیا۔ ہریرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بڑے بہادر ہو یا راور نہ میرا تو اس طرح کے تصور سے ہی خون خشک ہو جاتا ہے۔“

”دو شے نظر کہاں آئی ہے ابھی اتنی دیر سے یہ صرف بھاگ رہا ہے آواز سن کر نہ معلوم کہاں تک بھاگے گا؟“ واضح جمائی لیتے ہوئے بولا تو وہ سب ہنس پڑے۔ روف نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

”حقیقت کو ہنسی میں نہ جھٹلاؤ۔ یہ سوچو ایسی ماہر الی مخلوقات نظر کہاں آتی ہیں، ان کا مقصد تو صرف شرارت کر کے پریشان کرنا ہوتا ہے۔“ ہریرہ نے کہا۔

”تمہیں نظر آئی وہ ساتھ چلنے والی جو چمن چمن اپنی پازیب بجا رہی تھی؟“

”ہاں..... بہت قریب سے دیکھا میں نے، بلکہ ہاتھوں میں اٹھایا اپنے۔“

اس کی سنجیدگی دیکھ کر جہاں لڑکوں کے چہروں پر تجسس و اشتیاق اُٹھ آیا وہیں لڑکیاں یک دم بدحواس سی ہونے لگیں۔

”ہلیر یا ر! اب کلاٹکس پر آ جاؤ۔“ سفیان زیادہ سسپنس برداشت نہ کر سکا۔

”تم لوگ آنے دو گے تو آؤں گا ناں۔“

”او کے! کہو ہم..... ہر تن گوش ہیں۔“

”یہ سلسلہ خاصی دیر تک چلتا رہا، میں چلتا وہ چمن چمن میرے ساتھ چلتی۔ وہ میرے ساتھ ہی ساتھ تھی۔ ایک جگہ جا کر میں اندر میرے میں کسی پتھر سے ٹکرایا اور وہ بھی میرے ساتھ ٹکرا کر مری اور پورے ماحول میں چمن چمن چمن کی زوردار آواز سنائے میں دور دور تک پھلتی چلی گئی۔ وہ بولنے بولنے ایک دم ہی رگ گیا تو سب بے قراری سے گویا ہوئے۔

”ارے یا راجپ مت ہو دو بولتے رہو۔“

”ہوں..... پھر..... پھر جیسے میں گمراہ بھی میرے ساتھ ہی مری، اسی دم لائٹ آگئی اور میں نے دیکھا.....“ وہ دانستہ رکا۔

”کیا دیکھا؟ وہ روشنی میں نظر آئی؟ کسی تھی وہ؟“ ملی جلی آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا اور پھر ہر پرہ کے نتیجے کمرے میں گونج رہے تھے، وہ سب حیرانگی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

”خوف سے پاگل ہو گئے ہو یا ہمیں پاگل بنا رہے ہو؟“ سرد کا انعا زکافی مشکوک سا تھا وہ بتانے لگا۔

”ہو تو یہی تھا میں سمجھا آج وہ ناقابل یقین بات میرے ساتھ ہو گئی ہے جس کو میں کبھی سچ نہیں مانتا۔“

”مگر وہ سب کیا تھا آخر؟“ حورین کو بھی تجسس نے ابھارا۔

”وراصل اس دن میرے کونٹ کی جیب میں پیچھڑ زیادہ تھا جو میں بھول چکا تھا مجھے نوٹس تک لینے کے لیے فرخ کے ہاں جانا ضروری تھا۔ پہلے راستے میں کار کا ٹائر پتھر ہو گیا۔ پیدل اس کے علاقے تک پہنچا تو لائٹ چلی گئی۔ فرخ کا کلیٹ بھی آبادی سے باہر تھا۔ لائٹ آف ہونے کے بعد تو لگتا ہے جھل میں بندو گھوم رہا ہے۔ وہ چمن چمن میری جیبوں میں بھرے سکے تھے جن پر مجھے کسی الیز ویشیزہ کی نوخیز پائل کا گمان ہو رہا تھا۔ ٹھوکر کھا کر مگر اتو وہ سکے جیب سے نکل کر زمین پر گر گئے چلے گئے اور مجھے یاد آیا ان سکوں کو میں جیب میں بھر کر بھول چکا تھا۔“

ہر پرہ کے ساتھ اب وہ سب بھی ختم رہے تھے۔

”میں یہی سوچ رہی تھی کہ اب چڑیلوں کے بھی اتنے بڑے دن آگئے کہ وہ تم جیسے بندے کے پیچھے بھاگ رہی ہیں۔“ حورین نے کہا۔

”ان کو معلوم ہے ان کی ملکہ پہلے ہی مجھ پر فدا ہے، اسی لیے وہ ایسا کوشش ہی نہیں کرتیں۔“ ہر پرہ نے لا جواب ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ سب سر آفتاب کے ہاں موجود تھے۔ پروفیسر آفتاب خان نے انہیں بلایا تھا۔ جس کچھ خوش مزاج وہ مرد طبیعت رکھنے والا، ہر ایک کی خدمت کے جذبے سے سرشار دھیر دھیر بہت نازک وقت آن پڑا تھا۔ وہ جو ہر وقت کسی نہ کسی کی الجھن کی سلجھن بنا رہا تھا، اچانک پڑ جانے والی اپنی الجھن کا کوئی سرا نہ سلجھا پا رہا تھا۔ اس نے ذالنون سے ڈائریکٹ رابطہ کیا اور وہ اسے ان کے پاس لے آیا۔ معاملہ بے

حد تک سمیر تھا۔ حیدر کی بہن کی مگنی بچپن میں اس کے تایا کے بیٹے سے ہو گئی تھی، چند سال قبل اس کا مگنیتر ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا، تعلق از خود ہی ختم ہو چکا مگر اب وہاں سے زور دیا جا رہا ہے کہ وہ تعلق ٹوٹا نہیں ہے، اس لڑکے کا بڑا بھائی اس سے شادی کرے گا جو پہلے ہی تین عدد بیویوں کا شوہر تھا اور شادیوں کے 35 سال بعد بھی بے اولاد ہے۔ حیدر کے والد کے اکلار پر ان کے درمیان ویرینہ دشمنی ہو گئی تھی۔ حیدر کا تعلق زمین دار گھرانے سے تھا۔

جہاں دولت کی فراوانی کے ساتھ جہالت کی حکمرانی بھی تھی اور وہاں ابھی تک صدیوں پرانے رسم و رواج رائج تھے۔ حیدر اکلوتا بیٹا ہونے کے باعث پڑھائی کے اعلیٰ مدارج طے کر رہا تھا مگر ان کے خاندان میں ثانوی تعلیم کو ہی سب سے بڑی ڈگری سمجھا جاتا تھا۔ بے تحاشا دولت و آقاویوں نے انہیں اس طرف راغب نہیں ہونے دیا تھا۔

پروفیسر آفتاب حسن نے اس کا مل یہ نکالا کہ وقت ضائع کیے بغیر چند لوگوں کی موجودگی میں حیدر کی بہن صبوی کی شادی کر دی جائے پھر معاملہ ختم ہو جائے گا، جب لڑکی ہی نہ ہوگی تو وہ کیا کر سکے گا۔

”لیکن سر! صبوی کب تک چھپ سکتی ہے؟ یہاں رہے گی، کبھی نہ کبھی وہ ضرور ان کی نگاہوں میں آ جائے گا، تب وہ اسے نہیں چھوڑے گی۔“ حیدر کا لہجہ کانپ رہا تھا اور آنکھیں نم تھیں۔

”ڈونٹ کیئر۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ ذوالنون نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو اس نے اس کے شانے سے سر نکال دیا۔

”مین پرائلم یہ ہے کہ ایسا کون تو جو ان ہے جو صبوی سے شادی کے لیے راضی ہو، پھر زمرے دار اور اچھے عزت دار خاندان سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ مڈرو پھار بھی ہو، جو ان حالات کو احسن طریقے سے فیس کر سکے۔“ وہ ان سب پر نگاہ ڈالتے ہوئے بڑے سوچ انداز میں گویا ہوئے۔

”سر! اسی سوچ نے میرے حواس گم کر دیئے ہیں۔“ حیدر کے لہجے میں ذلی خفا شاد نمایاں تھا اس دم مامون کہہ اٹھا۔

”سر! اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں؟“

”ضرور ضرور بیٹے! یہاں آپ سب کو بلانے کا مقصد یہی ہے کہ ہم سب ایک ہیں، ہم ایک کنبہ بن چکے ہیں، ایک خاندان بن گئے ہیں، ہم میں سے کوئی جدا نہیں ہے، ہم میں سے کسی ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے۔ ایک کا مسئلہ سب کا مسئلہ ہے جس کا حل ہمیں مل جل کر نکالنا ہوگا۔“

”سر! آفتاب کے مخصوص، شفیق و نرم لہجے نے مامون کو حوصلہ بخشا۔

”سر! میرے بڑے بھائی براہیل میں رہائش پذیر ہیں وہ ان دنوں یہاں شادی کے ارادے سے آئے ہوئے ہیں، والدہ ان کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں، وہ چند ہفتوں میں شادی کر کے واپس جانا چاہتے ہیں اور اس بار والدہ اور مجھے ساتھ لے جانے کا ارادہ کر کے آئے ہیں۔ میں تو اینٹری سمسٹرز کے بعد جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہارون بھیا سے مل لیں اور اگر حیدر مناسب

مجھے تو اپنے والدین سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کر سکا ہے۔

”جیمینکس گا! بیٹھے بیٹھے رب کی بہت بڑی حمایت ہوئی ہے۔ ویلڈن مائی سن! آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ بہت اعلیٰ اور اچھے خاندان کے فرد ہو۔“

مامون کی پیشکش پر سب کے چہرے کھل گئے تھے۔ حیدر تو شادی مرگ کی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ ذوالنون کے سر جھپٹانے پر آنسوؤں سے رو پڑا۔

”آپ کے گھر والوں کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟“

”میری بہن بہت سیدھی سادی گھریلا لڑکی ہے، اس نے گریجویٹیشن کیا ہے مگر پرائیویٹ، تمہارے بھائی ایسی لڑکی کو پسند کریں گے؟“

”آف کورس، میرے گھر والوں کو ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہے، تب ہی وہ شادی کرنے میں آئے ہیں ورنہ مائی ڈیر! لڑکیوں کی وہاں کیا کمی ہے۔“ مامون نے آگے بڑھ کر حیدر کو گلے لگاتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر بڑی اچھائی بھری مسکان تھی۔

پروفیسر آفتاب نے اسی وقت پہلے مامون کی والدہ اور بھائی کو تمام صورت حال بتا کر ان کی رضامندی معلوم کی۔ مامون کے کہنے کے مطابق ہی اس کے گھر والوں نے کسی بھی وٹس اپ پیش سے کام لینے کے بجائے فوراً ہی رضامندی ظاہر کر دی۔ دوسرا مرحلہ حیدر کے والدین سے معاملہ طے کرنا تھا، وہ بھی حیدر کی بدولت بخیر و خوبی نپٹ گیا، ان نوٹوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جس طرح اچانک یہ سب ہوا، اسی طرح نپٹ بھی رہا تھا۔

آج ان کا ملازم چھٹی پر تھا۔ ردا اور حورین نے کافی بتائی تھی۔ زویا اور ثمرین سب کو سرو کر رہی تھیں۔ سر ذوالنون کے ساتھ ڈسکس کر رہے تھے کہ کیا لائچ محل بنایا جائے جو فل پروف ہو، کیونکہ حیدر کا کرن ڈی حیثیت تھا۔ بڑے زمین داروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ لوگ اس کے ایک اشارے پر خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ ان کے علاقے میں کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ حیدر اتم نے ایسی فیملی میں اپنی بہن کی مکملگی ہونے کیوں دی تھی؟

”سر! ہمارے ہاں ایسے فیملے بعض اوقات ایسے وقت میں ہو جاتے ہیں جب بچے دنیا میں موجود نہیں ہوتے۔ صہوجی کے دنیا میں آتے ہی بتایا جانے کہ کیا یہ لڑکی میری بہو بنے گی غالب کی بہو۔ بس زبان ہو گئی پھرتا یا جان بانی نیچر بہت اچھے آدمی تھے، انہوں نے کبھی بھی اپنے کسی فیملے سے کسی کو دکھ نہ پہنچایا تھا۔ سب کا خیال رکھتے تھے۔ ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے۔ یہی نیچر غالب کی تھی۔ اس کی ذات کسی کے لیے بھی تکلیف کا باعث نہ تھی، پھر وہ بے حد وسعت قلب و روشن خیال تھا۔ صہوجی کو وہ بہت خوش رکھتا۔“ حیدر کے لہجے میں گزرے دلوں کی یادیں جھپکنے لگی تھیں۔

”ہارون بھائی بھی صہوجی کو بہت خوش رکھیں گے۔“ مامون نے کہا۔

”انتساب اللہ..... اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ سر نے کافی ختم کرتے ہوئے کہا۔

”حورین! تم پارٹی کب دے رہی ہو؟“ ثمرین نے چپک کر کہا۔

”کیوں، ایسا کیا ہوا جو حورین پارٹی دے“ حیدر نے چومک کر دریافت کیا۔

”اس کے والدین کراچی آگئے ہیں اور اس کا کزن بھی صحت یاب ہو گیا ہے۔ اس کو ڈنل پارٹی دینی ہوگی“۔ روانے دھونس

بھرے لہجے میں کہا۔

”کچھ عرصے سبر کرو، ابھی پاپا کسی خوب صورت لوکیشن کی تلاش میں ہیں، جیسے ہی سلیکشن ہوئی پارٹی ہکی ہے۔ دوسری پارٹی کے

لیپے تمہیں خود ہریہ سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا“۔ پردیسر آفتاب کے برابر میں بیٹھا ہوا ذوالنون پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے دانستہ ایک نگاہ

حورین پر نہ ڈالی تھی، حالانکہ دل میں عجیب سی بے چینی سرایت کر رہی تھی مگر وہ سوچ چکا تھا، اس دن جو کسی بے اختیار جذبے کے تحت بے

قابو ہو کر وہ اسے ڈراپ کرنے گیا تھا اور پھر کتنے دنوں تک خود سے ہی نظریں نہ ملا پایا تھا۔ وہ سب حورین سے پارٹی مانگ رہے تھے۔

ذوالنون اٹھ کر باہر گیلری میں چلا آیا جہاں باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

فردری کے شردنگ کے دن تھے۔ سردیاں جوہن پر تھیں۔ نیچے مختصر سے لان میں گلاب کے پھولوں کے رنگ دھبک نمایاں تھی۔

”تم باہر کیوں آگئے؟“ کچھ دیر بعد حیدر اس کے قریب کھڑا ہو چہرہ ہاتھا۔

”یوں ہی کوئی بات نہیں تھی“۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا گویا ہوا۔

”ایک بات کہوں؟“ حیدر اس کے قریب بیٹھا متکرا انداز میں بولا۔

”مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے ذاتی مسئلے میں تم لوگوں کو کھینٹ کر سراسر خود غرضی و مفاد پرستی کا ثبوت دیا ہے“۔

”ایسا تم کس طرح سوچ سکتے ہو، دوستی سے بڑھ کر بھی کوئی رشتہ پائیدار ہو سکتا ہے، تمہیں ہم پر اعتماد نہیں ہے یا اپنی دوستی پر؟“

”اعتماد سے عاری تو اپنے ہی تائیدار کی دشمنی ہے جس نے یہ دن دکھایا ہے، میری تو کب سے خواہش تھی کہ پاپا زمینیں فردخت

کر کے شہر میں سیٹل ہو جائیں مگر زمین داروں کی زمین سے محبت ہر محبت سے بھاری ہوتی ہے، خواہ وہ محبت خون کی دشمن بھی بن جائے تو

بھاری محسوس نہیں ہوتی“۔

”ڈونٹ درمی یا راقم فکر مت کرو، ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے“۔

پھر آٹا فانا سب ہوتا چلا گیا۔

مامون کی والدہ کو گھر میں بھولانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی، کیونکہ ان کی کوئی بیٹی تو تھی نہیں، جو ایسے موقع پر رحمت پٹ تیاری

کر داتی، یہاں یہ فریضہ ان پانچوں نے مل کر انجام دیا۔ شادی کی شاپنگ تو مختصر سی تھی کیونکہ جس ماحول میں شادی ہو رہی تھی وہ بہت رنگی

تھی۔ بہت ہی سادہ انداز میں شادی ہوئی تھی جس میں گفتی کے افراد کو شرکت کرنی تھی۔

پردیسر آفتاب حسن دونوں جانب سے پیش پیش تھے، ان کا بازو ذوالنون جٹا ہوا تھا۔ دو خاندانوں کو باہم استوار کرنے کا سہرا ان

کے سر تھا۔ انہوں نے ایک ہفتے کے اندر اندر تمام کارروائی مکمل کر لی تھی جن میں سب سے اہم کام ہارون اور صبوحی کا نکاح تھا۔

آفتاب صاحب چند گواہان کو لے کر ہارون کا نکاح پڑھوا آئے تھے، کیونکہ فوراً ہی یہاں سے وہ برازیل جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے، وہ لوگ جس طرح گئے تھے، نکاح کر کے اسی طرح خاموشی سے آگئے تھے۔ اس طرح صبوحی کے ڈاکو میس تیار ہونے میں زیادہ تر دو دن ہوا تھا۔ بہت قلیل مدت میں اس کا پاسپورٹ بن گیا، صرف ویزا ملنے میں چند دن لگے۔

دو ہفتے وہ لوگ اس چکر میں ایسے لگے تھے کہ گھر والوں سے تقریباً دور ہی ہو گئے تھے۔ آج دو بی بی جان کے قریب بیٹھی سب رووا و سنار ہی تھی۔

”آئے ہائے آگ لگے ایسی دولت و جائیدادوں کو جو آپس میں خون کو خون کے خلاف کر دے، ایسی دولت سے غربت بھلی۔“
بی بی جان نے سنتے ہی کان پکڑ کر کہا، وہ آپس کی رنجشوں کے بالکل خلاف تھیں۔

”ناموں کا بھائی خوش تو ہے؟ کہیں بعد میں نہ کہے کہ بڑی سوتی ڈھول گئے میں ہاندھ دیا، تنگی پر بدی کو غالب آتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔“
”نہیں آئی صبوحی ہماری سوچ سے بڑھ کر کیٹ ہے۔ ہم نے تصویریں دیکھی ہیں۔ ہارون بھائی انہیں پا کر بہت خوش ہیں۔“
مول نے فار یہ سے کہا۔

”رخصتی تو ابھی نہیں ہوئی ہے۔“ میرا نے پوچھا۔
”جیسے ہی ویزا ملے گا، وہ لوگ رخصتی کرالیں گے اور دوسرے دن روانہ ہو جائیں گے، جب تک عمر دراز صاحب کو معلوم ہوگا، صبوحی ان کے خواہوں کی پہنچ سے بھی دور جا چکی ہوگی۔“

”نام ویکھو دراز، عمر دراز ایسے شیطان مفت لوگوں کی عمر سچ سچ ورازی ہوتی ہے اگر یہ کبھت مری جاتا تو یہ سب تو نہ کرنا پڑتا۔ خود سوچو کوئی اس طرح بھی بیٹیاں بیاتا ہے۔ ہزاروں جھیلے ہوتے ہیں مگر بچی کو کنویں میں گرنے سے بچانے کے لیے بے چارے دل پر پتھر رکھ کر سب کر رہے ہیں۔ ایک تو بیٹی کی رخصتی وہ بھی ان حالات میں اور اتنی دوڑ لڑکی چلنی جائے گی، مجھے تو سوچ سوچ کر ہی ہول اُٹھ رہے ہیں۔ کس طرح مبر و مضبذ کر رہے ہیں۔“

”صبوحی کی تو لائری لگ گئی ہے، بی بی جان اجو ہارون بھائی جیسا شخص ملا ہے ورنہ کوئی بعید نہ تھا کہ ان کے چاچا اس عمر دراز کو ہی صبوحی کا ہاتھ پکڑا دیتے، وہ صبوحی سے پورے بیس سال بڑا ہے۔ تین عہد دیویاں پہلے ہی موجود ہیں، چوتھی کی بھی دو چار دیکھے ہوئے ہے۔“

”زویا اگر حیدر پروفیسر آفتاب صاحب اور ذوالنون بھائی کو درمیان میں نہ ڈالتا تو ہو سکتا تھا اس کے والد جو زمین وارانہ مزاج رکھتے ہیں، صبوحی کو اپنے اس اجڈ و گتوار بیٹے کو سوہنپ دیتے۔“

”یہاں تو انہوں نے جس لگن و خلوص سے کام کیا ہے وہ پہلی تھمیں ہے، پھر حیدر کے گاؤں کے کتے ہی پکڑو ذوالنون بھائی کو لگاتے پڑے ہیں۔ صبوحی کے کاغذات انہوں نے ہی تیار کروائے ہیں، اپنے کسی دوست کی وساطت سے اور نکاح بھی انہوں نے اپنی

ڈسے داری پر کر دیا ہے۔" زویا کی قصیدہ گوئی ذوالنون کی شان میں شروع ہو چکی تھی۔

"بڑا نیک و شریف بچہ ہے۔ بہت باادب اور سنجیدہ ہے۔ بہت خوشی ہوئی تھی، مجھے ان بچوں سے مل کر خاص طور پر اس بچے ذوالنون نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ عجیب سا دکھ ہے اس بچے کی آنکھوں میں۔" بی بی جان کرن اور قاریہ سے ذوالنون اور حیدر کا ذکر کر چکی تھیں۔

"ہریرہ کی صحت یابی کی خوشی میں جو پارٹی دینے کا سوچ رہے ہیں اس میں ان دونوں بچوں کو ضرور مدعو کریں گے۔" قاریہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ضرور پہلا دعوت نامے کا کارڈ ان تین کو جائے گا۔"

"رات کھانے میں کیا بنائیں کرن! آج کا میڈیو آپ بتائیں؟"

سمیرا خاں سوٹی سے ہٹھی لیوں پر دھبی مسکراہٹ سجائے سب کو سنتی ہوئی کرن سے مخاطب ہوئی۔

"جو آپ بنانا چاہیں بے فکری سے بتائیے۔ انس اور سعد گھر کی بنی چٹنی بھی بہت شوق سے کھا لیں گے۔"

"گھر کے اپنے کھانوں کا کریز تو یہاں کے مردوں کو بھی ہے مگر ڈش میں چکن اور مینن لازمی ہے، خصوصاً یہ بیک جزیشن کو تو پیرا اور برگزیدہ میں بھی فلنگ چکن کی چاہیے، ہنزویوں سے ازلی دشمنی ہے۔"

"یہ تو جوان نسل تو بالکل ہی نیشنل سے پیڈل ہے۔ ہر اچھی غذا سے ان کو ہیر ہے، کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ متوازن غذا ضروری ہے مگر مٹھا کون ہے۔ میرے سامنے بے دلی سے کھا لیتے ہیں اور ایسے کھانا جسم کو نہیں لگتا۔"

"ذرا مصل فاسٹ فوڈ کی چار منگ نے چیز غرق کیا ہے۔" ان کے ہاتھوں میں نیا موضوع لگ گیا تھا۔ دو تینوں اٹھ کر باہر چلی آئی تھیں۔ لان میں بکھری شہری دھوپ سرد موسم میں انوکھا مزدور نے رہی تھی وہ وہاں کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں، ان کا موضوع گفتگو صوبی ہی تھی۔

"دو تین دن میں صوبی کا ویزہ آجائے گا، پھر ہم میں سے کسی ایک کو مامون کے ساتھ جاکر ڈبلن کو لانا ہوگا، یہ آئی کی خواہش ہے۔"

"میں تو نہیں جاؤں گی مجھے گاؤں کے نام سے ہی وحشت ہوتی ہے۔"

"گاؤں میں تو سردی بھی بہت زیادہ ہے۔ مجھے تو یہاں کی سردی بھی برداشت نہیں ہے، وہاں تو میری تھپی جم جائے گی۔" موئل جوا بھی بھی سویٹیر اور شال لپیٹے ہوئے تھی، گردن بلا کر بولی۔

"رودا اور شمرین کی فرسٹ کزن کی شادی ہے، دو لوگ وہاں نہیں جائیں گے تو پھر کون جائے گا؟" انہیوں نے دانستہ حورین کو نہ کہا کہ وہاں ذوالنون کی موجودگی لازمی تھی اور ان کے درمیان ابھی بھی پہلے والی بیگم تھی۔ ان دو ملتوں میں ساتھ رہنے کے باوجود ان میں کوئی بات نہ ہوئی تھی، وہی مخصوص گریز و اجتناب والا سلسلہ تھا تو وہ کس طرح ان کے ساتھ جانے پر راضی ہوتی ذوالنون کے خیال سے۔

مگر اس نے اگلے لمحے ان کو حیرت میں ڈال دیا یہ کہہ کر.....

"میں جاؤں گی۔"

”تم.....؟ جاؤ گی؟“

”ہاں، حیدر نے ایک دفعہ مجھ پر احسان کیا تھا، میں خوشی سے جاؤں گی۔“

☆.....☆.....☆

”پرنس! آج کل بہت بڑی رہنے لگے ہو، کیا ہائیز ہیں؟“ فائتہ نے ڈوائٹون سے مخاطب ہو کر کہا۔

”کوئی خاص مصروفیات نہیں ہیں ناؤ!“ دوسری اچھا گیا کہ وہ کبھی بھی پرانے پھندے میں جک اڑانے کا مشورہ نہ دیں گی۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کچھ اکتھل اکتھل ہیز ہیں آپ کی۔“ فائتہ کے قریب جتنی مثال اس کی جانب دیکھتے ہوئے شوخ انداز

میں کہنے لگیں۔

”اوہو! آج کل یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے پوریت بہت زیادہ محسوس ہونے لگی ہے، اسی لیے کچھ وقت میں حیدر کے ساتھ

اس کے دلچ میں گزار لیتا ہوں، وہاں ٹائم بہت اچھا پاس ہو جاتا ہے۔“

”اوہو! پورن! ٹائم پاسنگ کے لیے یہاں ایک سے بڑے کراہیز ہائیز ہیں۔ پائیز، کلب، گیٹ نوکیر کیا نہیں ہے، ہمارے شہر

میں بلکہ ایک فنکشن میں رات کو جاتا ہے وہاں چلو دیکھنا کیسے کیسے لوگ ہوں گے۔“ مثال بڑے جوش اعداز میں کہہ رہی تھیں۔

”سوری ماما! آپ کو معلوم ہے میرا ایسے لوگوں کے درمیان دم گھٹتا ہے جہاں صرف نقص و ہلاکت ہوتی ہے۔“

”ایک چہرے والا کون ہے یہاں؟ سب کے چہروں کے پیچھے چہرہ ہوتا ہے، دوسری زندگی کون نہیں گزار رہا ہے؟“

”لو ماما! دنیا بھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہے، جس دن ایک بھی فرد ایسا نہ رہا تو یہ دنیا بھی نہ رہے گی۔“

”اب میں کیا کہوں، آپ شروع سے اپنی مرضی کرنے کی عادی ہیں۔“

”کیا ہوا ماما؟ آپ نہیں ہیں۔“ ایک عرصے بعد مثال بیگم کے لبوں پر شکوہ و کچہ کر رہی تھیں۔

”کوئین کی طرف سے مثال بہت نہیں رہنے لگی ہیں۔ فکر مند تو میں بھی ہوں نہ معلوم کوئین جیسے جولی برائے کو کیا ہوا ہے جو وہ

بالکل ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا ہے۔ آفس اور اپنے بیڈروم کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ پوچھیں تو کہتا ہے کوئی پرالیم

نہیں ہے۔“ فائتہ بولتی چلی گئیں۔

”کچھ عرصے کے لیے آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔“

”ایک عرصے سے چھوڑا ہوا ہے۔“

”مگر اب نہیں۔“ مثال نے غصے سے کہا۔

”بھائی تیار ہو جائیں تو شادی کرو بیجے۔“

”شادی اور راضی ہو تب ناں۔“

”ان کو راضی ہونا پڑے گا بلکہ ہو جائیں گے جب اس ٹاکس لیڈی کا نام سنیں گے۔ ریلی وہ اس دنیا کی تو لگتی ہی نہیں ہیں۔“
 ذوالنون کی آواز میں احترام کے رنگ نمایاں تھے۔

”کون؟ کس کن بات کر رہے ہیں آپ؟“ منال سر اسیدہ ہوئیں۔
 ”صدائگل کی بیٹی خنصری آپنی کی۔“

انہیں محسوس ہوا اچھت سر پر آگری ہو، آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ ان کے دہم دگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ یہ خواہش پالے ہوئے ہے، جس لڑکی کو ٹھکرانے کے لیے انہوں نے اتنے سعادت مند و محبت کرنے والے بیٹے کو، اس کے احساسات کو نظر انداز کر دیا تھا، وہی دروازہ کھولنے کی وہ سہی کیے ہوئے تھا جو بہت مندی و بہت دھرم تھا جو بولتا بہت کم تھا مگر اس کی بات پتھر پر لکیر کی مانند اٹھتی تھی۔
 وہ بہت گہری نگاہوں سے ماں اور نانو کے منتظر چہرے دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟“

”نہ..... نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ منال بیگم کو اپنی انگریزی زبان کو حرکت دینے میں دقت ہوئی۔

”آپ کی دادو اور اٹگل خنصری کی جتنی کرنے والے ہیں، ان کا پرپوزن سلیکٹ کر لیا ہے انہوں نے۔“ قاتقہ نے کہا۔

”واٹ؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟“ اسے زبردست شاک لگا۔

”آپ کو معلوم نہیں؟ یہ سلسلہ کئی ماہ سے چل رہا ہے۔“

”مجھے دادو کی طرف گئے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے مگر یہ بہت غلط ہوا ہے، خنصری آپنی کو میں نے ہمیشہ اپنی بھابی کے روپ میں دیکھا ہے۔“ اضطراب و اضطراب اس کے وجہ چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔

”ضروری تو نہیں بیٹا! جو ہم چاہیں وہی ہمیں ملے۔“

”ہمارے ساتھ ہر بار ایسا ہی کیوں ہوتا ہے، قسمت دروازے پر دستک دیتے دیتے ہاتھ کیوں روک لیتی ہے؟ راستہ کیوں بدل

لتی ہے؟“

ایک دم ہی پرانی دھشت و نارسائی کے دکھوں نے دھاوا بول دیا اور ایک ایک کر کے پرانے زخموں کے نائے نئے ٹوٹنے لگے، وہ

وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

دور نزدیک، نگاہوں سے جہاں بھی دیکھوں
 اپنے ہی شہر کے تاریک مکاں بھی دیکھوں
 ہر قدم اپنی محبت کے نشاں بھی دیکھوں

غیر تو غیر ہیں، اپنا نظر آتا بھی نہیں
اس بھری دنیا میں جہاں بھی دیکھوں
لوگ آسانی سے ماضی کو بھلا دیتے ہیں
اور میں اپنے ہی ماضی کو عیاں بھی دیکھوں
تنخیاں بیٹے دنوں کی بھی بھلاتے ہوں گے
اور میں ماضی کو حال میں رواں بھی دیکھوں
دل میں جو آگ ہے چہرے پر نمایاں ہے
میں تصور کی نگاہوں سے دھواں بھی دیکھوں

”کرن! میں کیا سن رہی ہوں تم علیحدہ گھر لینے کی بات کر رہی ہو، اس کبر رہے تھے یہ تمہاری خواہش ہے۔“ بی بی جان انہیں تنہا دیکھ کر ان کے پاس چلی آئی ہلکے پریشان ہی۔

”آپ بیٹھیں بی بی جان! کرن نے بڑی محبت سے انہیں شالوں سے تمام کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی قریب ہی بیٹھ گئیں۔“
”آپ تو جانتی ہیں بی بی جان! جس کو ایک بار سانپ ڈس لے پھر وہ شخص رسی سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے، عجیب سی وحشت، عجیب سی وحشت اس کے اندر سرائیت کر جاتی ہے اور مجھے تو رشتوں کے سانپوں نے اتنا ڈسا ہے کہ میرا دل ہی نہیں روح بھی ٹکا رہے۔ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود بھی میں خود کو وہیں کھڑی پاتی ہوں اور جب سے یہاں آئی ہوں، میرا ماضی سزا میں گیا ہے۔“

”میں جانتی ہوں کرن مجھ سے تم لوگوں نے سب کچھ چھپایا ہے، دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، دکھ دینے والے، غم سینے والے، لبوں پر مسکراہٹیں بکھیرنے والے تو سرت سے چمکتی آنکھوں میں رنج و الم کے آنسو بکھیر دینے والے۔ بھانٹ بھانٹ کے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ اس طرح سوچوں کے حضور میں ڈوبی رہو گی تو کس طرح زندگی کی مسرتوں سے اپنا حصہ کشید کرو گی؟ وقت و غم لگاتا ہے تو وقت ہی مرہم بھی فراہم کرتا ہے۔ زخم بھر جاتے ہیں نشان نہیں رہتے۔ غم اور خوشی زندگی کا سکہ ان ہی دو رخ پر کھرا ہے۔“ وہ کرن کو بہت نرمی و اپنائیت سے سمجھا رہی تھیں۔

”اس دور میں ڈپریشن کی دوا اسی لیے پھیلی ہے کہ ہم لوگوں نے اچھی یادیں ذہنوں سے کھرچ دی ہیں۔ ہم دکھ دینے والے دنوں کو یاد کرتے ہیں۔ اچھی سوچیں خوب صورت خواب دیکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ زندگی خود ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے ایک ایسا بوجھ بٹالی ہے جو نہ اٹھانے کی سکت ہے، نہ پھینکنے کی ہمت۔“

”سوچوں پر کس کا زور چلا ہے یہ تو زور دوا دہروں کی مانند ہر بند و احتیاط کو توڑ کر آگے ہی بڑھتی رہتی ہیں اور اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتی ہیں۔“

چلین
سکون
اطمینان۔

”سب سے بڑا اپنی سکون داسو کی ہماری عبادت ہے۔ جب ہم پانچ وقت اپنے رب کے آگے ہرے خلوص و محبت سے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں تو ہمارے اندر آسو کی کسی انرجی ٹانک کی طرح بھر جاتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت اور اذکار کی مشغولیت ہمیں ایسی روحانی طمانیت و خوشی سے بہرہ ور کرتی ہے کہ ایسی طاقت کسی دوا میں نہیں ہے۔ تم نے بتایا تھا تمہاری امی کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ ان کی زندگی تمہارے سامنے تھی۔ کھنائیوں، اپنیوں کی بریریت، مجاڑی خدا کی طرف سے ملی ہوئی بے انتہائی و بے زحمتی نے ان کا کیا حال نہ کیا ہوگا۔۔۔ مگر دیکھا تم نے ایک جہنم جیسی زندگی گزارنے کے باوجود ان کے صبر و استقامت، محنت و تحمل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس لیے کہ وہ رب کا محنت سے لگا رکھی تھیں اور جو اس سے لگا لیتا ہے، یہاں کے دکھ، یہاں کی تکلیفیں سب عارضی ہوتی ہیں۔“

بی بی جان جو انہیں حوا ترہنی سکون کی ادویات استعمال کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، موقع ملے ہی ناسمجھانہ انداز اپناتی تھیں۔
”میں ان جیسی کبھی نہیں بن سکوں گی، مجھ میں اتنی برداشت اتنا حوصلہ کہاں ہے بی بی جان! میں بہت بے صبری و ناشکری ہوں، میں شیخ کا نہ نماز تو پابندی سے پڑھ لیتی ہوں مگر راتوں کو جاگ کر عبادت مجھ سے نہیں ہوتی ہے۔“ ماں کے ذکر پر اس کی آنکھیں رمل جم گئیں۔
”جب بندہ عشق مجازی سے نکل کر عشق الہی میں پہنچتا ہے تو ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔ ہم تو نفس کے مارے لوگ ہیں، ایسے ارنج داخلی درجات تک مقدر ہی لے کر جاسکتا ہے لیکن پھر بھی ہمیں مقدر بھر عبادت کی سعی کرتے رہنا چاہیے اور آج سے میں یہ میڈیشنز چھوڑ رہی ہوں، نہ دیکھوں ورنہ مجھے بڑی تکلیف ہوگی۔“ دوریک میں رکھی ادویات کی جانب اشارہ کر کے بولیں۔
”بی بی جان! پلیز، ان میڈیشنز کے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔“ وہ ایک دم ہی لجاجت سے بولی۔

”روہو کی اب تم ہم سب کے درمیان جو۔“
”لیکن بی بی جی!“

”کچھ نہیں سنوں گی، سب لے کر جا رہی ہوں جب دینی ہوگی، خود دوں گی اگر زیادہ بے چینی محسوس ہو تو جھٹے پانی سے وضو کر لینا اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھنے کی عادت بنالو، ڈپریشن سے نجات کی سب سے موثر اور انمول دوا ہے۔“ انہوں نے میڈیشن کے ریک کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

لینڈ کروزر میں وہ مختصری بارات حیدر کے گاؤں پہنچ چکی تھی۔

ہارون، ماسون، ان کی والدہ اور حورین نے ان کا پُر جوش انداز میں استقبال کیا۔ روایتی انداز میں مگر بہت خاموشی کے ساتھ۔

حیدر کی ماں بڑی محبت و مروت سے ملی تھیں۔ زیور اور قیمتی ملبوسات میں دو روایتی زمین داری و کھائی دے رہی تھیں مگر ان کے پڑوتار چہرے پر کسی بھی قسم کا تکبر و حاکمانہ پن نہ تھا۔

بہت خلوص سے ملی تھیں، ان کے انداز میں ماحول کی ساری افسردگی و جھکن موجد تھی جو ان حالات نے انہیں سونپی تھیں۔
 ”پریشان مت ہو، بہن! نہ فکر مند ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا، میں یہ تو نہیں کہتی کہ آپ سے بڑھ کر صوبی کو چاہوں گی، کیونکہ ماں جیسی محبت و چاہت صرف ماں ہی دے سکتی ہے مگر میں اسے آپ کی طرح ہی محبت دینے کی کوشش کروں گی، دو میری بیٹی بھی ہوگی اور بہو بھی“۔ حیدر کی والدہ ان سے گلے ملتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی، بے ساختہ رو پڑیں۔
 ”یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے اور میری بیٹی کا اچھا نصیب بھی جو آپ جیسے فرشتہ صفت لوگ مل گئے، ورنہ نہ معلوم کیا ہوتا“۔ وہ ان سے علیحدہ ہوتے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

”اب آپ شرمندہ کر رہی ہیں“۔ وہ انکاری سے گویا ہوئیں۔
 ”خوہیں سے ملی ہیں اماں آپ؟“ حیدر اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔
 ”جی، بہت اچھی ہے شکر ہے تم اچھے لوگوں میں رہتے ہو“۔ وہ حورین کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔
 ”آپ یقیناً صوبی سے ملنے کو بے تاب ہوں گی، چلیں آپ کو ملواتے ہیں۔ حیدر کی ہر اس میں وہ آگے بڑھنے لگے۔
 جدید و قدیم کے احتراز سے نئی سنواری حیدر کی حویلی اسے بے حد پسند آئی۔ سرخ اینٹوں سے بنی حویلی میں ہر جدید آسائش موجود تھیں۔ بہت عام سے انداز میں رہنے والے حیدر کو دیکھ کر کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔
 ”یہاں بہت خاموشی ہے، اتنی بڑی حویلی میں کتنے کم لوگ ہیں، کیا یہاں ایسی ہی خاموشی رہتی ہے؟“ وہ حیدر سے گویا ہوئی۔
 ”اس رسم کشی کے باعث آپ کو یہاں شانے و خاموشی کا راج دکھائی دے رہا ہے، ورنہ یہ درو دیوار تو خاموشی کو ترستے تھے۔ صوبی اور عمر دراز بھائی کے درمیان رشتہ نہ ہونے کے باعث سارا خاندان ہم سے ترک تعلق کر چکا ہے۔ سب کی دیرینہ آرزو یہی تھی کہ یہ بے جوڑ رشتہ ہو جائے، اس وجہ سے سب ہم کو الگ تھلک کر کے سزا دے رہے ہیں کہ ہم گھبرا کر ان کی ماں لیں۔“

”سوسڈ ایسا کیوں ہے حیدر! یہ معاملات تو بالکل پرسش ہوتے ہیں، ان میں کسی اور کا انٹرنیٹر کس طرح ممکن ہے؟“
 ”آپ نہیں سمجھیں گی، جب انسان ذات پات، خاندان و برداری کے چکر میں پڑ جاتا ہے تو اس طرح ہی کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ ان خود ساختہ مسائل کے حل کے لیے ہی میں نے آج یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے۔ کس طرح اماں اور بابا سائیں کو راضی کیا ہے، میرا دل ہی جانتا ہے مگر میں اپنی بہن کو ساری زندگی زندہ و کور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک ساٹھ سالہ شادی شدہ شخص کے ساتھ کس طرح وہ خوشی بھری زندگی جیتی“۔

اس کے لہجہ میں بہن کے لیے عاریتاً عار تھا۔

صوبی تصویروں سے زیادہ خوب صورت تھی۔ اس کی بے حد سفید و گلابی رنگت، بڑی بڑی جلائی براؤن آنکھیں، دل کش سرپاؤ جاذبِ خدو خال اسے پاک کوئی بھی اپنی قسمت پر رشک کر سکتا تھا۔ وہ حیدر کے تعارف کروانے پر بڑی محبت سے ملی تھی جس میں ایک حیا آمیز دھیمہ جھم بھی تھا کہ وہ ہاراتی تھی۔ کمرے میں ملازمائیں تھیں جو ان کو دیکھ کر چلی گئی تھیں۔ حیدر کے کہنے پر کالنی اور سینڈ وچر ملازمہ لے آئی تھی۔

"آپ لیں، میں ذرا گیسٹ روم میں جا رہا ہوں، وہاں سب موجود ہیں۔" حیدر اٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"کافی تو پی لیتے ادا!" صوبی نے کہا۔

"میں دہیں پی لوں گا، والد النون میرا انتظار کر رہا ہے۔"

"سر آفتاب ہم سے بہت پہلے آئے ہیں؟" اس کے نام پر حیدر کو یاد آیا کہ وہ دونوں ان کے ساتھ نہیں تھے، شاید پہلے آئے ہیں۔
"دو ایک گھنٹہ قبل پہنچے ہیں۔"

حیدر چلا گیا، وہ صوبی سے ہاتھوں میں لگ گئی، کچھ دیر بعد ماسون کی والدہ بھی وہاں آ گئیں۔ صوبی سے بڑی شدت اور چاہ سے ملیں۔
رات میں بے تکلف ڈرتھا۔

ان کی روانگی اگلے دن تھی، یہ اندرونِ سدھ کا علاقہ تھا، یہاں سے کراچی کا سفر سارے دن پر محیط تھا۔ رات میں سفر کو پرو فیسر صاحب نے غیر محفوظ قرار دیا تھا، اس لیے روانگی اگلے دن رکھی تھی۔ کھانے کا انتظام مردانے دڑتائے میں علیحدہ علیحدہ کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد اس کی بلاقات سر سے ہوئی، ساتھ ان کے وہ بھی تھا، اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں اس کی ذات کو فراموش کیے بیٹھا تھا۔

"سر! یہاں عجیب سی خاموشی ہے، ایسی خاموشی جو وحشت میں جھٹا کرتی ہے۔ یہاں کے لوگ روپوت کی طرح ہیں، خاموش دم دم کوئی سوڈنٹ ہی نہیں ہے۔ یہاں لوگ صرف کام سے کام رکھتے ہیں۔ حیدر کے گھر والے کہہ خوف زدہ بھی ہیں۔" موقع ملنے ہی وہ سر آفتاب سے گویا ہوئی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ بنگالوں و سنت کی شراعتیں کرنے والے کنزواور بی بی جان کی ہر دم کو بچنے والی آواز کی اتنی عادی ہوئی تھی کہ یہاں آکر وہ سخت بوریت محسوس کر رہی تھی۔

"آئی ایم سوری مینا! آپ پورہ رات ہی ہیں، دوسرا سلا یہ اپنی نوعیت کی ایک بڑی عجیب شادی ہے، اس طرح تو کسی کے مرنے پر بھی نہیں ہوتا ہے جو ہم کر رہے ہیں، وہ آسان نہیں ہے مگر جب ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہاں کیا ہوا ہے؟ وہ ٹکست کھا چکے ہیں تو سوچو کیا ہوگا؟" پروفیسر خود بھی خامے شکر دکھائی دے رہے تھے۔

"سر! یہ پولیس پر شکایت کیوں نہیں لے لیتے؟"

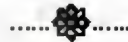
"یہ خاندانی جھگڑے ہیں، یہاں اثر و رسوخ چلتے ہیں، قانون کو ان لوگوں نے ہائی چیک کیا ہوا ہے، دولت کے بل بوتے پر ناجائز اختیارات لامحدود ہیں۔"

"پھر تو ناممکن ہے سر! کہ ان لوگوں کو یہاں ہونے والے اس کام کی خبر نہ ہو، جبکہ وہ لوگ اس قدر پاورفل انٹارمیشن رکھتے ہیں۔"

خویرین کی بات پر ذوالنون نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، اس بات کی تصدیق تو اس کا دل بار بار کر رہا تھا۔
 "نہیں، یہ کام بہت خفیہ طریقے سے کیا گیا ہے۔"

"سر! مجھے کچھ کام ہے۔" اس کی بھاری آواز گونجی پھر وہ چلا گیا۔ سر آفتاب بھی کچھ دیر بعد چلے گئے، وہ اٹھ کر صبحی کے پاس آگئی۔
 "آؤ بیٹی! حیدر کی اماں نے اسے قریب ہی بٹھالیا، وہ دونوں خواتین اپنے وقتوں کے قہے لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صبحی کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، وہ ساس کے پہلو میں بیٹھی خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھی، وہاں بھی اس کی طبیعت نہ بدلی، وہ کتنی دیر تک بے مقصد کمرے میں بیٹھتی رہی اور پھر بھی کئی کھٹے گزر جانے کے باوجود نیند آنکھوں سے اوجھل رہی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ ٹھنڈی ہوا کے مست جھونکوں سے لمبے بھر کو اس کے اندر پھیریری سی آغوشی مگر اس وقت ماحول کچھ اتنا سحر انگیز ہو رہا تھا کہ وہ غیر معمولی طور پر چادر لپیٹے چپے سیر حیاں اُترتی چلی گئی، وہاں اندھیرے میں فوس خیز چاندنی کا غبار پھیلا ہوا، ہر شے کو اپنی ماورائی گرفت میں سیٹھنے ہوئے تھا۔

سیا و آسمان پر بے شمار ستاروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان کے درمیان چاند فراخ ولی سے اپنی روشنی لٹا رہا تھا۔ وہ آنکے بڑھتے ہوئے ڈک گئی، آگے کوئی کھڑا تھا، اس کے لباس سے اٹھنے والی عزمہک سے وہ سمجھ گئی۔
 "یہ کیا حماقت ہے، اس وقت کمرے سے نکلنے کی؟" وہ دیرینگی سے قریب آکر مخاطب ہوا۔



اس کی ورشت آواز میں نمایاں کر نکلی نے اسے ٹھیک کر ڈک جانے پر مجبور کر دیا اور ساتھ ہی وہ جیسے کسی سحر سے آزاد ہوئی تھی۔
 "ابنی دوسرے تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو، ایسی احتقانہ حرکتوں سے۔" اس کے لہجے میں سمجھ بھلاہٹ تھی۔
 "ماہینڈ پور لنگوئج۔ مجھے اس انداز میں بات سننے کی عادت نہیں ہے۔" خویرین کو اس کے انداز سے اپنی ہلکے کا احساس ہوا، وہ غصے سے بولی۔

"آئی ڈونٹ کیئر، یو گو بیک۔" ذوالنون کی آواز میں سختی و دعوت حد سے زیادہ تھی وہ اس کے مد مقابل آن کھڑا ہوا۔
 "کیوں؟ آپ مجھ پر کس وجہ سے رعب جمانے کی کوشش کر رہے ہیں؟"
 "یو گو بیک۔" اس نے گویا کچھ سنا ہی نہ تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی، میں یہاں باموں کے ساتھ آئی ہوں، حیدر کی گیسٹ ہوں، اگر ان دونوں میں سے کوئی مجھے منع کرے تو میں مالوں گی، ورنہ..... آپ سے کوئی....."

"مگر ٹراسٹو پڑھتی ہیں، یہ صرف میں نے سنا تھا۔" اس کی بات کاٹ کر وہ چڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔
 "لیکن اس حد تک ہوتی ہے اس کا مجھے اندازہ اب ہوا ہے۔"

اس کے اعزاز و الفاظ نے اس کے پتھے لگا دیے۔ اس سرد موسم میں بھی اسے اپنے اندر شعلے سے لپکتے محسوس ہونے لگے۔ غصے کی لہر اتنی زور آور تھی کہ وہ کانپ اُٹھی۔

”اور برا تو کیا ہوتے ہیں؟“ وہ سخت مشتعل تھی۔

”مصل کو قتل لگا کر رکھنے والے نہیں ہوتے، استعمال بھی کرتے ہیں۔“

”مائی فٹ..... استعمال بھی کرتے ہیں۔“ اس نے غصے سے دہرایا۔

استعمال انگریزی کے باوجود والٹون کے لیپس پر بے ساختہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اس نے اس کی جانب محتاط نظروں سے دیکھا۔ فوسن خیر چاندنی کا خواب ناک غبار ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں میں سبزے کی کیسی سی مہک جو احساسات کو بو محفل نہ ہونے دے رہی تھی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی وہ بھی اس چاندنی کی ایک کرن دکھائی دے رہی تھی۔

کسی بھگی: دوئی روح کی طرح مضطرب، کسی سہانے خواب کی طرح سحر انگیز!

اس کی دو دھیائی رنگت میں چاندنی چمک رہی تھی۔ چہرہ تمام دل کشی میچے ہوئے تھا۔ یہ حسین چاندنی وغبار اس کے گلابی سراپے کے لیے اُڑا تھا۔

وہ حسن و شباب کا مرصع تھی۔

وہ حسن پرست نہ تھا۔

مگر پھر بھی نہ معلوم سینے کے اندر کوئی شے پھڑپھڑا رہی تھی۔

”ہلیز، میں درخواست کر رہا ہوں، اندر چلی جائیں۔“ وہ گہری سانس لیتا ہوا خلاف توقع بے حد غری سے بولا۔ حورین اس ہل، ہل موڈ بدلتے شخص کے بارے میں ابھی سوچ نہ پائی تھی کہ یکدمت فضا فائزنگ کی زوردار آوازوں سے گونج اُٹھی۔

☆.....☆.....☆

خوش شکل و جاؤب نظر پر سنائی دینے والے مہران علوی کی بار بار کی کئی کالز نے بالآخر غصہ خیزی کو ان سے ملنے پر مجبور کر دیا۔ وہ آج ہی سی کے دل آویز ماحول میں گرم لباس و سادہ چہرہ لیے اس کے رُوبرو بیٹھی تھی۔ رسی گفتگو کے بعد غصہ خیزی نے چیپ سادہ لی۔

اس کے اندر کا خضم اور ممانعت اس درجے کی تھی کہ مہران علوی جو ملاقات کی اول خواہش سے ہی اپنے اندر جذبول و آرزوؤں کے لاتعداد و گشتان کو مہلکا ہوا محسوس کر رہا تھا اور ان گلوں کی خوشبو اسے پیش کرنا چاہتا تھا مگر سامنے بیٹھی دو شاداب چہرے واداس آنکھوں والی باوقار لڑکی کے زعب حسن نے کچھ اس طرح مسخر کیا تھا کہ وہ جو بہت بے باک و حاضر دماغ تھا، سب فراموش کر کے گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بہت اصرار کے باوجود اس نے صرف کافی لینے پر اکتفا کیا۔

غصہ خیزی کے گریز و اہتمام کو وہ حیا آمیز تکلف سمجھ رہا تھا۔

”زیادہ باتیں کرنے والے لوگ مجھے پسند نہیں ہیں لیکن آپ زیادہ باتیں کریں گی تو مجھے اچھا محسوس ہوگا۔“ خضرئی جب سے آئی تھی، اس نے صرف کافی پی تھی اور اب لگا ہیں جھکائے ٹیبل پر رکھے اس بچے کو دیکھ رہی تھی جو مہراں اس کے لیے لے کر آیا تھا یا پھر گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ مہراں کو اس نے ایک نظر بھی نہ دیکھا۔

اس کی خاموشی سے گھبرا کر وہ شوخی سے بولا۔

”مجھے باتیں کرنے کی عادت نہیں ہے۔“

”شاید آپ کو مسکرائے کی بھی عادت نہیں ہے۔“

اس نے جھک کر اس انداز سے کہا کہ وہ مسکرائے کے بجائے گڑبڑا کر رہ گئی۔

”جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، آپ کو میرا اس طرح بلانا پسند نہیں آیا، نہ آپ مجھ سے بات کر رہی ہیں، نہ میری طرف دیکھ رہی ہیں۔“

ایک بے حد شان دار ڈرنک سیٹیو میں نے اپنے ذہن میں سلیکٹ کیا تھا۔ وہ سب آپ نے ڈراپ کر دیا، کیا آپ اتنی ہی ریز روڈ رہتی ہیں؟“

”جی ہاں۔۔۔ میں باقی نیچر ایسی ہی ہوں، آپ مجھے پورا اور ڈل بھی کہہ سکتے ہیں۔ لوگ میری کہنی میں یوریت محسوس کرتے ہیں۔“

مجھے ہنسنا مسکرائے نہیں آتا؟۔۔۔ بات ابھی آگے نہیں بڑھی ہے، آپ چاہیں تو فیصلہ بدل سکتے ہیں۔“ وہ دم لہجے میں بولتی چلی گئی۔

”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ مائی گڈ نائن! میں نے ابھی قدم بڑھایا بھی نہیں ہے کہ آپ زمین پھینچنے پر کمر بستہ ہو گئی ہیں۔ بخدا آپ

جیسی بھی ہیں، میں آپ سے دل و جان سے رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں۔“ وہ گھبرا کر گویا ہوا۔

”اب چلنا چاہیے، بہت دیر ہو چکی ہے۔“

”اتنی جلدی؟“

”جلدی کہاں گھٹنے ہوئے والا ہے۔“

”ابھی بہت ساری باتیں کرنی ہیں، لیو جے پلائف کرنی ہیں اور انہی میں نے آپ کو دل بھر کر دیکھا بھی کہاں ہے۔“ اس کے

دھیمے لہجے میں جذبوں کی چٹکاریاں سلگنے لگی تھیں۔ لگا ہوں کی حدت سے اسے اپنے رخسار سلگتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

”ابھی ان چھوٹے جذبوں کی نقاب کشائی باقی ہے۔“ خضرئی کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔ یہ محبت اور یہ جنون خیریاں کسی اور

کے حوالے سے کی گئی جو تیس تو وہ سرشاری و مسرت سے جھوم جھوم اٹھتی۔ یہ سب اسے برداشت کرنا محال تھا۔ وہ یہاں گھر والوں کے

بڑھتے امراں پر چلی تو آئی تھی مگر مہراں علوی کی محبت و چاہت بھرے انداز کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”دیر دور ہی ہے، اب چلنا چاہیے۔“ وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تو مہراں علوی کو بھی جبراً خواہشوں کو دل میں ہی مقید رکھنا پڑا،

مگر وہ خوش تھا کہ خضرئی کے روپ میں اسے اس کا آئیڈیل مل گیا۔

☆----☆----☆

”منال! سارا دن بستر پر گزرا دیا ہے، ابھی بھی کسلندی دور نہیں ہوئی ہے۔ میں بید ہو گئی ہوں، مگر میں پڑے پڑے چلو اٹھو، ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤ، پھر باہر چلتے ہیں۔“ فائدہ منال کے بیڈروم میں داخل ہوئیں تو اسے ہنوز بیڈ پر دراز دیکھ کر گویا ہوئیں۔

”میرا قلعی موڈ نہیں ہے ماما، آپ چلی جائیں۔“ وہ جمانی لیتے ہوئے بولی۔

”تمہارے بغیر مجھے کہیں جانا کہاں اچھا لگتا ہے۔“ وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

”میرا کہیں جانے کا سوڈ نہیں ہے۔“

”لیزی گرل مت بنو، ہاتھ لوگی تو موڈ بن جائے گا، کم آن گیٹ آپ ناؤ۔“

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ طوعاً و کرہاً اٹھنے پر مجبور ہو گئی۔ فائدہ بیگم کا انداز دوستانہ تھا۔

”ہری آپ، آج ایلین نوڈ کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔“

”بلکہ کو کہہ دیں اس کو تمام انٹرنیشنل نوڈز کی کوکلیگ آتی ہے۔“ اس کی آنکھیں ابھی بھی پوچھ رہی تھیں اور آواز خارا آلود تھی۔

”میں نے منع کیا ہے، اتنی ہیوی ڈرنک مت پیا کرو۔“

”میری ٹریجڈی بھی تو اتنی ہیوی ہے ماما۔“ اس کے لہجے میں نارمانی کا ڈکھ سکھنے لگا۔

”کوئی ٹریجڈی نہیں ہے، کیا کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟ دولت، عزت، مقرر۔ خوب صورت محبت کرنے والے بیٹے دنیا کی ہر آسائشات موجود ہیں، اگر حزمہ کی غیر موجودگی کو تم ٹریجڈی کہتی ہو تو یہ بہت بڑی بھول ہے۔ وہ ایک محدود سوچ کا حامل ہے حدِ قدامت پسند شخص تھا۔ ایسے لوگ خود کچھ بھی کریں مگر خود سے وابستہ لوگوں کو اپنی گرفت میں ہی رکھنا پسند کرتے ہیں اگر وہ بھوتا تو تم پابند زندگی گزار رہی ہوتی۔“

”کچھ بھی کہیں ماما، میں محسوس کرتی ہوں کہ حزمہ جاتے نہیں تو ان کی سنگت میں رہ کر میں یقیناً اس آسب سے بچھا چھڑانے میں کامیاب ہو جاتی جو آج کل میرے سائے کی طرح مجھ سے جڑا ہے۔“

”مت سوچا کرو اس منحوس شخص کو۔“ فائدہ نفرت انگیز انداز میں بولیں۔

”میں کب یاد کرتی ہوں اسے، وہ تنہائیوں میں خود ہی چلا آتا ہے۔“

”کیوں آنے والی ہو اسے خیالوں میں؟ ہونہ نہ معلوم کیوں بھول جاتی ہو کہ اس نے کیا کچھ نہیں ہمارے ساتھ؟“

”ہم نے اس سے بڑھ کر اس کے ساتھ کیا تھا۔“

منال کے لہجے میں ملال کے ساتھ ساتھ ٹھہر بھی جھٹک رہا تھا۔

”وہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا۔“

”جو ہونا تھا ہو گیا، اب کیا دل جلا نا، ختم کریں اس ٹاپک کو۔“

ہاں کے بگڑتے موڈ کو دیکھ کر اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”خود ہی شروع کرتی ہوا اور خود ہی ختم بھی۔ نہ معلوم کب تمہاری یہ دیوانگی زائل ہوگی؟ ایک ڈیڑھ ماہ بعد ضرور تم اس کی یاد میں بے قرار ہونے لگتی ہو۔ مجھے ڈر ہے بچوں کے کالوں تک کبھی یہ ذکر کھینچ گیا تو..... بہت بُرا ہوگا۔ ابھی بھی وقت ہے، خود کو سنبھالو، بھول جاؤ اس کو۔“ فائدہ سخت غصے میں تھیں۔

☆.....☆.....☆

فائرنگ کی ہڈیوں اور اداں سے خاموش فضا گونج اُٹھی، اسی تناسب سے اس کا دل بھی کانپ کر رہ گیا۔ وہ بے ساختہ گھبرا کر بولی۔
”یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ آوازیں قریب سے آرہی ہیں۔“

”اسی کا خدشہ تھا، کمرے میں جاؤ۔“ اس کے لہجے میں خوف و ڈر کا شائبہ تک نہ تھا۔

یہ نوگ کہیں حیدر کے کزن وغیرہ تو نہیں ہیں؟“۔ ڈر و خوف کے نئے اور اک سے دو کانپ اُٹھی۔

”ان لوگوں کو شاید معلوم ہو گیا ہے کہ.....“

”شٹ آپ، خود جاؤ گی یا اٹھا کر لے جاؤں؟“

اس کی بات کے جواب میں دو غرایہ۔ ماحول میں فائرنگ کی آوازیں مزید بڑھ گئی تھیں، کیونکہ حیدر کی حویلی کے اطراف سے بھی جہاں فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی مختلف آوازیں تھیں جن میں بھانسنے دوڑنے کے بھاری قدموں کی آوازیں نمایاں تھیں۔ وہ محاذ تھے جو پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ کچھ ویر قتل ماحول پر چھائی دل کشی و خوب صورتی پر اب رقصِ اطمین متحرک تھا۔ ہر نوہشت و دوہشت رقصاں تھی۔
حورین جہ پہلے ہی نئی طرح سمجھ چکی تھی، اس کی بات پر تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے کمرے میں آئی اور کانوں میں اٹھکیاں ڈال کر بیٹھ گئی۔

ذوالنون اسے اس وقت دیکھتا رہا، جب تک اس نے واپس جا کر کمرہ بند نہ کر لیا، وہاں سے وہ سیدھا راہِ واداری کی طرف بڑھا جس سے لمحہ چھوٹی حویلی تھی جو کہ وہاں سے باہر کے سہالوں کے لیے گیسٹ روم کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ وہ راہِ واداری سے نکل کر صحن میں آیا تو حیدر مل گیا۔

”کہاں چلے گئے تھے ہمارے؟“ وہ پریشانی سے استفسار کرنے لگا۔

”لان میں تھا۔“

”لان میں..... چاندنی رات کا مزہ لینے؟“ وہ ہنس کر بولا۔

”یہ چاند اور چاندنی راتیں مجھ جیسے بندے کو اہل نہیں کرتے ہیں، میں تو یونہی حالات کا جائزہ لینے چلا گیا تھا۔ تم نے دیکھا

ہماری ٹول پر وہ پلاننگ نے کیا کام دکھایا ہے۔“ وہ مطمئن لہجے میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"وٹس ٹکساٹنگ یا راتم نے دوستی کے معنی اذہر کر دیا ہے ہیں، اگر تم نہ ہوتے تو نہ معلوم کیا ہوتا؟ پھر ایک بے گناہ لڑکی فرسودہ و خوش ساختہ رسم و رواج کی سمیٹ چڑھ جاتی۔ سونے چاندی کی ویواریوں میں مقید اس کی تیز آرزوؤں، خواہشوں کی سسکیاں تاحیات اس کے اندر ہی اندر گونجتی رہتیں۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو ذوالنون! خواہشوں و آرزوؤں کا قتل جسمانی قتل سے بڑھ کر ہوتا ہے۔"

"اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہو جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہو جاتا ہے۔ تقدیر قدرت کے ہاتھوں تحریر ہوتی ہے تو تدبیر انسان کرنا ہے۔ تقدیر و تدبیر کی پیدمہ کٹھی ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔"

اسے سمجھاتے وقت اس کے لبوں پر دھیمے آہستہ تھا۔

"تم جیسے دوست، پروفیسر آفتاب اور حیدر کی فیملی سب لوگوں نے میری ہی نہیں، میری فیملی کی بھی....."

"او وٹس آپ یا راجے کا رے مکالمات میں مت پڑو، یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟"

اس نے اس انداز میں کہا کہ حیدر جس کی آواز مومنیت سے بھیک گئی تھی، لمحے بھر میں وہ خود کو سنبھال کر گویا ہوا۔

"جب تک ان کے حوصلے پست نہیں ہو جاتے۔"

"پھر تو یہ ایک طویل مدت لے گا، دولت و اختیارات کی جنگ چھوٹی جنگ نہیں ہوتی ہے۔ وہ گہرا سانس لے کر کہنے لگا۔

"بالخصوص وہاں، جہاں معاملہ جھوٹی اتاذ غیرت کا ہو۔"

دو دونوں باتیں کرتے ہوئے کئی راو دارپوں، محن عبور کر کے اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں سر آفتاب کرسی پر بیٹھے کسی مٹین سوچ میں گم تھے۔

آہٹ پر دو چوکنے اور انہیں ذکیہ کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"شکر ہے رب کائنات کا کہ وہ لوگ یہاں کی حدود سے نکل چکے ہیں۔" ماموں، ہارون، صبوحی اور حیدر کی والدہ کو ان لوگوں نے ڈنر کے بعد ہی روانہ کر دیا تھا، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ عمر دراز کے کالوں میں ہارون اور صبوحی کی شادی کی خبر پہنچ جائے۔ اس خیر کو چھپانے کے لیے ان کو بے حد تک دودھ کرنی پڑی تھی۔ اس دوران عام ملازموں کو چھٹیاں دے دی گئی تھیں۔ کاہلی اعتماد ملازم میں جو حویلی میں موجود تھے انہیں حویلی سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ رشتے داروں اور گاؤں کے ذی حیثیت لوگوں نے صبوحی کا رشتہ عمر دراز سے نہ کرنے پر پہلے ہی قطع تعلق کر لیا تھا اور ایک طرح سے یہ صبوحی کے حق میں بہتر ہوا تھا جو اس کا کام آسان ہو گیا تھا کہ وہ اب گاؤں کی حدود و عمر دراز کی گرفت سے دور ہو چکی تھی اور دونوں بعد وہ یہ ملک ہی چھوڑ دینے والی تھی۔

پروفیسر آفتاب نے فارمگ کی آواز سننے ہی میل پر ماموں سے رابطہ کیا اور معلوم کیا کہ وہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں اور جواباً یہ سن کر وہ گاؤں کی حدود سے بہت دور جا چکے ہیں، انہیں تسلی ہوئی۔

"جی سرائیں نے بھی کنکٹ کیا تھا۔ حیدر اور دو قریب ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حیدر نے اطلاع ہم پہنچائی۔

"سرا میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ مس عورین کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیں، آپ نے نہیں سمجھا۔ اب یہ گڑبڑ ہو گئی آگے کیا حالات ہوتے ہیں، ہم ان سے بے خبر ہیں۔" ذوالنون موقع دیکھتے ہی وہ شکوہ زبان پر لے آیا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔

"وہ لوگ سیدھے اپنے گھر نہیں جائیں گے، میں کسی طرح بھی کوئی رسک لینے کو تیار نہیں ہوں پھر عورین کے پرتش سے پریشان لینے وقت ان کو یقین دلایا تھا کہ وہ میری ذمہ داری پر جا رہی ہے، واپسی بھی انشاء اللہ میری ذمہ داری پر ہی ہوگی۔ صبح ہی ہم نکل چلیں گے۔"

ان کے لہجے میں وہی اطمینان و نرمی تھی جس نے ان کی شخصیت کو دوست نواز و دُور و دُور کا رہنما بنا دیا تھا۔ ان کے لبوں پر ہر وقت رہنے والا دھیرا تبسم، چہرے پر چھائی مشفق سی روشنی انہیں عام لوگوں میں ممتاز کرتی تھی۔

"اسے لانا بے مقصد ہی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"وہ بے مقصد نہیں بہت اچھے مقصد کے لیے لائی گئی تھی۔ محبوبی کو ذہن بنا کر ایک بہن، ایک دوست کی حیثیت سے لے جانے کے لیے مگر ضروری نہیں ہوتا کہ جو ہم سوچیں وہی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے اردوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پچھانا ہے۔ شناخت کا ایک لمحہ زندگی بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے جو ہم نے سوچا تھا وہ نہیں ہوا اب بھی وہی ہوگا جو اس کا حکم ہے۔"

ان کے لہجے میں کوئی طعنے کا لہجہ نہ تھا مگر ذوالنون نچل سا ہو گیا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ لوگ پہلی بار یہاں آئے ہیں، آپ کی نہ مہمان داری ہو سکی، نہ وہ خاطر و تواضع جو ہماری روایت کا حصہ ہے۔"

"ایک گئی بات بتاؤں؟" ذوالنون حیدر سے گویا ہوا۔

"ضرور۔" حیدر ہمدردی سے گویا ہوا۔

"تم بھر کرنے لگے جو اس کے اعزاز پر سر آفتاب سسکا دیے۔"

"میرا مقصد....."

"کچھ بھی ہو تمہارا مقصد۔ ہمیں نوازش، کرم، مہربانی، شکریہ جیسے تکلیف دہ لفظوں سے گھائل نہ کرو، کیونکہ ایسے الفاظ فریڈ شپ کو کند چھری سے حلال کرتے ہیں۔"

"اوکے، کافی بنواتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا، اسی وقت اس کے والد خاں سے گھبرائے ہوئے خواجہ باختر سے اندر داخل ہوئے۔

"کیا ہوا بھائی؟" ان کی بدحواس و خفیہ صورت دیکھ کر وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔ حیدر ان سے استفسار کرنے لگا۔

مگر وہ اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ جواب دینے کے بجائے ہلکا کر رہ گئے۔

"خیریت نہیں ہے۔" وہ بمشکل کہہ پائے۔

☆.....☆.....☆

رات کا نہ معلوم کون سا پہر تھا جب ایک دم ہی کرن خواب سے جاگی تھی۔ بہت ڈراؤنا خواب دیکھا تھا انہوں نے، دل کی رفتار
بری طرح غیر متوازن تھی۔ ان کے ہاتھ پر پسینے کے ٹھنڈے قطرے نمودار تھے۔ ہاتھ پیروں میں بُری طرح سنسانا ہٹ ہو رہی تھی۔ وہ
اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو کرن!“ برابر میں سوئے ہوئے انس صاحب جوان بھی نیم غنودگی میں تھے، ان کے اس طرح اٹھ کر بیٹھنے
سے وہ متفکر انداز میں گھبرا کر اٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”پا..... نی“۔ بمشکل تمام ان کے لبوں سے نکلا۔ انس صاحب نے سائیڈ میں رکھے جگ سے گلاس میں پانی نکال کر انہیں دیا
اور خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ پانی پی کر ان کے حواس درست ہوئے تو بولیں۔

”بہت بُرا خواب دیکھا ہے میں نے۔ خدا میری بچی کو اپنی حفاظت دامن میں رکھے۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔“ ان کا لہجہ کانپ رہا تھا۔
”خواب محض خواب ہوتے ہیں حکم ان سے ڈرنا چھوڑ دو، سو جاؤ۔ ہماری بیٹی خیریت سے ہے کچھ کھینچنے کی ہی تو بات کی تھی ہم نے۔“
وہ ان کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے دلاس دینے لگے۔

”نہیں خواب ہمیں آنے والے حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی تجویز ضرور دیتے ہیں، آگاہی دیتے ہیں۔ میرا جہان کہتا ہے کہ
کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اس انداز میں میرا دل بہت دنوں بعد بے چین ہوا ہے۔ وہ بھی حورین کے حوالے سے، میری بچی کی مصیبت میں
ہے۔“ وہ روئے لگیں۔

”افوہ ایہ کیا تو ہم پرستی ہے یا ردیہ کیا بات ہوئی۔ یہ دسو سے وہم پیدا کرنا ہمارے نفس کی شیطانیت ہوتی ہے دیکھو..... شیطانوں
کی انسانوں سے نفرت و بغض کا اندازہ محض اس امر سے لگا لو کہ وہ بیٹھے بٹھائے ایسے دسو سے ذہنوں میں ڈال کر مسرت محسوس کرتا ہے، اس
لیے جب بھی ایسے دسو سے آئیں تو لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ عظیم پڑھا کرو۔“

دور سمانیت سے اسے سمجھانے لگے۔

”لیکن..... حورین کے ہی حقائق کیوں؟“

”اس لیے کہ وہ ہم سے دور رہے اور یہ دوری دوسووں کے لیے بہت ہے۔“

”میں آپ کی بات مانتی ہوں، ایسا اکثر اوقات ہوتا ہے مگر کوئی بات ہے ضرور.....“ ان کی طبیعت بے حد مضطرب تھی۔
”سونے کی کوشش کرو پلیز۔“ وہ لیٹ گئیں، انس کافی دیر تک ان کے بالوں میں آہستگی سے انگلیوں سے مساج کرنے لگے۔
عام حالات میں کرن اس عمل سے منٹوں میں بے سکون نیند سو جایا کرتی تھی مگر اس وقت وہ بُری طرح خواب کے زیر اثر بے چین و بے کل
تھیں۔ خواب اپنی پوری جزئیات سمیت ان کے حواسوں پر متحرک تھا۔

جنگل بیابان میں انہوں نے حورین کو بے حس و حرکت پڑے دیکھا تھا۔ قریب بھیا تک چہرے والے گدھوں کے غول اس کی

جانب بڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ جھنجھار کر جاگ گئی تھیں، جب سے اب تک ان کے اندر کی بے سکونی کو قمر نہ تھا۔

انس صاحب کے آرام کے خیال سے وہ سوتی بن گئی تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ وہ گہری نیند میں ڈوب چکے ہیں تو آہستگی سے اٹھ کر کمرے سے نکل کر بیروں پر چلی آئیں۔

رات پورنی طرح تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ماحول میں خوشگوار تاہلی برداشت ٹھنڈک تھی۔ ہوا دیر سے دیر سے چل رہی تھی۔ سیاہ آسمان پر چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، انہوں نے مٹی گہرے گہرے سانس لے کر اندر کی گھٹن کو باہر نکالا۔ اس ٹھنڈی ہوا اور بے سکوت ماحول نے بھی ان کی گھٹن و بے چینی کو فرو نہ کیا۔ وہ گہاٹل پر بندے کی طرح ادھر ادھر چکر لگاتی رہیں۔ بار بار حورین کا چہرہ ان کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔

بند آئیں

بے جس دھرت چہرہ۔

ساکت وجود۔

اور اس کے قریب بڑھتے ہوئے گدھ، وہ خوف و دہشت سے کاتب انہیں، لاجل پڑھنے لگیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی پھر بڑھ گئی تھی۔

اس لمحے انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنا کی وی۔ مڑ کر دیکھا تو بی بی جان نماز کی چادر باندھے ان کے قریب چلی آئیں۔

”بی بی جان! بی بی جان! میں نے بہت بُرا خواب دیکھا ہے“۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے بولیں۔

بی بی جان انہیں ہانڈ کے گھیرے میں لیے اپنے کمرے میں چلی آئیں۔

”میشہ یاد رکھو، خواب کیسا بھی ہو، کبھی بھی اسے بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ بُرے بُرے خواب کو بھی اچھا ہی تصور کرنا چاہیے“۔ ان کے قریب بیٹھ کر وہ ناصحانہ انداز میں گویا تھیں۔

”کیوں بی بی؟“

”ہمارے دینی اثر لکاز کا سوچوں پر گہرا نشہ ہوتا ہے جو ہم اپنے اندر سوچ لیتے ہیں، اس کا رد عمل ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ ہماری دینی قوت بہت طاقتور ہوتی ہے، اب پُر سکون ہو کر سوچو، کچھ بھی نہیں ہے، حورین بالکل خیریت سے ہے اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چلو وضو کر کے آؤ، تہجد کا وقت ابھی ہے۔ نماز ادا کرو اور دعا مانگو، دعائیں بڑی طاقت ہے۔ برائی کو نال دیتی ہے، آؤ۔ یہ تہجد کا وقت تو دیسے بھی دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔“

ان کی پُر اثر باتوں نے کرن کی متوحش حالت میں کچھ مگی کی تھی، وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئیں۔

☆.....☆.....☆

”کیا ہوا اکل! آپ گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟“ ذوالنون نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

”عمر دواز کا پیغام آیا ہے وہ برادری کے بزرگوں کو لے کر یہاں آنا چاہتا ہے۔“ ان کے سرخ و سفید چہرے سے سخت فکر جھلک رہا تھا۔

”کیوں؟ وہ کیا کرے گا یہاں آکر؟“

حیدر کے چہرے پر غصے کی سرخی چھلکے لگی۔

”یہ بات یقینی ہے کہ ان کو یہاں کے متعلق معلومات مل چکی ہیں۔“

پروفیسر آفتاب زمان سنہ یقین سمجھ میں کہا۔

”جی ادا! یہی بات ہے۔“

”جب ہم ان سے سب تعلق توڑ چکے ہیں، بلکہ ابتدا انہوں نے کی تھی اور ان کے ساتھ تمام برادری کے افراد شامل ہیں۔

تعلقات توڑنے کے بعد وہ لوگ اب کس حیثیت سے آرہے ہیں اور کیوں آرہے ہیں؟“

”جس طرح دریا میں مگرچھ کی حکومت چلتی ہے۔ اب کوئی چاہے یا نہ چاہے سب کو اس کا تابع ہونا پڑتا ہے۔ یہی حال ہمارا

ہے، عمر دواز ایک ایسا ہی مگرچھ ہے اور ان کا ہی قانون چلتا ہے، ایک مدت سے شہر میں وہ کرم بیان کے طور طریقے بھول چکے ہو۔“ وہ

حیدر سے مخاطب تھے۔

”میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، اس مگرچھ کی موت ہی اس گاؤں کی نجات کا باعث ہوگی، میں اسے اپنے علاقے کی زمین پر قدم

رکھنے نہیں دوں گا۔“

حیدر جو صہبی کے معاملے میں پہلے ہی رنجیدگی کا شکار تھا کہ اکلوتی بہن کی جس غلت و مجبوری میں آنا نا شادی کرنی پڑی۔ تمام

اس کی شادی کے خوالے سے سوچتی گئی تمنائیں خاک ہوئیں۔ آرزوئیں ملیا میٹ ہوئیں، وہ آنسو جو وقت رخصت وہ اپنے اندر ناتار گیا تھا۔

عمر دواز کے بٹ دھرم پیغام نے انہیں بھڑکتے شراذوں میں تبدیل کر دیا۔ وہ شدید غیض و غضب میں دوازے کی سمت بڑھا۔ ذوالنون

نے آگے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر ٹھادیا۔

”جوش میں کام آ لے ہوتے ہیں، سنبھالو خود کو۔“

”مدت ہوگئی یا رابیہ بے سرو پار سم در و اج برداشت کرتے کرتے۔“

”حیدر رابیہ وقت حکمت عملی کا ہے جذباتیت کا نہیں۔“

پروفیسر آفتاب نے بھی اسے رمان سے سمجھایا۔

”سر! مجھ سے برداشت نہیں ہوتا جس طرح سے میں نے صہبی کو رخصت کیا ہے، میں جانتا ہوں ایسی شادی تو کسی قیم و سیر لڑکی

کی بھی نہیں ہوتی، جس طرح میری بہن کی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہوئی اس کی ہمت دیکھیں کہ کس بٹ دھرمی سے یہاں آکر یہ دیکھنا

چاہتا ہے کہ اسے ملنے والی معلومات درست ہیں یا غلط؟

حیدر کی اشتعال انگیزی کم نہیں ہو رہی تھی۔

”صبوحی تمہاری بہن ہی نہیں، میری بیٹی بھی ہے، اس کی خوشیاں دیکھنے کی میری بھی بہت چاہ تھی، اس کی ماں نے کس طرح صبر کیا ہے اور کس دل سے زخمت کیا ہے۔ جانے کے بعد سے بار بار وہ بے ہوش ہو رہی ہے۔ یہ سب ہم نے صبوحی کی بہترین زندگی دیا، تیار خوشیوں کے لیے ہی کیا ہے۔ میں عمر و راز سے کمزور نہیں ہوں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہتا ہوں، مگر وہ میرا خون ہے۔ میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہے، کس طرح سے میں اپنے خون کو اپنی آنکھوں سے رانچاں ہوتے دیکھ سکتا ہوں؟ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ آپ بتائیں ادا! میری سوچ غلط ہے؟“

وہ حیدر کے بعد سر آفتاب سے مخاطب ہوئے۔

”آپ درست کہہ رہے ہیں امیر صاحب! اپنی کاجاب بھائی سے دینا مرد مومن کے شایان شان نہیں ہوتا، بھادری تو صبر و استقلال میں ہے۔“

سر آفتاب تو خود غلوں و ایمار کی مٹی سے بنے تھے، ان کی تو فطرت ہی بھائی چارگی دے لوٹ چار و محبت کو فروغ دینے والی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے متاثر کن انداز میں کہا۔

”یہ میری بھادری اور میرا خون ہے، ان سے کس طرح سے نبٹا جاسکتا ہے، یہ تدبیر میں خود کردوں گا مگر..... اس وقت مسئلہ ہے آپ لوگوں کی یہاں موجودگی کا، آپ جو ہمیں عزیزوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ آپ لوگوں نے وہ کیا جو اپنے نہیں کرتے۔ آپ کی محبت ہمارے دلوں میں بھادری ہمیشہ رہے گی۔ ہم نہیں چاہیں گے کہ آپ لوگوں پر معمولی سی بھی آج آئے۔ آپ لوگوں کی موجودگی میں، میں ان لوگوں کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ کے جانے کے بعد ہی ان سے کوئی مذاکرات ہوں گے۔“ ان کا لہجہ بے حد الجھا ہوا تھا۔

”چاہا! ہم کسی سے کوئی مذاکرات نہیں کریں گے۔“

حیدر کا لہجہ مودب تھا مگر اشتعال انگیزی فرد نہ ہوتی تھی۔

”حیدر! آپ کا اس معاملے میں بولنا مناسب نہیں ہے، آپ کے والد حالات کے مطابق فیصلہ کریں گے جو بہتر ہوگا۔ آپ اپنی اشتعال انگیزی و جذباتیت پر قابو رکھیں جو بے حد ضروری ہے۔“

”ہم اسی وقت یہاں سے نکل جائیں تو بہتر نہ ہوگا سر؟“ ذوالنون نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کیا بات کی تم نے؟ یہ ممکن نہیں۔ ہم اس طرح ان حالات میں اپنے محسنوں کو نہیں جانے دیں گے۔“ حیدر کے والد نے فوراً کہا۔

”چاہا! درست کہہ رہے ہیں، رات کے اس وقت اور ایسے حالات میں ہم تم کو نہیں جانے دیں گے۔“ حیدر نفی میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔

”ذوالنون کی بات درست ہے! صفر صاحب! ہمیں اس وقت یہاں سے نکل جانا چاہیے، جس انداز سے باہر فائرنگ ہو رہی ہے، محسوس ہوتا ہے انہیں شاید آپ کے انکار و اقرار کی ضرورت نہ ہوگی، مگر وہ یہاں ہماری موجودگی میں آگئے تو آپ کی مشکلات مزید بڑھ سکتی ہیں اور ہم نہیں چاہیں گے کہ ہماری وجہ سے آپ کی پریشانوں میں وسعت ہو۔“

سر آفتاب کا انداز حسی تھا، جس سے ان باپ بیٹے کے چہروں پر تفکرات بڑھنے لگے۔ وشر مسار و نخل و کھائی دینے لگے۔

”آپ بے فکر رہیں سر! کسی میں ہمت نہیں ہے جو بغیر اجازت اس وٹیر پر قدم بھی رکھ سکے، یہاں دشمن کا پرندہ بھی پر مارنے کی جسارت نہیں کر سکتا ہے۔“

”آپ پریشان مت ہوں، جو ہوگا دیکھا جائے گا، ہم آپ کو نکس جانے دیں گے، یہ ہماری عزت و آن کا مسئلہ ہے۔“ صفر صاحب بھی روکنے پر مقرر تھے۔

”سر! آپ کے ساتھ! مس حورین بھی ہیں۔“ حیدر انہیں جانسنے پر ہند دیکھ کر آہستگی سے بولا۔ صفر صاحب بھی ان کے مضبوط دلائل کے آگے خاموش ہو گئے۔ وہ ہر خطرے و مصائب سے ان کی خاطر نکلنے کو تیار تھے مگر پروفیسر آفتاب اور ذوالنون کے آگے انہیں جلدی سرینڈر کرنا پڑا اور انہیں اجازت دینی پڑی۔

”پریشان مت ہو حیدر! حورین ہمارے ساتھ ہی جائے گی، اللہ مالک ہے۔ مجھے اُمید ہے ایسی کوئی بات نہ ہوگی جو پریشانی کا سبب بنے۔“

”اد کے سر! جو آپ نے کہا دوسرا آنکھوں پر مگر میں کسی طور آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا۔ آپ کو محدود سے باہر تک بحفاظت چھوڑ کر آؤں گا، یہاں آپ کا کوئی اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔“

یہاں پر ان کی ایک نہ چلی، وہ ایک الگ گاڑی میں خافلوں کے ہمراہ نکلے تھے۔ پہلی گاڑی میں حافظ تھے اور دوسری لینڈ کروزر ان کی تھی، گاڑی حیدر ڈرائیو کر رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر ذوالنون تھا، بیک سیٹ پر پروفیسر اور حورین تھے۔ دونوں گاڑیاں دوسرے راستے سے جاری تھیں، ان کے درمیان خاموشی تھی۔ وہ تینوں نہ معلوم کن سوچوں میں گم تھے۔ ان سے قطع نظر حورین بری طرح خوف و ہشت کا شکار تھی۔ حالات کی ایسی سنگینی کا اسے ادراک نہ تھا۔ اسے ذوالنون نے ہارون و مامون وغیرہ کی روانگی کا نہیں بتایا تھا اور اس فائرنگ سے وہ یہی سمجھی کہ یہ ان پر انیک کیا گیا ہے۔ اسی خیال نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے اور وہ بے اختیار ان کے خیریت سے رہنے کی دعائیں مانگنے لگی۔ فائرنگ بہت شدت سے کی جا رہی تھی، اس کی جان ان بنگالوں سے لگنے لگی۔

حیدر کے ہمراہ سر آفتاب اس کے روم میں آئے، ان کی زبانی وہ حالات سے باخبر ہوئی۔ صوبی، ہارون وغیرہ کی بخیریت روانگی کا سن کر اسے طمانیت ہوئی تھی گو کہ وہ جس مقصد کے لیے لائی گئی تھی، وہ ادا ہو رہا تھا مگر صوبی کی رخصتی سب سے اہم کامیابی تھی۔

گاڑیاں پوری رفتار سے کچے کچے راستوں پر بھاگے جا رہی تھیں، حیدر نے احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسرے راستے کا انتخاب

کیا تھا جو دشوار گزار ہونے کے باعث عام گزرگاہ نہ تھی اور محفوظ تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے کے باعث سردی کا احساس نہ تھا۔ باہر دونوں جانب پھیلے ہوئے ٹیلوں اور قد آور جھاڑیوں پر ٹھنہری ہوئی چاندنی پھیلی ہوئی بے حد بے اسرار و بے سوز لگ رہی تھی۔

”انسانی ذہن و مزاج بھی کتنی سرعت سے اپنے احساسات بدلے ہیں، چند گھنٹے قبل جب میں نے حیدر کی حویلی میں ستاروں کے جھرمٹ میں چمکتا ہوا چاند دیکھا تھا تو اس کی فسون خیر چاندنی نے کس طرح دل کو سحر کر دیا تھا۔ ہر شے چاندنی کے غبار میں چھائی ہوئی کس قدر ماورائی و دل کش لگ رہی تھی کہ خود اس مقدس چاندنی کا حصہ بن جانے کو دل چاہتا تھا اور اب محض چند ہی گھنٹوں میں یہ سب کس قدر خوفناک لگ رہا ہے۔“ وہ گلاس ڈور سے باہر جھانکتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

ذوالنون چونکہ انداز میں بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا جہاں تاریکی کی دبیز چادر کو چاندنی کا نازک سا سراپا چاک کرنے میں ناکام تھا۔

ماحول پر پرہیزگار سکوت طاری تھا۔

ایک ایسی جامع خاموشی جو کسی طوفان کی آمد کا پتا دیتی ہے۔

کچھ تھا۔

کچھ ہونے والا تھا۔

کیا ہونے والا تھا؟

اس سے وہ قطعی لاعلم تھا مگر چھٹی حس برابر مضطرب تھی وہ کسی خطرے کی نشان دہی کر رہی تھی، مطلع کر رہی تھی اور اسی دم باہر پھیلے ہوئے بے ترتیب جھاڑیوں و ٹیلوں سے فائرنگ کی گئی۔

حملہ اتنا چالاک و شدید تھا کہ آگے چلنے والے محافظوں کو فوراً سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور انہیں ٹورا ہی اپنے بچاؤ کے لیے جھٹکنا پڑا۔ حیدر کے ہاتھ سے اسٹیرنگ بے قابو ہو چکا تھا اور گاڑی نشیب کی جانب بڑھنے لگی۔ اسی وقت حورین کی جانب کا دروازہ کھل گیا اور وہ چلتی ہوئی نشیب کی گہرائی میں گرتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

بے تحاشا تجھے یاد کیا

اور بھلایا بھی بہت ہے تجھ کو

ساری روشتی ہی تیرے دم سے ہے

اور تیرے کھمرے ہوئے غم سے ہے

جس قدر

میں نے تعلق تیرا محسوس کیا

اتنی گہرائی تو روحوں میں ہوا کرتی ہے

جس قدر

میں نے تیری ذات کو خود میں پایا

اتنی یکنائی کہاں مقس ہے

فاصلے و قسطن کھو بیٹھتے ہیں

دوریاں پھکی پڑیں

اتنی شدت سے تجھے سوچا ہے

اتنی شدت سے تجھے چاہا ہے

شدتیں عشق کی سحران ہوا کرتی ہیں

کوئین نے کارپوریشن میں کمزری کی اور پھر فوراً ہی باہر نکلنے کے بجائے ڈرائیونگ ڈور کے لاک پر ہاتھ رکھے اسے دل کو تسلی دے رہا تھا جو یہاں آنے کے ارادے سے ہی پورے محفل و بے سکون ہو گیا تھا، آج ہنزہ نے کال کی تھی اور بتایا تھا کہ دادوا نہیں بہت یاد کر رہی ہیں، وہ فرصت ملنے ہی آجائے۔ سو وہ آفس سے سیدھا سہیل چلا آیا اور آکر وہ اس کے سامنے کے خیال سے دل گیر تھا۔

”السلام علیکم کوئین بھائی کیا بات ہے اندر جانے کا کیا راستہ بھول گئے ہیں۔ چلیں آئیں، میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔“ خضر جولان کے آخری حصے میں ایک سرسبز گڑا تھا۔ وہ منٹ کا عرصہ گزارنے کے باوجود جب کوئین کو کار سے نہ نکلنے دیکھا تو قریب آکر کمزری میں منہ ڈال کر گویا ہوا۔

”اوہ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے، دراصل مجھے آفس کا ایک اہم کام یاد آ گیا۔ میں سوچ رہا تھا، ابھی جاؤں یا کل پر چھوڑ دوں؟“ خضر کو دیکھ کر وہ جھل سا ہو گیا اسے بات بتانی پڑی۔

”اب کل پر ہی چھوڑیں، آفس ٹائمنگ دیے بھی ختم ہو چکی ہے۔“ وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

حسب معمول اس کا استقبال اسی محبت و خلوص سے کیا گیا جو اس گھر کے مکینوں کا طریقہ رہا تھا۔

اس خلوص مروت میں ڈوب کر روح پر لگے زخم بھی مندمل ہونے لگتے تھے۔

”یہ کیا حالت بتانی ہے؟ کس قدر کمزور ہو گئے ہو، اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے۔“ راحیلہ بیگم کا دل آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں

سے بہنے لگا۔

”دادو! آپ روئیں مت، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”کیا ٹھیک ہو؟ صحت دیکھی ہے اپنی؟“ اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھامے، حیلہ بیگم گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

”ایسی کوئی پرابلم نہیں ہے، آپ میری فکر نہ کیا کریں۔“ اس نے محبت سے ان کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے کہا۔

”کیسے نہ کروں، تمہارا باپ جیتے جی مارا گیا، زیادتیاں میں نے کی تھیں، سزا کی صرف میں ہی مستحق تھی، مردہ سب کو سزا دے گیا۔ اپنے لیے بھی آزمائش بھری سزا تھی اس نے۔ روح گھائل کر لی اس نے اپنی اور ابھی تک اس کا پتا نہیں ہے، اسے خیال بھی نہیں ہے کہ کوئی کس بے قراری سے اس کی راد تک رہا ہے۔“

فطرہ فطرہ آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ لہجے میں حزن و سوڈ کی مضطرب کر دینے والی آگ دھبہ رہی تھی۔

”آپ دعا کیا کریں دادو، آپ کی دعائیں انہیں ضرور ایک نہ ایک دن لے کر آئیں گی۔“ باپ کے ذکر پر اس کے چہرے پر سلیہ سا لہرا نہ لگا۔ شفیق دزم مزاج باپ کو وہ کبھی بھلا نہ سکا تھا مگر جب سے ماں اور نالو کے نفرت بھرے عزائم اس گھر کے لوگوں کے خلاف باتیں اس پر آشکارا ہوئی تھیں، تب سے اسے احساس ہوا تھا کہ حمزہ نے انہیں اس طرح چھوڑ کر بہت بڑی زیادتی کی ہے، وہ ساتھ ہونے تو آج خضرئی اس کی دسترس سے دور ہونے کی بجائے پھلوں میں ہوتی اور پھر خزاں بہاروں کے پیرائے میں لوڑھ کر اس کی حیات کا حصہ ہوتی۔ بعض اوقات ایک غلط فیصلہ کئی زندگیوں کو تباہیوں سے ہلکانا کر دیتا ہے، جہاں خواہشیں حسرتوں کا روپ دھار لیتی ہیں اور پھر حسرتیں نا حیات مندی بچے کی طرح ہلکتی رہتی ہیں، ہلکتی رہتی ہیں۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ دادو کی ماضی کی زیادتیوں کا تاوان بھگستا پڑ رہا ہے یا ماں کی آخر خوشی کی ادائیگی ہے یا باپ کی جذباتیت کی سزا ہے۔ غلطیوں کے خطا کار کچھ لوگ تھے، سزا سب کو مل رہی تھی۔

”میرادل، میرے لب، ہر دم دعا گو رہتے ہیں بیٹا! اچھا یہ بتا مگر میں سب کیسے ہیں؟ بہو، فاطمہ اور تمہارے نالو، وہ تو آج کل بہت مصروف ہوں گے۔ انکیشن میں حصہ لے رہے ہیں اور وہ چھوٹا کیا ہے؟ اس کو تو فرصت ہی نہیں ملتی کہ آکر دادو کو ایک نظر دیکھ ہی لے۔“ وہ فردا فردا سب کی خیریت معلوم کر کے بڑے پیار بھرے لہجے میں ذوالنون کے بارے میں استفسار کرنے لگیں۔

کوئین بھی سب کی خیریت سے مطلع کرتے ہوئے ذوالنون کے بارے میں بتانے لگا، وہ ٹھیک ہے اور آج کل اپنی دوست کے ہمراہ گاؤں کی سیر کو گیا ہوا ہے۔

”شکر ہے حمزہ کی جدائی کے ڈکھوں سے وہ خود کو نکال کر دنیا کے ہنگاموں میں گمن تو ہے، ورنہ مجھے بڑی لگ رہتی، اب تم کہو گے میں نے لگر لگر کی رٹ لگا رکھی ہے، پھر کیا کروں عمر کے اس حصے میں آکر انسان فکر و دعا ہی کر سکتا ہے۔“

”آپ کی دعا اور آپ کی فکر ہماری زندگی کے قیمتی ترین اثاثے ہیں، کبھی زندگی کی الجھنوں میں الجھ بھی گئے تو دل میں یہ یقین کا دیار دشنی دکھاتا رہے گا کہ کسی کے لب ہمارے لیے دعا گو ہیں، مایوسیوں سے نکالنے کے لیے۔“

”کوئین بھائی! ماما پوچھ رہی ہیں ڈنر میں کیا لیس گے آپ؟“
 اریہہ جانے دیگر لوازمات کے ساتھ ٹرائی میں رکھ کر لے آئی۔
 ”ڈنر تو میں کروں گا لٹل گرل!“ وہ اسے دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

”اتنے عرصے بعد آئے ہو ایسے ہی تھوڑی جانے دے گی بیوہ پھر تمہارے چچا بھی بہت یاد کر رہے تھے ان سے مل کر جانا۔“
 ”اوکے دادو! انکرا تا کچھ کھانے کے بعد اب کھانے کی گنجائش کہاں رہے گی۔“

اریہہ کو پلیٹ میں لوازمات بھرتے دیکھ کر وہ بولا۔

”آپ بھی کیا خطرئی آپنی کی طرح ڈائنٹ کنشس ہیں۔ آپنی کو بھی اپنی اسٹارٹ نیس کی بڑی نگرہ رہتی ہے، حالانکہ میزا دعویٰ ہے آپ جیسے لوگ ٹیبل بھی جائیں تو بھی خوب صورت ہی لگیں گے۔“ دادو کے بعد اس نے لوازمات سے بھری پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شوقی سے کہا۔

اسی لمحے مسکراتی ہوئی صنوبر بیگم اندر داخل ہوئیں۔

”میں نے سوچا آج شام کی چائے آٹنی کے روم میں ہی پی جائے۔“

وہ خوش دلی سے کہتی ہوئیں ساس کے براہ میں بیٹھ گئیں۔

”جگ جگ چوبہ! ہر گھر میں تم جیسی بیوہ تو گھر اسی طرح جنت کے گہوارے بن جائیں، درشتوں کو توڑنے اور جوڑنے میں بڑا کردار عورت کا ہی ہوتا ہے اور جس طرح سے تم نے ہمارا دل، اپنی خدمت گزاری و محبت سے تسخیر کیا ہے، ایسا اس دور میں بہت کم لوگ کرتے ہیں۔“

انہوں نے محبت پاش لگاؤں سے صنوبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ سب آپ کی محبت ہے جو آپ لے مجھے ساس ہوتے ہوئے بھی ماں کی طرح محبت دی ہے، ورنہ اپنی ای کی ڈسٹہ کے بعد تو میں بھی تھی کہ اصول محبت کا یہ خزانہ چھن چکا ہے، اب کبھی نہیں ملے گا۔ ہم عمر کے کسی بھی دور میں پہنچ جائیں، ہمیں ماں جیسی پر نور ہستی کی ضرورت رہتی ہے۔“

”ارے میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر؟ اندر داخل ہوتے ہوئے خنجر نے رک کر حیرانگی کی ایکٹنگ کی۔

”شیر اور بکری مجھے کہیں نظر نہیں آ رہے البتہ گیدڑ ضرور میرے سامنے کھڑا ہے۔“ اریہہ کے کہنے پر ماں کے لبوں پر مسکراہٹ درآئی۔

”جنگل ملی امیرے معاملے میں اپنی سارس جیسی ٹانگ نہ اٹھایا کر دو، اگر مجھے تمہارے ایئر رنجز کا خیال نہ ہوتا تو کب کے تمہارے

کان کاٹ چکا ہوتا۔ ممایہ کتنی ہی اگر اس کے کان کاٹ دو گے تو ایئر رنجز کیسے پہننے گی، پھر جنگل ملی سے کان کٹی بندر یا بن جائے گی۔“ وہ

دھپ سے کوئین کے براہ میں بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

”ذرا بھی تم لوگوں میں عقل نہیں ہے، موقع ملا اور شروع ہو گئے۔ میں نے تمہیں خطرئی کو لینے بھیجا تھا۔“ صنوبر نے دوڑوں کو ڈانٹا۔
 ”ان کی کال راستے میں ہی آگئی تھی، وہ لیٹ ڈانٹ آئیں گی، کئی ایمر جنسی کیسز آئے ہیں، بھائی بھی لیٹ آئیں گے، بھیا آجائیں گے۔“

”بھائی مگر میں نہیں ہیں؟“ ہنزہ کے ذکر پر اسے یاد آیا۔ ”وہ آج ہی اپنے میکے گئے ہیں۔“

”کچے قیے کے کہاب اور پراٹھے کھانے ہیں آئی“ وہ جس سے فرار چادر ہاتھ اس سے سامتا ہونے کا امکان نہ رہا تھا۔ وہ بٹاش لہجہ میں بولا۔

”میریانی اور کڑا ہی گوشت بھی تیار کر رہی ہو، سوئیٹ ڈش کیا بناؤں؟“ صنوبر اس کی فرمائش پر کھل سی گئیں۔
 ”فرنی؟“

”فرنی! یہ تو خاص ڈش نہیں ہے، کچھا اور بنائیں۔“ خطر نے کہا۔

”میرے لیے خاص ہے، کیونکہ آئی بنائیں گی۔“ اس نے سینڈوچ کھاتے ہوئے کہا۔

”بے لگور ہو دوس ملائی کے دو پیکٹ بھی رکھے ہیں، اور یہ نے جلی بھی بنائی ہے۔“

”اور یہ کے ہاتھ کے بنے کھانے کھانا خود کو مزاد دینے کے مترادف ہے۔“

”ست کھانا کو نہیں بھائی تو کھائیں گے۔“ دولا پرواہی سے گویا ہوئی۔

”پھر قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ ملازمہ نے آکر بتایا کہ مہران علوی اپنی بی کے ساتھ تشریف لائے ہیں، دراصلہ عیلم کی بے ساختہ نظریں کو عین کے رنگ اڑتے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

☆.....☆.....☆

اس اچانک اتفاق سے وہ سنبھلے تھے۔ گاڑی بے قابو ہونے کے باعث آگے بڑھتی گئی اور اس سے قبل کہ وہ کوئی تدبیر کرتا اس کی سائیڈ کار وائر جھکوں کے باعث کھلا اور وہ بھی کسی بال کی طرح لڑھکھک ہوا نیچے گرنے لگا اور لڑھکھکی چلا گیا کیونکہ گاڑی ریگستانی علاقہ عبور کر رہی تھی۔ دو لڑھکھک ہوا کسی چیز کو پکڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا مگر ہاتھ میں صرف خشک پودوں کی ٹہنیاں آ رہی تھیں، جو سہارا بننے کے بجائے خود بے وزن ہو کر اس کے ہاتھ میں آ رہی تھیں مگر تے گرتے وہ ایک جگہ رک گیا، جہاں ریت کا دریا سا تھا۔ وہ کئی لمحوں تک اسی طرح بے حس و حرکت لیٹا رہا، اس وقت ہوش و حواس گویا گم ہو کر رہ گئے تھے۔

کتنی دیر وہ یوں ہی چپٹ پڑا آسمان کی بدلتی رنگت کو دیکھتا رہا، جہاں آخری پہرے کے ستارے ست روئی سے منزل کی جانب مائل یہ پرواز تھے۔ ٹھنڈا ہوا چاند بھی گویا ساری رات چاندنی لٹکا کر اب تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا۔ ماحول میں خاموشی تھی اور ہوا میں پو جھل پن پنہاں تھا۔

معا اس کا شعور بیدار ہوا تو چونک کر اٹھ بیٹا۔ اپنے چاروں طرف اسے ریت ہی ریت دکھائی دے رہی تھی، وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا، اس کی نظریں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی جہاں دم توڑتی رات کی سیاہیاں وحشت پھیلا رہی تھیں۔ وہ ایک بلند ٹیلے سے لڑھکتا ہوا آیا تھا۔ جسم میں خاصی چونٹیں بھی آئی تھیں مگر اس وقت اسے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی کہ وہ کہاں ہیں اور ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے..... ان سے تو وہ بے خبر تھا، البتہ حورین کو اس نے خود گرتے دیکھا تھا۔ اس کا خیال آتے ہی وہ برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگا۔ اس صحرائی علاقے میں کئی گھنٹے سرگرداں رہنے کے بعد بھی وہ نہ حورین کو ڈھونڈ پایا اور نہ ہی حیدر اور سر آفتاب کے متعلق جان پایا۔ رات دھیرے دھیرے اٹھنا سواؤ آٹھل سمیٹ چکی تھی۔

ٹیلے اُفتی کے کناروں سے صبح صادق کی رو پہلی سرخیاں نمایاں ہو رہی تھیں، پرندوں کی چہکاروں سے فضا گونج رہی تھی۔ نہ معلوم کتنا سفر طے کرنے کے بعد اسے کسی گاؤں کے آثار دکھائی دیے۔ سامنے کھیت تھیں اور کھیتوں کے درمیان کچا راستہ بنا ہوا تھا۔ سورج کی سنہری روشنی آہستگی سے پھیل رہی تھی، وہ حوصلوں کو سنبھالے آگے بڑھتا رہا۔ دائیں جانب ایک چھوٹی سی پرچون کی دکان نظر آ رہی تھی۔ کھیتوں میں خاصے خاصے پر ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ وہ دکان کے قریب چلا آیا، اندر ایک باریش شخص تخت پر بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ ڈوالنوں کو دیکھ کر انہوں نے آیت پوری کر کے قرآن کو جزدان میں چوم کر ریک کے اوپر رکھا اور آنکھوں پر نینک درست کرتے ہوئے دکان سے باہر آئے۔ وہ تجسس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"السلام علیکم"۔ اس نے اس کی جھجک محسوس کر کے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، آپ..... کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"جی، میں یہاں اچھی ہوں، ایک حادثہ مجھے یہاں لے آیا ہے۔"

"حادثہ؟"

"جی ہاں، رات ہماری گاڑی ایک حادثے کا شکار ہو گئی تھی، اس میں، میں، اور میرے ساتھی بھی تھے، مجھے ان کی تلاش ہے، یہ کون سی جگہ ہے؟"

"آپ کس گاؤں سے آئے رہے تھے؟ ویسے آپ گاؤں کے نہیں لگتے۔"

اس کی نگاہیں چشمے کے پیچھے سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اس کے منہ سے حیدر کے گاؤں کا نام سن کر وہ خوف زدہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"ارے پھر تو آپ کا یہاں ہونا خطرے سے خالی نہیں ہے، آپ میرے ساتھ چلیں، جلدی کریں، ابھی کسی نے بھی آپ کو دیکھا

نہیں ہے۔"

"یہاں مجھے کس سے خطرہ ہوگا؟" وہ متعجب ہوا۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں ہے، ہمارے سائیں کا نام مرد دراز سائیں ہے، ان کی دشمنی چل رہی ہے اپنے چچا اصغر علی سے، آپ میرے ساتھ آئیں، تمام ہاتھیں مگر جا کر ہاتھوں کا۔"

بزرگ بہت زیادہ خوف زدہ و متحشر تھے۔ ذوالنون ایک گہری سانس لے کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ تقدیر کا مذاق ایسا ہی ہوتا ہے وہ جس سے بچ کر نکل رہے تھے، اس کی حدود میں قسمت کی تم ظریفی سے آن پھنسے تھے۔ معاملہ گھمبیر تھا، حیدر اور پروفسر آفتاب کے ساتھ اسے حورین کی فکرا بہت زیادہ ہونے لگی تھی۔ وہ نہ معلوم کہاں تھی؟ گاڑی سے گرنے کے بعد وہ کہاں گئی؟

سرخ انگوٹوں سے بنے کشادہ صحن میں پرانے طرز کے بنے لکڑی کے دروازے سے وہ بزرگ کے پیچھے داخل ہو گیا۔ اس کے اندر آتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

"یہ گودام ہے اور قدرے محفوظ جگہ ہے، سامنے ٹکالگا ہوا ہے، وہاں سے آپ ہاتھ منہ دھو لیں، میں اسے میں ہاتھ دے کر انہیں نکال دیتا ہوں۔" وہ بزرگ صحن کے وسط میں لنگے لٹ کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئے۔

"شکر یہ بزرگوار! مجھے ہاتھ دینے کی ضرورت نہیں ہے، آپ تکلیف نہ کریں۔"

"تکلیف کسی جیٹا! آپ مہمان ہیں اور مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔"

"میں آپ کی قدر کرتا ہوں مگر مجھے بھوک و پیاس کی طلب نہیں ہے۔" اس کے انداز میں تقلید تھی۔

"گھبراؤ مت، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، بڑے سائیں کو ہاتھ نہیں چلے گا۔"

انہوں نے بڑی اچانکیت سے اسے قتل دی تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"نہ مجھے آپ کے بڑے سائیں سے ڈر ہے اور نہ ہی میں گھبرا رہا ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ میرے تین ساتھی اور بھی ہیں، ان میں سے ایک لڑکی ہے وہ میرے ساتھ حادثے کا شکار ہوئے تھے، ان کی خبر جب تک مجھے نہیں ملے گی، تب تک میں سکون سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔"

"اوہ لڑکی بھی ہے؟ رب خیر کرے، لیکن آپ کا سامنا کسی سے ہو گیا تو بہت بُرا ہوگا، کیونکہ آج کل سائیں کا موڈ بہت بگڑا ہوا ہے، ان کے چھوٹے بھائی کی سنگ تھی اصغر علی کی بیٹی۔ چھوٹے سائیں کے مرنے کے بعد وہ یہاں کے رواج کے مطابق بڑے سائیں کے جیسے میں آگئی تھی۔ بڑے سائیں نے اصغر علی کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی امانت لینے آ رہے ہیں، جواباً اصغر علی نے انکار کر دیا اور یہی نہیں اپنی بیٹی کی شادی اپنے لڑکے کے دوست کے بھائی سے کر دی اور چھپ چھپا کر انہیں بھگا بھی دیا۔ ایسا کبھی بھی ہمارے گاؤں میں نہ ہوا تھا۔ بڑے سائیں تو اسی وقت ان کے گاؤں میں آگ لگا کر حویلی والوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اگر ان کے بزرگ اور دوسرے بڑے لوگ انہیں روک نہ لیتے تو اب تک سب خاک ہو چکا ہوتا، پھر کل رات فائرنگ میں ان کے کافی لوگوں کی جانیں گئی ہیں۔"

ان سے گفتگو کے دوران وہ ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہو چکا تھا۔

”آپ مجھے سچے اور کمرے نکلتے ہیں۔ جناب! آپ بالکل سچ بتائیں کیا مردِ راز اور اس لڑکی کا جوڑ تھا؟ احساسات سے زیادہ روایات عزیز رکھنی چاہئیں؟ اصغر علی نے جو کیا وہ غلط ہے؟“

”جس سب درست ہے، والدین سے بڑھ کر اولاد کی بہتری کون چاہ سکتا ہے۔ میری زندگی کا ایک حصہ شہر میں گزرا ہے، وہاں رہ کر میں نے جانا تھا، زندگی کے اصل معنی کیا ہیں۔ یہاں صاف ماحول اور کھلی فضا ہے مگر دلوں پر لگے پرانے رنگ آلودگی و گرد و صاف نہ ہو سکی ہے اور نہ ہوگی، کیونکہ اللہ بھی ان لوگوں کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی حالت بدلنے کی سعی نہیں کرتے۔“

وہ اسے لے کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔

”آپ دکان یوں ہی چھوڑ کر آ گئے۔“

”سادن آگیا ہوگا، وہ نماز پڑھ کر آ جاتا ہے۔“

سادن کون ہے؟“

”میری بہن کا بیٹا ہے، دکان وہی چلاتا ہے میں صرف کنوٹا ہوں۔ ایسا کرو، کچھ دیر آپ سستالو میں اتنے میں ناشتہ لے کر آتا ہوں اور سن گن لینے کی کوشش کرتا ہوں، آپ کے ساتھیوں کی۔“ وہ بزرگ جن کا نام محمد افضل تھا۔ ذوالنون کی زبانی سب سن کر بہت متاثر ہوئے۔ دور روشن ذہن و دماغ کے مالک تھے۔ علاقے میں مردِ راز کی مثال نہ حاکیست کو وہ پسند نہ کرتے تھے مگر یہاں کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ہونے کے سبب مجبوراً رو رہے تھے۔ اب ذوالنون کی صورت میں ایک ہم مزاج اور ہم خیال مل گیا تو وہ پورے غلوں سے اس کی مدد کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

ذوالنون پر جب سے انکشاف ہوا تھا، مردِ راز کے علاقے میں ہونے کا اس وقت سے اسے یہ سوچ جکڑے ہوئے تھی کہ خدا نخواستہ وہ ان کے ہاتھ لگ گئی تو..... کیا ہوگا؟؟؟

☆.....☆.....☆

یادیں

لمحے بیت جاتے

مگر

یادیں چھوڑ جاتے

کچھ یادیں قائم رہتیں

جب تک زندگی قائم رہتی

یادیں

من میں مرج جاتیں
روح میں اتر جاتیں
بالکل خوشبو کی طرح
پھر یادیں رزلاتی ہیں
اکثر یہ بڑ پاتی ہیں
تہائی

ہاں تہائی میں مجھ کو
اس کے خیالوں میں لمبے بیت جاتے ہیں
مگر

یادیں چھوڑ جاتے ہیں

ان کے مسلسل بہتے آنسوؤں میں وہ ہر شکوہ عمارت و حسد لای گئی تھی۔ وہ ایک تک اس چار منزلہ عمارت کو دیکھ رہی تھیں جو بھی اس کا مسکن رہی تھی۔ زندگی کے شکست و غمروں کا آغاز اس گھر کی دہلیز سے ہوا تھا، جس کا پچھلا حصہ قاتلو دینے مصرف ہونے کے باعث ان ماں بیٹی کے معرف میں آیا تھا، پھر بعد میں وہ تاریک و تھکن زدہ جگہ بھی دوسرے لوگوں کو مل نظر آنے لگی تھی۔
"کرن! کرن! پلیز سنبھالو خود کو، بروکر آرہا ہے، ہمارے پیچھے تمہیں اس طرح روتے دیکھے گا تو کیا سمجھے گا"۔ اس صاحب نے کرن سے کہا۔

کراچی آنے کے بعد کرن کی خواہش کے مطابق انہوں نے حزمہ کے پرانے گھر کو تلاش کرنا شروع کر دیا تھا، چند دنوں کی کوششوں کے بعد انہیں یہ خوشی مل گئی جس پر "برائے فروخت" کا بورڈ آویزاں تھا۔
وہ وہاں کی ایک معروف اسٹیٹ انجینیئر کی ملکیت تھی۔ وہ ان سے انس نے خریدنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رات کرن کو وہ بتانہ سکے تھے۔ ناشتے کے بعد بتایا تو وہ بے قرار ہو گئی کہ ابھی دیکھ کر آئیں گی اس جگہ کو۔ وہ ساتھ لے آئے۔
بروکر نے آکر بتا لاکھوں انیس کا راندر لے آئے۔ کرن لان سے ملحقہ اس حصے کو بخور دیکھ رہی تھی جہاں اب خوب صورت انیکسی تھی، وہاں دو کمروں اور مختصر سے مچن والی ان کی رہائش تھی۔

"سرا! انیس اندر سے دیکھ لیں پھر آپ کی منشا کے مطابق ڈیکوریشن کریں گے"۔

بروکر ایک ٹو عمر لا کا تھا جو بہت مودب انداز میں بول رہا تھا۔

"کرن! اندر چلیں"۔ وہ کھوئی کھوئی سی کرن سے مخاطب ہوئے۔

”آپ جانیں میرا سب دیکھا ہوا ہے۔“ ان کی آواز ہنسی ہوئی تھی۔

”آئی نو پھر بھی قارصلیٰ تو پوری کرتی ہے۔“

”آپ جانیں، ہلیز، میں یہیں رہوں گی۔“ وہ ان کی کیفیت سے آگاہ تھے، سو خاموشی سے کہہ کر آگے بڑھ گئے، برد کر پہلے آگے

بڑھ چکا تھا۔

وہ کار سے نکل کر باہر آ گئیں۔ یہ وسیع لان والا آشیانہ جواب خاموشیوں و سنائوں کی زد میں کم مہم کھڑا تھا۔ کل یہاں خوشیاں دے
تہقیر قرض کرتے تھے، زندگی پوری طرح سے رواں دواں رہتی تھی، ماسوائے اس سال خوردہ جسے کے جہاں وہ ماں، بیٹی قسمت کی گردش
سے اپنوں کے در پر آ پڑی تھیں اور بے رحم وقت نے ان رشتوں کی اصلیت ظاہر کر دی تھی جن رشتوں پر بہنوں کو بڑا مان و غرور ہوتا ہے۔
عید رفتہ ان کی ہاتھوں میں گونجنے لگا تھا۔

سکئی چہرے تھے۔

سکئی آوازیں تھیں۔

ایک چہرہ، ایک آواز جو اس کی سب سے بڑی خوشی بن چکی تھی، وہاں تھی۔ اس بندر و دیوار سے گویا آوازیں آنے لگی تھیں۔

”کرن! انسان وہی دونوں جہاں میں کامیاب ہوتا ہے جو دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اپنے نیلے تو سب ہی جیتے ہیں۔ مت
شک ہو کر واتا۔“

”ای ای یہ سوچ اب بدل چکی ہے۔ اب وہی انسان کامیاب ہے جو صرف اپنے لیے جیتا ہے اور اپنی بھلائی چاہتا ہے۔ کیا ملتا ہے
آپ کو دن رات بے دام کی ملازمت بن کر؟ ایک کپ چائے بھی ہم یہاں اپنی مرضی سے نہیں پی سکتے۔“

”صلہ صرف اللہ سے مانگو جو نصیب میں ہوتا ہے، مل جاتا ہے۔ میں تو احسان مند ہوں، بھائیوں اور بھائیوں کی جوائے
نہ آ شوب و در میں بھی ہم ماں بیٹی کو رکھا ہوا ہے، در نہ میں تمہیں لے کر کہاں بھٹکتی پھرتی وقت بہت خراب ہے۔“

”آپ کو عاوت پڑ گئی ہے ہر وقت خود پر ترس کھانے کی اور ان کی شکر گزاری کی، در نہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کوئی ملازمت بھی رکھیں تو
رہائش کے علاوہ انہیں کیا کچھ نہ دینا پڑتا اور ہر وقت کی غلامی ملازمت بھی نہ کرتی۔“

”آج بھی درجہ حرارت عروج پر پہنچا ہوا لگ رہا ہے۔ خیریت تو ہے ناں پھپھو جان، کیا ہوا یہ گولہ ہاری کسی؟“ حنزہ کا شوخ مگر

سنجیدہ انداز تھا۔

”اس لڑکی کے دماغ میں ہر وقت نہ معلوم کون سی بھنی سلتی رہتی ہے کہ جب بھی منہ کھولتی ہے، شعلے ہی نکلے ہیں، خیر چھوڑو، آؤ

بیٹھو۔“

”میں ہیزا لے کر آیا ہوں، مجھے معلوم تھا م اسکول سے بھوک آئی ہوگی۔“

”ہونہ! اپنے پاس رکھو یہ بیزار مجھے نہیں کھانا یہ اللہ واسطے کھانا۔“

”ارے ارے لڑکی! کسی کو تو بخش دیا کر سب کے ساتھ ایک ماسلوک کرتی ہے۔“

”آپ فصرہ ہوں پھپھو! مجھے عادت ہے اس کی ہر بات برداشت کرنے کی پھر میں جانتا ہوں کہ کرن کو فصرہ جتنی جلدی آتا

ہے، اتنی جلدی اتر بھی جاتا ہے۔“

”مزہ بیٹا! میں یوں ہی تو فکرمند نہیں رہتی ہوں وہاں کے گھر میں سب برداشت کر لیتے ہیں مگر کل کو جب سرال جائے گی تو

کون سرالی برداشت کرے گا۔“

”بے فکر ہیں پھپھو! اس کا شوہر بہت کٹر کرنے والا ہوگا وہ کسی کو بھی اس کی طرف انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں دے گا، پلکوں

پر ہٹا کر رکھے گا۔“

”ارے تمہیں کیسے معلوم ہے بیٹا؟“

”ووہووہ..... میں..... نے اس کی ہاتھوں کی پکیریں دیکھی ہیں۔“

”ہونہ! جھوٹا کہتا ہے گا۔“

”پھر بدتمیزی، دشمنی سرتیہ کہا ہے بڑا بھائی ہے۔“

لوشابہ بیگم کی اور مزہ کی آوازیں اس کے اطراف میں گونج رہی تھیں۔ گیت سے باہر آتے انس کو دیکھ کر وہ سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

عمر افضل اٹھ سے پراخے اور چائے کے ہمراہ واپس آئے تھے وہ ان کے اصرار کے باوجود وائٹون نے صرف چائے لی تھی، ان کی

زبانی اسے معلوم ہوا کہ رات اصغر علی کا بیٹا اور اس کے ساتھ جو شخص قادیانہ زخمی ہوئے تھے اور ان کے آدمی انہیں رات کو ہی لے کر چلے گئے

تھے۔ حورین ان کو بھی نہ لی تھی۔

”پھر کہاں گئی؟“ اس کے اندر وحشتیں حد سے زیادہ تھیں۔

”میں نے اپنے بچوں کو کہہ دیا ہے، دو خاموشی سے اس ہنگی کو ڈھونڈ رہے ہیں، بس دعا کرو، وہ سائیں کے آدمیوں سے محفوظ رہے۔“

”میں اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا، میں جا رہا ہوں۔“ وہ اضطراب و اضطراب کی کیفیت میں کھڑا ہو گیا۔

”باہر خطرہ ہے۔“

”مجھے پرہیز نہیں۔“

”اچھا ٹھہرو، میں باہر کچھ بندوبست کر کے آتا ہوں پھر چلتے ہیں۔“

”کیا بندوبست؟ میں ایک لمحہ بھی نہیں زک سکتا۔“

”آپ چلے جائیں گے، سائیں کو پتا چل گیا کہ میں نے اس کے دشمن کے دوست کو پناہ دی ہے تو وہ میری کھال میں بھس بھر دانے میں دیر نہیں کرے گا۔“

ہن کی وجہ معقول تھی پھر اپنے محسن کی وہ بھی خیر خواہی چاہتا تھا، اس لیے اسے کچھ زکنا پڑا، گوکہ ہر لمحہ اسے صدیوں جیسے لگ رہا تھا۔
 ”یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ یہ کیسی بے چینی، کیسا اضطراب ہے کسی ہل، کسی لمحے مجھے سکون نہیں مل رہا ہے، میں نے ہر لمحہ ہر ساعت اس سے چھپنے کی، اس سے دور رہنے کی کوشش کی مگر سب بے سود ثابت ہوئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے، حورین کی طرف میرا اتنا جھکاؤ کیوں ہو گیا ہے؟ میں جو اس کی طرف ایک نظر دیکھنے کا روادار نہ تھا، اب نظریں صرف اور صرف اس کے دید کی بکھر ہیں۔“

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

یہ کیا ہے؟

”شاید تم اسے پسند کرنے لگے ہو۔“ اس کے اندر ایک سرگوشی ابھری، وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ تکیب کی اس شرارت نے اسے مزید مضطرب کر دیا۔

”پسندیدگی کا دوسرا نام محبت ہے، کیا تم اس سے محبت کرنے لگے ہو؟“

”محبت؟ کیسی محبت؟ میں محبت کر سکتا ہوں۔“ دوخود پر ہنسا۔

”محبت تو دو لوگ کرتے ہیں جو محبت کی آغوش میں پروان چڑھتے ہیں جن کا لمحہ لمحہ چاہت کے ساگر میں ڈوب کر گزرتا ہے۔ محبت کی چاشنی جن کی زبان کو حلاوت آمیز بنا دیتی ہے۔ محبت دو لوگ کرتے ہیں جو محبت پاتے ہیں۔ مجھ جیسا حراماں نصیب شخص جو مردیوں و ہمدانی کی انگلی پکڑ کر چلا ہو، وہ بھلا ایسے نازک اور انوکھے جذبوں کو کیسے کشید کر سکتا ہے۔ میرا دل مردہ ہے، ایک پتھر ہے اور پتھروں میں کسی پھول نہیں کھلتے۔“ وہ اپنے اندر کی بدلتی ہوئی کیفیت سے نبرد آزما تھا جو اس کے تمام دلائل سے منحرف تھے۔

”پھر کیا ہے یہ سب..... کیوں اتنے بے گن پریشان ہو، اگر وہ نہیں ملتی ہے تو نہ ملے، تم کیوں بے چین دھنک رہے ہو، وہ اپنی مرضی سے آئی تھی۔“

اس کا دل بھی کسی چالاک وکیل سے کم نہ تھا۔

”وہ ہمارے ساتھ آئی تھی، ہمارے ذمے داری ہے۔“

”تم مجھے ہمارے ہو یا اپنے آپ کو اقرار کیوں نہیں کر لیتے محبت کا؟“

”ادوشت آپ، نہیں کرتا میں کسی سے محبت، نفرت ہے مجھے اس لفظ سے۔“

ابھی نہ معلوم کب تک یہ بحث کا سلسلہ چلا، النسل صاحب کے آنے سے خاموشی چھا گئی۔ وہ اس تکرار سے غمگین سا ہو گیا۔

”لڑکی لگتی ہے۔“ وہ ہر جوش انداز میں گویا ہوئے۔

”تھینک گاڈ! کہاں ہے وہ؟“ گویا ویرانے میں چپکے سے بہار آگئی تھی۔

بچے چراغ کو یک دم ہی نئی روشنی مل گئی۔ اس کے چہرے پر طمانیت کی سرفی دوڑنے لگی۔ گرے آنکھوں میں زعمی مسکانے لگی۔

☆.....☆.....☆

حورین نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک پتنگ پر لینا پایا، کچھ دیر تک وہ خود کی کیفیت میں یوں ہی لٹی رہی پھر رفتہ رفتہ شعور بیدار ہوا تو وہ حادشا سے یاد آنے لگا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ خوف زدہ لگا بچوں سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ مکی اینٹوں سے بنا وہ کمرہ اتنا چھوٹا تھا کہ فقط ایک پتنگ وہاں موجود تھا جس پر وہ دراز تھی، سامنے چوکٹ پر دروازہ موجود نہ تھا، وہاں سے کچا آئین اور آئین کی زمین پر گھومتی مرغان اور چوڑے نظر آرہے تھے۔ وہ تنگی ہوئی مزید آگے بڑھی اور چوکٹ سے جھانک کر دیکھا تو سامنے چوبلیے پر ایک عورت روٹیاں پکا رہی تھی، وہاں پر تین لڑکیاں بھی تھیں، ایک جھاڑو دے رہی تھی، دوسری میلے کپڑے جمع کر رہی تھی اور تیسری ایک طرف بھی چٹائی پر بیٹھی ٹریم میں کپڑا لگانے کڑھائی میں مصروف تھی۔ قریب اس کے تئیں دھاگوں کے کچھ تھے اور شیشے کے ٹکڑے بھی تھے جو دھوپ سے چمک رہے تھے۔ پہلی نظر اس لڑکی کی ہی اس پر پڑی تھی، وہ کپڑا اور سوئی وہیں چھوڑ کر پھرتی سے اس کی طرف آئی۔ اس کی آنکھوں میں سرت انگیز تجسس تھا، اسے بڑھتے دیکھ کر وہ دونوں لڑکیاں بھی سب کچھ چھوڑ جھاڑو کراس کے گرد آگئیں۔

”آپ کو خوش آگیا یا جی؟“ جھاڑو سیے والی لڑکی نے دریافت کیا۔

”مجھے یہاں کون لایا؟“ ان عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر اس کی ہمت بندھی۔ وہ لڑکیاں اسے بہت بے ضرر اور ملین ساری لگیں، جبکہ روٹی پکاتی ہوئی عورت کے چہرے پر سختی و بے زاری چھائی ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر ایک نظرات دیکھنا گوارا نہ کیا۔ ماں کی نسبت وہ تین بیٹیاں خاصی خوش اخلاق و مہمان نواز تھیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان سے گھل مل گئی تھیں۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ لڑکیاں لکڑیاں چننے گئی تھیں، وہیں ایک جگہ اسے بے ہوش پڑی نظر آئی اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے وہاں سے لے آئی تھیں، کیونکہ ریت پر مگرنے کے باعث وہ خطرناک چٹوں سے بچ گئی مگر چانک مگرنے کے باعث پورے جسم کا جوڑ جوڑ بہت شدت سے درد کر رہا تھا۔

”تکلیف دہ! اسے ناشتہ بھی کراؤ گی یا باتیں ہی گھناتتی رہو گی۔ سارا کام یوں ہی پڑا ہے اور سورج سر پر چڑھ آیا ہے۔“

اس عورت نے عینوں کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ تینوں اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔ ایک لڑکی کی ہمراہی میں دو داش روم تک گئی۔ ناشتے میں عین کی موٹی روٹی جس پر مکھن کا استعمال کثرت سے کیا گیا تھا، ساتھ چار اور لسی کا بڑا گلاس دیکھ کر اس کی طبیعت حلا کر رہ گئی۔ اس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا۔ کھانے کے لیے لڑکیاں خاصا اصرار کرنے لگیں پھر ماں کی غصیلی آواز سن کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔

اس کا ذہن بُری طرح ماؤف ہو رہا تھا جو کچھ ہوا تھا وہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسی آزمائش میں گرفتار ہوں گے۔ وہ تبنا نہ معلوم کہاں اور کن لوگوں میں آ پہنچی تھی اور یہاں سے نکلنے کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔ نہ معلوم ان لوگوں کا کیا ہوا۔ سوالات ذہن میں ختم لے رہے تھے مگر وہ جواب کس سے مانگتی۔ عجیب اداسی بھری فضا تھی یہاں کی دھشتوں کو اب جا کر کر دینے والی۔ وہ خود کو ایک خول میں بند محسوس کر رہی تھی۔

کیا جوتا تھا اور کیا ہونے والا تھا؟

وہ اپنوں سے دور ان اجنبی لوگوں اور اجنبی جگہ پر پھنس گئی تھی۔ اس کے دل کو ایک لمحہ سکون نہ تھا۔ وہ خود کو ہواؤں میں محسوس کر رہی تھی۔ بے بسی دے کسی کے شدید ترین احساس سے مغلوب ہو کر وہ بے تحاشہ رونے لگی۔ گھر سے اور اپنوں سے دوری کا احساس اسے کندھ چھری سے ذبح کرنے لگا۔ سپاہ مہم، بی بی جان، ہریرہ کنی چہرے تھے جو اسے یاد آ رہے تھے، تڑپا رہے تھے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا ان سے پچھڑے جیسے سالوں گزر گئے ہوں۔ کوئی جادو کی چھڑی گھمائے اور پلک جھپکتے ہی وہ ان کے درمیان پہنچ جائے، پھر کبھی خواب میں بھی وہ اپنوں سے دور نہ ہو۔

شدید وحشتیں رقصاں تھیں اس کے اندر۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ اسے اپنے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ اس عورت نے پھر ان لڑکیوں کو کمرے میں نہیں آنے دیا۔ کچھ دیر پہلے وہ لڑکیاں میلے کپڑوں کی گھڑیاں لے کر نہر پر دھونے چلی گئی تھیں۔ وہ عورت مرغیوں کو روٹی تو ڈکڑ ڈال رہی تھی۔ حورین سے مخاطب ہونے کی اس نے کوشش نہیں کی۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی کچھ مرزا نہ آوازیں گونجیں۔ بھاری جوتوں کی آواز اسی طرف آتے ہوئے محسوس کر کے وہ خوف سے کانپ اٹھی۔ آنے والا آکر چوکت کے فریم میں ایسا تھوہو گیا۔ وہ خوف و دہشت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے ساختہ اس کی نظر اٹھی اور اٹھی رہ گئی۔ دوسرے لمحے وہ بے تحاشہ بھاگ کر اس کی طرف پڑی اور اس کے شانے پر سر رکھ کر روئی۔



ایک عجیب..... بالکل انجانا غیر شناسا احساس اس کے اندر سرایت کر رہا تھا۔ حورین کو دیکھ کر جو تشکر و طمانیت کے جذبات ابھرے تھے ان پر اس کی بے ساختہ جذباتیت نے اجنبی رنگ پھیلا دیا۔ تھے اور وہ اس کے اس انداز پر مگمگم کڑا رہ گیا تھا۔ بے آواز روٹی ہوئی حورین کو تسلی یا اپنا نیت کا ایک لفظ نہ کہہ سکا تھا۔ وہ اس کے دائیں بازو کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیے رو رہی تھی اس کے انداز میں سادگی و پچکانہ پن تھا۔ اس خطرناک حادثے نے یہ بھلا دیا تھا کہ وہ کس کے شانے پر سر رکھے رو رہی ہے جس شخص کی پرچائیں سے وہ بھاگتی تھی، اس وقت اسی کی چھائیں بنی بازو سے لپٹی آنسو بہا رہی تھی۔

حیات کا یہ پہلا لمحہ تھا جو کوئی صنف مخالف میں سے اس سے قریب آیا تھا ورنہ اس نے جو فاصلے اپنے ارد و دھروں کے درمیان ایک عمر سے رکھے تھے ان فاصلوں کو عبور کرنے کی کسی میں بھی ہمت نہ تھی خصوصاً صنف مخالف میں تو اس کی ماں بھی اس کے ریز روڈ موڈ کے باعث ایک لمبے میں رہتی تھیں۔ اس نے کسی کو بھی فریگ نہ کیا تھا۔ وہ اپنے دکھوں و غموں کو سینے اپنے خول میں بند رہنے والا شخص تھا۔ حورین کئی لمحوں تک اس کے بازو پر چہرہ رکھے روٹی رہی۔

خوب آنسو بہانے کے بعد دل کو تسکین ملی، جو صلے تر دتا رہے تو وہ از خود ہی اس کے بازو سے علیحدہ ہو گئی۔ بازو اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی گویا وہ ہوش و خرد کی دنیا میں لوٹا تھا۔ رگ دپے پر چھائے ٹانگوں احساس کے سر سے آزاد ہوا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

بیگ چہرہ، بکھرے بال، مختصر رنگت، چنبیلی کی ڈال کی مانند نازک سراپا ابھی بھی ہو لے ہو لے کانپ رہا تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی گویا ڈوبتے کو آخری لمحے کا سہارا مل گیا ہو اور وہ ساحل پر آنے کے بعد بھی امید و بیم میں جھلا ہو۔

"ٹیک اٹ اپری۔" حورین کو اس طرح روتے دیکھ کر وہ آہستگی سے گویا ہوا مگر اس کے آنسو قوتار سے بہتے رہے تھے۔

"ریٹیکس۔۔۔ ہم یہاں سے بہت جلد روانہ ہو جائیں گے۔"

اس کے سوسو کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"بس۔ چپ ہو جاؤ، ہمت درو۔"

"میں..... درو نہیں رہی۔"

"پھر یہ کیا ہیں؟"

"یہ..... خوشی کے آنسو ہیں۔"

"خوشی کے آنسو؟" اس تمام صورت حال میں وہ پہلی بار پھر پورا انداز میں مسکرا کر ڈوبنے لہجے میں گویا ہوا۔

"میں نے صرف "مینڈکی" کے آنسو کے متعلق سنا تھا۔"

"آپ نہیں جان سکیں گے میرے دل کی کیفیت۔"

اس رقت وہ حقیقتاً بے حد خوش تھی جو اس کی شراعت برداشت کر گئی تھی وہ اس کے ہمراہ اس چھوٹے کمرے میں آگئی تھی۔

"جب میں نے خود کو ان اجنبی لوگوں کے درمیان دیکھا تو نہ معلوم کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں اب کبھی بھی اپنے لوگوں میں

واپس نہ جا پاؤں گی اور۔۔۔ اور اس خیال نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔"

چند لمبے قلم رکنے والے آنسو پھر جاری ہو گئے تھے۔

"اوکے، پلیز اب رومت، میں کوشش کر رہا ہوں کہ ہم شام سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔" اس کے لہجے میں ملاجعت تھی۔

"ہم ہیں کہاں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہاں کسی کو بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں میں باہر انتظام کرنے جا رہا ہوں۔" دو دانستہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے

کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈیوڈ می میں محمد افضل غفل سے اس کے ہنسنے سے حساب عادت ان کی بیوی نے لیٹھانے اپنی بدحرائی کے تمام تیران

پر آزمائے وہ ان میں بلائے مہمانوں کی میزبانی کرنے کو قلعی تیار نہ تھی۔ افضل جتنے لمسار خوش اخلاق و مہمان نواز تھے ان کی بیوی اتنی آدم

بیزار و بد اخلاق و تیز طرار تھی۔

افضل نے بڑی منت سماجت کے بعد اسے آواز دہی رکھنے پر مجبور کیا تھا ابھی وہ تھی کہ ان کے پاس ٹکرا کر ڈرا بھی آواز نہ آئی تھی

اور وہ بھی سوچ کر شرمندہ تھے کہ اگر مہمان ان کی بیوی کو کواں سن لیں تو کتنی سکی ہو۔

☆.....☆.....☆

”دادو! میں اس لیے منع کر رہی تھی۔“

خضریٰ کے چہرے پر ناپسندیدگی واضع رہ پھیلا ہوا تھا۔

”اس میں کیا قباحت ہے بیٹی! کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ زندگی تمہیں گزاری فی اسی کے ساتھ ہے۔ اچھا ہے شادی سے قبل مہراں کے ہمارے میں اچھی طرح جان لو ان کی پسند و ناپسند و عادت و مزاج کے مطابق بعد میں پریشانی نہیں ہوگی۔“ راحیلہ بیگم نے از خود اس کی کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”دادو! آپ کہہ رہی ہیں؟“ وہ حیرانگی سے کہتی ہوئی بیٹھی۔

”ہاں۔ میں کہہ رہی ہوں۔“

”سب جان کر بھی؟“

”ہاں۔ سب جان کر بھی، اس میں برا کیا ہے میرے بچے عقل مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ وقت کے ساتھ قدم ہٹا کر چلا جائے پھر ہمیں تم پر بھی اعتماد ہے اور مہراں پر بھی اس لیے اجازت دیتے ہیں یا ہر ملنے کی۔“

”اوہو دادو! میں انور کو نہیں کر سکتی ایسی سینئر۔“

”پھر وہی بات۔۔۔ تمہارا مستقبل ہاں سے وابستہ ہونے والا ہے، بہتر یہی ہوگا کہ دل کی بھلا کر حقیقت کو اپناؤ، اسی میں بھلائی ہے۔“ راحیلہ بیگم دیکھ کر خضریٰ کی مہراں علوی کی دلچسپی جس قدر اس کی جانب بڑھ رہی تھی وہ اس قدر ہی اس سے اکھڑی اکھڑی دیکھار دکھائی دینے لگی حالانکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ کونین نے خود کو بہت بہادری سے سنبھال لیا تھا۔ کل رات ڈنر پر مہراں علوی سے ملاقات کے وقت وہ خود پر مکمل قابو پائے ہوئے بہت اچھی طرح ان سے ملتا تھا اور وہ ماں بیٹے اس کی خوش اخلاقی دیکھتے ہوئے مزاج کے گردیدہ ہو گئے تھے۔ وہ جو مسلسل اسے نظروں میں رکھے ہوئے تھی، اس کی دلیری و وسعت قلبی پر مش عیش کرائی اور جب سے تہیہ کر چکی تھی کہ وہ خضریٰ کو بھی حقیقت ماننے پر مجبور کرے گی۔ اس کا موقع بھی انہیں جلد مل گیا کیونکہ مہراں علوی نے خضریٰ کو ڈنر پر مدعو کیا تھا جو ایک ہوٹل میں تھا اور حسب عادت وہ ندری طرح چڑ رہی تھی کیونکہ خود انہوں نے مہراں علوی سے ہائی بکری تھی اور اب مجبوراً اسے اس کے ساتھ جانا تھا۔

”چلو! ٹھو جا کر تیار ہو، مہراں آنے والے ہیں وہ دھانم کے کس قدر پابند ہیں، یہ تم بھی بخوبی جانتی ہو اور اچھی طرح سے تیار ہونا۔ ایسے ہی سر جھاڑ اور منہ جھاڑ اٹھ کر نہ چل دینا۔“ ان کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

”میری سمجھ میں نہیں آرہا دادو! آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟“

”نشرح! بہن کو تیار ہونے میں مدد دو۔“ وہ اندر آنے والی خشر سے مخاطب ہوئی تھیں۔ خضریٰ نے حیران و پریشان اعداز میں ان کی طرف دیکھا تو وہ قصداً اس سے نظریں چرا کر صبح پڑھنے میں محو تھیں۔

☆.....☆.....☆

تھیں جب کبھی ملیں فرمیں، میرے دل سے بوجھا تارو
 بہت دنوں سے اداس ہوں، مجھے کوئی شام ادھارو
 مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے قد و خال
 مجھے اپنے رنگ سے رنگ دو، میرے سارے رنگ اتارو
 کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے، نہ کوئی واسطہ
 میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو، میں بکھر گیا ہوں سنوارو
 میری وحشتوں کو بڑھا دیا ہے جدائیوں کے غدا بے
 میرے دل پر ہاتھ رکھو ذرا، میری دھڑکنوں کو قرارو
 تھیں صبح کیسی تھی، میری خواہشوں کے دریا کی
 جو پہلی تھی تو نہیں رہو، اسے چاہتوں سے نکھارو

ڈانٹنے وال کی نصیحتیں مجھ میں مدھم مدھم مرکز شیاں گردش کر رہی تھیں۔ وہ اس کے مقابلے میں جاز جٹ کے سوٹ میں ملیں بیٹھی تھی۔
 اس کی چاندنی جیسی رنگت دیکھ کر ہی تھی شرمٹ اور روپنے پر سیاہ اور سرخ موتیوں کا کام کا تھا اور اس پر پچنگ کی جیملی تھی اور یہ ہی لپ
 اسٹک نے ہونٹوں پر سج کر پورے چہرے کو روشن کر ڈالا تھا۔ مہراں علوی کی محبت پاش نکا ہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سرخ گلابوں
 کا پو کے اس کے شوریدہ جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ ساتھ موجود کارڈ پر چلی حروف میں لکھی گئی وہ غزل اس کے جذبوں کا عکس تھی مگر سے
 پک کرنے، یہاں ہوگی میں آنے اور ذکر کرنے تک وہ کئی بار اس سے محبت کا اظہار کر چکا تھا اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا تھا۔
 اس کے انداز میں عام عاشقوں کی طرح عامیہ گراؤ نہ تھی بلکہ اس کے انداز میں حکمت تھی۔ وہ دل سے اس پر فریفتہ تھا مگر
 بات جب ایک طرف محبت کی ہو تو پھر جواباً وہ گرم جوشی و یگانگت نہیں ملتی۔ خضریٰ نے اس کے جذبات و احساسات کو دل سے محسوس نہ کیا تھا
 سوائے اس کا اظہار محبت جھنجھلاہٹ و اکٹاہٹ میں جھکا کر دیا کرتا تھا ہر چند کہ وہ دل پر جبر کرتی اور اپنے احساسات اس شخص کے ساتھ ہی
 منسوب کرنا چاہتی تھی جو اس کی تقدیر تھا مگر ہر بار دل کسی پیچھے کی طرح ہاتھوں سے لٹکے جاتا تھا۔

”آپ بے حد کیوت ہیں، بہت دلکش، ابھی میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آپ جیسی حسین و باحیالڑکی میری شریک حیات بنے گی۔“
 ان کے بعد کافی پیتے ہوئے وہ آہستگی سے قدرے جھک کر گویا ہوا۔
 مارے گھبراہٹ کے اس کے ہاتھوں میں سنناہٹ ہونے لگی۔

”مما کہتی ہیں خضریٰ بہت دور دور رہتی ہے ریز روڈ۔ پراڈوسی۔ میں نے کہا تھا آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ خضریٰ ازویری
 ناکس۔ بس وہ شرماتی ہے اور یہی کوالٹی مجھے زیادہ پسند ہے۔“

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"تعریف کرنا شرمندگی تو نہیں ہوتی۔"

"مجھے محسوس ہوتی ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ایز پوٹش، میں لڑائی کروں گا کہ کبھی وہ کام نہ کروں جس سے آپ کو شرمندگی ہو۔" وہ فوراً ہی سعادت مند بچے کی طرح گویا ہوا تو بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔

"ٹیمیکس گاڈ! آپ مسکرائی تو..... آپ کو مطمئن ہے آپ کی مسکراہٹ کتنی خوب صورت ہے۔ جب آپ مسکراتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے خزاؤں میں بہا رہا ہوں۔" وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا اور وہ اسے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ لگا جین انٹی کی انٹی کی روگنی تھیں دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

سیاہ ڈنر سوٹ لبوس اپنی دلکش پرسنالٹی کے ساتھ کمرادو کچھ غیر فیکلٹوں سے الوداعی معاملہ کر رہا تھا۔ اس کا پرسکون انداز گواہ تھا کہ وہ اس کی بیباں موجودگی سے بے خبر ہے۔

"اوہ..... یہ تو کونین ہیں آپ کے کزن، کل ہی تو ان سے ملاقات ہوئی ہے بہت ٹائیکس پرسن ہیں۔ ان سے مل کر بہت مسرت ہوئی تھی۔"

اس کی لگا ہوں کے تعاقب میں میران کی نگاہ بھی اس جانب انٹی تھی۔ کونین کو دیکھ کر وہ متاثر کن لہجے میں بولا۔

"ٹیمیکس۔" وہ بھرا کپ کافی کا ٹیبل پر رکھ کر گویا ہوئی۔

"کونین سے قول لیں۔"

"نہیں چلیں۔" ٹیمیکس اس کے چہرے سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔

"آر یو رائٹ؟" وہ اس کی بدلتی کیفیت دیکھ کر پریشان ہوئی۔

"جی۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ سخت سراسیمگی کا شکار تھی۔

"مجھے نہیں لگ رہا ہے۔"

"ابھی ابھی سر میں درد محسوس ہو رہا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ میران ویٹر کو بل پے کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ لمحے قبل

جو مسرت و انبساط کے رنگ جھلکا رہے تھے ان کی جگہ اب فکر و تر دوڑنے لے لی تھی۔ پل بھر میں خستہ کنی کو اس نے مرجھاتے دیکھا۔ وہ دعا

کر رہی تھی کونین کی نگاہ اس پر نہ پڑے لیکن ایسی دعائیں مستجاب کب ہوئی ہیں جو اس لمحے ہو جاتیں۔ اسی لمحے وہ بھی آگے بڑھا جب وہ

کھڑی ہوئی تھی دونوں کی نگاہیں بے ساختہ ٹکرائیں۔ وقت کی رفتار یک دم ختم ہو گئی۔

وہ دل ایک ہی انداز میں دھڑکنے لگی۔

دونوں کی آنکھوں میں ایک جیسا ہی ورد تھا۔

خضرئی نے لگا ہوں جھکالی تھیں کہ مبادا جھلک نہ پڑیں۔ ایسے ہی وقت سے دوڑ رہی تھی اور دعا مانگتی تھی کہ کبھی بھی مہران کی مہراہی میں کوئین سے سامنا نہ ہو۔ وہ کس طرح خود کو سنبھال پائے گی؟ آج وہ ہو گیا تھا جس کے نہ ہونے کی دعا وہ مانگتی رہی تھی اور وہ خود کو کسی مجرم کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ لپ اسٹک سے سرخ ہونٹوں کو اس نے دانتوں سے کاٹ کر حقیقت میں سرخ کر لیا تھا۔ کوئین ان کی ٹیبل کی طرف چلا آیا۔ مہران بڑی گرم جوشی سے ملا۔

”اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ یہاں پر ہیں تو ساتھ ہی ڈنر کرتے۔“

”جیمینکس، برنس ڈسٹیکیشن کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ ان سے فارغ ہو کر جانے ہی والا تھا کہ آپ لوگوں پر نظر پڑ گئی۔“

کوئین پوری طرح خود پر قابو پا چکا تھا۔ خضرئی خود پر قابو پانے میں ناکام رہی تھی۔ اس کا سر بری طرح چکرانے لگا۔ کوئین سے رسا بیلو ہائے بھی زیر لب کی تھی۔

”ایک سب کافی بچے بغیر ہم آپ کو جانے کی اجازت بھی نہ دیتے اگر چاہتے اس وقت خضرئی کی طبیعت نامسا زنبو گئی ہوتی۔“

”کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟“ وہ اس کی طرف دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ خضرئی بے مشکل خود کو سنبھالنے لکڑی تھی۔

”معمولی سار میں درد ہے۔“

”لیکن تمہارے چہرے سے بہت زیادہ تکلیف ظاہر ہو رہی ہے۔“

”چہرے جھوٹ بولتے ہیں ان پر اعتبار مت کیا کریں۔“

وہ آہستگی سے کبہ بیٹھی

”مگر جا کر کوئی اچھی میڈیسن لے لو جو فوری ریلیکس دے۔“

ان دونوں کی گفتگو کے دوران مہران علوی خاموش کھڑا تھا۔

”آپ پریشان مت ہوں، درد ابھی خود ٹھیک ہو جائے گا۔ خضرئی کے لہجے میں خواہ مخواہ سرد مہری ورا آئی تھی۔

”اوکے۔ میں اجازت چاہوگا۔“ وہ مہران سے مصافحہ کر کے لمبے لمبے ڈنگ بھرتا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

”آپ کو ان سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ آپ کی بہتری کے لیے کہہ رہے تھے۔“ داخلی دروازے سے باہر

نکلے ہوئے وہ خضرئی سے مخاطب ہوا۔

”میں نے ایسا کچھ لفظ تو نہیں کہا۔“ کوئین کے جاتے ہی اس کی خود اعتمادی بحال ہونے لگی تھی۔ اسے خود بھی احساس تھا اپنے

ناروا انداز کا جو اشتعال اس کے رویے میں از خود ہی آیا تھا اور کیوں آیا تھا؟ اس سے دو خود بھی بے خبر تھی۔ البتہ اندر درو کسی گوشے میں دم جمے ہوئے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

”آج یہ چنڈال چوڑی سرجوزے بیٹھی ہے، کس کی کجنتی آنے والی ہے۔ کس کے مقدروں نے دعا کرنے کی ٹھانی ہے؟“ بی بی جان نے ان کو سرجوزے بیٹھے دیکھا تو بلند آواز میں کہنے لگیں۔

”بی بی جان! ہم آپ کو ایسے سازشی و شر پسند نظر آتے ہیں؟“
”روؤف سبکی صورت بنا کر بولا۔

”اس سے بھی بڑھ کر کثرت و غشا تو تمہارے اندر برپا رہتا ہے۔“
”آپ کی قسم ہم نے شرارتیں کرنی چھوڑ دی ہیں۔“

”اے خبردار! جو معمولی قسمیں کھاتیں، خوب جانتی ہوں تم لوگوں کو، یہ بتاؤ یہاں سرجوزے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟“
”یہ واضح اپنی منگنی کی پلاننگ کر رہا تھا۔“

”مدثر نے فوراً ہی بھانڈا پھوڑا، واضح ہو کھلا گیا۔“
”اچھا، میں بھی تو سنوں، کیا پلاننگ ہے؟“ وہ ناک پر ہنسل آنے والی نینک کو آنکھوں پر لگا کر وحشی کو گھورتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
”یہ یوں ہی بکواس کر رہا ہے۔“ وحشی کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

”خاموش رہو، میں اس کی بکواس سنتا چاہتی ہوں، ہاں بتاؤ کیا کہہ رہا تھا۔“ وہ مدثر کو گھور کر بولیں تو وہ فوراً شروع ہو گیا۔
”وحشی کی خواہش ہے کہ ہماری ہونے والی بھابی کا منگنی کا سوٹ کم از کم پچاس ہزار سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ جیولری کی شاپنگ دہلی سے کرنے کا ارادہ ہے جس میں خاص طور پر ایک سیٹ ڈائمنڈ کا ہے۔“

”بی بی جان! پلیز، آپ مائنڈ مت کیجئے گا، میں تو ایسے ہی بات کر رہا تھا۔ کرنا تو سب آپ کو ہی ہے۔“ وحشی نرمی طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

”جس گھر میں بڑے موجود ہوں، اس گھر میں چھوٹوں کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتی ہیں۔ ہم خواہ منگنی کا سوٹ پچاس ہزار کا بنوائیں یا پچاس روپے کا۔ ہیروں کے زیور بنوائیں یا ہینٹل کے، یہ ہمارے کرنے کا کام ہے، جہین ٹکر کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔“
”جی جی، میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ مجھے کوئی ٹکر نہیں ہے۔“

وحشی کزنز سے مذاق کر کے ہی پھنس گیا تھا۔

”میں پہلے ہی کہہ رہی تھی، شیطانی نولہ سرجوزے بیٹھا ہے، یقیناً کسی کی نرمی گھڑی آنے والی ہے۔ یہ معلوم نہ تھا اپنے ہی گھر میں نقب لگانے کی سوچتی جا رہی ہے۔“

بی بی جان کے غصے سے سرخ چہرے پر ذرا بھی نرمی نہ تھی۔ وہ مذاق میں بھی ایسی باتیں برداشت کرنے کی قائل نہ تھیں۔

☆.....☆.....☆

ذوالنون کے جانے کے بعد وہ اب اس کمرے میں آگئی تھی، اس کی آمد سے قبل جس خوف و دہشت کا وہ شکار تھی اس سے اسے نجات مل گئی تھی۔ وہ خود کو بادل کے کسی شفاف ٹکڑے کی طرح ہلکا پھلکا آواز محسوس کر رہی تھی۔ طمانیت کے احساس سے وہ سرشار تھی۔ اس کی وہی کیفیت تھی جو سیاہ گھپ اندھیرے سے روشنی میں آنے پر ہوتی ہے۔ وہ سوچوں میں گم تھی۔ معاہدہ صحن میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی پھر مردانہ چپلوں کی آواز پر اس نے ہچانک کر دیکھا۔ ذوالنون کے ہمراہ جو شخص آیا تھا، وہی تھا۔ ہاتھ میں گوشت کا شا پر پکڑے وہ آگے بڑھ گیا اور اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔

"زیلیا! یہ مرغ ہے، بہترین طریقے سے پکاتا مہمانوں کے لیے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، تمہارے ماں، ابا دارے میں خزانے چھوڑ گئے ہیں جو تم دل کھول کر لانا۔" زیلیا کی خفے بھری آواز گونجی۔

"کچھ تو شرم دیا کرو زیلیا، مہمان گھر میں ہیں۔"

"مگر میرا ہے، مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے جس کو چاہتا ہے پکڑ کر لے آتا ہے مہمان بنانے کے لیے۔ مگر میں جو تین بیٹیاں بیٹی ہیں ان کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ان کے بھی ہاتھ پیلے کرنے ہیں کہ نہیں؟ تو اگر اسی طرح حاتم طائی بنا رہا تو بیٹیاں یوں ہی بیٹی رہیں گی۔"

"تجھے ہر وقت یہی لگ رہی ہے، اٹھ جائیں گی ڈولیاں لن کی بھی۔"

"خالی ہاتھ جنازے بھی نہیں اٹھتے، ڈولی کہاں اٹھے گی۔"

"دل چھوٹا نہ کر جلی عورت! مہمان رحمت ہوتے ہیں رحمت۔"

اسی دم تینوں لڑکیاں آگئی تھیں۔

"ماں! پھر اہانے لڑ رہی ہے۔" بڑی لڑکی نے کہا۔

"میں لڑتی ہوں یا یہ لڑتا ہے۔"

"ابا کو لڑنا نہیں آتا، پھل تمہاری طرف سے ہی ہوتی ہے۔"

"ابھی یہ زبان پکڑ کر گدی سے کھینچ لوں گی، آئی بڑی باپ کی حمایتی، چل بس پیاز کات کر دے، ویسے تو مینوں گھر میں گوشت نہیں پکا، مہمانوں کے آتے ہی یہ معلوم کہاں سے تیرے باپ کے ہاتھ میں کسی خزانے کی کنجی آ جاتی ہے۔" زیلیا کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ محمد افضل وہاں سے جا چکے تھے۔ وہ تینوں لڑکیاں شرمندہ چور لگا ہوں سے اس طرف دیکھ رہی تھیں جہاں حورین دم سادھے بیٹھی تھی۔ باہر ہونے والی ٹکر اس نے سنی تھی اور دم بخور ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب بہت حیرت انگیز اور نیا تھا۔

اس نے اپنے ماں باپ کو ہمیشہ ایک دوسرے سے محبت کرتے دیکھا تھا۔ بے تحاشہ دولت کی فراوانی نے کبھی کسی کے لیے ایسا مسئلہ پیدا نہ ہونے دیا تھا کہ کوئی ایسا منظر اس کی نگاہوں سے گزرتا۔ کراچی میں بی بی جان کے ہاں بھی اسے ایسا کوئی ماحول نہیں ملا تھا جو ایسے حالات دیکھتی۔ محمد افضل بہت نیک دل و ظلم آدی تھا۔ اس کے گھر کے حالات بے حد دگرگوں تھے۔ تین جوان بیٹیاں اور تیزی سے

بڑھتے ہوئے مسائل نے جہاں اس کی کردوہری کی تھی وہاں اس کی بیوی کی خوش مزاجی، خوش اخلاقی بھی سلب کر لی تھی۔ محدود وسائل و لامحدود مسائل نے اسے چڑچڑاپن عطا کیا تھا۔ وہ آدم بے زار بھی ہو چکی تھی۔

صحن میں ایک بار پھر کھانا پکانے کے برتن کھڑکڑانے لگے تھے، ساتھ زلیخا کی زبان پھر رفتار پکڑ چکی تھی۔ اس بار نشانہ بیٹیاں تھیں جو نمبر پر پکڑے دھونے کے دوران اس کی اواز سنی گم کر آتی تھیں۔

دو پہرہ وصل رہی تھی۔ صبح سے دو پہر۔ ان چند گھنٹوں میں وہ بھوک، والاس، غربت و تنگ دستی کے ملبوم سے بخوبی آشنا ہو چکی تھی۔ اس گھر کے مکیںوں کی پہلی و آخری پریشانی غربت تھی۔ غربت کسی خون آشام آسب کی طرح ان کا قطرہ قطرہ چوس رہی تھی اور وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر پار ہے تھے۔ اسے ان لوگوں سے بہت ہمدردی ہو گئی تھی۔ زلیخا کی بد مزاجی پر بھی اسے پیش نہیں آ رہا تھا۔ وہ حالات سے شکست کھائی عورت تھی۔

ہنسنا ہوا کوشش اور تندہری موٹی موٹی روئیاں مڑے میں لے کر بڑی لڑکی آئی تھی۔ بہت محبت و اصرار سے اسے کھانے پر مجبور کرتی تھی، وہ چند تھنوں سے زیادہ نہ کھا سکی تھی۔

”آپ کو ماں کی باتیں بری لگی ہیں، معاف کر دیں۔“ اس کا انداز بے چارگی لیے ہوئے تھا۔ حورین نے فوراً ہی اس کے بندھے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنائیت سے کہا۔

”اوہ لو، ایسی کوئی بات نہیں ہے، مجھے برا نہیں لگا۔“

”ماں کو حالات نے ایسا کر دیا ہے، اما پر بہت قرض ہے جس کا اتارنے کے کوئی آخر نظر نہیں آتے ہیں، ورنہ دول کی بہت اچھی ہے۔“

”ہلیز میں اس وقت بالکل بھوکہ محسوس نہیں کر رہی ہوں، تمہارے کہنے سے کافی کھا چکی ہوں۔“

”ایک بات پوچھوں؟“ وہ اس کی طرف دیکھ کر کچھ شرما کر بولی۔

”ہاں، پوچھو۔“

”وہ..... ابا کے ساتھ جو نو جوان ہیں، وہ کون ہیں آپ کے؟“

اس کے سوال پر وہ کچھ پریشان سی گئی، بھلا کیا رشتہ تھا اس شخص سے اس کا؟ کیا لگتا تھا وہ اس کا؟ شاید کل تک کچھ نہیں..... مگر آج

وہ اس کے لیے خضر راہ کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ مایوسی و خوف کے اندھیرے میں اُمید و حیات کے جگنو کی مانند تھا وہ۔

”کوئی خاص رشتہ ہے جو بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔“

وہ اس کی خاموشی کو دوسرے معنی پہناتی شوخی سے گویا ہوئی تھی۔

”مہنگیر ہیں آپ کے واہ جی! جوڑی تو زبردست ہے آپ کی۔“

”اوتے نہیں، تم غلط سمجھی ہو۔“ وہ تیزی سے بولی اور اسی دم باہر سے آنے والی زلیخا کی کراہی آواز پر وہ جلدی سے برتن سمیٹ کر

باہر نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی جیسے اسے حورین کی بات پر یقین نہ آیا ہو، حورین اس کی غلط فہمی پر الگ بکا بکا تھی۔ ہل ہل بدلتے موڈ والے اس شخص کے متعلق وہ کبھی اس انداز میں نہیں سوچ سکتی تھی۔ وقتی طور پر مدد لینا دوسری بات تھی۔ شام ڈھلنے کے بعد وہ آگیا۔

"میں سارا ون اننگز کر رہی رہی، سر آفتاب سے کٹیکٹ ہوا؟"

"سر اور حیدر دونوں کے پلٹسنگی ہیں وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

"وہ ٹھیک تو ہیں نا؟ کوئی سیریس بات تو نہیں ہے؟" پریشانی و لگڑ مندی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

"اوپر دو منٹ میں وقت لگے گا لیکن وہ خطرے سے باہر ہیں۔"

"ہم یہاں سے کب چلیں گے، مجھے یہاں وحشت محسوس ہو رہی ہے، میں یہاں اب ایک لمحہ بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی۔"

"ہوں، چلیں، میں نے کار کا انتظام کر لیا ہے۔ جانے سے قبل اپنے میزبان کی میزبانی کا کچھ حق ادا کرنا چاہتا ہوں، یہ رقم وہاں رکھ دو، محمد افضل صاحب بہت غیور و خودوار ہیں اور ضرورت مند بھی۔ وہ کسی طرح یہ رقم نہیں لیں گے، خاموشی سے رقم رکھنے کا مقصد یہی ہے کہ ان کو خبر ہونے تک ہم بہت دور نکل سکے ہوں گے۔"

اس نے جیکٹ کی جیب سے سبز نوٹوں کی گڈی نکال کر اسے دی اور اس نے خاموشی سے وہ ٹکیے کے پیچھے رکھ دی۔ محمد افضل تینوں بیٹھوں کے ہمراہ اسے سڑک تک چھوڑنے آئے تھے۔ پیچھے پیچھے جھنجھتی ہوئی زلینا بھی تھی، اسے معلوم ہوتا کہ مہمان اسنے کم ہانچ کے لیے آئے ہیں تو وہ کبھی بھی ایسا برتاؤ نہ کرتی مگر جو وہ کر چکی تھی، بدل نہیں سکتا تھا۔

سورج ڈوب چکا تھا۔

آفتاب کے کناروں پر گہری شفق چھائی ہوئی تھی۔ ماحول میں سرمئی اندیرا دیر سے دیر سے بڑھنے لگا تھا۔ ہوائیں خوشگوار خفہ دکھ سمونے ہوئے تھیں۔ سڑک کے دونوں اطراف کھیت لہلہا رہے تھے۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کھڑکی کے شیشے سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

ذوالنون بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، اس کے وجہ یہ چہرے پر اس وقت از حد سنجیدگی تھی۔ سارا ون اس نے محمد افضل اور ان کے کچھ قریبی ساتھیوں کی مدد سے حیدر اور اس کے گرو والوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور اسے معلوم ہوا تھا کہ رات عمر دراز نے اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر حیدر کی حویلی پر قبضہ کر لیا۔ تمام دولت و جائیداد جھین کر اس کے ماں باپ کو بھی قید کر دیا ہے۔ حیدر نہ معلوم کس طرح سر آفتاب کو لے کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کراچی جا کر اس نے ایک دوست کے توسط سے پولیس سے مدد لی تھی۔ معاملات ان کی توقع سے بڑھ کر گھمبیر ہو گئے تھے۔ وہ جلد از جلد کراچی پہنچنا چاہتا تھا۔

"مما، مپانے کا لڑکی ہوں گی اور کوئی رسپانس نہ دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے ہوں گے۔ میرا سیل فون بیگ میں تھا۔ وہ نہ معلوم کہاں گر گیا ہے۔" اسے ایک دم ہی خیال آیا تو لگڑ مندی سے اس سے مخاطب ہوئی۔ جواب اس نے جیب سے اپنا فون نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے اس کے ہاتھ سے سیل لے لیا، پھر چونک کر گویا ہوئی۔

”میں کس طرح بات کروں؟“

”جس طرح بات کرتے ہیں۔“

”مگر مجھے پاپا کی آواز سننے ہی روٹنا آجائے گا اور وہ پریشان ہو جائیں گے۔“ اس کی آواز ہلکتی تھی۔

اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی طرف ایک نظر ڈالی۔

سرخ عارضوں پر سیاہ و راز پلکیں لرزاں تھیں۔ آنسو ضبط کرنے کی سعی میں وہ گلابی ہونٹ دانتوں سے گھائل کرتی دل کے کسی

گوشتے میں ہر اجماع ہو گئی تھی۔ چند سیکنڈ تک وہ اسے ترجیحی ٹکا ہوں سے دیکھتا رہا۔

”یہ معلوم لیڈیز آنسوؤں کے خزانے کہاں روپوش رکھتی ہیں۔ ذرا کوئی بات ہوئی نہیں اور وہاں بن بادل برسات شروع ہو جاتی

ہے۔“ وہ مسکرا کر تسخیرانہ لہجے میں بولا۔

”آپ کیا سمجھیں گے عورت اور اس کے احساسات کو۔ آپ نے صرف عورت سے نفرت کرنا سیکھا ہے۔ اس کا سچا اڑنا

انسلٹ کرنا آتا ہے آپ کو آپ عورت سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں دیکھ سکتے ہیں؟“ اس کی تسخیر بھری مسکراہٹ اسے جلا گئی تھی۔

”عورت سستی گراؤ کی کتنی ڈرامہ باز ہوتی ہے، واقعی طرح جانتا ہوں۔“

وہ بھی یلغخت پٹری سے اتر گیا۔

”مرد سے بڑھ کر فراڈی و ڈرامہ باز ہرگز نہیں ہو سکتی۔“

”یہ الزام ہے، سراسر جھوٹ ہے، کبھی تم؟“

”سمجھنے کی ضرورت آپ کو ہے مجھے نہیں۔“

”ہلیز..... میں اس دلت کسی فالو تکو اس کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

اس کا موڈ بڑی طرح بگڑ چکا تھا۔

”سچائی کا سامنا نہ کرنا کی آپ کی عادت ہے۔“

”شٹ آپ۔“ وہ بڑی طرح دھاڑا۔

”آپ کو بات کرنے کی تیز نہیں ہے، کیسے مسلمان ہیں آپ جو عورت کی عزت کرتا نہیں جانتے۔“

وہ بے ساختہ رو پڑی اور آنسوؤں نے اسے احساس دلایا کہ خودخواہی ہی بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اگر حالات نے اسے سر

بھری لڑکی کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا تو اسے بھی اس کے ساتھ اچھا و نرم برتاؤ رکھنا چاہیے تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

”آئی ایم سوری۔ ہلیز..... خاموش ہو جاؤ۔“ وہ بدستور روتی رہی۔

”میرا ارادہ آپ کی دل آزاری کا ہرگز نہ تھا..... یہ معلوم مجھے غصہ کیوں آ گیا، ہلیز..... میں کوشش کروں گا داب ایسی کوئی بات

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نہ ہو جو آپ کو ڈکھی کر دے۔"

اس نے کارروک کر حورین سے معذرت کی۔ اس کے شرمندہ انداز میں خجالت و چٹائی تھی، بوجھل آواز میں کوئی احساس تھا۔
 "آپ مجھے محاف نہیں کریں گی۔ میں ساری رات اسی طرح بیٹھا رہوں گا، کارٹکس چلاؤں گا۔" اس کے انداز میں قطعیت تھی، وہ روتے روتے خاموش ہو گئی، آنسوؤں سے بھیکے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔
 "کار چلائیں، مائجر انکیل رہا ہے۔" اس نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تو اس نے خاموشی سے کار اسٹارٹ کر دی۔
 کار میں خاموشی چھا گئی۔
 دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

☆.....☆.....☆

برہان لغاری جس جوش و ولولے سے انکشن میں کھڑے ہوئے تھے، اس سے بھی بڑھ کر وہ ٹکسٹ کا شکار ہوئے تھے، جن مہرمانوں نے انہیں اس میدان میں کھڑا کیا تھا، وہ ٹکسٹ کے بعد بیٹہ دکھانے لگے تھے۔ ان کے پاس بیرون ملک فرار کے علاوہ کوئی مل نہ تھا، سو وہ اسی رات پہلی فلائٹ سے چلے گئے۔ تھے اور کہاں گئے تھے اس سے گمراہ لے بھی لائے تھے۔ ان کی ٹکسٹ سے مثال خاصی افسردہ ہوئی تھیں، جبکہ فائیکہ مطمئن تھیں اور مثال کو بھی سمجھا رہی تھیں کہ جو ہوا، اچھا ہوا۔

"مما! آپ کیوں اس قدر ایزی لمیں کر رہی ہیں، راضی تو میں بھی نہیں تھی، بپا کو روکنا تو میں بھی چاہتی تھی مگر اب جب کہ وہ ٹکسٹ کھا گئے ہیں تو مجھے بے حد رنج ہو رہا ہے۔"

"برہان لوز کریکٹر ہیں، ایسے لوگ عمر کے کسی بھی حصے میں اپنی اپیز نہیں چھوڑتے اور کسی سنسٹر کی کرسی پر بیٹھ کر وہ کیا کچھ نہ کرتے۔ یہاں تو میں ان کی ہر حرکت پر نظر رکھتی ہوں، وہاں یہ ممکن نہ تھا۔" وہ ایزی جیمر پر جھولتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"یہ مرد عورت کا رشتہ بھی کیا ہوتا ہے، کوئی قریب رہ کر بھی ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر ہوتے ہیں، پھر حدود ہیں ان کا کہنا ہی کیا۔"

"یہ کن فضول سوچوں میں الجھ گئی، سزمہ برین کے ہاں پارٹی میں جانا ہے، گیٹ نوٹ کر رہے ہو کہ وہ ہے گا۔"

"آج کل کوئی پارٹی اینڈ کرنے کو دل نہیں چا رہا، جہاں جاؤ بیٹا ہی کا نا پک چلتا ہے۔ لوگ ہمدردی کے نشو و نما تو تھیک کے پھر پریٹ کر مارتے ہیں۔ لوگ کہتے کہینے ہوتے ہیں، دوسروں کی خوشیوں پر جلتے ہیں اور دکھوں پر خوش ہوتے ہیں، میرا موڈ نہیں ہے۔"

وہ کسلندی سے ہینڈ پر لیٹ گئی۔

"ڈیزر! ہم لوگوں سے جس قدر منہ چھپائیں گے، لوگ اس قدر ہی ہماری ٹوہ میں رہیں گے، باتیں بنائیں گے، پھر ہم کب تک چھپ سکتے ہیں۔"

"کم از کم جب تک لوگ۔۔۔۔۔"

"پھر وہی بات..... ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے۔ میری طرح اسٹراٹجک بنو، مائی سویٹ ہارٹ! میں نے زندگی میں کیسے کیسے حالات دیکھے ہیں، کیسے کیسے مصائب سے دوچار ہوئی ہوں، برہان کو کھوکھرا پایا ہے۔ میری جگہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو سر پر رکھ دیتی، وقت کی دھول میں ڈل جاتی مگر میں کامیاب رہی اور پہلے سے زیادہ اسٹراٹجک ہو گئی۔ کیا کچھ نہیں ہے میرے پاس، بلا شرکت غیر سے ہر شے پر میری حکمرانی ہے۔ برہان بھی میری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔" ان کے انداز میں کسی ملکہ کی مانند مطمئن و شہانہ پن تھا۔ مثال ان کو رنگ آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو مائی ڈیئر؟"

"مما! آپ نے ابھی کہا تھا..... آپ نے برہان کو کھوکھرا پایا ہے..... کیا میں اُسے پھر سے نہیں پاسکتی؟ کوئی تو میں نے بھی اُسے ہے۔" اس کے ذہن کی اسکرین پر وہ خوب صورت چہرہ پوری طرح نمودار ہوا۔ دھیسے لہجے میں نارسائی کا ڈکھ تھا۔ فائنڈ جیجر سے اُنھ کے اس کے پاس چلی آئیں۔

"نہیں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"نہیں..... کیوں ممما! وہ بے قراری سے بولی۔

"تالی دونوں ہاتھوں سے بھتی ہے، ایک ہاتھ سے کبھی نہیں۔ اسی طرح جب تک دونوں طرف محبت میں صداقت نہیں ہوگی، دونوں ایک دوسرے سے کہنا نہیں چاہیں گے تو ملن کس طرح ممکن ہے۔ برہان اور مین پھر ایک ہوئے تو ہم نے چاہا تو ایک ہوئے اور تمہارے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ تم سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو جس کا کوئی حاصل نہیں ہے۔"

"میرا دل کہتا ہے وہ میری طرف لوٹنے کا ضرور واپس آئے گا۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔ فائنڈ جیجر نے زبردستی اسے پارٹی میں لے جانے کے لیے تیار کر دیا اور خود بھی تیار ہو کر ڈرائیو کے ہمارا روانہ ہو گئیں۔ فائنڈ جیجر اس کا دلی بھلانے کے لیے دلچسپ گفتگو کر رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے خیالات کو توجہ سے سن رہی تھی اور ساتھ ساتھ خود بھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی جا رہی تھی۔ سوا اس کی نگاہ دوسرے روڈ پر موجود کار پر پڑی اور انہیں محسوس ہوا جیسے ان کا تصور حقیقت بن گیا ہو، اسی لمحے شکل آف ہو گیا اور تمام کاریاں دُک گئیں۔

اس نے بہت تیزی سے پلکیں جھپکائی تھی۔ دوسرے لمحے اسے یقین ہو گیا، وہ تصور نہیں حقیقت تھا، کیونکہ اس کے ساتھ جو وجود براجمان تھا وہ اس سے اس قدر نفرت کرتی تھی کہ کبھی خواب میں بھی اسے دیکھنا گوارا نہ تھا۔ اس ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اس کے وجود میں گویا کانٹے اُگ آئے تھے، شعلے دھک اُٹھے تھے۔

"مما! کیا آپ بھی دیکھ رہی ہیں جو میں دیکھ رہی ہوں؟" فائنڈ جیجر بھی بے حد حیرت سے اُدھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ پر پل ساڑھی میں وہ کرن ہی تھی اور اس کے برابر میں ڈرائیو تک سیٹ پر بیٹا اُنس۔ ان کی آنکھوں کو دھوکا نہیں ہوا تھا۔ گزرتے وقت نے گویا کرن پر کوئی اثر نہ چھوڑا تھا۔ وہ آج بھی کل کی طرح خوب صورت اور اسارت تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کے چہرے پر خوشحال و کامیاب

زندگی گزارنے کی طمانیت و بے باشت تھی جس نے اس کی زندگی کو مسرتوں سے ہمکنار کیا تھا، اس کی شخصیت کو بھی دتار حکمت عطا کی تھی جو اسے سب میں ممتاز بناتی تھی۔ دونوں ماں بیٹیوں کی شرور بار نکا ہیں ان پر موجود تھیں، جن سے وہ بے خبر تھے۔ مثال کے اندر تو آتش فشاں پھٹنے لگا۔ اس کی نگاہیں کرن کے مسکراتے چہرے سے ہوتی ہوئی اس کے بازو پر ٹھہر گئیں جو اس نے کرن کے شانے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس سے سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا جس پر کرن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ اس کے اندر آگ ہی آگ پھیلنے لگی تھی۔

"یہ لوگ کراچی میں ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔"

فائدہ حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔ اسی لمحے قتل آن ہوا تو انہوں نے ڈرائیو کو ان کی کار کا پتہ چھانک دیا مگر جب تک ڈرائیو کاڑی لرن کر کے اس روڈ پر گیا، انس کی کار وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ مثال غم و غصے سے ڈرائیو کو مشکلات سے نوازنے لگی۔

☆.....☆.....☆

کار تیزی سے رواں دواں تھی۔

رات کے سائے پھیل چکے تھے، ارد گرد بکھرے کھیت کلیان تاریکی کی چادر اوڑھ کر پڑا سرا رنگ رہے تھے۔ انہیں سفر کرتے ہوئے کئی کھیتے گزر گئے تھے۔ معمولی سی ہوئے والی جھڑپ کے بعد ان کے درمیان خاموشی حاکم ہو گئی تھی۔

کار ڈرائیو کرتے وقت اس کی نگاہیں تیزی سے ارد گرد جات رہی تھیں جہاں تقریباً تمام جگہیں ایک جیسی ہی آرہی تھیں۔ اندھیرے میں نظر آتے کھیتوں و میدانوں کے درمیان کہیں کہیں مکی آبادیاں بھی آرہی تھیں جہاں ہلکی ہلکی زرد روشنی میں نہائے اکاؤ کا بلب سے کسی آبادی کا پتہ چلتا تھا جو بہت کم رقبے پر مشتمل ہوتی تھی۔

اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر سست ہو گئے تھے۔ کشادہ پیشانی پر شکنوں کا جال سا بھرا آیا تھا۔ اس نے کار روک دی تھی۔

"کیا ہو؟" حورین نے چونک کر پوچھا۔

"یہ راستہ غلط ہے۔"

"وہاں؟" اس کے منہ سے چیخ نکلا آواز برآمد ہوئی۔

"آہستہ کان میرے ذاتی ہیں۔" اس کے چیخے پر وہ بولا۔

"اب کیا ہوگا، اس دیرانے میں کوئی ہیلپ کرنے والا بھی نہیں ہوگا، کیسے گھر جائیں گے؟" دوسری طرح گھبرا گئی۔

"ریٹیکس، میں دیکھتا ہوں، شاید کوئی گاؤں مل جائے۔" دوسرا ردی سے مخاطب ہوا۔

"اگر نہیں ملتا تو..... پھر کیا ہوگا؟"

"جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔" اس نے گہری سانس لے کر کراسٹارٹ کر دی تھی اور اس سڑک پر موڑ لی۔ جہاں سے خاصے قاصدے پر کچھ جگنو کی مانند چلتی ہوئی روشنیاں آبادی کا پتہ دے رہی تھیں۔

"یہ سب اس کالی زبان والے ہریہ کی وجہ سے ہوا ہے۔" دو بلند آواز میں بڑبڑائی تھی۔

ذوالنون کے اندر اس نام سے عجیب سا احساس جاگا تھا۔ کڑوا سیلا دھواں اپنے ارد گرد پھیلتا ہوا اس نے محسوس کیا۔

"کبہ رہا تھا، مجھے چھوڑ کر جاری ہو، میں تم بن کیسے رہوں گا۔ میں نے کہا تم جیسے بھی رہو مگر میں بہت خوش رہوں گی۔"

گھبراہٹ و پریشانی کی زد میں دو تیز آواز میں خود سے ہم کلام تھی اور دونہ چاہنے کے باوجود اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"کہنے لگا ممکن ہی نہیں ہے میرے بغیر تم کہیں خوش رہ سکو، دیکھنا کتنا خواہ ہوگی، بچھتاؤ گی۔ میرے بنا اور یہی ہوا وجود کہتا ہے،

وہ ہو جاتا ہے۔" ذوالنون بالکل خاموش رہا تھا، اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ بھی چپ ہو گئی تھی۔ ایک یوجھل سکوت ان کے درمیان تھا۔

کل رات پوری فیاضی سے چاندنی نچھاور کرنے والا چاند آج سیاہ بدلیوں میں ردپوش تھا۔ اسی سبب زمین و آسمان پر تاریکیوں کی مہیب چادر تخی نظر آ رہی تھی۔

بستی کے قریب جا کر اس نے کارروک دی۔ دو کوئی چھوٹا ہاڑا تھا جس کی دکانیں بند تھیں، البتہ چند دکانوں کے آگے کہیں کہیں

بلب روشن تھے جنہوں نے دور سے اسے راستہ دکھایا تھا۔

"یہاں تو کوئی نظر نہیں آ رہا، راستہ کس سے معلوم کریں گے؟"

"عام طور پر گاؤں میں لوگ جلد سوتے اور جلد بیدار ہونے کے عادی ہوتے ہیں، بارونج بچے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے نصف

رات گزر چکی ہے پھر بھی ہا ہر کل کر دیکھتا ہوں، کوئی نہ کوئی شاید مل ہی جائے۔" وہ اسے وہیں بیٹھنے کا کہہ کر ہا ہر کل گیا تھا۔ اس نے

ہا ہر کل کر دھرا دھر دیکھا ہی تھا کہ ایک آدمی کو اپنے طرف آتے دیکھ کر وہ چوکتا ہو گیا۔ اس آدمی نے قریب آ کر سلام کیا، ہاتھ ملایا۔

"میں مسجد کی چھت سے کھڑا بہت دیر سے آپ کی گاڑی کو آتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ یہ خبر میں نے میاں صاحب کو بھی دی تھی، وہ کہنے

لگے ہمارے یہاں ایسا کوئی نہیں ہے جس کے مہمان گاڑی میں آئیں، یہ کوئی اجنبی ہیں جو راستہ بھٹک کر ادھر آ رہے ہیں، آپ کو لینے کے

لیے ہی انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔ آئیں اب میرے ساتھ چلیں، ہیشیرہ کو بھی لے لیں۔"

آنے والا شخص تقریباً اس کا ہم عمر تھا۔ دانت شلوار سوٹ میں بیٹوں سر پر ٹوپی جمائے وہ احترام بھری نگاہوں سے اس کی طرف

دیکھ رہا تھا۔

"نو ٹھیکس، بہت مہربانی آپ کی اور آپ کے میاں صاحب کی۔ مجھے آپ کراچی جانے والا راستہ بتا دیں اگر لیٹ نہیں ہو رہا

ہوتا تو ضرور آپ کے میاں صاحب سے شرف ملاقات حاصل کرتا۔"

"اے..... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ..... تو بہ تو بایسے مت کہیں، میاں صاحب سے تو گھڑی بھر ملاقات کے لیے لوگ دور دور

سے آتے ہیں۔"

وہ شخص حقیر رنگت سے گویا ہوا۔

”آپ دیکھ رہے ہیں، میرے ساتھ خاتون ہیں، ان کی وجہ سے میں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتا ہوں، تاکہ کوئی پرانہ لمبہ نہ ہو۔“

”خاتون کی وجہ سے ہی آپ کا اس وقت سفر پر خطر ہے۔“

”میں مطلب نہیں سمجھا آپ کا۔“

”آپ سمجھ بھی رہے ہیں اور نہیں بھی۔ ان علاقوں میں شریک لوگوں کے ٹھکانے ہیں جو اکثر لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں اور صاحب حیثیت لوگوں کو اغوا کر کے تادان وصول کرتے ہیں۔ رات کے وقت ان راستوں سے خاتون کے ساتھ گزرنا ذرا بھی دانش مندی نہیں ہے۔“

”وہ لوگ کار کے قریب کھڑے منتظر کر رہے تھے۔ آواز حورین کی سماعتوں تک بھی پہنچ رہی تھی، وہ گم مسمی ہو گئی تھی۔“

”والہنوں کو اس کی باتوں میں صداقت محسوس ہو رہی تھی۔ ان تمام حالات سے وہ واقف تھا۔ اس وجہ سے وہ ہناؤ کے فاسٹ ڈرائیونگ کرتا رہا تھا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا جو وہ نہ جانتا تھا۔ اسے اپنی فکر نہ تھی لیکن حورین کے خیال سے اس نے یہاں رات ٹکے کا فیصلہ کر لیا۔ حورین کو بتایا تو وہ خاموش رہی۔“

”آئندہ اپنے کزن کی ”سیاہ زبان“ سے بچنے کا۔“ اس کی آواز میں نہ معلوم کیا تھا، وہ دیکھتی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

ہوٹل میں کونین سے ملاقات ہونا اور وہ بھی مہراں علوی کی موجودگی میں، اس کے لیے بہت شدید صدمے کا باعث بنا تھا۔ اس نے اس ملاقات کا اتنا شدید ڈپریشن لیا تھا کہ اگر بروقت اسے ٹریٹمنٹ نہ ملتی تو وہ نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو جاتی۔ ساری رات وہ دواؤں کے زیر اثر سوئی رہی تھی، بھردن چڑھے بیدار ہوئی تو سب کو اپنے قریب دیکھ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

”فحشری! ایک بات بالکل سچ بتائیں۔“ وہ ناشتے سے فارغ ہوئی تو منور بیگم سنجیدگی سے مخاطب ہوئیں، سب جا چکے تھے۔

”مہراں علوی کو آپ پسند نہیں کرتیں؟“

”یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہیں آپ؟“ اس کی آواز وہی تھی۔

”میں محسوس کر رہی ہوں، آپ خوش نہیں ہیں، آپ بالکل بدل گئی ہیں۔ خاموش، تنہائی پسند بلکہ بیزار رہنے لگی ہیں۔ مہراں سے رشتہ ہونے سے قبل ایسا کچھ نہیں تھا۔ آپ بہت خوش و خرم رہتی تھیں۔“

منور بیگم اس کی گرتی ہوئی صحت و بدلتی ہوئی طبیعت کے لیے از حد فکر مند تھیں، انہوں نے یہی انداز لگایا کہ مہراں علوی سے نسبت طے ہونے کے بعد اس میں یہ سب تبدیلیاں آئی ہیں۔

”ایسا کچھ نہیں ہے مہر! مہراں اچھے ہیں۔“ اس کی آواز میں لرزش تھی۔

”پھر آپ آپ سیٹ کیوں رہنے لگی ہو؟“

”شاید ہسپتال کا کام بہت سخت ہو گیا ہے۔“

"ہاں اس طرف بھی میرا دھیان گیا تھا، پھر یہی بات ہو سکتی ہے، میں صدمہ سے کہوں گی، ہسپتال میں کسی اور لیڈی ڈاکٹر کو اپائنٹ کریں۔ اب آپ ہسپتال جوائن نہیں کریں گی۔" وہ قطعیت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔ خضریٰ اس اقدام پر بوکھلا کر بولی۔

"میں نے گھر میں بیٹھنے کے لیے کوالیفیکیشن حاصل نہیں کی ہے، مجھے کام کرنا ہے، لوگوں کو میری ضرورت ہے۔"

"فی الحال تو آپ آرام کرو، صدمہ اور ہنزدہ نے چند روز کے لیے آپ کو مکمل ہیڈریسٹ کرنے کی تلقین کی ہے۔"

صومیر چلی گئیں تو وہ کمرے میں تنہا رہ گئی۔ تنہائی میسر آتے ہی پھر وہ مناظر ذہن کی اسکرین پر چلنے لگے۔

ان ڈارک براؤن حزن آمیز نگاہوں سے اسے مہراں کے ہمراہ دیکھ کر کیسا درد کیسی تڑپ جاگی تھی۔ محرومی دسبہ ہی اس کی نگاہوں سے عیاں تھی۔

"کتنا اچھا ہوتا کوئین اگر اتنی کبھی تمہیں یہاں آنے کی اجازت نہ دیتیں۔ نہ تم یہاں آتے، نہ یہ ادھوری کہانی شروع ہوتی۔ تم اپنی دنیا میں گمن رہتے تو میں بھی وہی کی تمام سچائیوں کے ساتھ مہراں علوی کو قبول کر لیتی۔ میری زندگی اس طرح ایک پزل نہ بنتی۔"

"وہ سوچوں میں گم تھی۔ معاذ و دانہ ناک کر کے اریبہ اندر آئی تھی۔"

"آپنی! کوئین بھائی آئے ہیں آپ کی عیادت کو۔"

"انہیں کس نے خبر کی؟" غیر ارادی طور پر اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"یقیناً تم نے۔ تمہارے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی، کسی کو چھپے تک بھی آجائے تو اعلان کرتی پھرتی ہو اور میں کون سا مرضی تھی جو تم نے انہیں خبر کروئی۔" اریبہ حیرانگی سے نرم مزاج و خاموش طبع بہن کو پہلی بار غصے سے گرجتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری آپنی! میں نے انہیں کال نہیں کی۔" وہ خوف زدہ ہی بولی۔

"پھر الہام ہوا ہے انہیں؟"

"انہوں نے رات کو ہی فون کیا تھا آپ کی طبیعت معطوم کرنے کے لیے۔ کبر رہے تھے آپ سے اور مہراں علوی سے ہوٹل میں ملاقات ہوئی تھی، وہ ہیں انہیں معطوم ہوا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رات سے اب تک وہ کئی کالز کر چکے ہیں، آپ کے جاگنے کا سن کر ملے آئے ہیں۔"

اس کے بگڑے موڈ کے پیش نظر وہ ایک سانس میں کہتی چلی گئی۔

"جا کر کہہ دو ان سے، میں سوری ہوں۔"

"لیکن آپ تو جاگ رہی ہیں۔" بہن کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"تم سے جو کہا ہے وہ کرو، دادو کے پاس لے جاؤ انہیں۔"

"دادو، بھابی کے ساتھ ملتی ہیں، مادرمی بھی ابھی شاپنگ کو گئی ہیں۔"

”سب کو ابھی جانا تھا، خود جا کر بیٹھ جاؤ ان کے پاس۔“

قل اس کے کہ کوئی اور بات ہوتی، بھاری قدموں کی چاپ سن کر اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں تھیں، آنے والا کو نہیں ہی تھا۔
”اربیہ! میں جا رہا ہوں۔“ وہ کبہ کرڑکا نہیں، عیزی سے چلا گیا تھا۔ وہ گولگی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

منال کی حالت دیوانوں کی مانند ہو گئی تھی، جب سے انہوں نے انس کو اس روڈ پر گزرتے دیکھا تھا۔ وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھیں۔ کل سے اب تک کئی چکر وہ اس روڈ کے لگا چکی تھیں۔ اس امید پر کہ شاید وہ یہاں سے پھر گزرے، گئی گھنٹے اس انتظار میں، وہ کھڑی بھی رہی تھیں مگر انس کو نہ آتا تھا اور نہ وہ آیا اور ان کے اندر گویا دھشتوں کا جنگل اُگ آیا۔ بھوک پیاس اُڑ گئی۔ خند نے فرار حاصل کیا۔ فائدہ نے بڑی بہت سے اچھے سے اچھے سنبھالا تھا، ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ وہ خود کو ہی نقصان پہنچا لیتی۔ کرن کا مطمئن خوش و خرم چہرہ، آسودہ مسکراہٹ اور ان کے شانوں پر دکھائیں کا ہاتھ انہیں بلی بلی کسی تیز و حار چھری کی طرح گھما کر رہا تھا۔

وہ بن جل کی چھلی کی مانند تڑپ رہی تھی۔ خواب انہوں نے دیکھے تھے اور تعبیر کرن کے حصے میں آئی تھی جو پہلو اس کی رفاقت کے لیے تھا وہ کرن کا حصار بن گیا تھا۔

”میں مار دوں گی جہیں کرن، زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم نے مجھ سے میری خوشیاں چھینی ہیں، میں تم سے تمہاری زندگی چھین لوں گی، اتنا تڑپاؤں گی، اتنا سکاؤں گی کہ مرنے کے بعد بھی جہیں لہو بھر سکون نہ مل پائے گا۔“ وہ جھٹیلی پر ٹکا مار کر عزم لہجے میں بولیں۔
”پاگل مت بنو منال! سنبھالو خود کو، اس شخص کے پیچھے تم نے اپنی پوری زندگی برباد کر ڈالی ہے اب تو بھول جاؤ اسے۔“
فائدہ تنگ اسے جھنجھوڑتے ہوئے فہمائشی لہجے میں گویا ہوئیں۔

”کل تک میں اس کی محبت میں بے سدھ تھی مگر میری نگاہوں نے جو منظر دکھایا، اس کی رنگین مسرتوں بھری زندگی کا لمحہ لہو میری آنکھوں میں سمٹ آیا ہے، جس کی خاطر میں نے اپنی ہر خوشی تیاگ دی، اس کٹھن شخص کو میری خوشیاں تو کیا غم کی بھی پروا نہیں ہے۔ ایسے بے حس و بے ذوق شخص کے لیے میں نے روگ پالنا، نفرت بوری ہے مجھے اپنی اس بے وقوفی پر۔“

ان کے لہجوں میں نفرتوں کا زہر گھلا ہوا تھا۔

”میری محبتیں بے انتہا تھیں تو نظر میں لاسد و وہوں گی۔ ان دونوں سے میں ایسا انتقام لوں گی کہ ساری زندگی بھول نہیں پائیں گے۔ اس کے حسین چہرے پر بڑے بھیاںک عزائم تھے۔

”میری محبت اسے نہ ڈھونڈے گی مگر میری نفرت انہیں بہت جلدی ڈھونڈ لے گی، یہ میرا دل کہتا ہے۔“

☆.....☆.....☆

پینہ دہم پینہ مکافوں کے صحنوں میں دھکی روئیاں نظر آ رہی تھیں۔ گلیوں میں کتے گھومتے پھر رہے تھے، ہر نو چھیلی خاموشی میں

کتوں کے بھونکنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس نوجوان کی امراہی میں اس نے کار اس جگہ لاکر روک دی جو مکانوں سے گامٹے پر تھی۔ ایک خاصا کشادہ میدان تھا جس کے ایک طرف کھیتوں کا سلسلہ تھا اور سامنے مسجد تھی جو شاید کسی پہاڑی کوکٹ کر تعمیر کی گئی تھی جس کی بنا پر وہ کافی بلندی پر واقع تھی۔ سرخ آبیٹوں سے بنی اس مسجد کے ہز گنبد و میناروں سے نور برس رہا تھا۔ کئی میڑھیاں عبور کر کے وہ مسجد کے صحن میں پہنچے تھے اور وہاں سے دائیں طرف ایک چوڑی راہ واداری سے گزر کر ایک بڑے کمرے کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہونے سے قبل وہ نوجوان گویا ہوا۔

”یہ بابا صاحب کی آرام گاہ ہے۔ جوتے باہر ہی اُتار کر اندر آ جائیں۔“ مؤدب انداز میں وہ لڑکا ذوالنون سے مخاطب ہوا۔ اندر کہیں لوہان سلگ رہا تھا۔ لوہان کی خوشبو میں لپٹی گلاب موتیا کی مہار نے ماحول کو بے نقادس روپ بخشا تھا۔ بڑی روح پرور فضا تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ذوالنون کے پیچھے چل رہی تھی، اندر سفید براق چاندنی بھی ہوئی تھی، سنہری رنگ کے گاوٹے جابجا رکھے ہوئے تھے، وہاں بھی بلب روشن تھا مگر باہر جو وحشت و دیرانی وہ دیکھتی ہوئی آئی تھی، وہ اس جگہ مفتوحہ تھی بلکہ یہاں بے حد آسویگی، روشنی اور روح کو پرسکون کر دینے والی فضا تھی۔

”آپ لوگ بیٹھیں، بابا صاحب تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر ابھی یکھدیر میں آتے ہی ہوں گے، بلکہ آپ لوگ ہاتھ منہ دھولیں۔ یہ کمرے سے ملحقہ ہاتھ روم ہے۔“ وہ شخص مخاطب ہوا تھا۔

”آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔“ ذوالنون کو اس کی سادگی و شفیق انداز بہت بھایا تھا۔

”مجھے حارث کہتے ہیں، ہلی اے کی ڈگری یافتہ ہوں۔“ اس نے بھی مسکراتے ہوئے تعارف کرایا تھا۔

”یہاں کیا کرتے ہو؟“

”بابا صاحب کی خدمت کرنے سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔“ اس کے لہجے کے ساتھ آنکھوں میں بھی والہانہ عقیدت ابھر آئی تھی۔

”کون ہیں یہ بابا صاحب؟“ اس نگرار سے وہ الجھ گیا تھا۔

”بہت بڑی، بہت اونچی ہستی ہیں بابا صاحب۔ یہ پورا گاؤں ہی نہیں، ارد گرد کے تمام گاؤں اور شہروں سے لوگ ان سے ملنے اور دعا مانگنے آتے ہیں۔ بہت اثر ہے ان کی دعاؤں میں۔ اللہ بہت جلدی سنتا ہے ان کی۔ کوئی ضرورت مند خالی نہیں جاتا یہاں سے۔ اتنے ہی دور یا دل ہیں بابا صاحب۔ وہ بابا صاحب کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ وہ سوچ رہا تھا یہ گاؤں کے لوگ تعلیم کی روشنی میں کتنے بھی بہرور ہو جائیں، ان کی سادہ لوح طبیعت اس چیری فقیری و باباؤں کے سر سے نکل نہیں سکتی۔ اس بڑے آشوب و فریب کا نفسی کے سنگین دور میں کون ولی کامل ہے جو لوگوں کی پریشانیوں و حاجتوں کے لیے دست دعا وراز کرے گا۔ ایسے لوگ اس دور میں نایاب ہو گئے ہیں جو دوسروں کی پریشانی و تکالیف کو اپنی سمجھ کر اپنی راحتوں اور مسرتوں کو غیروں کے لیے وقف کر دیں۔ اب تو جعلی و جھوٹے پیر بابا گاؤں

دشمنوں میں نکلے پڑے ہیں اور اپنی جینیں بھرتے ہیں۔ حادث سے اس نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کمرے سے ملحقہ ہاتھ روم کی طرف بڑھ گیا تو وہاں سے چلا گیا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر آیا تو حورین کو بھی اس نے بھیج دیا۔ حورین ہاتھ منہ دھو کر آئی تو دو گادھلی کے سہارے نیم دراز تھا، آنکھیں بند کیے ہوئے کسی سوچ میں گم۔ وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی ایک طرف دیوار کے سہارے بیٹھ گئی، اس کے چہرے پر بے حد ادا سی تھی۔

"بھوک لگ رہی ہے؟" وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے گویا ہوا۔

"نہیں"۔ اس نے جھوٹ کہا۔ صبح سے اب تک وہ تقریباً بھوک ہی رہی تھی۔ ذلیحہ کی جلی کٹی باتیں اور خود اس کی اچانٹ طبیعت نے بھوک کا احساس نہ ہونے دیا مگر اب بھوک بڑی شدت سے لگ رہی تھی۔

"لیکن تمہاری آواز بتا رہی ہے، تمہیں بھوک لگ رہی ہے"۔ وہ اس کی طرف گھوما تھا، اپنی گرم نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالتی مسکراتے لہجے میں گویا ہوا۔

"اگر میں کہوں ہاں پھر اس وقت کھانا کہاں سے آئے گا؟ بازار تو سارے بند پڑے ہیں"۔ وہ ٹکا ہوا جھکا کر بولی۔

"حادث کہتا ہے، بابا صاحب جو ہمارے میزبان ہیں، وہ بہت اونچی ہستی ہیں، انہی پختی ہوئی ہستی نے ہماری بھوک مٹانے کا انتظام بھی کیا ہوگا"۔ اس کی آواز میں استہزاء تھا، اسی لمحے دروازہ کھلا، بڑی سی خڑے میں حادث کھانے کی ڈشیں اور پرائیڈ رکھ کر لایا تھا۔ ساتھ پانی کا جگ اور گلاس بھی تھے۔ ذوالنون اُنٹھ بیٹھا۔ حادث نے ٹرے ایک طرف رکھ کر پہلے دسترخوان بچھایا پھر بالترتیب اس پر ٹینڈے گوشت کی ڈش، انڈے، پرائیڈ اور جگ گلاس رکھ کر گویا ہوا۔

"وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے یہی دستیار ہوسکا ہے"۔

"بے حد شکریہ، بلکہ معذرت کہ بے وقت تکلیف دی ہے آپ کو"۔

حورین دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی کہ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرنے والا اکثر مزاج شخص کس قدر خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا، جیسے غصہ و بد مزاجی اسے چھو کر نہ گزری ہو۔

"معذرت کر کے آپ شرمندہ کر رہے ہیں، یہ بابا صاحب کا اصول ہے کہ کوئی بھی مہمان بنا خاطر تو ضائع نہ جائے۔ مہمانوں کی بڑی عزت کرتے ہیں بابا صاحب۔ گاؤں والوں کا ہر مہمان بابا صاحب کا مہمان ہوتا ہے، پھر آپ تو خالص بابا صاحب کے مہمان ہوئے کہ سیدھے ٹھیک آئے ہیں"۔

"ہیں کہاں بابا صاحب؟ کب تک ملاقات ہوگی؟" اس کے انداز میں سرعوبیت نہیں، اشتیاق کی نغمی سی کرن تھی۔

"آپ کھانا تناول فرمائیں، بابا صاحب آتے ہی ہوں گے"۔ وہ انہیں کھانے کی تلقین کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟"

"میں کھا چکا ہوں، آپ کھائیں۔" وہ کہہ کر چلا گیا۔

"دنیا میں ابھی اتنے لوگ موجود ہیں۔" حورین نے پلیٹ میں اس کے لیے سالن نکالتے ہوئے کہا۔

"جو کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے لقمہ لیتے ہوئے شوشی سے کہا۔

"آپ بلاوجہ لوگوں پر طنز کرنا کب چھوڑیں گے؟" اس کے انداز پر وہ بری طرح تپ مچی تھی۔

"چھوڑ دینا۔" اس نے بھرپور انداز میں مسکرا کر کہا۔

حورین نے کچھ نہیں کہا۔

بہت مزے دار کھانا تھا، دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ وہ کھانے سے نارغ ہوئے تو حادث کسی جن کی طرح حاضر ہوا اور برتن

سمیٹ کر لے گیا۔ وہ بہت باحیا و شریف النفس آدمی تھا۔ ایک بار بھی اس کی لگاؤں حورین کی جانب نہیں ہنگلی تھیں۔

کچھ دیر گزری تھی، جب ایک ہارٹس نورانی چہرے والے بزرگ شفیق مسکراہٹ سہائے اندر داخل ہوئے۔ سفید شلوار کرتے پر

سفید ہی ٹوپی اوڑھے بڑی گرم جوشی و محبت بھرے انداز میں وہ ذوالنون سے ملے۔ ان کے ہر نور چہرے پر اتنی شفقت و مروت تھی کہ

ذوالنون بھی لمبے غم کو تو سکھنے میں رو گیا۔ حورین نے سلام کیا۔

"ٹیکو بھو! راستہ بھٹک کر یہاں آ گئے۔" وہ خود بھی ایک طرف سمت کر بیٹھ گئے اور ان سے مخاطب ہوئے۔

"جی۔ یہ معلوم کس طرح راستہ بھول گیا اور ادھر آ گئے۔"

"یہ معلوم راستہ بھٹکے ہو یا کسی منزل پر پہنچ گئے ہو۔ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ راستہ کس سمت جانے والا ہے۔ سب راستوں

سے واقفیت و منزلوں کا پتہ تو صرف ایک ہی کو معلوم ہے، وہ ہستی جو مدد لا شریک ہے، جو سب جہانوں کو چلا رہا ہے۔"

وہ گویا خود سے ہم کلام تھے۔ اس اثنا میں حادث نرے میں چائے کی پیالیاں رکھنے لے آیا اور ان تینوں کو دے کر خود بھی اپنی

پیالی لے کر بابا صاحب کے قریب بیٹھ گیا۔

"شہر سے آئے ہو؟ اس لیے میں نے چائے بنوائی ہے کہ شہر والے جب تک چائے نہ پی لیں ان کی حکمت نہیں اُترتی ہے۔" وہ

شفیق انداز میں گویا ہوئے۔

"بابا صاحب! ہم نے بہت تکلیف دی ہے آپ کو اس وقت۔" حورین نے بہت مؤدب لہجے میں کہا۔ وہ پوری طرح ان سے

متاثر ہو گئی تھی۔ ان کے اخلاق و مہمان نوازی کی۔

"بیٹی! تکلیف کیسی، مجھے آج بڑی راحت نصیب ہوئی ہے۔ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے گھر مہمان آتے ہیں

اور خصوصاً بیٹی کی صورت میں تو خوش قسمتی دو چہری ہو جاتی ہے۔"

ان کے مسرت سے سرشار لہجے میں کوئی ہلوٹ و جھوٹ نہ تھا۔ وہ مہمان نوازی کے کئی قصے سناتے چلے گئے۔

"وہ دقت گزر گیا جناب! جب مہمانوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا اور ان کی خاطر تواضع میں ادھار مانگ لینے سے گریز نہ کیا جاتا تھا۔ اب تو یہ جذبہ کم کم لوگوں میں رو گیا ہے۔" ذوالنون نے چائے پیتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا، جواباً وہ مسکرا کر بولے۔

"میاں! نیکی اور اچھائی کسی بھی روپ میں اپنا وجود ضرور قائم رکھتی ہے، جس دن مسلمہ رحمی حقوق العباد جیسے بے مثل جذبوں کو فرسودگی کا قتل لگا کر چھوڑ دیا جائے گا، اس دقت دنیا کے تمام بد صورت و کمرہ چہرے بے نقاب ہو کر انسانی اقدار کو سلب کر لیں گے۔ تب حیوانیت اپنے عروج پر ہوگی اور رقص الطیلس میں برشے اور ہر اخلاقیات سے آزاد ہو کر انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہو جائے گا، پھر دنیا ہی نہ رہے گی۔" رات کے بڑے سکون ماحول میں لن کی دھیمی دھیری آوازیں ان کی سماعتوں میں رس چکا رہی تھی۔

چائے پی جا چکی تھی، حادثہ پیدائیاں سمیٹ کر یاہر لے گیا۔ چند منٹ بعد واپس آ کر وہ بابا سے کچھ کاٹھنیاں پر منو دیا، ہاتھ انداز میں گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

"آپ کو تحسن محسوس ہو رہی ہے پر خوردار! ہم چلتے ہیں، آپ آرام کریں۔" وہ ذوالنون کے چہرے پر موجود بیزاری بھانپ کر گویا ہوئے۔

"نہیں..... میں تحسن محسوس نہیں کر رہا، اگر آپ کی عبادت میں خلل واقع نہ ہو تو آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونا ہماری خوش قسمتی ہوگی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تجربہ کا دقت ہے اور آج عجیب بات یہ ہے کہ خند بھی نہیں آ رہی ہے۔ یہ دقت آپ کے ساتھ ہی گزاریں گا، اگر آپ کو آرام کرتا ہوں تو بالکل کبہہ دیتے گا۔ بے شک میرا غریب خانہ ان تمام آسائشات سے محروم ہے مگر یہاں دو سکون و راحت موجود ہے جو شمیری زندگی میں مفقود ہو چکی ہے۔ درحقیقت آسائشات کو حیات کا جزو بنالینا اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔ آج جو دنیا میں بے معنی و اضطراب کسی دبا کی طرح پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اس کا اصل سبب ان ہی آسائشات کا حصول ہے۔ خواہ جائز ہوں یا ناجائز۔ لوگ دین و آخرت کو بھلا کے آسائش کو حاصل کرنے کی تک دو دو میں زندگی کے حسن سے محروم ہو رہے ہیں۔"

"زندگی حسین کہاں ہے؟ مجھے زندگی کبھی حسین نہیں لگی بابا!"

اس کے اندر کی شکستگی ایک لمحے کے لیے اس کی سرمئی آنکھوں اور بھاری لہجے میں نمایاں ہو کر غائب ہو گئی۔

"زندگی بہت پیاری ہے، بہت خوب صورت ہے۔ اس کی خوب صورتی دیکھنے کے لیے یہ ظاہر و آنکھیں نہیں، دل کی آنکھیں کھولنی پڑتی ہے۔ اس رب کی کائنات کے حسن کو دیکھنے کے لیے من کو ہر آسودگی سے پاک کرنا پڑتا ہے۔ قلب نکمرا ہوگا تو ہر شے اپنے اصل حسن کے ساتھ دکھائی دے گی۔ نفس جب ظہارت و پاکیزگی کے نور سے جگمگائے گا تو اللہ کی اس دنیا کے ہر ذرے سے رنگ و روشنی چمکتی نظر آئے گی۔"



خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملنے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملنے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجاتے ہیں لیکن
پھمڑیں تو دعاؤں سے بھی ملنے نہیں کچھ لوگ

”آپ! ایک بات پوچھوں؟“ اپنی سوچوں میں ابھی خستہی نے یوں ہی بیٹھے بیٹھے سر ہلادیا۔

”آج جو آپ نے کوئین بھائی کے ساتھ کیا، وہ کیا تھا؟“ وہ اس کے قریب بیٹھے ہوئے گویا ہوئی۔

”وہاٹ؟..... کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اس نے چونک کر بہن کی طرف دیکھا۔ شفاف رنگت، جاذب نظر نقوش و دل کش خدو خال والی اربیتہ قد میں اس کے برابر ہو چکی تھی اور جس انداز سے وہ اس کے قریب بیٹھی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ عقل و شعور، دانش و فہم کی حدود میں بھی داخل ہو چکی ہے۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

”آپ کا رویہ ان کے ساتھ نارمل نہ تھا۔ وہ آپ کی وجہ سے شاید کل رات سو بھی نہ سکے تھے۔ ان کی سرخ آنکھیں اور چہرے کی تحسک بتا رہی تھی کہ وہ بے حد پریشان رہے ہیں۔ رات سے صبح تک انہوں نے کئی کالز کی تحسین پھر وہ آپ کے بیدار ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ آپ منیجمنٹ سز کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ میرے انفارم کرنے پر وہ آئے تھے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے صبح کہا تھا وہ سب انہوں نے سن لیا تھا۔ شاید وہ میرے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔ انہیں اُمید بھی نہ ہوئی کہ آپ ان سے ملنے سے انکار کر دیں گی، وہ بھی اس انداز میں۔“

تاسف و پریشان کن انداز میں گفتگو کرتی یہ وہ اربیتہ تھی جو اپنے لالہ بالی انداز میں خستہی سے لڑتی، جھگڑتی و کھاتی دیتی تھی، اس کی چھیڑ چھاڑ پر گھنٹوں چہرہ چمپائے روتی رہتی تھی۔

اس کے سامنے بیٹھی یہ اربیتہ بہت باشعور، سمجھ دار اور معاملہ فہم تھی۔

”آپ ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے؟“ خستہی کو مسلسل اپنی جانب نظریں مرکوز کیے دیکھ کر وہ گھبرا کر بولی۔

”نہیں۔“

”پھر؟“

”میں سوچ رہی ہوں تم اتنی بڑی ہو گئی اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوا کہ میری بہن میرے قہر جتنی ہو گئی ہے۔“ اس کے لبوں پر تبسم تھا۔

”دراصل آپ! آپ نے ہمیشہ سے ہی میرے اور اپنے درمیان فاصلہ رکھا ہے، وہ نہ ہمارے درمیان عمر کا فرق کوئی زیادہ نہیں

ہے، آپ مجھ سے صرف دو سال بڑی ہیں، یہ کوئی فرق نہیں۔ میں نے بہنوں میں ذہنی عمر کے فرق کے باوجود فریڈ شپ دیکھی ہے۔ آپ!

اگر بھائی بہنوں کے محافظ کہلائے جاتے ہیں تو بہنیں بہنوں کا عکس ہوتی ہیں، روح ہوتی ہیں۔“

"اودھائی گڈنس..... ار یہ اتم واقعی بڑی ہوگئی ہو۔ نہ صرف بڑی ہوگئی ہو بلکہ بڑی بڑی باتیں بھی کرنے لگی ہو۔" خضرئی نے فرط مسرت سے اسے گلے لگایا۔ "آئی ایم سوری، میں نے آج تمہارے ساتھ بہت بُرا کیا۔"

"اِس اوکے۔ میں ہرٹ نہیں ہوئی مگر کوئین بھائی کو بے حد ہرٹ کیا ہے آپ نے۔ آپ کو ان سے سوری کرنا چاہیے۔" اس نے علیحدہ ہو کر کہا۔

"میں نے ان سے ملنا ضروری نہیں سمجھا، اس لیے میں نے کہہ دیا۔"

"آپ کیوں ملنا نہیں چاہتی ہیں ان سے؟ کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"تم کیوں اتنا فورس کر رہی ہو؟" اس کا انداز گھٹنہ تھا۔

"اس لیے کہ..... آپ دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، وہ میں ایک عرصے سے محسوس کر رہی ہوں مگر اب لگتا ہے کہ سب کو معلوم ہو جائے گا۔"

"ار..... یہاں ہمارے درمیان کیا ہے؟ کیا سب کو معلوم ہو جائے گا؟" اودھ استغہامی نظروں سے بہن کی جانب دیکھ رہی تھی اور اس کی نگاہوں میں اسے اپنے دل کی تحریر نظر آ رہی تھی۔ وہ تمام داستان رقم تھی جو اس نے ہر ایک سے چھپائی تھی۔ وہ دم بخود رہ گئی۔

"آئی! میں نے بتایا تھا، ابھی آپ کو، ہمیں ایک دوسرے کا کس ہوتی ہیں، اروح ہوتی ہیں، پھر بھلا رحوں سے کوئی بات چھپتی ہے؟ میں سب جانتی ہوں، آپ کی خاموش محبت کو مثال، چچی کی وجہ سے زبان نہ مل سکی مگر کوئین بھائی جیسے کمرے اور سچے بندے ان سے نکلا سکتے تھے، اگر آپ ان کو ذرا بھی اشارہ کر دیتیں تو وہ کیا کچھ نہ کر دیتے۔" انکشافات کی بند گھڑی ار یہ کھول کر بیٹھی تو وہ حیران رہ گئی۔

"ہلیز ار یہ آج کے بعد میں کبھی تمہارے منہ سے یہ نہ کر نہ سنوں، کیا تم نے مجھے اس قدر خود غرض و خود پسند سمجھا ہے کہ میں اپنی خوشیوں کی خاطر مثال آنٹی کی امیدوں کا محور چھین لوں؟"

"مثال آنٹی جیسی خود غرض و خود پسند عورت کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ وہ کب کسی کی خوشیوں اور امیدوں کا خیال رکھتی ہیں؟ وہ بڑی کینہ پرور اور حامد مزاج عورت ہیں بلکہ..... وہ عورت کے روپ میں ایک زہریلی ناگن ہیں۔ ان میں اتنا زہر ہے کہ ان کے زہر سے ان کا گھر بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ اپنی زندگی میں تو ان کا زہر پھیلا ہی تھا، اپنے اس بیٹے کو بھی وہ معاف نہ کر سکیں جو انہیں سب سے زیادہ چاہتا ہے۔" ار یہ کے لہجے میں مثال کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

"ار یہ! ایسا مت کہو، مجھے ان پر بے حد ترس آتا ہے۔ حزرہ اکل انہیں چھوڑ کر چلے گئے، شاید ہر کسی ملک میں جا کر انہوں نے کسی میم سے شادی کر لی۔ انہوں نے پلٹ کر ان کی خبر نہ لی، اسی وجہ سے وہ ایسی ہو گئی ہیں۔" خضرئی نے رسائی سے سمجھایا۔

"حزرہ اکل بہت ناکس تھے۔ ان کے جانے کی وجہ اتنی ہی ہوں گی۔"

☆.....☆.....☆

بابا صاحب کو ان کے ساتھ بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ مو انکس جاٹا پڑ گیا۔ گاؤں کے کسی شخص کی اچانک طبیعت خراب ہونے کے بعد دم کروانے کے لیے کوئی انہیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ ان سے محضت کرتے اور آرام کی تلقین کرتے ہوئے حادثہ کو ساتھ لے کر چلے گئے تھے۔

”وہاں جا کر آرام کر لو، گیت بند کر لینا۔“ ان کے جانے کے بعد وہ حورین سے مخاطب ہوا جو ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی۔
”میں یہیں ایڑی بیل کر رہی ہوں۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”جیسے آپ کی مرضی.....“ وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولا اور خود وہیں اس سے خاصے فاصلے پر چہرے پر بازور کھ کر لیٹ گیا۔
ان کے درمیان خاموشی جال بکے لگی تھی۔

نہ معلوم کتنی دیر گزری تھی۔ وہ گزرتے وقت کے کسی لمحے کی گرفت میں بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی اور نہ معلوم کتنی دیر تک بخواب رہی۔
نیند کی کیفیت میں اسے غسوس ہوا جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو، آواز میں دے رہا ہو۔ پہلے بہت دور دور سے، پھر رفتہ رفتہ آوازیں قریب آ گئیں۔ ابھی وہ کچھ نہیں پاری تھی کہ وہ خواب ہے یا حقیقت، اپنے شانے پر بھاری ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ بڑا کراٹھ گئی۔
وہ اس کے قریب گھٹنوں کے مل جیٹھا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے اس کے شانے پر رکھا ہاتھ ہٹاتے ہوئے طاعت سے کہا۔

”اس طرح سوؤ گی تو تھک جاؤ گی۔ میں باہر جا رہا ہوں، دایزی ہو کر سو جاؤ۔ اوکے.....“ وہ اسے دیکھتا ہوا اٹھ گیا، جبکہ وہ اسی طرح نیند بھری آنکھوں سے اسے دور جاتے ہوئے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ بند ہونے والے دروازے کی آواز اسے ہوش و حواس میں لے آئی۔ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اپنے منتشر ذہن کو یکجا کر لیا۔
کل سے اب تک کتنے نئے والو کھے روپ دیکھے تھے اس نے اس شخص کے ہر روپ پہلے سے بہت مختلف ہوتا تھا۔
مغرور، مہمنڈی، خود پرست، خود پسند، کسی کو خاطر میں نہ لانے والا اور خصوصاً صنفِ مخالف کو کوئی اہمیت نہ دینے والا، سر پھرا، بد دماغ۔ اس کی اسی بد دماغی کے باعث اوّل روز سے اس کی اس شخص سے ٹھنی رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو تپا دکھانے اور بے عزت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

اب جب وقت نے اسے اس کے رحم و کرم پر ڈالا تو وہ اسے نجات دہندہ نظر آنے لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ تھا، قریب تھا۔ دور سے اس مڑیل مزاج بندے میں جتنی برائیاں نظر آتی تھیں، اب ان گزرے گمناموں میں ساتھ رہنے سے معلوم ہوا تھا کہ باہر سے چٹان کی طرح سخت اور لوہے کی مانند بے لچک دکھائی دینے والا یہ شخص اپنے ظاہر پن سے بالکل ہی متضاد ہے۔ نرم مزاج، از حد خیال رکھنے والا، پرواہ کرنے والا اور بے حد با کردار و ہمت، ایسے اوصاف ہی تو ایک مرد کو شان و آبرو بناتے ہیں۔ مردوں کے چہرے نہیں، کردار خوب صورت ہونے چاہئیں۔

خوب صورت چہرے وقت کے ساتھ ساتھ بگڑ بھی جاتے ہیں۔

خوب صورت کردار ہمیشہ خوب صورت رہتے ہیں۔

چہرے کی بد صورتی قابل قبول ہوتی ہے۔

کردار کی بد صورتی کبھی قبول نہیں کی جاتی ہے۔

باہر سے مضبوط و توانا نظر آنے والا یہ شخص اندر سے بھی اتنا ہی مضبوط و پاک ہوتا تھا۔ اس کے اندر عجیب سی کھلبلی بھی ہوئی تھی۔ وہ شائے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ یہ سوچیں اذخووی اس کی جانب بڑھنے لگیں۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں شائے پر آکر ٹھہر گیا جہاں کچھ دیر قبل ڈوالٹون کا ہاتھ تھا۔

”نامعلوم اس کی یہ دانستہ حرکت تھی یا غیر دانستہ؟“ وہ خود سے ہم کلام تھی۔

”اتنا کچھ ہونے پر بھی تمہارے دل سے اس بھیلے آدمی کے لیے کدورت نہیں جائے گی۔ سوچو اگر ایسے وقت میں جب کوئی تمہارا پرسان حال نہیں تھا، اس نے پورے ظلم سے تمہاری مدد کی، اگر اس کے دل میں کوئی ایسا ویسا خیال ہوتا یا وہ موقع سے فائدہ اٹھانے والا بندہ ہوتا تو بہت سارے مواقع تھے اس کے پاس، اگر وہ تمہارا گلا دبا کر کہیں پھینک بھی دیتا تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا۔ کیوں دوسروں کو دل میں جگہ دیتی ہو؟ اس شخص نے تمہارے ساتھ نیکی کی کہ تم بیٹھے بیٹھے سو رہی تھیں، تمہاری تکلیف کے خیال سے اٹھ کر خود باہر چلا گیا تاکہ تم آرام سے لیٹ جاؤ۔ تم اس کے شائے پر ہاتھ رکھتے پر اس کی نیت پر شک کر رہی ہو۔ وہ بھی تمہیں آوازیں دینے کے بعد بیدار کرنے کے لیے رکھا۔ شک ہے تمہاری سوچ پر۔“

اس کے ضمیر نے اچھی طرح اس کی خبر لی اور وہ اپنی سوچ پر خود ہی شرمسار ہو گئی، پھر کافی دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی نیند نہیں آئی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ وہ چہرے پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ آہٹ پر پلٹ کر دیکھا اور اسے دیکھ کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہوا؟ تم لٹیک ہو؟“ وہ ایک جھست میں اس کے قریب آیا۔

”کچھ نہیں..... میں ٹھیک ہوں۔“

”پھر اٹھ کر کیوں آگئیں؟“ وہ اس کے مقابل کھڑا تھا۔

”میں نے سوچا کہ.....“

”میں چھوڑ کر تو نہیں چلا گیا۔“ سینے پر ہاتھ ہاندھے گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

”نہیں..... ایسا تو نہیں سوچا میں نے۔“ چہرے پر آتی بالوں کی لٹ کوکان کے پیچھے کرتی وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

”کیوں؟“ بار بار کان کے پیچھے سے آجانے والی لٹ پر اس کی نظریں دلچسپی سے مرکوز تھیں۔ حورین اس کی نظروں کی تپش

محسوس کر رہی تھی۔ وہ کنڈیوژن کا شکار تھی۔ جھکی لٹا ہوا اٹھ نہیں رہی تھیں۔

”میں نے پوچھا، کیوں ایسا نہیں سوچا؟ میں ایسا کوئی قابل اعتبار و قابل بھروسہ شخص نہیں ہوں۔ یونہی اسٹھنی آپ کے لیے۔“ اس کے انداز میں ہلکا سا طعنت آیا تھا۔

”آئی ایم سوری، میں غلط تھی۔“ اس نے فراخ دلی سے معافی مانگی۔

”میری کبھی خواہش نہیں رہی کہ آپ مجھے سوری کہیں، نہ ہی میں امید کرتا ہوں۔ ہر ایک کی اپنی نیچر ہوتی ہے۔ نیچر کے مطابق ہی مومنٹ بھی ہوتی ہے، جس سے ہم ہٹ نہیں سکتے۔“

اس کا انداز اس بار ہر طرفہ تحقیر سے پاک تھا۔ وہ سرخ اینٹوں سے بنے اس وسیع و بلند چوترے کی سائیل میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کی تھکیے ہوئے عین نے بھی کی۔

ماحول میں ابھیلا سا سکوت تھا۔ ہوائیں کثیف اور پھولوں کی خوشبوؤں سے بوجھل تھیں۔ آسمان چاند اور ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔

آکاش سے دکنی روشنیوں میں وہاں پھیلی تاریکی الٹو کھانسی سے بھری تھی۔ روشنی دھار کی کاہیہ ملاپ اس کے لیے نیا تھا۔

”آپ کی باتیں کچھ کچھ بلی بلی جان جیسی لگتی ہیں۔“

”بلی بلی جان..... شئی از ویری ناکس، وہ بہت گریٹ ہیں۔“ ذوالنون کے لہجے میں بھرپور سٹاکش تھی۔

”آف کورس، جب میں کراچی آئی تھی اور ان سے ملاقات ہوئی تو مجھے ان سے بے حد خوف محسوس ہوا تھا، میں نے سوچا جس ان کے ساتھ نہیں رہ پاؤں گی۔“

”میں نے تو ان میں ایسا کچھ محسوس نہیں کیا۔“ باہر آ کر اس کا ذہن نہ مظلوم کن انجمنوں میں گرفتار ہونے لگا تھا جس سے وہ اندر عجیب سی بے چینی و اضطراب محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کیفیت سے نکلنے کے لیے وہ کتنی دیر تک کمرے میں چہرے پر ہاتھ رکھے لیٹا رہا اور خاصی جدوجہد کے بعد بھی جب وہ اپنی مضطرب کیفیت پر قابو نہ پاسکا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بے اختیار نظر اس کی طرف انھیں جو فوراً ہٹ نہ سکیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے سوری تھی۔

میرون کمرے کے اسرارِ بھرانیڈری سوٹ میں اس کا علکوتی حسن نمایاں تھا۔ میرون جھلجھلاتا ہوا وہ پڑے سر سے ڈھلک کر شانوں پر ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک موٹی سی لٹ اس کے چہرے کو چھوتی ہوئی عجیب رحمانی عطا کر رہی تھی۔ بے داغ، شفاف چہرہ، گلابی رنگت، سیاہ و دراز عارضوں پر جھگی پلکیں، سیاہ و متناسب ابرو، ستواں ناک اور بھرے بھرے گلابی ہونٹ، وہ حسین نہیں، حسین ترین تھی۔ ایسا حسن جو پتھر کو بھی موم کی طرح پگھلا دے۔ وہ تو انسان تھا جو پتھر نہیں موم سے بھی زیادہ نرم ہوتا ہے۔

رات کے اس لمحے میں جہاں بلب کی زرد روشنی وحشت پھیلا رہی تھی، اس پر نگاہ پڑتے ہی اسے محسوس ہونے لگا، گویا اس کے خوابہ وجود سے سفید روشنیاں نکل رہی ہوں۔ بڑی کشش، بڑا سرد و تھان روشنیوں میں۔ اسے عجیب سا کیف خود پر چھایا محسوس ہونے لگا۔ اس کے اندر کی دنیا زبرد زبرد ہونے لگی۔

”ذوالنون حزدہ! یہ کیا؟ تم بھی ایک عام سے ہی مرد لگتے۔ خُسن کے آگے سرخڑ کر دینے والے عام سے بزدل مرد۔ کیا ہوا تمہارے جنس مخالف سے نفرت کے دعوے کا؟ قدم قدم پر ان کی تنقید کا؟ تم نے ان گنت لڑکیوں کے دل سہا کر دیے۔ ان صنفوں کو تم نے کبھی قابلِ اعتنا نہیں گردانا۔ آج..... ابھی تم نے جس سے شکست کھائی، جس کے خُسن کے تم اسیر ہوئے ہو، تمہارے جذبوں میں رنگ جس کی صورت نے بھرا ہے، یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ عرصے سے تمہارے مدِ متاعِ رسی ہے، حرمت نسوان کی جو علم بردار ہے۔ تم اس کے خُسن سے شکست کھا گئے ہو؟۔۔۔ خُسن ہی تو عشق کی ابتداء ہے اور عشق دانائوں کا شیوہ نہیں ہے۔“

اس کے اندر جیسے کوئی اس کی بدلتی کیفیت پر استہزائیہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اندر سے اٹھنے والی آوازوں نے اسے ہوش و خرد کی دنیا میں واپس کھینچا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، کئی لمحوں کے بعد اپنی کیفیت پر قابو پانے میں لگے پھر اس نے آنکھیں کھولیں تو خود پر قابو پا چکا تھا مگر اب اسے یہاں اپنا دم گھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگا۔ ساتھ ہی حورین کی بے آرامی کا خیال بھی آیا کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے، وہ مزید تھکن کا شکار ہو جائے گی اور اس کی موجودگی میں وہ لیٹ نہ سکے گی۔ اسی خیال سے اس نے کمرے سے باہر جانے کا پر دم کرام بنا کر اسے آوازیں دیں۔ حوٰتر آوازیں دینے کے بعد بھی وہ بیدار نہ ہوئی تو پورا آگے بڑھ کر اس کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر اسے جھنجھوڑا۔ نتیجتاً وہ گھبرا کر بیدار ہو گئی۔ اُسے آرام کی تفتین کرتا وہ یہاں سے چلا آیا۔ کھلی فضا اور تازہ ہوا میں اسے اپنے پندار پر اپنا ٹوٹا پھوچا خول چڑھانے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ خود بھی باہر چلی آئی مگر اتنی دیر میں وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ وقت گزارنے کے لیے اس سے گفتگو کر لے لگا۔

”آپ سے ایک ہی تو ملاقات ہوئی ہے، ویسے بھی، دو بظاہر جنسی سخت اور غصہ و نفرت آتی ہیں، درحقیقت وہ ایسی نہیں ہیں۔ سب کو بے حد چاہتی ہیں، خیال رکھتی ہیں مگر ظاہر نہیں کرتیں۔ میں سوچتی ہوں آج کل جو گھریلو مسائل ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے تدارک کے لیے بی بی جان جیسی، سستی ہر گھر میں موجود ہونی چاہیے۔ پوری نہیں تو آدھی برائیاں تو ختم ہو ہی جائیں گی۔“

وہ اس سے اس طرح گفتگو کر رہی تھی جیسے بے حد کلوز فرینڈ شپ ہو۔

”شاید بابا صاحب اور عمارت آرہے ہیں۔“ کانی دیر گپ شپ کرنے کے بعد دور سے نظر آتے اشخاص کو دیکھ کر وہ گویا ہوئی۔

”وہی ہیں۔“ ذوالنون نے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک کہتی ہیں۔ بقول بی بی جان کے، دنیا ابھی اچھے اور نیک لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔ یہ بابا صاحب بھی ان اچھے اور نیک لوگوں میں سے ہیں جو کسی کی تکلیف کی خاطر اپنا آرام بھی تھوکتے ہیں۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بابا نے آتے ہی وضو کر کے اذان دینے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ فجر کی اذان کا وقت ہونے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

کسی بخت کا مارا تھا ستارہ نہیں تھا وہ
جسے ٹوٹ کر ہر پہل چاہا ہمارا نہیں تھا وہ
قدم جب بھی بڑھا میرا صدائیں گونجتی رہیں
جوڑ کے میں نے دیکھا تو پکارا نہیں تھا وہ

کوئین نے سارا دن سڑکوں پر بے مقصد کا ردوڑاتے ہوئے وقت گزارا۔ کل رات سے اب تک وہ بے سکون رہا تھا۔ بھلا اس نے یہ کب چاہا تھا کہ وہ اس دشمن جان کو اس طرح دیکھے۔ خوابوں میں وہ اسے اپنے ساتھ دیکھتا آیا تھا۔ پارکوں، ساحلوں اور ہوٹل کے پُر سکون گوشوں میں کیئرڈل لائٹ ڈنڈ کرتے وہ ساتھ ہوتے تھے۔

اسے مہران کے ہمراہ دیکھ کر دل لمحے بھر کو توڑک سا گیا تھا۔ یوں محسوس ہوا تھا کہ یکبخت تمام رشتیاں تاریکیوں میں بدل گئی ہوں۔ جسم و جان میں سناٹے پھیلنے چلے گئے تھے مگر پھر بھی کیفیت حزن دوسری، موت و زیست کی خضرئی کی خم آنکھوں میں دیکھ کر اسے پھر زندگی سے رابطہ جوڑنا پڑا تھا۔ خود کو سمیٹنا اور خوش ظاہر کرنا پڑا مگر اس وقت دو مزید ٹوٹ گیا جب اسے محسوس ہوا، خضرئی خود کو سنبال نہیں سکی تھی۔ اس کی بگڑتی طبیعت نے اسے متوجش کر ڈالا تھا۔ دل کا تھکا ہوا تو بھئی تھا کہ اسے لے کر فوراً ہسپتال چلا جائے مگر عقل نے دانش مندی کا عصا پکڑ کر یا دکر دیا کہ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے۔ دل کی اس یاد آوری پر اسے کھونے کا احساس اس قدر ہوا کہ وہ پھر وہاں سے ہوا کی طرح غائب ہو گیا۔ مہران نے کیا کہا؟ خضرئی نے کس طرح رکی ایکٹ کیا، اسے کچھ یاد نہ تھا۔

یاد تھا تو صرف یہ کہ وہ اسے کھو بیٹھا ہے، جو اس کی زیست کا عنوان تھی، حسین تصورات جس کے وجود سے قائم تھے، لمحے بھر میں سب ملیا میٹ ہو چکا تھا۔ ہاتھوں میں صرف دفن ہونے والی خزاہشوں کی خاک تھی۔ ساری رات غیند سے وہ بے نیاز رہا تھا پھر جیسے ہی اریہ نے نوید دی کہ وہ ٹھیک ہے، خطرے سے باہر ہے اور جاگ چکی ہے، وہ اسی وقت کارنے لے کر نکل کھڑا ہوا۔ خضرئی اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ جان کر اس کے گھائل دل کو حریہ چوٹ پہنچی اور وہ اسی لمحے تیزی سے واپس پلٹ آیا۔ آرزوؤں کی تمام ٹوٹی کرچیاں، جذباتوں کے تمام نشتر اسے اپنی روح میں پیوست محسوس ہوئے۔ وہ تڑپ اٹھا۔ کس قدر رہل ہوتا ہے مٹتی امداد میں سوچنا۔

اس نے بھی تو یہی سوچا تھا کہ وہ اب اسے بھول جائے۔ اس سے ملاقات نہ ہو اور جب سوچ نے حقیقت کی جھلک دکھائی تو وہ بھی برداشت نہ کر پایا اور دھواں دھواں دل کے ہمراہ سڑکوں پر منگشت کر رہا تھا۔ سوچ عملی صبر بن اڑے کہ جب حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے تو اسی طرح تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ گھر میں داخل ہوا تو منال بیگم کو اپنا خنجر پایا۔

”آپ کہاں ہو بیٹا؟“ سرخ سا ڈھی میں تک رک سے تیار وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

"کیس نہیں ماما ایک دوست کی طرف تھا۔" وہ بڑی کوشش کے باوجود ہونٹوں پر دھیمی سی بھی مسکراہٹ نہ لاسکا۔

"او کے اب ٹائم ویسٹ کیسے بنا میرے ساتھ مسز کرمانی کے ہاں چلو، ان کے ہاں گیٹ ٹو میڈر ہے، اسٹوڈنٹی انہیوں نے تمہیں مدعو کیا ہے۔" وہ فوراً ہی مدعا بیان کرنے لگیں۔

"آئی ایم سوری ماما....."

"نو..... کوئی سوری، کوئی ایکسکوز نہیں مانوں گی۔" وہ اس کی بات قطع کر کے اپنے حکمیہ انداز میں بولیں۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں جب ہی تو آپ کو ساتھ لے کر جا رہی ہوں، پارٹی میں چلیں گے تو طبیعت بہتر ہو جائے گی۔" تنہائی تو خود کو ہمارا کر ڈالتی ہے وہیں لوگوں سے ملیں گے تو رینکس ہو جائیں گے۔"

"سما! پلیز، میرا کوئی پارٹی اینڈ کرنے کا موڈ نہیں ہے، نیکسٹ ٹائم چلوں گا، ابھی بالکل ہمت نہیں ہے۔"

سال بیگم نے تنقیدی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ براؤن شرٹ اور آف وائٹ پینٹ کوٹ میں اس کی وجیہ صورت پر تنکلیں چڑھ چکی تھیں اور بے سکونی کے گہرے تاثرات تھے۔ کبھی وہ انہیں مضبوط چٹان کی طرح محسوس ہوتا تھا، اب وہ کسی بھری مٹی کے تودے کی طرح کمزور اور ناتواں دکھائی دے رہا تھا۔

وہ سب جانتی تھیں، یہ سب ان کی رہنمائی اور بے رحم ضد اور انا کی وجہ سے ہوا ہے، اگر وہ خود کو عورت کے مقام سے نہیں، ایک ماں کے لحاظ سے دیکھتیں تو کبھی بھی اس چٹان کو کمزور نہیں کر سکتی تھیں مگر وہ سب کو جزو کے حوالے سے دیکھتی تھیں۔ اپنے ماضی کے حوالے سے دیکھتیں کہ جب انہیں محبت میں نہا کا ی دوکھ ملا تو پھر کوئی کس طرح ان کے ہونے جوئے کا مایاب ہوسکتا ہے۔ کوئی کس طرح خوشیاں منا سکتا ہے۔ اس میں خواہ ان کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

"او کے، ریٹ کریں، مگر میں آپ کو انکارم کر رہی ہوں کہ مسز کرمانی کی بیٹی ڈوٹی کو میں اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں، آج یہ میٹرنائل کر کے آؤں گی۔"

"ایسا کس طرح کر سکتی ہیں آپ؟" وہ حیرتی سے گویا ہوا۔ "یہ لائف میری ہے ماما! اس کو کس طرح گزارنا ہے اور کس کے ساتھ گزارنا ہے، یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے۔"

"اوہ اب آپ کو بھی بولنا آ گیا ہے، کل تک آپ کے منہ میں زبان نہیں تھی، یہ اتنی لمبی زبان کہاں سے آگئی؟" وہ تیریاں چڑھا کر بھرپور طنز یہ لہجہ میں گویا ہوئی تھیں۔

"میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں ہے، منہ میں گستاخی کر رہا ہوں، میں صرف کہہ رہا ہوں مجھے شادی کبھی نہیں کرنی ہے۔"

وہ مودب انداز میں کہتا ہوا سیر حیاں چڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

نماز فجر اور اشراق کی نماز کے بعد بابا صاحب نے ان کے ہمراہ ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ذوالنون نے جانے کی اجازت مانگی۔

”اتنی جلدی بچو؟ ابھی کچھ دیر ٹھہریں۔ شہر کی زندگی تو آپ دیکھتے ہی ہیں، چند دن رو کر یہاں کی زندگی بھی دیکھئے۔“ انہوں نے دیکھے امام از میں مسکراتے ہوئے کہا جس کی تائید ساتھ بیٹھے حادث نے بھی کی۔

”شکریہ بابا! آپ کی محنتوں کی وجہ سے میں دوبارہ یہاں کا رخ ضرور کروں گا، انشاء اللہ۔ مگر ابھی اجازت چاہوں گا۔ بہت ضروری کام ہیں جو شہر میں نہ کئے ہوئے ہیں۔“ وہ سنجیدگی سے ان سے مخاطب تھا۔

”جب بھی آپ آئیں گے، اگر زندگی نے دعا نہ دیا تو مجھے منتظر پائیں گے، ویسے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ایک بار ملنے کے بعد بار بار ملنے کو دل چاہتا ہے، ان لوگوں میں آپ بھی شامل ہیں۔“

انہیں رخصت کرنے کے لیے وہ کار تک آئے۔ حورین ان سے دعائیں لینے کے بعد کار میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ ذوالنون کے شانے پر ہاتھ رکھے دوبارہ آنے کی دعوت دے رہے تھے، پھر وہ ان سے اور حادث سے مصافحہ کرنے کے بعد کار میں آ بیٹھا۔

ان کی کار ٹی راو پر گارجن ہوئی تو نیم سحر کی خوشخبر روشنی پر سنہری دھوپ پھیل چکی تھی۔ کھیت کھلیان، ادھی بھئی پکڑندی، کنویں سے پانی بھرتی عورتیں، کپکپے آٹکوں کے گوشوں سے لکھتا سرخی و حواں، یہ مناظر اس کے لیے نئے اور خوب صورت تھے۔ وہ گھڑی سے باہر بڑے شوق و ذوق سے دیکھنے میں مگن تھی۔

”فطرت سے ہم آہنگ رہنے والا انسان آج بھی سکون و راحت کی زندگی گزار رہا ہے۔ ان لوگوں کو ذہنی سکون کے لیے گولیوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کی نیند بڑی گہری و خوب صورت ہوتی ہے۔“ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے لب کشائی کی۔ ”وقت سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہم ان نعمتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ وقت کے ساتھ چلنے والے لوگ قدرت سے سب حاصل کر رہے ہیں۔“

”یہ سب دیکھنے کی حد تک بہت خوب صورت ہے، اگر ہمیں عملی طور پر یہ سب کرنے کو ملے تو میں شاید کبھی نہ کر سکوں۔ یہ پانی سے جھرے گھڑے سر پر اٹھا کر چنایا دہنی کے چوبیسے پر کھانا پکانا، میں کبھی نہ کر سکوں گی۔“ اس نے باہر دیکھتے ہوئے جھرجھری لے کر کہا۔

”ضرورت ایسا کو جو جنم دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی.....“ اس نے دہرا کر اپنے اگلے چھاتی عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دنگ رہ گئی۔

”راستہ تو آپ نے اچھی طرح نوٹ کر لیا ہے؟“

”ہوں، میں بار بار جھکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

”بار بار سے کیا مراد؟“

”میرے خیال میں ایک بار تو ہر کوئی جھکتا ہے۔“

”بھگتا ضروری ہے کیا؟“

”بھگتا آدم کی سرشت میں شامل ہے، خواہ ایک باری ہو۔“

”یہاں سے کتنا سفر ہوگا؟“ وہ اس کی بات سمجھ نہ سکی۔

”بہت جلد ہم پہنچ جائیں گے۔“ اس نے گاڑی کو دائیں طرف ٹرن لیتے ہوئے کہا۔ وہ خوشی سے چپک کر گویا ہوئی۔

”ایسا لگ رہا ہے بہت عرصے بعد میں مئی دہپا سے طوں کی، انہیں دیکھوں گی۔ ویسے تو کئی ماہ سے میں ان سے دور تھی۔ مجھے کبھی

اس طرح غائب نہیں ہوا جس طرح ان دونوں میں ہوا ہے۔ دراصل چھڑنے کا درد تو وہی جان سکتا ہے جو کسی سے چھڑا ہو۔ کیا آپ سے کوئی چھڑا ہے کبھی؟ کسی کی جدائی محسوس کی ہے آپ نے؟“

”آہ..... یہ اس نے کیا سوال کہہ دیا؟ کیا سوال کر دیا؟ رتے ہوئے زخموں پر نمک مرگڑ ڈالا، لمبے بھر کو اس کا چہرہ خنجر ہو گیا۔

”چھڑنے کا کرب۔“

جدائی کی تڑپ۔

عمر دسیوں کا درد۔

بھلا مجھ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ اب تک کی زندگی انہی خاردار دروں میں لہو لہان ہوتے ہوئے گزار دی ہے۔ دونوں کی

جدائی جہیں بے گل کر گئی ہے، یہاں تو ایک عمر کے زخم ہیں یہ۔“

”اُدھ سوری امیں شاید زیادہ ہی بول گئی ہوں۔“ اس کی تیزی سے سرخ ہوتی رگت اور آنکھوں میں پھیلتے دھشت کے سائے

اسے سہاگے تو وہ دھیسے سے بولی۔

وہ بدستور خاموش رہا۔ ان کے درمیان بھی کوئی بات نہ ہوئی۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ شرمندہ ہو کر سوچنے لگی کہ

اس نے ایسا کیا پوچھ لیا جو وہ منہ پھلا کر اسے نظر انداز کرنے لگا۔

صبح رخصت ہو کر دوپہر ہو گئی۔ وہ جب اس نے کار ایک ٹیم کے بیڑے کے نیچے روکی۔ سامنے ہی جائے کا چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ اس کے

اشارے پر ایک لڑکا آیا اسے چائے کا کہہ کر وہ بھی باہر نکل گیا۔ یہاں سڑک کے دونوں اطراف آم کے درختوں کی بہتات تھی۔ ابھی ان

درختوں میں کیریاں لگی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ آم کا سیزن ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

ذوالنون چند لمبے ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد ہوٹل کی طرف بڑھ گیا جہاں سے اس کی واپسی چند لمحوں بعد ہی ہو گئی تھی۔ وہ

ہاتھوں میں منرل واٹر کی بوتل پکڑے چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے لڑکا چائے کا گم ٹرے میں رکھے آ رہا تھا۔

بوتل اس نے حورین کو پکڑائی۔

اسے چائے دے کر وہ قریب ہی ایک ہاتھ پر بیٹھ گیا۔

حورین نے چائے پیٹے ہوئے اس کی جانب دیکھا، وہ اسے کچھ پریشان سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی فراخ پیشانی پر شکنیں تھیں جو اس کی اندرونی پریشانی کی غماز تھیں۔ وہ چائے سپ کرتے ہوئے دور خلاؤں میں تک رہا تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سرنخی ابھی تک موجود تھی۔

چائے پی کر دہروانہ ہوئے۔ کچھ دور سی چلے ہوں گے کہ ریٹو سے پھاٹک آگیا جو بند تھا۔ کچھ دیر بعد ریٹو کو یہاں سے گزرنا تھا۔

ذوالنون کو کارروائی پڑی تھی۔

"مجھے کچھ کہنا ہے..... مگر سمجھ نہیں پا رہا ہوں کس طرح کہوں؟" سینٹ کی ہیک سے ٹیک لگا کر دہانچے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"ایسی کیا بات ہے؟" دہا استجوابیہ انداز میں کہہ اٹھی۔

"آپ کے پرنس سے گاؤں آنے کی پرمٹن کس نے لی تھی؟"

"سر آفتاب نے۔"

سر آفتاب کی بجائے میرے ساتھ آپ کو دیکھ کر ان کا کیا تاثر ہوگا؟ دو دن، دو راتیں جو آپ نے اس طرح گزاری ہیں کہ سر آفتاب کو معلوم ہی نہیں کہ ہم کہاں ہیں؟ زندہ دیا مردہ.....

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے، سر ہوش میں آچکے ہیں۔" دہا گھبرا کر کہنے لگی۔

"دو ڈیوینر زون سے باہر آئے ہیں مگر ان کی حالت کی وجہ سے انہیں ابھی غنودگی میں رکھا جا رہا ہے۔ اپنی دے، اس وقت تو جو میں کہہ رہا ہوں، وہ پراہم حل کرنے کی کوشش کریں۔"

"پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ جو ہوا، وہ ہٹاؤں گی۔"

"یہ سب ہمیں چھپانا ہے۔"

"کیوں؟ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟"

"بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمارا معاشرہ۔ یہاں دو گھنٹے لڑکی کہیں غائب ہو جائے تو قابل قبول نہیں ہوتی، پھر آپ تو....."

کہتے کہتے دہا استہ زک گیا۔

"میں سمجھا نہیں، آپ بھی ہیں میرے ساتھ اور دو دن ہم نے اچھے لوگوں میں گزارے ہیں، خراب لوگوں میں نہیں۔"

"جی..... میں بھی ہوں آپ کے ساتھ۔" اس کی کم عقلی پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مگر مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، یہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ یہاں سوخون کر کے بھی مرد سرخوردہ بنتا ہے، انڈراستینڈ؟"

"آپ بے لگ رہیے۔ میری پرنس اور جہاں میں رہتی ہوں، وہاں کے لوگ بہت اداہن مائنڈ ہیں وہاں عورت اور مرد کی برتری و کمتری کا کوئی چکر نہیں ہے، پھر میرے چچا اور ماما مکمل اعتماد کرتے ہیں مجھ پر۔ وہ کبھی بھی مجھے غلط نہیں سمجھ سکتے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اس کے لہجے میں ماں باپ کی محبت کا بھرپور اعتماد بول رہا تھا۔

”ابھی مقفی بھی تو نہیں ہوئی ہے۔“

”ضروری تھوڑی ہے کہ پہلے مقفی ہو پھر شادی۔ ڈائریکٹ شادی بھی ہو جاتی ہے، اکثر خاندانوں میں۔“
”یعنی چٹ مقفی ہٹ بیا نہیں، بلکہ غافٹ بیا۔“ دونوں ہنس پڑیں۔

”تم کھانا گلواد میں ہال باندھ کر آ رہی ہوں۔“

نشر کھانا گلواد نے چلی گئی۔ وہ ہال باندھ کر انہی ہی تھی کہ موٹل اور دیا کرے میں داخل ہوئیں۔ وہ بھی نشر کی طرح دالہا نہ انداز میں اس سے ملیں۔

”کیسا رہا تمہارا وزٹ؟ حیدر کی بہن کی شادی انجوائے کی؟ گاؤں کی خوب سیر کی؟“ دونوں نے یکے بعد دیگرے سوالات شروع کر دیے۔

”ریلیکس..... ریلیکس یا راسب ہٹاؤں گی، پہلے کھانا تو کھانے دو۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ اس نے مضحکہ اکر کہا۔
”کیوں وہاں کھانا کھانے کو نہیں ملا جو آتے ہی کھانے کی رٹ لگا دی ہے؟ یہاں ہمارا انتظار کے مارے نہ حال ہے، لکھ لکھ کر گزار رہے تھے کہ تم آؤ گی تو ایک ایک تفصیل پوچھیں گے۔“ دونوں کچھ زیادہ ہی اکیسا پختہ ہو رہی تھیں۔
”تمہارے جانے کے بعد ہم لوگ اتنا پچھتائے کہ کیوں منع کیا، ساتھ جاتے تو کیا مزہ آتا۔“ زویا کے انداز میں کچھ تادا تھا۔
”کھانے کے بعد ہی میں تمہیں سب بتاؤں گی، اس سے قبل نہیں۔“
”اد کے چلو پہلے ٹھوٹو۔“

”وہ ان کے ساتھ ڈائننگ روم کی جانب بڑھتے ہوئے دل ہی دل میں ایسی کہانی تراش رہی تھی جو جھوٹ ہوتے ہوئے بھی جھوٹ نہ لگے۔ اس شخص نے احتیاطی تدابیر کے طور پر جو کچھ بھی سمجھایا تھا وہ اب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہے لگا تھا۔“

☆.....☆.....☆

”اب آپ بتائیں گی امین کیا جواب دوں مہران علوی کے پیر خٹن کو؟ پہلے عبدالحمید صاحب کی میننگ لائیک ٹائم لے رہی تھی۔ اب ہنزہ اور معیز کو اسپتال سٹریٹین کرنے کی سوچھی ہے تو وہ اب امریکہ جانے کی تیاری کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ان ہاپ میڈ کو کوئی فکر نہیں ہے کہ کیا کرتا ہے، یہاں ہر دوسرے روز مہران کی ماما کالی کرتی ہیں کہ کب آؤں، مقفی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے؟“ صنوبر بیگم ماس کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

”صاف کہہ دو ابھی ہمارے گھر میں کچھ مسئلہ چل رہے ہیں، انہیں جلدی کا کوئی ٹائم فریم نہیں دے سکتے۔ ہاں اگر وہ اپنے بیٹے کی مقفی کرنے کو اتنی ہی بے قرار ہیں تو وہ کہیں اور جا سکتی ہیں۔“

”مہی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ اتنے عرصے ان کو انتظار میں رکھ کر اب یہ کہہ دینا کہ وہ کوئی اور لڑکی دیکھ لیں، مناسب ہوگا؟“

ساس کی بات پر ہکا بکا سی مخاطب ہوئی تھیں۔

”پھر بتاؤ کیا کریں؟“ ان کا انداز نرم تھا۔

”آپ ان لوگوں کو فورس کریں، سمجھائیں کہ بیٹیوں کے رشتوں میں بڑی نزاکت اور سوہو بوجھ سے کام لیا جاتا ہے۔ اچھے اور مناسب رشتے اتنی آسانی سے نہیں ملتے۔ اس پر پوڈل کو گوانا میرے لیے تو سب سے بڑی حماقت ہوگی۔“

”مہراں کی ماں مجھے بہت جلد باز اور کچھ تک چڑی سی لگتی ہے۔ ایسی عورتیں ساس بن کر بڑے علم و حقائق ہیں، میرا تو اب دل نہیں بٹک رہا۔“

”بہت نامناسب بات ہوگی اگر ہم نے انہیں منع کر دیا تو۔“

ساس کا اعزاز دیکھ کر اب ان کا دل بھی ڈالواں ڈول ہونے لگا تھا مگر وہ مردّت و اخلاق، لیاظ کا پیکر تھیں، اس لیے فوری فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔

”ارے وہ کیا کہیں گی، مگر یہاں رشتہ کرنا ہوگا تو وہ ضرور مانیں گی۔“

”ٹھیک ہے، اگر اب کال آئی تو بھئی کہوں گی اور سچ بات تو یہ ہے مئی! جب سے یہ پر پوڈل قبول کیا ہے، تب سے خستہ کی طرف سے بہت پریشان رہتی ہوں، وہ دن بدن بدلتی جا رہی ہے۔ ہزار دفعہ پوچھ چکی ہوں اگر وہ خوش نہیں ہے تو بتائے مگر ہر بار وہ بھئی کہہ دیتی ہے کہ وہ خوش ہے۔ اسے ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہ معلوم یہ کیسی خوش ہے جو تک کی طرح گھلتی جا رہی ہے وہ۔“

☆.....☆.....☆

خلاف معمول منزل بہت خوش خوش، چپکٹی ہوئی پرس جھلائی اندر داخل ہوئی تھیں۔ فائنڈ جوا بھی ایوننگ میں کرنے والی ہوئی پہلی ایکس سائز سے فارغ ہو کر بیٹھی، مونس پی رہی تھیں، طویل عرصے بعد بیٹی کو اس طرح خوش و خرم، انگیلیاں کرتے دیکھ کر گلاس بھیل پر رکھ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ اسے میں قریب آکر وہ ان سے لپٹ گئی، بھر پوری مسرت سے ان کے دودوں کا چوم کر کھڑی رہ بیٹھ گئی۔

”وہاٹ سر پرائز؟“ وہ حیرت آمیز خوشی سے گویا ہوئیں۔

”گیس اٹ ماما“ انہوں نے نکل کھلتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

”اس کے متعلق اظہارِ مشن ملی ہے۔“ وہ بھی ایک کاٹیاں تھیں۔

”ڈش رایت، ہٹ آپ نے کس طرح گیس کیا؟“

”آپ کی مدد ہوں ڈائری؟“ وہ تفاخر سے گویا ہوئیں۔

”اوہ لیس، آئی ایم پرائوڈ آف یو ماما!“

”کیا معلوم ہوا؟ اور کس نے یہ اظہارِ مشن دی ہے؟“

”اس دن میں نے شفر کو ڈائنا تھا، جاب سے نکال دیا تھا، بس وہی جاب دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایسی شان و آرا تھا۔ میں لایا کہ میں نے اسے جاب دینے کے ساتھ سیلری بھی ڈبل کر دی ہے۔“

ان کی آنکھوں میں بڑی بہت ناک چمک تھی اور مسکراہٹ میں سفاک پن ان کے ہر سرے کے ہر عضو سے جھلک رہا تھا۔
 ”کیا..... کیا.....؟ مگر یہ بات بہت غلط ہوئی کہ تم نے ایک ادنیٰ ملازم کو اپنے راز میں شامل کر لیا۔ ان چھوٹے لوگوں کے ہاتھ میں جب بڑے لوگوں کی کمزوریاں آجاتی ہیں تو یہ لوگ اپنی اوقات سے بڑھ کر منہ پھارتے رہتے ہیں، ہمیشہ بلیک میل کرتے ہیں۔“
 بیٹی کی اس حرکت سے وہ سخت تالاں ہوئی تھیں۔ ان کا راز ایک ملازم کو معلوم ہو گیا تھا، ان کی جلد بازی اور غفلت کے باعث۔
 ”نووے ماما! وہ خواب میں بھی مجھے بلیک میل کرنے کا سوچ نہیں سکتا، ایسے کتوں کی دم میں ہمیشہ پیرتے رکھتی ہوں۔“
 ”اوکے، ماما! بیس پڑ۔“ وہ مسکرا کر گویا ہونیں۔

”جھٹکنس ماما!“

”کیا انفارمیشن ملیس؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔“

”سب سے زیادہ اہم خبر یہ ہے کہ ان کی انکوائری اولاد ایک لڑکی ہے، بس یہی انفارمیشن تو مجھے چاہیے تھی۔“
 ان کی آنکھوں کی بہت ان کے چہرے پر چھانے لگی تھی اور ان کا حسین ترین چہرہ کسی خوں آشام چیل جیسا بن گیا تھا۔
 ”بیٹی ہے..... مگر تم کو کرنا کیا ہے اس کی بیٹی کا؟“ اس کی باتیں لائقہ ٹیکم کو ذرا بھی سمجھ نہ آ رہی تھیں۔
 ”تیس کریں ماما اور عقل کے گھوڑے دوڑائیں کہ میں کیا کروں گی ان ذلیل لوگوں کی بیٹی کا؟“ ان کے مسکراتے انداز میں زہری زہر تھا۔

”اوہ..... کہیں تمہارا ارادہ ان کی انکوائری بیٹی کو بہو بنانے کا تو نہیں ہے؟ وہی پرانی اسٹوری کہ بہو پر ظلم و ستم ڈھا کر اپنا بدلہ لینے کا تو ارادہ نہیں؟“ وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔ ”مگر مجھے یہ ارادہ پسند نہیں۔ خود سوچو، کرن اور انس کی بیٹی کوئی عام لڑکی نہ ہوگی اور سب سے بڑھ کر حسین کتنی ہوگی۔ ہر اسل اس جہان میں عورت کا حسن اتنی بڑی طاقت ہے کہ بڑے بڑے ریسلرز چپت ہو جاتے ہیں، دھکست کھا جاتے ہیں، پھر کوئین، ایک تو وہ فطر کا صلہ جو، مٹا ہمت پسند ہے۔ انکساری دے بے نفسی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ دم یہ کہ خطرہ ہی کو نہ پانے کے غم نے اس کی رہی سہی کا پلٹے دی ہے۔ اب وہ تمہارے کسی منصوبے میں ساتھ نہ دے گا۔“

ماں کی گفتگو سن کر اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

”ارے ایسے کیا مسکرا رہی ہو؟ میں نے غلط کہا ہے کیا؟“

”لیس ماما!“ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر وہ زور سے ہنس پڑی۔

”اس بار جو میں نے سوچا ہے وہ آپ کے کیا کسی کے ذہن میں نہیں آ سکتا، پھر میرے پلان کا میں کر دار کو نہیں سمجھ سکتا۔“

”کیا مطلب؟ پھر کون ہوگا؟“

”پرنس“۔ وہ معنی خیزی سے گویا ہوئی۔

”پرنس؟ دو کس طرح؟“ وہ حیرانگی اور حیرانگی کا شکار ہوئیں۔

”یہی تو ہم ہے ماما جس کو صرف میں کھیل سکتی ہوں۔“

”مجھے سمجھاؤ تو سہی۔“ ان کا اندازہ اشتیاق تھا۔

”سمجھاؤں گی، ضرور سمجھاؤں گی، مگر ابھی نہیں، وقت آنے پر۔“ وہ اطمینان سے اٹھتی ہوئی بولی۔

”کب آئے گا وقت؟“

”بہت جلد..... بہت ہی جلد۔“

”اتنا وقت میں کس طرح گزاروں گی؟ مجھ سے سسٹنس بہنم نہیں ہوتا۔“

”عادت ڈالیں۔ ابھی تو شروعات بھی نہیں ہوئیں اور آپ ابھی سے سراپکار رہی ہیں، پرنس آئے ہیں یا نہیں؟“

”کال آئی تھی، ابھی کچھ دیر بعد آئیں گے، کراچی آچکے ہیں۔“

”ڈنر میں تمام ڈشز ان کی فوریّت بخواتی ہیں؟“

”بالکل، اس نے بھی یہی کہا تھا کہ دو ڈنر ہمارے ساتھ کرے گا۔“ فائقہ بھی ان کے ساتھ اندر کی جانب بڑھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”ماما! اب تو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے۔ میرے انتقام کی بھڑکشی ہوئی آگ کو اس نے ہی خنڈا کرنا ہے۔ سالوں سے

رستے زخموں پر وہی مرہم رکھتے گا۔ وہ یہ سب کرے گا، وہ کر سکتا ہے۔ وہ آگ سے بھا ہوا ہے۔ اس کے جسم میں شرارے دوڑتے ہیں۔ وہ

بے حد جذباتی ہے۔ ایسے لوگوں میں ان کے دماغ نہیں، جذبات حکومت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سب کچھ کر سکتے ہیں اور کرنے کے بعد

انہیں بچھتا دیا بھی نہیں ہوتا کیا کیا جائے۔“ اس کے انداز سے وجہت گونج رہی تھی۔

”میں آپ کے ڈیڈی کو فون کر کے بتاؤں کہ انسن اور کرن مل چکے ہیں۔ وہ خود معاملہ کلیئر کرویں گے۔ میرے خیال میں ہمیں

اس معاملے میں ہر کسی کو ملوث نہیں کرنا چاہیے۔“

”نہیں ماما! ڈیڈی کو میں خود انتقام کروں گی مگر انتقام کے بعد، ابھی گیم مجھے پرنس کو لے کر ہی کھیلنا ہے۔“

☆.....☆.....☆

حورین کو ڈراپ کرتے وقت دل میں ایک انہوتا خیال آتا تھا کہ کاش! وہ اسی طرح چہرہ جھکائے، ہمیشہ اس کے پہلو میں بیٹھی

رہے، پھر وہ سفر بھی قطع نہ ہو۔ دل کی اس آرزو پر وہ ہنس پڑا۔ اس نے یہ کب چاہا تھا کہ اس لڑکی کے متعلق اس انداز سے سوچے کہ بھراپنی

بی سوچوں سے نظریں چراتا پھرے۔

اس کو ذرا پ کر کے وہ سارے راستے اس کے متعلق ہی سوچتا رہا تھا جس کے متعلق کبھی سوچنے کا تصور بھی نہ کیا تھا۔

دل پر ایسی دیرانی چھائی کہ ہر احساس پر اس سے بچھڑنے کا سوگ چھٹا چلا گیا اور وہ فاسٹ ڈرائیونگ کرتا ہوا ہسپتال پہنچ گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ سر آفتاب کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے۔ وہ دوائیوں کے باعث ابھی بے خبر سو رہے تھے، وہاں ان کا ملازم تھا جس کی زبانی معلوم ہوا کہ حیدر کو آج اس کے رشتے دار آکر ملے گئے ہیں۔ ان لوگوں میں صلح معافی ہو گئی ہے اور ساتھ ہی وہ پیغام بھی چھوڑ گیا تھا کہ وہ اس سے رابطہ نہ کرے، وہ خود موقع دیکھ کر کال کرے گا کہ وہ اس کو ان لوگوں کے سامنے نہیں لانا چاہتا، کیونکہ یہاں بھی اس نے اپنا کمرہ الگ لیا تھا اور خود کو تنہا ظاہر کیا تھا اور ملازم کے ذریعے ہی معلوم ہوا کہ صبح ہی آج ہی ہارون کے ساتھ ساتھ اوتھہ افریقہ کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ ساتھ ہارون کی والدہ اور مامون بھی چلے گئے حالانکہ مامون کو تو ابھی یہاں رہنا تھا مگر وہ حیدر کے سمجھانے کی وجہ سے چلا گیا۔ ان لوگوں کے خیریت سے نکل جانے سے اسے دلی مسرت ہوئی تھی کہ جن کی خاطر یہ سب ہوا تھا اگر کسی معیبت میں پھنس جاتے تو ساری کالیف اور پریشانی بے مقصد رہتی۔

ان کے جذبے ٹیک تھے، ریاستے پاک تھے، کامیابی کو تو مسترد نہ کیا تھا۔
 پروفیسر آفتاب نے ہوشن میں آتے ہی اسے سینے سے لگا لیا پھر خود بین کا پوچھا تو اس نے تمام بات بتادی۔
 "آپ نے میری عزت رکھ کر بیٹے! شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں میرے پاس۔ میرے سر سے کتنا بڑا بوجھ اتار دیا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر منوں لہجہ میں بولے۔
 "آپ میری نیکی ضائع کر رہے ہیں سر!"

"اللہ آپ کو بہت نوازے گا، میری دعا ہے رب کائنات سے کہ آپ کو کسی پریشانی میں مبتلا نہیں کرے۔ ہر امتحان سے سرخرو فرمائے۔ (آمین)"

میرا بی بی یہ سوچ سوچ کر نارل نہیں ہو رہا تھا کہ اس بچی کا کیا ہوگا؟ نہ معلوم کیسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا۔ میں اس کے خیر نفس سے کیا کہوں گا؟ کس طرح ان سے رابطہ کروں گا؟

"سر! آپ جیسے لوگ جو دوسروں کے لیے اپنی زندگی قربان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، بے لوث سب کے کام آتے ہیں، ایسے لوگوں کی اللہ حفاظت کرتا ہے اور آپ جیسے لوگوں کے فضائل ہم گناہ گار بندہ ہوں۔ یہ سب تو اس کی ہی مہربانی ہے۔ یہ فیضو کہاں چلا گیا؟ کھانا منگو لیتا ہوں کسی "ارے نہیں، میں تو بہت ہی گناہ گار بندہ ہوں۔ یہ سب تو اس کی ہی مہربانی ہے۔ یہ فیضو کہاں چلا گیا؟ کھانا منگو لیتا ہوں کسی کو ایسی والے ہوٹل سے۔ بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو، کھانا کھا لو اور پھر گھر پر جا کر آرام کرو۔" وہ اس کے تھکے تھکے وجود پر نگاہ ڈالتے ہوئے اچانکیت سے گویا ہوئے۔

"فیضو کو میں نے کھانے کے لیے ہی بھیجا ہے۔ آپ پر ہیزی کھانا کھا لیجئے اور میں گھر جا کر کھاؤں گا۔ ممالور ٹانو ویٹ کر رہی ہیں۔"

"اُد کے، میں ڈسپارچ ہو کر جاؤں گا تو آپ کو ڈر میرے ساتھ کرنا ہو گا، وعدہ کریں۔"

"انشاء اللہ سداوائے ناٹ"۔ اس کا لہجہ پُر یقین تھا۔

"مجھے خوشی ہے آپ اپنی ماما کا خیال رکھنے لگے ہیں، ان سے محبت کرنے لگے ہیں۔ کوشش کریں کہ ماں جیسی عظیم ہستی کا دل نہ

توڑیں، کبھی ان کی حکم بدولی مت کریں۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے۔" دوندوہاری سے سمجھا رہے تھے۔

"اٹ! ازراعت سرائیں پہلے بہت غلط تھا۔ پاپا کے جانے کا قصور وار ماما کو ہی سمجھتا تھا کہ انہوں نے پاپا کے ساتھ کچھ ایسا نہ کیا

ہے جو پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ پاپا کے جانے کا سارا قصور میں ماما پر ہی ڈالا تھا۔ انہیں زلا کر، انہیں ستا کر، ٹیز کر کے میں خوش ہوتا تھا

کہ پاپا کو ان کی طرف سے پہنچائے گئے تمام دکھوں کا احتساب میں کر رہا ہوں..... مگر اب انہیں دیکھ کر سوچتا ہوں اگر مری غلط ہوتیں تو آج

تجا نہیں ہوتیں اور اس سوچ نے مجھے میری غلطیوں کا احساس دلایا اور میں نے سچے دل سے توبہ کی کہ اب زندگی بھر میں ان کو دکھ نہ دوں گا۔

آپ بھی دعا کریں سرائیں اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہوں۔"

سر سے اجازت لے کر وہ گھر آ گیا۔

سال نے اس جذباتی انداز میں استقبال کیا کہ اسے محسوس ہوا جیسے دو دو دن نہیں، دو سال بعد لوٹ کر آیا ہے۔ اس کی پیشانی

کے انہوں نے نکتی پوسے لیے ہار ہار سر سینے سے لگایا اور سب سے حیرت انگیز بات کندہ روئی بھی تھیں۔

وہاں موجود فائدہ اور کونین اس سے داخل انداز میں ملے۔ ماں کی اس والہانہ محبت نے اسے بھی سرشار کر ڈالا تھا۔ وہ بھی ان

سے بے حد اپنا نیت سے ملا۔ ان کے ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔

"پرنس یارا نہ معلوم تم کیوں مجھے قربانی کے بکرے کی طرح لگ رہے ہو۔ اس بے خبر کو بھی ذبح کرنے سے قبل ایسے ہی پیار و

محبت دی جاتی ہے۔" دودو والنون کو دیکھ کر شوخی سے گویا ہوا مگر حال تنگم جو مزید پیار نچھاور کرنا چاہ رہی تھیں، اس کی اومعنی بات سن کر سنبھل

گئیں۔ فائدہ کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔

"بقر عید تو ابھی بہت دور ہے۔ آپ کیوں ابھی سے یاد کرنے لگے۔" وہ اس کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔

"کچھ سیانے بہت پہلے سے ہی قربانی کے بکرے کو پالنا شروع کر دیتے ہیں۔ بہت پیار و محبت سے پالتے ہیں، پھر اس کی

بڑیاں چوستے ہیں اور بوٹیاں بھون بھون کر کھاتے ہیں۔"

"میں نے سنا ہے زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے لوگ پہلے ہی جانور پالتے ہیں اور دیکھا بھی ہے۔"

"ثواب....." اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "ثواب کی نیت تو کسی کسی کی ہوتی ہے، ورنہ سب کی نیت اچھے گوشت کی ہوتی ہے۔"

دو والنون بہت غور سے بھائی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"ارے بے موقع کیا بحث چھیڑ کر بیٹھ گئے۔ چلو کھانا لگ چکا ہے، سب ساتھ کھائیں گے، مزہ آئے گا۔"

مثال نے آگے بڑھ کر پہلے کو نین کا بازو پکڑا، پھر پرنس کا اور دونوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں آگئی۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد حسب معمول چائے یا کافی کا دور چٹا مگر وہ معذرت کر کے اپنے میزروم میں چلا آیا۔ اس کی جھکن کے خیال سے کسی نے اصرار نہ کیا۔

ہزاروں خواہشیں دل کے نہاں خانوں میں ہوتی ہیں

یہ بے آباد قصبے بھی کہاں ویران رہتے ہیں

بلا کی انفرادی ہے ہماری ذات میں لیکن

ہمیں اس بے دھیانی میں بھی دھیان رہتا ہے

وہ نائٹ سوٹ زیب تن کر کے بستر پر لیٹا تو حسب عادت سائینڈ ٹیبل پر روشن یسپ کو آف کر دیا۔ کمرہ ایک دم ہی گہرے اندھیرے کا حصہ بن گیا۔ اس نے آنکھیں جیسے ہی بند کیں، ویسے ہی چم سے سیاہ بدلیوں میں یک دم ہی نکل آنے والا دو چہرہ کسی اوتس میں بھٹکے ٹھنڈی چائے کی کے حصار میں جگمگا مٹا طور ہو گیا۔

"اگر تم نہ ملے تو میرا کیا ہوتا؟" اسے لگا اس کے کندھے سے لگی وہ بھی آنسو بہا رہی ہے۔ اس کی گداز اٹھکیاں ہنوز اس کے بازوؤں کو گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔

اس نے بے چینی ہو کر کروٹ بدلی۔

"میں معافی چاہتی ہوں آپ سے۔" اس کی لرزاں اور ندامت سے بھری آواز کانوں میں گونجی۔

"کس بات کی معافی؟" یہ اس کی اپنی آواز تھی۔

"میں نے آپ سے بہت زیادتی..... نہیں بلکہ زیادتیاں کی ہیں۔ آپ وہ نہیں ہیں جو لگتے ہیں۔ آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی۔ بار بار اسلٹ کی۔"

"سوری کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو آپ مجھے سمجھتی ہیں میں اس سے بھی زیادہ خراب اور زہرا آوی ہوں۔"

"پلیز ایسا مت کہیں۔" دوازدہ پریشان تھی۔

"بی بی! اگر اس دنیا میں سرخورد ہوتا چاہتی ہو، کامیابی کے ساتھ تو کسی پر بھی اتنی جلدی بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تو لوگوں کا کام ہی اپنی مکاریوں کا فریب دینا ہے۔"

"مجھے علم ہے، آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں۔"

"ہمارے بزرگوں نے آپ کی صنف کی اسی خوبی پر کبھی بھروسہ نہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ بڑوں کی بات سے میں کیسے انکار کر

سکتی ہوں؟"

اس کی مسکراتی ہوئی آواز ابھی بھی اسے اپنی ساعتوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”میری سب سے بڑی بے وقوفی یہی ہے کہ میں نے آپ سے معذرت کرنا چاہی، یہی میری حماقت ہے۔ ہے؟“

”یو ڈونٹ، اسٹنڈ، آپ خود ہی بار بار اپنی تعریف کر رہی ہیں۔“

”آپ نہیں سدھر سکتے۔ آپ انجوائے کرتے ہیں، دوسروں کی انسلٹ کر کے، انہیں ذلیل بنارہے کر کے۔ میں آپ سے بات نہیں

کروں گی۔“

اس کی نگاہوں میں اب اس کا ناراض چہرہ تھا جو یکھٹ غائب ہو گیا اور ساتھ اس کی نیند بھی سہلے گیا۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھا۔

گھپ اندھیرے میں وہ اس چہرے کو تلاش کر رہا تھا جو ابھی اس کے تصور کے آسمان پر چاند کی مانند چمک رہا تھا، پھر اچانک ہی وہ چاند سیاہ بادلوں میں چھپ گیا اور وہ جو نیند کے غمار میں بستر پر آیا تھا اس نے راستے میں اسے کتنا تنگ کیا تھا، دوزخ ہو کر ہر بار یہی کہتی کہ اب بات نہیں کروں گی مگر زیادہ دیر کی خاموشی اسے بھی پسند نہ تھی۔ سب بھلا کر بھر شروع ہو جاتی اور وہ بھی اسے نہ تو کتنا کہ کچھ دیر قبل اس نے کیا کہا تھا۔ اس کی باتیں، اس کی آواز ایک دم ہی بہت میٹھی لگنے لگی تھی۔

نیند تو ایسی فراہم ہوئی کہ اسے کا نام ہی نہ تھا۔ وہ بوجھل دل سے اپنے روم کا دروازہ کھول کر باہر گیلری کی جانب بڑھتا ہی چاہتا تھا کہ برابر میں کونین کے پورشن کی طرف دیکھ کر وہ ٹھٹھا۔ کونین کے بیڈ روم کا دروازہ لاک نہ تھا اور اندر سے آتے دھوئیں نے اسے ایک دم اس طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بے تحاشہ بھاگتا ہوا کمرے تک پہنچا۔

اندر داخل ہوتے ہی گہرے دھوئیں نے اس کا استقبال کیا۔ اندر آگ دیکھ کر اس کے حواس بے قابو ہو گئے۔ وہ اندر سے منہ پڑے بے حس و حرکت کونین کو دیکھ کر نرئی طرح چیخا ہوا اس کی طرف بڑھا۔



تیزی سے جبکہ کمرے میں آوند سے پڑے کونین کو بیدار کیا تھا۔ وہ شاید دھوئیں کے باعث دم گھٹنے سے بے ہوش ہو گیا تھا، مگر نداس کے چہرے یا جسم پر کوئی چوٹ یا زخم کے نشان نہ تھے۔

اسے چہرہ دکروہ پیچھے مڑا تھا جہاں کارپٹ کے خامے بڑے حصے نے آگ پکڑی تھی اور شدید ترین دھوئیں میں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی سے لبریز جبکہ کوآگ پر چھڑکا تھا۔ چمن چمن کی تیز آواز کے ساتھ کافی حصے سے آگ بجھ چکی تھی۔ اس نے کمزریوں سے پردے بنائے تو کمرے میں بھرا دھواں باہر ہواؤں میں تحلیل ہونے لگا تھا۔ دھواں دیکھ کر وائچ من سرپٹ بھاگتا ہوا آیا تھا۔

”کیا ہوا صاحب! یہ دھواں کیسا ہے؟“

”سب خیریت ہے آپ جاؤ۔“ وہ واپس چلا گیا تھا۔ چونکہ دار کو اس نے دروازے سے ہی واپس کر دیا تھا۔ اس کی فراخ پیشانی

بڑے سوچ سمجھنے والے تھے۔ چہرے پر بھی کئی پریشان کن رنگ تھے۔ سب سے پہلے وہ کونین کو کسی چھوٹے بچے کی طرح اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اپنے بیڈروم میں لے آیا تھا اور بیڈ پر لٹا کر اس کی ٹھنڈی چپک کی جواب دہار لگی اور اسے کچھ دیر بعد ہوش آنے والا تھا۔ ڈانٹنے والوں نے اٹھ کر دوبارہ اس کے بیڈروم میں آگیا جہاں اب آگ اور دھواں نہ تھا مگر اسمیل باقی تھی۔ اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسکاٹی کارپٹ پر بکھرے ان سگریٹ کے ٹکڑوں کو دیکھا تھا جن کے باعث آگ لگی تھی۔ وہ آگ تو اس کی بروقت مداخلت سے بجھ چکی تھی مگر ان استہمال شدہ سگریٹ کے ٹکڑوں نے جو اس کے اندر آگ سلائی تھی، اس کی شدت حد سے سواتھی۔

کونین کا بدلا بدلا رویہ اور کھویا کھویا انداز تو وہ خاصی مدت سے دیکھ رہا تھا اور کئی بار اس کی اس تبدیلی و پریشانی کی وجہ بھی جانتا چاہی مگر ہر بار وہ ہنس کر ٹال گیا یا اس انداز میں موضوع بدلا کہ وہ پھر اصرار نہ کرے گا اور وہ اندر ہی اندر کوئی دیکھ پال رہا۔

وہ دیکھ کیا ہے.....؟ کیا روگ پال لیا ہے.....؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا معاملہ ہے..... ایسی کیا بات ہے جو وہ اس سے بھی پرائیویسی پر سنے پر مجبور ہو گیا، جس سے ہر بات، ہر مسئلہ شہر کرنا تھا۔ قریب ہی الٹی پڑی الٹیں لڑے میں اس نے وہ تمام سگریٹ کے ٹکڑے جمع کیے اور اپنے روم میں چلا آیا جہاں کونین اسی وقت اٹھ کر بیٹھا تھا۔ ڈانٹنے والوں نے اسٹیشنرے والا ہاتھ پشت کی جانب کر لیا۔

”ارے..... میں تمہارے بیڈ پر کیسے آ گیا؟ میں تو اپنے روم میں تھا.....“ وہ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”آپ فینڈ میں چلے گئے ہیں“۔ وہ قریب کر ہی پرہیز کیا۔

”میں اور فینڈ میں؟ امپا سبل.....“ کونین نے مسکرا کر کہا۔

”پھر آپ میرے روم میں کس طرح آ گئے؟“

”میں کیسے آ گیا؟ پلیز یا پہلیاں مت بھجواؤ۔“

”پہلیاں میں نہیں آپ بنا گئے ہیں بھائی۔ محبتیں اور احسان تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے مگر ہمارے ساتھ تو متنازع معاملہ ہے۔“ بہت عرصے بعد ڈانٹنے والوں کو اس نے پرانے موڈ میں دیکھا تھا اس کی سنجیدگی اور سوجھی آجکیں مقابل کو کسی قابل نہیں چھوڑتی تھیں۔

”یہ کیسی باتیں کر رہے ہو پرنس! میری محبت تمہیں کیونکر کم محسوس ہوئی؟ میرا اعتماد تمہیں کہاں کمزور محسوس ہوا؟“

”یہ کیا ہے بھائی؟ ان عارضی سہاروں کی ضرورت آپ کو کب سے محسوس ہونے لگی؟“ اس نے پشت کی جانب کیا ہوا ہاتھ آگے

کرتے ہوئے کہا تو کونین جو نچکا سارہ گیا اپنی غائب الدماغی پر اس کی نظریں جھکتی چلی گئیں۔ اسموگنگ اس نے سب سے چھپ کر شروع کی تھی۔ دل کی دھستوں کو سگریٹ کے دھوئیں میں اڑانے کی سعی کیا کرتا تھا۔ خضریٰ سے رشتہ توڑ کر اس دھوئیں سے اس نے جوڑ لیا تھا اور سوچا تھا کبھی کسی کو اس کے اس فعل کی خبر نہ ہوگی اور خبر ہوئی تو کس کو..... جس کے آگے وہ شرمسار ہو گیا تھا۔

”آپ نے ہمیشہ ایسی بیڈ ہیٹ سے نفرت کی ہے، پھر ایسا کیا ہوا کہ آپ جین اسموکر بنا گئے؟ اگر میں اتفاقی طور پر ٹیلیوی

طرف نہ جاتا تو..... نہ معلوم آپ کو کتنا نقصان پہنچاتا اور ہمارے لیے تو زندگی اور زیادہ جو جمل ہو جاتی۔“ شدت جذبات سے اس کی آواز لرز

اُٹھی تھی۔ کوئین گویا مجھے کی مانند اسے تک رہا تھا۔

”آج آپ کو بتانا ہی ہوگا، بھائی کیا ہوا ہے آپ کے ساتھ.....؟ ایسا کیا ہے جس نے آپ کو ہم سے دور کر دیا ہے، ایسا کیا ہوا ہے؟“ اس کا انداز حتمی و ٹھوس تھا۔

”تھنک یار! کچھ نہیں ہوا ہے..... کیا ہوگا بھلا؟“

”آپ می سے بھی دور ہو گئے ہیں یہ میں بہت عرصے سے فیل کر رہا ہوں۔“ وہ آج اس کو بٹھنے کے موڑ میں نہ تھا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہو، ایسا کچھ نہیں ہے، دور یہ اسکو تنگ تو میں نے ایسے ہی شروع کی تھی، اب چھوڑ دوں گا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ بڑوں کو ایسے کوئی قابل گرفت کام نہیں کرنے چاہئیں جو چھوڑوں کے آگے لٹا دیں جھکا نے پر مجبور کر دیں۔“

”بھائی!“

”ہیں۔“

”میری طرف دیکھیں۔“ اس کے انداز میں سمسمیر بھید کی تھی۔

”تمہاری طرف ہی دیکھ رہا ہوں۔“ اس نے چھکی مسکراہٹ سے کہا۔ ڈالٹون اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر بولا۔

”اب وہ بتائیں جو ایک عرصے سے چھپاتے آ رہے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

مول دزدیا، فخر ج وغیرہ کو وہ جھوٹ و بچ کی آمیزش سے ایک کہانی تیار کر کے سنا چکی تھی۔ یہاں زیادہ پریشانی اس کو یوں نہ ہوئی کہ جن حالات میں ہارون دوسوئی کی شادی ہوئی تھی۔ اس سے وہ ناواقف تھیں، اس لیے اسے اتنی تک دو نہ کرنی پڑی تھی۔ ڈالٹون کے سبک گزار اوقات اس نے نہیں بتایا تھا۔

”آنے سے اس کے آئے بہار

جانے سے اس کے جائے بہار

بڑی مستانی ہے میری محبوبہ

میری زندگانی ہے میری محبوبہ“

ہریرہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گنگٹا یا تھا۔

”اٹس دیری ہیڈ سو بگ۔“ وہ دور کھسکتے ہوئے بولی۔

”پھر بتاؤ خود ہی کون سا سناؤں۔“ وہ جبکہ کراس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا شوخی سے گویا ہوا تھا۔

”دور ہو بد تمیز“۔ وہ اسے ہاتھوں سے دور کرتی ہوئی بولی۔

”اگر تم سے محبت کرنا بد تمیزی ہے تو میں خود کو بد تمیز کہلانے میں فخر محسوس کروں گا“۔ وہ سینہ تان کر بولا۔

”اوہ گاڈ! تم ایسی باتیں کرتے ہو“۔ دوزخ ہوئی۔

”اس لیے کہ تم ایسی باتیں نہیں کرتی ہو“۔ دوزخ جستہ بولا۔

”میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے جیسا کہ ایسی باتوں کروں گی“۔

”میرا دماغ ہی نہیں آنکھیں بھی خراب ہیں تب ہی تم جیسی بد صورت و بد مزاج و بڑی لڑکی کی محبت میں جھٹکا ہو گیا ہوں“۔ اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔

”تم..... تم جاتے ہو یہاں سے یا میں بی بی جان کو بلاؤں؟“ دوزخی طرح دوزخ ہو چکی تھی۔

”ہاں ہاں شوق سے۔ میں چاہتا ہوں بی بی جان جیسی کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی فیصلہ کری ڈالیں“۔ اس کے لہجوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

”شٹ اپ“۔ وہ غصے سے کھڑی ہوتی ہوئی چیخی۔

”آئی ڈونٹ مائنڈ“۔ بربرو نے شانے اچکائے۔

”تم سے بات کرنا ہی فضول ہے، جاری ہوں میں“۔ وہ غصے سے خوں خوں کرتی آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”آم سوری یار۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ پلیز ٹیٹھو تو سہی۔ میں نے تمہیں کتنا محسوس کیا ہے، کتنا یاد آئی ہو یہ تو سنو“۔

”یاد تو تمہیں بہت آئی ہوں گی کہ تنگ کرنے کے لیے جو کوئی نہ ملا ہوگا۔ تمہیں شرم نہیں آتی مجھے تنگ کرتے ہوئے۔

”میں تنگ نہیں کر رہا، حقیقت بتا رہا ہوں“۔

”مجھے نہیں سننی“۔ وہ وہاں سے سیدھی اپنے پورشن میں آگئی جہاں حسب معمول خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پپا آفس اور ممبا بی

جان کے روم میں تھیں۔ وہ بیدار روم میں آکر بیڈ پر لیٹ گئی جب سے گاؤں سے آئی تھی، طبیعت میں عجیب سی بے کلی محسوس ہونے لگی۔ وہاں

سے آئے اسے آج تیسرا دن تھا اور موڈ فریش ہونے کے بجائے بوجھل پن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کیفیت کو

دو کوئی نام بھی نہ دے پا رہی تھی کہ ایک دم سے ہی آدم بے زار کیوں ہو گئی تھی۔

اس دوران پر دھیر آفتاب سے بھی اس کی بات ہوئی تھی۔ ان کی طبیعت اب پہلے سے قدرے بہتر تھی۔ وہ دسپارچ ہو کر گھر جا

چکے تھے۔ حیدر کے متعلق ابھی تک کوئی خبر خیر نہ مل سکی تھی۔ اس کے متعلق جاننے کے لیے اس نے وہ بار وڈو انٹون کو کال کی تھی مگر وہاں سے

کوئی جواب نہ ملا تھا۔ اس نے کال ریسیو نہ کی تھی اور یہی بات اسے اُداس کیے ہوئے تھی۔

☆.....☆.....☆

منو پر بیگم نے ساس کے دیئے ہوئے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مہران علوی کی والدہ کو وہی جواب دیا تھا کہ اگر وہ اپنے بیٹے کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہیں تو کہیں اور کر سکتی ہیں، انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور جواب میں انہوں نے کہا تھا۔ وہ اس گھر کے علاوہ کسی اور سے رشتہ جوڑنا نہیں چاہئیں، اس کے لیے خواہ انہیں کتنا انتظامی کیوں نہ کرنا پڑے۔

مہران علوی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ غصہ فرائی کے پاس ہاسٹل پہنچے تھے، بہت رنجیدہ تھے۔
 ”آپ اس بات کو اتنا سیریس کیوں لے رہے ہیں مہران صاحب! بائی وادے می نے ایسے ہی کہہ دیا ہوگا۔“ غصہ فرائی نے آہستہ سے کہا۔

”یہاں میری جان پر بن آئی ہے اور آپ کو کوئی پروا ہی نہیں ہے.....“ مہران نے شکوہ کنایوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”لائف بہت فٹ ہے اگر ایسی معمولی معمولی باتوں کو دل پر لیں گے تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ غرائی کیا کریں اور ایڈ کرنے کی۔“ بے بی ہنگ کانٹن کے سوٹ میں اس کی شفاف رنگت نمایاں تھی۔ خوب صورت چہرے پر حکمت تھی، ہر دھاری جاوید تھی۔
 ”خیریت تو ہے ناں مہران صاحب!“ اپنی جانب اسے مسلسل دیکھتا پا کر وہ کچھ حیرانگی سے گویا ہوئی تھی۔
 ”ایک بات ہے جو ہمیشہ سے مجھے تنگ کر رہی ہے اور اکثر میں نے چاہا کہ آپ سے وہ بات شیئر کروں۔ پوچھوں جو میں فیل کر رہا ہوں، جو میرا دل کہہ رہا ہے یہ کس حد تک درست ہے، مگر ہر بار میری زبان پر یہ بات آنے آنے رک جاتی تھی۔ میں ڈر جاتا تھا کہ کہیں میں آپ کو کھونہ دوں۔ آپ فحاشہ ہو جائیں۔“
 وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

مہران علوی کو پہلی بار اس نے سنجیدہ و پریشان دیکھا تھا۔

”ایسی کیا بات ہے؟“

”آپ پراس کریں کہ جو میں آپ سے پوچھوں گا، آپ بالکل سچ بتائیں گی۔“ اس کا لہجہ شدید پانی الجھنوں کا غماز تھا۔
 ”میں جھوٹ نہیں بولتی، جو آپ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیں۔“ وہ پوری توجہ سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ مہران علوی کئی لمحوں تک خاموش رہا تھا۔ نیل کی سٹ پر ان کی انگلیاں اضطرابی انداز میں نقش دنگار بناتی ملاتی رہی تھیں۔ کچھ وقت کے بعد گویا ہوا۔
 ”میں..... میں یہ فیل کر رہا ہوں آپ..... میرے ساتھ خوش نہیں ہیں۔“ مہران علوی کی آنکھیں اس سے اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ اپنی کئی گئی بات کا رد عمل اس کے چہرے کے تاثرات سے جانچتا چاہتا تھا، ہاں سیدھی بات کو بھی کئی طرح کے ہیر پھیر دینے کی ماہر ہوتی ہے جس طرح چاہے صورت حال کو مخالف و موافق کرنے کے ہنر سے آشنا ہوتی ہے۔ زبان کی بہ نسبت چہرہ اور آنکھیں اتنی تیزی سے خود کو نہیں بدل سکتی ہیں اور اس کے چہرے کی اذنی رنگت دنگاہوں کی بوکھلاہٹ نے اس کے خدشوں کو حقیقت کی زبان دے دی تھی۔
 اس کے دل کی دھڑکنیں یک دم ہی تھمنے لگی تھیں۔ ہر منظر و مندا لایا تھا۔

”لب واکرنے سے قبل سوچ لیجئے، آپ نے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے۔“

”مجھے یاد ہے مگر جو آپ نے کہا وہ بھی..... غلط نہیں ہے۔“ حضرتی نے صاف گوئی سے کہا اور مہراں علوی اسے دیکھتا رہ گیا۔

”مجھے انسو ہے آپ کو یہ سن کر شاک لگا ہے مگر میں نے آپ سے کہا تھا میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔“

”ایسا کیوں ہوا؟ میرا مطلب آپ کے والدین نے آپ کو فورس تو نہ کیا ہوگا..... پھر آپ زبردستی کیوں سب کرتی رہیں؟“ وہ

فلکتہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”واو اور می نے جب مجھ سے پوچھا اس وقت تک میں سمجھتی تھی کہ بہت آسانی سے میں کپڑا مارتا کر لوں گی، لائف میشل ہو

جائے گی مگر گزرتا وقت مجھے احساس دلانے لگا ہے جو ہم سوچتے ہیں ویسا کبھی نہیں ہوتا۔ کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم کپڑا مارتا

نہیں کر سکتے۔ کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جن کو سینے میں دبائے دیا سے گزر جانے کو دل کرتا ہے۔ بہت اچھا ہوا مہراں صاحب جو آپ نے

کہہ دیا، وہ نہ مجھے کہنے میں بہت دیر ہو جاتی۔ آپ کو زندگی کا سفر کسی اور کے ساتھ کرنا ہوگا۔ میں آپ کے لیے اچھی لائف پارٹنر ثابت نہ ہو

سکوں گی۔“ اب چہاٹے کو بچا ہی کیا تھا سو وہ سب کہتی چلی گئی۔

”بول..... آپ نے مجھے فیصلہ بھی سنایا..... اتنی جلدی کس بات کی ہے؟“

”جلدی نہیں، بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ سنایا ہے۔“

”یہ بات اور یہ فیصلہ ہمارے بڑوں کے درمیان ہوا تھا۔ میں اس کو توڑنے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں پاتا ہوں۔“

”اوکے میں بات کروں گی۔“

”مجھے کچھ وقت چاہیے، پلیز، ابھی آپ خاموش رہیں۔“ مہراں علوی کے انداز میں ابھنیں تھیں۔

☆.....☆.....☆

دوسب لائونج میں بیٹھی ہوئی غفریب بونے والی ویسی کی شادی کی تیاریوں کا ذکر کر رہی تھیں۔ ساتھ ان کے بی بی جان بھی تھیں۔

”بی بی جان! آپ ہی فیصلہ کیجئے، گولڈ کے جینز سیٹ کتنے خوبائے جانیں اور کتنے تو لے کے خوائے جانیں؟“ سمیرا ان سے

مخاطب ہوئی تھیں۔

”میری ماں تو ایک بھی گولڈ کا سیٹ نہ بناؤ تو بہتر ہے۔“

”ایسا کس طرح ہو سکتا ہے بی بی جان..... بھلا سونے کے بغیر بھی شادی ممکن ہے؟“ سمیرا حیرانگی سے گویا ہوئی تھی۔

”پھر ہم سوسائٹی میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، صاحب حیثیت کہلاتے ہیں۔“ سمیرا کی حیرانگی بھی سمیرا کی طرح تھی۔

”یہ تو میری سوچ ہے جو میں نے کہہ دی اور جو تم بہتر سمجھ کر دو۔“

”بی بی جان! آپ نے جو کہا ہے ضرور اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ آپ کھل کر وضاحت کیجئے۔ یہ بے حد اہم معاملات ہیں۔“

کرن نے سمیرا حیرا کی ہفتی شکلیں دیکھ کر ان سے کہا۔

”میں جانتی ہوں بڑے کے کی بارات بری اور لڑکی کی جہیز سے بچتی ہے جن میں خاص شے زیورات ہوتے ہیں۔ خواہ وہ ہیروں کے ہوں یا چاندی سونے کی۔ ایک وقت تھا جب بے حساب طلائی زیورات شادی میں پہنائے جاتے تھے۔ پچاس پچاس تولہ سونا خود سمیرا حیرا کو اماں ابانے زیورات کی شکل میں دیا ہے جن میں ایک ایک سیٹ ہیروں کا بھی تھا۔ اس دور میں یہ سب اتنا آسان نہ تھا تو اتنا مشکل بھی نہ تھا۔ دل بھر کر انہوں نے زیورات پہنے تھے مگر آج وہ دور نہیں ہے۔ اچھے بڑے لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں۔ چوروں، لیٹروں سے یہ جہاں کبھی بھی مکمل پاک نہیں رہا ہے۔ اس وقت میں بھی چوریاں ہوتی تھیں، ڈاکے ڈالتے تھے، لیٹرے لوتے تھے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ لوگوں نے خوف کے مارے زیورات کا استعمال ہی ترک کر دیا ہو۔ آج کے دور میں لوگوں کے پاس سونا چاندی، ہیرے جواہرات سب کچھ ہے مگر وہ استعمال نہیں کر سکتے کہ لوگوں کا ایمان اب اتنا کمزور نہ چکا ہے کہ نہ انہیں اللہ کا خوف رہا ہے نہ آخرت کی فکر۔ اپنی عزت و غیرت بھلا کر شیطان کا موں میں لگ گئے ہیں۔“

”آپ کی بات درست ہے بی بی جان! آج چھن جانے یا چوری ہو جانے کے خوف سے لوگ مجبوراً آرٹیفشل جیولری استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔“

”میں کہتی ہوں پھر کیا ضرورت پڑ گئی، ایسے خطرات مول لینے کی..... پھر انہیں استعمال بھی نہ کرو۔ خفیہ جگہوں پر سہست چست کر رکھو۔ اس سے بہتر ہے سونے وغیرہ کی جیولری نہ دو۔ ان کی روپوں میں کچھ اور ملا کر زمین، قلیق یا کوئی گھر گفٹ کر دو عمر بھر کی آسانی ہے، یہ جب تک ساتھ رہیں تب تک وہ کمائے پروے ویں اور جب ضرورت پڑے تو خود سیٹل ہو جائیں۔ نہ اس کے چوری ہونے کا خدشہ، نہ چمپا کے رکھنے کا جھنجھٹ۔ اگر دل نہ مانے تو ایک ہلکا پھلکا سا ہوا دو پھر آج کل تو ویسے بھی شادی، ویسے میں سیچنگ کے فل سیٹ ہوتے ہیں اور دیگر سیٹ لے لینا میرا تو یہی ارادہ ہے۔“

”بی بی جان! آئیہ یا تو آپ کا زبردست ہے مگر ذرا مشکل بھی ہے۔ دراصل معاشرے کے بنے ریت و رواج اتنی آسانی سے تو نہیں بدلتے ناں۔“ سمیرا نے ان کے مشورے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”آہستہ آہستہ ہی کسی بدلنا تو چاہیے۔“

پھر کافی دیر تک موضوع گنگوڑی زیورات و ہیری کے دوسرے لوازمات رہے تھے، کیونکہ گھر کے بچوں میں سے یہ پہلی شادی تھی۔ سب کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر کوئی بڑا بڑا حصہ لینے کا خواہاں تھا۔

کرن انس کے آنے پر اپنے روم میں آگئی تھیں۔ انس صاحب ہاتھ سے فارغ ہو کر بیٹھے تو ملازمہ چائے لے کر آئی تھی۔

”کیا بات ہے ڈیر! کچھ دنوں سے لوٹ کر رہا ہوں، بے حد آپ سیٹ رہنے لگی ہو کیا پرالم ہے؟“ چائے پیتے ہوئے وہ

مخاطب ہوئے۔

"کچھ نہیں"۔ وہ قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"کوئی تو بات ہے جو رہن روشن پر بدلیاں چھائی ہوئی ہیں۔"

"میں یہاں آ کر خوش نہیں ہوں، ہر پہلے مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے، کوئی ساعتوں میں سرگوشیاں کرتا ہے۔"

راتوں میں عجیب خواب دیکھتے لگی ہوں۔ ان کے لہجے میں اضطراب و بے بسی تھی جو تنہائی پاتے ہی کسی آسیب کی طرح چٹ جاتی تھی۔ سب کے سامنے وہ خود جو سنبھال لیتی تھیں، پہلا لیتی تھیں مگر تنہائی میں وہ انہی دوسروں وہ ہوں کا شکار ہو کر مضطرب رہنے لگی تھیں۔

"ڈنٹ وری ڈار لنگ ایہ سب آپ کے دل میں چھپ ہوئے برسوں کے ڈر و خوف ہیں جو موقع ملے ہی حاوی ہو جاتے ہیں۔"

"میں مانتی ہوں ایسا ہی ہے مگر آپ کیوں یہ بھولتے ہیں کہ یہ ڈر و خوف محض میرا دم نہیں ہیں۔ حقیقت ہیں پھر آپ یہ بھی کیوں بھولتے ہیں کہ ہم دشمنوں کے شہر میں ہیں۔ کبھی بھی، کبھی بھی، کسی سوڑ پر ہماری ان سے ملے بغیر ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن تو نہیں ہے۔"

کرن کے اندیشوں پر اس ہمیشہ کی طرح مسکرا دیئے تھے۔

"آپ ہمیشہ میری پریشانوں کو مذاق میں اُڑا دیتے ہیں۔ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ اب ہم دو نہیں، ہماری بیٹی بھی ہے، اگر حورین کو۔"

"پلیز کرن! انہوں نے کپ سائینڈ ٹیبل پر رکھ کر تنبیہ کی سے کہا۔"

"بلا وجہ کے دم میں مت پڑا کرو کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ میری بیٹی کا بال بھی بچا کر سکے۔ حورین میری زندگی ہے، میری جان ہے۔"

"دو ہماری اکلوتی اولاد ہے۔ اس کی محبت ہی ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے اور لوگ کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"محبت کمزور ہوتی ہے محبت کرنے والے نہیں۔"

"پھر بھی انس میں چاہتی ہوں ہم یہاں سے واپس چلیں اور ساتھ حورین کو بھی لے چلیں۔ میں یہاں مطمئن نہیں ہوں۔" ان کی آنکھوں میں انجائنا خوف اور لہجے میں دوسرے لڑاں تھے۔ انس صاحب نے ہاتھ بڑھا کر انہیں شانے سے تھام لیا۔

"میں ہوں ناں کچھ نہیں ہوگا۔ تم اور حورین ہی تو میرے جینے کی وجہ ہو، ورنہ میرے پاس کیا ہے جو مجھے زندہ رہنے پر راضی کرے اور پھر اب وہ کوشی بھی ڈیکوریشن کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کا کیا ہوگا جو اتنے پیار و شوق سے خریدی ہے تم نے؟" انس صاحب کے لہجے میں نرمی و پیار تھا۔ اپنائیت و بے لوث محبت کے اسی انداز نے کرن کو ان سے تھمی کیا ہوا تھا۔

"چلیں وہاں کا ایک راؤنڈ لگا کر آتے ہیں، ڈنر بھی باہر کریں گے۔" قبل اس کے کہ کرن کچھ کہتی، اسی لمحے دروازہ ٹاک کر کے حورین آئی۔

"اوہ آئے آئے کیسے فرصت مل گئی ہماری بیٹی کو ہمارے پاس آنے کی؟" حورین کو کوئی کہہ کر وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔

”جی! یہ ناول ہے، بڑی آپ رہتے ہیں، میں نہیں۔“ وہ آکر ان کے شانے سے لگ کر شکایتی انداز میں گویا ہوئی۔
 ”اس کو کہتے ہیں الٹا چور کو قوال کو ڈانٹے۔“

کرن نے بھی بیٹی کو محبت پاش لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ سیاہ سفید پرشمنڈ سوٹ میں اس کی سرخ و سفید رنگت و جبرے کے دلکش نقوش واضح تھے۔ اس کے سادہ چہرے پر تازگی تھی، براؤن بالوں کی چوٹی کمر پر جمولی رہی تھی۔ کانوں میں گولڈ کے نازک سے رنگ تھے اور ہائیں ہاتھ میں رسٹ وایچ۔ سوٹ کی میچنگ کا دوپٹہ بہت سلیقے سے اوڑھا ہوا تھا۔ کرن کو جو اس سے اختلافات رہتے تھے۔ وہ بی بی جان کی صحبت میں رہ کر مٹ چکے تھے۔ اسی لیے وہ بھی اسے دل و جان سے چاہنے لگی تھیں۔ ابھی بھی ان کی نگاہیں ہالائی بالاس کی نظر اتار رہی تھیں جو اس ساوگی میں بھی رعنائی و دل ربائی کا پیکر تھی۔

”پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ ہم میں سے چور کون ہے اور کو قوال کون؟“ اس بیٹی کو پلٹتے ہوئے شوشی سے کرن سے گویا تھے۔

”میں۔“ باپ بیٹی کو مسکراتے دیکھ کر وہ ممنوعی غصے سے پولیس۔

”وہ تو تو آپ ہی ہیں..... چور بھی کو قوال بھی؟“

”اوہو۔ آپ تو بعض اوقات بال کی کمال نکال لیتے ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی تھیں۔ چہرے پر دہشتی مسکراہٹ کی روشنی تھی۔

”یونیورسٹی کب سے کھل رہی ہے؟“

”کل سے۔“

”پروفیسر صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوئی کیسے ہیں وہ؟“

”ٹھیک ہی ہوں گے۔ کل یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی۔“ سر آفتاب کے نام پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

کوئین چند دنوں کے لیے بزنس ٹور پر ناروے چلا گیا تھا۔ اس رات ڈالٹون کی جذباتی کیفیت اور قسم دینے پر اس نے اپنے دل کی ہر بات اس کو سنا ڈالی تھی۔ ایک عرصے سے جو خبر وہ اپنے دل میں چھپائے نہ حال ہو رہا تھا، اسے سنا کر کافی ہلکا چھلکا اپنے دل و دماغ کو محسوس کر رہا تھا۔ اس تمام قہے کو اس نے صرف اپنی ذات تک محدود رکھ کر سنایا تھا نہ اس میں خضریٰ کی چاہت کا بتایا تھا کہ وہ بھی اسے دل ہی دل میں چاہتی ہے اور نہ ہی ممالور ناخوکی و تمام باتیں و حرکات بتائی تھیں جن کے باعث وہ ان سے دور ہوا تھا۔ بھائی کی پسندیدگی سن کر وہ ششدر رہ گیا تھا کہ خضریٰ کو ہی اس نے کوئین کے حوالے سے دیکھا تھا اور اب وہ کسی اور کی امانت تھی۔ کوئین اس سے خاموش رہنے کے عہد و پیمان لے کر جا چکا تھا۔

وہ بھائی کی نامرادی پر مطمئن ہو کر رہ گیا۔ حیدر کے ساتھ وہ یونیورسٹی گیا تھا۔ دو جریڈ کے بعد فری جریڈ تھے۔ وہ اسے لے کر

کینٹین چلا گیا۔

"کیا بات ہے، کچھ ڈسٹرب دکھائی دے رہے ہو؟" حیدر نے چائے کا آرڈر دینے کے بعد اس کے سمجیدہ چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے آتم رائٹ۔"

"مجھے تم سیزہ دکھائی دے رہے ہو۔ کوئی الجھن ہے، کوئی پریشانی ہے جو تمہاری آنکھوں میں سرخی سے نمایاں ہے کہ شاید تم خند بھی پوری طرح نہیں لے رہے۔ کوئی توجہ ہے ناں پھر تم ہی تو کہتے ہو کہ خوشیاں بانٹنے سے زیادہ ہوتی ہیں اور دکہ بانٹنے سے کم۔"

"جس شخص کی پوری حیات ہی دکہ و محرومیوں سے عمارت ہو، وہ کس سے دکہ شیئر کر سکتا ہے اور کون کب تک کرے گا؟"

"کیا سوچ رہے ہو یا ر؟" حیدر اسے خاموش دیکھ کر گویا ہوا۔

"یو آر ناٹ کنفیوڈ آتم دیری دیری پر فلکٹ انڈر اسٹوڈ۔" اس نے وجہ سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دینر سے چائے لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"میری دعا ہے ایسا ہی ہو۔"

"کل صبحی کی کال آئی تھی۔ وہ بہت خوش ہے بارون بھائی سمیت سب کی بے حد تعریف کر رہی تھی۔" اس نے چائے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اگر ہمارے اپنے خوش ہوں تو ہم از خود ہی خوش ہو جاتے ہیں۔ اپنوں کی خوشیاں، اپنوں کے دکہ براہ راست ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔"

"ہوں۔ یہ بات تو پر فلکٹ ہے۔ سر آقاب کی طرف چلتے ہیں وہ آج بھی نہیں آئے ہیں۔ شاید ابھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ذوالنون نے چائے کے بپ لیتے ہوئے کہا۔

"حورین سے ملاقات ہوئی ہے تمہاری؟"

اچانک حیدر نے پوچھا اور لمبے بھر کو اس کے اندر کھلبلی مچ گئی۔

"وہاں سے آنے کے بعد ایک بار بھی نہیں۔ اس نے دوبارہ کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کی ہے مگر میں نے کال ریسیو نہیں کی۔"

"کیوں.....؟" حیدر کے لہجہ میں حیرانی تھی۔

"ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا ہے۔" اس نے حیدر کی طرف دیکھے بنا کہا۔

"لیکن تمہیں جواب دینا پڑے گا کہ تم نے کس خوف کی وجہ سے کال ریسیو نہ کی؟ کوئی توجہ ہو گی؟" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"وہاں تو نہیں چل گیا ہے تمہارا؟ ہر بات کا الٹا ہی مطلب لیتے ہو۔"

"اوکے..... سیدھا مطلب تم ہی سمجھاؤ۔" اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم فضول سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

”غلام لفظ بولا ہے تم نے۔“

”کون سا؟“

”سپنس..... حالانکہ تم کو کہنا چاہیے تھا رومنس۔“

”او وٹ۔ تمہیں جو اس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے۔“

وہ بری طرح تپ کر گیا ہوا جبکہ خود اس کے دل کی دنیا زیرِ زور ہی تھی۔ صبحِ مخالف سے وابستہ ہونے والے اس جذبے سے اسے نفرت تھی۔ پیار، محبت، عشق، ان لفظوں سے دونا آشنا تھا اور تب تک ہی سب ٹھیک تھا۔ جب تک کسی کی پروا بھی نہ تھی اور جب سے محبت کی یہ خورد و کوبل اس کے دل کی زمین پر آگئی تھی سب کچھ بدل گیا تھا۔ دن، رات، خندیں، خواب، موسمِ جذبے سب ہی بدل کر رہ گئے تھے اور دو کوشش کے باوجود ان کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ دل کی اس بغاوت نے اسے اضطراب، تشویش، حیرت، مزید بڑھا دیا تھا۔ جس جذبے کا اقرار وہ خود سے نہیں کر رہا تھا تو اس سے کیونکر کرنا۔ دو کامن روم سے نکل رہی تھی۔ میٹری سے گزرتے ذوالنون کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی تھی، اس وقت وہ تنہا تھا۔

”ایکسکس می زی۔“ حورین کی آواز سن کر وہ رکھا مگر مزکر نہ دیکھا تھا۔

”حیدر اور سر آفتاب کے متعلق پوچھتا ہے۔“ اس کے انداز میں پرانی والی بے گانگی و سرد مہری محسوس کر کے وہ غماظ انداز میں بولی۔

”سر کی طبیعت ابھی کھل ٹھیک نہیں ہوئی ہے اور حیدر یونہی آئی ہے۔“ خاصے روڈ انداز میں جواب دے کر وہ چلا گیا تھا۔ حورین نے حیرانگی و غفلت کے انداز میں اس کی پشت کو گھورا تھا۔

”ادو کا ڈایہ آدمی ہے یا کرگت؟ جس طرح ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جاتے ہوئے دوا ہمارنگ بدلتا ہے، اسی طرح یہ شخص موقع دیکھ کر موڈ بدلتا ہے۔ گاؤں میں اس طرح کیسے کر رہا تھا گویا اس سے بڑھ کر میرا کوئی ہمدرد کوئی خیر خواہ نہیں ہے اور اب اس طرح ملا ہے جیسے جانتا ہی نہیں ہے، عجیب شخص ہے، نہ بڑا بڑا ہی ہوئی وہیں کھڑی تھی، اس سے بے خبر کر وہ چاروں اسے ذوالنون سے بات کرنے دیکھ چکی ہیں۔“

”ارے تم نے بھی وہی دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے؟“

”آج لگ رہا ہے سورج غلط سمت سے نکل آیا ہے۔“

”مجھے لگ رہا ہے، میں خواب دیکھ رہی ہوں۔“

”مجھے یقین تھا ایسا ایک دن ضرور آئے گا اور وہ آگیا۔“ ردا، شرین اور مول کے بعد ذویانے کمٹس دیے تھے۔

”ارے اسے کیا ہو گیا؟ کیا بولے جا رہی ہو؟“

”جو دیکھا ہے، وہی کہہ رہے ہیں ڈیر! دشمنی، دوستی میں بدل گئی۔ دو مختلف راستے ایک ہی منزل پر چلتے لگے۔ دن اور رات کب

ایک ہوتے ہیں، یہ ہمیں معلوم ہی نہ ہو سکا۔“ شرین اسے معنی خیزی سے دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"یہ انقلاب کس طرح برپا ہوا معلوم تو ہوں؟" دو چاروں اپنی اپنی کیرری تھیں، حورین ان کے ہمراہ وہاں سے لائی میں چلی آئی تھی کہ یہاں پراسٹوڈنٹس کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ آزادی سے گفتگو کر سکتی تھیں۔

"تم لوگ اس طرح ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو؟ یہ کوئی امیژنگ پوائنٹ نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے بھی بات کرتی تھی، کوئی پہلی بار بات نہیں کی جو تم لوگ اس قدر ایکٹائیو رہی ہو کہ حواس ہی کھوئی جا رہی ہو۔" حورین کے انداز میں ہنسی لگتی تھی۔

"ہاں کرتی تھیں مگر اس طرح نہیں، بڑے نرم انداز میں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے حیدر کے متعلق پوچھ رہی تھی اور سر آفتاب کے متعلق جو یونیورسٹی نہیں آئے ہیں۔" وہ کہتی ہوئی سامنے حیدر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ جو زیست کا سفر ہے

یہ جو رشتہ ہے میرا

تم اگر ساتھ نہ دو گے

تو یہ کس طرح کئے گا

میری سوچ کی حدود تک

یہ گماں بھی کیسے آئے

کوئی پل بنا تمہارے

بھلا کیسے بیت جانے

میرے پاس تم نہیں ہو

میرے پاس کب نہیں ہو

میری یاد کے نگر میں

میرے خواب کے سفر میں

میری سوچ کی تہوں میں

میری آنکھ کے صُور میں

میرے دل میں، جاں میں، تن میں

ہاں تم ہی ہو، ہر کہیں ہو

مہران علوی چند ہفتوں بعد پھر اس کے سامنے موجود تھا۔ مگرے چیٹ، دو ہاٹ شرٹ میں ترتیب سے سنوارے گئے بال اور چہرے پر موجود رسمی مسکراہٹ نے اس کی شخصیت کو قار بنٹھا تھا۔

”مہران علوی صاحب! کیا لیں گے آپ؟ کولڈ ڈرنک، کافی یا ٹی؟“ چہرہ سات ماہ کے عرصے میں پہلی بار وہ اس سے اعتماد بھرے لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔ مہران کو یہ دوستانہ انداز بہت پسند آیا تھا۔

”آج ہر فیصلہ آپ کا چلے گا جو آپ چاہیں منگوالیں۔“ اس کے انداز میں کوئی خاص بات تھی۔ فخری نے چونک کر دیکھا تھا پھر مہرلاتے ہوئے انٹرکام پر کافی لانے کا آرڈر دیا تھا۔

”دو میز رکھے ہیں۔ محکمہ کی فیل ہو رہی ہے، ایسے میں کافی بیسٹ رہے گی۔ کافی آپ کو پسند بھی ہے۔“

”میری پسند ناپسند کا خیال ہے آپ کو؟“ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

”جی ہاں، جتنے ٹائم سے ہم مل رہے ہیں، سامنے عرصے میں ایک دوسرے کی پسند و ناپسند سے بہت واقف ہو جاتا ہے۔“

”پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے فخری؟“ وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

”میرا اب بھی فیصلہ وہی ہے جو پہلے تھا۔“ وہ مضبوط لہجے میں ہوئی۔

”فیصلہ بدلا بھی تو جاسکتا ہے۔“ اس کے لہجے میں ایک آس و امید پنہاں تھی۔

”جن فیصلوں پر ہماری زندگی، ہماری خوشیوں کا دار و مدار ہو، وہ فیصلے صرف ایک بار کیے جاتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے فیصلے میں دیر کی اور آپ کو خواہ مخواہ انتظار کی زحمت دی۔ ایسا مجھے بہت جلد کرنا چاہیے تھا۔“ نرس نے رکھ کر چلی گئی تھی جس میں بھاپ اڑاتے ہوئے رکھے ہوئے تھے۔

”آپ بہت ناخوش و بہت گریٹ ہیں۔ کوئی بھی لڑکی آپ کی لائف پارٹنر بن کر خوش رہے گی۔“ وہ کافی کالمک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

”کوئی بھی لڑکی؟“ اس کے دھیمے لہجے کی عجیب سی آواز نے پل بھر کو فخری کو گھڑ بڑا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی ادا سی کبھری تھی۔ ”کوئی اور لڑکی کیوں تم کیوں نہیں؟“

”اس سے قبل میں نے بہت سوچا، بہت کوشش کی کہ میں آپ کو انکار نہ کروں، کپرومانز کروں مگر پھر خیال آیا جہاں حیات کے پھول آخری سانس تک مہکتے ہیں وہاں کپرومانز کا جس زیادہ دن قابل برداشت نہ ہوگا۔ زندگی محبت کے سہارے گزارنی چاہیے۔ محبت ملنے کی آرزو میں گزارنی چاہیے ہے مگر کپرومانز کے قہر و ہرگز نہیں۔“

کافی سپ کرتا ہوا مہران اس کی ہر بات بغور سن رہا تھا۔ اس کی جانچتی نگاہیں پتھر پتھر کر اس کا جائزہ لے رہی تھیں، پھر وہ گویا ہوا۔

”آپ کی یہ سائنل، فریش چہرہ اور یہ بولڈ کانفیڈنس میں آپ سے پہلے ہونے والی ملاقات میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ آپ

کے چہرے پر چھانے والی ناپسندیدگی کو میں پہلے دن ہی بھانپ گیا تھا۔ آپ کی اس کتابت و جلابت کو شرم و حیا کا نام دے کر میں نے کتنے عرصے خود کو بہلائے رکھا۔ دل سے آنکھنے والی صداقت بھری آوازوں کو انہیں گوارا نہ ہوا، پھر ممانے بھی یہی محسوس کر کے مجھے کہا تو میں نے یہی کہا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ خستہ بہت شریف و نیک لڑکی ہے۔ عام لڑکیوں سے بے حد مختلف و باوقار۔ کافی کاہک فیل پر رکھ کر وہ اس سے گویا ہوا تھا۔

”وراصل میں ماما کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلیم دیتا تھا کہ آپ کی اس وقت کی فلیٹنگو سمجھ نہیں آتی تھیں۔ کوئی یکسو خیال اس لیے نہ تھا، کیونکہ مجھے معلوم تھا میرا پرپزل ایکسپٹ کرنے کے لیے آپ کو فورس نہیں کیا گیا ہوگا، کیونکہ آپ کی فلیٹنگو کیلڈ و ماڈ ہے، پھر آپ خود ایک ڈاکٹر و با اعتبار تھیں۔ آپ کی مرضی کے بغیر تو یہ ممکن ہی نہ تھا۔“ دو اپنے مخصوص و مجسمہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ خستہ کی خاموشی سے کافی کے سپ لیتی سن رہی تھی۔

”ہر بار مجھے فیل ہونے لگا، کچھ نہ کچھ ہے۔ آپ کی آنکھوں کی اداسی و چہرے کی بے زاری میرے جذبیوں کو قتل کر رہی تھی۔ میری محبت کی کلیاں بن گئے مر جہا رہی تھیں۔ اسی کشش کے دوران ایک رات ذرا پر میری ملاقات آپ کے کزن کوئین سے ہوئی تھی۔“ اس نے خستہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور خلاف توقع کوئین کا نام سن کر خستہ کی پٹیا مٹی، دل تیزی سے دھڑکا اٹھا، کاپتے ہاتھوں سے اس سے لگ جھام رکھا تھا۔

”ایسی ہی کنڈیشن میری ہوئی تھی جب میں نے کوئین کی آنکھوں میں بھی آپ کی آنکھوں والی ویرانی و اداسی دیکھی تھی۔ میرا اضطراب تب ہی سے بڑھ گیا تھا۔ دل کی حالت بے قابو ہو چکی تھی۔ دل سرگوشی کرتا، خستہ کی تمبارے لیے نہیں بنی، وہ کسی اور کی چاہت ہے اور میری لگا ہوں میں از خود ہی کوئین کو سراہا آجاتا اور میں گم م ہو کر رہ جاتا پھر میں سوچتا کہ آپ سے پوچھوں کہ حقیقت کیا ہے؟ کیا آپ میرا ساتھ نہیں چاہتیں؟ کیا میرا دل جو کہتا ہے وہ سچ ہے؟ مگر آپ کی سنجیدگی و کم گوئی حوصلہ نہ دیتی تو گویا میں لگ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں؟ میں نے شروع سے ایسے خیالات کی لڑکی کی چاہ کی ہے جو میری محبت کا جواب محبت سے دے، جس کی تمام آرزوئیں، خواہشیں، جذبے و احساسات میرے لیے ہی ہوں، جس کی آنکھوں میں مجھے اپنا عکس نظر آئے اور آپ میں ایسا کچھ نہ تھا۔ ابھی میں اس اُلجھن کو سلجھانہ پایا تھا کہ اچانک اس رات ہوٹل میں کوئین سے ملاقات ہونے پر جو آپ کی ایموٹل فلیٹنگو سامنے آئیں، ان سے تمام معاملات میری سمجھ میں آ گئے۔“

”آ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کوئین صرف میرے کزن ہیں؟“ اس کے دل و دماغ پر گویا برف جمنے لگی تھی جس راز کو وہ سالوں سے چھپاتی آرہی تھی وہ اب عیاں ہونے لگا تھا۔

”وہی کہہ رہا ہوں جو شاید آپ اپنے آپ سے بھی چھپاتی آرہی ہیں۔ محبت ایک ایسا بھول ہے جو خود تو ٹکا ہوں سے ابھل رہتا ہے مگر اس کی ہلک چھپائے نہیں جھپتی، پھپکتی ہے اور پھپکتی چلی جاتی ہے۔ اسے چھپانا فضول ہے۔“ اس کا انداز ایک اتنے رازدار و دوست کی طرح تھا۔

"مہران صاحب پلیز! آپ مجھے سوا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو....."

"ارے ارے یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ مجھے ایسا ہی کم ظرف و پچھورا سمجھا ہوا ہے، اگر آپ کو سوا کروں گا تو میری رسوائی نہ ہوگی؟ آفرآل میرا آپ سے رشتہ ٹوٹا نہیں ہے اور نہ کبھی ٹوٹے گا۔" دو دو معنی انداز میں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....☆

یونیورسٹی میں اس دن موقع ہی سنل سکا حیدر سے بات کرنے کا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ حیدر سے اس کے والدین کے متعلق معلوم کرے جو اس کے کزن عمرو از کی گرفت میں پٹے گئے تھے۔ حیدر کو یونیورسٹی میں مطمئن دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی، یقیناً اس کے حالات بہتر ہیں جو وہ وہاں نظر آ رہا ہے مگر یہ سب کس طرح ہوا یہ جاننے کی جتو اسے بے کل کیے ہوئے تھی۔ گاؤں سے آئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، اس دوران ہزار کوشش کے باوجود وہ سر آفتاب سے مل نہ پائی تھی۔ سب کے ذریعے ہی ان سے بات ہوتی رہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ان سے رو برو ملاقات کرے، ان کی محنت یابی پر مبارکباد دے۔

ان سے ملنے کے لیے دو چاروں بھی بے چین تھیں۔ اصل حقائق سے دو واقف نہ تھیں کیونکہ انہیں صرف یہی بتایا گیا تھا کہ سر آفتاب بیمار ہیں جو لوگ اکثر موسم کی تبدیلیوں سے ہو جاتے ہیں۔ اس دوران سر آفتاب اپنے گھر کے بجائے کسی دوست کے ہاں شفٹ ہو گئے تھے۔ اب جبکہ وہ پوری طرح فٹ تھے تو اپنے گھر آ چکے تھے اور وہ لوگ ان سے ملنے کو بے قرار تھے۔

"کیا سوچا جا رہا ہے؟" کرن روم میں داخل ہوتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مما! میں سر سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اس میں سوچنے والی کیا بات ہے چلی جائیں؟"

"نویا، موٹل وغیرہ بھی جانا چاہتی ہیں۔"

"آپ لوگ ساتھ تو جاتی ہیں، پھر اب کیا ہوا؟" انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر استغیابہ انداز میں کہا۔

"مما! گاؤں میں جو کچھ بھی ہوا میں نے سب آپ کو بتایا۔ آپ ہر بات سے آگاہ ہیں وہاں سے آنے کے بعد سر سے یہ پہلی

ملاقات ہے اور ضرور وہاں ہونے والے حاوے کا ذکر بھی ہوگا۔ احتیاط کے باوجود کوئی نہ کوئی بات نکلے گی اور سب کھیل بگڑ جائے گا۔" وہ ان کے شانے پر چہرہ نکاتے ہوئے اُلجھے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ماں کے شانے پر سر رکھتے ہوئے ذہن میں جھم سے کسی کا مضبوط شانہ یاد آیا تھا اور اپنی اس بے اختیار حرکت پر اسے شدید شرمندگی ہوئی تھی۔

"مجھے آپ پر فخر و اعتماد ہے اور آپ نے مجھ سے وہ سب نہ چھپا کر ایک قابل اعتماد دوہی محبت کرنے والی بیٹی کا ثبوت دیا ہے۔

ماں باپ کا یہ اعتماد و اعتبار ہی بیٹیوں کو گھر سے باہر نکلنے دیتا ہے جو بیٹیاں والدین کے اعتماد و مجروحہ کی کاٹی کو نہیں نہیں نکلنے دیتیں، وہ بڑی کامیاب و کامران زندگی گزارتی ہیں اور ہائی دوسری بیٹیوں کے لیے زندگی بڑی کٹھن و خاردار ہو جاتی ہے۔ آپ کے چا سائٹ پر جا رہے

ہیں۔ وہ آپ کو ڈراپ کرتے چلے جائیں گے۔ ذویا اور مول کو میں شاپنگ پر لے جاؤں گی اور کبہ دوں گی۔ میں نے آپ کو منع کیا تھا ساتھ لے جانے کو، تاکہ ہم شاپنگ کر سکیں۔" کرن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ ماما! یو آر دیری دیری گرلٹ"۔ اس نے محبت سے پلٹتے ہوئے ان کے کال ہوم ڈالے تھے۔

"خوش رہو سدا۔ میری دعا ہے ڈکھ کا سایہ بھی تمہیں چھو کر نہ گزرے۔ تادم آخر خوشیوں، مسرتوں، راحتوں کی آغوش میں جمو مٹی رہو۔ ہنسی مسکراتی رہو"۔ اس کی پیشانی چومتے ہوئے ول میں دعائیں دی تھیں۔ آنکھوں کے ساحل سے دھمکتی ٹھل کر اس کے گھٹے ہالوں میں گم ہو گئے تھے۔

انس صاحب کی اس میں جان تھی۔ وہ بھلا اسے کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ وہ اسے سر آفتاب کے ہاں لے آئے تھے۔ سر آفتاب ان سے بڑے تپاک سے ملے۔ ان کے انداز میں وہی مخصوص شفقت و حلاوت تھی، عجز و انکساری تھی جو لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیتی تھی، وہاں پہلے سے موجود ذالوں کو دیکھ کر اسے حیرانگی نہ ہوئی تھی کہ جانتی تھی وہ ان کی پرچھائی ہے۔ انہوں نے انس صاحب سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ انس صاحب نے مصافحہ کرتے وقت بے حد غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ بیسویں، وائٹ اینڈ بلیوٹی شرٹ میں بلیوز دو دراز قد و جیہہ چہرے والا نوجوان انجینیئرس نہ ہوا تھا۔

"ٹائٹس ٹو میٹ یوس"۔ وہ اس کی ہم رنگ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا ہوئے تھے، جواباً وہ بھی بولا۔

دھیمے سے "سر"۔ اسے حیرانگی ہو رہی تھی۔ اس شخص کی آنکھیں بالکل اس کی آنکھوں کی ہم رنگ تھیں۔ سر کی رنگ کی ہندوگی سے بھرپور آنکھیں۔ انس صاحب چند منٹ ہی بھرے تھے۔ پرنس کے سلسلے میں انہیں فوری جانا تھا۔ وہ سر آفتاب سے معذرت کرتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ سر آفتاب سے باتوں میں مشغول ہو گئی تھی۔ سامنے بیٹھے ذالوں کو اس نے از خود نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کی یونیورسٹی والی سرد مہری و بیگانگی وہ بھولی نہ تھی۔ وہ بھی اس کی غلطی کو محسوس کر رہا تھا۔ تب ہوشوں پر گہری مسکراہٹ بجائے گا ہے بگا ہے گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بھر بھر کر اس کے چہرے پر اٹھ رہی تھیں۔

"حیدر کے کزن نے ان کی زمینوں، حویلی و جائیداد کے عوض اس کے والدین کو رہا کیا ہے۔ حیدر نے سب خوشی خوشی اس کے نام لکھ دیا ہے۔ اب وہ ہمیں گھر خرید چکا ہے۔ ان دنوں اپنے والدین کو لینے گاؤں گیا ہوا ہے جو وہاں کسی قریبی عزیز کے ہاں سکونت پذیر ہیں"۔ انہوں نے تفصیل سے حیدر کے حالات گوش گزار کیے تھے۔

"سرا عمر و راز نے سب کچھ ان سے لے لیا ہے تو اب ان کو پراہلو ہوں گی۔ پیسہ تو اہم ہے۔ پیسے کے بغیر تو کچھ نہیں ہے۔" وہ ایک مثال ہے، مرا ہاتھی بھی سوالا کھکا ہوتا ہے تو یوں ہی سمجھیں۔ تمام دولت و جائیداد دینے کے بعد بھی یہ لوگ کافی چینگ ٹیلنس کے مالک ہیں پھر حیدر پرنس کرنے کی پلاننگ کر چکا ہے۔ ملازم کو لڈا ریک سرور کر گیا تھا۔

"پھر تو ان کی دشمنی ختم ہو گئی ہوگی سر؟ صوبائی خاندانوں سے باہر ہو گئی ہے۔ وہ اب یہاں آ سکتی ہے۔"

"عمر دانا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔" ذوالنون نے جواب دیا تھا۔

"وہ سب کچھ لے چکا ہے اس کے باوجود بھی....."

"ہاں، ایسے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، صرف لینا جانتے ہیں، دینے کے لیے معافی بھی نہیں ہوتی ایسے لوگوں کے پاس۔"

"یہ انتہائی جذبہ انسان کو حیدان کیوں بنا دیتے ہیں؟ دوسروں کو دکھ دینے والے خود بھی خوش کہاں رو سکتے ہیں؟" حورین نے افسروگی سے کہا۔

"معاف کر دینے میں بھی تواضع ہے۔" سر آفتاب نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

پھر شام تک وہ ان کے ساتھ رہی تھی۔ بہت سارے موضوعات میں گفتگو ہوتی رہی تھی جس میں زیادہ تر سر آفتاب اور ذوالنون بات کرتے رہے تھے۔ اس سارے وقت میں اس نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ ذوالنون کا سوڈیو نیورٹی والے موڈ سے بیکسر مختلف تھا۔ بہت فریٹش و بے تکلف انداز تھا۔ کئی بار اس کی لٹا ہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کی تھی اور جب بھی وہ اس کی جانب دیکھتی، وہ لگا جیس جھکا لیتا تھا۔ انجان میں جانتا تھا۔ وہ سچا کھرا بندہ جو حق بات مقابل کے سامنے کہنے سے نہیں ڈرتا تھا، نہ معلوم کیا ہوا تھا اسے جو وہ اس طرح خود کو چھپانے لگا تھا۔

"میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" وہ ڈرائیور کو کال کر رہی تھی جب وہ قریب آ کر گویا ہوا تھا۔

"تو جھینکس میں شوفر کے ساتھ جاؤں گی۔" اس نے انکار کر دیا۔

"اگر آپ کے مزاج میں اتنی ہی حاکیت ہے تو مجھے ہی شوفر سمجھیں۔" اس کی بھرپور مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو روشن کر ڈالا تھا۔ سینے پر بازو باندھے چپکتی لگا ہوں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ نہ معلوم کیا تھا ان حیرانگیز لگا ہوں میں جو وہ لگا جیس جھکا کر رہ گئی۔ دل کی دھڑکنیں نے ہی طرح بے ترتیب ہوئی تھیں۔ وہ جواباً کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

"بچہ! کیا ڈسکشن ہو رہی ہے؟" سر روم سے باہر آ کر پلے۔

"سر! میں نے انہیں ڈراپ کرنے کی آفر کی ہے۔"

"اچھا ہے آپ لوگوں کا روت زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔"

"سر! میں شوفر کو کال کر رہی ہوں، انہیں خواہ مخواہ زحمت ہوگی۔"

"کوئی زحمت نہ ہوگی اور آپ جلد پہنچ جائیں گی۔"

سر آفتاب کو وہ منع نہ کر سکی تھی۔ طوعاً و کرہاً وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی جس کا دروازہ ذوالنون پہلے ہی کھول چکا تھا۔ اس کے بیٹھنے ہی اس نے سر آفتاب کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا تھا، انہوں نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا اور اس نے کار آگے بڑھا دی تھی۔

"ناراض ہو؟" پھر وہ منت گزر جانے کے باوجود وہ خاموش بیٹھی رہی تو ذوالنون اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”میں آپ سے کیوں ناراض ہوں گی؟“ اس کے لہجے میں موجود لاشعری نے دم بھر کو اسے مضطرب کر دیا تھا۔ وہ ہونٹ بھیجنے کر رہ گیا۔
وہ سا حروشی.....

اپسرا تھی.....

جو کسی آسیب کی طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ اس کی مہکتی رفاقت میں جذبے مدہوش ہونے کو بے قرار تھے۔
جس نے اس کے بے رنگ خوابوں کو دل کش رنگ دیے تھے، جس کے حسین تصور سے زندگی پہلی بار انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ وہ اس قدر بے گانہ تھی کہ اس کے جذبات ہی نہ سمجھ سکتے۔

”کیوں، ہم میں دوستی نہیں ہے؟“ وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”دوستی اور ہم میں..... یہ ناممکن ہے۔“

”کیوں ہماری دوستی ناممکن ہے؟“

”آپ بے حد موڈی ہیں، ذوالنون صاحب! دوستی ہم خیال، ہم مزاج لوگوں سے کی جاتی ہے۔ آپ جیسی تنہا والوں سے ہرگز نہیں“ اس کی بات کا رد مانانے کے بجائے وہ ہنس پڑا تھا۔

”میرے خیال میں آپ یونیورسٹی والی بات پر ناراض ہیں.....“

”جی نہیں، میں کسی بات پر ناراض نہیں ہوں۔“ وہ اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ لمحے بھر کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔ وہ اس کی بولتی نگاہوں کی زور آوری سے گھبرا کر نگاہیں جھکانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

ہلکا ہلکا بدلتے شخص کا یہ کیسا نا آشنا رنگ تھا؟

چہرے کا تاثر

نگاہوں کی حدت

بندلیوں کی گویائی.....

اس کا ہر انداز ایک یا سنی پیغام لیے ہوئے تھا۔ وہ سنانے میں رہ گئی۔ لمحے بھر کو نگاہوں کے تصادم نے اس پر اس کے جذبے آشکارا کر دیے تھے۔

”آتم سواری اس دن میں اس انداز میں بات کرنا نہیں چاہتا تھا مگر میں نے آپ کے پیچھے آتی ان کرانا کا تہین کو دیکھ لیا تھا، اس لیے روڈ رو پہ رکھا تھا، تاکہ وہ غلط مطلب نہ لیں“ اس نے رسائی سے سمجھایا تھا۔

”کرانا کا تہین..... وہ کون ہیں؟“ اس کے لیے یہ لفظ بالکل نئے تھے۔

”نقل و حرکت، حساب کتاب رکھنے والے فرشتے۔“

"اودہ" اس کا اشارہ شمر بن، زویا وغیرہ کی طرف تھا۔ اس کے اس طرح کا خطاب دینے پر وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔ "آپ سنس آف ہومر سے واقف ہیں"۔ وہ شانے اُچکا کر گویا ہوئی۔

"وقت انسان میں ہر سنس خود پیدا کر دیتا ہے۔ اہمیت احساس کی ہوتی ہے، جذبات کی ہوتی ہے۔ ان کے بنا تو انسانیت ہی ادھوری ہے"۔ کارڈ رائیو کرتے ہوئے وہ جیسے کم سا ہو گیا تھا۔ حورین خاموش ہو گئی تھی۔

"ایک نیوز ٹی ہے روکی کے متعلق۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"اودہ کیا ہوا تھا؟" "کس طرح؟" اس خبر سے وہ آرزو ہو گئی تھی۔

"انٹیشن میں کھیٹک کرتے ہوئے مخالف پارٹی سے جھگڑے کے دوران بلٹ اس کے برین میں لگ گئی تھی۔ وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔"

"انسان ہی انسان کا خون بہا رہا ہے"۔ اسے بے حد افسوس ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں میں روکی کا سراپا گھوم رہا تھا۔ طاقت کے نشے میں پور، جس کے قدم زمین پر پڑتے تھے تو زمین میں دھک پیدا ہوتی تھی، کل تک زمین کو قدموں سے روندنے والا آج اسی زمین میں، اسی مٹی کا حصہ تھا۔

"اگر بندہ قدم اٹھانے سے قبل سوچ لے کہ جس راستے کو اس نے چنا ہے، اس کا انجام کیا ہوگا"۔ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔ "شاید اسی کو لک بھی کہتے ہیں۔"

"میں لک پر بھی یقین نہیں کرتا، غلطی ہم کریں، نام نصیب پر رکھ دیں۔"

"اس کے فادر نہیں تھے، شاید وہ اس لیے بری صحبت کا شکار ہوا۔"

"جن کے فادر نہیں ہوئے ضروری نہیں دو ٹیرسٹ بن جائیں"۔ اس کے انداز میں ایک چہن تھی۔ وہ چپ روٹھی، پھر ان کے درمیان بات نہ ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

منال بیٹھی گہری سوچ میں غرق تھی۔ فالقہ ان کے قریب بیٹھیں تو انہوں نے ان کی طرف دیکھا تھا مگر سوچ کے دائرے سے باہر نہ نکلی تھیں۔

"آخر کب تک یہ سوچ و بچار ختم ہوگی؟ میں کہتی ہوں ضد جوڑ دم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ میں برہان کو اتار کر دیتی ہوں، وہ خود ہی....."

"جیس می! میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھیں۔ میں بہت کچھ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں اور کر کے دکھاؤں گی"۔ وہ غصے سے بھرے انداز میں بولیں۔

"کب کس دن کر کے دکھاؤ گی؟ جب وہ یہاں سے دوبارہ فرار ہو جائیں گے؟ ایک غمراہی کی آگ میں جلتے ہوئے گزار

دی۔ طویل عرصے بعد موقع آیا ہے تو اس کو تم ویسٹ کر رہی ہو۔

”میں ویسٹ نہیں کر رہی، پہلے جو بھی کچھ ہوا وہ میری جلد بازی و جذباتی پن کی وجہ سے ہوا۔ اس بار میں بہت سوچ سمجھ کر وار کرنا چاہتی ہوں۔“

”ایسا نہ ہوڈیٹر ہم سوچتے رہ جائیں اور وہ اٹکا دار ہم پر ہی کر دیں۔ سو ہمیں حد سے بڑھ جائیں تو بے مقصد ہو جاتی ہیں۔“

”میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، بہت جلد آپ خوش خبری سنیں گی۔ تم تو اسامبر بس پھر آپ خوش ہو جائیں گی اور کہیں گی وہ میری بیٹی نے کیا بدلہ لیا ہے۔“ انہوں نے دھیان سے ماقبہ لگاتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔

”مجھے اس بل کا، اس لمحے کا بڑی شدت سے انتظار ہے۔“

”ہیلو یہ کس کا انتظار ہو رہا ہے؟“ ذوالنون نے اندر آتے ہوئے ان کی ادھوری بات سن کر کہا۔

”پرنس! آج سارا دن غائب رہے، پروفیسر صاحب سے اتنی محبت کیوں ہے آپ کو؟“ منال کے بلجے میں شہد بہہ رہا تھا۔

”نام اگر وہ میری زندگی میں نہ ہوتے تو میری زندگی بھی نہ ہوتی۔“

”آپ ان کی محبت میں حزن کی محبت محسوس کر کے خود کو بہلاتے رہے ہیں مگر حزن گزرنے کے باوجود بھی آپ بھول نہ سکے۔“

منال اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تاسف بھرتے انداز میں بولیں۔

”مہی! محبت کوئی سبق نہیں ہوتا جو بھول جائیں تو یاد آئے۔“ پہلی بار اس نے ان کے ساتھ باپ کے متعلق بات کی تھی۔ منال کا دل یک دم ہی خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ اسی موقع کی دو کب سے تلاش میں تھیں کہ وہ کسی طرح حزن کا ذکر کرے۔

”حزن وہ آپ کو چاہیے بھی تو دل و جان سے تھے۔“ دوسرا ڈیوٹر بھر کر بولیں۔

”مہی! ایسا کیا ہوا تھا..... جو بابا ہم کو ایسا چھوڑ کر گئے کہ پھر پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا؟“ بچپن سے ذہن میں کسی نئے کچھ طرح گڑھا ہوا سوال آج نکلا تھا۔ بچپن کے وہ لمحے جب حزن اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ اذ سر لوٹا رہے ہو گئے تھے۔ اس کا وجہ چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ ”کون ہے وہ عورت جس کی خاطر بابا نے ہم سب کو چھوڑ دیا۔ ہم ان کے لیے زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہو گئے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں میں اس عورت سے۔“

میں اسے شوٹ کر دوں گا۔“ اس کی گرے آنکھوں میں مارے اشتعال کے خون سا اتر آیا تھا۔

”ریلیکس..... ریلیکس مائی ڈیئر سن!“ منال نے چکارتے ہوئے اس کی پیٹانی چوی تھی۔ ان کے چہرے پر طال تھا مگر آنکھوں میں فالتانہ چمک تھی۔

”میں ہٹاؤں گی آپ کو اس عورت کا نام اور مرد کا بھی۔“

”آپ جانتی ہیں اور مرد کون ہے؟“ وہ اُچھل پڑا تھا۔

"ہماری خوشیوں کی قاتل وہ عورت ہی نہیں بلکہ اس مکار و غاباز عورت کا شوہر بھی ہے۔ دونوں برابر کے شریک رہے ہیں۔"

منال بیگم کھوکیر لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"منال! اپنی بریو ممبر کرو۔ بچے کتے کے کیا بات لے کر بیٹھی ہو؟" منال کے آنکھ کے اشارے پر فاطمہ انسردہ لہجے میں گویا تھیں۔

"بہت ممبر کر لیا میں نے ماما اب ہمارے دشمنوں کو اپنے ظلم کا حساب دینا ہوگا۔ آج میں پرنس کو وہ سب بتاؤں گی جو چھپاتی آ رہی ہوں۔"

"پاگل مت ہو منال! ہم ہوش کھو بیٹھی ہو؟"

"نالو پلیز! ماما کو بولنے دیجیے۔ میں اپنے دشمنوں کے بارے میں جانتا چاہتا ہوں۔ مجھے ان سے حساب لینا ہے۔ ہر اس پل کا جو بابا کے بغیر ہم گزارتے آئے ہیں۔ میں بدلہ لوں گا، ہر اس محرومی کا جو ان کے توسط سے ہمیں ملی ہیں۔" وہ سراپا آئینہ نظر آ رہا تھا۔ آنکھوں میں گویا کتنی آگ کی مشعلیں روشن ہوئی تھیں۔ چہرے پر بے تحاشا سرخی چھا گئی تھی۔ "کون ہیں وہ لوگ.....؟ کہاں ہیں.....؟ کیا نام ہیں؟"

"کول ڈاؤن، کول ڈاؤن مائی سن اسب بتاتی ہوں نام ہے۔۔۔"

"پرنس! ڈاؤن میرے ساتھ چلو۔ بڑی جگت میں کوئین انڈر ڈائل ہو کر ان سے مخاطب ہوا۔ منال کے لب و لہجہ سے اسی ردہ گئے تھے۔

"آر پورائٹ بھائی؟" اسے بدحواس دیکھ کر وہ فکر مندی سے گویا ہوا۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"دو بات یہاں بھی ہو سکتی ہے اور ایسی کیا بات ہے؟" فاطمہ اور منال کا موڈ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ مین کلائس پراس کی آمد انہیں اس قدر ناگوار گزری کہ مارے شدید غصے و کوفت کے وہ یہ بھی سوچ نہ سکیں کہ کوئین ایسی کیا خامس بات کرنا چاہتا ہے۔۔۔

ذوالنون بھائی کی کیفیت دیکھ کر سریجا مان سے ہونے والی گفتگو بھول گیا۔

"یہ ہم بھائیوں کا سیکرٹ معاملہ ہے ماما۔" وہ ذوالنون کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے گیا اور کارنیشن بیسہ کر گیٹ سے باہر نکل گئے تھے۔

"اتنے عرصے بعد موقع ملا تھا، وہ بھی ضائع ہو گیا۔" فاطمہ بڑبڑائیں۔

"نومہا! تیرے نشانے پر بیٹھا ہے۔ وہ بہت جلد واپس آئے گا اور پھر وہی ہوگا جو میں چاہوں گی اور میں چاہوں گی اس وکرن کی بربادی۔" انہوں نے انگڑائی لیتے ہوئے سرور لہجے میں کہا۔

☆.....☆.....☆

اگر جذبوں میں صداقت ہو اور رب سے گہرا تعلق ہو، بندہ باری تعالیٰ کی منتظر پر راضی ہو جاتا ہے تو رب بھی اسے زیادہ عرصے تک اس کی خواہش سے دور نہیں رکھتا کہ وہی تو فرماتا ہے۔۔۔

”اے ابن آدم ایک تیری چاہت ہے، ایک میری چاہت ہے، ہو گا وہی جو میری چاہت ہے، پس اگر سہر کر دیا ہے آپ کو اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا وہ جو تیری چاہت ہے اور اگر نافرمانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تمہا دوں گا اس میں جو تیری چاہت ہے۔ سہا در بالا آخر ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔“

انبیوں نے ایک دوسرے کو دل ہی دل میں چاہ کر فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور اللہ نے بھی انہیں سب رختل کا پھل بہت دینا دیا تھا۔ مہران علوی نے کوئین سے رابطہ کر کے خضریٰ سے ہونے والی گفتگو حرف بہ حرف سنا ڈالی تھی اور ساتھ یہ بھی کہ وہ اریہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب کوئین کے لیے خاموش بیٹھنا ناممکن تھا۔ پہلے بات صرف ان تک تھی تو اسے فکر نہ تھی مگر اب سوال آ گیا تھا خضریٰ کے وقار کا اور وہ کسی قیمت پر اس کے وقار کو مجروح کرنا پسند نہ کرتا۔ وہ مہران علوی سے گفتگو کے دوسرے دن تمام برٹن مصروفیات ترک کر کے پاکستان چلا آیا تھا جہاں اس نے پہلے مہران علوی سے ملاقات کی۔

مہران علوی سے مل کر اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کے جذبے میں کوئی مکاری نہیں ہے۔ وہ زندہ دل و آزاد طبیعت کا مالک تھا۔ اپنے لیے لائف پارٹنر بھی وہ اسی مزاج کا چاہتا تھا اور اریہ اس کی ہم مزاج و ہم خیال تھی۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے معاملہ ذوالنون کے سامنے پیش کیا تھا اور اس نے چھوٹا بھائی ہوتے ہوئے بہت نر دجاری و محبت کا ثبوت دیا تھا۔ تاہم معلوم کس طرح اس نے نانو اریہ کو راضی کیا اور وہاں محمد رضا حب کے ہاں بھی اپنی نادیہ جاوڈ کی چٹری گھما کی تھی جو وہ لوگ بھی راضی ہو گئے تھے۔ اسی ملنے میں خضریٰ کی انگلی میں کوئین کے نام کی انگلی اور اریہ کی انگلی میں مہران علوی کے نام کی انگلی پہنائی جا چکی تھی۔ یہ بظاہر ناممکن نظر آتا ہوا کام اتنی آسانی و سرعت سے ہوا تھا کہ سب حیران بھی تھے اور خوش بھی۔

صرف فیملی کے لوگوں کی موجودگی میں ہی یہ رسمیں ہوئی تھیں۔ طویل عرصے بعد خضریٰ کے حسین چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔ اپنے اطراف میں بیٹھی مثال دقا نقد بیگم کے غرور و تنفر سے مبرا انداز نے اسے مسرت بخشی تھی۔ سامنے بیٹھے کوئین کی چاہت بھری نگاہوں کی تپش وہ اپنے عارضوں پر محسوس کر کے نگاہ نہ اٹھا پارہی تھی۔

دوسرے صوفے پر بیٹھے مہران علوی کے چہرے پر بھی مسرت کی روشنی تھی۔ شرمائی، بلالی اریہ کو دیکھ کر وہ اپنے بر وقت فیصلے پر خوش تھا اور اس کے پیر خنس بھی بہت خوش تھے۔

دلوں بعد اس گھر میں خوشیوں نے قدم دکھا تھا۔ وہ سب سرور تھے۔ ایسے میں دوا ایسے بھی تھے جن میں سے ایک کی آنکھیں دھبے دھبے گیلی ہو رہی تھیں۔ دوسرا اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر دل کے آگن میں یادوں کی دھواں دار بادشہ دور ہی تھی۔ ان دونوں دادی، پوتے کی یادوں و آنسوؤں کا محور ایک ہی شخص تھا۔

مزہ..... جو پہلے بیٹے کی اس خوشی کے موقع پر موجود نہ تھا۔ راحیلہ بیگم بڑی شدت سے بیٹے کو یاد کر رہی تھیں۔ ذوالنون کو بھی باپ کی کمی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ دو اندر ہی اندر مسک رہا تھا۔ ساری خوشی بے مزہ ہو کر رہ گئی تھی۔ باپ کی یاد اس شدت سے اس پر

حاوی ہوئی تھی کہ وہ ان ہنستے مسکراتے لوگوں میں اپنا دم گھنٹا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ اُلٹھ کر جانے لگا تھا۔

"جا کہاں رہے ہیں، کھانا لگ رہا ہے؟" صنوبر نے کہا۔

"آتا ہوں ابھی۔" وہ کہتا ہوا ہر نکل آیا۔ کارے کر نکل گیا تھا۔ غم و خوشی ایک ہی آئینے کے دو رخ ہیں۔ سیا کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ وہ جو آج بے حد خوش تھا کہ بھائی کی اندھیری زندگی میں محبت کی روشنی داخل ہو چکی تھی۔ یک دم ہی باپ کی غیر موجودگی کے خیال نے مسرت کے پھولوں کو سر جھکا دیا تھا، بے رنگ و بو کر دیا تھا۔ وہ سیدھا حیدر کے پاس آ گیا جو گاؤں سے آچکا تھا اپنے والدین سمیت۔

"خیریت تو ہے ناں؟" استے آپ سیٹ کیوں لگ رہے ہو؟" حیدر اسے دیکھتے ہوئے پریشان کن انداز میں استفسار کرنے لگا۔

"کچھ نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" وہ صوفے پر ڈھیلے انداز میں بولا۔

"میں نہیں مان سکتا کوئی بات ضرور ہے، پلیز مت چھپاؤ۔"

"آج بابا کو بے حد مس کر رہا ہوں میں۔" وہ ہنسنے لپچے میں گویا ہوا۔

"اوہ، ایسے اہم موقع پر وہ ہوتے تو بہت اچھا ہوتا۔" وہ بھی افسردہ ہو کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

"انگل آئی کہاں ہیں؟" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوا۔

"وہ سر آفتاب سے سیٹے سیٹے ہوئے ہیں۔"

"یہاں کی تمام سیٹنگ ہو گئی ہے؟" وہ کمرے میں لگا ہیں دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ کمرہ ایک دم سادہ تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں ہے اسی لیے میں نے حورین و زویا وغیرہ کو بلایا ہے تاکہ وہ مجھے مشورہ دیں کہ کس طرح سیٹنگ کی جائے۔"

"تم ان لوگوں پر دیا وہ بھروسہ کرنے لگے ہو۔"

"وہ بہت سو پرور ہیں، لڑکیاں ہیں، میں ان سے بٹنے کو برا نہیں سمجھتا۔"

"میں نے برا کب کہا ہے؟" وہ مسکرایا تھا۔

"اچھا ابھی نہیں کہا۔" وہ دوبارہ بولا۔

"تم عورتوں کی طرح روٹھنے لگے ہو، افسوس مجھے منانا نہیں آتا۔" وہ اسے چراتے ہوئے بولا۔

"حالانکہ تمہیں عاوت ڈال لینی چاہیے منانے کی۔"

"کیوں؟ میں کیوں منانے کی عاوت ڈالوں؟"

"اس لیے کہ تمہاری آدمی زندگی حورین کو مناتے مناتے گزرے گی۔"

"وہاٹ..... اس کا یہاں کیا ذکر؟" وہ چونک کر سیدھا بیٹھا۔

"مجھ سے مت چھپاؤ کہ تم حورین کو پسند کرنے لگے ہو۔"

"ادو شٹ اپ، بکواس مت کرو یاد"۔ اس کی آواز اعتماد سے خالی تھی۔
 "یہ بکواس نہیں ہے، میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کا ٹکس دیکھا ہے۔ یہ اس کی محبت ہی تو ہے جو تم سر تا پیدل گئے ہو۔"
 "تم اقرار کرو یا راتھیں سکون مل جائے گا جس جذبے سے تم بچ رہے ہو، جان کے انجان میں رہے ہو، یہی وجہ تمہاری ہے
 سکونی واضطراب کی ہے، مگر لو اقرار مان جاؤ کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔"
 "نہیں کرو ایسی باتیں، محبت و حبت کو نہیں مانتا میں۔"
 "جاسنے لگے ہو، اقرار کب تک نہ کر دے، دیکھتا ہوں۔" حیدر مکالمہ لہراتا ہوا گویا ہوا۔
 "منہ دھو رکھو۔"

"میں نہ کڑ بیٹھا ہوں مگر جب تک تمہارے منہ سے یہ سن لوں کہ تم حورین کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہو، سکون سے نہیں رہوں
 گا۔" آہٹ پر انہوں نے مز کر دیکھا تھا۔
 سامنے وردازے کے وسط میں کھڑی حورین کو دیکھ کر حیدر تو ایسا بکھلایا کہ کچھ کہنے بنا کمرے سے غائب ہو گیا۔ حورین کے غصے
 سے سرخ چہرے کو دیکھ کر لگ رہا تھا وہ سب سن چکی ہے۔ اس نے ایک نظر ڈالوٹون پر ڈالی اور واپسی کے ارادے سے مڑی غی تھی کہ آگے
 بڑھ کر ڈالوٹون نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔



"ہاتھ نہ لگاؤ مجھے"۔ حیدر کی بکواس اور اس کا بھرپور استحقاق سے بازو پکڑ کر وکنا حورین کو پوری طرح مشتعل کر چکا تھا۔
 "ٹھنڈے دل سے میری بات نہیں"۔ اس نے بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔
 "اب کیا رہ گیا ہے سننے کو؟ کچھ اور باقی ہے؟"
 سی گرین کلو بلو کے کنٹراسٹ ایئر ایڈری سوٹ میں اس کی گلابی مائل رنگت میں اس وقت مارے اشتعال کے سرخیاں ووڑ
 رہی تھیں۔ براؤن حمر انگیز آنکھوں میں، بجلیاں سی کوئمری تھیں۔ بدن چنبیلی کی نازک ڈال کی طرح دیرے دیرے لرز رہا تھا۔
 "ابھی میں نے کہا ہی کیا ہے؟..... سب کہنا سنا باقی ہے"۔ اس کی بھاری آواز میں ڈونمیت تھی۔ حورین کچھ کہنے سے کوتاہار
 نہ تھی، دو اسی وقت واپس جانا چاہ رہی تھی۔

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ کے کہنے سننے سے، مجھے الموس ہے میں نے ایسے لوگوں سے تعلق رکھا"۔ وہ سخت برافروختہ تھی۔
 "کیسے لوگ؟ آپ کو احساس ہے، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"
 "آپ کو احساس ہے کچھ دیر قبل میرے متعلق کیسی گفتگو کر رہے تھے؟"

"دو غیر مہذب ہرگز نہ تھی جن آپ ناراض ہو رہی ہیں۔ دوستوں کے درمیان ایسی باتیں عام ہوتی ہیں"۔ اس نے رسائیت سے سمجھایا۔

”ہوتی ہیں مگر ان باتوں میں دوسروں کی شخصیت پر بات کرنا کہاں کی شرافت ہے؟“ اس کا غصہ ہنوز قائم تھا۔

”اوکے، اگر آپ کی ناراضی میرے معافی مانگنے سے دور ہوتی ہے تو میں تہہ دل سے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ یقیناً جاوے جو کچھ ہوا بلکہ آپ نے سنا، وہ بالکل غیر ارادی گفتگو تھی۔“

اس کے وجہ چہرے پر اذہد بخمدی درآئی۔ تمہیر۔ لہجے میں تھکن سی تھی۔ حورین نے گفتگو سن کر جس رد عمل کا اظہار کیا تھا، لمحے بھر کو اس کے قلب میں بے غائی و لوٹ پھوٹ سی ہو گئی تھی۔

اسے اس احساس نے بے دم کر دیا کہ اس کے اندر محبت کی آگ سلا کر وہ خود کس قدر بے خبر و انجان تھی۔ اس کا غصہ و خضر، اس کی نا اعلیٰ کا ثبوت تھا۔ یک طرفہ محبت کتنا دکھ دیتی ہے۔

کس قدر گھائل کرتی ہے۔

جیسے زہر کا پیالہ پینے کے بعد موت نہ آئے۔

پھر وہ بہت خاموشی سے وہاں سے نکل گیا، مزید کچھ کہے بغیر۔ اس کی تیزی سے چلتی ہوئی زبان ابھی ایک دم ٹک گئی۔ ذوالنون کا اس طرح جانا اسے انجانی سی افسردگی میں جلا کر گیا۔

یہ مظلوم کیا ہوا تھا جو اسے اچانک ہی اپنے رویے کے نامناسب ہونے کا احساس ہونے لگا۔ ذوالنون کی موجودگی میں غم و غصہ بھری لبروں کی مانند بے قابو ہو رہا تھا۔ وہ پانی میں ریت کی طرح بیٹھ گیا اور افسردگی و شرمندگی کی یو جھل سی ٹمبر اس پر چھانے لگی تھی۔

حیدر جو اسے دیکھ کر شرمندگی و یو کھلا ہٹ کے ہٹ و ہاں سے چلا گیا تھا۔ ذوالنون کو جاتے دیکھ کر اندر آ گیا۔

”میں بے حد نادام ہوں۔“ وہ اس کے قریب آ کر نیچی آواز میں چہرہ جھکا کر بولا۔

”آپ نے بہت ہرٹ کیا ہے۔ اس کا لہجہ خشکی سے بھر پور تھا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں آپ کی دل آزاری کا سبب بنا۔ آپ بیٹھیں تو سہی چلیز۔“ حیدر نے نادام نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔

”کو تھینکس، میں جارہی ہوں۔“ کہہ کر وہ اسی کے ارادے سے مڑی۔ حیدر پھرتی سے اس کی راہ میں حائل ہو گیا اور بولا۔

”آپ نے سب سن لیا ہے تو کچھ اور بھی سنئے جو سننا لازمی ہے۔“

”حیدر اب مزید کچھ سننے کی گنجائش نہیں ہے، میرا راستہ تھوڑا۔“

”اتنی کھور مت بنیں، آپ کو میری بات سننی ہوگی۔ یہ میرے دوست کی عزت، اس کی زندگی کا معاملہ ہے۔ وہ ڈوڈو و محرومی کی بنے خار گو دھیں پل کر جوان ہوا ہے۔ نارسانی و اضطراب اس کی ذات کے حصے رہے ہیں۔ ان ڈوڈو و محرومیوں نے اسے تنہائی پسند و کم گو بنانے کے علاوہ صعب نازک سے فطرت بھی کر کے سکھا دیا تھا۔ جنگلوں جیسی اداسی، صحراؤں جیسی خشکی، پہاڑوں جیسی سخت زندگی گزارتے

دیکھا ہے میں نے اس کو۔ وہ ایسا سر پھر اٹھس ہے جو اپنی بھی پروا نہیں کرتا۔

”یہ بے معنی باتیں آپ مجھے کیوں سنارہے ہیں؟“ دوچکر گویا ہوئی۔

”یہ بے معنی باتیں نہیں ہیں، ان باتوں کے تمام معنی آپ کی ذات سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ حیدر کے انداز میں اعتماد مست آیا تھا۔
”کیا مطلب؟“ اس کے لہجے میں لرزش تھی۔

”پہلی دفعہ میں نے اس کی آنکھوں میں زندگی کی بھرپور چمک دیکھی ہے۔ پہلی دفعہ میں نے اسے کسی کی پرواہ کرتے دیکھا ہے۔
پہلی دفعہ اس کی گفتگو میں کسی متعجب مخالف کا نام پڑنے ”احترام“ سے آیا ہے۔“ حیدر ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ سامنے کھڑی حورین یک تک اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ گاؤں میں گزرے کئی مناظر اس کی نگاہوں میں یکے بعد دیگرے آتے چلے گئے۔

بالشبہ خود سے بڑھ کر اس نے اس کا خیال رکھا تھا۔ قدم قدم پر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ کسی لمحے بھی اسے احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ تنہا ہے، اپنوں سے دور ہے۔ ہمہ وقت سرد مہرئی، بے نیازی و تحفہ و غرور میں غرق رہنے والے شخص کی شخصیت کے کئی انوکھے و حیران کروینے والے روپ اس نے دیکھے تھے مگر.....

”مجھے اس استوری میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آئندہ میں ایسی کوئی کہانیاں نہیں سنوں گی، سمجھے۔“ وہ کرخت لہجے میں گویا ہوئی۔
”خدا کے لیے! حورین، ایسے مت کہیں۔ میں آپ سے اس کی خوشیوں کی بھیک مانگ رہا ہوں، پنیر آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔“ حیدر کے انداز میں عاجزی و رات آئی۔

”اس ٹوٹے بکھرے بندے کے مزید ریزے مت کریں۔ وہ اندر سے بہت ڈکھی ہے اور تنہا ہے۔ دو دوسروں کے غموں کا مداوا کرنے پر کمر بستہ رہتا ہے مگر اپنے دکھ و غم کسی سے شکر نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہے وہ اب بھی اپنی سابقہ روش پر قائم رہ کر آپ سے کچھ نہیں کہے گا۔ گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہے گا۔ میں اسے خاک ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔“ حیدر کی آنکھوں میں ابھرتے والی نمی اس کی نگاہی و بے غرض دوستی کا ثبوت تھا۔ وہ اس کی محبت سے بہت متاثر ہوئی۔

”میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی، میں مجبور ہوں۔“ وہ نرم و سپاٹ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی اور پھر حیدر کے کچھ کہنے سے قبل زویا اور موئل ہاتھوں میں پھولوں کے کچے پکڑے اندر داخل ہوئیں۔ انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے حیدر خود کو سنبھال چکا تھا۔ خود بھی خود پر قابو پا چکی تھی مگر ایک بے نام سامنا ۱۲ سے اپنی رگ و پے میں پھیلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ عجیب سی خاموشی و جود میں اترتی چلی گئی۔

”تم لوگ کہاں ڈک گئے تھیں؟“ اسے ان کے ہمراہ بینٹنا پڑا۔

”ایک جاننے والی مل گئی تھیں، ان سے علیک سلیک میں دیر ہو گئی۔ یہ آئی، اٹھل کہاں ہیں جن سے ہم ملنے آئے ہیں؟“ زویا

نے کہا۔

”وہ آ رہے ہیں، سر آفتاب کے ہاں سے۔“ حیدر ملازمہ کو کوئلڈ ڈرنک لانے کا کہنے کے بعد ان سے مخاطب ہوا۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا..... مہمان حاضرہ میزبان غائب؟ کیا آپ کے والدین کو ہمارا آنا پسند نہیں آیا جو وہ موجود نہیں ہیں؟“ نزویا نے خاصے بے صبرے پن سے کہا۔

”ارے نہیں..... ایسی بات نہیں ہے، دراصل میں ان کو بتانا بھول گیا تھا کہ آج میں نے آپ لوگوں کو مدعو کیا ہے، سراسر آفتاب کی کال پہلے ہی آچکی تھی۔ اب پر اہم یہ تھی کہ نہ سراسر آفتاب سے اور نہ آپ لوگوں سے معذرت کی جاسکتی تھی۔ اس کا بکلی بہترین طریقہ تھا کہ کچھ وقت سراسر آفتاب کے ہاں گزار کر دلچسپی آجائیں تاکہ آپ لوگوں سے بھی ملاقات ہو جائے۔“ حیدر نے مفصل انداز میں جواب دیا۔

”ارے تمہیں کیا ہوا یہ چہرے پر بارو کیوں بن رہے ہیں؟“ مول اس کی جانب دیکھتی ہوئی حیرانگی سے گویا ہوئی۔ ”ہمارے ساتھ تو ہم بڑی خوش خوش آئی تھی، اب بالکل چپ چاپ ہو گیا ہوا؟“ نزویا بھی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ دو جو بالکل غیر متوقع طور پر پیش آنے والی چوتھن سے فوری طور پر نکل نہ پائی تھی، ان کی باتوں سے چونک کر گویا ہوئی۔

”میں تم لوگوں کی وجہ سے پریشان تھی کہ تم کہاں رہ گئی ہو۔“



”دادو! معجزے اس دور میں بھی رونما ہو سکتے ہیں، ہم منزلِ کھوکھر بھی پاسکتے ہیں؟ کیا جذباتوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ من چاہی مراد پاسکتے ہیں۔ مجھے ابھی بھی یقین نہیں ہوتا کہ یہ سب ہو چکا ہے۔

بردم گم دم رہنے والی کم گو اور بنجیدہ مزاج خضریٰ کو بہت خوشیاں مل گئی تھیں۔ بردم زندگی سے بے زار رہنے والی لڑکی کے لبوں پر مسرت سے لبریز تبسم رہنے لگا تھا۔ اس کی سیاہ خوب صورت آنکھوں میں حیاتِ نو کی جوت جل اٹھی تھی۔ چہرے کے ہر نقش سے الوہی روشنی عیاں تھی۔

”اللہ کا نظام ازل سے اب تک یکساں چلتا آیا ہے اور چلتا جائے گا۔ اس کے ظاہری نظام میں آج تک ہم نے کوئی تبدیلی نہیں دیکھی۔ رات کا ابھرتا، دن کا اُٹھنا، آفتاب کا غروب ہونا، ماہِ ناب طلوع ہونا، وقت کا چلنا، موبہوں کا آنا جانا، اُن گنت اس باری تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جن کا عروج و زوال اسی طرح قائم و دائم ہے۔ صدیوں سے تہذیب، انسانی ذہنوں سے صادر کیے گئے احکامات و انتظامات اور تسلسلِ دروالی گواہی دیتی ہے، وہ ذات ”وحدہ لاشریک“ ہے۔ اس کی یکساں وحدت کا کامل یقین ہمیں اس کائنات میں موجود ہر ذرے سے ملتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھتا ہے میں ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہوں۔

میں اس نے اپنے بڑوں کی عزت کا پاس کیا، ان کی خواہشات کا احترام کیا، اپنے دل کی آرزو کو دل میں ہی دبا رکھا اور ایسا ہی ظرف کو نہیں نے بھی دکھایا اور کامیابی کا راستہ پالیا۔“

راحیلہ بیگم اس رشتے پر بے حد خوش تھیں لیکن افسردگی کے کچھ رنگ ان کی ذات کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ حزن کی جدائی کو وہ شدت سے محسوس کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں خوشی و غم سے نم رہتی تھیں۔

"یہ سب آپ کی دعاؤں کے ظہور ہوا ہے دادو جان! میں نے اکثر آپ کو راتوں کو وطن پرست دیکھا ہے، دعائیں مانگتے دیکھا ہے۔" وہ عقیدت بھرے انداز میں ان کا ہاتھ چوم کر گویا ہوئی۔

"دعاؤں اور دعائیوں کے علاوہ سچے دو طرفہ جذبوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے مینا۔ جذبہ اگر یک طرفہ ہو تو نہ دعائیں کام آتی ہیں، نہ وظائف اگر ایسا ہوتا تو میرا بیٹا، میرا حمزہ آج اس طرح ہم سے دور نہ ہوتا۔" وہ انداز میں صوفی کی پیش سے سرٹکا کر بیٹھ گئیں۔

"دادو! جس سے اکل محبت کرتے تھے کیا وہ حمزہ اکل سے محبت نہیں کرتی تھیں؟ کون تھی وہ؟" وہ ان کے قریب ہی بیٹھی تھی، ان کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں بے حد محبت سے تھام رکھا تھا۔

راجیلہ بیگم کا دل بھی گویا پرانے دور کی گزری باتوں کو تازہ کرنے کے لیے بے کل ہونے لگا۔ وہ یادوں کے پھولوں کو از سر نو تازہ کرنے کو تیار ہو گئی تھیں۔ مختصر فی دل و جان سے ان کی جانب متوجہ تھی۔

جب ہمارے اپنے ہم سے ہمیشہ ٹھنڈے جاتے ہیں، ان کے ہمراہ گزرا وقت ہر شے سے بڑھ کر انمول ہو جاتا ہے اور ہم ماضی پرست ہو جاتے ہیں، دل کرتا ہے آنکھیں بند کیے ان گزری ہوئی ساعتوں میں گم رہیں، جب ہم ان پیاروں کے درمیان سے جن سے جدائی کا تصور بھی محال تھا، پھر ان سے ٹھنڈے ہو کر رہنا پڑتا ہے، جینا پڑتا ہے، زندگی اسی کا نام ہے۔

"کاش! جانے والے اپنی یادیں، اپنی محبتیں بھی لے جائیں تو زندگی ارزا نہ لگے۔" راجیلہ بیگم بھی آنکھیں بند کیے ماضی کے گھٹائیوں میں سرگرواں اسے ایک ایک بات سے آگاہ کرتی چلی گئیں۔ نوشاہہ کی منگولیت، کرن کی مصویت، حمزہ کی پوشیدہ محبت، دیورائوں کی نکاریاں اور اپنی بھی ایک ایک زیادتی اسے بتاتی۔ بڑے ظرف سے اپنی ہر نفرت و ظلم سے پردہ اٹھاتی چلی گئیں۔

"اوہ..... وہ منال آنٹی کی بہن ہے، ہم شکل، کار بن کا پی۔" پوری داستان سننے کے بعد وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"ہاں..... لیکن صرف چہرے کی مشابہت کی حد تک، ورنہ وہ میرا تھی۔ اسے کھوکھلا جھپٹا کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا ہے۔ اسے کھونے کا ذکر میرے ساتھ قبر تک جائے گا۔ اسے کھوکھلا میں نے سب کچھ کھو دیا۔ میرے کیسے کی سزا، میرے ساتھ میری سس بھگت رہی ہے۔" وہ پھر روتے لگیں۔ کوئین ددوالون کی محرومی انہیں تڑپانے لگی۔

"پلیز..... دادو! امت روئیں، آپ دعا کریں حمزہ اکل واپس آ جائیں۔ منال آنٹی، کرن آنٹی جیسی بہن جائیں۔" اس کے آنسو بھی تواتر سے بہہ رہے تھے۔ محبت کا درد کیا ہوتا ہے، اس سے وہ آشامی۔ حمزہ کے درد کو اس نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

"برسوں بعد میں نے اپنے ماضی کی سیاہ کتاب کے ورق تھہارے آگے واکیے ہیں، میرے اندر جلتی عداوت و شرمندگی کی آگ معمولی سی سرد ہوئی ہے۔ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا اور نہ انسان۔ میں نے دیکھا ہے ہر عروج کو زوال ہے، ہر شکرانی کو ٹکسوی ہے، ہر طاقت کو کمزوری ہے۔ افسوس! یہ بات جب ہماری سمجھ میں آتی ہے تو اس وقت تک ہم سب کچھ گنوا چکے ہوتے ہیں۔"

☆.....☆.....☆

بزرے میں گھری پھولوں سے جی دہانت ماربل کی پڑ شکوہ عمارت اس کے سامنے تھی۔ وہ اس کا ہاتھ قہام کر زمرودی ٹائلز سے جم کرتے فرش پر چل کر اندر آتے ہوئے اس گھر کے گوشے گوشے کو بڑی حسرت و انفرادی سے دیکھ رہی تھی۔ اس گھر سے اس کی کبھی نہ بھولنے والی یادیں وابستہ تھیں۔ اس گھر میں ڈری، سہی اپنی ماں کے دوپٹے کا پلو پکڑے دو یہاں کے کینوں کی نفرت انگیز حقارت آمیز لگا ہوں سے خوف زدہ کام کرتی ماں کے شانے سے چپکی رہتی تھی۔ بچپن اسی خوف و کم ہانگی کے احساس میں گزرا تھا۔

شعور آگئی نے اسے بچپن کے تھکن زدہ دور سے نکال کر جوانی کے دور سے حصارف کر دیا تو وہ اپنے حقوق اور ماں کی عزت کے لیے بہت بڑا، منہ پھٹ و خود مر ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ کسی کے لیے قابل قبول نہ تھی۔ ماسوائے اس ایک شخص حمزہ کے جو اس کی ہر زیادتی ہنسی خوشی برداشت کرتا تھا۔ کبھی اس نے برا نہیں مانا، ہمیشہ مسکراتا رہتا۔

”یہ کیا ہے یار! پھر رو رہی ہو، تمہیں معلوم مجھ سے تمہارے آنسو بالکل برداشت نہیں ہوتے۔ تمہیں میری خواہشوں کا بھی خیال نہیں ہے۔“

اس کو محسوس ہی نہیں ہوا کہ کب ان کی آنکھوں سے یادیں آنسو بن کر بہنے لگی تھیں۔ انس صاحب کے خشکی بھرے انداز پر وہ سنبھلی۔

”آئی ایم سوری، بس۔۔۔ یہ آنسو بھی، موقع بے موقع لکل آتے ہیں۔“ ہاتھ میں دبے رونال سے تیزی سے چہرہ صاف کرتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”میں جانتا ہوں کرن! اس گھر کے چپے چپے سے تمہاری یادیں وابستہ ہیں۔ بہت سارے رشتے، بہت سارے چہرے تمہارے تصور میں سرگرداں ہو جاتے ہوں گے، کئی آوازیں سماعت میں گونجنے لگتی ہوں گی۔“ وہ ان کو صوفے پر بٹھا کر محبت آمیز لہجے میں کہنے لگے۔

”مگر رادقت بھلا یا نہیں جانتا، بلکہ بھلا یا جا ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے مگر دل دکھانے والی باتوں کے بجائے ان اچھی باتوں کو یاد کریں جن سے ہمیں راحت ملتی ہو، سکون ملتا ہو۔ ایسا کرنا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم کر سکتے ہیں تو پھر کیوں ایسی باتوں کو یاد کریں جن سے وہ دوا بستی آنسوؤں سے مشروط ہو۔“

”نعمتگی میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جب ہم با اختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ بیٹا سو اور آداسی ان ہی بے اختیار جذبوں کے عکاس ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہ دوں۔“ کرن نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”انتا خیال ہے میرا اتنی محبت کرتی ہوا!“ انس اس کے شانوں پر ہا زور رکھتے ہوئے شوخ انداز میں گویا ہوئے۔

”خیال سے بڑھ کر خیال ہے مجھے آپ کا۔ محبت سے بڑھ کر محبت کرتی ہوں میں آپ سے۔ آپ کی محبت نے ہی یہ گھر مجھے دلایا ہے، کس کو معلوم تھا اس وسیع و عریض تین پور خنز میں بنے گھر کے ایک نالتو دبے کار حصے میں رہنے والی وہ مسکین لڑکی کبھی اس پورے گھر کی مالک ہوگی۔“ ان کے بھیکے سے لہجے میں انس کی بے مثل محبت کا اعتراف اور ساتھ میں ممنونیت کا بے غرض احساس بھی تھا۔

”اوہ۔“ آج بڑا خوش نصیب دن ہے۔“ ان کے مسکراتے لہجے میں مرشاردی تھی۔

"بالآخر آج میں نے تمہارے لیوں سے دو امرت بھرے لٹکان دیے جن کا مجھے ایک عرصے سے انتظار تھا۔ تمہارا اقرار محبت میرے لیے سرمایہ حیات ہے۔ دنیا کے ہر بڑے خزانے سے بڑھ کر قیمتی خزانہ ہے۔"

سرت ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ بڑے بڑے جوش انداز میں انہوں نے کرن کو بانہوں میں جکڑ کر گھما ڈالا۔

"یہ ایک گھر کی کیا حیثیت ہے، دھوری دنیا خرید کر دے سکتا ہوں۔"

☆.....☆.....☆

"ہیلومی! کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" ان کے قریب بیٹھی، دوئی منال پوچھنے لگی۔

"آپ کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" وہ ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟ مجھے بھی تو معلوم ہو۔" صوفی کی بیک سے سرٹکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہی کہ کس قدر کمزور پڑ گئی ہو، کل تک جن پر تم کو کتنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی، اب ان ہی میں سے ایک کو بہو بنا کر لا رہی ہو۔"

فاقہ بیگم کے انداز میں بھرپور ملکر تھا۔

"آپ جانتی ہیں یہ من نے کیوں کیا ہے۔"

"پرنس کی خوشنودی کے لیے مگر سوچو، کل وہ بھی کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر لے آئے اور کہے کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو پھر کیا کرو گی؟ میرا خیال ہے یہ انتقام و انتقام کی باتیں بھول جائیں تو اچھا ہے۔ ہمارے دشمن اسی طرح ہمارے ناک کے نیچے اپنی تلخ کا جشن مناتے ہوئے خوش و خرم زندگی کی بہاریں لوتے رہیں گے، ہم اس طرح بے چین و مضطرب زندگی گزارتے رہیں گے۔"

ان کا انداز بھرپور ناراضی و نفرت لیے ہوئے تھا۔ منال بیگم نے بخورماں کے بگڑے تیوروں کو دیکھا، پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"مما! آپ اتنی پھوٹی پھوٹی باتوں پر ڈس ہارٹ کیوں ہو جاتی ہیں؟ میں جو کچھ کر رہی ہوں اس میں کیا بہتر ہے اور کیا غلط دیہ مجھے معلوم ہے، اپنا مطلب نکالنے کے لیے لوگ گدھے کو بھی باپ بنانے سے گریز نہیں کرتے۔ میں نے بیٹے کو بیٹا ہی رہنے کے لیے یہ کڑوا گھونٹ بھرا۔"

"مجھے آج کل تمہاری باتیں سمجھ نہیں آ رہی ہیں۔" انہوں نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں، آپ نے دیکھا تھا اپنی خواہش پوری نہ ہونے پر کونین جیسا سعادت مند دفراں بردار ماں کے اشارے پر جان نچھاور کرنے والا بیٹا، کس طرح بدل گیا تھا، یہ تو نہ معلوم میری کون سی بھولی بھنگی، نیکی کام آگئی جو پرنس کے دل میں میری محبت جاگ اٹھی، ورنہ اس نے کبھی ڈھنگ سے مما بھی نہ نکارا تھا۔ آپ خود سوچیں اگر پرنس کا رویہ پہلے کی طرح ہی ہوتا تو کس انتقام کا سوچ سکتے تھے؟"

"ہاں تو درست ہے مگر اتنی دیر مت لگاؤ کہ شکار جال بچانے سے پہلے ہی فرار ہو جائے۔" ان کا موڈ قدرے بحال ہو گیا تھا۔

"ڈونٹ وری مم! میرے بچائے جال سے شکار کے لیے فرار ممکن نہیں۔" ان کے ہونٹوں پر بڑی ظالمانہ مسکراہٹ آئی تھی۔
 "یہ مت بھولو کہ وہ پہلے ہی ایک بڑی شکست کا ہار تمہارے گلے میں پیٹا چکے ہیں۔ یہ جال کا نشان کے لیے مشکل نہ ہوگا۔"
 "اوہ مم! فائنل کے طعنے نے انہیں کوڑا سا مارا تھا۔ وہ غصے سے کھڑی ہو گئیں۔
 "کیا ہوا؟" فائنل مصنوعی حیرت سے گویا ہوئیں۔

"آپ کو لاکھ بار کہا ہے، مت دہرایا کریں ان گزری باتوں کو، جو میرے ذہم کھرچ ڈالتی ہیں۔ لیوہان کرو جی ہیں، سانس روک دیتی ہیں۔"

"جب سے تم نے کرن کو انس کے پہلو میں دیکھا ہے، تب سے تم کیپٹنس کا شکار ہو گئی ہو، اسی وجہ سے سچ بھی تمہیں برداشت نہیں ہو رہا ہے۔"

"اوہ ہوا یہ آپ مجھے کہہ رہی ہیں، کرن کو انس کے ساتھ دیکھ کر میں جلیس ہو گئی ہوں۔" وہ پوری طرح سے بدگمانی کے زہر اثر تھی۔
 "اس میں غلط کیا ہے؟" فائنل بھی تیوری چڑھا کر گویا ہوئیں۔
 "مم! میرا منہ نہ کھلوانیں تو بہتر ہے۔"

"میں نہیں ڈرتی تمہارے منہ کھولنے سے، کہو جو کہنا ہے۔"

"آپ کس وجہ سے بگڑ رہی ہیں۔" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ان لوگوں کو اتنی ڈھیل مت دو، جو کرنا ہے فوری طور پر کر دو۔" بیٹی کے نقلی بھرے انداز نے انہیں بھی خرد کی دنیا میں لاکھڑا کیا۔
 "مم! یہ میں بھی چاہتی ہوں، جو کرنا ہے ابھی کرنا ہے مگر اس دن آپ نے دیکھا ہی تھا کہ کس طرح بات شروع ہوتے ہی وہ کونین کے ساتھ چلا گیا تھا، تب سے ابھی تک کوئی موقع نہیں مل رہا کہ پرس سے بیٹے کو ٹھیک طرح سے بات کی جائے، پھر بات بھی کوئی عام نہیں ہے۔ بہت احتیاط و دانش مندی سے اس کی برین واشنگ کرنی ہے۔"

"ہاں، فوٹی پر دف چلائنگ ہونی چاہیے اگر پرس کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو پھر جو کچھ ہو دو بھی کم ہے۔" فائنل بیگم جھرجھری سی لے کر گویا ہوئیں۔

"اسی لیے مم! میں بہت سوچ سمجھ کر چال چل رہی ہوں، اگر پرس کو معمولی سا بھی شبہ ہو گیا تو وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا اور ہم ناکام الگ ہوں گے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا..... دروازے کے پیچھے کوئی ہے۔" بات کرتے ہوئے ان کی نگاہ دروازے کے نیچے سے آتی پر چھائیں پر پڑی تھی۔ وہ دونوں بھاگ کر دروازے کی طرف گئیں۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے۔" دروازے سے باہر نکل کر کوریڈور کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئیں۔

گیت کے نیچے سے آتی پر چٹائیں میں نے دیکھی ہے ماما۔ باتیں سن لیے جانے کے خوف سے دلوں کی رگت متغیر تھی۔
 "ناممکن۔ وہ پر چٹائیں پر دے کی ہوگی اگر کوئی ہوتا تو اتنی جلدی یہاں سے جائیں سکتا تھا پھر کوئی سروٹ ہمارے حکم کے بغیر
 یہاں نہیں آسکتے اور یہ ٹائم کوئین دپرس کے آنے کا بھی نہیں ہے۔"

خوب اچھی طرح دیکھنے کے بعد فائٹہ مطمئن انداز میں گویا ہوئی۔
 "آج کل پرنس کچھ آپ سیٹ ہے، وہ بھی ٹائم بے ٹائم آ جاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہی تو نہیں جو ہماری باتیں سن کر چلا
 گیا۔" منال بڑی طرح حواس باختہ تھیں۔
 "کوئی نہیں آیا ہے اگر کوئی ہوتا تو بھاگتے بھاگتے یہ لمبا کوریڈر کراس کرتا وہ ہماری لٹا ہوں سے اوچھل نہیں ہو سکتا تھا۔ چلو اندر
 خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوئیں اور مجھے بھی کیا۔"

☆.....☆.....☆

"بھائی!۔۔۔ بھائی!۔۔۔" شخڑ کا انداز تھی ساتھ۔

"کیا ہے؟" اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، ساتھ حورین بھی کھڑی تھی۔

"شائینگ سینٹر لے چلو۔" حورین نے کہا۔

"سروٹ ہوں تمہارا؟"

"بھول گئے؟" وہ شوخی سے بولی۔

"گلا دبا دوں گا تمہارا۔"

"کیا ہے کڑ دے کر لیے کیوں بنے ہوئے ہو؟" حورین حیرانگی سے بولی۔

"رات کو میں نے کتنا اسرار کیا ہی دیکھ چلنے کے لیے جہ مانی؟"

"حورین کے انکار کی سزا مجھے تو مت دیں۔"

"تم اس کے ساتھ ہو، سزا بڑا ملے گی۔"

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر گردن اکڑاتے ہوئے زحمت سے گویا ہوا۔

"یہ نخرے کس کو دکھا رہے ہو، نہیں جاؤ، ہم خود بھی جاسکتے ہیں، چلو تشریح۔" وہ ایک دم ہڑتائش انداز میں آگے بڑھی۔

"ارے ناراض مت ہو، بات سنو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا ہے؟" وہ زرخ موڑے ہٹا کر، ارے لہجہ میں بولی۔

"آئی تو پو۔"

"یہ پرانا طریقہ ہے کوئی نئی بات کر دو۔" وہ جل کر کہہ اٹھی۔

نشر اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم شادی کے لیے راضی تو ہو پھر دیکھتا میں کس طرح آسمان سے تارے توڑ کر تمہارے قدموں میں بچھا دوں گا۔ چاند تمہاری مانگ میں سجا دوں گا۔ تم ایک بار ہاں تو کر دو۔" وہ کہہ رہا تھا کہ اسی دوران دسی، سفیان، سردار اور رؤف وہاں آگئے تو وہ خاموش ہو گیا۔

"تم لوگوں کو بھی ہمیشہ غلط وقت پر ہی انٹری مارتی ہوتی ہے۔"

"ہم بالکل صحیح وقت پر آئے ہیں، دراصل آج کل دسی کو چنگ لینے کی سوچ رہا ہے، ہم نے مختلف طور پر فیصلہ کیا ہے کہ تم سے بڑھ کر کوچ ہمیں کہاں ملے گا، سو ادھر ہی چلے آئے۔" رؤف نے بڑے مدبرانہ انداز میں بات شروع کی۔

"کیوں بھی! مجھ سے کیا کو چنگ لو گے؟" وہ حیران ہوا۔

"دسی کو شادی کے شروع دنوں میں رومانٹک ورڈز یعنی ڈائلاگز بھابی سے کہنے پڑیں گے جو اس بے چارے کو بولنے نہیں آتے اور تمہارے پاس ان لفظوں کا ذخیرہ ہے۔ ذرا ترس کھا کر کچھ اسے بھی عنایت کر دو۔" ان کی باتوں کے دوران نشر اور حورین جا چکی تھیں۔

"اٹ اذیری سہل۔ یہ سب سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا مطلب؟" دسی بے ساختہ بول اٹھا۔

"یار! جب بھی تمہیں رومانٹک اسٹیو کی ضرورت پڑے مجھے بلا لینا، تمہارے حصے کے ورڈز میں ادا کر دیا کروں گا۔"

اس کی شرارت پر وہ قہقہے لگانے لگے، جبکہ دسی نے مصنوعی غصے سے کشن اٹھا کر اسے دے مارا تھا۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا۔۔۔ دیکھو نہ اب کہاں سیکھتے پھر دے گے۔" ہریرہ اسے چراتے ہوئے گویا ہوا۔

"جبو اس مت کر، ویسا بھی ہوتا ہے کیا۔"

"خدا گواہ ہے میری نیت میں کھوت نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں کرنا یہ ہانگے کا رومانس۔" دسی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو بی بی جان کی آواز ہے، شاید وہ ادھر ہی آ رہی ہیں چلو بھاگ چلو، ورنہ طویل لکچر سننے کو ملے گا۔"

☆.....☆.....☆

اسے سی کی خوشگوار کوٹنگ، خاموش کمرے کی اداسی، اس کے اندر بے چینی، بے سکونی کو مزید بڑھانے لگی تھی۔ وہ کمرے سے نکل

کر باہر گیلری میں آ گیا۔ جولائی کی جس زدہ گرمی کو آج ہونے والی موسلا دھار برسات نے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ ابھی بھی آسمان پر گہرے سیاہ بادل تھے جو کسی بھی لمحے برس کر جل قتل کر سکتے تھے، بندہ ہوا اس بات کی غلام تھی۔

باہر کے موسم سے تمام مہس دھنسن رخصت ہو کر طمانیت پھیلا گئی تھی مگر وہ اپنے اندر کے جس دھنسن کا کیا کرے؟ جس کے چانس

کھٹنے کے بجائے بڑھنے کے ہی تھے۔ وہ وہیں کرسی پر ڈھیٹے ڈھالے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کے وجہہ چہرے پر گھمبیر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ مگرے محرکین رنگاہوں میں گہری سوچوں کے ککس تھے۔ کل انجانے میں حیدر کے ہاں کی جانے والی گفتگو حورین نے سن کر جو رسپانس دیا تھا، اس کی لائقیتی، غصہ، سرد مہری اس حقیقت کا اظہار تھی کہ دل کے برے جذباتوں کا مظہر صرف وہی تھا۔

دل کی زمین پر محبت کا گلاب اس کے لیے ہی کھلا ہے جس چاہت کے منجکتے گلاب کی منہک دو ابھی پوری طرح سوتھ بھی نہ پایا تھا کہ پہلے ہی کانٹوں نے اس کے جذباتوں، احساس و چاہت کو گھما ل کر دیا تھا۔ لبوہان کر دیا اور وہ جو بچپن کے دور سے محبتوں کے معاملے میں تھی دست و چہی راسخ رہا تھا، اس بار بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا۔

حورین کچھ نہ کہتی اگر کھٹن خاموش رو کر بھی اپنی ناراضی و ناپسندیدگی کا اظہار کری تو محبت، خودداری، شجاعت سے محرومی کا احساس تو جاگزین ہو کر اسے بے قرار نہ کرتا۔ وہ اپنا پرست شخص تھا۔ محبت میں انا نہیں ہوتی مگر جہاں محبت کا جواب محبت نہ ہو وہاں.....؟

”مائی چائلڈ ارات کے اس سے جب ایک کائنات پر سکون ٹینڈ اور حسین خوابوں کے حوسے لوٹ رہی ہے تو آپ کیوں محروم ہیں؟“ نہ معلوم کس وقت دبے قدموں سے سر آفتاب وہاں آکر بڑے ہوئے۔ انھیں دیکھ کر احسانا کھڑا ہوا، انہوں نے فوراً ہی اسے پیٹنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے بڑی کرسی پر براجمان ہو گئے۔

”بہت ساری نعمتوں سے محروم بچپن سے ہی لکھ دی گئی تھی میرے نصیب میں، اب شاید نیند سے بھی محروم رہنا پڑے گا۔“

”حد سے زیادہ حساسیت کی ایک بڑی ٹریجڈی یہ بھی ہے کہ ایسی طبیعت کے لوگ دوسروں کے لیے تو مسرت و انبساط کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہیں مگر اپنے لیے چھوٹی خوشیاں بھی انور و نہیں کر سکتے۔“

”فطرت انسان کے اندر ہی سانس لیتی ہے، اس سے ہٹکار بھلا کس طرح ممکن ہے۔ حساسیت و بے حسی ہماری ذات کے ہی پہلو ہیں۔“

”آئی نو..... مگر اتنی حساسیت بھی بندے کو بے سکون کر دیتی ہے۔ اس جگہ پر تو وزن ضروری ہے۔ اعتدال ہمیشہ سرخ زور رکھتا ہے۔ کتاب حیات سے زندگی کے ان ادراک کو چھڑ کر ٹینک دیں، جو ناپسندیدہ ہیں۔“

”پھر میری لائف کی بک میں رہے گا کیا؟“

اس کے لبوں پر ڈکھوں سے جو محل مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔

”بہت ساری خوشیاں، بہت سارے دکھ، اُن گنت خوشالیاں۔“

سر آفتاب کا شفیق و مہرباں لہجہ اس کے غم سے بڑھ حال دل کو رفتہ رفتہ ڈھارس دے رہا تھا، بکرا جو دوسرے لگا۔

”اپنے جذبات کو، اپنے لفظوں کو اظہار کا موقع دو، بیشتر کرد، ورنہ اندر ہی اندر ان سب کو گھونٹتے رہو گے تو خود بھی بے سکونی اور تشن کا شکار ہو کر زندگی سے خوشی و دلچسپی کھودو گے۔“

"سر! کچھ باتیں اُن کبھی ہی اچھی لگتی ہیں، کچھ جذبات پردے میں رہ کر ہی اپنی خوب صورتی قائم رکھتے ہیں اور کچھ لفظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو بندہ کسی اور سے کیا خود سے بھی شیر نہیں کرنا چاہتا۔" یہ صدائیں اس کے اندر ہی گونج کر رہ گئیں۔

"گاؤں سے واپسی پر میں نے آپ میں بہت بڑی تہذیبی دلکشی ہے۔" اس کی سوچوں سے بے خبر سر آفتاب اپنی کہے جا رہے تھے۔

"کیسی تہذیبی سر!" وہ ہلکے کراستخار کرنے لگا۔ دل میں چھپا چور سہم سا گیا، اگر وہ اس کے دل کی بات جان گئے تو.....

"بہت اُلجھے اُلجھے پریشان سے رہنے لگے ہیں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حیدر کے گھریلو معاملات کا آپ اتنا اثر لیں گے تو میں آپ کو اس معاملے سے دور رکھتا۔"

"اوہ!" اس کی رگ و پے میں ایک طمانیت سی دوڑ گئی۔

بارش پھر زوردار انداز میں شروع ہو گئی۔ فرش پر گرنے والے پانی کی تیز آواز جلتی سی بجانے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سر! حیدر کی طرف سے میں خوش ہوں کہ اس کی جرأت رائیگاں نہیں گئی۔ وہ جس غلامانہ وجہاں نہ ماحول سے اپنی بہن کو بچانا چاہتا تھا، اس میں کامیاب ہو گیا اور اپنے والدین کے ساتھ یہاں شفٹ بھی ہو چکا ہے۔ اس کی بیبی خواہش بھی تھی مگر اس کے والد صاحب نہیں مانتے تھے، اب اپنی خوشی سے یہاں آگئے تو حیدر مطمئن ہو گیا ہے۔"

بے جا اور فضول رسم و رواج اسی طرح انسانوں کو بڑا کرنے لگتے ہیں پھر ان سے جان چھڑانے میں ہی عافیت و طمانیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ حسب معمول ان سے ملنے آیا تھا، ان کی فلیٹ و ممبریاں سنگت میں بیٹھ کر روت گزرنے کا احساس موسم کے گزرنے تہیروں نے دیا تھا۔

سر آفتاب کے اصرار پر وہ وہاں نکل گیا تھا کہ آج کل دل کی بے کلی نے جو بے سکونی عطا کی ہے اس سے چھٹکارا مل جائے مگر آتش عشق تو وہ آگ ہے جو "جلائے نہ جلے اور بجھائے نہ بجھے۔"

☆.....☆.....☆

وہی کی شادی کی تیاریاں ابھی شروع ہی ہوئی تھیں کہ اس کی ہونے والی بیوی کے تانا کی ڈتھ ہونے کے باعث شادی ملتوی ہو گئی۔

وہاں سب بڑے زور شور سے گھر میں ہونے والی پہلی شادی کی تیاریوں میں مگن تھے، اس خبر سے ہوا سے محروم غباروں کی مانند ہو گئے تھے۔

"بھابی صاحبہ کے تانا جان کو بھی ان ہی دنوں میں نکٹ کونسا تھا؟" سفیان نے تنگیں انداز میں کہا۔

"چند دن مہر کر لیتے تو اسی کی شادی کر کے چلے جاتے، جانا تو تھا، کون روکتا بھلا۔" سرمد نے سفیان کی تائید کی۔

"ہمارے یار کے دل سے پوچھو..... کیا ہیت رہی ہے؟ دن کا چین، رات کی نیند، سب تانا کی 'نہ نہ' کی بھیجٹ چڑھ گیا۔"

"کتنی مظلوموں سے دن گن گن کر گزارے تھے۔"

"اب پھر وہیں پہنچ گئے، جہاں سے چلے تھے۔ نہ روئے، نہ روئے، یہ ظالم دن بھی گزر جائیں گے۔" وہ سب وہی کو گھیرے بیٹھے تھے۔ لہجوں میں بڑی سوز و گداز۔ ہے مگر آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

”شٹ آپ، میں کیوں روؤں؟ میرے خنے مسکانے کے دن ہیں۔“ وہی ان کی شرارتوں پر چڑ کر گویا ہوا۔

”ہاں بیٹا!..... یہی دن ہیں پھرتو.....“ فائستہ فقرہ اوجھڑا چھوڑا۔

”پھرتو..... پھرتو کیا؟ تم لوگ کیوں، میرا داغ خراب کر رہے ہو، میں دیسے ہی ٹینشن میں ہوں اور تم ہو کہ.....“

”ناراض کیوں ہوئے ہو یا راجم تو تمہارا غم ہانٹے آئے ہیں۔“ رؤف نے کسی صورت بنا کر کہا۔

”بانٹنے کی ضرورت نہیں ہے اس کا سارا غم تو ہی؟“ ہریرہ کے کہنے پر وہ اس طرح چلا یا گویا شہد کی کہی نے ڈنک مارا ہو۔

”اللہ نہ کرے، میرا معاملہ تو ابھی سیدھا بھی نہیں ہوا اور تم نے پہلے سے ہی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی ٹھان لی۔“

”بھڑکتے کیوں ہو؟ وہی کو دیکھا، کیسا مبر کر رہا ہے، تم بھی کرنا۔“

”شٹ آپ، شٹ آپ، مجھے تمہا چھوڑ دو، نہیں چاہیے تمہاری دھور دیاں۔“

”کتنا صدمہ ہے تمہیں بھابی کے نانا کی ذبح کا، انا تو ان کی نانی کو بھی نہیں ہوگا۔“ سرے نے اس انداز میں کہا کہ ان کی دہلی دہلی

ہنسی نکل گئی تھی جواسے بری طرح چٹا گئی، اسی وقت بی بی جان اعدا نہیں۔

”یہ کس بات پر دانت لگا لے جا رہے ہیں؟“ وہ آتے ہی گویا ہوتیں۔

”ہم وہی کے پاس آئے تھے، اس کی شادی کی تحویت کرنے۔“

☆---☆---☆

کرے چیٹ کوٹ، دہانت بے داغ شرٹ میں اس کی اعلیٰ نگہری پر سنائی میں دل کو ملنے والی بچی خوشیوں نے آجائے بکھیر

دیے تھے۔ وہ زندگی سے بھرپور چٹکاتی تھیں اس کے گہرائی، دلجائے چہرے کو دکھ رہا تھا۔

”میں نے سوچا کسی ڈاکٹر سے ملاقات کے لیے بہتر یہی جگہ ”ہسپتال“ کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے، سوچیں ملنے چلا آیا۔ آپ کو

کوئی اعتراض تو نہیں؟“ اس کے شوخ انداز میں محبت و الفت کا پھرا سمندر موجزن تھا۔ وہ بڑی استحقاق بھری نگاہوں سے اس کے صبیح

چہرے کو دکھ رہا تھا، جہاں اس کے حار صول پر لرزاں سیاہ پلکوں کی چٹخیں اسے مبہوت کر رہی تھیں۔

”آپ..... آپ گھر آ جاتے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”آؤں گا، اس وقت تو صرف اور صرف اپنی باتیں کرئی تھیں، اس لیے یہاں کا رخ کیا ہے..... ایک بات پوچھوں؟ بتاؤ گی؟“

خضرئی سے لگا ہیں نہ اٹھائی گئیں، اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کس انداز میں دھماکا لگی تھی؟ جو یہ ممکن، ممکن ہو گیا۔“

کونین کے انداز میں گزرے جاں کسل وقت کی کک، زبر آئی۔ خضرئی کی آنکھوں میں بھی وہ تکلیف، وہ مناظر ایک ایک کر کے

گزر رہے تھے اس کی آنکھیں بھرنے لگیں، جبکہ کونین بھیجی کی سے کہہ رہا تھا۔

”غضری! محبت کی اس مہک کو میں نے اس عمر سے محسوس کیا تھا جب شعور ناپختہ و آگہی خوابیدہ ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھنا اور دیکھتے رہنا میری اولین تمناؤں میں شمار رہا ہے پھر جس طرح وقت گزرتا گیا، جذبات و محسوسات کو بھی بدل گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا اگر تم نہ ملیں تو زندگی ہر خوشی، ہر سکھ و اطمینان سے دور ہو جائے گی مگر.....“ وہ چند لمحوں وقف کے بعد پوچھنے لگا ”تو کونسا ہو؟“

”میں کی ناپسندیدگی و نفرتوں سے آپ بھی آگاہ تھیں، وہ دہائی کے چھوڑ کر جانے کا قصور وار سرسراہٹ والوں کو ہی ٹھہراتی ہیں اور وہ بھی میرے جذبات پہچان گئی تھیں اور یہاں بنا کچھ کہے وہ ایک ماں نہیں، روایتی بہو، روایتی دیورانی، روایتی بچی بن گئی تھیں۔ ہمارے درمیان ایک خاموش سرو جنگ چھڑ گئی تھی۔“

”آئی کی روئے کی وجہ سے ہی میں نے بھی آپ کے جذبیوں کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ آئی کی نفرت کے جھلنے پھڑکنے سے مگر رونا میرے لیے کوئی ایسا مشکل بھی نہ تھا کیونکہ بچوں سے محبت میں کائنات کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پھر مجھے نہ معلوم کیوں آئی سے ایک بے نام لگاؤ ہے۔ میں ان سے نفرت نہیں کرتی، انہیں ناپسند نہیں کرتی، مجھے ان سے ہمدردی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ انہوں نے لائق کی ان خوشیوں و بے نظریوں سے دوسکون حاصل نہیں کیا جو شادی شدہ زندگی میں عورت کو ملتا ہے۔ مہمکتی ہیں شادی کے بعد ہر عورت کی اولین ترجیح اس کا شوہر اور پھر اس سے وابستہ تمام رشتے اور گھر ہوتا ہے، کیونکہ گھر تو بننا ہی محبت و چاہت کے خوشگوار جذبیوں و احساسات سے ہے جو انہیں حاصل نہیں ہوئے۔ ان کی شخصیت متاثر تو ہوئی ہی تھی۔“

اس کا دھیمالہجہ بناوٹ و ریاکاری کے فریب سے پاک غلوں و مردت اور وہ کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔ ملافت و مکاری اسے چھو کر نہ گزری تھی۔

”انگل کیوں گئے؟ کہاں گئے؟ اس کا ہمیں آج تک ادراک نہیں ہے۔ انگل کے جانے کے بعد آپ اور ذوالنون ہی ان کی امیدوں و محبتوں کا محور ہیں پھر آئی آپ سے بہت انچھڑیں، اسی وجہ سے میں بالکل ہی دور ہو گئی تھی کہ میرے درمیان میں آنے سے آپ لوگوں سچ میں مس اثر و اسٹینڈنگ نہ ہو جائے اور نئے رشتے نفرتوں و عداوتوں کی زمین پر استوار نہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی اس اعزاز کی طرح ملتی چاہئیں، خبرات کی طرح نہیں۔“

”مجھے فخر ہے اپنے انتخاب پر، تمہاری رفاقت میری حیات کا حاصل ہوگی۔ ہمیں مل کر ان نفرتوں و بیگانگی کی دیواروں کو ڈھانا ہوگا۔ مجھے یقین ہے بہت جلد میرے گھر میں آکر گھر کو گھر بنا دو گی۔“

☆.....☆.....☆

سر آفتاب نے ان سب کے اصرار پر ایک کچک پادٹی رکھی تھی۔ شہر سے باہر مصافحات میں، یہ پادٹی منانے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ سب خوش تھے سوائے حورین کے جس نے جانے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ کوئی بھی اس کے بغیر جانے کو تیار نہ تھا مگر وہ کسی طور جانے کو راضی نہ تھی۔

”کوئی وجہ تو ہونے جانے کی؟“ شرین نے کہا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ گھاس توپتے ہوئے گویا ہوئی۔

”ہنئی کئی نظر آ رہی ہو، پھر اگر طبیعت خراب بھی ہے تو سیر و تفریح سے ٹھیک ہو جاؤ گی۔ دیکھنا تمہیں دوا کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔“ روانے بھی اس سے ہامی بھر دانی چاہی۔

”نہیں، میں نہیں چاہتی میری وجہ سے تم لوگ بھی انجوائے نہ کر سکو۔“ پرہل دو ہانٹ پر ہنڈ کاٹن کے سوٹ میں اس کے خوب صورت چہرے پر سنجیدہ تاثرات تھے۔ ذرا اک براؤن دل کش آنکھیں وہنی بوجھ تلے دہی ہوئی تھیں۔ اس کا دلی سکون اسی دن سے درہم برہم ہو گیا تھا۔ جب اس نے نادانستگی میں ان کی گفتگو سنی تھی اور اسے پوری شدت سے اس حدیث کا مضمون واضح ہوا جس میں چسپ کر گفتگو سننے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ ذوالنون کے منہ سے نکلنے والے اپنے نام نے اسے رُکنے پر مجبور کیا تھا پھر اپنے ہی حوالے سے کی جانے والی گفتگو نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے، بعد میں ذوالنون معذرت بھی کر چکا تھا۔ حیدر نے بھی ایکسکو ڈک کیا تھا اور ساتھ میں بڑی جرأت و صاف گوئی سے وہ اپنے جگر کی دوست کی محبت و دلی جذبات بھی بتا گیا تھا، نہ معلوم کیا ایسی آن و کبھی طاقت تھی، حیدر کے لفظوں میں جو اسے انجانے جذبات میں جکڑ چکے تھے، وہ ان سے بیچھا چیزانے، بھاگنے کی ہر سنی کر کے ناکام ہو گئی تھی۔ جذبات و احساسات پر جو قبل ہی طاری تھا، طبیعت اس کی عجیب سی ہو گئی تھی۔ بے زار، اکڑی اکڑی، لاقطع بیگانہ، یونیورسٹی آنے کے بعد اس کی یہی کوشش ہوتی کہ ذوالنون سے سامنا نہ ہو اور شاید اس کی بھی یہی کوشش رہی تھی جو ان دنوں میں ایک بار بھی آئینے سامنے نہ آئے تھے، البتہ آتے جاتے دور سے بھی ان کی لگا ہیں ایک دوسرے پر انھیں تو وہ تیزی سے راستہ بدل لیتے تھے۔

اس پوشیدہ آنکھ چھوٹی سے حیدر پوری طرح آگاہ تھا۔ ذوالنون کو وہ ڈائریکٹ اور حورین کو ان ڈائریکٹ فقرے کستا رہتا تھا۔ حورین سن کر اٹھ کر دیتی۔ ذوالنون سے ٹھیک ٹھاک بحث چل نکلتی۔ چٹک کا پروگرام بھی اس نے محفل ذوالنون کی وجہ سے ہی ملتوی کیا تھا۔ ان لوگوں کے احساسات و محبت جبرجہا ہونے کا اسے دُکھ بھی ہو رہا تھا مگر.....

”اب ایسی بھی کیا ضد یا ر! سب اتنے پیار سے اصرار کر رہے ہیں تو ان جاؤ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے کوئی اور ہی بات لگ رہی ہے“ مزو دینے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ذومعنی سمجھ میں کہا۔

”کیا..... کیا بات؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو، جب ایسی کوئی بات نہیں ہے تو؟“

”میں کیوں گھبراؤں گی، ہر بات کا آلا مطلب نکالنا تمہاری عادت ہے۔“ مزو دیا کے انداز میں واضح ذوالنون کا حوالہ محسوس کر کے وہ توجہ کر کہہ رہی تھی۔

”ارے ایسی بات نہیں ہو سکتی، کیونکہ آج کل راوی چین چین لکھتا ہے۔“ مول نس کر کہنے لگی تو وہ بھی مسکرانے لگی۔

”ہاں بھئی! یہ تم نے بالکل درست کہا۔“

دو چاروں اس کے نزدیک ہو کر بیٹھتے ہوئے چمکیں۔

"آج کل تو چین کی بانسری بج رہی ہے، جنگ یک دم ہی سرد پڑ گئی اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہوا! یہ کیا ماجرا ہے؟" شمرین اپنی یادداشت کو کوئی ہونٹ گویا ہوئی۔

"شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پینے لگے!" روانے آنکھیں منکاسمیں۔

"کئی بار ہم سر آفتاب کے ہاں مل چکے ہیں، وہاں بھی تکرار نہ انتشار، دونوں جانب خاموش سمجھوتے..... معاملہ گڑبڑ ہے۔"

"زردیا کی بات کی دو بھر پورا تائید کرنے لگی۔

وہی ہوا جس کے خوف کی وجہ سے پلنگ پر جا نہ نہیں چاہ رہی تھی۔ بعض دفعہ اگر بڑ بھی تشہیر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

"زردیا! تم کہیں ہاتھیں کر رہی ہو؟ آئی ڈنٹ بلیو۔" وہ گھاس پر رکھا یک و بکس اٹھا کر غصے سے آگے بڑھ گئی۔ دو چاروں اسے منانے کے ارادے سے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔

"یہ میرے دوست کی عیث چاہت کی قوت ہے جو اس کی آن دیکھی محبت کی خوشبود حیرے دھیرے دوسروں کو بھی باور کرانے لگی ہے، قبل اس کے کہ یہ ہر سو پھیل جائے، آپ خاموشی سے سمیٹ کر اپنے آنچل سے بائیں۔" فریب سے گزرتا حیدر بڑبڑاتا آگے نکل گیا۔ وہ ہونٹ بھیج کر رو گئی۔

☆.....☆.....☆

ہمیشہ تک سک سے تیار رہنے والی منال بیگم کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ اُلجھے بکھرے ہال، مگر یہ وزارت کے باعث متورم آنکھیں اور سوجھا چہرہ کل سے اب تک وہ ایک ہی سوٹ میں تھیں جو ٹخنوں سے ہڈی تھا۔ ان کی ذہنی و جذباتی حالت بھی ان ہی کپڑوں کی طرح سلوت زد، اُلجھی، بکھری ہوئی تھی، کل تک پھول کی طرح تروتازہ تھیں۔ خوشی خوشی ایک پارٹی اینڈ کرنے لگی تھیں، اپنی پوری تیاریوں کے ساتھ سنٹل پر گاڑی زکی تو ان کی نگاہ برابر والی کار پر پڑی اور بے ارادہ اٹھنے والی نگاہ پلٹتا بھول گئیں اور بھلا پلٹتی بھی کیونکر، ایک طویل عرصے بعد "گوہر مقصود" نظروں کے سامنے تھا۔ وہ بے خودی دیکھے چلی گئیں، اتنا عرصہ گزارنے کے بعد بھی وہ اسی طرح وچہرہ دسمارت تھا۔ وہی بے پروا دے نیاز انداز جو مقابل کو زیر کر دیا کرتا تھا۔

نگاہوں کی حدت محسوس کر کے انس صاحب نے گردن موڑ کر دیکھا فوراً تو انہیں اپنی بصارت پر یقین نہ آیا۔ دوسرے لمحے ہڈی شور مچا کر انہیں یقین دلایا کہ یہ وہم نہیں حقیقت ہے۔ گہری آنکھوں میں بڑھتی و نفرت کی شدت پوری طرح پھیلی چلی گئی۔ وہ تمام کھٹنایاں و مشکلات یاد آتی چلی گئیں جن کا باعث منال کی ذات تھی اور آج تک کرن اس کے خوف سے ہڈ سکون زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ ان کا دل چاہا، اسی لمحے کار سے نکل کر اس بلا کا گھونٹ کر کرن کو اس کے خوف سے نہات دلا دیں مگر اس معروف شاہراہ پر یہ کسی طرح ممکن نہ تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

مثال ان کی سوچوں سے بے خبر بڑی محسوس ہوں سے ان کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ آج کچھ زیادہ ہی دل لگا کر تیار ہوئی تھیں اور اس لیے یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ ان کے حسن کے سر سے انس اب نکل نہیں پائیں گے اور وہ کرن کو شکست دے دے گی۔ انس صاحب کا خود کو نکلے جانا انہیں مکمل مفرد کر کے خوش جی کے جال میں جکڑ گیا۔ وہ آنا پرستی کے بہکاوے میں آکر یہ بھی فراموش کر گئیں کہ وہ ایک معزز خاندان کی بہوار درد جو ان بیٹوں کی ماں ہیں۔ وہ سب فراموش کر بیٹھی تھیں، یاد تھا تو صرف یہ کہ انس کو کرن سے جیننا ہے۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو ذرا رنگ! مجھے یقین تھا تم ایک دن ضرور آؤ گے۔ میں کب سے تمہاری منتظر ہوں۔ مجھے معلوم تھا تم ایک دن لوٹ کر آؤ گے۔“ انہوں نے بڑی ناگہاری سے ان کی جانب دیکھا اور نفرت سے بولے۔

”تم کل بھی تھڑکلاں تھیں اور آج بھی تھڑکلاں ہو، تھڑکلاں پر سن تھڑکلاں جگہوں پر ہی جتے ہیں۔ معزز عزت دار گھرانوں میں تم جیسی عورتوں کی کوئی محبت نہیں ہوتی ہے۔“

ششکل مکمل کیا تھا۔

وہ اس پر حقارت بھری نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گئے تھے۔ مثال شاکہ نہ گئیں۔ اتنے سالوں میں اس کی نفرت و حقارت ڈنگی و بڑھ گئی تھی۔ کتنی تحقیر و تذلیل تھی اس کے لیے جس۔ کتنی نفرت و حقارت تھی ان نگاہوں میں۔

خوش فہمی کی خوش نما تعلیمات لفظ بھر میں اڑ گئیں۔ بے عزتی دے دیتی کسی طوفان کی طرح ان کے اندر مشتعل کرنے لگی۔ اسے بھڑکنے وہ خود کو آکاش کے ردیوں پر دیکھ رہی تھیں۔ اسے کے ہزار ویں حصے میں وہ زمین پر چت تھیں۔ ہر سو آگ ہی آگ تھی، پھر کیسی پارٹی؟ کہاں کی پارٹی؟ پارٹی کا تعلق دل کی راحت سے ہوتا ہے اگر دل ہی جل رہا ہو تو..... ڈرامہ کو انہوں نے واپس مگر چلنے کا حکم دیا۔ انس سے ہونے والی گفتگو کو کراٹھیں میں تھی کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے زیادہ چہروں سے پڑے جاتے ہیں۔ ڈرامہ کو لفظ بہ لفظ نہیں مگر چہروں سے بہت کچھ اخذ کر چکا تھا لیکن ظاہر نہ ہونے دیا۔

لاڈلچ میں قدم رکھتے ہی وہ بھڑنے ہوئے طوفان کی طرح راستے میں آنے والی ہر شے کو اٹھا کر پھینک رہی تھیں، گلدان، ٹیبلو کے گلاسز شو پیسز کا ریٹ پر بکھرتے جا رہے تھے۔ اسی جنونی انداز میں انہوں نے اپنی جیولری آٹار کر پھینکنا شروع کر دی۔ ساتھ ساتھ وہ انس کو کرن کو گالیاں دیتے ہوئے کوس رہی تھیں، بددعاں دے رہی تھیں۔ بری طرح روتی بھی جا رہی تھیں۔ کسی ملازمہ کے فون کرنے پر فائدہ بیگم انس سے آئیں، انہوں نے بڑی دقتوں کے بعد سمجھا بھجا کر انہیں خاموش کیا، ورنہ وہ جنون میں خود کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ فائدہ بیگم نے انہیں ان کا ”مخصوص مشروب“ پلا کر سلا دیا۔ ساری رات وہ دن چڑھے تک وہ مدہوش رہی تھیں، ہیدار، روتے ہی ان کی وہی دیوانگی بھی جاگ اٹھی تھی۔ فائدہ بیگم پھر انہیں سنبھالنے لگیں۔

”مما! وہ پتھر ہے، اس نے میری انسٹ کی، جو اس کی خاطر اپنی زندگی، اپنا گھر، اپنا سب کچھ جلا بیٹھی، یہ صلہ دیا ہے اس نے۔“

کہتا ہے میں کل بھی غصہ تھی، آج بھی غصہ ہوں، مجھ جیسی مری ہوئی عورتوں کی جگہ اچھے عزت دار خاندان میں نہیں ”بازار“ میں ہے، اس نے

مجھے طوائف بنادیا۔۔۔ وہ چھوٹ چھوٹ کر رہیں۔

”اپنے ہاتھوں سب جسم کر کے تمہیں اب محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا وہ پتھر ہے پتھر۔“ فائدہ بھی بے حد آرزو تھیں۔

”اب دیکھنا، اس پتھر کو میں کس طرح ریزہ ریزہ کرتی ہوں، عورت محبت میں پھولوں کی طرح نرم ہو جاتی ہے تو نفرت میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا۔ مجھ پر اس وقت تک ہر خوشی حرام ہے جب تک میں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے لیتی، یہ عہد میرا ہے۔“

ان کی نگاہوں میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ اسی دم باہر سے بھاری یونٹوں کی دھمک محسوس کر کے فائدہ پیغم کا طب ہوئیں۔

”جلدی سے سوئی بن جاؤ، میں نہیں چاہتی دو جاؤ، وقت تمہاری حالت دیکھ کر ٹھیس ہو۔“

”نہیں مم! میں چاہتی ہوں، وہ میری حالت دیکھے، مجھ پر ہوئے ظلم کا اسے ادراک ہونا کہ میں اسی طرح انتقام لے سکوں جس طرح میں چاہتی ہوں۔ اس نے مجھے طوائف کہا، دیکھنا میں اس کی بیٹی کو کیا بتاتی ہوں۔“ ان کی حالت زخمی ناگن کی مانند تھی۔

”ایسا ہی ہوگا مگر پلیز اس ناٹم جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو، وہ فریش ہو کر آجائے تو ہم اپنی منواتیں گے، ایسا کرنے کے لیے اسے بہت سارے اسٹیمپا کی ضرورت ہے۔ ایک دن اسے آزاد رہنے دو۔“

ماں کی بات سمجھ کر ان کے دماغ میں آگئی، وہ چادر اوڑھ کر سوئی نین تھیں۔ فائدہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں جب دو دروازہ ناک کر کے اندر آیا۔

”مم! اس وقت سوری ہیں طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

بلو، جینز، ریڈ دلوٹی شرٹ میں گھرا گھرا کھرا خوشبوؤں سے بھرا پرس انہیں اتار بٹایا کہ بے ساختہ وہ بلائیں لے بیٹھیں۔

”ہاں، بس ذرا سر میں درد ہے، میں نے ٹیبلٹ دی ہے، ابھی سو کر اٹھیں گی تو ہانکل فریش ہوں گی، آپ فکر مت کریں۔“

”میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔“ اس نے جیب سے سیل فون نکالا۔

”میں نے ٹیبلٹ دے دی ہے، معمولی سا درد ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بے فکر رہیں، جانیں دماغ اب اٹھیں گی تو سب سے پہلے آپ کو کال کرواؤں گی۔“

اس کے لہجے میں ماں کے لیے جو چاہت بھرے ٹکرات تھے، دو چادر میں چہرہ چھپا کر لیٹی ہوئی منال کے لیے بڑے حوصلہ افزاؤں خوش کن تھے جو بیٹا ان کے معمولی سے سردرد کا کن کر اتنا پریشان ہو گیا تھا تو وہ ان کی آگ بھڑکاتی داستان سن کر کیا کچھ نہ کرنے پر کمر بستہ ہو جائے گا۔ وہ اب تصور میں اسے انتقام لینے دیکھتے ہوئے جیتا سوئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

سامنے نیلگوں سمندر کی بڑجوش لہریں بڑے والہانہ انداز میں آکر ساحل کو چوم رہی تھیں۔ وہ سب ہٹ میں بیٹھے خوش کمپوں میں مصروف تھے۔ سر آفتاب کے ساتھ ان کے ڈیپارٹمنٹ کے کچھ اور بھی اسٹوڈنٹس چلے آئے تھے۔ سر آفتاب نے حورین کے کسی عذر کو

قبول نہ کیا تھا اور اسے لے آئے تھے۔ دوسارے راتے خود کو سنبھالتی رہی۔ ان چاروں نے اس سے سواری کی تھی مگر وہ جانتی تھی شک کا کاٹا ایک بار چہرہ جائے تو زخم جلدی نہیں بھرتا۔ انہوں نے اس کی ناراضی کے خوف سے اپنے لفظوں کی معافی تو مانگ لی تھی مگر اتنی جلدی وہ اپنے تجسس کو نہ چھپا پائیں گی اور جاننے کی ٹوہ میں لگی رہیں گی۔ اس لیے وہ احتیاط کے ہر پہلو کو ملحوظ خاطر رکھ کر بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

موسم کی خوب صورتی نے ان کی پھلک کا مزہ دو بالا کر دیا تھا کہ ابر آلود سیاہ بادل، دلوں کو سرشار کرتی ٹھنڈی ہوائیں، ماحول پر چھایا خواب، ناک سا اندھیرا تاحہ رنگا دھندلا ہوا سمندر جس میں اُٹھتی لہریں کسی ناگن کی طرح تل کھا رہی تھیں۔

ماسیوں نے وسیع و عریض بٹ کے فرش پر دریاں و چاندنیاں بچھا دی تھیں۔ دو حصوں میں ایک طرف لڑکیاں، دوسری طرف لڑکے درمیان میں پروفیسر آفتاب ساتھی پروفیسرز کے ساتھ بیٹھے تھے۔ بی ایس سی کا وہ اسٹوڈنٹس بڑے بے جوش انداز میں شروع ہوا تھا۔

”مجھے تو یہ تمہارے دل کی آواز لگ رہی ہے۔“

پروفیسر آفتاب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس وقت کھانے پینے کے سامان کا جائزہ لینے گئے ہوئے تھے، انہوں نے آتے ہی پہلے کھانے کی اطلاع دی۔ پہلے کھانا کھایا جائے، کچھ دیر آرام کے بعد پھر پانی کی طرف جایا جائے۔ ان کے حکم کی دیر تھی، لہٰذا وہ سترخوان پر کھانا چکا تھا۔ بریانی، چکن کڑا ہی، مرغی، مرغی، اور کولڈ ڈرنکس ان کی تواضع کے لیے تھے۔ بہت خوش گوشت ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ پروفیسر آفتاب تو تھے ہی ہر دل عزیز، نرم مزاج و شفیق شخصیت، تمام اسٹوڈنٹس سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس وقت وہ پروفیسرز بھی جو جامدہ میں سخت رعب و دبدبہ رکھتے تھے ان تمام اسٹوڈنٹس سے دوستوں کی طرح گل مل گئے تھے۔ کھانے کے دوران بھی ان کے ملے جلے تہجیم کو نہتے رہے۔ کھانے سے فراغت کے بعد کوئی بھی سمندر سے دور رہنے کو تیار نہ تھا۔ لڑکے؟ اور لڑکیاں پیچھے۔ وہ پانچویں بھی چلیں اتار کر ننگے پاؤں چلی آئی تھیں۔ بنگلی بنگلی ٹھنڈی ریت پر پاؤں رکھتے ہی جسم وہاں میں ایک تڑاوت سی دوڑ گئی تھی۔ حورین کو پہلی دفعہ محسوس ہوا، اس نے یہاں آ کر اچھا کیا ہے۔ ابر آلود موسم نے سمندر کی خوب صورتی کو مزید اجاگر کر دیا تھا۔ وہ باتیں کرتی جا رہی تھیں، یہاں پر لوگ چھٹی کا دن نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم اور خالصے فاصلوں پر تھے، وہیں کچھ بچے نوجوان بھی سوئمنگ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کی گہری نگاہیں ریڈ و گولڈن شیڈ کے سوٹ میں لمبوس حورین پر تھیں جو کلکتی حسن کے باعث ان چاروں میں نمایاں تھی۔ اس کے گولڈن براؤن بال پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ کالوں میں گولڈ کی نازک رنگ، آنکھوں پر گولڈن سن گلارنگ لگائے وہ اس نوجوان کو دیکھ کر گئی۔

شرین، موہل، دردا اور دیا اونٹ پر بیٹھی تھیں۔ بے حد اصرار کے باوجود وہ نہیں بیٹھی تھی۔ اسے خوف آتا تھا۔ وہ قریب پڑے پتھر پر بیٹھ کر ان کو اونٹوں پر پٹکولے کھاتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ مگر اس کے پیچھے سے مردانہ آواز ابھری۔

”اوحسینہ! او غلام پری! کر رہی کیسی جاو گری.....“



اُس نے وہ بھی بھکی بھکی بے باک آواز بنوئی مئی تھی۔ اس کے مسکراتے لب بچھ گئے، چہرے پر خاموش سنجیدگی ور آئی۔ بلاشبہ وہ سوگ اسی کے لیے مٹھکایا گیا تھا کہ اس پاس اس کے سوا کوئی اور نگس نہ تھا۔

"آج چاند زمین پر اتر آیا ہے۔" وہی ہدمست آواز ابھری تھی۔

"اسے کُشہ نہیں یا مجھو؟" کوئی دوسری آواز ابھری۔

"جو چاہے سمجھو مگر یہ میرے لیے ہے۔" لہجے میں خاصا گھمنڈی پن تھا۔

"یہ چیٹنگ ہے یا راجہ حسین چیز کیا تمہارے لیے ہے؟"

"ہاں، دُنیا کی ہر حسین شے پر صرف میرا حق ہے۔"

دو تین آوازیں تھیں جو اس کی پشت سے ابھر رہی تھیں۔ حورین اندر ہی اندر اُن کی باتوں سے بیچ و تاب کھا رہی تھی مگر ساتھ ہی اس کی نگاہ ارد گرد کے ماحول پر بھی تھی جہاں لوگ خامسے فاسلے پر تھے، اگر وہ مشتعل ہو کر انہیں کھری کھری سناتی، ان کی بجواس کا منہ توڑ جواب دیتی تو ان کا رد عمل ناقابل برداشت ہوتا۔ اس نے ان کے چہرے نہیں دیکھے تھے مگر لہجہ و انداز بھی انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو سے وہ نا پسندیدہ کردار کے مالک لگ رہے تھے اور ایسے لوگوں کے منہ لگ کر وہ تماشہ بننا نہیں چاہتی تھی، سامنے سے آتے ہوئے اونٹوں کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ اسی دم کچھ لوگ اونٹوں پر بیٹھنے کے لیے اس طرف آئے تھے، خاصی چہل پہل سی ہو گئی تھی، دو تینوں بھی ایک طرف ہو گئے، مگر گئے نہیں تھے۔

"ٹھیک گاڈ اتم لوگ آگئیں۔" حورین نے بے ساختہ کہا تھا۔

"دو تینوں تم سے کیا کہہ رہے تھے؟" موٹی نے قریب آتے ہی پوچھا۔

"میں دیر سے ان میں سے ایک کو لوٹ کر رہی ہوں جو حورین کو گھوڑے جا رہا تھا۔ اب ہمارے جاتے ہی وہ یہاں آیا اور اس کے دونوں ساتھی پیچھے، اسی لیے ہم نے اونٹ والوں کو آگے جانے نہیں دیا تھا۔"

"تم نے محسوس کر کے بھی کیوں نہیں بتایا کہ ہم حور کو تنہا چھوڑ کر جاتے ہی کیوں؟" ردائے کہا۔

"مجھے یہ تھوڑی معلوم تھا کہ وہ مجھوں کی اولاد فالو کرے گا۔"

"وہ ابھی بھی پیچھے آ رہے ہیں۔" سناٹے چلتے زویا کو احساس ہوا۔

"میں ابھی ڈالٹون بھائی کو کال کرتی ہوں، وہ ابھی تمام عاشقی جہاز ویز گئے، ان مجھوں کے بچوں کی۔" شرین نے پرس سے سیل فون نکالتے ہوئے غصے بھرے انداز میں کہا۔

"یہ کیا بے وقوفی کر رہی ہو؟" حورین اس کا سیل فون آف کرتے ہوئے رسائیت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"اُن کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، میں تماشہ نہ نہیں چاہتی۔"

628

”عورین ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اُن کو بلانے سے معاملہ بگڑ سکتا ہے، ہلڑکے ایسی باتوں کو نورانی غیرت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں پھر جو کچھ بھی ہو، دم لے لیتے ہیں۔“

”واپس پلٹ چلتے ہیں، ہم نے اتنی دور آ کر غلطی کی ہے۔“

مول دشرین کی بات درست تھی۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھیں۔ وہ تینوں نوجوان بھی پیچھے آئے تھے مگر ہٹ کے قریب زیادہ لوگوں کو دیکھ کر وہ وہیں سے پلٹ گئے تھے۔

"تھیکس گاڈ! خوس کم جہاں پاک"۔ ان کے جانے کے بعد روانے کہا۔

”سمندر کا دور دور سے ہی نظارہ کرنے کا ارادہ ہے؟“

حیدر ذوالنون کے ہمراہ اس طرف آتا ہوا گویا ہوا۔

”مسند سے دور کی دوستی ہی بھلی ہے۔“ زویا نے سامنے پانی میں بلند لہروں کو دیکھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”ڈرنے کے باوجود آپ یہاں چلی آئیں۔“

”ایسیو جیز اور وہاں تک ٹی ٹی ٹی میں اس کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ چاند کی کرکون کی طرح روشن تھی۔ سحرانگیز آنکھوں میں ہمہ وقت رہنے والا حزن جو سرفی کی صورت میں ٹھہر سا گیا تھا جس نے اس کی شخصیت میں ایک بادشاہ جاؤ بیٹ پیدا کر دی تھی۔“

اس نے ان تضادات نے اُس کی وجاہت میں کشش پیدا کر دی تھی۔ ہر وقت چہرے پر چھائی کرختگی دیر ہی جب سے اس کے انداز سے غائب ہوئی تھی تب سے اس کی ہر دل عزیز کی امداد بڑھ گئی تھی۔

”دوراد شوقِ نغمہ کی کا حصہ رہا ہے، ذوالنون بھائی! اور پھر دمِ کراچی میں رہ کر سندھ سے دور رہیں تو جہِ نقیبی ہے یہ۔“

”اچھا اگر سمندر پر آ کر بھی اس میں دو تین ڈکیاں لگانے سے محروم رہیں وہ بیڈلک ہے چلو پانی میں۔“

شرین نے کہا اور ساتھ ہی قریب کمزری حورین کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی تو وہ بھی چل پڑی تھی۔

”آپ لوگ بھی آجائیں نا۔۔۔ رواتے ان سے کہا جرد ہیں کمرے رہے تھے۔

”پھر یہ شکایت مت کیجئے گا کہ ہماری قوم کو عادات ہے، آپ کی قوم کے پیچھے آنے کی۔“ حیدر شوخ انداز میں گویا ہوا۔

”ہا۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔ہا یہ بات تو سوا سولہ آگے بڑھ چکی ہے۔“

"ہم چائے پینے جا رہے ہیں، ابھی پانی میں جانے کا سوز نہیں ہے۔"

ڈو النون نے حیدر کو شرارت کے سوز میں دیکھ کر توجہ پیش کی پھر مولیٰ سے مخاطب ہوا۔

”آپ لوگوں کا چائے پیتے کا ارادہ ہے؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“ مولیٰ کی بجائے ثمرین نے جواب دیا۔

”ارے دماغ چل گیا ہے کیا تمہارا کوئی نہیں جا رہا ہے چائے پیئے۔“ حورین نے شرین کو گھورتے ہوئے کہا۔
 ”چائے پیئے سے دماغ کیوں خراب ہونے لگا۔“
 ”اوکے، مجھے نہیں پتہ چائے تم جاسکتی ہو۔“
 ”آپ کو لڈو تک لے لیجئے گا۔“

ذوالنون اس سے براہ راست مخاطب ہوا تھا، اُن لوگوں کے لبوں پر ایک معنی خیز تبسم پھیلا تھا، حورین نے شائستگی سے انکار کر دیا تھا اور سر حیدر کی گیدر جگ کی طرف بڑھ گئی۔ دو لوگ گیلی ریت پر ہی جھڑ زڈالے بیٹھے تھے۔ ان کے پاؤں ریت پر تھے جہاں دم توڑتی لہروں کا پانی پاؤں سے ٹکراتا تو بڑی شغف و سکون کا احساس ہوتا تھا، وہ سب بڑے زور و شور سے گفتگو کر رہے تھے۔ موضوع سیاست تھا۔ سر حیدر آج سے ساٹھ سال قبل کی سیاست کا موازنہ آج کی سیاست کر رہے تھے، وہ بغور ان کی گفتگوں رہی تھی۔ جب ہی اسے احساس ہوا کسی کی گھورتی نگاہوں کا، اس نے بے ساختہ لگا ہیں اُنھیں تو اگلے لمحے اس کے چہرے پر ناگواری پھیلتی چلی گئی۔ وہی لڑکا کچھ فاصلے پر ریت پر اوندھالہ لٹا سے دیکھ رہا تھا۔
 اُف..... اس کے لیڈن کی مکروہ مسکراہٹ، آنکھوں میں ہتھکڑی غلامت۔

حورین کی بے ساختہ آنکھ جانے والی نگاہوں نے لمحہ بھر میں یہ سب محسوس کیا اور غم و غصے سے اس کے اندر شرارے دوڑنے لگے۔ دل چاہا کہ آگے بڑھ کر اس کی وہ غلیظ آنکھیں نوح لے اور چہرے پر اتنی زور کا تھنر لگائے کہ وہ تاحیات مسکراتا بھول جائے مگر..... مصلحتاً اسے یہ کڑواہٹ اندر ہی اندر اٹھ بیٹھی تھی، اگر یہ کڑواہٹ باہر پھیل جاتی تو بہت برا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسے یاد تھا کچھ عرصہ قبل جب وہ ایک ویک اینڈ پر پاپا، ماما اور سعد انکل کی فیملی کے ہمراہ زمر پر گئی تھی۔ ڈنر کے بعد وہ واک کی خاطر ایک پارک میں گئے تھے، وہاں اسی طرح کے چھپچھورے لڑکوں کا گروپ انہیں فالو کرنے لگا تھا۔ اس نے ہریرہ کو بتایا تو دوسرے لمحے وہاں زبردست ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ ہر دم ہنستے مسکراتے شوخیاں نکھیرتے ہریزہ کا قصہ و جنون اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ تھا ہی ان پانچ چھ لڑکوں سے بھڑ گیا تھا۔ پاپا اور سعد انکل کی مداخلت کے باوجود بھی وہ ان کو لبو لبہاں کر چکا تھا، اگر پاپا اور انکل اسے قابو نہ کرتے تو نامعلوم ان کا کیا حشر ہوتا۔ ممانے سمجھایا تھا کہ ایسی باتیں مردوں کو نہیں بتانی چاہئیں۔

تب سے وہ ایسے موقعوں پر بہت احتیاط کرنے لگی تھی، پھر ماما کی بات بھی بالکل درست تھی۔ عموماً ایسی جگہوں پر ایسے فوجوانوں سے سابقہ پڑتا رہا تھا اور اس کی بے نیازی اور لافلتی نے سب کو بھامنے پر مجبور کر دیا تھا، لیکن یہ معلوم کیا بات تھی اس شخص کے انداز میں کچھ انہونی تھی۔ اپنے رکھ رکھاؤ ظاہری شخصیت سے وہ کسی برگر فیملی کا فرد لگ رہا تھا مگر اس کی عامیانہ نگہیا حرکات و سکنات سے اس کی وہنی تنزیل عیاں تھی جو اس کے کردار کے جمول کوئی طرح عیاں کر رہی تھی۔

”حورین! کیا ہوا؟ آپ بور ہو رہی ہیں؟“ سر آفتاب نے اس کی خاموشی کو محسوس کر کے کہا۔

”نوسر.....!“ وہ جبراً اسکا کرگیا ہوئی تھی۔

”ہمیں لگ رہا ہے آپ سخت بور ہو رہی ہیں، آپ کی فرینڈز کہاں گئی ہیں؟“ پروفسر فیضان نے پوچھا۔

”وہ حیدر کے ساتھ چائے پیئے مچ گئی ہیں، میرا سوڈنڈس تھا سوچا ان کی واپسی تک آپ لوگوں کی کچھ جوائن کی جائے۔“

”اوو.....! کیا نام لے ڈالا جائے، واہ کیا بات ہے آسمان سرنگی بادلوں سے ڈھکا ہو، نم ہوا دھیرے دھیرے چل رہی ہو،

ٹکا ہوں کے سامنے سمندر کے نیلگوں پانی میں کسی البرتاگن کی طرح لہرائی، دہل کھاتی لہریں چل رہی ہوں اور جوتوں سے آزاد پیروں کے نیچے بیٹگی ہوئی نرم ریت ہو تو ایسے میں چائے سے انکار کرنا تو سخت بد ذوقی ہے۔ کہاں ہیں یہ حیدر اور ڈالٹون، ہم سے چائے کا نہیں پوچھا جو ایسے آفت موسم میں ایک کے بجائے دس کپ چائے پی جائیں۔“

”اوگاڈ! چائے کے لیے کیسی تڑپ اٹھی ہے آپ کے دل میں۔“ پروفسر نادر نے جتنے ہوئے فقرو کساتھا۔

”تڑپ کا لفظ بھی خوب کہا تم نے، حقیقت تو یہی ہے کہ میرا پہلا عشق ”چائے“ ہی ہے۔“ وہ خوش دلی سے بولے۔

”لگے ہاتھوں پہ بھی بتا دیجئے کہ آخری عشق کس سے ہے؟“ سر آفتاب نے شوخ انداز میں کہا۔

”بھئی! آخری عشق بھی چائے ہی ہے۔“

وہ سب ہنس پڑے تھے، اسی اثنا میں دوسب بھی وہاں آگئے تھے، ساتھ ان کے دو وزیٹے۔ ایک نے فرے میں کپ پکڑے

ہوئے تھے، دوسرے نے سنگ ساڑو قمر موس پکڑا ہوا تھا۔

”دہیں جا کر ڈالٹون کو یاد آیا کہ آپ لوگوں سے دریافت نہیں کیا ہے۔ سب کے لیے چائے بنا کر یہاں لے آیا کہ ساتھ بیٹیں گے۔“

حیدر نے آتے ہی وضاحت پیش کی تھی۔ سر نادر نے ڈالٹون کو شاباش دی، پھر ان سب نے ہی چائے پی۔ حورین نے انکار

نہیں کیا۔

پوری دوپہر ان کی پانی سے کھیلنے یا چہل قدمی کرتے گزری تھی۔ اس دوران وہ دو جوان کسی آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگا رہا تھا

اور اب جبکہ دوپہر اپنے پر سمیٹ رہی تھی۔ گہرے اُبر آلود موسم میں گلابی شام اپنے آؤٹل میں سرنگی اندھیرے لا رہی تھی۔ ہر سو ایک غبار آلود

ساندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایسے میں اسے بے نامی اُداسی جکڑنے لگی۔

”مجھے معلوم تھا میری موجودگی میں آپ انجوائے نہ کر سکیں گی، اسی لیے میں یہاں نہیں آنا چاہتا تھا، لیکن سر آفتاب کب سنتے

ہیں۔“ اس کی پریشانی بدحواسی سے بے خبر ڈالٹون اس سے مخاطب ہوا تھا جو اس لڑکے کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی محسوس کر کے ہٹ میں روا

و غیرہ سے سردرد کا بہانہ کر کے چلی آئی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اسے پہلے سے ہٹ میں موجود دیکھ کر وہ گڑبگڑا کر ٹوک گئی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے مقابل کھڑا تھا۔

”ایسی ہی بات ہے، ہمارے دن میں نے آپ کے چہرے پر ناگوار دی دیکھی ہے، ہر چیز آپ کے لیے غیر دلچسپ دیورنگ تھی۔“

"وہ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔ حورین سر جھکا کر رہ گئی۔
 "اب میں تمہیں کیا بتاؤں؟ یہاں آتے ہی جو بلا میرے پیچھے لگی ہے۔ اس کے خوف نے میری تمام سرسٹیں ہڑپ کر لی ہیں۔"
 "ضروری نہیں ہے جس کو آپ درست سمجھ رہے ہو وہ درست رہی ہو۔" وہ کبہ کرز کی نہیں تھی، اندر چلی آئی جہاں ماسیاں سامان سمیٹ رہی تھیں۔ دو اسے اندر جاتا ہوا دیکھتا رہا، پھر باہر نکل آیا جہاں حیدر کھڑا چند منٹ کے فاصلے پر موجود لڑکوں کو دیکھ رہا تھا۔
 "خیریت تو ہے نا ایسے ادھر کیوں دیکھ رہے ہو؟"

اس کی نگاہوں کے تعاقب میں نگاہیں دوڑاتا استفہار کرنے لگا۔

"خیریت نہیں لگ رہی ہے۔"

"کیوں؟..... کیا بات ہوئی ہے؟" حیدر کو سنجیدہ دیکھ کر وہ حیرانگی سے گویا ہوا۔

"اُن چار لڑکوں کو دیکھ رہے ہو تم؟"

"ہاں..... لیکن کو یہاں آنے کے بعد کنی پار دیکھ چکا ہوں۔"

"یہ ہمارے ساتھ آئی لڑکی کو قافلو کر رہے ہیں۔"

"زبات! کیا کہہ رہے ہو، اس بات کا احساس ہے تمہیں؟"

ایک دم ہی اس کے چہرے پر سرخی چھا گئی، آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

"میں اب سے نہیں کافی وقت سے نوٹ کر رہا ہوں، پہلے مجھے صرف شک تھا مگر اب یقین ہو گیا، یہ لوگ سب کے نہیں صرف ایک لڑکی کے پیچھے ہیں اور سب تو پانی میں ہیں، اندر ابھی حورین گئی ہے اور یہ لوگ بھی یہیں آکر روک گئے ہیں۔ بار بار دیکھ رہے ہیں۔"
 حورین کے نام پر گویا اس کے دُک و پے میں شرارے دوڑنے لگے۔ آنکھوں میں شعلے دہکنے لگے، اسے اور اک ہوا، حورین کے جس رویے کو وہ خود سے گریز دا بھتا سمجھ رہا تھا، دراصل ٹینشن یہ تھی۔

"اسٹوپ! مجھے پہلے انکار میں کیوں نہیں کیا تم نے، ان کی سانس میں بہت پہلے روک چکا ہوتا، وقت ابھی بھی نہیں گزر رہا میں ان کو....." وہ بھڑکے ہوئے طوفان کی طرح آگے بڑھا تھا۔ حیدر سائے کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔

"ہوش سے کام لو یار!"

"تم مجھے بے غیرتی کا سبق پڑھا رہے ہو، چھوڑو مجھے۔" وہ اس کے بازو جھٹکتا ہوا شدید غصے سے بولا۔

"بات بے غیرتی کی نہیں، خود کی ہے یار! اس طرح ان سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس پردہ ہے، دیکھتے ہیں اب انہوں نے کوئی حرکت کی تو میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔"

حیدر اسے سمجھایا رہا تھا کہ اندر سے آنے والی ماسی کی طرف بڑھتے ان چاروں کو دیکھ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"ہیلو! وہ اندر جولا کی گئی ہے، اس کا نام کیا ہے؟"

"کون سی لڑکی؟" اویز عمر ماسی اس لڑکے سے بولی۔

"وہی لڑکی جس کا چہرہ چاند کی طرح روشن اور پھولوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس لڑکی نے ہمارے دوست معید کو پاگل بنا دیا ہے، تم سے جو بھی پوچھیں وہ بتا دو، ہمارا یا ر تمہیں مالا مال کر دے گا، یہاں کے بہت بڑے مل اور کارخانے ہیں۔"

اس لڑکے کے انداز میں خوشامد و چالپلی نمایاں تھی۔

"مجھے نہیں معلوم، تم لوگ جاؤ یہاں سے۔"

"تمہیں معلوم ہے، تم اندر سے آ رہی ہو بتاؤ ورنہ۔۔۔۔۔" معید نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے چنٹ کی جیب سے پستول نکال کر ماسی کے پہلو سے لگتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا۔ سب سننے ہوئے ذوالنون اور حیدر اس کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"بتا۔۔۔۔۔ ورنہ کوئی مار دوں گا۔" اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"ماسی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" حیدر وہاں آ کر بجا طلب ہوا۔

"اے! تم دونوں جاؤ یہاں سے۔" تین ساتھیوں میں سے ایک بچھا۔

"کیوں یہ تمہاری اسٹیٹ ہے۔" ذوالنون کے تیز مزاج نے ہوئے تھے۔

"بیٹا! یہ لوگ حورین بی بی کا پوچر ہے ہیں۔"

ماسی نے جو پستول سے بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی، روتے ہوئے کہا۔ ان دونوں کو دیکھ معید نے پستول واپس جیب میں رکھ

لیا تھا۔

"آپ اندر جائیں۔" ذوالنون نے معید کو خون خوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ماسی تو ایسی بھاگی گویا پھانسی کے پھندے

سے رہائی ملی ہو۔

"کیا پرابلم ہے، کیا کرے گا، نام جان کر؟" وہ معید سے بولا۔

"تجھے جرات کیسے ہوئی اس کی طرف دیکھنے کی بھی؟" حیدر نے کہا اور دوسرے لمحے وہاں ایک جنگ جھڑپ مچی۔

"حورین بی بی! حورین بی بی! ماسی ہانتی ہانتی اس کے پاس بچھی اور ساری بات سنا ڈالی وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت خطرناک ہیں وہ لوگ، بندوق، ہان کے پاس۔"

ماسی کے انکشاف نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی، وہ بدحواس ہی کھلے در پیچے کی طرف بڑھی تھی اور سامنے دل دہلا دینے والا

منظر تھا۔ سیدمی نگاہ ذوالنون پر پڑی تھی وہ بڑے جنونی انداز میں اسی خبیث شخص کی کٹوں اور لاقوں سے بری طرح تواریخ کر رہا تھا۔ اس

دلت اس کے دجیہہ چہرے پر ایسی وحشت تھی کہ وہ شاکہ نہ کر رہی تھی۔

حیدر بھی انہیں بری طرح پیٹ رہا تھا، حالانکہ وہ چار تھے مگر وہ ان دونوں کے غصے و جنون کا مقابلہ نہیں کر پارہے تھے، دراصل جو لوگ غلط کام کرتے ہیں، خراب کردار کے مالک ہوتے ہیں وہ اندر سے بد دل، کم حوصلہ و کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان میں اچھائی سے لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ چاروں جسمانی لحاظ سے ان سے طاقتور ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو زیادہ بچانہ پارہے تھے۔ اس نے سر آفتاب کو کال کر کے انعام کیا، کیونکہ وہ لوگ ہٹ سے کافی دور تھے اور یہاں لوگ بھی موجود نہ تھے، وہ کال کرنے کے بعد باہر آ رہی تھی جب اس نے دیکھا وہ چاروں ڈنکی ہو کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ذوالنون ان کے پیچھے بھاگا تھا اور حیدر اس کے پیچھے بھی آچا تک معید نامی دونوں جوان پلٹا تھا اور اس نے بڑی سرعت سے دایاں ہاتھ آگے کر کے ریوالور سے کیے بعد دیگرے کی فائر کیے۔ نشانہ ذوالنون اور حیدر ہی تھے مگر گولیاں ذوالنون کی طرف بڑھی تھیں۔ خاموش ماحول قاتل جگ کی کریمہ آواز سے گونج اٹھا حورین نے ذوالنون کو گولیاں لگنے کے بعد گرتے دیکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے تیز چیخ نکلی تھی۔ وہ میز حیاں اتر رہی تھی۔ اس کی نظریں ذوالنون پر تھیں جو ریت پر گر اٹھا تھا۔ اس کی وبائٹ ٹی شرٹ تیزی سے خون میں سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ حورین کو لگا تھا کہ ہر نوا اندھیرے کی مہیب سیاہ چادر تنی جا رہی ہے، اسی اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ دل کی وجہ کن جیسے زکے لگی تھی۔ وہ بری طرح لاکھڑائی تھی اور توازن بگڑنے کے بعد ڈھلکتی ہوئی نیچے چلی گئی تاہم پھر ہوش نہ رہا۔

☆.....☆.....☆

"تو یہ خدا یا کیا وقت آ گیا ہے پہلے منی بھرو پے لے کر جاتے تھے اور تھیلا بھر سامان لاتے تھے اب تھیلا بھرو پے لے کر جاؤ اور منی بھر سامان آتا ہے۔ کوئی شے سستی نہیں ہے۔ گوشت تو تھا ہی مہنگا۔ اب وال سبزی بھی مہنگی ہو گئی ہے۔" بی بی جان جو ماہانہ گھریلو خریداری کرنے نکلی تھیں، گھر آ کر مہنگائی سے از حد خائف و کھائی دے رہی تھیں۔

"بی بی جان! ہم پر اللہ کی بے حد مہربانی ہے جو ہم انور ذکر کر سکتے ہیں۔ ذکھ تو ان عریب و سفید پوش لوگوں کا سوچ کر ہوتا ہے جو نامعلوم کس طرح زندگی کی گاڑی کو گھیسے پر مجبور ہیں۔"

سیرا بیگم کے لہجے میں افسوس تھا۔

"ایسے لوگوں کے لیے زندگی سزا بن کر رہ گئی ہے، ہر روز ابھرنے والا سورج پریشان کن و ظلمات کی پیش لے کر طلوع ہوتا ہے، تنگ دستی کی مار بڑی زبردست ہوتی ہے، یہ وہی جانتا ہے جو سہتا ہے۔"

☆.....☆.....☆

نظروں سے تیرا چہرہ ہٹا ہی نہیں

دل سے تیرا عکس نکلا ہی نہیں

تیری یاد ہے بس میری زندگی

اور یادوں کا سزا کتنا ہی نہیں

”دادو! گھر میں ڈاکٹروں کی فوج ہونے کے باوجود آپ بیمار رہنا کیوں پسند کرتی ہیں؟ کب سے دیکھ رہی ہوں، آپ کی صحت ڈاؤن ہوتی جا رہی ہے۔“ حضرتی نے محال ہی بیٹھی راحیلہ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

”میزبین سے ہا کس بھرے ہوئے ہیں۔ رات دن چپک آپ ہوتے ہیں، جسمانی بیماری ہوتی تو کب کی بھاگ گئی ہوتی، جسم بیمار ہو تو علاج ممکن ہے۔ روح کی بیماری دور کرنا تم لوگوں کا کام نہیں ہے۔ میری روح بیمار ہے اور اس کی بیماری کا ایک ہی علاج ہے، معافی۔“ راحیلہ بیگم کی آنکھوں کے گوشوں سے قطرہ قطرہ کرتے آنسوؤں میں ہمدامت دھچکتاؤں کے رنگ تھے جو عرصے سے وہ بیمار ہی تھی مگر دل کو سکون دینے کے بجائے گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا جس کو محض وہ جہان نے ناقابل فراموش بنا دیا تھا۔

”میرا محض لوٹ آئے، مجھے کرن مل جائے، میں ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگوں گی اور اس وقت تک مانگوں گی جب تک وہ مجھے معاف نہیں کریں گے۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”دادو! جب بندے صدق دل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتے ہیں اور ساتھ ہی پھر بھی ایسی غلطی نہ کرنے کا عہد بھی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیتے ہیں، آپ کو معاف مل گئی ہوگی۔“ حضرتی نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے ان کے آنسو صاف کیے تھے۔

”جس دن حرم مل جائے گا اور کرن مجھے معاف کر دے گی، اس دن جنھوں کی کہ میری نجات کی کچھ سیل پیدا ہو گئی ہے، اگر ان سے ملے بغیر مر گئی تو میری روح بے چین رہے گی۔“

”دادو! ایسی باتیں مت کریں، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ چاہتی ہیں۔ آپ خوش رہا کریں۔“ حضرتی نے ان کا گال چومتے ہوئے کہا، پھر ادھر ادھر کی باتوں میں انھیں کسی حد تک بہلا چکی تھی۔

”بیٹے حضور! شفا شفا منور ہے دارِ مکتوہیک۔“ ارنیہ نرے میں تین گلاس چکنوہیک کے رنگہ کر لاتے ہوئے بولی۔

”کیا بات ہے بہتی! آج کل بہت کچن میں پائی جاتی ہو، شیف تو بہت خوش ہے، آج کل آدھے سے زیادہ کام نمنا دیتی ہو اس کے۔“ حضرتی نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے شونی سے کہا۔

”دراصل بات یہ ہے کہ آپ تو براہ راست کوئین بھائی کے دل میں جا چکی ہیں، اس لیے آپ کو کسی محنت و ترؤ کی ضرورت نہیں ہے، میں اس لیے کوکنگ ایکسپرت بن رہی ہوں کہ سنا ہے مرد کے دل کو فتح کرنے سے قبل معدے کو کا پوکنا پڑتا ہے، پھر مہران تو کھانے پینے کے بے حد شوقین ہیں، ان کو کا پوکنا اسی طرح سہل ہوگا۔“

وہ چکنوہیک سب کرتی ہوئی آرام سے کہہ رہی تھی۔

”ارنیہ! میری بیٹی، ایک بات بالکل سچ بتائیں۔“ دادو گلاس سائیڈ پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

”جی پوچھیں، میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔“

”تم مہران کے رشتے سے خوش ہو؟“ دادو کی نگاہیں بہت سنجیدگی سے اس کے چہرے کو تک رہی تھیں۔

”بالکل دادو! آپس کی بات ہے، پہلی بار جب میں نے مہراں کو دیکھا تھا تو نا معلوم کیوں مجھے احساس ہوا، یہ شخص میرے ہاتھوں کی ٹکیروں میں ہے اور ایسا ہی مہراں بھی کہتے ہیں۔“ جیسے مسکراتے چہرے پر ہلا کی مسرت تھی، وہ دونوں بھی خوش ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

نا معلوم تناؤ وقت گزرا تھا، جب اس کا سویا ہوا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا تھا۔ بیداری کے بعد پہلا احساس اسے شدید تکلیف کا ہوا تھا، سر سے ہر ٹک دردی درد محسوس ہو رہا تھا۔ سر میں درد کے باعث از حد بھاری پن تھا۔

اس کی سماعتوں میں سسکیاؤں بھری تھیں کسی کی..... کھٹی کھٹی، جیسی جیسی..... بولی بولی سسکیاں۔ ایک دم ہی اس کے خواب بیدار ہو گئے اور جھٹکا لگا تھا اور لگا ہوں میں وہ منظر محسوس کیا، جب اس نے ذوالنون کو گولیاں لگنے کے بعد گرتے دیکھا تھا، اس کی دہائے شرت خون سے سرخ ہوتی جا رہی تھی۔

”آؤ اورو مرگیا..... وہ مر گیا۔“ وہ آنکھیں بند کیے بنیانی کیفیت میں چیخ رہی تھی تب ہی وہاں موجود کرن نے اس پر ہاتھ رکھا تھا۔ ”خود رین! خود میری جان! آنکھیں کھولیں بیٹا۔“ ماں کی شیریں آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اپنے ارد گرد سب کے منظر چہرے دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔

”مہرا.....!“ اس کی آواز رنڈ گئی۔

”مہرا کی جان! اورو موت، سب ٹھیک ہے۔“ انہوں نے پیشانی چومی۔

”سب اس طرح منہ لٹکا کر کیوں کھڑے ہوئے ہیں، بچی کو ہوش آ گیا ہے، حالت خطرے سے باہر ہے۔“ میرا، حمیرا کرن کو لے کر گھر جاؤ، وہاں جا کر نبھاؤ جو کفر فریش ہوگی، آرام کرے گی تو سکون ملے گا، پچھلے دو دنوں سے ہل بھر کو بھی آرام نہیں کیا ہے اس نے، نہ ڈھنگ سے کچھ کھایا پیا ہے میں ہوں یہاں۔

ڈاکٹر خود رین کے ہوش میں آنے کے بعد چیک آپ کر کے اوکے کی رپورٹ دے کر گیا تھا۔ بی بی جان ڈاکٹر کے جانے کے بعد ان سے مخاطب ہوئیں۔

”بی بی جان! آپ بھی تو ہمارے ساتھ پریشان رہی ہیں، ایسا کریں آپ آرام کریں مگر جا کر میں خود کے پاس ڈک جاؤں گی۔“

”خود رین کوئی ڈیڑھ دو ماہ کی بچی نہیں ہے جو پریشان کرے گی، پھر لمبے لمبے پرزسیں آتی جاتی رہتی ہیں، مجھے کوئی بے آراہی نہیں ہوگی، تم جاؤ بلکہ فار یہ کو بھی ساتھ لے جاؤ اور یہ ساری دھماچو کڑی کو بھی اور انس کو ابھی نہیں بتاتا۔“

بی بی جان کاٹھوس و مضبوط انداز کرن کو بھی مزید اصرار نہ کرنے پر پابند کر گیا تھا۔ ان کا دل تو نہ مان رہا تھا، خود رین کو چھوڑ کر جانے کو مگر ان کا ٹھہرنا بی بی جان کے خلوص و محبت پر اعتبار نہ کرنے کے معافی ہوتا جو انہیں گوارا نہ تھا، سو وہ دل پر پتھر رکھ کر وہاں سے جانے کو تیار تھیں۔ خود رین کی طبیعت بہتر تھی۔ کرن کے بعد حمیرا، میرا اور فار یہ نے اسے پیار کیا تھا، مگر ان کے زنا سے ہاتھ ملا کر چلے گئے تھے۔

بی بی جان نے مول کو روک لیا تھا۔

سب کے جانے کے بعد پرائیویٹ روم میں سناٹے اُتر آئے تھے۔ بی بی جان نے کینٹین سے چائے اور بسکٹ منگوا کر اپنے ہاتھ سے اسے کھلائے تھے۔

”تم نے تو ہماری جان ہی لال ہوئی تھی۔ دو دن بعد ہوش میں آئی ہو۔“ بی بی جان نماز عصر ادا کرنے باہر گئیں تو مول اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت بھرے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

”مول! وہ..... کیسا ہے؟“

بھائی پاتے ہی اس کے دل کی حسد الیوں پر آگئی تھی مگر جواب میں مول نے اسے چند لمبے خاموشی سے دیکھا پھر لگا ہیں جھکا لیں۔

”مول! بتاؤ! کیسا ہے وہ؟ ٹھیک تو ہے نا؟“

مول کی خاموشی اسے دوسوں میں جھکا کرنے لگی، وہ گھبرا کر گویا ہوئی تھی۔

”وہ..... ٹھیک ہیں..... بالکل تندرست۔“

”تم..... تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو؟ اسے..... اسے پلٹس لگ کر گرتے ہیں نے خود دیکھا تھا، اس کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا، دو ریت پر ہی گر گیا تھا۔“

”ریٹیکس یا راتھاری چیٹانی پر گہرا زخم آیا ہے جسم پر بھی گہری چوٹیں آئی ہیں، تم اس طرح مودست کرو۔“

وہ تیزی سے اٹھ کر قہقہے ہوئی خود یں کو ہاتھ کے سہارے سے روک کر بولی۔

”دو دنوں بھائی بالکل ٹھیک ہے، ان کو صرف ایک بانٹ چھوٹی ہوئی گزری تھی۔ ڈاکٹر نے ان کی ڈریسنگ کر کے اسی وقت ڈسچارج کر دیا تھا۔ اصل پریشانی تمہاری طرف سے تھی، تم سیزیموں سے بہت خطرناک انداز میں مری تھیں، پھر تمہیں ہوش بھی نہیں آ رہا تھا۔“

مول اسے تفصیل بتا رہی تھی کہ کس طرح اسے ہسپتال لایا گیا، مگر واؤں کو اطلاع اس دوران کیا گیا ہوا۔

مگر وہ کہاں سن رہی تھی۔ اس کے اندر یہ لنگھ گونج رہے تھے۔ وہ ٹھیک ہے۔

بس..... وہ یہی تو سنتا چاہتی تھی، اس کی سلاحتی کی خبر، اس کی زندگی کی خبر، اس کی موجودگی کی خبر۔ دل دو ماخ پر چھایا ہوا جاکسل

کبر چھٹنے لگا تھا۔ برسو بڑی سواالی سی روشنی تھی۔ فحاشیں مصلحتیں، ماحول کیف آور، جہاں ہر طرف پھول ہی پھول تھے، خوشبوئیں ہی

خوشبوئیں مہک رہی تھی۔ سبز گھاس پر شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح جھلکا رہے تھے اور وہ ان ٹھنڈے موتیوں پر نیگے پاؤں کسی کے ہاتھوں

میں ہاتھ ڈالنے وجہ سے دھبے چل رہی تھی، کس کے سگ تھی وہ؟ کون تھا اس کے ہمراہ؟ اس نے لگا ہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا، اسی دم مول کی

آواز حواسوں میں نے آئی۔

”ہریرہ“۔ مول نے کہا۔

"ہریرہ؟ کیا ہوا ہریرہ کو؟"

"کیا ہوا نہیں، کیا ہوگا ہریرہ دھائی کا؟"

"جو کہتا ہے وہ کھل کر کہو۔" وہ خود کو سنبھالتی ہوئی یوں۔

"تم سمجھ رہی ہو جو میں کہنا چاہ رہی ہوں۔"

"اچھا..... سنو۔ کچھ دنوں سے میں ذوالنون بھائی کے چہرے پر بڑے خوب صورت سے رنگ دیکھ رہی ہوں، ان کا انداز لب و لہجہ

میں آئی تبدیلی کسی نے اس انداز میں محسوس نہیں کی جس طرح میں محسوس کرتی رہی ہوں۔" مول کے انداز میں ایسی بات تھی جو اسے بڑول کر گئی۔

"ان کی آنکھوں میں نہیں نے تمہارا عکس دیکھا ہے۔" وہ حورین کو دیکھتے ہوئے مدح لہجے میں گویا ہوئی۔

"مول! وہ خواہ اس باخشی یوں۔"

"تم..... نہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں..... میں یقین سے کہہ رہی ہوں، ذوالنون بھائی تمہیں پسند کرنے لگے ہیں اور شاید تم بھی ان کو پسند کرنے لگی ہو۔"

"یہ..... یہ تم کس بنا پر کہہ سکتی ہو؟" اس سے اسے اپنی آواز خود اپنی محسوس ہوئی تھی۔

"بے ہوشی کے دوران تم نے انہیں بار بار پکارا تھا۔"

"کسی کو پکارنا محبت نہیں ہوتی۔"

"محبت ہی ہوتی ہے، بے خیالی میں بھی کسی کا خیال مد ہوش ہو کر بھی کسی کا ہوش ہونا محبت ہی ہے۔"

مول کا انداز ایسا تھا، گویا کوئی ٹیچر کسی کند ذہن بچے کو سمجھا رہا ہو اور حورین نے بہت چاہا، بے حد کوشش کی کہ وہ مول کی اصلاح و

یقین سے کمی لگی باتوں کو رد کر دے، جھٹلا دے، کہہ دے کہ وہ جو سمجھتی ہے، وہ سب جھوٹ بجواس ہے مگر اپنے اندر کی بدلتی کیفیت و جذبات کا

کیا کرتی جو مول کی تمام باتوں کی تصدیق کر رہے تھے۔

اسے معلوم بھی نہیں ہوا کہ کب دل نے آنکھیں برلیں اور کب جذبے مند زور ہوئے؟ احساسات نے کب دنیا ہی بدل ڈالی۔

خبر ہونے تک وہ ہر بازی ہاراتی چلی گئی تھی۔

"آنکھیں مت چراؤ، سچائی کو فیس کرو، اگر میں غلط کہہ رہی ہوں تو مجھے بتاؤ، میں غلط ہوں، یہ میرا دیم و خوش فہمی ہے، ورنہ

اعتراف کر لو جو میں کہہ رہی ہوں، وودج ہے۔"

"ہلیز..... مجھے ڈمرب مت کرو، میں بے حد نہیں ہوں۔" وہ رو پیے کو تھی۔

"تمہاری ٹینشن سمجھ رہی ہوں میں، تب ہی کہہ رہی ہوں، اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لو، میں کسی کو بتانے والی نہیں ہوں۔"

جواباً وہ باتوں میں چہرہ دھپچا کر رونے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

”درد زیادہ تو نہیں ہو رہا میرے جیسے؟“

کمرے میں وہ چاروں تھے ذوالنون بیڈ پر نیم دراز تھا۔ قریب ہی اس کے جیسر پر حیدر بیٹھا تھا۔ منال اور فائزہ بیگم بیڈ پر بیٹھی تھیں۔
”نومما! میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”کہاں ٹھیک ہیں، چہرہ دیکھا ہے کس طرح زرد ہو رہا ہے، دودن ہو گئے ہیں میں نے آپ کو سکون سے سوتے نہیں دیکھا ہے۔“
”آج سکون سے سو جائے گا آئی! آپ فکر مت کریں۔“ حیدر نے اسے دیکھتے ہوئے ذومنی لہجے میں بولا۔

”اچھا۔۔۔ کیا آج ڈاکٹر نے میڈیسن چینج کی ہیں؟“

”جی..... کچھ ایسا ہی کچھ لیجیے۔“

”نانو! اسے عادت ہے بک بک کرنے کی۔“ ذوالنون اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے فائزہ بیگم سے مخاطب ہوا۔

”ارے نہیں، حیدر بہت پیارا بچہ ہے۔“ فائزہ بیگم حیدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے بولیں۔

”جیسے تانوا جیسے۔“ کی قدر جو ہری سی جانتا ہے یہ جی توڑی۔

”اچھا بھئی! آپ لوگوں کی ٹوک جھوٹ تو چلتی رہے گی، یہ بتائیں کہ اس لڑکی کا کیا حال ہے جو سیز صوں سے گر کر بے ہوش ہو

گئی تھی؟“

”ہم پرنس بابا کی طرف سے اسے پریشان تھے کہ اس لڑکی کا یا وہی نہ رہا معلوم کرتا۔“ منال بیگم نے کہا۔

”آج ہوش میں آئی ہیں وہ۔“

”اوہ۔۔۔ اب کنڈیشن کیسی ہے؟“

”بہت بہتر ہے میں نے کچھ دیر قبل کال کی تھی۔“

”اس کے پیرش کتنے پریشان ہوں گے۔“

”اس کے چا تو ملک سے باہر گئے ہیں، پرنس وزٹ پر اس کی مہمانی بہت حد پریشان تھیں، بہت رو رہی تھیں کیونکہ ڈاکٹر نے خطرہ

ظاہر کر دیا تھا کہ اگر وہ 48 گھنٹے سے قبل ہوش میں نہ آئی تو اس کی زندگی کو خطرہ تھا اور یہ اللہ کا بہت احسان ہے، دو اب بالکل بخیریت ہے۔“

”وہ لوگوں کا کیا ہوتا؟“

آخری الفاظ اس نے بہت آہستگی سے کہے ہوئے ذوالنون کی جانب دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ تھی، جبکہ

ذوالنون کے چہرے پر تنہید کی تھی۔ اس کے انداز پر وہ ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔

”مما! ہم بھی چلتے ہیں اس لڑکی کی عیادت کو۔۔۔ کیا نام ہے لڑکی کا؟“

”چھوڑیں ممما! کیا کریں گی آپ جاکر۔۔۔ وہ دل کی زبردہر ہوتی کیفیت سے گھبرا کر سپاٹ لیجے میں بولا۔

"نہیں نہیں ضرور جائیں آئی! ایک تو اس طرح آپس میں دوستیاں بلاحقی ہیں، دوسرے ثواب بھی حاصل ہوتا ہے اور تیسرے....."

"شٹ پور ماؤتھ! اسے پڑی سے اترتے دیکھ کر وہ غرایا۔

"اور سے کیوں خشمے ہو رہے ہو، حیدر روست کہہ رہا ہے۔"

حیدر کی شوخیاں اسے پریشانی میں مبتلا کر رہی تھیں، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بے دھیانی میں ایسا کوئی لفظ اس منہ سے نکل جائے جو اس کے جذبات کو حیاں کر دے جن کو وہ خود سے بھی پوشیدہ رکھتا آیا ہے جن کی تشبیہ اس کے دل کو گوارا نہیں۔

"آپ اس کو چھوڑیں، یہ آدم سب زار ہے، دوسروں کو بھی اپنی طرح بنانا چاہتا ہے، حورین سے اور اس کی کمی سے نہیں گی تو آپ کو بے حد خوشی ہوگی..... بلکہ اس کی پوری فیملی بہت ہنس رہی ہے۔"

"حورین؟ نام تو کچھ سناٹا لگ رہا ہے۔"

منان چونک کر گویا ہوئی تھی پھر سوچے ہوئے بولیں۔

"پرنس! کہیں وہ لڑکی تو نہیں جو ایک بار اپنی کزن کے ساتھ شاپنگ سینٹر میں ملی تھی؟" وہ ڈو ڈو النون سے مخاطب ہوئیں۔

"جی مما! وہ جی ہے۔" وہ آنکھیں بند کر کے دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"اور سے یعنی آپ مل چکی ہیں حورین سے؟" حیدر کی ایکسٹنٹ ڈو ڈو النون کو ذرا نہ بھائی۔

"جی..... اتفاقاً ملاقات ہوئی تھی وہ۔"

"پھر بھی آپ کو یاد ہیں وہ۔"

"ہاں..... میں بہت کم ہی کسی سے متاثر ہوتی ہوں، مگر اس لڑکی کی پرسنالٹی میں گنگو کے انداز میں ایسی تاثیر تھی کہ میں آج تک اسے بھول نہ پائی ہوں، پرنس سے کئی بار کہا میں نے اسے گھرائے مگر ہر بار یہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیا کرتے تھے۔"

"اب کہیے یہ ہمیشہ کے لیے اسے گھرائے گا۔" حیدر نے پھر اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"آپ دونوں میں یہ کھسک چسک کیا چل رہی ہے..... کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو۔" منان مسکرائی تھی۔

"میں کہہ رہا تھا آئی! اتنی دیر سے میں آپ کو کوئی بات بتانا چاہ رہا ہوں مگر کوئی نہ کوئی بات نکل رہی ہے اور میں بھول رہا ہوں۔"

حیدر نے بہت چالاکی سے انہیں موضوع سے ہٹایا۔

"ایسی کیا بات ہے بیٹا؟" وہ متحس ہوئیں۔

"حورین کی مما اور آپ کا فیس ایک جیسا ہے۔"

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، دنیا میں ایسے لوگ اکثر ہوتے ہیں جو کوئی تعلق، کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت ملنے جلتے ہیں، میں نے بھی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے۔"

”لیکن اتنی ممانعت تو کسی قریبی رشتے میں ہی پائی جاتی ہے آنٹی! وہ آپ کی لہلی کیٹ ہیں، معمولی سے فرق کے ساتھ۔“

”اچھا..... یاد آیا حورین کے ساتھ لڑکی تھی وہ بھی یہی کہہ رہی تھی اور آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں، اب تو مجھے دلچسپی ہو گئی ہے۔“

میں بھی ملوں گی، کیا نام ہیں ان کا؟“ وہ مسکراتی ہوئی پڑاشتیاتی انداز میں گویا ہوئیں اور اگلا لمحہ ان کے لیے دھماکہ خیز ثابت ہوا تھا، جب حیدر نے کہا تھا۔

”حورین کی ماما کا نام کرن ہے، کرن آنٹی۔“

”اوو..... کیا کہا؟ کر..... ن؟“ دوسرا سہمہ تھیں۔

”جی.....“ حیدران ماں بیٹی کی بدلتی کیفیت دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

”اس کے فاور کا نام؟“ نائکہ بیگم نے دریافت کیا۔

”انس.....“ حیدر کی آواز ان کی سماعتوں میں دھماکوں کی مانند گونج رہی تھی۔

”انس.....!“

انس! کی صدا انیس دور و دور سے گونج رہی تھیں۔ ان کے رنگ بدلتے چہروں پر ذوالنون کی تنہا نگاہیں مرکوز تھیں۔ اس کے اندر بھی بے چینی و استغراب کروٹیں لینے لگا تھا۔ حورین کے والدین کا نام سن کر ماں اور نانو کے چہرے و آنکھوں سے بویا ہوتے ہوئے تاثرات اسے احساس دلانے لگے تھے کہ وہ ان ناموں سے آشنا ہیں مگر ساتھ ہی ان کے انداز میں موجود نفرت و سرد مہری اسے لمحے میں باور کرا گئی کہ یہ شائستگی کسی ”قربت“ کا نہیں ”شدید عداوت“ کا باعث ہے، اس کی حالت ابتر ہونے لگی۔

حیدر ملازمہ کے لائے ہوئے لوازمات سے انصاف کرنے میں یکن ہو گیا تھا۔ ان خوف ناک امر سے بے خبر کہ انجانے میں وہ بیروں میں آگ چھڑک چکا ہے جو نہایت ہی جاوید کن ثابت ہوگی۔

منال و نائکہ اتنی آسانی سے اپنے فکاہل جانے پر حیرت و بے چینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں، ساتھ ہی آنکھوں سے ان کی نفرت و انتقام کے شرارے نکل رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”کیسی ہے میری بیٹی؟ پپا کے جاتے ہی چوٹ لگالی؟“ انس صاحب اس کی پیشانی چومے ہوئے گویا ہوئے۔ وہ پچھلے بختے بزنس ٹور پر ہلکا گئے تھے۔ کرن نے انہیں حورین کے حادثے کا نہیں بتایا تھا۔ ازل تو وہ خود ہی جانتی تھیں کہ اگر انہیں حورین کے متعلق ذرا بھی بھٹک مل گئی تو وہ سب چھوڑ کر پاکستان واپس آ جائیں گے۔ خواہ کتنا بھی نقصان ہو، وہ تم بی بی جی کی انس صاحب کی آنے والی ہر کال پر یہی تاکید ہوتی تھی کہ کچھ نہ بتایا جائے کہ وہ پردیس میں تنہا پریشان ہوں گے مگر انس تو وہ ہاپ تھے جو بچوں کی آواز سے ہی ان کی حالت کا پتہ چلا لیتے ہیں اور وہ بھی بتاتے اس کی کیفیت سے بات کے دوران آگاہ ہو گئے تھے۔

پھر پہلی فلائیٹ سے ہی وہ پاکستان آگئے تھے اور آتے ہی حورین کو کسی کم عمر بچی کی طرح لپیٹ لیا تھا۔

”میرا پاؤں سلب ہو گیا تھا چاہا!“ وہ ان کے سینے سے سر نکالتے ہوئے بولی۔

”یہ ملازمین میں بانٹ دیں۔“ انہوں نے کوٹ کی جیب سے نوٹوں کی گندی نکال کر قریب کمزری کرن کی طرف بڑھائی۔

”صدقہ خیرات میں بھی بہت کر چکی ہوں، بی بی جان نے بھی غریبوں میں رقم بانٹی ہے، صدقے کے بکرے دیئے ہیں۔“

کرن ملازمہ کو رقم تنہا کرا آئی تھی کہ وہ دوسروں کو بھی تقسیم کر دے، اب وہ ان کے قریب بیٹھی گفتگو کر رہی تھیں۔ حورین انس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ حادثہ ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ دن گزر چکے تھے، وہ لھیک ہو چکی تھی۔ پیشانی کا زخم بھر گیا تھا، صرف کمزوری باقی تھی، مگر اس کے بدلتے احساسات نے جس کشش میں اسے جلا لیا تھا، وراصل اسی نے اسے ادھ مو اکڑا لیا تھا اور وہ تندرست ہو جانے کے باوجود ویرسوں کی پیارو لاغر دکھائی دے رہی تھی۔

”میں نے آپ سے کہا تھا نا..... یہاں مت آئیں، نہ سمجھیں اسے جب سے یہ یہاں آئی ہے، کسی نہ کسی پریشانی و تکلیف میں مبتلا ہو رہی ہے اس شہر نے جب اس کی ماں کو ہنادی تو بیٹی کو کیسے عافیت دے سکتا ہے۔ آپ ہیں کہ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔“

کرن اس دہم کو اپنے دل سے نکال نہ پائی تھیں۔

”ذہیز! میں ایسی کسی لاجب کو نہیں مانتا، زندگی کی اس کشن دوڑ میں کامیاب رہی لوگ ہوتے ہیں جو بار بار گر کر اٹھتے ہیں، اگر اس طرح سب تو ہمت کا ہتھار ہو جائیں تو زندگی منطوج ہو جائے۔“

”آپ نے کبھی میری بات کو اس معاملے میں اہمیت نہیں دی ہے۔“

”نہ آئندہ کبھی دوں گا۔“ وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔

”چاہا! میں آپ کے لیے کافی بنوا کر لاتا ہوں۔“ حورین ہنسنے اترتے ہوئے بولی۔

”آپ ریٹ کر رہیں بیٹا! ابھی سوڑ نہیں ہے۔“ وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے، کرن بھی ساتھ تھیں، وہ آٹھ کر روم سے باہر نکل آئی۔ باہر ٹیرس پر ہریہ اس سے ٹکرا گیا۔

”دشمنوں کے مزاج کیسے ہیں؟“ وہ عجیدگی سے گویا ہوا۔

”مجھے تو اچھے نظر آرہے ہیں۔“ وہ اسے دیکھ کر بولی۔

”میں دشمن نہیں ہوں، چاہنے والوں میں سے ہوں۔“ وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے قریب کھڑے ہو کر بولا۔

”میں نے بی بی جی کو راضی کر لیا ہے۔“

”کیوں؟ کس بات کے لیے؟“

”میں نے ان سے کہا، میں ایک لڑکی کا ساتھ چاہتا ہوں، اسے شریک سفر بنانے کے لیے آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔“

"اچھا..... پھر وہ کیا بولیں؟"

دو خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"وہ کہنے لگیں کہ پہلے اپنے قدموں پر کھڑے ہو، پھر کسی دوسرے بوجھ کو اٹھانے کی بات کرنا، میں نے کہا بی بی جان، آپ پاؤں پر کھڑا ہونے کی بات کر رہی ہیں، میں آپ کو بھاگ کر دکھا سکتا ہوں، بلکہ رنچ میں تو میں اکثر فرسٹ پرائز لیتا رہا ہوں اور ری بات بوجھ کی تو پھولوں کا بھی کوئی بوجھ ہوا کرتا ہے۔"

"وہ جہتے ہوئے کہہ رہا تھا اور نامعلوم کیوں حورین کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ لمبے بھر میں وہ سینے میں شرار بھر ہو گئی۔

"حورین! کیا ہوا؟ یہ تمہیں اتنے سینے کیوں آ رہے ہیں؟"

ہریرہ کے مسکراتے چہرے پر یک دم پریشانی پھیل گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے چیز پر بٹھایا تھا۔

"آئی ایم رائٹ، تم پریشان مت ہو، وہ اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا کر آہستگی سے کہنے لگی۔ ہریرہ خاموشی سے سامنے چیز پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" توقف کے بعد اس نے کہا۔

"ذکر رہا ہوں، تم کچھ دنوں سے بہت اجنبی اجنبی سی لگ رہی ہو، اتنا لگ رہا ہے کہ ہمارے درمیان بہت سارا فاصلہ سمٹ آیا ہے۔ تم مجھے خود سے بہت ددر محسوس ہو رہی ہو۔" ہریرہ نے حقیقت بیان کی تھی۔

حورین اسے کیا بتاتی، کہ وہ تو خود کو فضاؤں میں معلق محسوس کر رہی ہے۔ دن نے چلن ہی ایسا بدلا کہ وہ خود کی ندر ہی، کسی اور کی کیا ہوتی، اسی جذباتی کشش نے اسے ہر اسان کیا ہوا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے، نہ معلوم تمہیں کیوں لگ رہا ہے۔"

"کاش! ایسا ہی ہو، میں تمہیں کھو کر مرنے پاؤں کا یاد! کوئی کچھ بھی لکھے مگر تم بھی بے وفائی مت کرنا۔"

"تم مجھے آخری سانس تک با وفا پاؤ گے ہریرہ۔"

ہریرہ جتنے مسکراتے ہریرہ کا یہ روپ اسے منظر ب کر گیا تھا۔

"کس کی آخری سانس تک؟ تمہارے یا میرے؟"

وہ اپنے موڑ میں آتے ہوئے ہنس کر بولا تو حورین نے بھی مسکراتے ہوئے اس کے منکا مارا تھا۔

☆.....☆.....☆

"مئی! ڈیلی تو یہاں آنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں۔ کتنے ماہ ہو گئے ہیں انہیں مگے ہوئے، جب بھی کال کرو، کسی دوسرے

کنٹری میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔" منال راکنگ چیز پر جھولتے ہوئے ان سے مخاطب تھیں جو تھمرے سے کیونکس صاف کر رہی تھیں۔

”پھنسنے ہوئے ہوں گے، کسی منبری بالوں والی چڑیل کی زلفوں میں۔“

”اوگاڈ..... ممما! آپ بھی اس اتاج میں ڈیڑی پر شک کرتی ہیں۔“

”یہ عمری زیادہ خراب ہوتی ہے جس طرح بھٹتا ہوا چرخہ زیادہ پھڑپھڑاتا ہے، اسی طرح جاتی جوانی بھی.....“

ناقہ تنگم کی زبان ہمیشہ سے بے باک تھی۔ منال قبچہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

”مئی! آپ بھی جومہ میں آتا ہے، دلول وقتی ہیں۔“

”لیکن سچ بولتی ہوں۔“ وہ نیکی کے ہشاش بشاش چہرے کی جانب محبت سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

”پھر کب پلاننگ اسٹارٹ کر رہی ہیں۔ وہ فتنے ہو چکے ہیں تمام معلومات حاصل کیے ہوئے۔ مجھ سے مزید مہر نہ ہونگے گا۔“

”آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا، بہت جلد میں اپنی سوچی ہوئی پلاننگ شروع کرنے والی ہوں، اب تو پرنس پوری طرح سے میری مٹھی میں ہے کیونکہ میں نے اس کی دادو، چچا وغیرہ کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کر کے اور ان سے اچھا برتاؤ کر کے جو کچھ کسر رو گی تھی، وہ بھی پوری کر دی ہے اور تو اور اس کی دادو سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر اس کے دل سے ہر گر و کھول دی ہے۔ کل کے ذبح کے بعد سے وہ بے حد خوش ہے، اب میرے لیے تمام راستے کھلے ہوئے۔“

منال اپنی پلاننگ کے مطابق کام کا آغاز کر چکی تھیں۔ ایک ہفتہ ان کا شادی، مرگ جیسی کیفیت میں گزارا تھا۔

انہیں یقین ہی نہ تھا کہ وہ اس طرح گھر جینے اپنے دشمنوں کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گی۔

ذوالنون کا زخم ان کے لیے مہم ثابت ہوا تھا، برسوں سے جھلنے من کو اب طمانیت نصیب ہونے والی تھی۔

”مئی! آپ سے زیادہ مجھے ان لمحوں کا انتظار ہے، جب اپنے دشمنوں کو میں اپنی نظروں کے سامنے ذلیل و خوار دیکھوں گی۔“

”میں کہتی ہوں وقت ضائع کیے بغیر کام شروع کر دیں، مجھے وقت پر بھر دسہ نہیں رہا ہے، یہ کبھی بھی چکنی پھلی کی طرح ہاتھوں سے

پھسل سکتا ہے۔“

☆.....☆.....☆

بلیوکر کے شلوار سوٹ میں اس کی شفاف دھمت و دک دی تھی۔ شرٹ پروہائٹ لیس سے ڈیزائننگ کی گئی تھی جس میں موتی لٹک رہے تھے، ساتھ وہائٹ دوپٹہ تھا جس پر بلیو سوٹیوں کی لیس لگی ہوئی تھی، کانوں میں میپنگ کی جیولری تھی، ہائیں ہاتھ میں رسٹ واچ اور وائیں ہاتھ میں برہ سلسٹ تھی، چہرہ ساود تھا، گولڈن براؤن بال آبشار کی طرح پشت پر پھیلے تھے۔ وہ پرس ہاتھ میں پکڑے حیدر کے ہمراہ ہال میں داخل ہوئی تھی۔ معطر ہال میں تمام ٹیکلو بک تھیں۔ کارڈز کی ٹیبل پر ریزورڈ کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی، وہ اس کی جانب بڑھ گئے تھے۔

”حیدر! یہاں تو صرف دو چیز زین بتم نے کہا تھا، سرنے سب کو انوائٹ کیا ہے، یہاں نہ چیز زین دنہ باقی لوگ؟“ وہ حیرانگی سے حیدر سے مخاطب ہوئی تھی۔

”آپ کیا نہیں گی..... کیا منگواؤں؟“ حیدر نے اس طرح پوچھا جیسے ایک لفظ نہ سنا ہو۔

”آپ خاموش کیوں ہیں؟ کیا لیس گی؟ کونڈا ڈرک؟ نہیں جوس؟ اور نچ جوس؟ یا کانی؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ حیدر کے انداز پر اس کی حس بیدار ہونے لگی تھی، آج اس کا فون آیا تھا کہ سر آفتاب انہیں پارٹی دے رہے ہیں جس میں بہت کم افراد مدعو ہیں۔ ان پانچوں کے گردپ میں صرف حورین کو الو امیٹ کیا ہے۔ اتفاق ہی تھا کہ مول دزدیا اپنی خالہ کے ہاں چند دنوں کے لیے رکنے گئی ہوئی تھیں، ورنہ وہ جتنا کبھی نہ آتی، حیدر نے بھی مماسے اجازت لی تھی اور اپنے ہمراہ لایا تھا۔

”کچھ بھی نہیں..... یہ کس ڈرک کا نام ہے؟“

”اور لوگ کہاں ہیں؟“ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی بیک سٹائیڈ سے ڈالتوں آتا ہوا دکھائی دیا تھا اور چند لمحوں میں وہ قریب پہنچ گیا تھا۔

”بیچے آگئے باقی لوگ؟“ ڈالتوں کو دیکھ کر وہ اطمینان سے بولا، جبکہ وہ اس لمحے بالکل ہی شاکزدہ ہو گئی تھی۔

”السلام علیکم!“ وہ آکر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”تھیں کس یا راقم نے بڑی پرالیم سولو کر دی ہے۔“ وہ کمرے ہوتے ہوئے حیدر سے محویت سے گویا ہوا۔

”یہ میری دوستی کا تقاضہ تھا جو میں نے پورا کیا مگر یاد رکھنا تمہاری خاطر میں نے حورین سے چیٹنگ کی ہے ضرور مگر..... تم سے قس یہ میری بہن ہیں، تم ایسا کوئی بات نہ کرنا جس سے ان کی دل آزاری ہو، ورنہ میں خود کو معاف نہ کر سکوں گا۔“

حیدر اس سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ حورین نے بھی اٹھنا چاہا تھا، اسی لمحے اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ کر کہا۔

”ہلیز میں زیادہ دلت نہیں لوں گا آپ کا..... آتم سووری۔“

”سووری! سووری! قارہاٹ؟“

اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتی وہ غصے سے بولی۔

”آپ سے سر کے نام پر جھوٹ کہلوا لیا..... یہ لٹل حرکت ہے؟“

”جب آپ لٹل کو لٹل سمجھتے ہیں تو پھر اس حرکت کا مطلب؟“

جواب میں وہ خاموش رہا تھا۔ حورین نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ بلیک جینز وگرے ٹی شرٹ میں اس کے وجیہہ چہرے پر بڑی گھمبیری آوازی تھی، ایک بے کل کردینے والی سنجیدگی۔

آوازی کے بجائے گہرے رنگ اسے آج کل اپنی ذات کا حصار کیے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

اس کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں، دل بے ہنگم دھڑک رہا تھا۔ احساسات کی عجیب سی یورش تھی جو اس پر ہوئی تھی۔

”میں آپ کو دیکھنا چاہتا تھا، حیدر رکھ رہا تھا، بہت زخمی ہو گئی تھیں آپ، ہسپتال تو میں نہیں آسکا تھا، ممانے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی

تھی، کئی بار سوچا آپ کو کال کروں، خیریت معلوم کروں، مگر پھر مجھے مناسب فیمل نہیں ہوا۔“

بہت دھمے لہجے میں وہ بات کر رہا تھا، گویا جیسے اس کے سامنے کوئی بہت معزز ہستی بیٹھی ہو، جس کو نگاہ اٹھا کر دیکھنا جرم ہو۔ اس کی نگاہوں کا احترام، اس کے لہجے کی نرمی و مناساس، اس کے انداز کی شکستگی۔ محبت چٹانوں کو بھی موم کر دیتی ہے۔

”مناسب تو مجھے اس طرح بلانا بھی نہیں ہے، لڑکیاں ماں باپ کا خرد و مان ہوتی ہیں، ہم لڑکیاں جب گھر سے قدم باہر نکالتی ہیں تو ہمارے ساتھ ہر قدم پر ان کی اعتماد کی زمین ہوتی ہے، جہاں معمولی سی بھی لغزش قدم تو ڈگمگائے گی ہی، ساتھ ہی ان کے یقین و اعتماد کو بھی ڈوٹ پھوٹ کا شکار بنا دے گی۔“

”زیلی سوری، مجھے معلوم نہ تھا آپ اتنا برٹ ہوں گی، وراصل حیدر نے مجھے کہا کہ میں اس طرح.....“
ذوالنون نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر حیدر کی بات مان تو لی تھی مگر اب حورین کی نگلی اور اس کا خمیر بھی اسے ملامت کر رہے تھے کہ یہ حرکت اس کی بالکل غیر مناسب ہے۔

”آپ کی چوٹ کیسی ہے؟ بہت بلینڈنگ ہوئی تھی۔“

اسے مسلسل غصہ و پشیمانی میں جتا دیکھ کر اس نے اپنا رویہ کچھ نرم کیا تھا۔ اس کا رویہ ذوالنون کو کچھ ریلیکس کر گیا تھا۔

”میں ایک ہفتے میں سی ٹھیک ہو گیا تھا۔ فکر تو مجھے آپ کی تھی، آپ بہت بلندی سے گری تھیں۔“

”معلوم کس طرح میرا پاؤں سلپ ہو گیا تھا۔“

”وہ مہری لائف کا بہت بڑا دن ہے جسے میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گا۔“ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی چھانے لگی تھی۔

”آپ زخمی ہوئے تھے اس لیے؟“

”نہیں..... وہ مردانہ میرے ہاتھوں سے زخم و چلے گئے اس لیے۔“ اس کے لہجے میں دشت اتر آئی تھی۔

”ایسے لوگ تو ہماری سوسائٹی میں بھرے پڑے ہیں، آپ کس کس تواریں گے؟ آپ کی سوچ غلط ہے۔“

”آپ کچھ بھی کہیں، میں اپنے موقف پر قائم رہوں گا، ایلی وئے، کیا ٹیس گی آپ؟“ دوویٹر کو اشارہ کرتا ہوا اس سے بولا۔

”میں جارہی ہوں۔“

”حیدر کو میں نے آدھے گھنٹے کا وقت دیا ہے، وہ آپ کو پک کرے گا، کافی منگوا لیتا ہوں۔“ اس کی دلکش بھاری آواز میں اصرار کا

عجیب رنگ تھا، وہ مزید انکار نہ کر سکی۔

کافی آنے تک ان کے درمیان خاموشی رہی تھی۔ ایسی خاموشی جہاں زبانیں خاموش رہتی ہیں، دھڑکنیں گنگناتی ہیں۔ نگاہیں

پلٹتی ہیں۔ احساسات گنگناتے ہیں۔ کافی بھی اسی خاموشی میں ہی پٹی مٹی تھی۔

دونوں کے پاس لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔

”میں اپنی ماما کو آپ کی ماما کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔“

توقف کے بعد وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

پہلے سے ہی بے ترتیب دھڑکنیں مزید بے قابو ہونے لگی تھیں۔ اس کی پُر شوق نظروں کی حدت وہ اپنے چہرے پر ہی محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ بے حد گہری نگاہوں سے شخص سے موسم میں بھی وہ چہرے پر پسینہ محسوس کرنے لگی تھی۔

”آپ سمجھ رہی ہیں نا! میں ماما کو کیوں بھیجنا چاہتا ہوں۔“

وہ اس کی گھبراہٹ سے پورا لطف اٹھا رہا تھا۔

”اب یہ مت کہہ دیجئے گا کہ آئی ڈنٹ نو۔“

”ہلیئر..... حیدر کو کال کریں، میں جانا چاہتی ہوں۔“

لمحے کے ہزاروں حصے میں وہ خرد کی دنیا میں لوٹی تھی۔

”یہ بات کا جواب نہیں ہے۔“ وہ بولا

”میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔“

قبل اس کے کہ زوالنوں کوئی جواب دیتا، منال بیگم اور ناگتہ بیگم ہال میں داخل ہوئیں، پھر مسکراتی ہوئی اس طرف آئی تھیں۔

”ماما! نا نو!“ وہ انہیں دیکھ کر بوکھلا کر کھڑا ہوا تھا، جبکہ ان دونوں کی نگاہیں پزل ہوتی حورین پر جمی تھیں۔



دھک، دھک، دھک..... دھک۔۔۔

اس کے دل کی دھڑکنیں معمول سے بڑھ گئی تھیں۔ لمحے بھر کو اس کو پورا ہال گھومتا محسوس ہوا تھا۔ اس کی چٹائی عرق آلود ہو گئی۔

اس نے چوری نہیں کی تھی مگر خود کو کسی چور کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ اس کی بے ساختہ نگاہیں منال کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔

”اُف۔۔۔۔“

وہ نگاہیں تھیں یا دو شعلوں سے دھکتے ہوئے الاؤ..... یا کسی زہریلی ناگن کے زہر میں ڈوبے ہوئے دو پھن۔۔۔ عجیب و

دہشت اس کی رگ و پے میں مرایت کرتی چلی گئی اور اس لمحے اس کے دل نے انہونی خواہش کی کہ..... کاش! کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ ان کی

نگاہوں سے اجھل ہو جائے..... یہ ایک خواب ہو..... ایک ناخوشگوار خواب، جو بیداری کے بعد اسے شامت کر دے لیکن جس طرح خواب

حقیقت کا روپ اختیار نہیں کر سکتے، اسی طرح حقیقت بھی خواب کی کینچی نہیں بدل سکتی، پھر سوچیں کب مکمل ہوتی ہیں۔

”نانو ہمارا پلیئر! آپ لوگ بیٹھیں ناں۔“ پلی بھر میں اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا کر کہا۔

”نو ٹھیکس۔“ سیکنڈ فلوئر پر ہال میں ہماری پارٹی ہے، ٹریلک جام ہونے کی وجہ سے ہم پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔“ منال نے کہہ

کرسکراتے ہوئے بری طرح پزل ہوتی حورین کی طرف ہاتھ بڑھایا، مصافحہ کے لیے۔ ان دونوں کو کھڑے دیکھ کر احتراماً وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ مثال نے نہ صرف اس سے مصافحہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر سینے سے لگا کر اس کی پیشانی بھی چومی تھی۔

”آئی ایم سوری، میں آپ کے پاس ہاسپٹل نہ آ سکی، کچھ ٹیلی ان دنوں پرنس بھی کافی اشجڑ تھے۔ اس کے باعث نہ دل کہیں آنے جانے کو چاہ رہا تھا، نہ میں نے پرنس کو گھر سے نکلنے دیا، پھر ایسی جوائنٹن میں ریلیٹیو کا بھی آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ایسے میں اچھا فیمل نہیں ہوتا، مگر سے نکلتا۔“ وہ بہت اپنائیت سے اس کا سر دھرتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے کھٹکھٹ کر رہی تھیں۔ اس وقت ذوالنون کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔

وہ از حد دلکش انداز سے اس کی جانب کن اکھیوں سے دیکھ رہا تھا جو مہما کی محبت سے خامی نروس ہو رہی تھی اور اس سے وہ قدم کے فاصلے پر کھڑی قائلہ بیگم کی جہان دیدہ نگاہیں بڑے ذریعہ انداز میں اس کا جائزہ لے رہی تھیں اور ان کے اندر انتقام و نفرت کے الاؤ گے مزید شعلے بلند ہو رہے تھے۔ ذوالنون کے بدلتے مزاج و انداز نرمی و لطافت کا سبب یہ ”لڑکی ہوگی؟“ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں یہ لڑکی جو ان کے دشمنوں کی بیٹی تھی۔

بھلا کس طرح اسے وہ مقام..... وہ عزت دے سکتی تھیں جو پرنس کی لائف پارٹنر کے لیے ان کے دل میں تھا۔ مثال کے بعد وہ خود بڑے تپاک و خلوص سے حورین سے ملی تھیں۔ منافقت و سفاکیت ان کے اندر اس حد تک نکل چکی تھی کہ وہ سادہ مزاج ایک حد تک اکھڑ و صاف گو ذوالنون بھی ان کی اندرونی جاوکن خواہشات کی پرچھائیاں بھی محسوس نہ کر سکا تھا کہ وہ تو اس وقت دل کی آؤ لین مسرت آمیز دھڑکنوں کی صدائیں سن رہا تھا۔ محبت کی بھرپور روشنیاں اس کی گرے آنکھوں میں جگمگا رہی تھیں۔ حورین مثال اور قائلہ کے اس والہانہ محبت بھرے انداز و خلوص سے بے حد متاثر ہوئی۔ چند لمحوں قبل آنے والے خیالات کو اس نے رد کر دیا تھا۔

”ارے آپ لوگ بیٹھیں، ہم لیٹ ہونے کی وجہ سے جا رہے ہیں۔ اب تو ویسے بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔“ مثال نے شوخ نظروں سے بیٹھے کے وچہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”پھر ملو ارہے ہیں جلد..... حورین گے پرنس سے؟“ قائلہ بیگم کے انداز میں بھی ذومعنی شرارت سی تھی۔

”آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔“ اس کا انداز بھی شوخ تھا۔

”ہماری ساری دعائیں آپ کے لیے ہی ہیں..... بلکہ اس لڑکی کو دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔“ آخری الفاظ وہ دل میں کہہ اٹھی تھیں۔ چند منٹ مزید وہ پیار و محبت کے پھول پھما کر کے وہاں سے آگے بڑھ گئی تھیں۔ ان کے جاتے ہی حورین نے بھی قدم آگے بڑھائے تھے۔

”جاری ہیں؟“ وہ دھیمی انداز میں گویا ہوا۔

”جی۔ اس نے اسی طرح زرخ پھیرے پھیرے ہی جواب دیا تھا۔

”جو میرا سوال تھا وہ مما اور نالو کا بھی، کیا جواب ہے آپ کا۔۔۔“ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ واپسی کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے ذوالنون نے کہا مگر وہ جواباً خاموش رہی تھی۔ پارکنگ لائٹ بج جاتے جاتے اس کی خاموشی برقرار رہی تھی۔ کار میں بیٹھنے سے قبل وہ بھی لگا ہوں سے بوٹی۔

”آپ کے اس سوال کا جواب نہ ہے اور نہ کبھی میرے پاس ہوگا۔“

☆.....☆.....☆

اس قدر لفظ کسے یاد ہیں

دھڑکی، دھم، سہارا اور تم

تم، وقت، خواب، پریشانی، فراق

یاد، مجھوری، قہقہہ اور تم

بھوک، خٹ پاتھ، ہڑک، کچے رستے

اس قدر لفظ کسے یاد ہیں

بس جنہیں یاد دکھا ہے دل لے

غیر واضح ہے سفر

پھر بھی ضروری ہے رکھے جائیں قدم صاف شفاف

کوئی تو راہ سلامت ہوگی

جو تیری یاد سے ہوتی ہوئی آبادی تلک جاتے گی

ایسی آبادی تلک جس میں کسی لفظ کا مفہوم

کسی خوف، کسی دھوکے

کسی ہجر سے وابستہ نہیں ہوگا کہیں

ایسی آبادی تلک

حافظہ جس میں کسی لفظ سے کھرا نا نہیں چاہے گا

منال بیگم اور قاتلہ بیگم محض وقت گزاری کے لیے پارٹی میں شریک ہوئے آئی تھیں اور یہ اتفاق تھا یا ان کی خوش قسمتی کہ وہ ان

سے کھرا گئی تھیں۔ پہلی نظر میں تو انہیں اپنی بصریت پر دھوکے کا گمان ہوا تھا، جب انہوں نے ذوالنون کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھ دیکھا تھا پھر

”نہیں ماما! میری لفرت میں اس قدر رطابت ہے کہ اس کی لوزائیہ محبت کو اس طرح قابغ کرے گی کہ ڈھوڑے سے بھی اس کا پتہ نہ ملے گا۔ میری ایک عمر کی حسرت اس طرح روٹی ہوئی آرزو میں نہیں بدل سکتی، خواہ کچھ بھی ہو، کامیابی میری ہے۔“

☆.....☆.....☆

”بی بی جان! آپ کچھ کہہ رہی تھیں، میں جلدی جلدی نماز پڑھ کر آئی ہوں۔“ جیلا کچھ پریشان سی اعدا کر گویا ہوئی۔
 ”موسم اچھا ہو رہا ہے۔ میں نے سوچا چائے کے ساتھ پکڑے بھی کھائیں گے اور اٹلی کی چٹنی بھی ہو تو لطف آجائے گا۔“
 خلاف توقع آج بی بی جان کا موڈ بہت بہتر تھا۔ جیلا کی منتشر سانسیں اعتدال پر آنے لگی تھیں۔ کچھ دیر قبل جب وہ نماز پڑھنے کھڑی ہوئی تھی تو یہ دیکھ نہ سکی کہ بی بی جان بھی وہاں موجود ہیں اور وہ بھی اپنی جانب متوجہ پا کر اس کی شلی گم ہو گئی تھی اور جو رہی سہی کسر باقی تھی وہ ان کے حکم نے پوری کر دی کہ نماز پڑھ کر میرے کمرے میں آؤ۔ اب ان کا اچھا موڈ اسے حیران کر گیا۔ شام کی چائے پر موسم کی مناسبت سے انتظام تھا۔ وہ سب ہی سیاہ بادلوں سے گھرے خوب صورت موسم کا مزہ لے رہی تھیں۔ ہوائیں ٹھنڈی تھیں۔ ماحول پر چھایا خواب ناک اندھیرا بڑا سحر انگیز لگ رہا تھا۔
 ”حورین! کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں..... کچھ لے کیوں نہیں رہیں؟“ بی بی جان خاموشی سے چائے پیتی حورین سے گویا ہوئیں۔

”طبیعت ٹھیک ہے بی بی جان، یہ سب کچھ کھایا ہے میں نے۔“
 ”آپ نے سوسہ بھی پورا نہیں کھایا ہے اور کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ آپ روز بروز اپنی ڈائٹ کے معاملے میں لاپرواہ ہوتی جا رہی ہیں۔“ قاریہ نے نرمی سے کہا۔
 ”اگر بھی آپ کی ڈائٹ رہی تو لگتا ہے چند دنوں بعد آپ کو خوردبین سے دیکھنا پڑے گا۔“ میرا قیام کے کہنے پر سب کے لب مسکرا اٹھے تھے۔ حورین بھی ہنس پڑی تھی۔
 ”ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا آئی۔“

”کرن نے جس دن آپ کی کیئر کرنی چھوڑ دی تو اسی دن آئے گا، بالکل بے ہیز کی طرح کیئر کرتی ہیں آپ کی۔“ حیرا قیام نے کرن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو بچی کو محبت آمیز لگا ہوں سے دیکھ رہی تھیں۔
 ”اب تو میں چھوڑ رہی ہوں مگر رات کو کھانے پر آپ میرے ساتھ ہوں گی۔ میرے ساتھ والی چیز پر نہیں گی۔ اپنی گھرانی میں نہیں آپ کو کھانا کھانے دوں گی۔ نہ معلوم کیا ہو گیا ہے ہماری اس بچی پر دکو ہر کام میں شارٹ کٹ کی عادی ہو گئی ہیں اور ہاں سب بچیاں نماز میرے ساتھ پڑھیں گی۔“

بی بی جان کے اعزاز میں موجود مخصوص تختی دکھ رہا پن مفلو تھا۔

”مجھے یچین سے آج تک ایسے لوگوں سے بڑی اجنبیت و گھٹن محسوس ہوتی ہے جو مذہب کا پرچار کرتے ہیں مگر ان کے انداز میں حلاوت و شیرینی کی جگہ ایک ایسی سخت مہری دبے رُخی ہوتی ہے جو کم از کم ایک سچے مسلمان کے لیے میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ ہمارا دین تو عاجزی اخوت کا درس دیتا ہے۔ اخلاق و مروت کو مربوط کرتا ہے مگر افسوس ہوتا ہے جب ہم ایسے لوگوں کو شہد کی جگہ پتھر کی رہبان بولتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بچپن کو نماز کا میں نے اس لیے کہا ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں نمازوں کو کبھی ان لوگوں نے روزمرہ کے عام کاموں کی طرح سمجھ لیا ہے، جو جھٹ پٹ رکوع پر رکوع اور سجدے پر سجدہ کر کے جلد از جلد فارغ ہو جایا جاتا ہے۔“

بات سچ تھی۔ لڑکیوں کی نگاہیں جبک گئی تھی اور بیٹا جو مول سے چھوٹی اور بی اے فاضل کی اسٹوڈنٹ تھی، شرمندہ ہو گئی۔ نماز تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے، آج ہماری نمازیں روح سے خالی ہیں۔ ہم میں سے کتنے افراد ہیں جو نماز کو نماز کی طرح پڑھتے ہیں؟ اس کے الفاظ و کلمات کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہیں؟ کتنے نماز کے اہم ترین مقصد سے آگاہ ہیں؟ کسان کی نماز انہیں ہدی و بے حیائی سے روکتی ہے۔ درحقیقت آج ہمارے سجدے کوئے کی ٹھونگیوں سے مشابہ ہیں۔ ہماری نمازیں ایسی ہیں جیسے کوئی پھول ہو۔

خوشبو سے محروم۔۔۔۔۔

کوئی قالب ہو بغیر روح کے۔۔۔۔۔

کوئی درخت ہو بغیر ثمر کے۔۔۔۔۔

ہمارے پاس قالو کا مومن کے لیے وقت ہی وقت ہے۔ شاہچک سینئر میں قائم کی گئی کا احساس نہیں ہوتا۔ پارلر میں ہم گھنٹوں یوں ہی وقت صرف کر کے آ جاتے ہیں، کبھی ملال نہیں ہوتا پھر عبادت میں کیوں نفس کو حادی ہونے دیتے ہیں؟

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

”مس حورین! پلیز صرف چند منٹ چائیں۔“ حیدر اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ وہ لاہوری سے نکل رہی تھی۔

”کیوں؟“ وہ خامسے کڑے انداز میں قاطب ہوئی تھی۔

”اب کس طرح بے خوف بناؤ چاہتے ہیں؟ کوئی نیا پلان لے کر آئے ہوں گے کیونکہ آپ کو اپنی دوستی بہت عزیز ہے۔ آپ اپنے چہیتے فریڈ کی خاطر کوئی بھی غیر اخلاقی حرکت کر سکتے ہیں، جس کا آپ کو ملال تک نہ ہوگا کہ آپ کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے کسی کا لہو چر کس طرح تازہ ہو سکتا ہے، کسی کی پرستش مٹی میں مل سکتی ہے۔“ وہ سخت انداز میں بولتی چلی گئی۔

”میں تہہ دل سے شرمندہ ہوں آپ ہرٹ ہوئیں۔ آپ نے مماثل کیا مگر بھلا میرا ذوالنون کا ارادہ برا نہیں تھا۔ ہم آپ کا بے حد عزت کرتے ہیں۔ آپ کا وقار ہمیں پوری طرح سے عزیز ہے۔“ حیدر کے دھیمے لہجے میں اپنا نیت تھی۔

”رہنے دیجئے، سب جانتی ہوں کتنا عزیز ہے اور میں آپ کی اب کوئی بات نہیں سنوں گی، میرا کچھا چھوڑ دیجئے۔“

”آپ کا قصہ بجا ہے۔ ذوالنون کی نالوارہ در بالکل اتفاقیہ ہی ادھر آ گئی تھیں۔ شاید ان کی وجہ سے آپ زیادہ ہرٹ ہوئی ہیں

اور آپ سمجھ رہی ہیں یہ سب پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔ حورین نے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ حیدر بھی اس کے ساتھ ہی چلنے لگا تھا۔ قریب سے گزرتے اسٹوڈنٹس کی وجہ سے ان کی آواز دھیمی تھی۔

"حیدر پلیز! نو آؤ گویا سٹلٹس۔"

"میں کوئی وضاحت نہیں دے رہا، حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟" وہ جھنجھلا کر گویا ہوئی۔

"مجھے والوں کے لیے بہت بڑی بات ہے اور جو جان کر بھی نہ سمجھیں تو ان کے لیے کوئی بات نہیں ہے جیسے آپ بلا ضرورت اہتمام و کریم سے کام لے رہی ہیں، ایک بندے کی جذباتی و فکری کیفیت سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باوجود بھی آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ دونوں آواز فیکٹری کی طرف آگئے تھے، یہاں اسٹوڈنٹس ان میں ٹولیاں کی صورت میں دور دورہ کھڑے ہوئے تھے۔ حورین ڈک گئی تھی۔

"تم لوگ مجھے ڈیم ٹول سمجھتے ہو؟ اسنے ڈیروں کو کون سے، میں ہی ایک ایڈریٹ بنانے کوئی ہوں؟" وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی غصہ سے لہجہ میں گویا ہوئی۔

"اوہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں..... میں سمجھا نہیں؟"

حورین کے یکدم بدلنے والے طرزِ مخاطب نے حیدر کو ہکا بولا ڈالا۔

"درست کہہ رہی ہوں، یہ سب آپ کی اور آپ کے دوست کی غلی بھگت ہے، مجھ سے بدلہ لینے کی ایہ جو آپ گیم کھیل رہے ہیں میرے ساتھ، ایسی گیمز بہت ساری ہوں، بہت اچھی طرح اندازہ ہے۔"

"آپ کو ہم بد نیت لوگ نظر آ رہے ہیں؟ اور بدلہ کس کا لیں گے؟"

"میں نے شروع سے کہا تھا کہ وہ انٹون جیسے بدو مانع و مضر و فحش کو مصعب مخالفت کی عزت کرنا سکھا دوں گی۔ ایک دن ضرور وہ اپنے اہل مکر و رویے پر شرمندگی لے لیں گے گا اور میری کہی باتیں آج روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ انہیں اپنی غلطیوں و باروائیوں کا احساس ہونے لگا ہے۔ کل تک وہ جس مصعب مخالف سے بھاگتے تھے آج ان ہی کے درمیان زیادہ پائے جاتے ہیں۔"

"آف کورس مگر اس میں بدلہ کہاں سے آگیا؟ وہ تو آپ کا شکر گزار ہے، معترف ہے آپ کا کہ آپ کی بدولت اسے اس منف سے آشنائی ہوئی اور نہ نامعلوم کب تک وہ ان اندھیروں میں بھٹکتا رہتا جن میں بھٹک کر وہ اپنی مہما سے بھی دور ہو گیا تھا۔" حیدر کسی نیچے ہوئے وکیل کی طرح اپنے دوست کا دفاع کر رہا تھا۔

"یہی بات مجھے سمجھ نہیں آتی جس لڑکی سے انہوں نے نفرت کی، کوئی موقع، کوئی وقت اس کی جگہ کا ضائع نہیں کیا جس کی پرچھائیں سے بھی وہ نالاں تھے، اب آٹا کاٹا انہیں اس لڑکی سے اس طرح کیسے محبت ہو گئی کہ اب اس کا حصول ہی حیات مقصد بن گیا۔"

حورین کے انداز میں احتیاط کی مضبوطی تھی اس کا ایک ایک لفظ سچائی کی محک سے لبریز تھا۔ حیدر اسے دیکھتا رہ گیا۔

”اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ سچ اتنا ہی کڑوا ہوتا ہے کہ برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔“ حورین کے لبوں پر طعنے مسکراہٹ تھی۔

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں نے کبھی سنا تھا عورت کے دماغ پر ہمیشہ جذبات کی حکمرانی رہتی ہے، سو آج دیکھ بھی لیا کہ اس کاہرے

میں کس قدر صداقت ہے۔ اپنی اسے میڈم آپ کی سوچ آپ کے جذبات کی ترجمان ہے۔ اسے اس کی محبت چاند کی طرح پاکیزہ ہے۔“

”آئی ڈونٹ بلیو“ اس نے شانے اُچکائے۔

”آجائے گالیتیں بھی..... آپ کو یہ اعتراض ہے۔ پہلے وہ بے زنی والا تعلق سے بندھا ہوا تھا اور اب وہ محبت کے ساگر میں ڈوبا

و کھائی وے رہا ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں محبت، وفات، بے زنی والہ ت ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ اس کے دونوں اعزاز ہی اپنی پوری

شہمت سے عادی ہوتے ہیں، پھر میرا یہ تو وہ شخص ہے جس کی نفرت شدتیں سینے سے تھمتی تو اس کی محبت کی تو کوئی اعتناء نہ ہوگی اور اس سوال

یہ کہ وہ آپ ہی سے کیوں انکھار محبت کرنے لگا تو یہ بھی قدرت کا مذاق ہے اس کے ساتھ۔“ سامنے سے ان چاروں کو آگے دیکھ کر وہ

خاموش ہو گیا۔

”کیٹھن چل رہی ہو..... چائے کا موڈ ہو رہا ہے؟“ روانے کہا۔

”ساتھ گرا گرم سو سے بھی کھائیں گے۔“ ثمرین نے کہا۔

”تم تو سدا کی بھوکی ہو، ابھی سینڈویچ کھایا ہے، اب سموسوں کی لگ گئی، کھا کھا کر مر جاؤ گی کسی دن۔“

”ارے کیا کریں بھی کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ ہیں۔“ ثمرین ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے گویا ہوئی۔

”چڑ ہے اس جواب سے مجھے۔“ زویا چڑچڑے پن سے کہنا لگی۔

”تم بس یوں ہی چرتی رہو مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا۔“

”چکنے کھڑے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

”سینر فائر..... سینر فائر پلینز گرلز۔ آپ لوگوں کو آپس میں لڑنے کی قلبی ضرورت نہیں ہے۔ آپ لوگ کیٹھن چلیں اور جو چاہیں

بڑے اطمینان دے پھری سے تادل کریں۔ تمام خرچ یہ بندہ اٹھائے گا۔“ حیدر نے مداخلت کرتے ہوئے دعوت بھی دے ڈالی تھی۔

”ادھو، بڑے حاتم طائی کے چائین بن رہے ہو..... خیریت تو ہے ناں..... کس بات کی رشوت ہے یہ.....؟“ ثمرین تو تھی ہی

منہ پھٹ۔

”رشوت نہیں دعا کروانا چاہ رہا ہوں، کچھ میٹھے کام ہیں۔“

”تو ہم سے کیوں کروا رہے ہیں دعا؟“ زویا نے حیرانی سے کہا تھا۔ حورین کے علاوہ ان لوگوں نے بھی پوچھا جبکہ حورین وہاں

ہوتے ہوئے بھی اپنی طور پر موجود نہ تھی۔

”بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا دیا جائے تو سنا ہے دعا نہیں قبول ہوتی ہیں۔“ حیدر نے کہہ تو دیا مگر پھر انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ مولیٰ نے موقع پاتے ہی حیدرین سے دریافت کیا تھا۔

”کچھ نہیں..... ٹھیک ہوں.....“

”مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔“

”معمولی سانس میں درد ہے۔“

”تمہارے سر میں درد کچھ دنوں سے زیادہ ہی رہنے لگا ہے۔“

”ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔“ وہ قصداً مسکرائی۔

”کبھی کبھی نہیں، ہر وقت ہی رہنے لگا ہے۔ تم ایک بار صدقِ دل سے فیصلہ کر لو..... تمہارا دل ہاں کہتا ہے یا ناں؟“ رات کو ڈنر کے بعد مولیٰ خود اسے یہاں سے لان کے قصبے میں لے آئی تھی، جہاں عموماً خاموشی رہا کرتی تھی۔ اس طرف گھر والوں کی آمد بہت کم ہوتی تھی، اس لیے وہ یہاں اسے لے آئی تھی کہ وہاں اطمینان سے بیٹھ کر بات ہو جائے گی۔

”کس بارے میں؟ مولیٰ تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟“ حیدرین اس کی طرف دیکھتی ہوئی استہمامیہ انداز میں بولی۔

”حیدرین! لاؤ گا ڈسک خود کو پینل مت بناؤ، خود کو تم نے تباہ کر لیا ہے۔ ہر ایک پر اعتبار کرنا نہیں چاہیے، یہ میں مانتی ہوں مگر کسی پر بھی اعتبار مت کرو، یہ بھی نہیں ہے۔“ مولیٰ نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”آج کل ایسے سال مجھے نے کیوں ہونے لگے ہیں جن کے حجاب نہیں ہیں میرے پاس..... زندگی ایک معرکہ بنتی جا رہی ہے۔ کچھ نہیں آتا کروں تو کیا کروں؟“ آج کل وہ اس قدر دردِ دل سے محسوس ہو رہی تھی کہ بات بے بات پر آرزو ہو جاتی تھی اور آنکھیں بھرے بالوں کی طرح برسنے کو تیار رہتی تھیں اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

”رؤ مت حیدرین اردو سے مسائل حل ہوا نہیں کرتے، میں دیکھ رہی ہوں تم کی دلوں سے گھٹ رہی ہو، اندر ہی اندر کوئی روگ لگا بیٹھی ہو اور وہ روگ کیا ہے..... مجھے معلوم ہے۔“

ذوالنون کی بڑھتی ہوئی وارفتگی، اس کی ٹاکھوں کے شوخ پیام، حیدر کی طرف داریاں اور خواہشیں اسے متوجہ کیے ہوئے تھیں۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس طرح اور کس کا اپنی پریشانی سے آگاہ کرے۔

گو کہ مما سے وہ ہر بات شیئر کرتی تھی۔ کوئی خاص بات ہی کوئی ایلا وائز لیتی ہو، تو وہ بلا جھجک کہہ دیا کرتی تھی، حالانکہ گاؤں میں جو حادثہ گزرا، جو وقت اس نے ذوالنون کے ہمراہ گزارا..... وہ سب مما سے کہہ چکی تھی کہ شاید جب اس کے دل میں کوئی چرہ نہیں تھا۔

جب جذبہ رنگوں سے خالی تھے۔

قلب میں کوئی پہل پہل نہیں ہوتی تھی۔

اب وہ چاہتی تھی کسی کو اس کے جذبوں کی، اس کی دل کی چوری معلوم نہ ہو، اس کی چاہت کا راز عیاں نہ ہو، ایک ہی وقت میں دو مختلف احساسات کی لپیٹ میں تھی۔ وہ چھپانے اور بچانے کی ننگ و دو میں جھلا تھی پھر مارتو ایسے بھی باہر کے لوگوں سے تعلق استوار کرنے یا دوستی بڑھانے کے حق میں نہ تھیں۔

پھر وہ یہ کس طرح گوارا کرتی کہ ان کی انکوائری ولاؤلی جی کسی غیر خاندان کے لڑکے سے محبت کرے۔

مولیٰ اس کے لیے بہترین دوست ثابت ہوئی تھی۔ بہت قریب سے اس نے اس کی باتیں سنی تھیں اور اس سے دل کی ہر بات کہہ کر اس کا دل بھی گویا ہلکا ہو گیا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم، میں اس سے محبت کرتی ہوں یا نہیں لیکن جب میں محسوس کرتی ہوں، اگر وہ میری زندگی میں نہیں رہا تو۔۔۔“

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئی۔

”ماموں نے اندھیروں کے مجھے کچھ نظر نہیں آتا ہے۔“

”واہ بھی واہ۔ دونوں طرف ہے آگ بھابھ لگی ہوئی۔“ مولیٰ نے اسے چھیڑا تو وہ ہنسی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

”اب تو بھی پارٹی لیس گے دونوں طرف سے۔“

”اقرار صرف میں نے تمہارے سامنے کیا ہے مولیٰ۔۔۔۔۔ اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے اسے پکارا۔

”مجھ سے وعدہ کرو۔ میری اس خاموش چاہت کا کسی کے سامنے ذکر نہیں کرو گی۔ اس کے سامنے بھی نہیں۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ یہ جذبہ چھپانے کے لیے نہیں ہوتے ہیں۔“

”ان کی خوب صورتی یہاں ہے کہ یہ پردے میں ہی رہیں۔ میں ان جذبوں کی اتنی حفاظت کروں گی کہ معمولی سا احساس بھی اس

مضامین تک نہیں پہنچ سکے گا۔“

”کیوں؟ یہ پاگل پن ہے حدیں، محبت تو وہ خوشبو ہے جو سات فٹل میں بھی چھپ نہیں سکتی ہے۔“

”میں چھپالوں گی کہ مجھے اپنی انا، اپنا وقار، رازد عزیز ہے۔“

☆.....☆.....☆

میں مانگ لوں گے حساب تم سے

جواب تم سے

تم کیسے دے گے جواب کوئی

ندے کو گے حساب کوئی

تھیں خبر کیا

کہ جگوں کا حساب کیا ہے

ان آنسوؤں کا حساب کیا ہے

یہ جبرِ قواک سوال ہے، پر جواب کیا ہے

لاگتِ روم میں وہ سب موجود تھے۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چل رہا تھا۔ مثالِ بیگم کو نین اور ذوالنون کے ہمراہ اپنی ساس کے ہاں موجود تھیں۔ بنگ ساڑھی میں لائٹ میک آپ اور میچنگ جیولری میں بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے وہ ہنسی مسکراتی بڑی بڑھقا رنگِ رعنی تھیں، جب سے انہوں نے ذوالنون کے ذریعے کرنا و انس سے انتقام لینے کی پانچک کی تھی، جب سے اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ذوالنون کی پسند و ناپسند کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر وہ کام کرتی تھیں جس سے وہ خوش ہوتا تھا۔ اب بھی اس کی خوشنودی کی خاطر وہ دل میں لہرتوں کے خباہت چھپائے بظاہر مسکراتے چہرے کے ساتھ اس گھر میں ان لوگوں کے درمیان بیٹھی تھیں جہاں کے چپے چپے سے ان کو نفرت تھی۔ ان لوگوں کو وہ خواب میں بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

”بھابی صاحب! آپ کی اس غریب خانے پر آمد ہی سب سے بڑا تحفہ ہے۔ ان تکلفات کی قطعی ضرورت نہ تھی۔“ عہدِ احمد صاحب ان کے لاتے ہوئے ڈیروں تلے تحائف کی جانب اشارہ کر کے خوش دلی سے بولے۔

”ارے کوئی تکلف نہیں ہے مہمان تو کروں میں بھل اور مٹھائیاں ہیں، کچھ گفٹس گھر والوں کے لیے ہیں، مہمان کے لیے گرم شال ہے، صنوبر اور سونیا کی جیولری اور ہر فوج و غیرہ ہیں اور کچھ کچھ آؤش گفٹس ہماری بہو کے لیے ہیں۔“

انہوں نے بہو پر زور دیتے ہوئے سامنے بیٹھی جھڑی کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی تھی۔

”آئی ایہ فاول ہے۔۔۔ میرے لیے کچھ نہیں ہے؟“ تخرج نے سنبھلا کر کہا۔

”آپ کے لیے ٹافیاں اور رسٹ داغ ہے۔“

”اوہ جینکس آئی! اس کے اعزاز پر وہ مسکرائیں۔“

”بھو انا تھ بیگم کو بھی لے آئیں، ایک مدت ہو گئی ان سے ملاقات ہوئے، کیسی ہیں وہ؟“ راجیہ بیگم نے کہا۔

”مہمان خود آپ سے اور بھابی جان سے ملنے کو بے تاب ہیں اور وہ آج میرے ساتھ آئیں مگر اچانک ان کی فریڈ آ گئیں۔“

”دادا آپ ہمارے ساتھ چلیں، کچھ ہمیں بھی موقع دیں اپنی خدمت کا، انکل نے بہت ثواب سمیٹ لیا ہے۔“ کوئین ان سے

مخاطب ہوا تھا۔

”تم لوگوں کی محبت ہی میری خدمت ہے بیٹا۔ مجھے اپنے کمرے کے سوا کہیں سکون نہیں ملتا، میں نہیں لھیک ہوں۔“ راجیہ بیگم

نے بہت خوب صورتی سے یہ طرز پیش کیا، ورنہ حقیقتاً انہیں ابھی بھی بھوک بدلتی کیفیت پر اٹھارہ نہ تھا کہ دو کب اور کس لمحے یہ خوش اخلاقی و ملن ساری کا چولہا تار کر بد مزاجی و بد تمیزی کے ہمیں میں آجائیں۔

”میرے خیال میں اب ہمیں اپنی بھالی کو گھر لے جانے میں دیر نہیں کرتی چاہیے۔“ ذوالنون نے بھائی کی نگاہوں کی چوری پکڑتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گیا، جبکہ خضرئی کی ٹانگیں مزید جھک گئیں۔

”انگل آپ بتائیں، ہم اپنی بھالی صاحبہ کو کب لینے آئیں؟“

”جب چاہیں بیٹا اس گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔“

”خیریت تو ہے بھائی۔ بہت پر خوش نظر آ رہے ہیں اپنی بھالی کو گھر لے جانے کے لیے کہیں ہماری بھالی کو تو گھر لانے کا ارادہ نہیں ہے۔“ قریب بیٹھے خضر نے سرگوٹی کی۔

”اگر کہوں..... ایسا ہی ہے تو پھر؟“

وہ خضر کے انداز میں ہی شوخی سے گویا ہوا اور جواباً خضر تو شا کڈ رہ گیا۔ حیرت، مسرت، استعجاب و اشتیاق کیا کچھ نہ تھا اس کے انداز میں۔

”بہت جلد ہم آ رہے ہیں اپنی بھوک لے جانے کے لیے آپ لوگ ابھی سے ہی جدائی کی عادت ڈالنا شروع کریں، اپنے گھر جا کر خضرئی یہاں بہت کم کم آ کر رہے گی۔ میں اپنے گھر کی رونق و روشنی کو دیا دو دیر گھر سے دور نہیں ہونے دوں گی۔“

سال بیگم اس وقت خوش اخلاقی و خوش مزاجی کے بلند درجے پر پہنچی ہوئی تھیں۔ دیا کاری و منہ لخت ان کی رگ رگ میں رہی، ہنسی تھی۔ کب اور کس سے کیا کام کروانا ہے اور کس طرح کروانا ہے وہ خیر انہیں اپنی ماں سے ورثے سے ملتا تھا۔ آج کل وہ جس نظام کی پانچک میں مصروف تھیں، اس کا سب سے حساس و مین پوائنٹ ذوالنون تھا جس پر وہ ایک عرصے سے محنت کر رہی تھیں کہ چاہتی تھیں اگر کامیابی کی مسرت اس کے وجود سے وابستہ ہے تو ناکامی بھی اس سے جڑی ہوئی ہے اور وہ ایسا کوئی کام ابھی کر کے اس کی ناراضی کا رسک لینا نہیں چاہتی تھیں، دھواں دھواں تو وہ حیرے سے لنگھوں کے پھول پھوار کرتی نظر آتی تھیں۔

”کس قدر خوش ہوں میں آج..... میرا خاندان ایک ساتھ ایک چھت تلے بیٹھا ہے کاش..... جزہ بھی کہیں سے آجائے تو میرا ادھر اور خاندان..... ادھر اور گھر..... ادھر ہی خوشیاں مکمل ہو جائیں۔ میری مت مکمل ہو جائے۔“

یکلخت ہی راجہ بیگم جوان سب چہروں میں اس ایک چہرے کو کھوج رہی تھیں جو ٹٹا ہوں سے دور ہو کر بھی دل سے قریب ہو گیا تھا، جس کی پاؤں قلب میں کانٹے کی طرح پیوست رہتی تھی وہ رو پڑی تھیں۔

ان کے رونے سے ایک دم ہی ٹھہر کر دیکھتی آدھی چھا گئی تھی۔ ذوالنون نے بڑی محبت سے ان کے آنسو صاف کیے تھے۔ وہ اس کے بادو کے حصار میں سسک رہی تھیں۔ انہیں نامعلوم کیوں اس کے وجود سے مزو کی تھک آتی محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ کونین کی رنگوں میں

بھی وہی خون رواں تھا جو دالون کی رگوں میں دوڑ رہا تھا مگر پھر بھی انہیں اس کی آغوش میں وہ مہک ڈیا وہ محسوس ہوتی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ عادت و اطوار کے لیلا سے حزنہ سے بہت مشابہ تھا، جبکہ کونین کے چہرے کے نقوش و جسمانی ساخت حزنہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ وہاں موجود سب کے چہروں سے انفرادی چمکنے لگی، دماغائے مثال بنیم کے جو چہرہ جھکا کر بیٹھ گئی تھیں۔ مبادا کہ ان کے چہرے پر حزنہ کے ذکر پر چھائی بے زاری و بے گائی کوئی دیکھ نہ سکے۔

☆.....☆.....☆

وہ سب سفیان کے کمرے میں جمع تھے۔

جہاں ان شیطانوں کا ٹولہ ہو وہاں دھماکہ چکڑی یعنی تولادی ہے اور اس وقت تو موضوع بھی بڑا اہم چل رہا تھا۔ سفیان کی سیل فون پر کسی لڑکی سے بات چیت ہو رہی تھی۔ دن کا قاریغ وقت اور رات کا بیشتر حصہ وہ اس کے ساتھ چٹنگ میں گزارتا تھا۔ حسبِ عادت لڑکی کو اس نے فرضی نام و پتہ بتا رکھا تھا۔ رؤف نے پہلے پہل تو خاموشی لگائی کہ وہ جلد ہی اسکا کریمہ دوسری قسم کروے گا مگر جب یہ سلسلہ طویل ہوتا چلا گیا تو اس نے اس لڑکی کو کال کر کے حقیقت بتادی مگر وہ لڑکی بھی ایک کانپاں تھی کیونکہ اسے کمر بیٹھے خواہش کے مطابق پینٹس غری مل رہا تھا۔ وہ نہیں مانی تو رؤف نے بھی جھوٹ کہہ دیا کہ سفیان اس سے فطرت کر رہا ہے ورنہ اس کی منگنی ہو چکی ہے اور جلد ہی ہی شادی ہونے والی ہے۔ لڑکی نے سفیان کو کال کر کے خوب باتیں سنائیں اور دوستی تو زور دے تب سے ان کے درمیان ایک محاذ گرم ہو چکا تھا۔

سفیان بھی تنہا کر چکا تھا، جب تک رؤف کی گرل فرینڈ نہ رہے اس کی فرینڈ شپ تو دوائے کانٹیں و سکون سے نہیں بیٹھے گا۔
 "ارے یار اتم کب تک فیسے میں رہو گے؟ مٹی پاؤ اس تھے پر، یہ فون فرینڈ تو اور بھی مل جائیں گی۔ وہ ایک عی تھوڑی تھی۔"
 "اس جیسی کوئی نہیں ہوگی۔"

"اس میں ایسی کون سی خاص بات ہے، کوئی یہ بھی تو بتاؤ؟"

"یہ بات بتانے کی نہیں ہوتی ہے۔"

"ہر بات چھپانے کی تیری پرانی عادت ہے۔"

"پھر ان باتوں کا بھانڈا چھو رہا ہے پری پھوٹا ہے جو نہ بھی واقف ہوں وہ بھی واقف ہو جائیں گے۔" وہی، سرد، رؤف و سودا اور بریرہ اسے گھبرے بیٹھے تھے۔

"تم دوستوں کے روپ میں دشمن ہو پیدائیں اب سمجھا ہوں، ایک آگ لگاتا ہے اور تم سب تماشہ دیکھتے ہو مل کر۔"

"روڈ تو نہیں مٹے۔" رؤف کے کہنے پر زوردار ہتھ لگا تھا۔

"نا معلوم کیوں تم لوگ مجھ پر کسی بلا کی طرح نازل ہو گئے ہو۔" وہ بھجھکائے لہجے میں انہیں گھورتا ہوا بولا۔

"تب ہی تو کہتے ہیں دیر اوقت کہہ کر نہیں آتا۔"

”تو نے تو میری عزت خراب کرائی، کیا ملا تجھے؟ اور تو خود کہاں کا شریف و نیک انسان ہے، میری ایک گرل فرینڈ تجھ سے برداشت نہیں ہوئی اور تو نے خود تو بیک وقت کئی لڑکیوں سے چکر چار رکھے ہیں۔ وہ کچھ نہیں ہے؟“ سفیان رؤف سے مخاطب ہوا تھا۔

”میں حیرتی طرح انوکھیں بن رہا ہوں، ان سب کو میں جانتا ہوں اچھی طرح سے..... وہ کون ہیں..... کہاں رہتی ہیں.....؟“

حیرتی طرح بیوی سٹائس لڑکیوں میں کروارہا ہوں اور نہ ہی میری مصروفیات پر ان کا اثر ہوتا ہے۔ رؤف نے اب سنجیدگی سے کہا تو وہ بھی سب متوجہ ہوئے تھے۔

”تو خود کہتا ہے ایسی لڑکیاں جو صرف ٹائم پاسنگ کے لیے ہوتی ہیں پھر ان پر اتنا روپیہ اور وقت برباد کرنے کا فائدہ؟“

”سب چل رہا ہے یا رادہ انور ڈیپیل نہیں ہے، اگر اسی بہانے کسی کی مدد ہو جائے تو میری بات کیا ہے.....؟ یہ تو نیکی ہے۔“

”لاحول ولاقوة، یہ تو ہمارا ایمان ہو گیا ہے۔ نیکی بھی اب گناہ کے رپر میں رکھ کر کر رہے ہیں۔“ وحسی نے منہ بنا کر کہا۔

”مگر نیکی ہی کرنے کا شوق ہے تو میں تجھے ایسے ٹھکانے بتا رہا ہوں جہاں لوگ صحیح معنوں میں ایسی نیکیوں کے حق دار ہیں، جو مدد غیرت و شرم سے ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں مگر ان کی خودداری و شرافت کسی کے آگے نہیں ہاتھ پھیلائے نہیں دیتی۔“ سرمد نے بھی سمجھایا۔

”تجہاری وہ سیل فون ضرورت مند نہ معلوم کتنوں سے ایسی نیکیاں پہنچی ہوگی؟ تم تجھ نہیں ہو گے.....؟ وحسی نے حسی انداز میں کہا۔

”میں..... اس فرینڈ شپ کو سرے سے پسند ہی نہیں کرتا کہ یہ سراسر بے وقوفی و گناہ ہے اور آج ہماری جہز بیٹن اپنے مددگار سے بے نیاز ہو کر اور اپنے انجام سے لا پرواہ ہو کر ان لڑکیوں میں اُلجھتی جا رہی ہے۔ کبھی سوچا ہے اس بارے میں جو آج ہم ان حرکتوں میں اچھے گن ہو گئے ہیں کہ یہ بھی فراموش کر بیٹھے ہیں کہ ہم جو دوسروں کی بہنوں کے بارے میں کتنے چپ انداز میں گفتگو کرتے ہیں، ان سے فرینڈ شپ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، تنہائیاں ان کے ساتھ بیٹری جاتی ہیں مگر شادی کے لیے ہم ایسی لڑکی کے لیے خواہش مند ہوتے ہیں جو حد تک ہو، فرشتوں کی طرح معصوم ہو، کلیوں کی طرح اُن چھوٹی، پھولوں کی طرح پاکیزہ ہو، آخر یہ مخالفت کب ہرے ڈھنوں سے جائے گی؟ کب ہم یہ سمجھیں گے کہ یہ جو لڑکی ہے جس کو ہم فول مار رہے ہیں، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہوگی، بالکل ہماری بہنوں کی طرح..... اگر ہماری بہنیں یہ روشن اپنائیں تو..... برداشت کر پاؤ گے.....؟“

ہریرہ بہت نرم لہجے میں انہیں بھرپور تازیانے لگا رہا تھا۔

”کیا بات کر رہے ہو..... بھلا ہماری بہنیں ایسا کیوں کرنے لگیں؟“ سفیان سرخ چہرے سے گویا ہوا۔

”جن لڑکیوں سے تم لوگ ٹکڑ کرتے ہو، وہ اپنے بھائیوں کو بتاتی ہوں گی؟، ان کے بھائیوں کو بھی ان پر اتنی ہی فخر ہوگا، جتنا ہمیں ہے۔“

”سب لڑکیاں خراب نہیں ہوتیں مگر یہ بھی مانو اگر آگے سے ہمیں رسپانس ملتا ہے تو ہم شیر ہوتے ہیں، ورنہ جان لو یہ وہاں کبھی نہ پہنچتی، اگر کچھ لڑکیاں بے راہ روی کا شکار نہ ہوتیں۔“

☆---☆---☆

محبت آگ کی صورت مجھے سینوں میں جلتی ہے

تو دل بیدار ہوتے ہیں

محبت کی تپش میں کچھ محب اسرار ہوتے ہیں

کہ جتنا بھڑکتی ہے، عورتیں جاں نکلتی ہے

محبت خواب کی صورت لگا ہوں میں اترتی ہے

کسی مہتاب کی صورت

ستارے آرزو کے اس طرح سے جھللاتے ہیں

کنہیا کی ٹکن جاتی

محبت کے شجر پر خواب کے پتے اترتے ہیں

مگر میں نا اُمیدی کی ہوا میں سنسناتی ہیں

گلی میں جب کوئی آہٹ کوئی سایہ نہیں رہتا

ظلموں کے بوجھ سے جب ٹوٹنے لگتے ہیں شانے تو

بیان پر ہاتھ رکھتی ہے

کسی اہل درد کی صورت

محبت درد کی صورت

محبت اوس کی صورت

محبت فردوس کی صورت

اس نے دیکھا اسٹاپ پر وہی کھڑی تھی جس پر پہلی نظر میں دھوکا کا گمان گزرا تھا کہ آج کل ہر سودی دکھائی دے رہی تھی۔

آنکھیں کھلی ہوں

آنکھیں بند ہوں

خواب میں، حقیقت میں

ہر سواہی کا راج تھا

کاشن کی ریڈ شرٹ میں لٹی لکڑ دھاگوں کی کڑھائی تھی۔ ساتھ اس کے کلف شدہ وہا میٹ شلوار دوپٹہ تھا جن پر آویزاں ہار یک

شلوار سارزدور سے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ میچنگ پرس لگائے وہ کھڑی کسی کوٹھن کا انتظار کر رہی تھی۔

تب ہی اچانک اپنے قریب وہ ہمیت شیور لیٹ کو دیکھ کر وہ چوکی تھی اور نظر اٹھانے پر جن جذبے لگائی نگاہوں سے تصادم ہوا تھا اس نے اسے سر تا پا ساگ کر رکھ دیا تھا۔
 ”کو تھینکس، میں ٹیکسی.....“

”شٹ آپ اینڈ بری آپ۔“ وہ سخت لہجے میں گویا ہوا۔ وہ ارد گرد کھڑے لوگوں کو متوجہ ہونے دیکھ کر غصے پر قابو نہ پاسکا۔ فریٹ ڈور وہ پہلے ہی کھول چکا تھا، ملو کر باہر نکل کر بیٹھنا پڑا۔

”آخر آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس طرح کی حرکتیں مجھے بالکل پسند نہیں ہیں کہ کسی کو اس کی مرضی کے بنا مجبور کیا جائے۔“ اس کے بیٹھے ہی وہ کارا اشارت کر چکا تھا۔ حورین بھی غصے سے بولی۔

”میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو اس قدر قصداً رہا ہے۔“ کارا ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے بھرپور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جس کا سرخ چہرہ اس کی شرٹ میں بچھ ہو کر اور حسین لگ رہا تھا۔

”میں نے اپنے کزنز سے بیٹ لگائی تھی کہ میں یہاں کی دین میں ٹریول کر سکتی ہوں، انہوں نے کہا تھا کہ نہیں کر سکتی، میں اسی وجہ سے یہاں کھڑی تھی اور آپ نے پروگرام مٹی کر ڈالا۔“

”اؤ ہو۔“ اس کا خوب صورت قبضہ ہاں کو بوجھ اٹھا۔

”شرط لگانے کا بھوت ابھی تک آپ کے سر سے نہیں اترتا ہے۔“

”اتر ہی گیا سمجھیں، بہت عرصے بعد بیٹ لگائی ہے جو آپ کی وجہ سے پوری نہ ہو سکی۔“ اس کا موڈ بدستور آف تھا۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ قصداً جھنجھلاہٹ، انگلی کے رنگوں نے اس کے حسین چہرے کے دلکش نقوش نے کچھ ایسی محرکینز جاڑ بیت پیدا کر دی تھی یا یہ اس کے محبت کے جذبوں سے منور دل کی دیوانگی تھی کہ بے اختیار اس کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ رہی تھیں اور ہر بار اٹھنے والی نگاہ پہلے سے زیادہ بہتانی لیے ہوئے تھی۔ اسے دیکھتے آوروں کیسے رہنے کی تمنا ہوا ہو رہی تھی۔

”یہ آپ جا کہاں رہے ہیں؟“ قصداً اس کی بصارتوں سے نیچے اتر تو اسے خیال آیا کہ کارا اس کے گھر پر جانے والے راستے کی بجائے کسی اور اجنبی راستے پر گامزن ہے تو وہ گھبرا کر استفسار کرنے لگی تھی۔

”بہت دور.....“ اس کے گھمبیر لہجے میں کچھ تھا۔

”کیا مطلب.....؟“ وہ گھبرا گئی مڑی طرح سے۔

”دنیا کے اس طرف..... جہاں ہمیں کوئی ڈھونڈ نہ سکے۔“ اس کی سرخی آنکھوں میں کوئی آگ سی سٹلے گئی تھی۔ لہجے میں عجیب سی جذباتیت تھی۔ حورین کے حواس معطل ہونے لگے۔ اس کی آنکھوں میں خوف سا اترنے لگا۔ مارے خوف کے جسم سن ہو گیا۔

”تم نے حیدر سے کہا تھا، میں تم سے محبت نہیں کرتا..... یہ سب بدلہ لینے کے ڈھونڈ کر رہا ہوں۔“

وہل اسپڈ میں کار بھاگتے ہوئے اپنے مخصوص سر دوا کھڑ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ لمبے بھر میں اس کے چہرے پر خوشنود اُبھری تھی۔
 ”ہوں، خاصی اٹلی صحت ہو، جو کچھ گئیں۔ تم نے کئی مواقع پر مجھے شکست دی ہے، چوٹ لگایا ہے، اچھی آسانی سے میں تمہیں صاف کرنے والا نکالوں۔ میں اسی موقع کے انتظار میں تھا اب دیکھنا میرا بدلہ..... میرا انتقام.....“

حورین کے حواس تو پہلے ہی کم ہو رہے تھے۔ رہی سہی کسر اس کے خوف ناک انداز و زہریلی باتوں نے پوری کر دی۔ اس نے گھومتے و ماخ کے ساتھ بند ہوتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کس قدر بدل گیا تھا اس کا چہرہ..... وہ جوانی و جاہلیت و ساری نفس کے باعث یوسف ثانی کہلاتا تھا، جس کی مردانہ خوب صورتی کی دھوم تھی..... جہاں پہ مغرور انداز و مرد مہری کے باوجود اُن گنت لڑکیوں کے دلوں کی دھڑکن تھا..... ان کے خوابوں کا ہیرو تھا۔

اس وقت اپنے گناؤں نے عزائم کے باعث کسی عفریت میں بدل گیا تھا جس کی آنکھیں انکاروں کی مانند دھج رہی تھیں، زبان جانی کی مانند سینے تک چلی گئی تھی جس کے لیے لیے دانت خون آلودہ و نٹوں سے باہر کی خفروں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس نے خوف سے چیخ مارنا چاہی مگر وہ چیخ میں ہی گھٹ کر رہ گئی اور وہ مگر تھی چلی گئی۔

ذوالنون جو دیکھے بھاگے سے تنگ کرنے کی غرض سے ایک تنگ کر رہا تھا، خوف زدہ دیکھ کر اسے مزہ آرہا تھا اور اسے معلوم نہ تھا اس کا مذاق یہ تنگ لائے گا کہ مارے خوف کے جی بے ہوش ہو جائے گی۔ اسے گرتے دیکھ کر اس نے پھرتی سے ہایاں ہاتھ اسلیٹرنگ سے ہٹا کر اس کے گرتے وجود کو بازو میں سنبھالا تھا اور سائیڈ میں کار روک دی تھی۔

”حورین! حورین!“ اس نے رخسار پر آنکھوں سے آہستہ سے سچ کرتے ہوئے اسے پکارا مگر دوش سے مس نہ ہوئی۔
 ”حورین! ہوش میں آؤ، بار میں مذاق کر رہا تھا“ اس منٹ سے ذائد مرد گزرنے کے باوجود بھی وہ بے ہوش رہی تو وہ پریشان ہو اٹھا تھا۔ اس نے بہت احتیاط سے اسے اٹھا کر بیک سیٹ پر لٹایا تھا اور قمر موس سے ٹھٹھا پانی نکال کر اس کے چہرے پر ڈالا، دو تین بار ڈالنے پر اس نے آنکھیں کھول دی تھیں، اسے ہوش میں آئے دیکھ کر اس نے کلمہ شکر ادا کیا تھا۔

چند سیکنڈ وہ غماہیدہ لگا ہوں سے قریب موجود ذوالنون کو دیکھتی رہی، پھر لمبے کے ہزاروں حصے میں اس کا ذہن بیدار ہوا اور سب یاد آتا چلا گیا۔ وہ ایک زوردار چیخ ماری ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔

”کمک! اسٹ ایمری، یو آر رائٹ“ اس نے تسلی کے لیے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا مگر دوسرا لہجہ اسے شک نہ کر گیا۔
 ”تم..... تم اتنے گھٹیا اور کہنے ہو گئے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر میں اپنی جان دے دوں گی، تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی، میں کوئی مام پڑی نہیں ہوں۔“

بے حد پھرے ہوئے انداز میں حورین نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ ذوالنون کی آنکھوں میں، چہرے پر ڈھٹا بھری آگ بھڑک اٹھی تھی۔ حورین کی نگاہوں کی بے اعتباری اور لہجے کی بے اعتمادی نے اس کی شرافت و مردانگی پر بڑے بھاری تاربانے لگائے تھے۔ اس کی نرس چیتنے لگی تھی، پیشانی ٹھن آلود ہو گئی تھی۔

”تم عام لڑکی ہو، بہت سچی سوچ رکھنے والی پست ذہنیت والی لڑکی، کیا گھٹیا پن دیکھا تم نے مجھ میں؟ کس موقع پر میں نے کینٹکی دکھائی؟“ وہ ایک آنکس لٹکاس کی طرح پھٹا تھا۔ غم و غصے میں کھولتی حورین کو برف کی طرح سرد ہونے میں لگا رہا تھا۔

”تم سے محبت کرنا گھٹیا پن ہے، تم کو چاہنا کینٹکی ہے تو.....“ لیے بھر کو اس کی گھن گرج میں کی آئی تھی۔

”مفسوس جنم کہہ سکتی ہو کہ ان جذبول کے ہاتھوں انجانے میں ہی میں اسیر ہوا ہوں، یہاں از خود کوئی میری کوشش نہیں ہے۔“ اس کے وجہ چہرے پر بے لخت ہی حزن چھا گیا تھا۔ وہ بیک سیٹ سے اٹھ کر ڈراما ٹیگ ڈور کھول کر سیٹ پر بیٹھ گیا اور کافی دیر تک دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں پیچھے اپنے اندر ہوتی اکٹھا پچھاڑ سے نہروا کر مارتا رہا اور پیچھے ٹٹھی حدین پل پل بدلنے اس شخص کے مزاج کے زیر اثر دم بخود ٹٹھی تھی۔

پندرہ گھنٹوں قبل وہ شخص اپنے اعزاز سے کسی عفریت کی ماتحت لگ رہا تھا اور اب وہی شخص کسی کاغذ کے گھنڈان کی طرح ٹوٹا، بکھرا دکھائی دے رہا تھا۔ کسی اور اس بھری شام کی طرح تنہا غم ناک۔

”اگر میں ایسا ہی کشیدار مکیہ ہوتا تو میرے پاس پہلے ہی بہت مواقع آئے ہتے، اگر مجھے بدلہ لینا ہوتا تو..... کوئی روک سکتا تھا مجھے؟ جواب دو..... تم میرا راستہ روک سکتی تھی؟“ وہ اس کی جانب بڑھ دیکھے کہہ رہا تھا اور اس کے اعزاز میں کچھ تھا۔ لہجے کی سچائی، محبت کی طاقت، جو ایک دم ہی اسے اپنے خیال و سوچ پر شرمساری محسوس ہونے لگی۔

اس کی نگاہیں اور سر مارے غداست کے جھٹکا چلا گیا اور اسے لگا اب کبھی بھی وہ اس شخص کے آگے سر نہ اٹھائے گی۔

”تم خود کو بہت خاص لڑکی سمجھتی ہو، مجھ جیسے مرد کے آگے کسی چیزیاں کی طرح کمزور رہے بس ہو، اگر تمہارا ہاتھ پکڑ لوں تو تم چھڑا نہ پاؤ گی، کمزور و لاغر و مرد ہوتے ہیں جو حضوروں کی طرح ڈال ڈال منڈلا کر اپنی حیثیت و شرافت کا جنازہ نکال دیتے ہیں..... جو مرد اپنے ایمان کی طرح اپنی حیثیت و کردار کی حفاظت کرتے ہیں وہ کبھی بھی کسی لڑکی سے شکست نہیں کھا سکتے۔“

اس کے نرم دہڑ جوش لہجے میں سچائی کی جھلک تھی۔ خود کو غلط سمجھ جانے کی کک تھی..... شدید آنسو آج دیتا ہوا لہجہ تھا۔

حورین خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ یہ راستہ آبادی سے باہر کا تھا، جو سر آفتاب کے گھر کی طرف جارہا تھا۔ اس کا ارادہ بھی ان کی طرف جانے کا تھا۔ ان سے ملاقات ہوئے خاصے دن ہو گئے تھے مگر اس کے مذاق اور حورین کی بدگمانی نے اس کے جذبات کو بری طرح سے ٹھیس لگائی تھی۔ حورین نے اس کے کردار پر ضرب لگائی تھی۔ اس کی نیت پر شک کیا تھا۔

”وہ سب مذاق تھا اور میرا خیال تھا تم بھی اس کو انجائے کرو گی مگر تم نے تو ایسی لگا ہوں سے مجھے دیکھا..... کہ میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا ہوں..... کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔“

”میں..... میں اٹھ سکتی ہوں۔“

”تو نیور..... مجھے اب جھوٹے لٹکوں سے نہیں بہلانا ہے جو بات آنکھیں کہہ دیتی ہیں وہ زبان ادا نہیں کر سکتی۔“ حورین کی بات اس نے بہت جلدی سے کاٹ کر جھوٹی اعزاز میں کہا اور بڑے وحشت بھرے اعزاز میں کارروائی شروع کی تھی۔ اس کی وحشت، ہلوان،

اضطراب و اضطراب و دج پر قلہ کار گویا چل نہیں اڑ رہی تھی۔ بہت گلیل عرصے میں وہ حورین کی بچکے سے کچھ دور اُتار کر بنا کچھ کہہ اور نے ہوا ہو چکا تھا۔

حورین کو گھر سے پہلے اُتار کر وہ سیدھا گھر چلا آیا تھا۔ اپنے روم تک جانے کے لیے اس نے بیرونی راستہ استعمال کیا تھا جو لان سے ہو کر اس کے پارشن میں دو گیٹ کھلتے تھے۔ اس کے پیڑ روم میں وہ راستہ کھتا تھا، اس نے اسی راستے کا انتخاب کیا تھا۔ بیڑ پر آ کر وہ جوتوں سمیت لیٹ گیا تھا۔ انجانے میں حورین اسے آگ میں پھینک چکی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے خامی دیر تک لیٹا رہا تھا۔ اسے اپنے رونے روکنے سے گرم گرم لپٹیں نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

”محبت.....“ وہ بیڑ آیا۔

”کیا ہے یہ محبت.....؟“

”جنت.....؟“

”راحت.....؟“

”سکون.....؟“

”شاید یہ روپ ہیں اس کے.....“

”دکھ.....“

”نارسانی.....“

”پشیمانی.....“

میں نے کبھی یہ تو نہیں سوچا تھا کہ گلاب کے بدلے گلاب لیں گے۔ یہ طر فہ محبت کسی عذاب کی مانند نازل ہوتی ہے۔ یہ اس کے جسے میں آتی ہے جو اس سے بھاگتے ہیں، بچتے ہیں..... ناپسند کرتے ہیں..... یہ محبت کا مرض، بہت موذی ہے۔ یہ ٹپنے زہر کی مانند آپ کو اندر ہی اندر بہت سست رفتار سے بے حد آہستگی سے ہلاک کرتا رہتا ہے اور محسوس بھی نہیں ہونے دیتا۔

مجھے کیوں لگا یہ محبت کا روگ، مجھے پہلے ہی غم کیا کم تھے؟ دروازہ ناک ہوا پھر کونین کا مسکراتا چہرہ نظر آیا۔

”میں کب سے انتظار کر رہا ہوں اور تم یہاں.....“ کوئین قریب آیا تو اس پر نگاہ پڑتے ہی ٹھک گویا ہوا۔

”تمہاری آنکھیں اس قدر سرخ کیوں ہو رہی ہیں.....؟ چہرہ بھی لال ہو رہا ہے..... کیا ہوا.....؟ کس سے لڑ کر آئے ہو؟“

”کسی سے بھی نہیں۔“ وہ سلندری سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”جھوٹ مت بولو، میں جانتا ہوں، کسی سے لڑتے ہو تو تمہاری یہی حالت ہوتی ہے، بتاؤ کس سے لڑائی ہوئی ہے اور کیوں ہوئی ہے؟“ وہ اس سے جڑ کر بیٹھ گیا۔

اب وہ سیدھا اس کے پاس جائے گا اور اسے عشق کا سبق پڑھائے گا۔ آپ نے میری ساری محنت بگاڑ کر رکھ دی ہے۔

”تو سدا حارلو، ویسے بھی آج کل بڑے تعلقات سدھارنے والی ہیں رتی ہو۔ بھاگ بھاگ کر اسی ویلٹر پر جا رہی ہو جو کبھی تھوک آتی تھی، پھر کون سا تم مجھے اپنے منصوبوں سے آگاہ رکھتی ہو جو میں ایسے کام نہ کروں..... خود سوچتی ہو، خود ہی عمل کرتی ہو۔“

فاقہ بیگم بھی کئی دنوں کی دل میں بھری بھڑاس نکال رہی تھیں۔

”میرا وہاں جانا ہی آپ کو کھٹکتا ہے، حالانکہ سب جانتی ہیں کہ میں وہاں کس دل سے جاتی ہوں۔ منزل کے حصول کے لیے نامعلوم کون کون سے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے، ہر راستہ پھولوں بھرا نہیں ہوتا۔ کہیں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور کہیں کاٹھ بھی۔“

”میرے کانٹے پر چڑھ کر میرے کان مت کھاؤ، خود کا ب مجھ سے بھی زیادہ عقل مند اور ہوشیار سمجھنے لگی ہو جو کسی بات کی ہنک تک نہیں لگھو جی۔ بس یہی کہتی رہتی ہو..... انتقام لوں گی..... انتقام لوں گی..... کب آئے گا وہ دن؟“

”بہت جلد..... بہت ہی جلدی..... بازی پوری طرح میرے ہاتھ میں آچکی ہے۔ کامیابی ہم سے اب اتنی ہی دور ہے جتنی دور وہ لڑکی ہے لیکن ابھی جو آپ نے کیا ہے، وہ اچھا نہیں ہے۔ اب مجھے کوئی چکر و کرچلا کر کوئی دیکھاں سے باہر بھیجتا پڑے گا..... دن بازی الٹ جائے گی۔“

ان کا بشا طرز بہن کا وہ باری محاطوں میں کوئی ایسی کمزوری تلاش کر رہا تھا جو کوئین کے کسی بیرون ملک جانے کا سبب بن سکے۔

”بعض دفعہ میری عقل پر ہتھ پڑ جاتے ہیں، اگر ہماری باتوں کے دوران کوئین آگیا تھا تو میں کوئی دوسری بات بڑھ بھی سکتی تھی مگر اس وقت میں اس قدر شیشائی کہ سب جھج جھج اے بتاتی چلی گئی۔ تمہاری طرح یہ بات میں نے بھی اسی لیے چھپائی کہ وہ بھائی کو اور حوصلہ دے گا جو ہمارے لیے مصیبت نہیں ہے۔“

☆---☆---☆

حورین اور ذوالنون کے درمیان ایک آن دیکھی سی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے کی طرح بھرپور طریقے سے اسے اکتور کرنا شروع کر دیا تھا، حالانکہ وہ سب سے پہلے کی طرح ملتا تھا۔ جامعہ میں ملاقات ہوتی دیتی تھی۔ کبھی سب کی موجودگی میں اسے حورین کو مخاطب بھی کرنا پڑتا تو اس کا انداز بے حد سرسری سا ہوتا تھا۔ اس کا یہ بدلا بدلا انداز حورین کی دنیا ہی بدل چکا تھا۔ اس کی محبت و داری نے اسے پھر بتائے رکھا تھا لیکن..... یہ بے گامگی و اجنبیت اسے احساس دلانے لگی۔ وہ محبت کی آگ میں یک طرفہ نہیں چل رہا۔ وہ آگ اس کے دل تک پہنچ چکی ہے۔

ذوالنون نے جو کچھ اس سے کہا تھا وہ سو فیصد درست تھا۔ پر اس کی اعلیٰ طرفی تھی، بلند کرداری تھی۔ بے حد نازک مقام پر بھی اس کے نفس نے کہیں دھوکہ نہیں دیا تھا۔ وہ ثابت قدم رہا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ ذوالنون سے معافی مانگ لے گی مگر وہ موقع کہاں دے رہا تھا آج بھی سارا دن وہ اس کے پیچھے غوار ہوئی تھی۔ کئی عرصے بھی اس کی پرچھائیں دیکھتے ہی قاصد ہو جاتا تھا۔ ٹھک کر

اس نے حیدر سے رابطہ کیا تھا۔

”زہ نصیب کر آج آپ کو اتھارای گیا۔ آپ بے فکر ہیں۔ اس کوکان سے پکڑ کر میں آپ کے پاس لاؤں گا، ابھی تو چھٹی کا ٹائم ہے۔ کل میں نے کرا تا ہوں اس کو۔“

حیدر نے ساری بات سن کر مطمئن اعزاز میں کہا، وہ وہاں سے چلی آئی۔

”آج نامعلوم تم کہاں کہاں تنہا گھومتی پھر رہی ہو، چلو اٹھ آئے ہیں کار لے کر۔“ موٹی اور زویا اس سے آکر بولیں۔

”اوو ڈیڈی آئیے؟“ وہ مسرت سے گلزار چہرہ لیے اس صاحب سے لپٹ گئی جو ایک ماہ بعد ملائیشیا سے لوٹے تھے۔

”پر..... نس..... یہ..... حورین ہے ناں؟“ پیچھے کی سائیکل کار میں بیٹھی ہوئی مثال بیگم نے ڈوختی ہوئی آواز میں کہا۔

”جی ماما آپ کو کیا ہو رہا ہے؟“ ہنسی مسکراتی ماں کے چہرے پر ہلکتی آنکھوں نے والے تکلیف دہ تاثرات سے پریشان ہو گیا۔

”نہ..... وہ..... شخص..... کون ہے؟“ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں مگر ان کی نگاہیں اس صاحب کے سینے سے لگی حورین پر تھیں۔

”وہ اس کے قائد ہیں۔“ ڈوالتون اُلجھے اُلجھے لہجے میں غار مارتا تھا۔

”او گاڈ! اونو یہ نہیں ہو سکتا۔“ وہ وہیں بے ہوش ہو گئیں۔



کئی گھنٹے گزرنے کے بعد مثال بیگم کو ہوش آیا تھا۔

”پلیز، آپ لوگ ان سے ابھی کوئی ایسی بات نہ کیجئے گا جس سے ان کی برین یا ہارٹ کنڈیشن پر اثر نہ ہو۔“

ان کے ہوش میں آنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے انہیں سمجھایا تھا اور ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئی تھی، وہ تینوں

ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ مثال بیگم کی خالی خالی نگاہیں بیٹے کے چہرے پر تھیں جس پر ماں کی ہانک اچانک بگڑتی طبیعت کی وجہ سے

پریشانی، فکر مندی اور اضطراب شدت سے پھیلا ہوا تھا۔

”مما! آپ ہانک ٹھیک ہیں۔“ کونین نے ان کی پریشانی چھتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

”اتنی بڑی رہنے لگی ہو، گھری، بزنس کی ہر ٹیشن میں گھری رہتی ہو، یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہر وقت کی سوچ و پریشانی نے یہ دن دکھایا

ہے۔“ قائدہ کو گیر لہجے میں ان کے بچے پر کھمرے ہال اٹھیوں سے سنوارتی ہوئی گویا ہوتی تھی۔

”نانو.....! بزنس کی کیا ٹیشن ہے؟“ کونین نے چونک کر کہا۔

”کوئی نہ کوئی تو ہوگی، یہ اب ہر بات تو تمہیں بتاتی نہیں کہ سچے ہی ہوا آخر..... یہ کام تو تمہارے ڈیڈی کے کرنے کے تھے..... مگر

وہ بد خصلت انسان بیوی کے ساتھ ساتھ بچوں کی بھی زندگی بھری خوشیوں سمیٹ کر لے گیا ہے، اگر وہ ہوتا تو.....“

”پلیز نانو.....! اسٹاپ دس ٹاپک۔“ ڈوالتون بیگم کی سے گویا ہوا، نہ معلوم یہ کون سا احساس تھا، باپ کے خون کی گرمی تھی یا اس

کے سینے میں ہر دم چلتی ہوئی محبت کہ اس احساس دو دکھ کے باوجود کہ بابا نے اس طرح راہ فرار اختیار کر کے کوئی مستحرام احساس نہیں بخشا تھا مگر پھر بھی کوئی اس کے بابا کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا تو اس کے لیے قابلِ برداشت ہو جاتا تھا، خواہ مثالِ بزمِ عی ہوں۔

”آپ باپ کی حمایت لینا مت چھوڑنا، نہ معلوم کسی محبت ہے یہ، جس باپ نے اتنے سالوں میں پلٹ کر نہیں دیکھا، اس کی یاد ابھی تک آپ کے دل میں موجود ہے۔“

”نقدِ والدین کی جانب دیکھتی ہوئیں استہزاء یا انداز میں بولیں۔“

”آنفر آل وہ میرے بابا ہیں، وہ میری اہلِ ذات کی اساس ہیں، میری پہچان ہیں، میں انہیں کس طرح ادا کر سکتا ہوں، ابھی ایسی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے، ماما ایسی باتوں سے ریشمیں نہیں ہوں گی۔“ وہ کہتا ہوا مثالِ بزمِ عی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”کے اکیلے کڑی ہیں ماما آپ؟“ وہ جبک کر پچھنے لگا۔

”ٹھیک ہوں۔“ دو ٹیخف و زار لہجے میں گویا ہوئیں۔ لڑکیوں ذوالنون کے چہرے پر تھیں جوان کے نزدیک سر جھکائے کھڑا بی بیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا مگر اس کی خوبصورت گرے آنکھوں کی گہرائیوں میں بہت سارے اضطراب، تنگی، تجسس زدہ سوالات موجزن تھے۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ حورین اور اس کے قاورانس صاحب کو دیکھ کر پہلے تو بے چین ہوئی تھیں مگر اس سے یہ نقدِ بقی ہونے کے بعد کہ وہ حورین کے قاور ہیں تو یقیناً بے چین و پریشان نظر آئی تھیں، مگر بے ہوش ہو گئی تھیں۔

ذوالنون سیدھا انہیں ہسپتال لے آیا جہاں ان کی فیملی ڈاکٹر نیلوفر عابد نے فوری طبی امداد دی تھی، وہ اب ہوش میں تھیں، وہ انداز ہی اس جیسے بے انتہا احساس و جذباتی بندے کو اضطراب میں مبتلا کرنے کا کافی تھا، وہ کسی حالت میں خاموش رہنے کی عادی نہ تھیں، اس وقت ان کے لبوں کی جامد خاموشی اسے سوجھش کر رہی تھیں اور وہ خود کو ان دیکھی آنکھوں میں محسوس کر رہا تھا۔

”پرنس.....!“ انہوں نے اس کے چہرے پر کانپتا ہوا ہاتھ پھیرا، ان کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو نکل نکل کر نیچے میں جذب ہونے لگے۔

”ماما..... ماما آپ روئیں مت پلیز۔“ ذوالنون کے ساتھ کوئین بھی تڑپ اٹھا تھا۔ اس نے بھی پہلی بار ماں کو اتنا کمزور دیکھا تھا۔

”میں تم سے بے حد محبت کرتی ہوں تم دونوں میں میری جان ہے، مجھ سے کوئی انجانے میں زیادتی ہوگی ہو تو محاف کرو۔“

”ایسی بات مت کریں ماما آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔“

کوئین جو اجد کزور حوصلے و ہمت کا مالک تھا، وہ رو پڑا تھا، جبکہ دل کی دنیا تو ذوالنون کی زیرِ دربر ہوئی تھی مگر وہ کب کسی کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرنے والا تھا، وہ اپنے آنسو اپنے آپ سے بھی چھپانے کا قائل تھا، سو منہ کرنا ہوا ماما کے ساتھ ناؤ اور کوئین کو بھی تسلی دینے لگا، کوئین کو اس کے اسی حوصلے و ہمت پر فخر تھا۔

”توبہ..... منال! احوال کرو، بچوں کا دل بھی کتر کر رہی ہو، اب تم آرام کرو، بزنس کے جو بھی معاملات ہیں، میں اور کوئین دیکھ لیں گے، بلکہ تم بیٹا اچا کر ایک ٹور فارن آنسو کا کراؤ، بہت عرصہ وہاں ہے، یہی ٹکر منال کو زیادہ ڈسٹرب کیے ہوئے ہے۔“

”اوکے نانو.....! میں اسی لٹھے میں چلا جاؤں گا، ویسے وہاں ضرورت تو نہیں ہے، چند دنوں قبل ہی وہاں سے آئے ڈیلی کیٹین سے میٹنگز ہو چکی ہے مگر ماما کی خاطر میں وزٹ کراؤں گا۔“

”خوش رہو۔“ انہوں نے طمانیت بھری سانس لے کر منال کو دیکھا۔

”مما.....! یہاں سے ڈسٹرب کب ہوں گی؟ مجھے یہیں ٹھکن ہو رہی ہے۔“

”کچھ دن آپ ریسٹ کر لیں ماما یہاں اچھی ٹریٹمنٹ ہوگی۔“

”ٹھیک پرس! میں جانتی ہوں منال! اگر یہاں رہی تو اور بیمار ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نیلوں زگھرہ آکر ڈیٹنٹ دیں گی۔ چلو چل کر ان سے بات کرتے ہیں جو محبت و توجہ ہم سے ملے گی، وہ یہاں کہاں مل سکتی ہے منال کو۔ بہت محبت کی ضرورت ہے اب، اگر میں کہوں کچھ تو تمہیں برا لگے گا مگر حقیقت یہی ہے حنزہ نے میری پھول جیسی بیٹی کی رتی بھر قدر نہیں کی۔“

وہ کمرے سے نکل کر راہناری سے گزر رہے تھے۔ ڈاکٹر نیلوں کے پاس جانے کے لیے، قاتلہ بیگم کے لہجہ میں نرمی داسف تھا۔

”آپ ہر بار بابا کو کیوں مور جا لڑا مٹھراتی ہیں۔۔۔ اس میں کہیں نہ کہیں غلطی ماما کی بھی ہوگی۔“

اس بار اس کے اعزاز میں سختی و تڑپ کے بجائے سچائی جاننے کی تڑپ تھی، قاتلہ نے مرکز بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں۔۔۔ بھراتا ٹھکن جتنی اسے سزا ملنی اور مل رہی ہے۔“

”مما اور بابا کے درمیان کیا ہوا تھا؟“

نہ معلوم کس طرح اس کے منہ سے یہ سوال نکل گیا اور قاتلہ بیگم تو اندر ہی اندر فرط مسرت سے جھوم اٹھی تھیں، یکفخت ہی انہیں لگا بدلتوں بعد ان کے لعیب جاگ اٹھے ہیں۔ ہر کام، ہر بات ان کے حق میں ہو رہی تھی۔ کامیابیاں ان کے مقدر میں لکھی جا چکی تھیں۔

”برداشت کر سکو گے اس سچائی کو؟ اس حقیقت کو؟“

”جی..... ایک عمر کا سڑا سی شے پر سوار ہو کر کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے آئی پراسیو، میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی، جو ہم پر گزری، جہاری نانو اور ماما کے ساتھ جو ہوا سب بتاؤں گی۔“

نانو کے غم زدہ اعزاز پر ڈالٹون کے ماتھے پر ٹھکنوں کے جال بن گئے۔

☆.....☆.....☆

پہلوں میں حسین گلاب ہے
 پڑھنے کے لیے ضروری کتاب ہے
 دنیا میں ہر سوال کا جواب ہے
 گر کوئی مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھے
 تو کہوں گا..... لا جواب ہے

بہت عرصے بعد ہریہ اپنے مولا میں آیا تھا۔ کمرے سے نکلتی حورین کو دیکھ کر اپنے مخصوص اسٹائل میں منگتا ہوا تھا۔
 ”بڑے فریٹ دکھائی دے رہے ہو، بڑی خوشی ہے، دیگر احقر سے فری ہوئے کی؟“ وہ جو مول کے پاس جالے کے لیے کمرے سے نکلتی تھی، اسے اپنی راہ میں بڑے استحقاق سے حائل دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
 ”آف کورس..... کسے خوشی نہیں ہوتی اس جتنی ہے آزاد ہونے کی۔“
 ”اوو..... اب کیا ارادے ہیں؟“ وہ قصداً مسکرائی۔
 ”ارادے..... تو بڑے ٹیک ہیں مگر تم ساتھ دو حریہ اور نیکیں سیٹ سکتا ہوں۔“ وہ قدرے اس کی آنکھوں میں جھانکتا گویا ہوا۔
 ”خاموش؟“ اس نے تیریاں چڑھا کر کہا۔

”شادی سے بڑھ کر ٹیک کام کیا ہو سکتا ہے، ایک ہار یہ نیکی ہو جائے تو یہ بھر سوچو۔“ وہ قصداً اس سے دور ہٹا تھا۔
 ”ہر سال نیکی..... سال کے سال نیکیاں..... بلکہ کبھی جڑواں بھی نیکیاں آجاتی ہیں بلکہ..... بلکہ کبھی کبھی تو خرداں بھی.....“
 ”ادوشٹ پور ماؤتھ ایلیٹ!“ وہ چٹختی ہوئی وہاں کوئی ایسی چیز دھوڑنے لگی جو یا سانی اسے سمجھنے کر ماری جاسکے مگر وہاں مٹی پلانٹ ہماری نگلوں میں آویں اس سے جتنی اٹھاتا اس کے پس کی بات نہ تھی۔
 ”میں..... تمہیں جان سے مار دوں گی۔“ وہ اس کے پیچھے ہٹا گئی تھی، مگر وہ اس کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا، لمحوں میں ہوا ہو گیا تھا۔
 ”کیا ہوا؟ اس قدر ہانپ کیوں رہی ہو؟“

مول نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استعجاب سے لہجے میں پوچھا۔
 ”وہ ہریہ ہی ہے..... بعض اوقات اس قدر چپ مذاق کرتا ہے، برداشت کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔“
 وہ قریب بیٹھتے ہوئے منہ بنا کر گویا ہوئیں، مول مسکرا دی تھی۔
 ”وہ مذاق کرتے ہیں تم سے اور تم سیر لیں ہو جاتی ہو۔“

”ہوں..... شاید میرے اندر سٹس آف جو مکرر پڑتا جا رہا ہے۔“ اس کے استاد سے حاری لہجے پر مول نے اس کی طرف خلوس بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ آف دھائن پر مٹی ایمر ایڈری والے سوٹ میں اس کی شفاف اسکن میں اندرونی ٹوٹ پھوٹ،

جذبوں کی شکست و ریخت کی ادا سیاں بکھری اس کے ملکوتی حسن کو سحر انگیز جلا بخش رہی تھیں۔ وہ اس وقت لان کے عقبی حصے میں کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔

اکتوبر کے اوائل دن اپنے پہیوں میں خنک لیے ہوئے نمودار ہوئے تھے۔ آسمان صاف تھا، چاند بھی اپنے جمرٹ میں مدھم مدھم غلغلے ہوئے ستارے لیے نمودار تھا، وہاں ترتیب سے لگائے گئے پھولوں کے پودوں سے ٹھنڈی ہوائیں مچل رہی تھیں، دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ہوا احساسات کو گدگداتی تھی، دل دوماغ کو ترنازہ کر دیتی تھی۔

”میں تم سے بار بار کہتی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں ہر بیٹہ کر دو، ہم دوسروں سے جیت سکتے ہیں مگر خود سے اپنے آپ سے جیتنا ناممکن ہے، مان لو، سمجھ جاؤ اپنے دل کی بات کہ..... تم تو فالٹون بھائی سے پیار کرنے لگی ہو۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر گویا ہوئی۔

”مول.....“ ”مول کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ کانپ اٹھا، اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ پھیا تھا۔ ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

”زبان کے اقرار سے زیادہ طاقت ہمارے اندر کے اقرار کی ہوتی ہے، کبھی اقرار کی۔ جب دل نے بہت خاموشی سے اقرار و اثبات کے مرحلے طے کر لیے تو جذبات و احساسات کے آگے میں شکست پائی ہوئی چلی گئی۔“

”پھر اس قدر پڑھو، مضمحل و انا اس کیوں رہنے لگی ہو؟ سنا ہے جیت تو وہ خوش رنگ بہا رہے جو خزاؤں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ دیرانوں کو گلستاں بنا دیتی ہے، جس کی لگن سے پتھروں میں پھول کل اٹھتے ہیں۔ بہت عام سا چہرہ بھی حسین ہو جاتا ہے مگر..... تمہارے ساتھ تو معاملہ ہی علیحدہ ہے۔“

مول اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی، چاند کا کس ان لمحوں میں اس کے متعجب چہرے پر پڑ رہا تھا۔ چاندنی کے مدھم خبار میں اس کے چہرے کے لغزشوں سے عجیب سی مغموم کیفیت عیاں تھی۔

”ہاں..... بالکل درست تجزیہ کیا تم نے۔“

خود رین نے گہری سانس لے کر سرکری کی بیک سے نکال دیا۔

”اس کا مطلب ہے تم ابھی تک دو کشتیوں کی سوار ہو؟“

”نہیں..... ایسا تو..... نہیں ہے۔“

”پھر یہاں بھجن بھری بے باق تھاری؟ بے سکون اعتبار کے معنی؟“

”بچی لٹنگر، یہی کیفیت مجھے نہیں کیے ہوئے ہے۔“ وہ مضطرب سے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اس کی خوب صورت آنکھوں میں اضطراب ہلکے لکڑے لیتا تھا۔

”میں جب بھی اُس کے بارے میں سوچتی ہوں..... کوئی ناوید شے رکاوٹ بن جاتی ہے، گویا کوئی مجھے اس کی طرف بڑھنے سے روک رہا ہو، میں جتنا اس کی طرف بڑھنا چاہتی ہوں، سوچنا چاہتی ہوں، اتنی شدت سے اس سے دور رہنے کی اس سے چھپ جانے

کی ترغیب بھی میرے اندر سے محترک ہونے لگتی ہے، مٹاؤ اب میں کیا کروں؟ میرا دل ہی جب ڈبل کر اس کرنے لگے تو۔۔۔

”ڈونٹ دیری یار.....! پریشان مت ہو، یہ کوئی ایسی پریشان ہونے والی بات نہیں ہے۔ اچکے ٹپلی تمہارے اور ڈونٹوں بھائی کے درمیان جو لاگ ٹائم رسہ کشی ہوتی ہے، یہ اسی کا رزلٹ ہے، کل جو تم نے ان سے براہ رویہ اختیار کیا ہے، اس کی ایکسکیو ڈ کر وہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”آج سارا دن لڑائی کرتی رہی ہوں مگر وہ صاحب تو اکر رہے ہیں۔“

”ان کا رائٹ ہے تم نے زیادتی بھی بہت کی ہے۔“

☆.....☆.....☆

خوابشیں کیا ہیں.....؟

ایک کبھی سمجھ میں نہ آئے والا سوال اب کبھی حل نہ ہونے والا معما

خوابشیں!

آرزوئیں!

تمناؤں!

جن کے حصول کے لیے حیات کے طویل دن و رات بھی کم لگتے ہیں تو کبھی یہ نہ بدست آ کر بھی اپنے معنی کو نبھاتی ہیں۔

خوابشیں درحقیقت اس خوش رنگ، خوب صورت تخیلوں کی طرح ہیں جو آپ سے آگے آگے، اوپر ہی اوپر پرواز کرتی ہیں تو دھڑکن سے باہر ہونے کے باعث ہڈ کشش دکھائی دیتی ہیں اور آپ ان کے حصول کے لیے دیوانہ وار دوڑ لگا دیتے ہیں، جب بے حد جدوجہد، بے انتہا مشکلات اٹھانے کے بعد تپتی ہوئی پہنچتے ہیں تو اس کے تمام کپے رنگ آپ کے ہاتھوں میں سمٹ آتے ہیں پھر وہ..... خوب صورتی، کشش و دلکشی لہجوں میں زائل ہو جاتی ہے اور آپ سوچتے ہیں ماس ٹپلی کا ہاتھ نہ آتا ہی بہتر تھا۔

کرن لیبرس پر کھڑی نیچے بہت خوب صورتی سے سنوارے گئے لان کو دیکھ رہی تھیں۔ بہترین ٹرین و آرائش نے اس گھر کو چار چاند لگا دیے تھے۔ اُس صاحب نے فل ڈیکور بیڈ بھی کروا دیا تھا۔ چند دنوں میں وہ یہاں شفیٹ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ وہ بیڑے سرور سے انداز میں لیبرس کی جانب آئے تھے مگر اُس چہرہ بیگنی ہوئی آنکھیں کرن کی انہیں سجدہ کر گئی تھیں۔

”کیا سوچا جا رہا ہے؟“ وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

”کچھ نہیں۔“ وہ گہری سانس لے کر وہیں جیسر پڑ بیٹھ گئیں۔

”کچھ نہیں..... بہت خاص سوچا جا رہا تھا، اتنا خاص کہ تمہیں یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ تم دو گھنٹے سے ایک ہی جگہ کھڑی تھیں۔“

”اچھا..... آپ دور دور سے جا کر لے رہے تھے؟“ وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”آف کورس، کچھ عرصے بعد ہم لوگ یہاں شفٹ ہو جائیں گے، کیا تب بھی تمہاری بیٹی نہ لگے گی؟“

اس صاحب از حد سنجیدہ تھے، کرن نے چانچلی لگا ہوں سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا، جہاں غلغلہ آمیز سنجیدگی تھی۔ محبت بھری رفاقت کے دوران بہت ہی کم انہوں نے ان کے چہرے پر ایسی سنجیدگی دیکھی تھی، ورنہ وہ انہیں ہر دم ہی ہشاش بشاش، خوش و خرم دکھائی دیتے تھے، خود بھی زندگی انجوائے کرتے تھے اور انہیں بھی حتی المقدور خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔ ماضی میں انہوں نے محبت کی تھی، ایک ناکام محبت یا محبت کے نام پر دھوکا کھایا تھا مگر کرن سے شادی کے بعد انہوں نے بلند ظرفی و وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی محبت، چاہت و اپنائیت دی تھی کہ جو رشتوں و چاہتوں پر سے اظہار کھو بیٹھی تھی۔ از سر نو اعتبار و اعتماد ان کی محبتوں کی بدولت حاصل کر پائی تھیں۔

ایسے نہ غلوں و بے لوث حسین ساتھی کی ندامت کی وہ معقول نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے اور ان کے درمیان کوئی رخنہ نہیں چاہتی تھی۔

”ایسا کچھ ٹکٹن ہوگا، یہ تو وقت کی گروہ ہے، جب آڑی ہے تو لگا ہوں کو ننا ک کر دیتی ہے۔ ماضی اور حال کا تعلق بہت گہرا ہوتا ہے۔ حال کے ہر موڑ پر ماضی مجسم ہوتا ہے ہم اس سے دامن چھڑانا بھی چاہیں تو نہ چھڑا پائیں گے۔“

”دامن چھڑانا علیحدہ بات ہے، دامن بھگونا علیحدہ۔ ماضی یاد رکھنا اچھی بات ہے مگر ماضی پرستی اس حد تک ہو کہ وہ حال پر حاوی ہو کر تمام خوشیوں و مسرتوں کو بدلتا کرے، یہ کہاں کی دانش مندی ہے یا؟“

اس صاحب کے چہرے سے غلغلہ جھلکتی تھی، مگر لہجہ نرم ہی تھا۔

”ہرٹ ہو رہے ہیں آپ! آئی ایم سوری، میں کوشش کروں گی، ایسا پھر بھی نہیں ہوگا۔“

کرن نے ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو بے ساختہ ان کے لبوں پر غم پھیل گیا تھا۔

”اوکے، میں نے اعتبار کیا۔“

انہوں نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

”آپ کبھی مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا۔“

”ہوں..... آپ کبھی رنجیدہ مت ہوں۔“

وہ شوخ لگا ہوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

”میں سوچتی ہوں، وقت آ گیا ہے کہ ہمیں حورین کو وہ سب بتا دینا چاہیے جو اب تک ہم اس سے چھپاتے آئے ہیں۔“

”ہاں..... میں بھی یہی چاہتا ہوں، یہاں شفٹ ہونے سے قبل حورین ہر بات سے واقف ہو۔“

☆.....☆.....☆

جامعہ میں دو گروہس کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے باعث یونیورسٹی بند کر دی گئی تھی۔ حورین جو ڈیوالون سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی، یونیورسٹی بند ہونے کی وجہ سے بدل ہو کر رہ گئی۔ ایسے میں پروفیسر آفتاب کی جانب سے ٹی پارٹی کی دعوت اسے بے حد

مسرد کر گئی کہ جانتی تھی وہاں وہ کشمور شخص ضرور آئے گا۔ مگر حیدر کی جانب سے ملنے والی حوصلہ افزائی بھی اسے حاصل تھی۔ سر کی طرف سے دی جانے والی پارٹی کی دعوت سے قبل ہی مول اور زویا اپنی کزن کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ سر سے انہوں نے مضرت کر لی تھی۔

جبکہ وہ خوشی خوشی تیار ہونے لگی تھی۔ سرخ ودھانی کمر کے کنٹراسٹ سوٹ پر سنہری ستارے دھڑکیوں کا فنیسی ورک تھا جو اس کی شگاف رنگت پر بے حد مکمل رہا تھا، روپنی کے نازک سے جیولری سیٹ کی تمام جگہ گاہٹ اس کے حسین چہرے پر در آئی تھی۔ اس کی ڈارک برائوں خوب صورت آنکھوں میں آکاش کے ستاروں کی روشنیاں مست آئی تھی، کچھ سنگی بالوں کو اس نے یونہی پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔

”آج سے قبل تو کبھی اس طرح تم نے خود کو نہیں سنوارا، بار بار آئینہ نہیں دیکھا..... یہ لباس یا یہ جیولری ایسی ہیچنگ آج سے پہلے تو نہیں کی..... کیا یہ سب ان شخص کے لیے ہے؟ جس کو تم ابھی تک کوئی ایسی حیثیت نہ دے پائی ہو کہ جس کے جانے سے اس طرح تیار ہو سکو۔“

لب اسٹک کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ یک دم ڈک گیا، اپنے اندر سے آئی اس طرحیہ آواز سے وہ سراسیمہ ہو گئی تھی۔

”مم..... میں اسی طرح تیار ہوتی ہوں اور..... اور میری شاپنگ مہم کرتی ہیں، وہ ہمیشہ سے ہر چیز ہیچنگ کی لانے کی عادی ہیں، آج کوئی امیزنگ بات نہیں ہے۔“ اس نے خود کو جھٹلایا۔

”تم..... اپنے آپ سے جھوٹ بول رہی ہو؟ جانتی ہو انسان سب سے جھوٹ بول سکتا ہے مگر خود سے نہیں۔“

”مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت پڑے گی؟ میں کیوں جھوٹ بولوں؟“

”اچھا.....! اچھا اقرار کرو، تم ذوالنون کے لیے تیار ہوئی ہو، تم اسے امپریس کرنا چاہتی ہو، تم چاہتی ہو، وہ تمہیں دیکھے اور۔“

”شٹ آپ۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نظر آتے خود کے عکس کو دیکھ کر چیختی تھی، جو اب اس کے اندر کسی گوشے میں استہزائیہ فنیسی کی جھٹکاریں دور دراز تک گونجتی چلی آتی تھیں، وہ ٹھہرا کر کھڑی ہو گئی۔

دراختہ نظر آتے اپنے عکس سے وہ نکالیں ملانے کے قابل کہاں رہی تھی۔ یہ سچ تھا آج سے قبل اس کی ڈریسنگ میں اس طرح جذبوں کی رعتائی، احساسات کی اُمتگ، نئی ٹوپلی امیدوں کی ترنگ کیا کچھ شامل نہ تھا، پہلی بار خود کو جانے سنوارنے کی خواہش بے ساختہ ہی پیدا ہوئی تھی، اگر اس کے اندر کی وہ آواز طرزد کرتی تو وہ ان کا سینکس کا بھی استعمال کر لیتی جن کو کسی چھوٹا بھی نہ تھا، جو زہاد و تر زویا مول وغیرہ کے استعمال میں رہتی تھیں۔

”واپسی کب تک ہوگی حورا“ کرن اندر آ کر گویا ہوئیں۔

”معلوم نہیں ماما شاید زویا و ویرن ہو، ٹی پارٹی ہے، جلد ہی ختم ہو جائے گی، آپ کو کوئی کام ہے کیا؟“

”کام تو نہیں، بس ایسے ہی دل چاہ رہا ہے ہم ماں بیٹی بہت ساری باتیں کریں۔ نئی پرانی بالکل بیسٹ فرینڈ کی طرح، ہم دوست ہو سکتے ہیں نا بہت اچھی فرینڈ؟“ کرن اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں، اس سے ان کی ٹٹا ہوں میں، لہجے

میں دماغ میں دماغ معلوم کیا تھا کہ حورین کو وہ بہت بڑا سرا داراً بھی، الجھی جی محسوس ہوئی تھی۔ بہت تھا۔
بہت ڈکھی۔

بہت غم زدہ۔

”شیدر..... آف کورس اما اہم پیسٹ فریڈ زہیں“۔ وہ بڑی محبت سے ان سے لپٹے ہوئے ہوئی تھی۔

”جینکس مائی گاڈ ایڈ جینکس مائی ڈیڑا“ انہوں نے فرط محبت سے اس کی پیٹائی چومتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتی ماما سر سے انکسکیہ ذکر لوں گی“۔ اس نے محسوس کیا سویر، کم گو، ڈری اکھی سی رہنے والی اس کی ماما کو اس کی کہنی کی ضرورت ہے، وہ بے حد مضطرب و افسردہ نظر آ رہی تھیں۔ ان کے اعضاء میں کوئی ایسی بات ضرورتی جو وہ دل کی سرخوشی کو نظر انداز کر کے پارٹی میں نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

”ارے نہیں بیٹا! باتیں تو ہوتی رہیں گی، آپ پارٹی میں نہ کریں، بہت کیوٹ لگ رہی ہو“۔

انہوں نے اس کی جانب پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا سی گئی۔ اسے محسوس ہوا ماما نے اس کی چھری پکڑ لیا ہے۔

”میں..... جلدی آ جاؤں گی“۔ وہ روس تھی۔

”نہیں..... پارٹی کے قسم ہونے پر ہی آئیے گا“۔

اس کے دل کی دگرگوں حالت سے بے خبر وہ محبت سے کہہ رہی تھی۔ لمبے بھر کو اسے خود پر حیرت ہوئی کہ وہ کس طرح خائف تھی کہ کہیں ماما اس کے دل کا حال سمجھ نہ گئیں؟.....

محبت بھی کیسے کیسے جڑے کھاتی ہے، چالاک و حیا و عفتی ہے۔ انسان خود ہی وہ کام کرنے لگتا ہے جس سے ناواقف ہوتا ہے۔
ان دنوں وہ اپنے احساسات کا موازنہ کر رہی تھی۔

حسب عادت پر و فیہر آفتاب نے ہر تپاک استقبال کیا تھا۔ سب لوگ آچکے تھے جن میں کچھ دوسرے ڈپارٹمنٹس کے طلباء کے علاوہ ان کے قریبی دوست و کونیکٹڈ شامل تھے۔ اس نے ادھر ادھر کا دھڑکاؤ ڈرائی۔ اس کی ساتھیوں میں مول، زویا پہلے ہی دوسری پارٹی میں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں ردا و فرین کو بھی موجود نہ دیکھ کر اسے تنہائی کا احساس ہوا تھا اور یہ احساس چند لمبے ہی رہا تھا کیونکہ سر آفتاب نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ وسیع حال میں کہا گئی تھی۔ زیادہ تر مردوں کے ساتھ ان کی بیگمات بھی شریک تھیں۔ سواں محل میں خوشگوار ری رہی تھی۔ سر آفتاب کسی مہمان کے بلانے پر اس جانب بڑھے تو وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی اور اس کی حلاشی لٹا دیں لوگوں سے ملنے ملاتے ڈوائنوں پر تھیں۔

لائٹ جینز و آف دہائٹ شرٹ میں اس کی دراز پر سٹائی نمایاں تھی۔ وہ کن اکھیوں سے دیکھ رہی تھی، اس کی انٹریکٹیو پر سٹائی میں عجیب و غریب شاپا نہ پن تھا۔ لاپرواہی و بے نیادی اس کے ہر اعضاء سے عیاں تھی، وجہ چہرے پر بیحدہ و دہشت جی مسکراہٹ تھی جو اس کے

چہرے کو روشن کیے ہوئے تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے میں ہمدردی رہنے والے حزن و ملال کی سرخی اس کے کسی المٹاک ڈکھ کو ظاہر کرتی تھی۔

”ایسا کیا دکھ ہو سکتا ہے اس شخص کو؟ بھلا اس شخص کو بھی کوئی دکھ، کوئی غم چھو سکتا ہے جو دوسروں کے دکھ سمیٹ لیتا ہے، جو ہر طرح سے کھل و آسودہ دکھائی دیتا ہے۔“ وہ اس کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس کی موجودگی سے پوری طرح باخبر تھا اور کئی بار غشی لگاؤ اس پر ڈال کر انجان بن گیا تھا، اس کے ہر اعزاز سے غلگی و ناراضی ظاہر تھی۔

”السلام علیکم“ حیدر نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

”آپ کی وہ کرمانا کاتیں نہیں آئیں؟“

”وہ تمہارے پارٹی میں گئی ہیں۔“

”اچھی بات ہے، آپ یہاں آئیں اور نہ پارٹی بے وقت رہتی، ذوالنون سے ملی ہیں آپ؟“ وہ شوخ انداز میں کو یا ہوا۔ حورین نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس کی خاموشی سے وہ سمجھ گیا اور کچھ کہے بناؤں سے چلا گیا۔ چند لمحوں بعد آیا تو ذوالنون ساتھ تھا۔

”پکڑ لایا ہوں آپ کے بزم کو اب کوئی تخت مراد جیسے گا۔“ حورین اسے سامنے دیکھ کر بری طرح کھینچ رہی تھی۔

”تمہاری گردن میں تو کلف لگا رہتا ہے براہ کرم اب اس سے نجات پا لو تو بہت اچھا ہے، کیونکہ اب تم..... تم تنہا نہیں ہو۔“

”او کے، فاروہ ٹھیکس ایڈوائز یو کیمن گو۔“

”وہاٹ؟ ذرا بھرے کہنا۔“

”یہاں سے جانے کا کیا لو گے؟“

ذوالنون کے انداز میں سنجیدگی تھی لیکن آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

”اچھا۔۔۔ بیٹا یہ بات ہے، وقت لگتے ہی دوست کتاب میں پڑی گئے گا۔۔۔ یاد رکھنا ابھی بہت سے کام پڑیں گے۔“

حیدر معنوی طور پر ہنسا ہوا چلا گیا۔ ذوالنون کے سرخی مائل لبوں پر بھرپور مسکراہٹ تھی وہ حیدر کو جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

وہ ٹیرس کے قریب کھڑے تھے، مہمان ان سے خاصے قافلے پر تھے، یہاں آنے والے مہمانوں کی اکثریت باہر سے تعلق رکھتی

تھی اور جامعہ سے آنے والے طلباء سے اس کی صرف ملکہ سلک تھی، اس لیے وہ اطمینان سے اس کے رویہ کو کھاتا تھا کہ ابھی ماسوائے حیدر

کے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان دو مخالفت ست میں چلنے والوں کی راہ ایک ہو گئی ہے، جو اب اسے معلوم تھا کتنی بھی صحیح ہوگی، جب انہیں

معلوم ہوگا ابھی اتنا قافی ان میں سے کوئی بھی نہ تھا، سودہ بے فکر تھا۔

”آپ نے حیدر کو ناراض کر دیا۔“

”ابھی آجائے گا دیر سے، میرے بچے کی عادت نہیں ہے۔ اپنی بات کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ حورین اسطرحی انداز میں اپنی

عزیز علی انگلیوں کو حرکت دے رہی تھی، اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس دن کے اپنے ناروا رویے کی معافی مانگے۔ ذہن انگلیوں کو ترتیب دیتا پھر اسی لمحے انہیں زبرد کر دیتا۔

ذوالنون بڑی گہری لگا ہوں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا، گلابی رخساروں پر افسوس گرتی سی اور راز پکوں کی جھلکیاں، ہستیاں ناک، بھلائی دل کش ہونٹ، متناسب سراپا، دو حسن رعنائی کا مرتفع تھی۔

”کیا اسی حسن سے تمہارے چٹانوں جیسے جذموں نے چوٹ کھائی ہے؟ کیا یہ شباب ایسا ہی عمر انگیز ہے جو تمہیں عقل و خیر سے بیگانہ کر گیا ہے؟“ اس کے اندر کسی نے چوٹ کی تھی۔

”حسن و شباب ان کی کمزوری ہوتا ہے جو محبت میں نہیں، ہوس میں جھلا جاتے ہیں جن کے تعلقات چاہت و احترام کے جذموں سے مرہم نہیں ہوتے، بلکہ ان گھٹیا جذموں میں انسانی خواہشات کی آتش شامل ہوتی ہے۔ حسن کبھی محبت کی بنیاد نہیں ہوتا۔“ یہ تعلق تو دل سے ہوتا ہے۔ دل کی آنکھوں سے اپنی چاہت کا چہرہ بد صورت ہو کر بھی سب سے حسین نظر آتا ہے۔“ حیدر کے چہرے پر اس نے سرسبز سانس بھر کر خود دینا کے چہرے سے لگا ہوا ہوتا ہے ہوئے اندر سے اٹھنے والے سوالوں کو جواب دیئے تھے۔

”حیدر کہہ رہا تھا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔“

خاموشی کو محیط دیکھ کر بالآخر اسے ہی سائل کرنا پڑی۔

”میں۔۔۔ میں!“ دو سخت ہزل تھی۔

”لیک۔ اس بات کی، انہی کیا بات ہے جو آپ کنفیوز ہو رہی ہیں۔“ ذوالنون نے قصداً لہجے میں اپنا نیت دہری سوتے ہوئے کہا۔

”میں۔۔۔ دراصل آپ سے انکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ اس دن میں نے آپ کی اسسٹنٹ کی، آپ کو ٹیڑھ کیا، ہرٹ کیا، میں بہت نادب ہوں، میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ معلوم اس وقت مجھے کیا ہوا تھا، بلا سوچے سمجھے میں وہ بیوقوف و زبرد کر رہی تھی، کیا آپ مجھے معاف کر سکتی ہیں؟“

اس کا دھیمہ لہجہ شرمندگی، تاسف، ندامت سے بوجھل تھا۔ ذوالنون چند لمحے توقف کے بعد گویا ہوا۔

”گو کہ آپ کی بے اعتمادی و بے اعتباری نے میری غیرت، انا، کردار پر بہت کاری ضرر نہیں لگائی تھیں کہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کرتا۔۔۔ لیکن۔۔۔“

”لیکن؟“ حورین نے اس کی سنجیدگی سے گہرا کر کہا۔

”ہوں۔۔۔ آپ کی بات دوسری ہے۔ اس دل نے اسی دن آپ کو معاف کر دیا تھا۔“ اس نے شروع لہجے میں کہا۔

حورین کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ ابھری تھی۔

”پھر دوسرے دن یونیورسٹی میں کیوں ناراض ناراض محو رہے تھے، اس دن کتنی کوشش کی تھی، بات کر لے کی۔“

کبھی ہار حورین نے اس سے بے تکلفی سے بات کی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے گا ہے بگا ہے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔
 ”آپ نے اتنا ہرٹ کیا تھا تو ہنڈا بہت تو میرا بھی رائٹ ہے آپ کو ستانے کا۔“ سرت وشارانی اس کے آنکھ آنکھ سے عیاں تھی۔
 ”اس کا مطلب ہے آپ نے بدلہ لے لیا ہے۔“

”بدلہ نہیں، تندرستی کی تھی۔“

”تندرستی..... اکیسی تندرستی؟“ وہ تعجب ہوئی۔

”اس طرح ملاقات کی۔“

دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر فیس پڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

کوئین آج بزنس ٹور پر روانہ ہو چکا تھا۔

حالانکہ اس کی سرورسٹ تو نہ تھی مگر اس کی ٹینشن کے خیال سے وہ جانے پر مجبور ہوا تھا۔ مثال جگمگ پچھلے کئی ہفتوں سے بیڈریسٹ پر تھیں، وہ جو کبھی کھیلتا چاہتی تھیں، اس کا آغاز انہوں نے اسی دن سے کر دیا تھا، جب انہوں نے اس کو حورین کے ہمراہ یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ اس حقیقت سے وہ پہلے سے ہی واقف تھیں۔ بخوبی جانتی تھیں وہ اس دکن کی اگلی بیٹی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد انہوں نے انتقام کی آگ میں جلنے و جود کو راحت پہنچانے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ کرن داس کی بیٹی کو ایسی دک پہنچائیں گی کہ وہ کبھی بھول نہ پائیں گے، اس بار نصیب ان کے ساتھ تھا، ان کا ہر راستہ کامیابی و کامرانی کی جانب جارہا تھا جس سے وہ بے حد خوش تھیں۔

”حریہ کب تک بیمار بننے کا ارادہ ہے؟“

فائدہ جگمگ مسکراتی ہوئی مخاطب ہوئی تھیں۔

”اوہ ماما.....! میں سخت بدمعاش ہوں، بیڈ پر پڑے پڑے ہو چکی ایسی نہیں ہونے لگا ہے جسے میں سچ بچا ہوں۔“

وہ مسہرنا کر گویا ہوئی تھیں۔

”بس..... اب اوپننگ کر دو لیرا! آپ کو کوئین سے خطرہ تھا، وہ چاچکا ہے، اس کی آمد سے قبل میں اپنا مشن مکمل کرنا ہے۔“

”آف کورس ماما مجھے معلوم ہے، وہ ایک ایک اینڈ بھی مشکل رکھے گا۔“

”میں کہتی ہوں، آج سے ہی آپ شروع ہو جائیں۔“

وہ ہال سمیٹی ہوئی بڑے ہنر خوش انداز میں اٹھ کر بیٹھی تھی۔ فائدہ بھی اسی انداز میں ان کے قریب بیڈ پر چڑھ بیٹھی تھی۔

سر جوڑے وہ بڑے ہنر اسرار انداز میں گھجڑ کرنے لگی تھیں، جب شیطانی منصوبے بنتے ہیں، انسان خمیر و احساس کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتا ہے تو بڑی سے بڑی ہمتائی اس کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ خمیر و نیک شعور کی روشنیوں سے وہ نابلد غنائی و غنائیوں کے

اندھروں میں ڈوبی ہوئی تھیں، مگر مزید اچھائی تھی کہ انتقام، بے عزتی، حسد و کینہ و طبیعت نے انہیں بے حس و عالم بنا ڈالا تھا۔ انہیں سر جوڑے کمر پکڑ کر تے کافی وقت گزر گیا تھا وہ پوری پلاننگ کر چکی تھیں۔ انہیں یہ بھی ایک کمیل اب اسٹارٹ کرنا تھا۔ انہیں انتظار تھا۔ ڈوائنوں کے آنے کا، ان کی بساط کا اہم مہرہ وہی تو تھا۔ وہ بے حد مسرور، ازخوش کی رنگ انگلی پر کھاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ گرے آنکھوں میں بڑی چمک تھی۔ اس کے ایک ایک سے سرت پھوٹ رہی تھی وہ خوش ہوتا کیوں نہیں؟ حیات کے سفر میں اس نے جھلٹے، پتے محرومیوں دنا امیدوں کے درمیان میں وقت گزارا تھا۔ بہت انتظار کے بعد وہ ریگستان سے نکلستان میں آیا تھا۔

حدرین کی محبت نکلستان کی مانند ہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں والی، ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کے چشمے کی طرح۔ پروفیسر آلاب کی ٹی پارٹی اس کے لیے بڑی نکل ثابت ہوئی تھی۔ دنیا جہاں کی دولت گویا حدرین کے ساتھ کی صورت میں اسے مل گئی تھی پہلی بار آج انہوں نے دوبارہ بیٹھ کر بہت ساری باتیں کی تھیں گو کہ وہ باتیں ان کے اپنے مطالبات نہیں تھیں۔

مگر اسے حدرین کو سننا اچھا لگ رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا جتنی خوبصورت وہ خود ہے اتنی شیریں اس کی آواز بھی ہے۔

مدد بھری۔

رس بھری۔

جاو بھری۔

ذہن و قلب کا نوکھاسرور بخششی دل آویز آواز۔

اقرار محبت دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا تھا مگر آج وہ تھے کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے نہیں جذبول سے عیاں ہوتے ہیں۔ احساسات سے عیاں ہوتے ہیں، یہ وہ زبان ہے جو نگاہوں سے بولی جاتی ہے دل اس کو بآسانی سنتے ہیں۔ اس کے دل نے بھی سن لیا تھا اس کے دل کا اقرار..... اس کی جھل جھل نکلیں۔ شرمایا لچایا انماز۔

اس کے جذبول کو دیوانگی کی حد تک شدید عطا کر گیا تھا اور اسے نگ رہا تھا حدرین کا حصول ہی پہلی اور آخری تمنا ہے۔ وہ راتے بھر سوچتا آیا تھا۔ کل ہی نا تو اور ماما کو لے کر وہ حدرین کے ہاں جائے گا ساتھ پروفیسر آلاب کو بھی لے گا۔ اسے یقین واثق تھا حدرین کے بغیر جس اسے انکار نہیں کریں گے۔

بھی سوچتا ہوا وہ کوریڈور عبور کر کے ماما کے کمرے کی طرف بڑھا ہاتھ بڑھا کر دروازہ ٹاک کرنا چاہا۔ دروازہ تھوڑا کھلا تھا تاک کرنے کے لیے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا۔ اندر سے آتی ماما کی آواز نے اسے وہیں جاہر و ساکت کر ڈالا تھا۔

”میں نہیں چاہتی ماما.....! میری وجہ سے پرل کی خوشیاں برباد ہوں، پہلی بار میں نے اسے خوش دیکھا ہے اس کی خوشیوں کے لیے میں یہ دولت بھی اٹھانے کو تیار ہوں، آپ پرل کو کچھ مت بتائیے گا۔“

منال کے گلوگیر لہجے میں ایک ایسی التجا تھی جو اسے متوحش کر گئی تھی۔ ”پاگل مت ہو منال! آج کبھی نہیں چھوڑا آج نہیں تو کل پر لیں کو یہ حقیقت ضرور معلوم ہوگی کہ حورین کے باپ نے کسی وقت میں اپنی عیاش فطرت کے باعث کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ آہ..... وہ یہ کیا سن رہا تھا؟ نالو نے یہ کیا کہا تھا؟ اسے ایسا لگا جیسے اس کی سماعت میں دھماکے ہونے لگے ہوں۔

پلیز..... ماما! وہ کانٹوں بھر اذیت دلائیں۔“

منال سسکیوں سے رونے لگی تھی۔ ذوالنون کی ذات زلزلے کی زد میں تھی اس کی نگاہوں میں وہ مہر محکم گیا جب یونیورسٹی میں حورین کے پاپا اس صاحب کو دیکھ کر مہاجر ہو گئی تھیں اور جب سے آج تک وہ بیڈ پر ہی تھیں۔ اس نے بہت چاہا کہ وہ اسے بتائیں کہ وہ حورین کے پاپا کو دیکھ کر بے ہوش کیوں ہوئی تھیں۔ اس وقت انہوں نے اسے بہلا دیا تھا اور وہ بھی بھول بیٹھا تھا۔ اب اس انکشاف نے اس کے دل و دماغ ہاڈا لے گئے۔

”آپ ابھی تک بھول نہیں سکی ہیں بھلا کوئی نیک پاپا سا، پاک باز، عزت دار عورت اس بے عزتی کو کیسے بھول سکتی ہے جو اس ہوس زدہ شخص کی ہوس کا شکار ہو گئی ہو اس کے باوجود تم چاہتی ہو ان شخص کی بیٹی کو ان گھر میں رائج کرنے کے لیے لانا چاہتی ہو؟“

”ماما.....! بات چیری نہیں ہے میں پر لیں کی خاطر سب برداشت کر لے کو تیاں ہوں، مجھ کو بچے چھوڑ کر چلے گئے میں نے برداشت کیا مگر پر لیں مجھے چھوڑ دے میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی، مری جاؤں گی۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگیں۔

ذوالنون کی قوت برداشت جواب دے گی۔ سخت متوحش اعزاز میں وہ بتانا کہ کیسے کرے میں داخل ہوا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر منال ہکا بکا سی رہ گئیں جبکہ فائقہ بیگم کا اعزاز سپاٹ تھا۔

”جو..... میں نے سنا وہ کیا ہے ماما؟“

وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہنسی سے گویا ہوا۔

”کچھ نہیں..... پر لیں، ہم..... ہم ایسے ہی بات کر رہے تھے۔“ انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر وحشیانہ کھنکھاس نے وحشت ہی پیدا کر دی تھی وہ دیکھنے اور نہ کہنے کی اذیت میں جھٹکا پریشان و بے چین لگ رہا تھا۔

”پلیز..... میں سب سن چکا ہوں، غلط بیانی سے کام مت لیں۔“

”بھول جاؤ اپنی خوشیوں کے لیے بھول جاؤ، حورین کی خاطر بھول جاؤ اسے پانے کے لیے آپ کو یہ باتیں بھولنی ہوں گی۔“

”وہ باتیں بھلانے کے لیے نہیں ہیں منال!“

فائقہ بیگم غصے سے گویا ہوئیں۔

”مئی اقا رکھاؤ سک، آپ خاموش رہیں، میں نے کہا میں اپنی بیٹی کی خاطر سب بھلانے کو برداشت کرنے کو تیار ہوں۔“

ان کے دعوے ہوئے لہجے میں شفقت ہی شفقت تھی۔

”پرنس! میں نے کہا تھا میں آپ سے ایک دن میں آپ کو بتاؤں گی، آج وہ وعدہ ایسا کرنے کا وقت آگیا ہے جن لوگوں نے آپ کی اور ہماری زندگیوں میں دیکھیں وہ بھری ہیں اس میں لیڈنگ رول جن دونوں نے ادا کیا ہے وہ حوری کے سحر میں ہیں۔“

”مہی..... مہی اسٹاپ! پلیز!“ مثال نے ہاتھ جڑ دیے تھے۔

”نومانا! تو کو کبھی دیکھیں، ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی، میرا دل بند ہو جائے گا میں ایک ایک ورڈ سننا چاہتا ہوں۔“ ڈوائون وحشت و وحشت کا شکار تھا۔

”دل تمام کر سن لو، کل کو مجھ پر انعام نہ آئے کہ میں نے حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود آپ کو لاعلم رکھا کیونکہ سچائی ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ اور اس سچائی کی روشنی میں اس کو فیصلہ کرنا ہے۔ حورین کو اپنا لے یا نہ اپنا لے گا۔“

فائلنگیم کی شکلہ بیانی شروع ہو گئی تھی۔ مثال بیگم گفتگو میں چہرہ چھپا کر بیٹھ گئیں۔ گویا یہ سننا ان کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہے۔ فائلنگیم نے شروع سے آخر تک ساری کہانی اس کو سنائی۔ بہت چال کدستی سے انہوں نے کرداروں کا ہر پیر کر ڈالا تھا۔ فائلنگیم کی ٹیک چٹنی اپنے کھاتے میں ڈالی، کرن کی ساواگی مثال کے روپ میں بھری، برہان صاحب کی بے راہ روی و رنگین حراچی اس صاحب کے انداز میں سنو کر گفتگو کے ایسے ایسے وار کیے تھے وہ جو زندگی سے زیادہ اہمیت سمیت وغیرت کو دیتا تھا ہر نقصان، ہر زیادتی سے بڑا احساس اسے اپنی ماں کی پامالی کا ہوا تھا جس سے اسے اپنے اندر ایک شدید آگ بھڑکی ہوئی محسوس ہوئی۔ رگوں میں گویا انکار سے سے دوڑنے لگے تھے۔ اس کی نگاہوں میں اس صاحب کا اسرار و صومبر سراپا تھا۔ چہرے سے مہذب و پردہ دار شخص کا باطن، اصل چہرہ کس قدر غلیظ و بھیا تک تھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

”اس نے ہی ہماری حرمت پر دماغ نہیں لگایا ہماری عزت کو پوری طرح داغدار کرنے کے لیے کرن نے ہی سہی کسر پوری کر دی۔ کرن میری اسٹیپ ڈائریز جس کو میں نے کبھی سویلا نہیں سمجھا مگر وہ اور اس کی لوند کیریکٹر ماں نے کبھی نہیں سونے سے نہیں رہنے دیا۔ ظاہر ہے ایک ایسی ماں کی بیٹی ٹیک ہو گئی کیسے سکتی تھی جو اپنی آواز کی بد چٹنی کے باعث کبھی اپنے مہذب کے ساتھ نہ رہ سکی۔ ساری عمر اس نے ان سے دور رہ کر گزاری کہ اس کی آزادانہ زندگی میں برہان مداخلت نہ کر سکیں وہی انداز بیٹی نے اپنائے، حمزہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا کر ایسا پاگل بنا دیا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایسا گیا کہ پلٹ کر نہیں آیا اب فیصلہ کر لو شادی جو چاہو حورین سے شادی کرنا.....“

”اس امپاہل ایہ کبھی نہیں ہو سکتا، میں انہیں شوٹ کر دوں گا..... شوٹ کر دوں گا۔“

وہ کسی پھرے ہوئے سمندر کی طرح بے قابو ہوا تھا کیسی محبت؟ کہاں کی محبت؟ وہ سب بھول گیا کہ کچھ وقت قبل وہ کن سہالے پہنوں میں کھویا ہوا اس کرے کے دروازے تک آیا تھا، وہ ساری محبت سارے چنڈے، تمام جنون و دروازے کی اس طرف کھو گیا تھا یہاں اب ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا تھا جو ماں کی تباہ حال زندگی پر لوند کناں تھا۔ اپنے جذباتوں پر اسے شرمندگی تھی، اپنے دل پر غامت کہ وہ ایک ایسی عورت کی بیٹی سے محبت کرنے لگا تھا..... جس عورت سے بچپن سے نفرت کرتا آیا تھا۔ پہلے نہ اس کے نام سے واقف تھا، نہ چہرے

”ایسی باتیں مت سوچا کرو کرن اسونا آگ میں تپ کر ہی کندہ بنتا ہے پھر اُنس جیسا میرا آدمی تمہارا نصیب بنا ہے۔ حرین جیسی لائق و خوب صورت بیٹی ہے۔ کیا یہ دب کریم کا کم احسان ہے، لوگ تو تمنا کرتے ہیں ایسی بہترین زوجہ کی..... کیا اُنس سے تمہیں کوئی شکایت ہے؟ اس کی چاہت میں کوئی کھوٹ پایا ہے؟“ ان کی طرف دیکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں دریافت کیا۔

”میں بی بی جان اُنس بہت اچھے ہیں ان جیسا جیون ساتھی مجھے ملے گا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شاید وہ میری ماں کی مانگی گئی دعاؤں کا ثمر ہیں، ورنہ میں ان کے قابل نہیں تھی۔“ کرن کے لہجے میں اُنس کے لیے اتنی چاہت و احترام تھا جو ان کو مطمئن کر گیا تھا، وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

”پھر کس بات کا ذکر ہے، یہاں بی بی میں دینی ہم آہنگی، محبت و احترام کا رشتہ قائم رہے، زندگی جنت بن جاتی ہے۔ ایک چست تلوار بنے سے رشتے مضبوط نہیں ہوتے، رشتوں کو مربوط کرنے کے لیے محبت، عزت، غلوں و حوصلے و استقلال کی ضرورت ہوتی ہے پھر عورت کا تو دوسرا نام ہی ایسا رونا و قاریابی ہے، جتنی زیادہ ہم میں قوت ہوگی، اپنے فرائض کی ادائیگی و تحمل برداشت کی، اس قدر ہی گھر کے چمن کی چھلاری پھلتی پھولتی ہے۔“

”بی بی جان! میری یہی کوشش رہی ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو، اُنس کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو اور جج تو یہ ہے کہ اُنس کو شکوے، شکایت کی عادت ہے بھی نہیں، وہ بے حد صابر و بلند ظرف ہیں۔“

”ماشا اللہ، مرد کو ایسے ہی وصف بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں۔ اُنس عورت و سیرت، ہر لحاظ سے عام مردوں سے مختلف ہیں۔“

”ان کی ہی فرمائش ہے، آپ ہمارے ساتھ رہیں گی۔“

”ارے خوش رہو، میں یہاں سے چلی گئی تو یہاں جو شیطانوں کا ٹولہ ہے، انہیں تو بکی آزاوی مل جائے گی، شرارتوں کے لیے۔“

میرا ان کے سر پر موجود ہوتا ضروری ہے۔“ وہ پوری سچائی سے گویا ہوئی تھیں۔

”میں کوئی عذر نہیں چلے گا، آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔“

”اچھا اچھا..... دل برداشتہ کرو، ابھی تمہیں جانے میں وقت لگے گا۔ میں آتی جاتی رہوں گی۔“ وہ مخصوص انداز میں گویا ہوئیں۔

☆.....☆.....☆

یہ پیارا کارِ شہنشاہ نے نہ کبھی
اے میرے دوست جو مجھ سے زونٹے نہ کبھی
کرتے ہیں رب سے ہر پہلے دعا
دور رہ کر بھی اپنا یہ ساتھ
چھوٹے نہ کبھی.....

”اتنی دور تو نہیں جا رہے ہم، جو تمہیں ساتھ چھٹے کاڑ کو ستانے لگا ہے۔ کچھ دوری کا تو فاصلہ ہے تم جیسے فطس کے لیے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں ہے جو کار کو پلین سمجھ کر ڈرائیو کرتا ہے۔“

حورین ہریرہ کی جانب دیکھتی ہوئی ہنس کر بولی۔

”ہاں ہریرہ ہے۔“ وہ اُناس تھا۔

”پھر کیا بات ہے؟“

”تمہارے بغیر میری صبح کیسے ہوگی؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

”وہاں؟“

”میں صبح سے پہلے تمہارا حسین کھڑا دیکھنے کا ماوی ہوں، جس دن یہ مبارک صورت صبح نہ دیکھوں، دن اچھا نہیں گزرتا۔“

”اوہ..... جھوٹے کہیں کے، کچھ دن قبل یہی لفظ آنتی سے کہہ رہے تھے، شرم نہیں آتی جھوٹ بولتے ہوئے۔“

”میں نے جھوٹ تو نہیں بولا۔“

”اچھا..... یہ جھوٹ نہیں ہے، تم نے آنتی سے یہ لفظ نہیں کہہ تھے؟“

”ہاں ہاں کہہ تھے، میں نے کب انکار کیا ہے؟“

”پھر بھی کہتے ہو، جھوٹ نہیں کہا۔“

”مئی کا مقام اپنی جگہ ہے، تمہاری دلچسپی جگہ، اظہار دونوں طرف ایک جیسا تھا مگر جذبے مختلف تھے۔“ ہریرہ بھی ایک کائنات

تھا اس سے جیتنا آسان کام نہ تھا۔

”سب سے الگ رہنے کو دل تو نہیں کر رہا مگر یہ بات خوشی دیتی ہے کہ کم از کم تمہاری ہوا اس سے جان چھوٹ جائے گی۔“

”اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والی چیز نہیں ہوں میں۔ اگلے کہہ رہے تھے، ہم برسوں سے ساتھ رہ رہے تھے، شہر بھی تیار

تھی، وہ تو میں نے ہی منع کیا کہ..... یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔“

”وہ کیوں؟“

”خاہرات ہے اس گھر میں بارات لے کر جانا ہے، کیا اچھا لگے گا؟ شادی کے بعد بھی تم اسی گھر میں رہو گی تمہارے لیے میں.....“

”شٹ آپ، مجھے معلوم ہے اگلے بھی ہمارے برابر میں ہی بنگلہ خرید چکے ہیں، بہت جلد ہی وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔“ وہ اس

کی بات قطع کر کے فیسے سے بولی۔

”ہوں..... دراصل اُن سب کو بھی میری طرح تم سے دوری گوارا نہیں۔“

”ہریرہ اچلیز کبھی میرے لیے بھی ہو جایا کرو۔“

”میں تو سیر لیس ہوں، قسم سے بالکل سیر لیس ہوں، تم نہ معلوم کب سیر لیس ہوگی۔“

”مرو کہیں، تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔“ وہ غصے سے کہتی ہوئی اٹھ گئی۔

”ارے..... تم ناراض ہو گئیں، میری بات تو سنو؟“ ہریرہ کہتا ہوا اس کے پیچھے لپکا تھا مگر وہ زکی نہیں۔

”حورین! بات سنو۔“

لبابی جان کے کمرے کے آگے سے گزری تو انہوں نے پکا مارتھا۔

”جی.....“ وہ ان کے قریب پہنچ کر گویا ہوئی۔

”بیلٹھو، تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“

لبابی جان بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔ لمحے کے ہزار ویں حصے میں اس کو گمان گزرا کہ مبادا انہیں اس کے اوردہ النون کے بارے

میں معلوم ہو گیا ہے۔ اس خیال نے اسے پریشان کر ڈالا تھا۔ وہ کچھ بھی سی ٹی ٹی نہ کر سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں

ہوئے تھے۔ نہ ہی محبت میں وہ اس حد تک بڑا حصہ تھے کہ ان کی محبت کے چرچے زبان زد عام ہوتے اور ان کی ساتوں تک پہنچ جاتے۔

ابھی تو ان دونوں نے ہی ایک دوسرے سے اقرار محبت نہیں تھا، صرف انہی کے احساسات کی صہک سے ہی ان کے جذبات

معلوم ہوئے تھے۔ پارٹی میں بھی وہ خامسے وقت تک ساتھ رہے تھے، بہت سارے موضوعات پر ڈیسروں باتیں ہوئی تھیں، اس دوران

ٹکاؤں وہ دل کی باتیں کرتی رہی تھیں، جو لب نہ کہہ سکے تھے اور حیدر بھی درمیان میں رہتا کہ کس دینے سے باز نہیں آیا تھا۔

”حورین! کہاں کھوئی ہوئی ہو؟“

لبابی جان کی آواز پر چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

”جی..... لبابی جان! آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟“ وہ سوچوں سے نکل کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

”حیدر کیسے لڑکا ہے؟“ ان کے سوال نے اسے چوٹا دیا۔

”حیدر؟..... اچھا لڑکا ہے..... کیوں لبابی جی، کیا ہوا؟“

”اس کے والدین آئے تھے، مزید کام شروع کرنے کے لیے۔“

”اوہ..... اکب آئے تھے؟“ مسرت و حیرت اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔

”کل جب تم اپنے سر کے ہاں پارٹی میں گئی تھیں۔ کل اتفاق ہی تھا کہ جو میرے علاوہ گھر میں کوئی نہیں تھا، تب وہ لوگ آئے

تھے۔ بہت اصرار کر رہے تھے کہ میں انہیں خوش خبری کے ساتھ رخصت کروں مگر میں اس طرح کیسے ہاں کر سکتی تھی، دینی کا معاملہ ہے، لاکھ

بھائی بھابھ مجھے ہر اختیار دے بیٹھے ہیں مگر اولاد کے لیے بہت دیکھ بھال کر، سوچ سمجھ کر فیصلے کیے جاتے ہیں، میں نے ان سے ایک ہفتے

کا وقت مانگا ہے، ابھی میں نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا۔ یہی سوچا پہلے تم سے معلوم کر لوں، کیونکہ تم کاؤں گئی تھیں، وہاں ان کے گھر

ماحول و درجن بہن سے واقف ہو۔ بعض اوقات کسی کو جاننے کے لیے پوری زندگی بھی ناکافی ہوتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم چند گفتگوں کی ملاقات میں ہی ساری زندگی کی شناسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

اب وہ ان کو کس طرح بتاتی کہ بچوں میں وہ وقت اس نے کس طرح اور کس کے ساتھ گزارا تھا مگر انہیں مطمئن کرنا بھی تھا۔
”لوگ تو وہ بہت اچھے ہیں، وضع دار و خوش اخلاق، زمین دار ہونے کے باوجود ان میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو ایسے لوگوں میں ہوتی ہے اور حیدر تو بہت ہی ناکس ہے، زویا کے لیے پرفیکٹ۔“

”ٹھیک ہے، ویسے مجھے بھی وہ لوگ اس قابل لگے تھے کہ ہم ان سے رشتہ جوڑ سکیں، اب تمہاری بات نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔“ لہٰذا بی جان مطمئن ہو کر بھائی، بھابیوں کی طرف گئیں، وہ زویا کی تلاش میں لاؤنج میں آگئی جہاں مول، زویا، شرج، بیلا بیلی میگزین میں ڈور، سڑو، کچر، اسی تھیں۔

”آج کی تازہ خیرا آج کی تازہ خیرا“ وہ چٹختی ہوئی آئی تھی۔

”کیا خبر ہے بتاؤ تو سہی۔“ وہ چاروں پہ تجسس انداز میں بولیں۔

”اتنی آسانی سے تھوڑی بتاے والی خبر ہے۔“

”کتنی مشکل سے بتاؤ گی؟“ زویا نے ٹکڑا لگایا۔

”تمہارے ہی حلقے خبر ہے۔“ حیدرین نے تجسس کو ہوا دی۔

”میرے متعلق کیا خبر ہے؟ پلیز بتاؤ نا۔“

زویا کے ساتھ ساتھ وہ تینوں بھی بے قراری ہو گئی تھیں۔

”میں نے کہا ناں اتنی آسانی سے نہیں بتاؤں گی۔“

”یارا پلیز تمہیں معلوم ہے، مجھ سے سسٹمز بالکل برداشت نہیں ہوتا، رحم کرو، بتا دو۔۔۔۔۔ اچھا ایسا کرو فل نیو زندگی، ہیڈ لائن ہی سنا دو کہ کچھ بے قراری کو قرار دے۔“ شرج تڑپ کر بولی۔

”پراس کرتی ہو، کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کروانے کا؟“

”پہلے خبر معلوم ہو پھر۔“

”زویا! نہ معلوم کتنے کجوس مرے ہوں گے جو تم پیدا ہوئی ہو۔“ مول اس کو ڈپٹے ہوئے ملامت کرنے لگی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں کر لو، ہاس، اب ضروری نہیں وعدہ بھایا بھی جائے۔“

”پھر میں نہیں بتاتی۔“

”میں نے کب منع کیا ہے، میں کراؤں گی ڈنر، اب بتا بھی دو۔“

”تمہارے لیے پروپوزل آیا ہے۔“

”کس کا؟“ بے اختیار زدیا کے منہ سے نکلا۔

”کسی مرد کا ہی ہوگا۔“ حورین کی وضاحت پروپوزیشنوں کی کمی کرنے لگیں۔

”اللہ کرے تمہیں فائنت نوٹ جائیں جو تم کبھی فیس نہ سک، یہاں میری زندگی کا سوال ہے اور تمہیں فیس آرہی ہے۔“

”حورین! کون ہے وہ عقل کا دشمن جو اسے پسند کر بیٹھا ہے؟“

”ارے ذرا کرو، کچھ اس کی آنکھیں بھی کنزور ہوں کیونکہ ہماری کنزن کو ہر اس کام سے نفرت ہے جو گھریلو کہلاتے ہیں۔“ وہ زدیا

کو براہ رنج کر رہی تھی۔

”چپ ہو جاؤ بی بی، وہ غصے سے چلائی تھی۔

اس کے بی بی جانو کہنے پر حورین بھی بے ساختہ فیس پڑی تھی۔

”اوکے، یہ سب تو مذاقی تھا خبر یہ ہے کہ حیدر نے زدیا کو پروپوز کیا ہے اور بی بی جان کے ارادے ٹیک لگ رہے ہیں۔“

”حیدر.....؟“ زدیا کے ساتھ مول بھی حیرانگی سے گویا ہوئی۔

”سزاخنگ بخود؟“ زدیا کے ساتھ مول بھی حیرانگی سے گویا ہوئی۔

”سزاخنگ بخود؟ اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا کہ وہ زدیا پر ”گاہ“ رکھے ہوئے ہے، بڑا گھنہ شخص ہے۔“ مول نے کہا۔

”میں بھی حیران ہوں، اسے عرصے میں نہیں نے کبھی کبھی فیل نہیں کیا۔“

”ہوسکتا ہے اسے خود بھی اچانک ہی فیل ہوا ہو۔“ بلا شرارت سے بولی۔

دل مٹی تھا، آنکھوں میں سوچات کہاں سے آئی

ساؤن بیت چلا تھا، یہ برسات کہاں سے آئی

چاند ابھی نکلا ہی تھا، کیسے ڈوب گیا؟

میرے آنگن میں یہ کالی رات کہاں سے آئی

☆.....☆.....☆

ماحول میں خنکی تھی درات کے سیاہ گیسو کاکت کی ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ رات اندھیری تھی یا نہ معلوم ان کے اندر

ہی وحشت و جنوں کی سیاہ آندھی نے اس قدر اندھیرا تاریکی پھیلا دی تھی کہ آج سے قبل اس کو رات اتنی گھور سیاہ نہ لگی تھی۔ اس کے اندر

لال و جنوں کسی آسیب کی طرح قبضہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔ اسے افسوس تھا اس نے اس شخص کی جینی سے محبت کی جو اخلاقی کردار سے محروم تھا۔

اگر ماما اور تانا اسے سمجھاتی نہیں تو وہ اس کو شوٹ کر چکا ہوتا اور حورین کی ماں دو عورت تھی جس سے وہ بچپن سے نفرت کرتا آیا تھا۔ بہت

شدید نفرت کی تھی اس سے۔ نانہ نے بتایا تھا۔ ان لوگوں نے ہر طرح سے ان سب کو اذیت دی تھی، ان کی بدنامی و رسوائی کا باعث بنے تھے۔ ان کے کروڑوں کے کاروبار پر وہ قابض ہوئے تھے پھر اس کے باپا کی جدائی میں اس عورت کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ سب تو کسی طرح سے برداشت کر سکتا تھا، معاف کر سکتا تھا مگر جس احساس نے اسے اس شخص سے موسم میں بھی جلتے ہوئے انگاروں پر لاپیچہ کا تھا وہ احساس اپنی معصوم و بے خطا ماں کی پامالی کا تھا۔

یہ ایسا ناقابل معافی جرم تھا جو وہ کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک جوان و باجمیت بیٹا کسی طرح یہ بات برداشت کر سکتا ہے۔ جو رین کے لیے جو اس کے دل میں محبت و پسند کے جذبات پیدا ہوئے تھے وہ پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ اب وہ اس کی محبت و چاہت نہیں..... دشمن کی بیٹی تھی اس کے باپ نے ایسا جرم کیا تھا جو ناقابل معافی تھا وہ کبھی معاف کرنے والا بھی نہ تھا۔

نیند، بھوک، پیاس، سکون قاصد تھا..... مضطرب و بے چین سال اپنے بیڑہم میں جکڑا رہا تھا معاورہ ازہ کھلا اور آگے والی سستی کو وہ دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تھا۔

دروازے میں مثال بیگم ایسا دیکھیں۔

بکھرے بال..... شکن آلود لباس..... متورم آنکھیں.....

یہ وہ مثال بیگم نہیں تھیں جن کے ماتھے پر شکنیں بکھر و رنجت کے احساس سے ہمہ وقت طاری رہتی تھیں مگر لباس ان کا ہمیشہ بے شکن رہا تھا۔ کبھی اس نے ماں کو اس حلیے میں نہیں دیکھا تھا وہ پھولوں کی طرح تروتازہ و خوب صورت نظر آتی تھیں کہ ایک جوان کا حسن اب بھی اتنا مانع نہیں پڑا تھا پھر وہ اپنا از حد خیال رکھتی تھیں پارٹیز کے علاوہ گھر پر بھی بڑے خطرناک و بگم سنگ سے تیار رہنے کی عادی تھیں۔

ان کے ہر انداز سے محنت و شاہانہ پن چھٹکا تھا کسی ملکہ کی مانند اب وہی خوش لباس و خوش رومثال بیگم کا یہ اجڑا، ٹکرا، ٹوٹا ہوا روپ ان کی شخصیت سے بالکل جدا تھا۔ بالکل متضاد و عکس۔ کل تک وہ بہاروں کا چمن تھیں اور آج بہاروں پر خزاں نے ڈیرے بٹا لیے تھے وہ کسی اچلی عورت میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

”پرنس..... مجھے معاف کر دیں بیٹا۔“

اپنی جانب بڑھنے والے ڈوائلون کے وہ قدموں میں بیٹھ گئیں اور اس کے پاؤں پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ ماں کو اس حرکت سے روکنے کے لیے وہ پھرتی سے پیچھے ہٹے ہوئے گویا ہوا۔

”مم..... مم! یہ کیا کر رہی ہیں؟“ دکھ و صدمہ سے اس کی آواز پھٹ گئی تھی۔

”بہت دکھ ملا آپ کو میری وجہ سے..... میں اس قابل ہی نہیں.....“ ڈوائلون نے انہیں اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

”دکھ تو مجھے ملا ہے مگر آپ کی وجہ سے نہیں..... خود مجھے اپنے دل کی وجہ سے..... اپنی پسند کی وجہ سے..... یہ..... احساس مجھے

مرے دم تک ندامت میں جھلار کئے گا کہ میں نے پہلی بار کسی کو لاک کیا..... اور جس کو پسند کیا وہ اس کا بل ہی نہیں تھی۔ اس کے لہجے میں نظروں کے اوپر سے پھٹکا رہا ہے تھے۔ گرے سرخی مائل آنکھوں میں نورانیدہ محبت کی موت کی ٹہنی تھی۔

”یہ میری وجہ سے ہوا ہے میری ذات ہی آپ کی خوشیوں کی قائل بنی ہے۔ مجھے مرجانا چاہیے۔ مجھے جینے کا حق نہیں ہے۔“ وہ اس کے سینے سے چہرہ نکال کر رونے لگی تھیں۔ ان کی آنکھ سے ٹپکنے والا ہر آنسو اس کے دل میں گھاؤ ڈال رہا تھا اور اس دغم سے اس کے اندر الاؤ سلگ رہا تھا۔

بڑا بھیا تک الاؤ..... اس الاؤ میں بھڑکنے والی آگ حمل و شعور و فہم سب بھسم کر دینے والی ایسی سیاہ آگ تھی جو اس کی رگ رگ میں پھیلنے لگی تھی۔

”پلیز..... ماما، پلیز ریٹیکس..... آپ کو ہمارے لیے ذمہ رہتا ہے۔“

”میں کیسے ذمہ رہ سکتی ہوں.....؟ ایک عورت تو شاید اس احساس سے مرمر کر جاتی تکتی ہے کہ وہ لٹ چکی ہے۔ مگر ایک ماں کیسے ذمہ رہ سکتی ہے جب اس کی اولاد کو مظلوم ہو جائے اس کی بربادی کا۔“ وہ اس سے طلحہ ہوتے ہوئے اشکوں کے درمیان کہہ رہی تھیں۔ ذوالنون نے تیزی سے قطع کر کے کہا۔

”پلیز..... ماما! آپ کل بھی میری لیے اتنی ہی معتبرہ و قابل احترام تھیں اور آج اس سے بڑھ کر ہیں۔“ وہ ان کے ہاتھوں کو چومنا ہوا پر حقیقت لہجے میں بولا۔

”نہیں..... نہیں تم آج نہیں تو کل مجھ سے نفرت کرو گے۔ عمارت سے دیکھو گے شاید..... شاید میرے چہرے پر تھوکو گے۔“ ان پر ناکھٹ ہڈیانی کیفیت طاری ہو گئی۔

ذوالنون نے ان سے کچھ کہنا چاہا مگر وہ دغم کے شدید احساس سے اس کی زبان مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ ماں کی بھڑتی ہوئی دہنی حالت کا اسے پوری طرح احساس تھا۔ وہ خود بھی تو ان چند گھنٹوں میں دہنی و بددہنی شدید تر ہوئی جبک سے نبرد آزما تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ لہر کو کھلا ہوتا چار ہاتھ آیا کہ کھونے کا دکھ بردکھ سے بڑھ کر تک رہا تھا۔

منال بیگم ہاتھوں میں چہرہ چمپا کر روئے جا رہی تھیں۔

”آپ کا ہر آنسو میرے دل کا دغم ہے پلیز آپ رو نہیں مت۔ آپ میری ماں ہیں۔ کائنات کی سب سے بڑی ہستی..... دنیا کی سب سے بڑی دولت..... ماضی میں، میں نے آپ سے بہت زیادتی کی کہ آپ کو سمجھ نہ سکا تھا مگر ماما اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی آپ کو..... بلکہ ہمارے دشمنوں سے میں بدلہ لوں گا ضرور لوں گا.....“

☆.....☆.....☆

”بیٹو..... بیٹو! کیا ہوا بیٹی..... آپ لوگ کچھ سن کیوں نہیں رہی ہیں؟ میں کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔“

وہ پانچول حیدر کے پر پھول کے بارے میں ہی دسکس کرتی آ رہی تھیں۔ حیدر کی آواز وہ نہیں سن سکی تھیں۔ وہ تیز تیز قدموں سے ان کے قریب آ کر گویا ہوا۔

”سوری ہم میں سے کسی نے بھی نہیں سنا۔“ نت کھٹ ٹھہر کر اس کی جانب دیکھتی ہوئی شوخی سے بولی۔

”بھئی حد ہوتی ہے بہرے پن کی بھی۔ آدمی جامد نے سن لیا۔“

”اچھا ہاں ہم میں اور آپ میں رشتہ داری ہو سکتی ہے کیونکہ کچھ حادثات کی بنا پر ممانکت تو پائی جاتی ہے۔“

مول کے کہنے پر ان چاروں کے لمحوں پر گہری مسکراہٹ ابھری تھی جب کہ روایا کی اسے سامنے دیکھ کر بولتی بند ہو گئی تھی۔ وہ چہرہ جھکائے قریب کھڑی حورین اور دا کے پیچھے تقریباً خود کو روپوش کر چکی تھی۔ طرے سے کماحاس سے وہ گناہ تھی۔

”کیسی ممانکت.....؟“ حیدر بیٹے پر ہاتھ باندھ کر شوخی سے گویا ہوا۔ اس نے ترمیمی نگاہیں سنائی دیا پر بھی ڈالی تھی۔

”آپ میں کتنے پن کی کالٹی ہے اور ہم میں بہرے پن کی.....“

”کالٹی.....“ حیدر بے ساختہ ہنس پڑا۔

”بائی دادے..... یہ گھٹنا پن کیا ہوتا ہے.....؟“

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا آپ کو۔“ روا لے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

”اد کے آئی دل دیٹ۔“

اس کے ہر انداز سے سرشاری چمک رہی تھی۔

”آج آپ تمنا نظر آرہے ہیں۔ آپ کے جوڑی دار کہاں ہیں؟“

”خوب! کیا پر فیکٹ ناٹل دیا ہے جوڑی دار..... چند دنوں سے اس کی اور میری ملاقات نہیں ہو رہی ہے۔“ حیدر انہیں ٹی شاب لے آیا تھا جہاں چائے اور برگر کے ساتھ ساتھ ان کی گفتگو بھی چل رہی تھی۔

”حیرت انگیز بات ہے۔ آپ جو ایک دوسرے کا سایہ تصویر کیے جاتے ہیں، ایک دوسرے سے جدا بھی رہ سکتے ہیں۔“ مول

نے ڈھیر سا راکچپ برگر پر ڈال کر کھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ہم جو ایک دوسرے کی پر چھائیں ہیں، دہر جگہ..... ہر وقت ساتھ دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ہماری

دوستی و محبت دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر ہے مگر اس محبت و دوستی میں بھی کبھی کبھی ایسا مقام آ جاتا ہے کہ ہم چند دنوں کے لیے ماضی جدائی اختیار کر لیتے ہیں۔“

”ایسا کیوں ہوتا ہے؟“ حورین نے آہستگی سے کہا۔

”اس کی کچھ پرسل ہاتھ میں ہیں..... کچھ ناکامیاں ہیں۔“

”ناکامیاں دو تو ہر طرح ایک کامیاب انسان نظر آتے ہیں۔“ ثمرین نے چائے کا پلٹ لیتے ہوئے استہمامیہ انداز میں کہا۔
”کامیاب انسانوں کو بھی زندگی کبھی نہ کبھی ناکامی سے دوچار ضرور کرتی ہے۔ بہت زیادہ کامیاب انسان کبھی نہ کبھی ناکام

بھی ہوا کرتے ہیں۔ اپنی دیر جیسے حورین سے کچھ کام ہے مگر آپ لوگ باکمیڈ نہ کریں تو میں.....“

”نہیں..... نہیں..... یہ قائل ہے ریشل قائل.....“ کن تیلوں نے احتجاج کیا۔

”دو یا آپ کیا کہتی ہیں یہ قائل ہے؟“ وہ ڈائریکٹ ڈویا سے مخاطب ہوا۔ دو یا جو پہلے کافی گھبرائی، لچائی سی تھی اس کے اس طرح پکارنے پر ہاتھ میں پکڑا ٹشو گر گیا۔ جواب دینے کی کٹکٹ میں ہونٹی سی نظر آنے لگی تھی۔ یو لڈو یا کا یہ دھپ انہیں ہنسا گیا تھا۔

”تھینک گاڈ! دو یا کے ہاتھ میں چائے کا گگ نہیں تھا۔“

”پھر پارٹی کب دے رہے ہیں کسی شاندار ہوٹل میں؟“ ثمرین روالا سے بخشنے کو تیار نہیں تھیں۔

”آپ لیڈیز سب جانتی ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں گی کہ..... ابھی گڈ نڈ نہیں ہے ادھر اچھی خبر آئی ادھر آپ کی پارٹی اریج ہو جائے گی۔“ اس نے پھر پورا گلا ڈوپا پڑا لیتے ہوئے جتنی لہجہ میں کہا۔

”گڈ نڈ؟“ ثمرین نے اس انداز میں کہا کہ حیدر کا مسرتوں و امنگوں سے کھلا روشن چہرہ تاریک سا ہو گیا تھا۔

”کیا مطلب؟ کوئی..... کوئی پر ایلم ہے؟“ خوشیوں سے کلکھلائے دل میں ایک دم ہی دوسروں و امانیٹوں کے سانپ کھلا لے گئے تھے۔ مہوئی کے جانے کے بعد گھر میں ساتوں، دیوانوں کا راج ہو گیا تھا۔ ان میں حیدر اضا فہ یہاں کراچی میں رہائش پذیر ہونے کے بعد ہوا۔ گاؤں میں اس کی والدہ کے پاس وہاں عورتوں کی آمد و رفت صبح سے رات تک رہتی تھی جن کے مسئلے مسائل سلجھانے، باتوں دتھے کہانوں میں وقت اچھا گزر جاتا تھا۔ گاؤں کی سادہ زندگی میں ابھی بھی پرانی روایتی محبت و غلوں کی فردانی تھی۔ شہر کے لوگ ان خوب صورت نعمتوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہاں قریب رہنے والے سنگے رشتے داروں سے ملنے کا نام نہیں ہوتا لوگوں کے پاس پھر ہلا ایسے مراسم کس طرح بھائے جاسکتے ہیں۔ وقت کی الجھن میں سب الجھ چکے ہیں۔ اس کے والدین نے گھر کی اداسی دستانے کو توڑنے کا بھی حل نکالا کہ بھوکے وجود سے گھر کو دقت بخشی جائے۔ حیدر جو پہلے دن سے عزا دیا کے شوخ و شنگ حراج پر فدا ہو چکا تھا۔ چپکے چپکے کی جانے والی محبت میں وہ اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ والدہ کے سامنے اقرار کر بیٹھا اور وہ زویا سے مل چکی تھیں۔ فوراً ہی دامن پھیلانے ان کی ویلیر پر جا پہنچیں گویا اقرار نہیں ہوا تھا مگر انہیں یقین واثق تھا کہ انکار بھی نہیں ہوگا۔ یہ یقین اس کے دل کو بھی تھا اور ابھی کچھ دیر قبل زویا کا حیا آ میز انداز ان کی گفتگو یہ بھید کھول رہی تھی کہ ان کو خوشخبری ملنے والی ہے مگر.....

”آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ کیا انکار ہو گیا ہے؟“ محبت اس کشتی کی مانند ہے جو خوف، دوسروں، امید و نا امید خوش گمانی و بد گمانی کے سمندر میں کبھی اودھن کبھی ابھرتی ہے۔ اسے اپنی کشتی محبت بھی جہد و جہد ذوق ہونی محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے کوئی جواب

نہیں دیا تھا۔ کھائی کے سچیدہ سی شکل بناتی وہاں سے چلی گئیں۔ حورین اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ وہ اسے اسنو پی لے کر چلا آیا منہ کرنے کے باوجود۔

”تم..... اس قدر پریشان کیوں ہو گئے ہو؟“ وہ مقابل بیٹھے حیدر سے مخاطب ہوئی تھی۔

”پر پوزل رہ چکا کٹ کر دیا گیا ہے میرا؟“ حیدر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں کہا۔ ”کیا وہ کہیں انگیڑ ہے؟“

حورین خاموشی سے بنا کچھ کہے کر کچ آکس کریم میں جھج پھرتی رہی اس کی خاموشی نے اسے متوصل کر ڈالا تھا۔

”اگر ایسا تھا تو پہلے کیوں نہیں بتایا گیا؟“ حیدر کے لہجے میں دکھ درد کی ایسی شدید تڑپ تھی کہ حورین مزید اسے پریشان نہ کر سکی

اور مسکرا کر گویا ہوئی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے۔ نہ یا کہیں انگیڑ نہیں ہے۔“

”اوہ..... تمہیں کس کا ڈر مجھے مرنے سے بچا لیا آپ نے..... لیکن..... آپ کے ہاں سے ابھی تک جواب نہیں آیا ہے۔ میں یہ

جاننا چاہ رہا تھا آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ ہمیں مایوسی تو نہیں ہوگی.....؟“ اس کا لہجہ امید و ہم سے لبریز تھا۔

”تم..... یہی بات کرنا چاہ رہے تھے؟“

”ہاں مجھے اس معاملے میں آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آیا۔“

”ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ بہت پریشان..... بہت تنگ کرنے کے بعد تمہیں بتائیں گے کہ بی بی جان سمیت سب کی مرضی

یہی ہے۔“

”ہر..... دیش غلامک غلو“۔ وہ خوشی سے جھوم کر بولے۔

”تم نے اچھے دنوں تک ہم سے یہ سب چھپایا تھا، اس لیے ہم نے تمہیں کچھ مزا دینے کی گھائی تھی۔“

”اس حیات آمیز خوش خبری کے بعد جو مزائے منظور ہے۔“

”حیدر..... تم ذکر کر رہے تھے ناکامی کا..... انہیں..... میرا مطلب ہے..... ذوالنون..... کو کس ناکامی نے جکڑا ہوا ہے۔ اس

قدر کہ وہ تم سے بھی رابطہ توڑ بیٹھے ہیں.....“ از حد ہچکچاتے ہوئے اس نے ذوالنون کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ پچھلے تین دنوں سے وہ

یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا اور یہ بات اس کے لیے خاصی حیران کن ہونے کے علاوہ پریشان کن بھی تھی۔ اس سے قبل اسے کبھی یونیورسٹی سے غیر

حاضر نہیں دیکھا گیا تھا، مستر اس پر حیدر کے مد سے ناکامی کا سن کر وہ مضطرب تھی۔

”حورین! ذوالنون سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ دوستی کے اس طویل عرصے میں ہم ایک دوسرے کے نزدیک رہے ہیں۔

ڈکھ شکھ شہر کیے ہیں، ان میں میری ذات پوری طرح افوا اور فی اس نے اچھے انسان کی طرح بے خلوص و سچ دوست کی طرح ہر پریشانی

و آرمائش میں میرا ساتھ دیا اور آج بھی وہ ایسا ہی ہے۔ دوستوں کے پسپے کی جگہ اپنا خون بہانے والا..... بگڑا بی بی پریشانی و اپنا ڈکھ عمر دیاں

کسی سے شیر کرنے والا نہیں ہے۔“

”ڈکھ، محرومی، ناکامی، کوئی سبب تو ہوگا ان کا؟“ حورین کہہ رہی تھی اور اس کے ذہن میں وہ خوب صورت گرے آنکھیں چھانے لگی تھیں جن میں رنج و الم، محرومی و تڑپ کی گہری سرخی انہیں سب میں نمایاں کرتی تھی۔ اکثر لڑکیاں ان حزن آمیز نگاہوں پر ہی سر ہنسی تھیں۔ ”سبب..... اس کے قادر ہیں۔“ حیدر آہستگی سے گویا ہوا۔

”قادر..... کیا اس کے اسٹیپ قادر ہیں؟“ کالج کی پیالہوں میں آئس کریم مکمل چکی تھی۔ وہ ذوالنون کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ارد گرد سے بیگانہ ہو گئے تھے۔

”نہیں..... نہیں تنگے بابا ہیں اس کے..... وہ انہیں چھوڑ کر نکلیں چلے گئے ہیں..... کیوں گئے؟ کہاں گئے؟ یہ ذوالنون کو بھی نہیں معلوم..... اس کی ماما اور بھائی نے ان کی جدائی کو کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیا اور وہ نہ کر سکا۔ اسی لیے میں نے کامیابی اور ناکامی کا ذکر کیا تھا۔ دولت..... شہرت..... بخش و آرام یہ سب حاصل کرنے میں وہ کامیاب رہا ہے تو والد سے جدائی کی ناکامی نے ان تمام کامیابیوں پر اپنی ہر محبت کر دی ہے۔ وہ اپنے بابا سے بے حد محبت کرتا تھا..... بلکہ کرتا ہے.....“

”سوسائڈ..... یہ تو بہت ڈکھ کی بات ہے۔“

ذوالنون کے لیے اس کے دل میں الجھل مچاتے جذبات میں محبت کے ساتھ ہمدردی بھی بیدار ہو گئی تھی۔

”مومنو! ایسے جذبات کا شکار ہو کر گوشہ نشین ہو جاتا ہے، ایسے میں میں بھی اس کی تنہائی میں غل نہیں ہوتا۔ وہ خود ہی ناراض ہوتا ہے تو آ جاتا ہے..... لیکن اس بار وہ کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گیا ہے جو کال بھی انیٹ نہیں کر رہا ہے۔ نہ معلوم کب اس کے قادر آئیں گے اور وہ بھی زندگی کے خوب صورت معنی سے روشناس ہوگا؟“ حیدر کے لہجے میں ذوالنون کے لیے تردد تھا۔

”حورین! آپ میرے دوست کو کبھی مت چھوڑیے گا، وہ ہا ہر سے جس قدر راسخ رنگ دکھائی دیتا ہے، اندر سے اتنا ہی نرم و تنہا ہے۔ اس کی بیانی روح کو آپ کی محبت ہی سیراب کر سکے گی۔“

☆.....☆.....☆

راحیلہ بیگم نے بوے اسطراب انگیز اعزاز میں خضریٰ کی جانب دیکھا تھا جو سیل فون ہاتھ میں پکڑے نمبر پل کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر ہر یوں تاثرات پتا دے رہے تھے، دوسری جانب سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے۔

”کیا ہوا بیٹی! وہ فون نہیں اٹھا رہا؟“

”دادا! اس کا موبائل ہی آف جا رہا ہے۔“ خضریٰ سیل فون بیکل پر رکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

”دوسرے نمبر پر لڑائی کرو، اس کے پاس ایک تھوڑی ہے۔“ ان کا اعزاز اسے یاد دلانے جیسا تھا۔

”تمام پر کربلی ہوں، سب ہی آف ہیں۔“

”الٹی خیر! کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے، دیا اللہ میرے بچے کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔“ دو دل پر ہاتھ رکھ کر بے بسی سے کہیں۔

”دادا! پلیز سب ٹھیک ہے، خواب تو خواب ہوتے ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ آپ وہم کا شکار ہو رہی ہیں۔ ذوالنون ٹھیک ہیں، مثال آئی نے بھی یہی کہا ہے۔“ خضرئی کے لہجے میں خاصی اچانچیت و محبت تھی۔

”مجھے چند دنوں سے بڑے پریشان کن خواب نظر آرہے ہیں، جب سے میں مددے، خیرات بردار کر رہی ہوں، مگر دل کو سکون نہیں مل رہا، ایسا لگ رہا ہے جیسے..... جیسے کوئی انہونی ہوگی۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سہے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

”کچھ نہیں ہوگا دادا! خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ ہماری روٹین ورک کے حصے ہی روپ بدل کر خوابوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہمیں پریشان کر دیتے ہیں۔“ خضرئی نے اپنی بساط کے مطابق انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر کے باقی افراد بلا ہو گئے ہوئے تھے، شادی اٹینڈ کر لے۔ راحیلہ بیگم بہت عرصہ قبل ایسی نگاہ سے کنوارہ کٹی اختیار کر چکی تھیں۔ خضرئی اسی کے پاس رک گئی تھی۔ وہ بھی تقریبات کم ہی اٹینڈ کرتی تھی۔ معیذ اور خضر بھی نہیں گئے تھے۔ دو تین راتوں سے راحیلہ بیگم کو پریشان کن خواب نظر آرہے تھے جن میں زیادہ تر وہ ذوالنون کو دیکھ رہی تھیں اور ہر بار ان کی پریشانی و فکرات میں اضافہ ہو رہا تھا۔

”میں اس بات کو نہیں مانتی۔ خواب کا حقیقت سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ پوری بے شک نہ ہو مگر آدمی حقیقت، ایک حصہ سچائی ان خوابوں کا آنے والے وقت سے ضرور مربوط ہوتا ہے، مجھے معلوم نہیں تھا حمزہ اور مثال میں اندر ہی اندر جھگڑا چل رہی ہے مگر ان دنوں بھی مجھے ایسے ہی خواب آنے لگے تھے اور حمزہ..... مجھ سے جدا ہو گیا تھا۔۔۔ اور اب بھی ایسے ہی خواب دیکھتی ہوں۔۔۔ حمزہ کی جگہ اب ذوالنون نے لے لی ہے۔“ ان کے جملوں پر زور دہرے پر آنسو بے آواز بہنے لگے تھے۔ دیریشوں کی ٹیک کے پیچھے بصارت کھوتی جھپتی آنکھوں میں ڈکھونا رسائی کا سمندر موجزن تھا۔

”انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ مثال آئی کے ہاں چل جائیں، وہاں ملاقات ہو جائے گی ذوالنون سے آپ کی۔“

”کیسے چلی جاؤں؟ مثال سیدھے منہ بات کرے تو کچھ صدمہ بھی ہو۔ دو ہار فون کر چکی ہوں۔ میری بات سن کر کہتی ہے اُلٹے سیدھے خواب دیکھ کر میرے بچے کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا میں ایک نظر اسے دیکھنا چاہتی ہوں تو بولی کہ ابھی وہ گھر میں نہیں ہے اور فون بند کر دیا۔“

”اس دن تو وہ بہت مہربان و بدلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ آپ سے بہت عزت و احترام سے پیش آ رہی تھیں، پھر انہیں کیا ہوا؟“ خضرئی کے انداز میں تاسف و بے یقینی سی تھی۔

”ہونہودہ سب دکھا داتا تھا۔ مجھے پہلے ہی یقین نہیں آیا تھا کہ مثال اپنی نفرت سے باز آ سکتی ہے۔ وہ ملن ساری خوش اعلانی کے مظاہرے صرف بیٹوں کو دکھانے کے لیے تھے۔“ راحیلہ بیگم سخت بدظن انداز میں کہہ رہی تھیں۔

”میرا ماتھا اب ہی ٹھکا تھا وہ چال باز عورت نہ معلوم کیا کیا چال بازیاں کرتا چاہتی ہے۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں ہے۔“

”دعاں ہیں اور کوئی ماں اپنے بچوں سے فراڈ نہیں کر سکتی“۔ ان کی بے احتیاری نے مختصر کی کو گدگدا ڈالا تھا۔
 ”وہ خود پرست دہلا دھلت عورت ہے، اس سے کوئی بچہ نہیں۔“
 ”دادہ! میں کھانا لگواتی ہوں۔“

”رہنے دو، دودھ کے ساتھ سلاکس لے لوں گی، بھوک نہیں ہے۔ کونین بھی باہر جا کر بیٹھ گیا ہے۔ اسے کس طرح اپنے دل کی حالت بتاؤں کہ دیار غیر میں بیٹھا ہے وہ۔“

☆.....☆.....☆

اوائل نومبر کی راتیں بڑی بے کیف و خوشگوار ہوتی ہیں مگر اسے لگا موسم میں جون جولا کی دھواں بھر گیا ہو۔ فضا ٹھنک آلود ہو گئی ہو۔ آف وہاٹ وچک ٹائی میں وہ کسی بے قرار روح کی مانند کمرے میں پکڑا رہی تھی۔ کل ممانے اپنا حال دل اسے سنا ڈالا تھا۔ انہی کی ڈائری کا ایک ایک ورق، ہر ورق کا ایک ایک لفظ اسے سنا ڈالا تھا۔ کچھ بھی نہ چھپایا تھا۔
 مگر اسے کراچی نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔ وہ بلند تھی آنے کے لیے جدوجہد کے بعد اسے اجازت ملی تھی۔ وہ بھی مشروط اجازت اس وعدے کے ساتھ کہ وہ کراچی میں کسی کو بھی اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتائے گی کہ وہاں ان کے دشمن موجود ہیں اور اسے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ اس کے سولٹ، سویٹ فنگر کے پاپا کے کوئی دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔

جب ہی سے اس کے اندر یہ تجسس کسی سانپ کی مانند کنڈی مار کے پیٹھ گیا تھا کہ معلوم ہو، وہ کون دشمن ہیں؟ کیوں دشمن بنے ہیں؟ اس کے بے حد اصرار کے باوجود ماما پاپا نے وعدہ کیا تھا کہ وقت آنے پر وہ اسے سب بتائیں گے۔ انہوں نے اب وہ وعدہ اٹھا کر ڈالا تھا۔ چھ دنوں بعد جس گھر میں انکس شفٹ ہونا تھا، ماما نے بتایا وہ گھر وہی تھا جس میں وہ اپنا بچپن گزار چکی تھیں۔ بچپن سے جوانی تک وہاں کی گود کی بجائے تنگ دستی و غفلت کی خاردار گود میں پل کر بچی تھیں۔ انہوں کے درمیان بھی اجنبیت و غیریت محسوس کرنا کس قدر تکلیف دہ عمل ہے وہ جو چھبوں و چاہتوں کی رجم میں بھیگی آئی تھی اس کے لیے ایسا تصویر ہی سوہان روح تھا۔

اسے تازہ اپنی مانی کی نیک چلتی، راست بازی و صبر پر..... اسے فخر تھا اپنی ماں کی ثابت قدمی، استقامت و استقلال پر، اپنے پاپا سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی لیکن اب ان کی عزت و احترام اس کے دل میں کلی گنا بدھ چکا تھا جس نے حیثیت و مرتبے کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک ایسی لڑکی کو اپنا ماما جواس کی کسی طرح بھی ہم پلہ نہ تھی۔

تھا.....

لاوارث.....

بے سہارا.....

اس کو اپنے پاپا ایک فرشتے کی مانند محسوس ہو رہے تھے جو صرف اور صرف اس کی ماما کے لیے دنیا میں آئے تھے۔ اتنی محبت و اللہ ماما

کے وہ کزن بھی شاید ماکو نہیں دیتے جنہوں نے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود ما اور بانی کا خیال رکھا تھا جو ماکو پسند کرتے تھے..... ہا جے تھے مگر جلدی اظہار نہ کر پائے تھے اور اگر اظہار وہ کر بھی دیتے تو کمی کبھی ان کی محبت کو تسلیم نہیں کرتیں۔ عی نے انہیں بھائی کی طرح سمجھا تھا۔ سوچیں ہوا کے جھوکوں کی طرح یکے بعد دیگرے وارو ہو رہی تھیں۔ وہ ماں کی داستانِ حیات کے ایک ایک منظر کو گواہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کرن نے یہ داستانِ دل سے گرتے لہو سے سنائی تھی۔ وہ لہو جو قطرہ قطرہ ان کی آنکھوں سے بہتا رہا تھا۔

ان کے لہجہ کا سوز گداز.....

چہرے پر چھایا تن و دلال.....

وہ خود بھی کئی بار رو پڑی تھی۔ ان کے اٹک صاف کرتے ہوئے، اس کے لیے یا احساس ہی کس قدر تکلیف دہ تھا۔ عی کے والد نے کبھی ان کا ہاتھ نہ مارا تھا۔ اس کا احساس نہیں بٹھاتا تھا۔ کوئی خوشی نہ دی تھی۔

کیسے باپ تھے وہ.....؟

محبت سے عاری.....

ذمے داری سے بے نیاز.....

پدری شفقت سے عہد کسی پتھر کی طرح سخت و بے احساس..... سوتلی ماں اور سوتلی بہن نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا وہ ناقابلِ فراموش تھا۔ انہوں نے رشتوں کے نام پر کھٹک لگا دی تھی۔ عی کے ماضی نے اسے مغموم کر ڈالا تھا۔

کرن بیٹی کے آگے اپنا ماضی بیان کر کے کچھ ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔ دل سے کچھ بوجھ سرک سا گیا۔ وہ اس سے بڑے سکون گہری نیند سو رہی تھیں اور وہ جاگ رہی تھی۔ نہ مغموم کیوں ایک عجیب سی احساسی اس کے وجود پر چھا گئی تھی۔ سارا دن وہ اسی کیفیت میں جھل رہی تھی۔

حالانکہ آج بی بی جان نے حیدر کے والدین کی دعوت کی تھی۔ وہ آئے تھے..... ساتھ حیدر بھی تھا۔ سنائی، فرانس اور میڈوں کے نوکرے تھے۔ زویا کے لیے پھولوں، گبروں کے علاوہ گولڈ کا ہنازی سائیٹ تھا۔ منگنی کرنے سے بی بی جان نے منع کر دیا تھا کیونکہ ابھی صرف گھر کے افراد موجود تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ منگنی کریں گی تو قریب و دور کے رشتوں کو بھی دعوت دیں گی۔ وہ سامان حیدر کے والدین اپنی خوشی سے لائے تھے۔ ان کا بھی کہنا تھا منگنی دھوم دھام سے کریں گے۔ ان کے آنے کے بعد سے خاصا ہلہ گل رہا تھا۔ وہ ہر جگہ موجود ہونے کے باوجود اپنی طور پر غائب رہی تھی۔

حیدر نے کئی بار اسے فوکا تھا اور وہ کوشش کے باوجود خود کو سنبھال نہ سکی تھی پھر حیدر بھی زمین کی اس اولین خوشی کے موقع پر ہنر پر انداز میں خوش نہ ہو سکا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بے جان تھی۔ اس اہم موقع پر وہ ڈالون کی کمی کو محسوس کر رہا تھا۔ جس نے اس کے ساتھ یہاں آنے پر معذرت کر لی تھی۔

حیدر کے ہمراہ ڈالون کو تھوڑا کچھ کر حورین کو بھی دھپکا سا لگا تھا۔ دیکھ کر پیاسی لگا ہوں کو یقین تھا کہ وہ حیدر کے ساتھ ضرور آئے گا۔

مضبوط دوستی کا تقاضا بھی تھا اور..... دل کی طلب کا معاملہ بھی۔ اس کی نگاہیں اس کی دید کو بے چین تھیں تو کیا اسے دیکھنے کی چاہ نہ تھی؟ ان کے جذبے کی نظر نہیں تھی۔ پھر موقع کے باوجود وہ کیوں نہیں آیا تھا؟

ان سوالوں نے اسے حریدہ رنجیدہ کر دیا تھا اور وہ وہاں سے یہاں سے اُٹھ آئی تھی۔ دل می کی ماضی کی داستان سے پہلے ہی فکمی تھا۔ اس پر حریدہ ڈکھ کا بوجھ ڈالتوں کی بے بسی نے لا ڈالا تھا۔ حیدر کی خوشی میں شریک نہ ہو کر اس نے بہت غیر ذمہ دارانہ طبیعت کا ثبوت دیا تھا۔

”مسٹر ڈالتوں مردہ دگر تم نے صرف ایک اپنے باپ کی جدائی کو ایسی ناکامی تصور کر لیا جو تمہاری ساری زندگی پر حاوی ہو گئی ہے، اس خود ساختہ ناکامی نے تمہیں آج ایک سچے اور مخلص دوست کی خوشیوں سے بھی محروم کر دیا ہے۔ تم ایک مشکل انسان ہو۔ کبھی نہ سمجھ آئے والے..... کسی پران کی طرح..... تم اتنے مضبوط و توانا ہو کہ فقہ ایک رشتے سے محرومی برداشت نہ کر سکے اور می جو ایک کمزور عورت ہیں۔ نازک سے احساسات و جذبات رکھنے والی، انہوں نے سبک رشتوں کی کس قدر ناکامیاں و فزینیں دیکھی ہیں مگر بڑے حوصلے و عزم سے ان ناکامیوں کو زندگی پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ میں جانتی ہوں تمہارا اور می کا کوئی تعلق..... کوئی رشتہ نہیں ہے مگر پھر بھی تمہاری اور می کی کہانی میں کچھ کچھ سی یکسانیت لگتی ہے یا شاید ڈکھ..... محرومی و جدائیوں کی داستانوں میں اسی طرح کی یکسانیت و مماثلت پائی جاتی ہوگی۔ جدائی کے تجربے محرومی کے دارا اسی طرح کیے جاتے ہوں گے۔“ ڈالتوں کا خیال آتے ہی سوچوں کا دھارا اس طرف بہہ نکلا تھا۔ وہ تصور میں اس سے گلے شکوے کرتی کرتی نیند کی سمور کن وادیوں میں اتر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ڈالت کام

جنہیں ساتھ چلنے کی خواہش ہو

انہیں جھوڑا نہیں کرتے

جو ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہیں

انہیں جھکنا نہیں کرتے

جنہیں ساتھ چلنے کی تمنا ہو

انہیں موت کی دسک سنایا نہیں کرتے

جو کچھ لمبے مانگ کر لائے ہوں

انہیں ضائع نہیں کرتے

جو پہلے ہی تمہا ہوں

انہیں اور تمہا نہیں کرتے

چلو اس شام کو اصر کر لیں
اس طرح کی شامیں دوبارہ آیا نہیں کرتیں
جو وقت گزر جائے
زندگی میں دوبارہ آیا نہیں کرتے
جنہیں اس ہوتم سے
ان کی اس کی سانس توڑا نہیں کرتے
جو پہلے ہی ٹوٹے ہوں
انہیں اور توڑا نہیں کرتے

ایک ہفتہ..... پورے ساتھ دن وہ اندھیروں میں گم رہا تھا۔ رات دن سیاہ دلدل میں گم رہا تھا۔ بحرِ مردار میں گویا اس کی اپنی ذات غرق ہو کر رہ گئی تھی اور اسے اپنے اس پاس اور گردِ حیرے ہی اندھیرے نظر آ رہے تھے۔
مما کی ہڈیاں اور ہڈی ہوئی حالت.....
نالوں کی ہر وقت انتقام لینے کی ترغیب
روشنی کے تمام روز دن اس کے لیے بند کر دیئے گئے تھے۔

وہ کمر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ہر دنیٰ دنیا سے اس کا رابطہ بالکل نہ رہا تھا۔ اس نے اپنے تمام نمبر آف کر دیئے تھے۔ دنیا اور دنیا والوں سے اس کا دل اس بری طرح اچاٹ ہوا تھا کہ وہ سب سے ناراض و تالاں تھا۔ سب لوگ اسے اپنی ماں کی بربادی کے ذمے دار لگ رہے تھے۔ تمام مردوں کے چہرے اسے اس جیسے نظر آتے تھے اور عورتوں کی شکلوں میں کرن کا چہرہ نظر آتا جتنا واضح تو نہ ہوتا مگر اسے بتایا گیا تھا وہ ہو بہو اس کی جی جیسی ہے۔

”پرنس امیری جان کب تک خود کو دم میں بند رکھیں گے؟ اس طرح تو آپ بیمار ہو جائیں گے۔“ فائدہ بیکم کرے میں آ کر بڑی محبت سے اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”باہر نکلنے کا موڈ نہیں ہوتا۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

”موڈ بنانا پڑتا ہے بیٹا، آپ جامد بھی نہیں چارہ ہیں۔ کئی بار حیدر بھی فون کر چکا ہے۔ وہ آپ سے ملنے کو بے چین ہے۔“

”میرا موڈ نہیں ہے۔“ وہ سپاٹ لہجہ میں گویا ہوا۔

”پھر وہی موڈ۔“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔ ”میں سوچ رہی تھی آپ اس مردود انسان سے بدلہ لینے کی

ترکیبیں سوچ رہے ہیں مگر محسوس ہوتا ہے آپ کا ایسا کوئی بھی ارادہ نہیں ہے۔ آپ انتقام لینے کی بجائے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔“ وہ

تہوڑاں چڑھا کر اشتعال انگیز لہجے میں بولیں۔

”نانو پلیز! آپ زیادتی کر رہی ہیں۔“ اس کی فراخ پیشانی پر فلتیں اُبھر آتی تھیں۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، اگر آپ کو انتقام لینا ہوتا اس بھڑے سے تو اب تک لے چکے ہوتے۔ تمام راتیں آپ کو بتائی جا چکی ہیں، ویسے آپ کو کسی پلاننگ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ سب کچھ آپ کے سامنے ہے ہاں..... یہ اور بات ہے آپ اگر از خود لٹا دیں چرائیں۔ شاید محبت انتقام پر حاوی ہوتی جا رہی ہے۔“ فائدہ نیگم جڑ کے پتے چمکے گئے جا رہی تھیں۔ ان کا ہر لفظ اس کی محبت پر تانیا نے کی طرح لگ رہا تھا۔

”نانو..... نانو پلیز اسٹاپ اسٹ۔“

دو باتوں کو غصوں میں جکڑتا ہوا کہنے لگا۔

”خود کو اذیت مت دیں۔ تکلیف و اذیت کا حق دار وہ شخص ہے جو بڑی شان سے لوگوں میں عزت دار بننا ہے۔ کسی مظلوم کی عزت خراب کر کے اب اسے اپنے کیے کی سزا پانا چاہیے۔ بہت بیش و راحت انجوائے کی۔ اب وہ تکلیف و اذیت کا حق دار اس کا حق دار بننا چاہیے جو ہماری روحوں کا عذاب بنا ہوا ہے۔“

اس پورے نختے میں فائدہ نیگم کا یہی کام رہا تھا کہ وہ دو دفعے سے آکر اس کے ذہن کو انتقام کی بجلی میں جکڑ کاتی رہتی تھیں۔ مثال نیگم نے دوسرا حربہ اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ ہڈیانی اعزاز میں یہ ہرانی رقصیں کہ میرا ہڈی کوئی نہیں لے سکتا۔۔۔ کبھی وہ کہیں وہ اپنے بیٹے کی نظروں میں گر گئی ہیں، اپنی پامالی کے باعث و فیروزہ فیروزہ.....

”ٹیک اسٹ ایزی نانو جان۔ مجھ پر اعتبار نہیں ہے آپ کو؟ میں آپ کا بدلہ لوں گا۔ آپ کا انتقام پورا کر دوں گا۔“

وہ مضبوط ہڈ عزم لہجے میں قاطب ہوا تھا اس بار اس کے لہجے میں یقین و آنکھوں میں وحشی چمک تھی، درندگی کی جھلک تھی۔

”آپ پر اعتبار ہے مگر ان پر نہیں، ہر بار وہ چکنی چکنی کی مانند ہاتھوں سے کھسک کر کھل جاتے ہیں۔“

”اس بار ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ یقین لہجے میں گویا ہوا۔

”بڑی خوش خوش آرہی ہیں، کوئی اچھی خبر ہے کیا؟“ مثال نیگم نے سگریٹ کا گھبراہٹ لے کر کہا۔

”ہاں، سمجھو آج میں نے پھر پر ایسی ضرب لگائی ہے کہ نہ صرف اس میں دراڑ پڑی بلکہ..... وہ اپنی جگہ بھی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا

ہے۔“ فائدہ خوشی سے بے حال تھیں۔

”مما! مجھ سے صاف صاف بات کیا کریں۔“

”تم، ان چیزوں سے باہر نکل کر دیکھو تو عقل کام کرے۔“ وہ سگریٹ کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوئیں۔

”ڈریک پر تو پابندی ہے اب اس کو کنگ پر نہیں نہ کریں۔“ جواہر وہ بھی مضحکہ کر گویا ہوئی تھیں۔

”اس بھلے پرنس مگر سے باہر نہیں نکلا۔ شاہک پر شاہک لگے ہیں اس کو..... اس بچہ سے میں نے بھی احتیاط برتی اور جنہیں بھی منع کیا۔“
 ”اوفو ماما اب تو وہ مگر نہیں ہے۔“ ہونٹوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے ان کا لہجہ بڑا رکش تھا۔
 ”او کے بتم تو ہمیشہ سے اپنی اسی منوانے کی عادی ہو۔“

”آپ جاننے کے باوجود بحث کرتی ہیں۔“ مثال کے بدلے اظہارِ انداز نے فائنکے بیگم کا موڈ بری طرح آف کر دیا تھا۔ وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ مثال مزے سے کش چکش اڑاتی رہیں۔

”ماما آپ چپ کیوں ہو گئی ہیں؟“ سگریٹ فیم کر کے وہ گویا ہوئیں۔
 ”جب سننے والے دلچسپی نہ لیں تو سنانے والے کا خاموشی ہونا بہتر ہے۔“
 مثال مسکراتی ہوئی ان سے پٹ کر ہوئیں۔

”آپ ماسٹر کر گئیں ماما؟“ سوری امیر آپ کو ہرٹ کرنے کا بالکل بھی ارادہ نہ تھا، پلیر۔۔۔۔۔ آپ بتائیں پرنس کے کیا ارادے ہیں؟“
 ”بہت جلد ہماری مراد پوری ہونے والی ہے۔“

”ہمارے پاس ٹائم بھی نہیں ہے ماما کو عین کی واپسی میں زیادہ دن نہیں ہیں پھر اس اوٹلاؤ میں نے الگ دماغ خراب کر رکھا ہے۔ نہ معلوم کون کون سے خواب دیکھ رہی ہے آج کل اور پریشان ہمیں کر رہی ہے۔ کبھی ہے ذوالجون کی حفاظت کرو وہ اسے بلاؤں میں گمراہ دیکھ رہی ہیں۔“ اپنی ماس کے لیے ان کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

”اور جاؤ بھاگ کر، یہ سب پرنس پر قبضہ کرنے اور قبضہ جمانے کی سازشیں ہیں۔ پہلے کو عین کو حضریٰ کے ذریعے مٹھی میں کیا اب پرنس پر نظر ہے۔ ایسی ہی باتوں سے یہ اپنا بتاتی ہیں۔“

”اگر میں وہاں پہنچان کے ساتھ نہ جاتی تو ہم کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اور میں نے کون سا ان کو کپیٹ لفٹ دی ہے۔ پرنس کے لیے بار بار فون کر رہی ہیں، ان کے لہجے سے لگ رہا ہے، وہ آنا چاہتی ہیں مگر ہمت نہیں پڑ رہی ان کی..... میں نے بھی کہہ دیا، اُلٹے سیدھے خواب دیکھ کر میرے بچے کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہی کیا، یہ لوگ منہ لگانے کے قائل نہیں ہوتے۔“ حسبِ عادت انہوں نے اسے سرال والوں کے خلاف اُکسا دیا تھا۔
 ”آف کورس، کبھی لگایا ہے جواب لگاؤں گی، پرنس کہاں گیا ہے؟“

”حیدر کی کچی کانٹر میرے پاس آئی ہیں اس کی آٹھج منٹ ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ پارٹی دے رہا ہے، پرنس کے بغیر وہ کھانا ہے پارٹی نہیں دے گا۔ میں نے ہاس کر لیا کہ وہ پارٹی دے اور پرنس کو میں سمجھوں گی اور میرے کہنے پر وہ گیا ہے، بڑی بے دلی سے۔“
 ”جلد از جلد وہ ہمارا کام کر دے تو ہم بھی اس قید سے آزاد ہوں، کتنے دن ہو گئے ہیں مگر سے باہر نکلے کوئی پارٹی انیڈ کیے ہوئے۔ لائف ایک دم ڈل اینڈ یور ہو کر رہ گئی ہے۔“

☆----☆----☆

”لب پاتی ہے دُعا بن کے تنامیری

زندگی تیری زلفوں کی چھاؤں میں کٹ جائے خدا یا میری“

ہریرہ بڑی ترنگ میں گنگنا تا ہوا اندر داخل ہوا تھا مگر اسی لمحے دوسرے دروازے سے داخل ہوئیں بی بی جان کو دیکھ کر گھبرا کر خاموش ہو گیا۔ حورین کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”کیا کہہ رہے تھے بہن سے.....؟“ ان کا لہجہ نرم تھا۔

”بہن سے..... لا حول والا قوت..... منہ کا ڈانٹہ ہی کڑوا ہو گیا“۔ وہ منہ ہی منہ میں بدبدا کر رہ گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو، ذرا حیر لہجے میں کہو، ایک تو نہ معلوم اس نسل کو کیا عادت ہے، خود پر لٹے ہیں اور خود ہی سننے ہیں۔ ہماری سمجھ نہیں آئے۔“

”بی بی جان! میں اور مول ہریرہ کے ساتھ جا رہے ہیں گفٹ لینے“۔ حورین نے موقع دیکھ کر کہا، جبکہ ہریرہ حیران ہو کے بولا۔
”کس نے کہا، میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں؟ نہ بابائے لوگوں کے ساتھ شاپنگ پر جانے سے بھتر ہے، بعد موت کے کوئیں میں باینگ چلائے۔ خریدنی ایک پن کلب ہوتی ہے اور پورے شاپنگ سینٹر کو ایسے کھنگالا جاتا ہے جیسے کوئی نیا امریکہ دریافت کرنے کا ارادہ ہو۔“ وہ کانوں کو ہاتھ لگا تا ہوا گویا ہوا۔

”ارے اللہ نہ کرے جو دوسرا امریکہ ہماری جانوں پر نازل ہو۔۔۔ ایک امریکہ تم ہے کیا.....؟“ بی بی جان تنہی لہجے میں گویا ہوئیں۔
”سوری بی بی جان۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔“

”بی بی جان اس کو گھنٹاں، ہمیں شاپنگ سینٹر لے جائے۔“ حورین ہریرہ کی جانب سے انکار کے بعد ان سے مخاطب ہوئی۔
”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں لے جائے گا، اس نے کب منع کیا ہے۔۔۔؟“ وہ کاؤچ پر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا،
”بی بی جان اچلیز.....“

”خاموش رہو، گھر میں مرد ہوتے ہوئے لڑکیاں اکٹلی جائیں، یہ کوئی اچھی بات ہے.....؟ تمہارے علاوہ گھر میں کوئی اور شخص ہے درنہ بھیج دیجی ساتھ..... ایک تو اس گھر میں لڑکوں کو بیٹھنے کی عادت نہیں ہے۔ ان میں صرف وہی تھا جو گھر میں لگا نظر آتا تھا۔ اب تو اس کے بھی پر کھل آئے ہیں۔ بچال ہے جو کام کے وقت گھر پر ل جائیں۔“ وہ ہریرہ کو تھرتھاتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

”وہی کی شادی ہو جاتی تو اس کی کیا مجال کہیں جانے کی.....“

”اچھا..... یعنی مردوں کو گھر میں نظر آنے کے لیے بیویوں کا ہونا ضروری ہے؟“ وہ اسے گھورتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

”نہ..... نہ..... نہیں..... یہ میں نے کب کہا؟“

”مطلب تو تمہارا سیدھا اور صاف ہے، اگر وہی کی شادی ہو جاتی تو وہ بیوی کے پلو سے بندھ کر بیٹھ جاتا۔۔۔۔۔ نہ معلوم کیا ہو گیا

ہے آج کل کی فسل کو.....؟ شادی سے قبل ہی غلامی کے لیے تیار رہے ہیں، جمود کے غلام۔“

کبلی ہار ہریہ وان کے ہاتھ لگا تھا اور وہ چھوڑنے والی نہ تھیں۔

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں بی بی جان! میں ان میں سے نہیں ہوں جو بھڑی کا آٹھل پکڑ کر چلتے ہیں۔ میں اپنے اشاروں پر چلانے والا ہوں۔ بھڑی، بھڑی ہوتی ہے، ماں تھوڑی کہ جس کی خدمت کر کے جنت حاصل کرنے کی خواہش ہو۔“ اس سے جیتنا آسان نہ تھا۔

”ہوں..... کہہ تو ٹھیک رہے ہو مگر وقت آنے پر دیکھیں گے تم ان بچوں کو لے کر جاؤ۔“ ان کا انداز حکم کیے تھا۔

”آگے آؤ، میں کوئی تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔“ ہریہ حورین کو موٹل کے ساتھ بیک سیٹ پر بیٹھتے دیکھ کر بولا۔

”تو کیا ہوا، کبھی ایسا بھی سہی۔“

”نہیں، آگے بیٹھو گی تو میں ڈرائیونگ کروں گا ورنہ۔۔۔“ وہ اسٹیرنگ چھوڑ کر آرام سے بیٹھ گیا۔

”اوہ..... کبھی کبھی تم حد ہی کر دیتے ہو۔“ موٹل کے اشارہ کرنے پر وہ بڑبڑاتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تو اس نے کارا اشارت کر دی تھی۔

”یہ تم کار کس اسپیل میں چلا رہے ہو؟ سائیکل والے بھی ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔“ وہ الحد سلوڈرائیونگ کر رہا تھا۔

”جس میں کسی طرح سکون ہے بھی کہ نہیں۔۔۔؟“

”میں نے کیا کیا ہے.....؟“ حورین نے کہا۔

”لاسٹ ڈرائیونگ کروں تو کبھی ہو ٹلپن چلا رہا ہوں۔۔۔ سلوڈرائیونگ کروں تو سائیکل سے بھی کم کہتی ہوں پہلے فیصلہ کرو تم

چاہتی کیا ہو؟“

”ہلیر ہریہ ہما! آپ حورین سے بھر کبھی بحث کر لیجئے گا۔ پہلے ہمیں شاہنگ کرنا دیں۔ بدتر ہو رہی ہے۔“ انہیں چمچہ جھاڑتے

دیکھ کر موٹل نے مداخلت ضروری سمجھی۔

”اچھا..... چھوٹی کے بھی نہ لکے، تمہارے منہ میں بھی زبان آگئی اور مجھے زبان ورازا لڑکیاں ابھی نہیں گنتی ہیں۔“ وہ بیک سر

سے موٹل کو گھور کر بولا۔ موٹل شرمندہ ہو گئی۔

”ہونہہ یوں کہو کہیں اپنی تعریف کے علاوہ اچھا کیا لگتا ہے؟“

”تم نے کبھی میری تعریف کی ہے؟“

”اس قابل ہوتو کروں۔“

”کرو گی کبھی نہ کبھی ضرور مجھے یقین ہے ہمارے یقین پر دنیا قائم ہے۔“

”یہاں خوش فہم لوگوں کی کمی کہاں ہے۔“ اسی طرح کی بحث کرتے وہ شاہنگ سینٹر پہنچے تھے۔

”اترے سے پہلے حلف دے کر جاؤ کہ صرف گلف خریدو گی، گلف کے سوا کچھ نہیں“ اس نے کارروکتے ہی کسی وکیل کی طرح کہا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”رنگی ہم صرف گفٹس خریدیں گے اور کچھ نہیں۔“ حورین غصے سے اسے گھورنے لگی تھی۔ مول مسکراتے ہوئے بولی۔
 ”کیسے گفٹس بچکائے بنا گھورے جارہی ہو، بہت ونڈم لگ رہا ہوں۔“
 وہ کوئی جواب دیے بنا اتر گئی تھی۔

مول نے رسٹ واقعہ کی تھی۔ حورین نے پرفیو مزا اور پھڑکی بکس کی تھیں۔ حیدر کو گفٹس کرنے کے لیے وہ تمام چیزیں بیک میں رکھ رہی تھی۔

معا سے مخصوص سی جانی بیچنی خوشبو کا احساس ہوا۔ دل ایک خاص انداز میں دھڑک اٹھا تھا۔

اس نے بے ساختہ لٹاپیں اٹھائی تھیں۔ دل کی صداقت رنگ لائی تھی۔۔۔۔۔ وہ سامنے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ شاپ بھر کوئی گھٹ پک کر رہا تھا۔ حورین کی طرف اس کی پشت تھی مگر پھر بھی اس کی شناخت ہو رہی تھی۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔ احساسات میں خوشگوار بیت بیکمل سی گئی تھی۔

”دل سے دل کو روا ہوتی ہے“ کے مصداق اس جانب بھی دل نے دل کی جھک بچان کی تھی۔ جب ہی وہ گفٹس کا شاپرے کر پلٹا تھا۔ لٹاپوں کا تصادم ہوا تھا۔

لیکن ایک طرف مسرت دلوں کے رنگ جھللا رہے تھے تو دوسری طرف برٹلی سردہری دو سنگتی ہوئی بگا لگی تھی۔ اس نے ایک لمبا سے دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے وہاں سے اس طرح گزر گیا جیسے ایک انجان دے فخر انسان گزر جاتا ہے۔ اس کے لیوں پر جھلی جان دار مسکراہٹ نے ایک دم ہی دم توڑ دیا۔ ذوالنون کا اس طرح اجنبی بن کر گزر جانا اسے ششدر کر گیا تھا۔ سرد موسم کے باوجود اس کے اس ٹوچن آ میرو پیسے سے وہ پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔

اس نے کن اکھوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی مول کی طرف دیکھا۔ حورین کے ساتھ گاؤں پر تھی اور اسے اس کو اس جانب متوجہ نہ دیکھ کر کچھ ڈھارس ہوئی کہ اس رنگ دل کے بیگانگی بھرے رویے سے وہ اس کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ گئی تھی۔
 ”لوئے یہ تمہیں کیا ہوا؟“ مول قریب آ کر حیرانگی سے بولی۔

”ایسے موسم میں پسینہ۔۔۔۔۔؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔۔۔۔۔“ مول گفٹس پیک کر دیا کہ اس کے پاس آئی۔ اس پر ٹاکہ پڑتے ہی اس نے حیرانگی سے دریافت کیا تھا۔

”ارے بھئی۔۔۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔“ اس نے جبراً مسکراتے ہوئے خود کو شاش بٹاش کا ہر کیا۔

”سچ کہہ رہی ہو؟“ ہریرہ نے قریب آ کر سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں، چلو دیو رہی ہے۔“ اس نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

”ایک دو دور تھا جب انہیں بیٹیوں کے پیدا ہوتے ہی ان کے جھڑجھڑ کرنا شروع کر دیا کرتی تھیں اور جب تک لڑکیاں شادی کی عمروں کو پہنچتی، تب تک جھڑجھڑ بھی مکمل ہو چکا ہوتا تھا۔ ایک دور یہ ہے کہ ایک ہفتہ قبل کوئی برتن لاکر رکھو تو معلوم ہوتا ہے، اگلے پچھلے اس سے خوب صورت و بہترین برتن آئے ہیں۔ ان کے آگے مکھل ایک ہفتہ پہلے کی چیز پرانی ہو جاتی ہے۔ بندہ کیا خرید کر رکھے اب تو ہر سامان ہی وقت پر خریدو۔“

زویا کی بات سنی ہوئے کے بعد سے بی بی جان کو عام بزرگ خواتین کی طرح اس سمیت لڑکیوں کی ٹکڑے لگائی گئی تھی۔ اس وقت بھی سمیرا حمیرا غازیہ اور کرن کے درمیان بیٹیوں کی اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔

”آپ درست کہتی ہیں بی بی جان! اب تو ہر کام ہاتھوں ہاتھ ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود بھی سسرالیوں کو اعتراضات کے مواقع مل جاتے ہیں، نہ معلوم کیوں ان دوستوں میں داخل کرنا ان اپنا مزاج و خوش اخلاقی فراموش کر بیٹھتا ہے؟“

”سمیرا! تمام لوگ نہ توڑے ہوتے ہیں اور نہ اچھے۔ بڑے اچھے لوگوں سے دنیا بھری ہوئی ہے مگر مجھے امید ہے زویا کے سسرال والے اچھے لوگ ہیں۔ شیخ داری واعلیٰ حسب و نسب ان کے ہر انداز سے ظاہر ہوتا ہے۔ انشاء اللہ دویا بڑی خوش رہے گی، بڑے قدر دان لوگ ملے ہیں اس کو۔“ ان کے لہجے سے طمانیت ظاہر تھی۔

”آپ کی فہم و فراست پر ہمیں تازہ ہے بی بی جان۔ ہماری دعا ہے ان بچیوں کے نصیب بھی آپ کی طرح ہوں۔“ حمیرا پر عقیدت لہجے میں گویا ہوئی۔

ان کی بات پر بی بی جان کے چہرے پر سایہ سالہرا گیا۔

”کیوں بددعا نہیں دیتی ہو بچیوں کو؟ رب العالمین میرے سائے سے بھی ان بچوں کو محفوظ رکھے۔“ ان کی دکھ و کرب سے جو محفل آواز میں کچکپاہٹ کی تھی۔

”ایسے کیوں کہہ رہی ہیں بی بی جان! آپ تو ہم سب کا آئینہ ہیں۔ جتنی عقل و شعور و اشنندی، محبت، عزت، جاہت آپ کو ملی ہے انہی بچوں کو ملے۔“

”وقت انسان کو ہر ہنر، ہر چلنی سے بہرہ مند کر دیتا ہے اور عبت، عزت و خلوص مجھے تم لوگوں نے دیا۔ یہ تم لوگوں کی خدا ترسی و بڑا پن ہے جو مجھ جیسی اجڑ کر آنے والی بد نصیب کو اتنی عزت دو تا دیا کہ باہر والے بھی میری عزت کرنے لگے۔“

حکیمہ انداز میں بات کرنے والی بی بی جان کے لہجے میں اس وقت چاشنی بھری اکھساری و مروت پنہاں تھی۔

”بی بی جان! خود کی عزت اور خود سے نفرت ہمارے اخلاق و افعال پر منحصر ہوتا ہے۔ آپ میں دو تمام خوبیاں ہیں جو آپ کو سب میں منفرد و ہر دلعزیز بنائے ہوئے ہیں۔“ کرن نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”باہر والے بھی آپ کی عزت تب ہی کرتے ہیں جب گھر والے کریں ورنہ میں نے بڑے بڑے لوگوں کو اس عمر میں خوار ہوتے

دیکھا ہے۔ یہ ان لوگوں کی محبت ہی کا اعزاز ہے جو میں اپنوں اور غیروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہوں، ورنہ گھر سے رخصت ہونے والی بیٹیاں اجڑ کر گھر پر آ جائیں تو ماں اور باپ کے علاوہ سب انہیں ناقابل برداشت بوجھ دیکھتے ہیں جب اپنے ہی گھر میں جبکہ تنگ ہو جائے تو پھر کھنک بابر بھی جگہ نہیں ملتی۔“

بی بی جان جو شادی کے چھ ماہ بعد ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ ایک حادثے میں ان کے شریک حیات کی ڈیوڑھی ہو گئی تھی۔ ان کے والدین انہیں گھر لے آئے تھے۔ انہوں نے بہت چاہا کہ وہ دوسری شادی کر کے پھر سے گھر گزرتی بنائیں لیکن وہ کسی طور راضی نہیں ہوئیں۔ انہوں نے کہا کہ اس گھر سے اب سر کر نکلیں گی۔ زندگی انہوں نے بھائی، بھابھوں اور ان کے بچوں میں ہی گزار دی تھی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بھابھیاں دوڑوں نیک وقدر کر کے والی تھیں اور بھائیوں نے بھی ان سے روپیہ نہیں بدلا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ عزت و احترام کرتے تھے۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بی بی جان! جو خیمہ انہوں سے ملے ہیں وہ کبھی منہ مل نہیں ہوتے۔ گزرا وقت ان پر کھڑے ڈال دیتا ہے جو کسی نوکیلی یاد سے پھر نئے لگتا ہے۔ اگر اپنوں میں اپنائیت رہے تو ہمارے معاشرے میں پھیلے آدھے دکھوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔“

کرن کے لہجے میں ماضی کے دکھوں کی نفی تھی جو اکثر ان کے دل کے ایک حصہ پر سو جو رہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

میں کہ پُر شور سمندر میرے پاؤں میں
لب کے ڈوبا ہوں تو سوکھے ہوئے دریاؤں میں
بے قراری کا یہ عالم ہے کہ اب یاد نہیں
تُو بھی شامل تھا کبھی میری تمناؤں میں

”وہ آئے محفل میں ہماری، کبھی ہم ان کو کبھی محفل کو دیکھتے ہیں۔“

بلیک تھری ٹیس سوٹ میں وہ اپنے مخصوص سجیدہ اور دلآویز انداز میں وہاں داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے غور و جست کیا تھا جب کہ حیدر تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

”بہت بہت مبارک ہو۔“ وہ ہاتھ میں پکڑا گتھ اسے پکڑتا ہوا گویا ہوا۔ حیدر پوری شدت سے اس سے لپٹا تھا۔

”یہ کیا حال بنا رکھا ہے یار..... ہوا کیا ہے.....؟“ حیدر نے اس کے چہرے پر پھیلی ذہنی الوایت و بے اطمینانی پوری طرح محسوس کی تھی۔

”مجھے کیا ہوگا؟ آٹم فٹ اینڈ فائن۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کس سے جھوٹ بول رہے ہو؟ اس سے جو تمہارا مزاج شناس ہے.....؟“

”ابھی صرف رشتے کی ابتدا ہوئی ہے اور تم میں خواتین کی حادثات آگئی ہیں۔ یقین نہ کرنے والی..... شک کرنے والی۔“

ذوالنون کو معلوم تھا حیدر کی زیرک نگاہوں سے وہ بمشکل خود کو چھپا پائے گا۔ حیدر ان دوستوں میں سے تھا جو دوستی کا اصل مفہوم جانتے ہیں۔ دوستی ایسے دوستوں پر فخر کرتی ہے۔ وہ بھی حیدر کو دل دہان سے چاہتا تھا۔ اس کی ہر مشکل میں وہ آگے آگے رہا تھا مگر..... اب اس پر جو مشکل پڑی تھی..... ایسی کرناک تھی جو چھپانا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا تو وہ اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھتا مگر کسی دوسرے فریق سے شیراز کرنے کی تو بات ہی ناممکن تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنا طیلہ درست کر کے آیا تھا۔ ایک ہفتہ بعد شیو بھی اس نے آج ہی کی غمی مگر اتنی کوششوں کے باوجود بھی وہ حیدر کی حساس طبیعت سے نہ بچ سکا تھا۔

”تم باتوں سے مجھے بہلا نا چاہو وہ الگ بات ہے لیکن اس بات پر میں مانگ نہیں کروں گا کہ دوستی کا پہلا اصول یہی ہے۔“ حیدر نے رنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔ ذوالنون پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ بھی ایک خوب صورت و حساس دل کا مالک تھا۔ حیدر کی جذباتی کیفیت وہ سمجھ گیا تھا مگر..... خود پر گزری قیامت وہ کس طرح بتاتا.....؟

”بھئی اب آپ لوگ یہ راز دینا چھوڑ دیں کہ ان کے ساتھ اصل راز دینا کرنے والی مخصوص ہو چکی ہیں۔“ ان کے درمیان پہلی حمیرہ خاموشی کو طویل ہونے سے اسد کی آنکھ نے پھلپھلایا جو حیدر کا کزن تھا اور ان کی دوستی سے واقف بھی۔

”وہ راز دینا ان کو ہی مبارک ہوں۔ ہماری دوستی میں ان کی ذات کا کوئی نہیں بن سکتی۔“ ذوالنون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”جی ہاں..... آپ کا یہ دعویٰ اس وقت سنا میں گے جب آپ کو یہ صاحب اپنی نصف بہتر کی دلتوں کی اسیری میں پڑ کر پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔“

اس کے کلاس فیلو رضوان کے کہنے پر زوردار قہقہہ گونجا تھا۔

حیدر نے اپنے گھر کے ہال میں پارٹی دی تھی جہاں اس نے کچھ دوست، کلاس فیلو کو اس نے انواہٹ کیا تھا۔ ہال بہت خوب صورت طریقے سے ڈیکورڈ تھا۔ ہارڈی ویلز ڈکولڈ ڈرگس سب کو سرور کر رہے تھے۔ ماحول میں امپورٹڈ خوشبوؤں کے ساتھ مہمانوں کی سرگوشیاں بھی گونج رہی تھیں۔ حیدر کے والدین نے سب مہمانوں کا استقبال کیا مگر کچھ دیر بعد جبہ کر دو اس خیال سے چلے گئے تھے کہ وہ لوگ اپنی مرضی سے پارٹی سلیمینٹ کر سکیں۔ ان کے جاتے ہی میز پر آن کر دیا گیا تھا اور دوستوں کے بلند قہقہے گونجنے لگے تھے۔

”حدین اکھا ہوا ہے تم ہانکل خاموش کیوں بیٹھی ہو؟“

حیدر اور اس کے والدین کے اصرار پر بی بی جان نے زویا کے علاوہ تمام لڑکیوں کو بھیجا تھا۔ لڑکے اپنی فحش مصروفیات کے باعث نہ آ سکے تھے۔ وہ سب لڑکیاں اب ایک ٹیبل کے گرد جمع تھیں۔

”تم لوگ بول رہی ہو، میں سن رہی ہوں۔“ ویلا کے استفسار پر اسے اپنا موڈ ٹھیک کرنا پڑا تھا اور نہ حقیقت یہ تھی اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے اٹھ کر چلی جائے اور کسی تباہ کوشے میں اس قدر روئے کہ دل میں کتنے دانی آگ جو کہ ذوالنون کی بے رحمی و بے گامگی نے لگائی تھی آنسوؤں کے ذریعے بہہ لگے شاپک سینئر میں جو اس نے اسے خطرہ ادا کیا تھا جب بھی وہ جذباتی طور پر بری طرح مجروح ہو کر رہ جاتی

تھی مگر بھرے سوچ کر خود کو تسلی دیتی رہی کہ وہ اس کی نگاہوں کا وہم ہو۔ ذوالنون نے اسے دیکھا ہی نہ ہوا ردول برابر اس کی بات کی نفی کرتا رہا تھا۔ بہت کھٹکھٹ میں وہ تیار ہوتی تھی۔ دعائی کلر کے سوٹ میں بالوں کو کلپ کیا تھا۔ دعائی سوٹ پر میرون فینسی کام تھا۔ اس کی میچنگ کی اسٹون کی جیولری پہنی تھی۔ ان کے اصرار کے باوجود اس نے لپ اسٹک تک نہ لگائی تھی۔ اس سے قبل سرائیاب کی پارٹی میں وہ دل و جان سے تیار ہو کر گئی تھی اور اس کا روپ تازہ کھلے گلاب جیسا تھا۔ اب وہ موسم سرما کی حسین مگر اس شام جیسی لگ رہی تھی جس حقیقت کی نفی اس کا دل کرتا آیا تھا اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ ذوالنون کو وہ دیکھ رہی تھی۔ ہنستا مسکراتا، سب سے ہلکے سلیک کرتا وہ موجود تھا۔ اسے مکمل طور پر انکور کیے گویا اس کی طرف نگاہ کی تو پتھر کا بنا جائے گا۔

”تم دن بدن بہت بدلتی جا رہی ہو۔ جب تم یہاں آئی تھیں کس قدر زندگی سے بھرپور تھیں۔ بات ہے بات ہنستا، شریں لگانا، بروہ بھائی سے لڑنا جھگڑنا..... تمہارے ساتھ وہ کر دہم کی انجوائے کرنا ہم نے سیکھی ہے۔ اب ایسا لگتا ہے نہیں سکھا کر تم بھول گئی ہو۔“

ماہور گویا اس کی ایک ایک کیفیت نوٹ کرتی رہی تھی۔

”میں اب بھی ویسی ہوں البتہ بخش لگتا میں نے اس لیے چھوڑ دی ہیں کہ ماما کو یہ پسند نہیں ہیں۔“

”تم لوگ دیا کو بھی لے آئے تو کتنا مزہ آتا۔ اسی کی پارٹی ہے اور وہ غریب ہی محروم کر دی گئی۔“ شریں نے لب کشائی کی۔

”ہمارا تو ارادہ تھا مگر بی بی جان نے اجازت نہیں دی۔“

”اچھی بات ہے مول ایڈرگ جمع کتے ہیں اس میں ہر پہلو ہماری بہتری ورنہ مائی کا ہوتا ہے۔“

”ممانے مجھے کتنا مع کیا تھا کراچی آنے سے۔ اگر میں تب ہی ان کی بات مان لیتی تو آج یوں درد دل لے کر نہ بیٹھی ہوتی۔“

مول سے بات کرنے کے بعد وہ خود سے مخاطب ہوئی تھی۔

اسی وقت حیدر کے ہمراہ ذوالنون کو اس طرف آنے دیکھ کر غم و غصے سے اس کے اعصاب تن سے گئے تھے۔ چہرے پر گہری سہید کی چھائی پٹی تھی۔ وہ نگاہیں جھکا کر بیٹھ گئی۔

”ذوالنون بھائی آپ ایسی پارٹی کب دے رہے ہیں؟“

ردائے اسے دیکھ کر شرفی سے کہا۔

”ایسی پارٹی یہ تب ہی ادریں گے جب انہیں کوئی لڑکی پسند آئے گی۔“

شریں کیوں خاموش رہتی خورابول ابھی۔

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے اب ان ہی کا ہنر ہے۔ بہت جلد آپ لوگوں کو اس سے بھی اچھی پارٹی ملے گی۔“

حیدر نے سر جھکائے بیٹھی حیدر کی جانب اپنی نگاہ ڈالنے ہوئے کہا۔

”ہرے؟ کون ہے وہ بکلی گرل؟“

وہ دونوں ہی استعجاباً انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ حورین کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا تھا۔ اسے ڈر تھا حیدر جذبات میں اس کا نام نہ لے بیٹھے۔ ان سے جان چھڑانا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ ولاء، فخر، ماہ نور کی موجودگی میں یہ سب نامناسب تھا۔

”کئی کرل کا نام بعد میں بتایا جائے گا۔“

حیدر کے کہنے پر اس کی جان میں جان آئی۔ حیدر وہاں کھڑا ان سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ اس دوران ڈوالوں ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اپنے مخصوص لاہرواہ بے نیازانہ انداز کھڑا رہا تھا۔

پارٹی کے اختتام پر جب وہ اسٹریپ کھنڈ جانے کے باعث ان لوگوں سے پیچھے رہ گئی تھی تب ڈوالوں چلا آیا تھا۔

”ہیلو۔“ وہ سینڈل کا اسٹریپ باندھ کر کھڑی ہوئی تو دہ قریب آ کر گویا ہوا تھا۔ گرے آنکھوں میں بڑی بڑی اسراریت تھی۔

”میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کل کسی بھی وقت میں منتظر ہوں گا۔“



”یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ آپ بلائیں مگر اور میں آجاؤں گی؟“ حورین نے غصے سے بھرے انداز میں اس سے کہا۔

”یہ میری سوچ نہیں۔۔۔۔۔ یقین ہے، میرے جذبات کی صداقت ہے جو بے شک وطل بہتی ہے کہ تم آؤ گی۔۔۔۔۔ ضرور آؤ گی۔“ اس کا طرز خطاب آج عجیب انداز لیے ہوئے تھا۔ حورین کو اس کے قرب سے الجھن سی ہونے لگی تھی۔

”یہ معلوم آپ کن جذبات کی صداقت کی بات کر رہے ہیں؟ مجھے ان جذبات کی صداقت پر یقین نہیں رہا ہے جو انہوں میں کسی کو آکاش کی بلندیوں پر چڑھا دیتے ہیں تو کبھی آپ ان واحد میں زمین پر پیچک دیتے ہیں۔ خوش فہمیاں صرف دھوکا دیتی ہیں یقین نہیں۔“

”اوہ تو آپ خامی ناراض دکھائی دے رہی ہیں، کیا غلط ہوگئی بندے سے بتائیں تو ذرا؟“

وہ اسے کبھی آپ اور کبھی تم سے مخاطب کر رہا تھا۔ مستزاد اس کا انداز بھی بدلا بدلنا لگ رہا تھا جو اس کی ذہنی پراگندگی و انتشار کی نشاندہی کر رہا تھا۔

”غلط آپ نہیں، میں ہوں جو آپ پر اعتبار کر رہی تھی۔“

”اعتبار۔۔۔۔۔؟ میں نے کیا غلط کیا ہے؟“ اسے لگا وہ سب جان گئی ہو۔ دل کے چور نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

”دیکھیں لوگ مجھے کبھی پسند نہیں رہے، ڈوالوں صاحب! میں انسان ہوں کوئی ڈی نہیں، جس پر آپ اپنا مرضی کے تجربے کریں کہ دل چاہا تو بات کر لی اور نہ چاہا تو قریب سے بھی اس طرح گزر گئے جیسے کوئی شاسائی ہی نہیں ہے۔“

”کبھی پھر کبھی پھول والی دوہری پر ستائی رکھنے والے شخص کو معاف کرنے والی نہ تھی۔ خوب کھری کھری ستا رہی تھی۔“

”آتم سواری، میں نے ایسا از خود کیا تھا اور اس لیے کہ آپ کی کزنز موجود تھیں۔ ان کے خیال سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔“ وہ بڑے بے نیامہ انداز میں وضاحتیں دے رہا تھا۔

”میں کل ویٹ کروں گا، حرید بائیں دیں ہوں گی۔“

”ڈوائون موٹل کو اس طرف آنے دیکھ کر اسے کل آنے کی تاکید کرتا ہوا واپس مڑ گیا۔“

☆.....☆.....☆

کرن محسوس کر رہی تھیں۔ کل سے بی بی جان بہت خاموش خاموش اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں۔ شاید ماضی کی یادوں نے انہیں اپنی گرفت میں جکڑ سالا لیا تھا۔ رات میں کھانا بھی انہوں نے برائے نام کھایا تھا۔ صبح ناخستہ اور دوپہر کے کھانے پر بھی وہ چند لمحے لے سکیں جہاں لاکھ گھر کا کوئی بھی خروان کو نوٹ نہ کر سکا تھا۔ اس وجہ سے وہ ٹیکل پر خاموشی متحرک رہتی تھیں۔ کبھی کسی کو ڈش دے رہی ہیں تو کبھی کسی کی پلیٹ میں کچھ ڈال رہی ہیں یا کسی کو ڈپٹ کر ڈانٹنے کے نقصانات پر لچکھڑوے کر ڈانٹنے سے کھانے پر مجبور کر رہی ہیں۔ اس دوران کوئی یہ محسوس نہیں کر سکا تھا۔

کرن نے دروازہ ناک کیا، اجازت ملنے پر اندر چلی آئیں۔

”کرن! آؤ۔۔۔ آؤ بھی! تمہیں اجازت لے کر اندر آنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟“ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”میں نے سوچا آپ کچھ کام نہ کر رہی ہوں۔“ وہ قریب رکھی جیسے پریشانی سے بچتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”ارے میں کیا کام کروں گی۔۔۔؟ آرام ہی کرتی ہوں۔“

”بی بی جان! آٹم سو سو ری، کل آپ میری وجہ سے ڈکھی ہوئیں، دراصل مجھے معلوم نہ تھا آپ سے ہونے والی ٹریجڈی کا منہ معلوم ایسا کیوں ہو جاتا ہے، بعض اوقات کسی کے ساتھ قریب ہو کر بھی دم بہت دور ہوتے ہیں۔“ کرن کے لہجے میں عزامت و شرمندگی تھی۔

”معافی کی بات کر کے غیریت کا احساس مت دلاؤ، تم نے کچھ ایسا نہیں کیا جو مجھے ڈکھ دے۔“ بیوگی میرے نصیب میں لکھی ہوئی تھی۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے پھر جس وقت یہ حادثہ ہوا اس وقت کو طویل عرصہ گزر گیا ہے۔ لوگ بھول بھی گئے ہیں کہ میں کبھی اس وائیز سے رخصت بھی ہوئی تھی۔“

”آپ بھولی ہیں اس کو؟“ کرن نے ان کے چہرے کی طرف دیکھے ہوئے کہا، جہاں جدائی کی تحریر ابھی بھی اسی طرح رقم تھی، گویا ابھی ابھی وہ کرب ناک گھڑی گزری ہو۔

”ارے چھوڑ دیا تمہیں لے کر بیٹھ گئیں۔۔۔ کوئی اچھی بات کرو۔“ مسکرانے کے باوجود ان کے لہجے کی پائیدار جھنجھکی نہ رہ سکی۔

”بی بی جان! آج آپ اپنے دل کی بات کریں، خود پر چڑھے خول کو توڑ دیں۔ اپنے آپ کو بھی اہمیت دیں۔“

”اب یہ ممکن نہیں رہا کرن! یہ خول، یہ صدارت میرے ساتھ قبر تک جائے گا۔ یہ میری ذات کا حصہ بن چکا ہے۔“ ان کی دھیمی آواز میں ایک آرزو جھلک رہی تھی۔

”اس طرح زندگی نہیں گزرتی بلکہ اپنی جان۔“

”تین تہائی تو گزر رہی تھی، ایک تہائی رہ گئی ہے، وہ بھی اسی طرح گزر رہی جائے گی پھر میں تمہا کہاں رہتی ہوں..... واضح ہمیشہ میری یادوں میں زندہ رہے ہیں۔ میری تہائیاں ان کے تصور سے آباد رہتی ہیں۔ وہ نگاہوں سے اوچھل ضرور ہوئے ہیں۔ دل سے استغنیٰ قریب ہیں جتنے شادی کے پہلے چودا رہے تھے۔“

بے حد رعب و دہد بے دالی بلکہ اپنی جان کا یہ ٹکڑا ٹکڑا کر رکھا اور پھر ان کی ظاہری شخصیت سے بے حد مختلف تھا۔ خود کو سنبھالنے کی سعی میں ناکام ہو کر کرن کے سامنے اپنا آپ عیاں کر بیٹھی تھیں کہ عورت ظاہری طور پر خود پر کتنے ہی سر دھری وہ بے احتیاجی کے غول چڑھائے مگر اندر سے وہ کتنی گیلی بنی کی طرح نرم ہوتی ہے۔ موسم کی طرح ملائم رہتی ہے۔ ذرا محبت و اپنائیت کی آنچ لگی اور وہ پھٹتا شروع ہو جاتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ مگر کے تمام لوگ ان کے رعب و کمرے حراج کے باعث خاصے قاصدے پر رہتے تھے۔ دونوں بھاؤ جون و بہن فار یہ کو بھی انہوں نے حد ادب میں رکھا تھا۔ بیٹوں ان سے عمروں میں بھی چھوٹی تھیں، اس لیے انہیں حوصلہ بھی نہیں ہوا۔

کرن فار یہ کی ہی ہم عمر تھی مگر یہاں آ کر اس کا وقت زیادہ تر ان کے ساتھ گزرا تھا اور ان کے درمیان دوستانہ بے تکلفی پیدا ہو گئی تھی، ای دوتی نے انہیں حوصلہ فراہم کیا تھا۔

”چودا میں ایسی محبت جو آپ کی پوری زندگی پر اس طرح سے حاوی ہوئی کہ آپ نے عمر اسی میں وقف کر دی۔“

”ہاں کرن اود چودا ہماری زندگی کا حاصل ہیں..... ان چودا میں، میں نے زندگی گزار لی تھی اور جب سے اب تک زندگی مجھے گزار رہی ہے۔“ مہری سانس لیتے ہوئے ان کے چہرے پر بھید کی تھی۔

”چودا میں اتنی محبت قابلِ رشک ہے۔“

”محبت کا چلن بھی عجیب ہے کرن ابھی انسان اس کو پالنے کی چاہ میں زندگی گزار دیتا ہے اور یہ حاصل نہیں ہوتی اور کبھی ایک لمحے میں سمٹ کر حاصلِ زیست بن جاتی ہے۔“

”جیسے میرا بچپن اس کی جستجو میں گزرا تھا۔ ای تازیت ہی اس سراب کے پیچھے دوڑتی رہی تھیں اور انہیں چاہت تو کیا محبت کے نام کی بھیک تک نصیب نہ ہوئی تھی۔ از دواجی زندگی کا خشن ہی بچی محبت ہے۔“

”تم بھی بہت خوش نصیب ہو کرن! انس دل کی گہرائیوں سے تمہیں چاہتے ہیں، تم ان کی محبت کی قدر کرو۔“

☆.....☆.....☆

محبت سوز ہے

محبت ساز ہے

محبت وصل ہے

محبت فراق ہے

محبت وہ آگ ہے جس میں تپ کر سو گندن بن جاتا ہے۔ دیرانوں میں بہا رہا جاتی ہے۔

صبراؤں میں پھول کھل اٹھتے ہیں اور ہر سو پھولاری مہک اٹھتی ہے، اس کے دل میں بھی ذوالنون کی محبت نگاہ کی طرح ہر سو مہکی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے قصور میں گم تھی۔ کل اور آج میں کتنا فرق تھا اس کے..... کل جس شخص کی پرچمائیں سے بھی وہ بغض رکھتی تھی، آج اسی کے قصور سے اس کے دل و رات روشن تھے۔

”کس کے خیالوں میں گم ہو؟“ مول قریب طلعتی ہوئی بولی۔

”کس کے خیالوں میں گم ہو سکتی ہوں؟“ خواہا مسکرا کر بولی۔

”ہوں..... ایک ہی بندہ ہے، کل حیدر کے ہاں سے وہ ایسی پردہ کیا کہہ رہے تھے؟“

”وہ..... مجھ سے ملنا چاہتا ہے، بہت اصرار کر رہا تھا۔“ حارین نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ وہ اب تم؟“ مول نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

”ایڈیٹ، دیکھو اس مت کرو۔“ اس نے منکار سید کیا۔

”یکساں نہیں، بچ کہہ رہی ہوں۔“

”میں نہیں جا رہی ہوں، واٹر اسٹینڈ“۔ وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”واٹ؟ آر پوسٹر لیں.....؟“

”ہاں، میں نہیں جاؤں گی، میں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔“

”کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ میں تو مذاق کر رہی تھی، انہوں نے ہلایا ہے تو چلی جاؤ۔“ مول نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”میں اچھا نہیں کر رہی، میرا دل نہیں مان رہا، مجھ میں ماسے کیا کھوں گی؟ انہیں یہ سب معطوم نہیں ہے اور وہ اس بات کی

اجازت دیں گی بھی نہیں۔“

اس کے دھمکے لہجے میں اضطراب و اضطراب پنہاں تھا۔ وہ دل و دماغ کی کشمکش میں جٹا تھی جہاں اس میں ایک شدید جنگ چھڑی

ہوئی تھی۔ دل کہتا تھا پیار کی راہ پر آنکھیں بند کر کے دوڑتی چلی جا۔ پہلی دفعہ اس نے دعوت دی ہے شاید محبت کے اظہار کے لیے وہ بہت سنبھل

ہو، کیونکہ ابھی تک اقرار صرف آنکھیں کرتی آئی ہیں، لب و لہجہ کے خاموش رہے ہیں۔

دل صدا لگا رہا تھا مت جا دیا، جیسی راستے ہیں ان پر بھٹکتا آسان ہوتا ہے، پھر وہ اپنے موڑ سے چلنے والا شخص اس قابل ہے کہ

اس کی محبت پر بھروسہ کیا جائے؟ اس کی چاہت پر یقین رکھا جائے؟

”تم آنٹی کو مت بتاؤ۔“ مول نے مشورہ دیا۔

”یہ کس طرح ممکن ہے؟ میں..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ وہ دانتوں میں ہونٹ دباتے ہوئے کہا تھی۔

”بعد میں بتا دیا ہمارا میرا تو خیال ہے تمہیں ذوالنون بھائی سے ملنے کے لیے جانا چاہیے۔ وہ ایسے ویسے شخص نہیں ہیں۔ ان کا کردار، ان کا اخلاق روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ تم ان سے بلا خوف و خطر مل سکتی ہو اور میرا خیال ہے وہ کسی وجہ سے تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ کوئی ضروری بات ہوگی، ورنہ وہ ان تھروڈ کلاس حاشیوں میں سے نہیں ہیں جو موقع بے موقع اپنے جذبوں کی تشکر ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ تم سے محبت کرتے ہیں مگر ان کے جذبوں میں اس قدر احترام و پاکیزگی ہے جو کسی کو بھی محسوس ہی نہ ہو سکا کہ وہ تم کو چاہتے ہیں۔“ مول کی ہر بات پر دل صداقت کی مہر لگا رہا تھا، اسے اس کا ہاتھ اور پھر وہ دل کی دکھائی گئی راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے پر تیار ہو گئی تھی۔

مئی سے وہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ وقت نے اسے جھوٹ بولنے سے محظوظ رکھا تھا۔ کرن، انس کے ساتھ گئی ہوئی تھیں۔ لائٹ پر پل کرم سوٹ پر اس نے پرل و بلیک شال لی تھی جس پر خوب صورت لمبی شوخ کلر کی کڑھائی تھی۔ سیپنگ کی نازک سی جیڈری میں اس کا ساوہ چہرہ بے حد حسین و جاؤب لگا رہا تھا۔ بالوں کو کلیپ میں جکڑا تھا، وہ تیار تھی۔

”اب کیا سوچ رہی ہو، جاؤ اس سے قبل کہ کوئی آئے اور ہزار جھوٹ گھڑنا پڑیں۔“

تیار ہونے کے بعد اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر مول نے کہا۔

”مول! میں اپنی فیلنگز سمجھ نہیں پا رہی ہوں، کبھی دل کہتا ہے نہیں جاؤں۔ یہ ماما اور ڈیڈی کے احکام کو کرجی کر چلی کرنا ہوا۔ کبھی دل کہتا ہے چلی جاؤں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟“ وہ گویا رو دینے لگی۔

”تم جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ذوالنون بھائی کو منع کر دینا کہ ہمارے ہاں اس طرح کا دستور نہیں ہے۔ یہ پہلی ملاقات ہی آخری ہے۔ وہ سیدھے طریقے سے اپنی ماما کو بھیج دیں۔“ مول اسے بھرپور طریقے سے دلا سے دے رہی تھی اور چاہ رہی تھی کہ وہ ذوالنون سے ملنے جائے کیونکہ ذوالنون نے کل سے اب تک اسے کلی کالز کر کے مجبور کیا تھا کہ وہ اس کی بہن بن کر حورین کو ملاقات پر رضی کرے۔

☆-----☆-----☆

”کرن! ماشاء اللہ یہ گھر تو آپ کے خوابوں کی تعبیر ہے، بہت خوب صورت ہے۔ روشن، ہوا دار تمام آسائشوں سے مزین۔“ قاریہ اور سہان کے ہمراہ نئے گھر کی سیٹنگ ایجنڈیکوریشن دیکھ کر وہ ہوشی لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

”خوابوں کی جب تعبیر ملتی ہے تو دیر ہو چکی ہوتی ہے اور جب دیر ہو جائے تو دل کرتا ہے کاش یہ خواب خواب ہی رہتے۔“ کرن کے امداد ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔

”بیگم! اس گھر کا ابھی تک آپ نے کوئی نام نہیں بتایا، کیا نام رکھیں ہم اپنے اس گھر کا؟“ انس صاحب نے کئی دھکا پوچھا سوال ڈھرایا۔

”کرن! تم نے ابھی تک اس گھر کا نام ہی نہیں سوچا ہے؟ یہ کام تو تمہیں سب سے پہلے کرنا چاہیے تھا، مجھے دیکھو ابھی وہاں کلکٹر کشن کا کام جاری ہے اور میں نے نام بھی سوچ لیا ہے۔“

”اچھا..... کیا نام سوچا ہے؟“ کرن مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”ہنگ ہاؤس“۔ وہ شوق انداز میں بولیں۔

”ہنگ ہاؤس..... بھائی اداویٹ ہاؤس کی ٹکر پر نام رکھ دی ہیں کیا؟“

”نہیں انس بھائی اچھے ہنگ ٹکر از حد پسند ہے، وہاں تمام کام ہنگ اسٹون کا کراؤں گی، کلر انکیم اور ڈیکوریشن بھی ہنگ اور

ادویٹ کی کبھی نیشن کراؤں گی۔“

”تھینک گاڈ انہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا ہم ہنگ چنٹ کر دینے کا۔“ سعد بے ساختہ ہل اٹھے۔ انس کے ساتھ وہ بھی مسکرا اٹھیں۔

”آپ کو موقع ملنا چاہیے ہنگ کا۔“ فار یہ کھیا کر گویا ہوئیں۔

”بھئی میں نے کوئی ہنگ نہیں کی، بس یوں ہی خیال آگیا جو میں بول اٹھا۔ بات ہو رہی تھی کرن سے اور وہ بیان میں آپ

تاگہ اپنی پھنسا بیٹھی، بتاؤ کرن۔“ سعد کے لہجے میں بھائیوں والا لڑا تھا۔

”نام میں نے اکثر سوچا ہے، ایک ہی نام عموماً میرے ذہن میں گونجتا ہے۔“

”ہاں تو یار! بتاؤ ناں کیا نام ہے وہ؟“ انس صاحب کے لہجے میں چاہت بھرا اشتیاق تھا۔

”آشیانہ۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئیں اور ذہن میں ماضی کا وہ منظر پوری طرح ذمہ ہو گیا، جب معمولی سا دودھ گر جانے پر بھائی

لے بڑی ممانی سے خوب باتیں سنیں اور تنہائی میں جائے نماز پر دوڑتے ہوئے اپنے رب سے دعا گو تھیں کہ انہیں بھی ایک چھوٹا سا

آشیانہ عطا کرے جہاں وہ اپنی بیٹی کو لے کر چین و سکون سے رہیں۔ اس رات اس نے بھی ان کے ساتھ خاموشی سے آنسو بہائے تھے اور

انہیں خبر بھی نہ ہوئی تھی۔

”آشیانہ، یہ تو بہت خوب صورت نام ہے۔ میں کل ہی فلم پلٹ کا آرڈر دیتا ہوں۔“ انس بے مسرت انداز میں گویا ہوئے۔

”انس! آپ میری باتوں سے میری خواہشوں سے اختلاف کیوں نہیں کرتے؟ کبھی تو کہا کریں میں غلط ہوں۔“

”ارے یہ کیا بات کر رہی ہو؟ شکر کرو انس بھائی تمہارا رائے خیال رکھتے ہیں، اس قدر محبت کرتے ہیں۔ اتنے سیدھے شوہر ہیں

جس کی تنہا ہر بیوی کرتی ہے۔ ایک یہ ہیں جن کو میری ہر بات سے اختلاف ہوتا ہے، ہر خواہش پر اعتراض..... محال ہے میری بات بلا بحث

دکھارا مان لیں۔“

”مجھ جیسے سیدھے بندے پر ہمت لگا رہی ہو، اللہ پوچھے گا۔“ سعد نے کسی صورت ہٹا کر کہا۔

”میں جانتی ہوں آپ بالکل جلیبی کی طرح سیدھے ہیں۔“ ان کے ہلے بننے انداز پر دونوں سرواںس پڑے تھے۔

”تو بہت لگی ہے یار جو تیری آج تک کرن سے لڑائی نہیں ہوئی ہے، ہائی داؤ سے داز کیا ہے؟“

”دوبری سہیل میں نے آج تک کرن کو بیوی نہیں سمجھا۔“ وہ محبت آمیز نگاہوں سے کرن کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

کرن جیسا سے جھینپ رہی تھیں۔

”محبوب سمجھا ہے، بندہ بیوی سے بدمعاش ہو سکتا ہے لڑائی جھگڑے کر سکتا ہے مگر محبوب سے نہیں۔ سمجھ رہے ہو ناں، آج سے تم بھی بھابی کو بیوی نہیں سمجھنا شروع کر دو۔“

☆.....☆.....☆

”مہی! آپ کو یقین ہے پرس ہمارے تو قحط پر پورا اترے گا؟“ منال بیگم خوشی و بے چینی کی کیفیت میں جھلا تھیں۔

”آف کورس، ہنڈ روڈ پر سٹ۔ میں نے وہ آگ دھکائی ہے جہاں تمام لیے بغیر بجھنے والی نہیں ہے۔“ فائقہ بیگم کے چہرے پر مکاری کی کڑیہ چمک تھی۔

”پھر بھی میں آخری لیے تک بے یقین رہوں گی، اس لیے کہ پرس کی منہر جانتی ہوں۔ اس کا کریڈیٹر ہمیشہ سے بڑا بٹ رہا ہے، وہ کسی کو نظر بھر کر دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا۔“

”آپ مجھے یہ سب اس طرح بتا رہی ہو گویا میں کوئی انجینی ہوں، جہاڑی طرح میں بھی اس گھر میں رہتی ہوں اور پرس کی منہر جانتی ہوں۔“ حسب عادت وہ بھانجی تھیں۔

”اوہ مہی! آپ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو ماسٹڈ کر جاتی ہیں۔“

”آپ بات ہی ایسی کرتی ہیں۔ گویا مجھ میں کوئی عقل ہی نہیں ہے۔ آپ تو بیمار مین کریڈیٹ کر رہی ہیں اور میں نے آرام چھوڑ کر پرس کی مکمل نگرانی کی ہے۔ سایہ بنی رہی ہوں۔ ہل ہل کی خبر رکھی ہے تب جا کر آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔“

”یو آر ریٹ ماما آئم پراؤڈ آف یو۔ اگر آپ نہ ہوتیں تو میں کچھ نہ کر پاتی۔“ انہجوں نے ان کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ فائقہ نے بھی حصہ بھلا کر ان کی پیشانی چوم لی تھی۔

”بھان کی طرف سے کوئی راہداری نہیں ہو رہا ہے۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ کال آئے ان کی بہت ٹائم ہو گیا ہے۔“

”ہم خود چلیں گے ان کے پاس، کچھ دن اور ڈیڈی کو خوش ہونے دیں۔“ منال نے شوخی سے کہا۔ معاکال تلک بھی تھی۔

”اس وقت کون آگیا؟“ دونوں ماں بیٹی چونک اٹھی تھیں۔

”پرس تو ہمیں آگئے؟“

”اتنی جلدی ان کی داپسی ممکن نہیں ہے۔“

”پھر کون ہو سکتا ہے؟“

وہ پریشان ڈسکس کر رہی تھیں اور کال بتل مسلسل اس دوران پرس کی جاری تھی۔ فائقہ بیگم کو میٹ کھولنا پڑا تھا۔ سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ کر دونوں ماں بیٹی کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔

”السلام علیکم ناو! ایڈمی! آپ لوگ مجھے دیکھ کر اسے شاکڈ کیوں ہیں؟ کیا میرا آنا آپ لوگ ایسیکٹ نہیں کر رہے تھے؟“
 لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے آنے والے کوئین نے ان کے حیران پریشان رویے نوٹ کرتے ہوئے کہا۔
 ”ارے نہیں۔ ہم شاکڈ کیوں ہوں گے۔ دراصل آپ کو بنا اطلاع آئے دیکھ کر خوشی سے لگ رو گئے تھے۔“
 ”میں نے سوچا اس بار آپ کو سر پر انڈیا دیا جائے۔“
 ”ہم ریلی سر پر انڈیا ہو گئے ہیں۔“ دونوں میں ان کے بڑبڑاہٹ و شویشاک لچل چل رہی تھی مگر ہونٹوں پر جبری مسکراہٹ سہائے
 اس سے ملی تھیں۔

”نما اپنس کہاں ہے؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔
 ”نہیں..... کیوں کیا ہوا؟“ اس کے سوال پر دونوں کے دل دھڑک اٹھے تھے۔ گویا وہ چہری کرتے وقت رکے ہاتھوں پکڑی
 گئی ہوں۔

”ابھی پرالیم؟ آپ کنفیوڈ کیوں ہو رہی ہیں؟“ ان کے اعجاز پر وہ حیرانگی سے دریافت کر لے گا۔
 ”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پرس گھر نہیں ہے۔“ منال بڑبڑاتی ہے۔ ”منال بڑبڑاتی ہے۔“ منال بڑبڑاتی ہے۔
 ”وہ دوستوں کے ساتھ شکار پر گیا ہوا ہے۔“
 ”شکار پر..... مگر اسے شکار کبھی پسند ہی نہیں رہا۔ اس نے کبھی کیا ہے۔“ کونین منجھب تھا۔
 ”ارے یہ کیا بحث لے کر بیٹھ گئے بیٹا۔ ستر کر کے آئے ہو۔ ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤ۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔“
 ”تھینکس ناو! میں فریش ہوں۔ بھوک نہیں ہے مجھے۔ آپ کار میں سے سامان لگوا لیں۔ میں آفس جا رہا ہوں۔“ وہ رست
 واضح دیکھتا ہوا کھڑا ہو کر گویا ہوا۔

”اتنا سفر کیا ہے کچھ ریسٹ تو کر لیں۔“
 ”پلیں میں نیند بھری ہے میں نے خوب۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ فائدہ یہ کہ منال کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر ٹھکرات تھے۔
 ”ڈونٹ وری۔ آفس میں کافی کام پینڈنگ ہے ان میں الجھ کر یہ پرس کو بھول جائیں گے۔“ انہوں نے منال پر ٹیکم تو سل دی تھی۔
 کونین کو آفس آئے زیادہ دیر نہیں ہوئیں تھی کہ اس کی سیکرٹری نے آکر کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔
 ”میں نے آپ سے کہا تھا آج کوئی اپائنٹمنٹ نہیں لینا ہے پھر بھی آپ کہہ رہی ہیں مجھ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔“ اس کے آگے
 گلابی ٹیکل پر ٹاکس بکھری ہوئی تھیں وہ ایک فائل پر جھکا ہوا تھا سیکرٹری کی اطلاع پر گویا ہوا۔

”سرا میں نے کوئی اپائنٹمنٹ نہیں لیا ہے۔ یہ صاحب بغیر اطلاع کے آئے ہیں۔ میں نے کہا بھی سر بے حد بڑی ہیں۔ نہیں
 مل سکتے کہے گئے پچھلی تک تو فارغ ہو جائیں گے۔ میں جب تک انتظار کروں گا۔“

”آئم ایکسٹریملی سوری ہاں۔ میں نے آپ کو وٹ کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ اس طرح آئیں گے۔ آپ کو ڈائریکٹ یہاں آ جانا چاہیے تھا۔ یہ سب آپ ہی کا توجہ ہے۔“

”مگر رادقت مجھے پوری طرح بدل گیا ہے۔ مجھے محتاط نہیں تھا کہ آپ مجھے اتنی جلدی پہچان لیں گے۔“ مزہ کے لہجے میں لڑش کی تھی وہ بڑی شفقت سے اسے دیکھ رہے تھے جو ان کی کافی شبامت لیے ہوئے تھا۔

”آپ دور رہ کر بھی ہمارے قریب رہے ہیں پھر بھلا میں آپ کو کیسے نہ پہچانتا۔ وقت نے کچھ تبدیلی ضرور کر دی ہے۔ مگر ایسی بھی نہیں جو آپ کی شناخت ہی مٹا دے یا۔ آپ چلے کہاں گئے تھے۔ آپ کو ہر جگہ محو نظر آپ نہ ملے۔“ وہ ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگاتا ہوا گویا ہوا۔

”یہ طویل داستان ہے بیٹا! ضرور سناؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ؟ واللہ کیا ہے؟ اس نے مجھے کس تو چھیں کیا؟“ واللہ ان کے نام پر ان کی لگا ہوں میں والہانہ چمک ابھری تھی۔

”آپ سے دوری نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے بابا جان۔ پرس وہ پرس نہیں رہا تھا آپ کے سامنے تھا۔ آپ کی جدائی نے اس کی پرسنائی بری طرح ڈسٹرب کر کے رکھ دی ہے۔“

”اوہ۔۔۔ کہاں ہے وہ؟ اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“ عزیز اذ جان بیٹے کو دیکھنے کے لیے اس لیے وہ مرغ بھل کی طرح ٹرپ اٹھے تھے۔ جس سال کا حوصلہ صبر اب بالکل ہی اختیار سے نکل رہا تھا۔ تاب برداشتہ دم توڑ رہی تھی۔

”وہ یہاں نہیں ہے۔“

”کہاں ہے؟ وہ انتظار جھیلنے کے قابل نہ تھا۔“

”رات تک واہسی ہوئی۔ وہ فریڈز کے ساتھ شکار پر گیا ہے۔“

”بیس سال جب مبروضہ کی لگا میں تھا میں گزار دیے۔ اب محسوس ہوتا ہے کسی بھی آن کسی بھی ہل یہ لگش مجھ سے بھوت جائیں گی۔ انتظار کی صلیب مزید اٹھانی نہیں جائے گی۔“ ان کے لہجے میں بھرکا کرب تھا۔ تہائی کا سوز تھا۔

”بابا جان اہلیز آپ ہرٹ نہ ہوں وہ جلدی آئے گا۔“

”ہاں لیکن مجھے تو یہ کتنے صدیوں کے برابر ہی لگیں گے۔“

”بابا جان اگر چلیں۔ ماما آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ پہلے میں آپ کی نہیں اپنی ماں سے ملنا پسند کر لوں گا۔ اے جان۔۔۔۔۔ حیات تو ہیں؟“ انہوں نے دھڑکتے دل سے راجہ بیگم کے متعلق پوچھا۔

”جی۔۔۔۔۔ دادو! بفضل تعاقی ہم میں موجود ہیں اور رات دن آپ کو یاد کرتی ہیں اور آپ کی دوائی کی دعا نہیں کرتی ہیں۔“ باب

کے انکار پر اسے برا نہیں لگا تھا اس لیے شاید کچھ عرصے میں اس کی ممانے بھی کبھی یاد نہیں کیا تھا اگر کبھی بھولا بسر خیال بھی آیا تو ماما اور نانا کو برے الفاظ بات سے ہی باپ کو ناراض کرتے ہوئے دیکھا تھا۔
 ”چلیں بابا! آج داد کس قدر خوش ہوگی۔ اس خوشی سے ہی مجھے خوشی ہو رہی ہے ماما کل کی فہیلی بھی خوش ہوگی۔“ وہ مزہ کر لے کر روانہ ہو گیا تھا۔

کار مختلف راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ کوئین ڈرائیونگ کرتے ہوئے ان سے کھنگو بھی کر رہا تھا۔ وہ سنتے ہوئے کھڑکی سے دیکھ رہے تھے جہاں ہر جگہ جدید عمارتیں بننے لگی ہیں۔ ان کا ذہن ادائوں کی تڑپ میں پھلنے لگا تھا۔

☆-----☆-----☆

وقت کے اس کھیل میں
 علم خوشی کے میل میں
 رشتے ٹاٹے کچھ نہیں
 اپنے ارادے کچھ نہیں
 بھروسہ ہیں لڑکوں کو
 کھورے ہیں چاہتوں کو
 جی رہی ہیں سازشیں
 کہہ رہی ہیں رنجشیں
 یہی انسان کیا
 یقین کیا گمان کیا
 کیسی ہے یہ تقدیر
 یہی کیوں تعبیر ہے
 یہ کیسی میل تال ہے
 کہ زندگی وہاں ہے
 ہر خواب تو بکھر گیا
 گلستان اجڑ گیا
 مل گیا آدمی
 انسان تو بچھڑ گیا

لائٹ بلو جینز، پلڈر ٹیڈ شرٹ میں دو وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ اس کے وجہ چہرے پر کوئی جذبہ کوئی امنگ نہ تھی۔ عجیب ساٹ پن تھا جیسے وہ سانس لیتا ہوا کوئی رپوٹ ہو۔ اس کے چہرے پر صرف سرخی میں ڈوبی ہوئی دگرے آنکھیں تھیں جن میں ہل ہل چلتا اضطراب و وحشت اس کے انسان ہونے کا ثبوت تھا۔ کئی راتوں سے وہ سکون سے سو نہیں پایا تھا۔ گزشتہ دو راتوں سے تو وہ ایک لمحے کو پلک نہ چپکا پایا تھا۔

نہیں آتی بھی کیونکر..... اپنی خاموشیوں و آرزوؤں کو اپنے ہاتھوں سے خاک کر کے جین کس طرح میسر آ سکتا ہے؟

وہ ہری آگ میں جل رہا تھا۔

ایک ناکام عشق کی.....

دوسری پامال عزت کی.....

چاہت پر حیرت غالب آ گئی تھی۔ ماں کی حالت، باپ کے طعنوں و جواب طلی نے اسے وہ کام کرنے پر مجبور کر ڈالا تھا جس کا تصور بھی اس کے لیے حال تھا۔

حورین نے ڈرائیور کو بھیج دیا تھا۔ خود بھگتی ہوئی سرخ اسٹون والے گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔ چھوٹا سالان حور کر کے تین میٹر حیاں تھیں۔ میٹر حیوں سے اوپر چپس ماربل کا چھوٹا سا براؤن تھا جس پر بڑے بڑے گولوں میں مٹی پلائٹ لپٹا رہے تھے۔ سامنے ہی بلاسٹ گلاس والا گیٹ تھا جودن کی روشنی میں بھی اندھیروں کا پیام دے رہا تھا۔ ہوا کا سرو جھونکا آ کر گزر گیا تھا۔ کال بیل کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ نہ معلوم کس جذبے کے تحت رک گیا۔ دل سے صدا اُبھر رہی تھی۔

وہ واپس چلی جائے۔ یہاں نہ رکے۔ آواز میں تھیں کہ بڑھتی ہی جا رہی تھیں اور ممکن تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتی۔ گیٹ کھلا تھا۔ ”ٹیلو۔ ہا ہری سے واپس جانے کا ارادہ ہے؟“ دروازے کے دو میاں وہ ایسا وہ تھا۔ لیوں پر ڈیڑھ سکان سجائے۔ بڑے والہانہ انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ کہہ نہیں پائی۔ اس کی والہانہ نظروں کی پیش نے اس کی نگاہیں جھکا دی تھیں۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

”یہیں کھڑے رہنا ہے؟ سردی لگ گئی تو مجھ پر نام آئے گا۔“ وہ سسکتی ہوئی اس کے ہمراہ اندر چلی آئی۔ لاؤنج میں ڈیڑھ آن تھا۔ لائٹ اینڈ ڈارک بلو کٹر مینی نیشن سے کمرے کا ماحول خواب ناک سا تھا۔ چمک فرنیچر، چمک پردے و کارپٹ سے وہاں بڑی خوب صورتی سے ڈیکوریشن کی گئی تھی۔ دیواروں پر بڑے فریموں میں دو میز پر تھیں جن میں برف سے ڈھکے پہاڑوں، کرنی آبشار اور ہنرے میں کھلے جنگلی گھاٹیوں کی بہتاپ کو بڑی خوب صورتی سے محفوظ کیا گیا تھا۔

”تکلفات چھوڑو بیٹھ جاؤ۔“ وہ اسے کھڑے دیکھ کر بولا۔

”بہت خاموشی ہے آپ کی ماما اور نانا کہاں ہیں؟“ وہاں بھلی ہوئی خاموشی اسے عجیب لگی تھی۔

”تم مجھ سے ملنے آئی ہو یا ان سے؟“ وہ اس کے مقابلہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے استخار کرنے لگا۔

”جو گھر میں موجود ہوں، سب سے ہی ملا جاتا ہے۔“

”گھر میں صرف میں ہی ہوں۔ مجھ سے ہی ملو۔“

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بھاری لہجے میں گویا ہوا۔ نہ معلوم کیا تھا اس کی لہو رنگ آنکھوں میں کیا تھا کہ اس کے ہاتھ پر ہزاروں کی تعداد میں چھوٹیاں ہی رہ گئے تھیں دو گھبراہٹ۔

”کیا مطلب؟ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔؟“

ماحول میں چھائی خاموشی و وحشت اس کی رگ رگ میں سرایت کرنے لگی اور پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”اور سے کیا مراد؟ میں..... اور..... تم ہیں ناں؟“ وہ قریب آتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ اس کے لباس سے اٹھتی ہوئی تیز محک، اس کا ہلکا انداز و لگا ہوں کی تشویرین کے ہاتھ جیروں میں سنسنات سی دوڑنے لگی تھی۔

”میں جاری ہوں۔ اس نے شک جوتوں پر زبان بکھرتے ہوئے کہا۔

”اتنی جلدی۔ جیسے جاؤں بھی آئے دیر ہی لگتی ہوئی ہے۔“

”میں ہمارا کوئی کر نہیں آئی ہوں۔ فرسٹ ٹائم ایسا ہوا ہے مجھے اچھا نہیں نہیں اور ہا۔“ وہ یہاں سے فوراً جانا چاہتی تھی۔

”سین..... مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور ہا ہے میں جانے نہیں دوں گا۔“

”میں جاؤں گی۔ اگر آپ مجھے بتا دیں کہ آپ کے فیملی ممبر یہاں نہیں ہیں تو کبھی نہیں آتی اور نہ میں اب رکوں گی۔“ وہ خود کو سنبھالتی ہوئی مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

”کرن ادوائس جیسے کرپٹ لوگوں کی بیٹی کے منہ سے یہ ہارسائی کی باتیں بالکل نہیں سوت کر رہی ہیں۔“ وہ استغناء سے انداز اور کاٹ دار لہجے میں گویا ہوا۔ حورین کو اپنی ساتھیوں پر دھوکے کا گمان ہوا۔

”کیا..... کیا کہا.....؟ پھر سے کہنا؟“

”میں ان گھٹیا لوگوں کے ناموں کو زبان پر لانا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ لوگ ہیں جو انسانیت پر شرمناک دھبہ ہیں۔“

”اسٹاپ اٹ۔ تمہیں معلوم ہے تم کہہ کیا رہے ہو اور کس کو کہہ رہے ہو؟“ اس کے مہم چپا کے لیے اس کے لہجے میں اس قدر نفرت و اتنی عقادت تھی۔ وہ ایک دم چپ کر گویا ہوئی تھی۔

”جو خوف مت۔“ وہ بری طرح غرایا تھا۔

”جو خوف کی، چلاؤں گی۔ یہ سب کیا ہے؟ تم نے مجھے اس لیے یہاں بلایا ہے کہ بلا وجہ میرے پیرئس کو اتنے برے لفظوں سے یاد کرو اور میں چپ چاپ سنوں؟ پھر انہوں نے تمہارا کیا بکاڑا ہے؟ بپا سے تمہاری صرف ایک بار سرسری سی ملاقات ہوئی ہے اور ممانو تمہیں جانتی تک نہیں ہیں۔“

بیوہ ذوالنون تو نہیں تھا جس کی محبت میں وہ بلا سوچے سمجھے یہاں تک چلی آئی تھی۔ وہ سامنے کھڑا شخص کوئی اور ہی تھا جس کے ہر انداز سے نفرت ہی نفرت عیاں تھی جس کی لمبیرنگ آنکھوں میں وحشی چمک تھی، جس کی زبان سے الفاظ انکارے بن کر نکل رہے تھے۔

”ہاں جائے گی وہ عورت بھی، وہ رذیل مرد بھی جب تم اس کے قرض کا سودا کر کے جاؤ گی۔“ وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ حورین کو لگا چھت ساری اس کے وجود پر گر گئی ہو اس کے بولنے کی صلاحیت کم ہو کر رہ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ ہو کیا رہا ہے؟ پہلی بار اس نے ماں کے اہتبار کو..... باپ کے احسا کو دھوکا دیا تھا اور تین چار فلڈ راہ پر بھٹک گئی تھی۔

”اپنے باپ کو فون کر دنا اور بتاؤ اسے۔ اس کے کئے گئے گناہوں کے حساب کا وقت آ گیا ہے، کل جو رسوائی اس نے میری مہا کی جہولی میں ڈالی تھی آج وہ اس کی طرف لوٹنے والی ہے۔“

اس نے کار پر رکھے ٹیکٹ سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبالی۔ انٹر سے سنا کہ اس کی جانب بڑھا تھا۔

”اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟“

”یہ کیا ذاتی ہے؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتائیں تو سہی۔“ منبذ کی غلط فہم اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں۔ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ وہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا اس قدر بے حس دے رہم ہو گیا تھا کہ اس کی سرسبز حالت موتیوں کی طرح گرنے آئسو بھی کوئی اثر نہ کر سکتے تھے۔

”روؤ نہیں، مجھ پر تمہارا بیان آنسوؤں کا کوئی اثر نہ ہوگا۔“ اس نے جبکہ اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

”شٹ آپ، ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے۔“ اس نے چیخے ہوئے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

”اوکے، کوئی اور وقت ہوگا تو میں ایسی کسی جسارت کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن وہ سب وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ تب مجھے مظلوم لگا تھا جس کو میں عزت دے رہا ہوں، جس کا چہرہ میرے دل کے آئینے پر چاند کی طرح روشن رہتا ہے، وہ قدموں کے نیچے روندے جانے والے ذروں سے بھی زیادہ کمتر ہے۔“

اس کا لفظ لفظ حورین کی روح پر چر کے لگا رہا تھا اس کی سسکیاں وہاں گونجنے لگی تھیں۔ وہ اتنا کٹھور ہوتا جا رہا تھا۔

”میں جانا چاہتی ہوں، راستہ چھوڑو میرا۔“

”تم میری خواہش پوری کیے بنا نہیں جاسکتیں۔“ وہ سگریٹ لیوں سے نکال کر دھواں اس کی جانب اڑا کر بولا۔

”تمہاری خواہش، وہ نہ تم مرکب بھی پوری نہ کر سکو گے۔ میں عزت دار ماں باپ کی بیٹی ہوں۔“ اس نے کہتے ہی پھرتی سے سینٹر ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ میں سے مٹھی نکال کر خود کو مارنا چاہی تھی مگر وہ اس سے قائل نہ تھا۔ اس کے ارادے کو فوری بھاڑتے ہوئے ایک جھست میں اس تک پہنچا تھا۔ مٹھی اس کے ہاتھ سے لے کر وہ اڑ چلائی تھی۔ اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

”اتنی آسانی سے تمہیں مارنا ہوتا تو یہاں تک بلانے کی اتنی اسرگم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کہیں بھی تمہیں مار سکتا تھا۔ اس کی گرفت میں وہ کسی کمزور چڑیا کی مانند پھڑپھڑا رہی تھی۔

”بہت ناز ہے تمہیں اپنے خُسن پر، اپنے حسین چہرے پر۔“

”چھوڑ دیجئے۔ اس کی جنونی حالت دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

”تمہارا وہ حال کروں گا کہ تم اپنا یہ حسین چہرہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ زندہ رہو گی موت کے انتظار میں اور موت نہیں آئے گی، روز جیو گی، روز مردی اور تمہارے ساتھ تمہارے پیڑش بھی۔ اس کے وجود میں گویا کوئی درد نہ حلول کر گیا تھا۔ لیورنگ آنکھوں سے درد کی جھلکے نکلتی تھی۔ وجہ یہ چہرے پر وحشی پن تھا۔

”بہت سوچا میں نے، بہت چاہا، تمہارے باپ کے انداز اپنانے کا۔۔۔۔۔ مگر نہ معلوم کیا شے ہے؟ کون سا اجاساں ہے جو مجھے اخلاقی طور پر پست نہیں ہونے دیتا۔۔۔۔۔ شاید یہ میری باحیا ماں کے دودھ کی تاثیر ہے یا میرے شریف و عزت دار باپ کے لہو کا اثر جو میری رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے۔ وہ مجھے کسی بھی پستی میں گرنے کی اجازت نہیں دیتا مگر میں اپنے دشمنوں کو سبق ضرور سکھاؤں گا۔ وہ تمہاری صورت دیکھ کر آخری سانس تک کرب و اذیت میں جھلا رہیں گے۔“ حورین کی رنگت خوف سے زرد پڑ چکی تھی۔

”کوئی مرد محبت کے نام پر کبھی کسی عورت کو لوٹ نہ سکے گا۔ کوئی بہن، دوسری بہن کو زندہ دگر نہ کر سکے گی۔“ اس نے بڑی سفاکی سے جلتا ہوا سگریٹ اس کے رخسار پر لگا دیا تھا جہاں اس کے چہرے پر گردن پر چمک گیا تھا۔ دودھیری آہ حورین کے لبوں سے بے ساختہ نکل گئی تھی۔

اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ دوسری بار بھی سگریٹ اس کی گردن پر چمکی تھی۔ درد کی شدت سے وہ ٹوٹ کر رہ گئی۔ اسی لمحے اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس کے بازو جھٹک کر دوڑ ہوئی تھی۔

انسان جب قتل و شہور سے عادی ہو کر بے حس و سرور کی رداؤں میں لیتا ہے تو پھر حیوانوں سے زیادہ درد کی وسفاکیت اس میں آ جاتی ہے۔ ذوالنون بھی اس وقت درد لگ رہا تھا۔ زہریلی باتوں سے اس کا ذہن ماؤف کر دیا گیا تھا۔ آنکھوں پر انتقام کی پٹی اس قدر مضبوطی سے باندھی گئی تھی کہ اسے ایسا وحشیانہ فعل کرتے ہوئے ذرا بھی افسوس نہیں ہو رہا تھا۔ حورین کی سسکیوں پر ماں کی جھنجھٹ غالب آ گئی تھی۔ نالو کی آہیں سبقت لے گئی تھیں۔

”دور مت جاؤ، میں اپنا مقصد پورا کیے بغیر نہیں ہوں گا۔“

”پہلیاں مت بھجواؤ مسٹر! مجھے تو تم پر اکتفا کرنے کی سزا مل رہی ہے، مجھ جیسی لڑکی کو ملنی بھی چاہیے جو آنکھیں بند کر کے سب پر اکتفا کر لیتی ہے مگر میرے پیڑش کا قصور بتاؤ۔ انہوں نے کیا کیا ہے؟“ گردن پر لگے ان سرخ نشانوں سے زیادہ اذیت ناک تکلیف اسے مہاپایا کے خلاف لشکوں سے ہو رہی تھی۔ کچھ نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟ اس کا تعلق کیا ہے؟

”تمہاری ماں میری مہی کی اسٹیپ سٹر ہیں۔ تمہارے باپ نے میری مہی کو محبت کے نام پر پیچید کیا، دونوں نے.....“

اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ چند دن قبل ماما کی ماضی کی کہانی اس کے ذہن میں گونجنے لگی جس کا ہر لفظ اسے ازبر تھا۔

”اوہ منال بیگم ہی وہ عورت ہے، میں کیوں پہلے نہ سمجھ سکی۔ ماما سے ان کی شباہت اکثر گفتگو کا حصہ بنی اور میں نہ سمجھ سکی۔“

”سنی تم نے نفرت کی وجہ..... معلوم ہوا کتنے کرپٹ ہیں وہ دونوں.....“ وہ اپنی بات مکمل کر کے ذہر آلو لہجے میں غائب ہوا تھا۔

”جی، جی، جی..... ترس آ رہا ہے مجھے تم پر۔ کس اعلیٰ طریقے سے تم کو بے وقوف بنایا گیا ہے۔ بڑی پلاننگ سے بس گائیڈ کیا گیا ہے۔“

چند لمبے لمبے ڈری سکھی پریشان و مضطرب دیکھائی دینے والے حورین کے اعزاز میں یک دم ہی بڑی تبدیلی آئی تھی۔

اس کے ہر اعتماد لہجے..... لٹکوں کی کاٹ..... ہینگلی آنکھوں میں معنی خیز چمک.....

وہ تنگ سادہ گیا۔

”یہ فضل بکواس یقیناً آپ کی مہا بیگم لے سٹائی ہوگی؟“

”شٹ پورہاؤ سٹھ“۔ وہ شدت ضبط سے جیج آٹھا۔

”میرا منہ بند نہیں ہوگا.....“

”میں ہمیشہ کے لیے تمہارا منہ بند کر دوں گا۔“

”پہلے میری بات مبر دھو صلے سے سنیں پھر شاید اپنا منہ ہی ہمیشہ کے لیے بند کر لیں، اگر اسے ہی غیرت مند بنتے ہیں تو.....“

اس کے لہجے کی سچائی اپنی مکمل زور آوری کے ساتھ کچھ اس اعزاز میں حیاں تھی کہ وہ بہت کچھ بولنے کی خواہش کے باوجود اسے سننے پر رخصت ہو گیا تھا۔ حورین کے رویے و اعزاز اس کو چھٹا گئے تھے۔

”پہلے جا کر اپنی ماما سے پوچھو، ان کے شوہر نے ان کو ڈائریس کیوں دی تھی؟“ حورین نے طرے لہجے میں کہا۔

”واٹ.....؟ یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟“ اس کے لہجے میں قہر و غضب کی بجلیاں سی کرنے لگیں۔

”جیج ہمیشہ ہی کڑوا ہوتا ہے سسر، لیکن تمہیں اسے گلانا ہوگا۔“

”یہ جیج نہیں بکواس ہے، بلکہ بہتان ہے۔ تمہارا وافر شراب ہو گیا ہے۔“ وہ بلبائی اعزاز میں جیج تھا۔

”میری بات پر تمہیں یقین نہیں آئے گا، اپنی ماں کی زبان پر تو یقین کرو گے؟ اپنی نانو سے دریافت کرو، وہ کیوں میری بونے ہوئے اپنے ایک ایمپلائی کے ساتھ فرار ہوئی تھیں؟ اور اپنے گریڈ پاس سے دریافت کرو جنہوں نے اپنے ڈاؤن بزنس کو آپ کرنے کے لیے اپنی جیٹی کو چاروںٹا کر پیش کیا اور اس.....“

”کیپ کو اسٹ میں..... میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔“ غم و غصے سے اس کی حالت بری تھی۔

”اپنی بکواس بند کرو، شاہطرباں کی شاہطربئی ہو آخ۔“

اس کی رگوں میں یکخت ہی خون سیال ماوے کی طرح دوڑنے لگا۔ آپ واحد میں وہ فلک کی لامحدود بلندیوں سے گرتا تھا۔
ندہ کنڈا جن تھا..... ندی نا بکھ.....

شدید ترین اشتعال انگیز انداز میں اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو (جس سے ٹاکہ بیگم کے سیلو..... سیلو کی آوازیں آرہی تھیں) پوری طاقت سے سامنے دیا اور پردے مارا تھا۔ ایک چمٹا کے سے سیل فون اور دو روٹیک بکھر گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ہال بجڑ کر کارپٹ پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے چہرے پر اس قدر سختی و وحشت تھی، سرخ تھی کہ حیدرین لمبے بھر کو کاپ اٹھی تھی۔ آہستہ آہستہ بیٹے ہوئے دور چلی گئی تھی۔

توین، دولت اپنوں کے ہاتھوں غار ہونے کا نا قابل فہم احساس.....

اپنا وحشی پن ا
اپنا جنون و غصہ ا
اپنا درد مگی بھرا رویا
وہ بھی اپنی محبت کے ساتھ ا

وہ کون تھا.....؟ کیا تھا.....؟ کس ماں کا بیٹا تھا.....؟ سب کچھ ہی تو عیاں ہو گیا تھا۔ وہ اس کی نظروں سے گرا سو گرا مگر ٹکا ہوں سے اس بری طرح گرا تھا کہ اس کا جھکا چہرہ اب اٹھ نہیں رہا تھا۔ مماند نا نو نے اقرار نہیں کیا تھا تو انکار بھی نہیں کیا تھا۔
بعض موقعوں پر فیصلوں میں اقرار و اصرار کرنے میں وقت لینا باعث افکار و شان گردانا جاتا ہے اور بعض فیصلے فوراً اسی لیے اقرار و انکار کے متقاضی ہوتے ہیں کہ ان کی عزت و توقیر کا سائبان چائی و حقیقت کے ستونوں پر تعمیر ہوتا ہے کہ ان میں معمولی سی بھی لغزش و کار و ناموس کو ملیا میٹ کر دیتی ہے، روئے عدیبتی ہے۔
مما کی چٹکی پھٹ اور نا نو کی باتوں سے اسے جواب مل گیا تھا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا ہے۔ اس کی حساسیت، جلد بازی، غصے و جنون کی کیفیت میں عقل معصی سے دست برداری اس کے تمام حواس کو مد نظر رکھ کر یہ کام کروایا گیا تھا اور کروانے والے بھی غیر نہیں اپنے تھے۔ کئی بوجھل لمبے ست مروی سے گزر گئے تھے۔

ماحول میں ہولناک خاموشی اس کے دل کو دھڑکا رہی تھی۔ گردن پر لگے سرخ تھے تھے دائروں میں جلن کے ساتھ ٹیسوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا جو غم میں حرید تکلیف اُجا کر کر رہی تھیں۔
وہ آہستگی سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔

”آؤ“۔ خود دروازے سے نکل گیا۔ حیدرین بھی قید یافتہ ہونے کی طرح تقریباً اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ وہ اس سے آگے چل رہا تھا۔ چال میں شکستگی دے جان پن نمایاں تھا۔

وقت کی چال بھی کیا ہے۔ بدلنے میں آئے تو زیادہ وقت نہیں درکار ہوتا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو وہ اس کے ہمراہ یہاں سے بڑے تقاضا پر اعزاز اور اکڑی چال سے گزرا تھا اور محض تیس منٹ میں عرش سے فرش پر گر کر ریختے والے کیڑوں کی چال تھی اس کی۔

گلتے..... نکھری..... غیر متوازن

”رمضان الہی بلی صاحبہ کو ڈراپ کر کے آؤ۔“

ڈرا تیرا سے دیکھتے ہی مستعدی سے کھڑا ہوا اور اس نے حکم دیا تھا۔ ڈرائیور مڑوا ہوا سائڈ میں پور ٹیکو کی طرف بڑھ گیا۔

”کوئی ٹیکس..... میں خود ہی چلی جاؤں گی۔“ وہ کڑوے لہجے میں غرائی۔

”یہ علاقہ آبادی سے دور ہے، شام ڈھلنے والی ہے، بہتر ہوگا شوگر کے ہمراہ ہی جانا۔“ اس نے آہستگی سے نگاہ اٹھائے بغیر کہا۔ وہ

بھی بھراکتار نہ کر سکی کہ مگر جس اتنی کڑی لگی تھیں کہ وہ اندر سے ریزہ ریزہ ہو کر ہوتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

کبھی نزدیک ہی رکھی ہے پھڑنے کی کھڑی

اس سے ملنے کے سبب ہم ہو گئے ہیں

اس قوت سے رہی ہے شبِ غم اپنا نصیب

ہم کسبِ خودی نصیبِ شبِ غم ہو گئے ہیں

اس نے کاریگٹ سے لگنے کے بعد کہا ہیں اٹھا کر اس جگہ کو دیکھا تھا جہاں کچھ لمبے قیل وہ کھڑی تھی۔

”یہ کیا ہو گیا ہے مجھ سے؟ اپنی حیات کے بھولوں کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے پتی پتی کر کے مسل ڈالا ہے۔ کیا محبت اسی کو کہتے

ہیں؟ کس قدر وحشی ہوں میں..... حیوانوں سے بڑھ کر دروغی ہے میرے اندر..... کتنی سفاکی و بے دردی سے میں نے اس کی کول جلد کو

جلایا..... کتنا اور بندہ ہوں..... کتنا ظالم ہوں میں..... مجھے انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

وہ خود کو سرزنش کرتا ہوا اندر گیا تھا اور سگریٹ ہلا کر اپنی گردن پر کئی جگہ چپکائی تھی۔ دردِ تکلیف سے ہما حال تھا مگر اس نے ایک

بھی سسکی منہ سے لگنے نہ دی۔ ہر زلم پر اس کو جو رین کی تکلیف کا احساس شدید سے شدید تر محسوس ہوتا اور وہ خود کو سزا دینے کے لیے اس

وقت تک خود کو سگریٹ سے داخل رہا جب تک سگریٹ از خود ہی نہ بجھ گئی۔

اس سے قاریغ ہو کر وہ ماما کی طرف روانہ ہوا تھا۔ ماما اور تانوں نے اتنی بڑی غلط بیانی کر کے اسے خود سے ہی نگاہ ملانے کے قابل نہ چھوڑا

تھا۔ آمدنی طوفان کی رفتار سے وہ کارڈرائیو کر کے بخاری سٹاپس پہنچا تھا۔ اندر داخل ہوا تو ممانا کو کے کمرے سے آتی آواز میں سن کر ڈک گیا۔

”ماما آپ ہر بات کو اتنا ایزی لیتی ہیں کہ مجھے کنفیوزن ہونے لگتی ہے۔ پرنس نے سرور شاہ اور زلمان خان کا نام کیوں لیا ہے؟ وہ

کیوں معلوم کرتا چاہ رہا تھا کہ میرا ان سے کیا تعلق ہے؟ مجھے ٹیلی ہو رہا ہے ہماری اسٹوری ٹیلی ہو گئی ہے۔“ منال کی غصیلی آواز دسرور شاہ

کے ذکر نے اسے زکے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ہونٹ بچھنے گیٹ کی آڑ میں ان کی منگھوس رہا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے۔ پرنس کے دماغ میں کوئی ایسے ہی خیال آگیا ہوگا، پھر اس لڑکی کو کون بتائے گا یہ سب بتائیں؟“

”کرن کو آپ بدعنوانہ سمجھیں۔ وہ اس ماں کی بیٹی ہے جس نے تمام حیات چھوٹک چھوٹک کر قدم رکھے ہیں۔ شوہر اور ماں کی لافلتی و بے مروتی کے باوجود ان سے رشتہ نہیں توڑا تھا۔“

”اوہ تم کہتا کیا چاہ رہی ہو؟ صاف کچھ بیزبیر سے بات مت کرو۔“ مرحوم سوتن کا نام سنتا نہیں اب بھی گھبراہٹ نہ تھا۔

”اگر آپ گل زمان کے ساتھ آئرلینڈ فرار نہ ہوتیں تو آج میں بھی کرن کی طرح خوش حال و قابلِ رشک زندگی گزار رہی ہوتی۔“

”تمہاری ماں تو اپنے ایپلائی کے ساتھ فرار ہو گئی تھیں، میر ڈی ہونے کے باوجود۔“ اس کی ساتوں میں حورین کی آواز گونجی تھی۔

”مجھے یلیم مت کرو۔ میں گل زمان کی جھوٹی محبت کے جال میں پھنس گئی تھی لیکن تمہاری خاطر وہاں بھی آگئی تھی۔“

”میری خاطر نہیں..... دولت کی خاطر..... کمزور اصل لائف کی خاطر۔ جب نہ کرنے آپ ہاں کی سبز کو ترجیح دینی شروع

کی تو آپ خالی ہاتھ وہاں آئی ہی اس نیت سے تھیں، مسز برہان لادری پھر بنے۔“

”پھر تم کیوں سرور شاہ کو چھوڑ کر آئیں؟ وہ تو زمان کی طرح دولت کا لالچی نہ تھا اور نہ ہی عورتوں سے تعلقات رکھنے کا خواہاں؟“

حسبِ عادت، لائف بیکر بھی اسے وہ بد جواب دینے لگی تھیں۔ ”اتنی محبت و چاہت سرور شاہ نے تمہیں دی پھر بھی تم اپنے دل سے اس کی

محبت نکال کر بھول نہ سکیں۔ جو اب اس نے تمہیں ڈائیورس دی پھر مزہ جیسا فرشتہ صفت انسان تمہاری زندگی میں آیا، تم اس کی محبت میں بھی

اس بد بخت اس کو نہ بھول سکیں۔ کتنا سمجھا یا، کتنا کہا اب تم ماں بھی چکی ہو، دو بھول سے بیٹوں کی، اب اسے بھول جاؤ، جو کبھی نہ تمہارا تھا اور

نہ ہوگا، پھر مزہ میں کوئی کمی نہ تھی۔ اگر وہ جاوٹ میں اس کے برابر نہیں تھا تو اس سے کم بھی نہ تھا لیکن تم جب بھی اس کے خیار سے نہ جا گئیں

اور آخراً وہ ایک روز تمہیں چھوڑ کر چلا گیا۔“ ان کی زبان بے قابو تھی۔

”ہونہ۔ مائی فٹ، چلا گیا تو چلا گیا، آئی ڈونٹ کیئر۔“

”اچھا..... اچھا بس بول چکیں، اب خاموش ہو جاؤ۔ اب تو تم نے مجھے بھی فکر مند سا کر دیا ہے، نہ معلوم اس لڑکی کو کہاں بلا یا ہے

اور کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہا ہے۔“

”مما..... ممما! کہیں کو نہیں سے تو اس کی ملاقات نہیں ہوگی ہے؟“ یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے ذہن میں لہرایا۔

”نہیں، میں نے کچھ دیر قبل کال کی تو وہ آفس میں ہی تھا اور مجھ سے یہی کہہ رہا تھا کہ پرنس سے کنٹیکٹ نہیں ہو رہا ہے۔“

کچھ دیر قبل زور و شور سے لڑنے جھگڑنے والی اب بھر حرے سے باتیں کرنے میں معروف تھیں۔ دوسری جانب ڈوائیون وہاں

سے ہٹ کر کار میں دو بارہ آ بیٹھا تھا۔ ماما نا لوی مھنگو نے امیدواری کی وہ کرن بھی چھین لی تھی جس کے سہارے چل کر وہ یہاں تک آیا تھا

کہ شاید حورین کی کمی ہوئی باتیں غلط ثابت ہو جائیں اور وہ سرخرو ہو جائے مگر امیدواری اس مامن چھڑا کر بھاگ گئی تھیں۔ حقیقت نے اسے

شاک دینے سے پہلے کہ ہر شے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ رشتوں کا اعتبار مسمیوں کا انبساط سب محو ہو گیا تھا۔ ذہن میں طوفانی جھک چل

رہے تھے۔ ماضی کی کچھ پرچھائیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔

”بابا! ماما بھی عورت نہیں ہیں۔“

اپنی ہی آواز اسے اب اجنبی محسوس ہوئی تھی، ساتھ پایا کی پرچھائیں بھی۔

”مما گندی ہیں، جھوٹ بولتی ہیں، نا تو بھی گندی ہیں اور گرہنڈ پا بھی۔ ہم ان سے بات نہیں کریں گے، وہ سب کھدے ہیں۔“

”اوہ میں کیوں بھول گیا؟ کیوں ان کی باتوں میں آیا؟ ماما تو کبھی اس لائق نہیں کہ ان کی بات پر یقین کیا جائے پھر میں کیوں

بے وقوفوں کی طرح وہ کرتا چلا گیا جراثیدوں نے کہا..... جراثیدوں نے چاہا.....؟ زندگی کے ہنگاموں میں معروف رہنے والی ماما نے کب

ہمارا خیال کیا تھا؟ کب ایک ماں کا احساس دیا تھا؟“

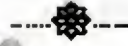
ماضی نے گویا اس کے ذہن کے تمام درے بچے کھول دیے تھے۔ وہ سب یاد کر رہا تھا۔ ماما اور نانا کی باتوں میں ذرا بھی چٹائی نہ تھی۔

حورین کا قصور اس کی نگاہوں سے اوچھل نہ ہو رہا تھا۔ اپنی حد سے بڑی سفاکیت، اس کی حد سے سوا مظلومیت، اس کی عمر انگیز

نگاہوں میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی نمی اور اس نمی میں حیرت انگیز اعتبار کا کرب..... وہ درو..... وہ کرب اس کے اندر ہر کی طرح پھیلتا

جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا ایک ایک شریان پھٹ رہی ہو۔ آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اس نے کارا سٹارٹ کی اور فل اسپید میں لے

گیا۔ فل دفنانغ پر ایسی نامرادی چھائی تھی کہ کار دھما کے سے ایک پڑ سے ٹکرائی تھی۔



یہاں تک کیسی اتلاؤں پڑی تھی۔

پھولوں کے بہرہ میں وہ انگوروں سے دامن خاک کر رہی تھی۔ سارا راستہ ڈرا پیور کے خیال سے اس نے خود پر صبر و ضبط کے

پہرے بٹھا رکھے تھے۔ مگر میں داخل ہوتے وقت اس نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ سب کی نگاہوں سے چھٹی چٹائی وہ لاہری ریم میں

گھس گئی۔ اس وقت بھی بہترین ٹھکانہ تھا، آنکھوں میں چھلٹے آنسوؤں سے دل کی آگ بجھانے کا۔ اس نے جگت میں شوز اور ونڈ پرس

سے جان چھڑائی۔ انہیں ایک طرف اچھالا اور خود صوفے کی بیک سے ٹپک لگا کر بیٹھ گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب پوی شوریدہ سری کے ساتھ

آنکھوں سے گرنے لگا۔

”کتنی ہستی میں گر گئی میں، کس قدر غیر اہم، بے اتا و بے توجہ کر ڈالا خود کو۔ اس نے بلایا اور میں چلی گئی؟ اپنی عزت، نفس و وقار کو

اس وحشی کے ہاتھوں داغ دار کروانے کے لیے۔“

بے تحاشہ آنسوؤں کے درمیان وہ خود سے مخاطب تھی۔

”خود کو بے صدا آتش، ولادت، جینس سمجھنے والی حد تک بھی ایک عام اور بے وقوف لڑکی تھی، جو مصیب مخالف کی صرف ایک مسکراہٹ

پر دل دے دیتی ہے، پائل بن جاتی ہے، پھر اسوائے رسوائی و ہرجائی پن کے ان کے حصے میں کیا آتا ہے.....“

مہرتم میں اور ان لڑکیوں میں بہت فرق ہے جو دین اودھ مل اور لوہ کھاس لڑکیاں جو ڈھیروں مصائب و مشکلات میں گھری ہوئی ہیں۔ ماں باپ اور بہن بھائیوں کے پیار و محبت کو ترسی ہوئی ہوتی ہیں، جن کی گھریلو پرالہم انہیں موقع نہیں دیتی کہ وہ آپس میں کچھ وقت پیار و محبت میں گزاریں۔ ایسی مظلوم لڑکیاں ان جھالسوں میں آ جاتی ہیں، حالانکہ لڑکیاں کسی بھی کلاس سے تعلق رکھیں، کسی کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صاحب مخالف کی چکنی چڑی باتوں میں آ کر اپنی اور خاندان کی عزت و ناموس کو بد لگائیں اور تم کو تو یہ بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا، کیونکہ تم نے آنکھ کھولتے ہی مجھوں و چاہتوں کو سمیٹا ہے، جس قدر تمہیں چاہا گیا ہے، اتنی تو شاید ہی کسی کو محبت ملی ہو، مہرتم کیوں اس کی محبت میں جھلا ہوئیں؟ وہ شخص جس کا چہرہ، جس قدر خوب صورت تھا، باطن اتنا ہی بد صورت۔

"ذوالنون میں تمہیں کبھی صحاف نہیں کروں گی۔ سرتے دم تک تم میری بددعاؤں میں شامل رہو گے۔ تم نے میری نوزائیدہ محبت کا ہی خون نہیں کیا، میری انا، نسوانی وقار، خودداری اور اعتماد کو بھی قتل کیا ہے۔ میں تمہاری آواز اور بران آنکھوں میں محبت کی روشنیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ تمہارے دکھاو غم بالٹنا چاہتی تھی اور تم نے ہمیشہ کے لیے میری بھولی میں غم بھروئے۔" اس کی دلی دلی سسکیاں گونجنے لگیں۔

☆-----☆-----☆

چوکیدار نے کوئین کو دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔

"آئیے بابا جان! اندر چلیں۔" کوئین کا رخ سے نکل کر بچلے کا بغور جائزہ دیتے ہوئے حزرہ سے مخاطب ہوا۔

"کوئین بیٹا! اس گھر سے بھر پورا جنیبت کی بھاری ہے، یہ وہ جگہ تو نہیں جو ہماری رہائش تھا، جہاں ہماری ایک عمر گزری تھی۔" حزرہ ظالوں میں گھومتے ہوئے گویا ہوئے۔

"جی بابا جان! یہ بڑی لمبی پرانی ہے۔"

"اس جگہ کا کیا ہوا؟"

دادو نے وہ گٹھی، دادا جان کے ہاتھوں کو دے دی تھی اور ہر اکھ کے ساتھ یہاں آگئی تھیں۔

"تو چچا وہاں رہتے ہیں؟"

"جیسے وہ گٹھی لینے کے کچھ عرصے بعد ہی اسے فروخت کر کے چلے گئے تھے۔ اب تو عرصہ ہو گیا دادو سے بھی پتہ نہیں آئے ہیں۔"

"پچھو کو بتا جائز گھر سے بے گھر کیا تھا اور پھر خود بھی اس گھر سے چلے گئے۔ کاش! کسی کا آشیانہ تیار کرنے والے یہ سوچ لیں کہ

ہمارا آشیانہ بھی اس طرح بچا بچا ہو کر بکھر سکتا ہے تو ایسی غلطی ہرگز نہ کریں۔ ظلم کا بدلہ ظلم ہی ہوتا ہے۔"

"بابا جان! کیا سوچ رہے ہیں؟ آئیں اندر چلیں۔" کوئین نے بے حد محبت سے حزرہ کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ماربل کے چپکتے برآمدے و راہ داری کو عبور کرنے کے بعد وہ لاؤنج کی طرف بڑھ رہے تھے، جب حزرہ ایک دم ہی ڈک گئے۔

لاؤنج سے آتی آواز میں بتا رہی تھیں کہ تمام افراد اعد موجود ہیں۔

”پہلے آپ جائیں بیٹا شاید امی جان مجھے یوں اچانک دیکھ کر خوشی برداشت نہ کر سکیں اور میں بھی اتنی دیر میں اپنے حواسوں کو قابو کر لوں۔“

ایک عرصہ تک جس دل کو وہ پھر مٹانے میں کامیاب ہوئے تھے، وہ لمحوں میں موم کی مانند پگھل رہا تھا۔ محبت و اپنائیت کے شک جیسے پھر سے تر ہو گئے تھے۔

”ارے کوئی بیٹا آئیں، آئیں۔“ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے محمد صاحب خوش دلی سے اس کی جانب بڑھے اور گلے سے لگایا۔ باقی سب لوگوں کی نگاہیں اس کے چہرے پر سے رشتے کے حوالے سے آ جانے والی جھپک و کچھ کر سکراری تھیں۔ سامنے بیٹھی حضرت کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

”یہاں آؤ کوئین، میرے پاس بیٹھو۔ کتنا یاد کیا ہے میں نے ان دنوں تمہیں اور تم دیار غیر میں جا کر ہی بیٹھ گئے؟“ راجہ بیگم کے لہجے میں شکایت تھی۔

”دادو! آپ خاناہوں میں اب آپ کو چھوڑ کر کہیں جانے والا نہیں ہوں۔ پہلے الکل آپ باہر جا کر دیکھیں آپ کے دوست، آپ سے ملنے آئے ہیں۔“ کوئین کے انداز میں بڑا خوب صورت سنسن تھا، سب چونک گئے۔

”نیرا ایسا کون سا دوست آگیا؟“ وہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے ہارنٹن قصص کو دیکھ کر لمبے پھر کوہٹے پھر دوسرے لمبے ہی حیرت و مسرت نے گویا ان کو چھوڑ ڈالا۔

”مزہ.....! مزہ.....! میرے..... بھائی۔“

استغاب و خوشی سے ان کی چیخ نکلی اور وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ مزہ نے بھی بازو پھیلا کر انہیں پیچھے سے لگا لیا۔ انہو زار و قطار ان کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

”کہاں چلے گئے تھے؟ کوئی اس طرح بھی جاتا ہے اپنے نقش یا منار کرکڑ موٹے والے گرد بھی نہ پا سکیں۔“

”جانے والے کو خوری آتا تھا پھر وہ کیوں نقش پا چھوڑ جاتا۔“ جذبات کا طوفان اتنی جلدی تھمے والا نہ تھا اگر وہ سب ہی صاحب کی آواز سن کر باہر نہ آ جاتے۔ صنوبر بیگم، ہریہ اور اس کی بھی سو فیاد عزیز، محل و حضرت کی آریہ سب وہاں موجود تھے۔ بے شمار مرجہ دیکھی گئی مزہ کی تصویروں سے وہ انہیں پہچان گئے تھے۔ بے شک گزے ماہ و سال نے مزہ کی شخصیت میں تبدیلیاں کر دی تھیں۔ جسمانی صحت ان کی کمزوری پر مائل تھی۔ رنگت جو کبھی سرخ و سفید تھی، اب مرجہا سی گئی تھی مگر چہرے پر ایک باریب سا وقار تھا، جوان کے ہارنٹن چہرے کو بڑے جلال بنا رہا تھا۔ اس کے ہا و جو وہ آسانی سے پہچانے جا رہے تھے۔

وہ ہکا بکا ان کے گرد کھڑے تھے۔ سب کی آنکھیں اس ملاپ پر بند تھیں۔

”اسلام علیکم بھائی صاحب!“ صنوبر بیگم سا دھمی کا آچل سر پر لڑائی ہوئی ان سے مخاطب ہوئیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی

شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔

ظاہر ہے حد بارعب دُورِ جلال و کمال دینے والے عزہ لئے شفیق دھرمیان تھے کہ ایک ایک کر کے وہ سب ان سے بڑی گرم جوشی سے ملے۔ سوینا، خضرئی اور اربیبہ نے بھی سلام کے بعد خوب دعائیں بھیجیں۔ ان کے جلو میں وہ لاؤنج کی طرف بڑھے، جہاں راحیلہ بیگم دم بے خودی بیٹھی دروازے کی طرف ایک تکہ دیکھ رہی تھیں۔ کونین نے سرسری طور پر انہیں بتا دیا تھا کہ وہ شا کڈ نہ ہو جائیں مگر احساسات بھی بھی مصلحت کے تحت کام نہیں کرتے، یہ پیشانی اجارہ داری پر قائم رہتے ہیں۔ راحیلہ بیگم جس گمشدہ بیٹے کو دیکھنے کی آس میں زعمہ رہنے کی دعائیں مانگا کرتی تھیں، وہ آس آج رنگ لے آئی تھی۔ وہ امید نہ آئی تھی۔ خزاؤں نے اپنے بے رنگ، بھرا امن سمیٹ لیے تھے۔ بہاروں کے قافلے مسرتوں کی سوغاتیں لیے اتر رہے تھے۔

”ہلہام علیکم ہامی جان! آپ کا گناہ گار حاضر ہے، آپ جو ملو بیٹا چاہیں اس طاقت نامہ پیش بیٹے کے لیے کامل فرما دیتا ہوں۔“
 راحیلہ بیگم جو انہیں سینے سے لگائے آنسوؤں کے ساغر لہا رہی تھیں، ان کے گلو گیر عداوت سے لبریز لہجے پر تڑپ گئیں۔
 ”میرے چاہے انا عاقبت نامہ پیش و گناہ گار تو میں ہوں، تم مجھے معاف کر دو، تمہیں جیتے جی جہنم میں دھکیلنے والی میں ہوں۔“
 ”آپ میری ماں ہیں، میری جنت ہیں، آپ اس طرح خود کو اڑا کر کے مجھے گناہ گار کو حذرِ گناہ گار مت کیجئے۔“ وہ ان کے نجیف و نزار ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر پھر رو دیئے۔

ماحول پر رنج و مسرت کی عجیب متضاد گھمبیر کیفیت طاری تھی۔ جدائی کا غبار آنسوؤں کے ذریعے لگا تو ماحول کی تمام تر کثافت کشش و خوشبودی کی کھٹکھٹاہٹوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

طویل عرصے بعد انہوں کے درمیان بیٹھے حذر کو اپنے اندر حیات افروز انرژئی اور سر لو دوڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور ان کی نگاہوں کی بے چینی میں دل کے ایک گوشے میں کی تھی۔ وہ سب سے مل لیے تھے۔ سب نے ہی ان کو اتنی محبت و اپنا بیعت دی تھی کہ وہ ان سے اتنا عرصہ جدا رہنے پر شرمندہ اور سہمے تھے پھر ہنر کی بیوی کے روپ میں فیملی میں اضافے سے وہ خوش تھے تو اس سے بھی بڑھ کر انہیں خوشی یہ جان کر ہوئی تھی کہ کونین کے لیے خضرئی کا انتخاب کر کے امی حضور نے بہت فائن مندی کا ثبوت دیا ہے۔ جھکی جھکی آنکھوں والی باحیا سی واپس کی ان کی بہو بننے کے لائق تھی۔ انہیں شدت سے انتظار اب اس کا تھا جس میں ان کی روح تھی۔ سب کو بھولنے کے باوجود وہ اس کو نہ بھول پائے تھے جس کی محبت ہی انہیں کشاں کشاں سمیٹ لاتی تھی۔

جلدی جلدی گھر کی خواتین نے مل کر ان کی پسند کا کھانا بنایا۔ ڈائننگ روم کی وسیع و عریض ٹیبل مختلف کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے جھک رہی تھی۔ کانٹے، چھری و چھچھوں کی کھٹک سے لٹخا میں ایک سا زسا پیدا ہو گیا تھا۔ بہت پیار بھرے صرار سے انہیں کھلایا جا رہا تھا۔ ہر ڈش بہت محبت سے انہیں پیش کی جا رہی تھی۔ وہ کھاتا رہے تھے مگر نہ معلوم ولی کو یہ سب ایک بوجھ سا لگ رہا تھا۔ ہر قسم ان کے حلق میں ریت کے گولے کی طرح اکٹھ رہا تھا۔ کھانے کے بعد گرین ٹی کا دور چلا۔

”کوئین! ڈالٹون کی داپھی کب تک ہوگی؟“ حمزہ کی بے قراری عروج پر تھی۔ بہت گھمبیر احساسات لیے انہوں نے جدائیوں کا صراخہ دیکھا تھا۔ جدائی کا ایک ایک لہر ان پر بھاری گزر رہا تھا۔

”بابا جان! کئی بار رٹائی کر چکا ہوں مگر اس کا سیل فون آف چارہا ہے۔ آج تو ممکن نہیں لگ رہا شاید کل تک اس کی داپھی ہو اب تو رات بھی ہو چکی ہے۔“

”کہاں گیا ہے میرا بچہ؟“ راحیلہ بیگم کے ہاتھ میں گرین ٹی کی پیالی کا پ کر رہ گئی۔ کئی اندیشے انہیں بے کل کر گئے۔

”فکارت پر گیا ہے دوستوں کے ساتھ صبح تک آجائے گا۔“

”صبح تک!..... ابھی تو صبح ہونے میں بہت دیر باقی ہے۔ کیا مجھ سے اتنا صبر ہو سکے گا؟“ حمزہ کو اب محسوس ہوا، جدائیوں کی کٹھن گھڑیوں کی نارسائی کیسی کرب ناک ہوتی ہے۔ وہ ایک دم ہی نکھر سے مٹے تھے، جس محبوب بیٹے کی لگن میں وہ تربیت ہوئے آئے تھے، اب ان کی جدائیوں کا جواب جدائی سے ہی دے رہا تھا۔

”بی بی! بی بی بابا جان! صبح آپ اس سے مل لیجئے گا۔“ کوئین نے انہیں معصوم دیکھ کر قتل دی۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر گرین ٹی کا سپ لیتے لگے۔

”حمزہ! اب آرام کرو چٹا! تمہارے لیے اپنے برآمدہ والا روم کھلوادوں یا..... گھر جاؤ گے؟“ راحیلہ بیگم ان کے آرام کے خیال سے کہتے کہتے رُک گئیں۔

”ای جان! ابھی مجھے اپنے قدموں میں پزار بنے دیں، گھر میں ضرور جاؤں گا، گھر جانے کے لیے ہی آیا ہوں مگر ابھی نہیں!.....“ راحیلہ بیگم نے چند ساعت ان کی طرف جا بختی ٹکا ہوں سے دیکھنا گھر بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئیں۔

حمزہ! ہماری سے ابھی بھی ناراض ہو؟“ سب کے جانے کے بعد صمد صاحب ان کی جانب دیکھ کر بولے۔

”نہیں، میں اب کسی سے بھی ناراض نہیں ہوں۔“

”پھر ہماری کو تم نے انعام کرنے سے بھی منع کر دیا۔ میں کال کر رہا تھا کہ کوئین نے بتایا کہ تم نے منع کیا ہے۔“

”میں مثال کا سامنا کرنا نہیں چاہتا۔“

”یہ غلط ہے..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“ صمد نے صاف گوئی سے سچائی بیان کی تھی۔

”ہاں..... شاید..... میں نے زندگی بھر غلط فیصلے کیے ہیں۔ آغاز جوانی کی راہ بڑی خوب صورت، بڑی پرکشش ہوتی ہے۔“

یہاں آپ کو اندھیریوں میں بھی جگنو چمکتے نظر آئیں گے۔ دراصل یہیں سے آپ کو اپنی حیات کا وہ راستہ چھنا ہوتا ہے جس کا تمام تر دار و مدار آپ کی آلے والی زندگی اور شروع ہونے والے فوج پر ہوتا ہے، جہاں آپ کو ہر قدم بہت سنبھل کر، بہت سوچ و بچار کے بعد اٹھنا پڑتا ہے، ذرا سی ٹکا چوکی معمولی سے قدم ڈگمگائے اور آپ واحد میں آپ پھولوں بھرے جن سے خارزار صحراؤں میں بچے جائیں گے۔ جیسے

ایک لغزش نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ پہلے میں کئی برسوں تک بدحواسوں کی طرح ملک ملک، قریب قریب گھومتا رہا لیکن دینی سکون، میرا اپنا آپ، میری شخصیت مجھ سے چھن گئی۔ جن کو حاصل کرنے کی جستجو میں کہاں کہاں نہ گھوما۔ جنگل، دریا، شہر اور گاؤں میں بجاہلوں کی طرح بھٹکتا رہا۔

تجربا پاتے ہی صدمہ کے زخموں پر وہ آپ جتنی سنا رہے تھے۔ ان کے لہجے میں اتنا گداز، ایسی حلاوت اور تذکرتا کہ صدمہ بخود رو گئے تھے۔

”پھر کئی سال گزرنے کے بعد میرے رب کو کچھ گناہ گار و سیاہ کار پر تم آگیا۔ میرے رب نے مجھے منزل دکھانے کے لیے اپنے نیک بندے کو وسیلہ بنایا۔ سید عبدالرزاق چشتی میرے لیے فرشتہ رحمت بن کر آئے اور میرے اندھیروں سے بوسیدہ ذہن و ایمان کو حق و ایمان کی روشنی سے منور کر ڈالا۔“ چند لمحے خاموش ہو کر گویا ان کے تصور میں تھوڑے گئے تھے۔

”آپ سے ان کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟“

”کینیا کے ایک جنگل میں، جہاں خون خوار جانوروں کے درمیان ان کو بے نیازی سے نماز ادا کرتے دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ نماز میں اس قدر محو تھے کہ انہیں اپنے ارد گرد دیکھتے زہریلے کیڑوں کا خوف ہوتا نہ دھاڑتے سناک جانوروں کا اور تعجب کی بات تو یہ تھی کہ کوئی بھی انہیں نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ پہلے پہل تو میری لیے یہ بالی تھی۔ میں دور سے انہیں دیکھا کرتا تھا کہ کب کوئی جانور زہریلا کیڑا انہیں نقصان پہنچاتا ہے مگر ایسا نہیں ہوا۔ دو ماہ گزر گئے پھر مجھے لگا کہ میں دینی طور پر ان سے متاثر ہونے لگا ہوں۔ ان کی عبادت کے خشوع و خضوع نے میری دنیا بدل کر رکھ دی۔ دنیا سے میری بے درشتی بڑھنے لگی۔ ایک روز جب وہ عبادت سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر ان کے قدم چمکڑا کر کہا کہ وہ مجھے بھی عبادت سکھائیں، اپنا شاگرد بنالیں، میں ساری زندگی ان کی خدمت کروں گا۔ وہ مجھے بھی ایسی عبادت سکھادیں کہ جس کو ادا کرتے وقت ہر خوف دل سے دور ہو جائے، ہر سوچ و غم ہٹا جائے، انہوں نے بڑی محبت و شفقت سے مجھے سینے سے لگا لیا اور کہا۔۔۔

”علم سیکھنا اور سکھانا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک علم حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔“

”تو آپ سکھائیں گے نا مجھے ایسی عبادت جو ہر خوف سے، ہر غم و فکر سے بے نیاز کر دے۔“ میں نے سسکتے ہوئے کہا۔

”عمدہ واعظی علم، بہتر عبادت کی ترقیب دیتا ہے، نوجوان اور حقیقی محبت بر شے سے عبادت کو بے نیاز کر کے بھڑکن کر دیتی ہے۔“

جب بھی اللہ کو پکار دو تو یہ یقین رکھو وہ تمہاری ضرورت سے بھی قریب ہے۔ وہ ہر پکار کا فوری جواب دیتا ہے۔ اس کی بر عبادت کے وقت یہ یقین وائق رکھو کہ تم اسے نہیں دیکھ رہے، وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ کیا سچ ہے۔ ہمارا کوئی بھی عمل اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے جس قدر بھی ہو سکے اپنے قلب میں اس کی محبت اور قربت کی آگ جلاؤ۔ اپنی ہستی کو مٹاؤ۔ ہر خوف، ہریشانی، غم و دکھ اس آگ میں اتار پھینکو اور پوری صداقت سے اس کے بندے بن جاؤ جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اسی طرح اللہ کے خوف کے

ساتھ کسی اور کا خوف بھی جنہیں اللہ سے محبت نہیں سکھا سکا، جہاں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہاں ہر خوف دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ اللہ سے محبت، کامل یقین اور اللہ ہی سے سب کچھ ملنے کی اُمید ہر شے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ پھر دل میں خشوع و خضوع کی ایسی آگ بھڑک اُٹھتی ہے کہ بندہ اس دنیا کی حد سے نکل کر اس کی نوازشوں کی سیر کرتا ہے۔ کائنات کا ہر سر بستہ راز اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ وہ نوازنے والوں میں سب سے بڑا نوازنے والا ہے۔“

”اوہ اوہ عظیم ہے! آپ مجھے بھی ان سے ملوائیں گے، سنا ہے اللہ والے، اللہ سے ملانے کا سبب بن جاتے ہیں۔“ محمد صاحب کی آواز میں ان بزرگ کے لیے بے پناہ عقیدت تھی۔

”اسٹوس اوہ دنیا سے پردہ کر گئے ہیں۔“ ایک ڈک بھری آواز کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔

”اوہ! بہت اچھا ہے، کب ہاں ان کا انتقال؟“

”بہت قلیل عرصہ ہمارا ساتھ رہا تھا، محض ڈیڑھ سال۔۔۔ مجھے اپنی شفقت بھری آغوش میں لے کر کئی ملکوں میں تبلیغ کی روشنی پھیلا لے گئے۔ اس دوران میں نے بہت کچھ ان سے سیکھا پھر واپسی پر حج بیت اللہ کی سعادت سے ہم مند ہو کر ہم یہاں پاکستان آ گئے۔ وہ سندھ کے ایک دور دراز علاقے سے تعلق رکھتے تھے، وہاں ان کے بہت عقیدت مند پائے جاتے تھے، ان کے ساتھ مجھے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ انہوں نے سب کو یہ کہہ کر حصارف کروایا تھا کہ میں ان کا بیٹا ہوں پھر قلیل عرصہ بنا کر وہ رحلت فرما گئے اور ان کی ذمہ داریاں از خود ہی میرے کندھوں پر آ گئیں اور پھر میں وہیں کا ہو کر رہ گیا۔“

”اسی ملک میں، اسے قریب رہ کر بھی اتنا دور رہے۔ کبھی کسی کی یاد نہیں آتی؟ کسی سے ملنے کے لیے دل نہیں بڑپا؟“

”نہیں، میں نے سب کی یاد دل سے بھلا کر مالکِ جنت کی یاد سے نوکالی تھی پھر کسی کی یاد بھی تک نہیں۔“

”پھر اب کس محبت نے آپ کو ہم میں لایا موجود کیا؟“

”میرے پیر و مرشد کے قول نے۔۔۔“

”کیا کہا تھا انہوں نے؟“

”یہی کہ آج رشتوں کو تم بھلا کے صراشتیں بن گئے ہو، کل تم اس گیدہ کی طرح ان رشتوں کی طرف پلٹو گے جس طرح پوری قوت سے اوپر اچھالی گئی گیدہ کو گئی رفتار سے واپس زمین کی طرف پلٹتی ہے اور جب یہ وقت آئے گا، تم ہرزخیر نوڈ کر بھاگ جاؤ گے اور دیکھ لو آج میں ہرزخیر نوڈ کر بھاگ نکلا اور جس کی خاطر آیا ہوں، وہ چاند سا چہرہ جدائیوں کے آفت میں چھپا مجھے مزا دے رہا ہے۔“

”ٹیک! اٹ! ایزی!“۔ ذوالنون سے آپ کی محبت ہم جانتے ہیں، یہ اتفاق ہی کہہ لیجئے کہ وہ شکار پر گیا ہوا ہے، حالانکہ وہ ایسی ہائیڈروپنڈ نہیں کرتا مگر بعض اوقات انسان دوستوں کے اصرار پر تاپنڈیہ کام کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ آرام کریں، بہت تھکن ہو گئی ہوگی۔“

صدمہ جزو کی کر کے گرد ہاز حائل کر کے بیڑہ دم تک چھوڑ کر گئے آج عرصے بعد ان کے چہرے پر اطمینان کے احساسات آئے تھے۔ آج کو یا ان کا ادھر وہاں مکمل ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”اے بس! بدی مغرور رہی ہیں، اپنے سر کے آنے پر جو ہم کو ذرا بھی لطف دینے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی ہیں۔“ کوئین نے جگن سے تعلق خصرئی کا راستہ روکتے ہوئے شوفی سے کہا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ اکل ہیں میرے۔“

”جی نہیں۔۔۔۔۔ وہ بچا تھے پہلے باب صرف سر ہیں آپ کے۔“

”اوکے، تو آؤ راسٹ۔ میں بھی آپ سے جیت نہیں سکتی۔“ اس کی محبت بھری شمار آلودہ گاہوں نے اسے بلٹن کر دیا تھا۔ وہ شرمیلیں مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

”سب کچھ ہی توجیت چکی ہو۔۔۔۔۔ اب کیا جیتنا پاتی ہے؟“ اس کی دھیمی آواز جذبات سے بوجھل تھی اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

”آج میری زندگی کا اہم ترین دن ہے، ہاں طویل عرصے بعد ہماری دنیا میں لوٹ کر آئے ہیں، اب میری طرح وہ بھی تم سے دوری برداشت نہیں کر پائیں گے۔“

”ہائیز ہاتھ چھوڑیں کوئی آجائے گا۔“ خصرئی اس کی قربت سے گھبرار رہی تھی۔

”کر دیا نا سارے رد و مال کا حورہ کر کر۔ تم لڑکیوں کو اتنا خوف کیوں ہوتا ہے، کوئی آجائے گا، کوئی دیکھ لے گا، سوڈاٹ؟“ کوئین اس کے ہاتھ چھوڑ کر معنوی نانا جی سے کہہ رہا تھا۔

”اوو۔۔۔۔۔ پہلے یہ تو بتائیے کہ کتنی گزرے آپ کے تعلقات ہیں؟“

”ارے! یہ میں نے کب کہا؟“

”ابھی آپ نے کہا کہ لڑکیوں کو اتنا خوف کیوں ہوتا ہے؟“ خصرئی کے منہ بنا کر کہنے پر وہ بے ساختہ تہتہ لگا بیٹھا۔

”مان گیا بھی! تم بھی کمال کی شخص ہو، ویسے تو شرم و حیا کی بو بونی راتی ہو کہ عہدہ ایک لفظ محبت کا سننے کے انتظار میں بہرہ ہو جائے اور جہاں اپنے ساتھ کسی اپنی ہی منصف کا ذکر سنا تو کلن پھاؤ کر بیچ اٹھتی ہو۔“

”یہ۔۔۔۔۔ اس لیے کہ لڑکی جس سے محبت کرتی ہے اس کے لبوں سے صرف اپنا ہی نام سننا پسند کرتی ہے۔“ خصرئی نے جلد بازی میں کہہ کر دیا پھر حیا سے دانتوں میں زبان دوپائی اور ادھر وہ پوری طرح سے جمود اٹھا۔

”اوو۔۔۔۔۔ اور یہی اور یہی لگی ڈسے لادائی۔“

☆.....☆.....☆

جیسے جیسے وہ وقت کی گزرتی ساتوں کو شمار کر رہی تھی ان کی پریشانوں کو بکھلا ہٹوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

سہ پہر شام میں اور شام رات میں ڈھلنے لگی تھی۔ ڈوالٹوں کی طرف سے انہیں نہ کوئی خبر تھی، نہ کوئی پیغام۔ وہ کال انٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ ان کے درمیان ایک خاموشی تھی۔ ایسی ہیسا تک خاموشی جو اپنے اندر ہولناک طوفان لیے ہوئے ہوتی ہے۔

”مئی انا تم دیکھ رہی ہیں آپ رات گہری ہونے لگی ہے پرس کا ابھی تک کوئی پہنچا نہ نہیں ہے۔“ منال کے لہجے میں بے چینی نمایاں تھی۔

”ڈارلنگ! سمجھا کرو حسن دجوانی مل جائیں تو وقت گزرنے کا احساس کس کو رہتا ہے، ڈونٹ وری۔ وہ آجائے گا۔“ نائڈ کے لہجے کی بے باکی اس لمحہ نہ معلوم کیوں منال جیکم کو اذہد بری لگی۔ وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔

”ناچنے اسٹ می ایجے مل نہیں ہوتا کہ پرس..... وہ اپنا مناج خراب نہیں کر سکتا۔ میرا دل نہیں مانتا ایسا ہوگا۔“

”آف کورس۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا اگر میں اسکا ٹپلی اس کی برین واشک نہ کرتی۔ کیا کیا پاؤں نہ بیلے میں لے اسے پیچ کر لے کے لیے۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے مگر ہو گا وہی جو ہم نے چاہا ہے۔“

”پھر بھی مئی اس وقت تک پرس کو آ جانا چاہیے تھا۔“ اس لمبے ملازمہ ٹرائی مہینے اندر داخل ہوئی۔

”جیکم صاحبہ! چھوٹے صاحب کو تو بہت وقت پہلے میں نے یہاں آتے دیکھا تھا اور واپس جاتے ہوئے بھی۔“ ملازمہ نے اندر آتے ہوئے ان کی بات سن کر کہا۔

”کیا۔ کیا بک رہی ہے؟ کس کو دیکھا تھا تو نے؟“ ملازمہ کی اطلاع ان پر برقی کی مانند گری تھی۔

”پرس صاحب کو دیکھا تھا جیکم صاحبہ! ملازمہ نائڈ جیکم کی جلا وصف آواز سے کانپ کر بولی۔

”تجھے یقین ہے وہ پرس ہی تھا۔“ منال اسے گھورتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”جی جیکم صاحبہ! مجھے یقین ہے وہ پرس صاحب ہی تھے۔“

”وہ یہاں آیا تو روم میں کیوں نہیں آیا؟“ وہ ہکا بکا ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

”کتنی دیر بعد تو نے اسے واپس جاتے دیکھا تھا؟“

ملازمہ بری طرح گھبرا گئی تھی وہ ان کی شعلہ مزاحی سے ویسے ہی خائف تھی۔

”وہ جی، میں..... کیا اوٹھ میں مالی کو کھانا دینے گئی تھی تو چھوٹے صاحب اس طرف آرہے تھے، جب میں مالی کے کھانا کھانے

کے بعد برتن واپس لے کر آ رہی تھی تو صاحب کو واپس جاتے دیکھا تھا۔“

”جاؤ..... دلیج ہو جاؤ یہاں سے اور خبردار جو یہ باتیں یاد رکھیں تو۔“ ملازمہ ماسی لمبے وہاں سے بدحواسی سے بھاگی۔

”یہ کیا ہو اُمی! بیٹیا پرس نے ہماری تمام گھنگھون لی ہے جب ہی اعدا نے کے بجائے واپس چلا گیا..... نہ معلوم کہاں گیا ہے؟“

منال بیگم کے حال ہی موٹے پر بیٹھے ہوئے پولیس۔

”ٹیک اسٹ ایزی، ایسی معمولی معمولی باتوں سے پریشاں نہ مت ہوا کرو۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے اس نے کچھ نہ سنا ہو۔“ وہ خود کو سنبھال کر منال کو تسلی دے رہی تھیں۔

”پھر وہ اندر آئے بنا کیوں چلا گیا؟ وہ ہمیں گڈنڈو نہ سنانے آیا تھا۔ پھر خاموشی سے کیوں چلا گیا؟ مجھے محسوس ہو رہا ہے کی، اس نے سب سن لیا ہے۔ وہ سب جان گیا ہے۔۔۔۔۔“

”ریلیکس..... ریلیکس ڈائرا“ کا نکتہ نے پیار سے کہا۔

”میں سب کچھ برداشت کر لوں گی..... مگر پولیس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت و عداوت برداشت نہ کر پاؤں گی۔“ اوہ زور و شور سے دے لگی۔

”اوہ منال، منال، کیا ہوا ہے ڈیرا اس قدر اہم فاضل کیوں ہو رہی ہو؟ کیا ہو گیا ہے آج تمہیں؟“ کا نکتہ بیگم ان کی اچانک تبدیلی جذباتیت سے سخت حیران تھیں۔

”زندگی میں پہلی بار میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے چراغ روشن دیکھے ہیں، میں اب ان آنکھوں میں نفرت کا دھواں کس طرح برداشت کر پاؤں گی۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوا ہے وہ ابھی آجائے گا۔“

”وہ نہیں آئے گا، میرا دل کہتا ہے وہ نہیں آئے گا۔“ اب منال بیگم نے زار و قطار اور با آواز بلند رونا شروع کر دیا تھا۔

”گارا گاڈ سیک منال! کیا پائلٹ ہیں ہے یہ؟ یہ ملازموں کے کان بندے لیے ہوتے ہیں وہ کیا سوچیں گے؟ کچھ عقل استعمال کرو۔“ کا نکتہ بیگم غصے سے مخاطب ہوئیں۔

☆.....☆

”کوئین بڑا مسرور سا دہاں سے پلٹا تھا۔ اللہ جب دیتا ہے تو چہرہ بھار کر دیتا ہے۔ اس عتولے پر اسے آج پکا یقین آ گیا تھا۔ قدرت نے اس کی جموئی مسرتوں سے بھر دی تھی، برسوں سے پھڑکی ہوئی دولت، باپ کی واپسی کی شکل میں ملی تو آج خضرئی نے بھی اقرار محبت کر لیا۔

دھڑا کرین پر گرنے والے موٹے موٹے بارش کے قطرہوں نے اسے سوچوں کے سمندر سے کھینچ نکالا تھا۔

”اوہ..... یہ کراچی کا موسم بھی بجانے کب مجھ پر کس طرح بدل جائے۔ خبر نہیں ہوتی۔“ وہ مسکراتے ہوئے ہنسا ہوا۔

کار میں وٹر اور جیما سڈوک چل رہا تھا۔ وہ بہت خوشگوار موڈ میں ڈرنا کیونگ کر رہا تھا۔ طویل عرصے بعد خوشیوں نے اس کے دل پر دستک دی تھی۔ اس نے پوری طرح باغی نہیں داکر دی تھیں۔ انہی سوچوں میں گم اس نے گاڑی ٹرن کی۔ سامنے کچھ ٹاسلے پر بھوم دیکھ کر چٹک چٹک پھر

اس کی نگاہوں سے ہوتی ہوئی اس آف وائٹ مرئیت پر پڑی دوسری لمحے وہ ہنسا کر ہار نکلا اور لوگوں کے درمیان جگہ بنا کر ایک پہنچا۔
سوفیہ یہ کارڈ والٹون کی تھی جو اس وقت بری حالت میں کھڑی ہوئی اپنی جاہ حالی کا ثبوت تھی۔ کاربری طرح درخت سے کمرائی
تھی۔ ٹکراتی شدت تھی کہ اس کا گلا حصہ بالکل جاہ ہو چکا تھا۔ ونڈ اسکرین کا گلاس ٹوٹ کر درخت کی کٹی شاخیں اندر گھسی ہوئی تھیں۔ کٹی باڑی
پر گری ہوئی تھیں۔ خون کی سرخی اگلے حصے میں جبکہ جبکہ کچھ کاس پر قیامت بیت گئی۔ دل کٹھنوں پر دھڑکنے لگا۔

”یا الہی اخیر۔ میرے بھائی کو اپنی خطہ و امان میں رکھنا۔“ اس نے دھواں دھواں ہوتے احساسات کے ساتھ دعا کی۔
”بہت خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔“

”کارا تھی شدت سے بچنے سے کمرائی ہے کہ بچے کا بڑا حصہ ٹوٹ کاس پر گر گیا ہے۔“
”نوجوان نسل کو گاڑی بھگانے کی پڑی ہوتی ہے پھر جلدی جلدی کے چکر میں آ گئے نہیں دیکھتے کہ کیا آ رہا ہے۔“ وہاں کھڑے
لوگ تجرہ کر رہے تھے۔

”کیسا خراب صورت جہان ہے۔۔۔ مشکل ہی بچے۔“
”نہیں۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا مت کہو، میرے بھائی نے محرومی اور دکھ ہی دکھ دیکھے ہیں۔ اسے تو ابھی جینا ہے، زندگی
مسرور کی نوید لے کر ابھی آئی ہے وہ اس طرح نہیں جاسکتا۔ میں اسے جانے نہیں دوں گا۔“ کونین بڑبڑایا۔ وہاں کھڑے لوگ چہ
چیموئیاں کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو رہے تھے اس بات سے بے خبر کہ ان کے منہ سے نکلنے والے لفظوں سے کون کس طرح
گھماں ہو رہا ہے۔

”بھائی صاحب! ایکسیڈنٹ کس کا ہوا ہے؟“ ڈیوڈر ہوتی ہوئی دلی کیفیت میں جھلا اندیشوں سے کانپتے لہجے میں کونین نے
وہاں سے جاتے ہوئے ادنیٰ عمر شخص سے دریافت کیا۔

”کوئی نو عمر لڑکا ہے، بہت خطرناک حادثہ ہے۔“
”کسی نے ایسی پولیس بلاوائی تھی، نہ معلوم کس ہاسپتال لے کر گئے ہوں گے؟“
بارش تیز ہو گئی تھی۔

تیز ہواؤں نے ماحول کو بالکل ہی سرد کر کے رکھ دیا تھا۔ لوگوں کا جھوم وہاں سے غائب تھا۔ سخت سردی و بارش میں وہ ڈوالٹون کی
کار کی بیک کوپوں سے کھڑا تھا گویا جسم میں جان باقی نہ ہو۔ حواس یک دم ہی شل ہو کر رہ گئے تھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرے تو کیا
کرے؟ جرم ہوا ہے وہ خواب ہے یا حقیقت؟

پھر وہ بھاگتا ہوا کار کی طرف بڑھا۔ ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا سیل فون کل دے رہا تھا اس نے اسکرین پر چمکتے صدارت کے نام
کو دیکھا اس کا دل بری طرح سے پھر دھڑکنے لگا۔

”ہیلو..... اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

”کوئین! فوراً ہاسٹل آئیں۔“ مصدا صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے تیل بند کر دیا۔

”اودا“ کا پتہ ہاتھوں سے کارڈ اشارت ہوئے اس غضب کی سردی میں بھی اس نے اپنے ماتھے پر پچھے محسوس کیے تھے۔

”غشی کی عمر اتنی مختصر کیوں ہوتی ہے؟ یا ہماری خوشیاں ہی اتنی چھوٹی عمر کی ہوتی ہیں جن سے آشنائی پوری طرح ہو بھی نہیں پاتی

کہ وہ دامن بچا کر بھاگ بھی جاتی ہیں۔“

☆.....☆.....☆

”کزن! ہم اپنے نئے گھر یعنی ”آشیانہ“ کی گریڈ پارٹی دیں گے۔ گیسٹ لسٹ اور میچو کی سلیکشن بھی کر لو۔“ انس صاحب

ایزی انداز میں لپکتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے۔

”ہوں ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میرے خیال میں یہ کام ہم بی بی جان اور بھابیوں کی موجودگی میں کریں تو بہتر ہے؟“ شال کا غصہوں پر

ڈالتے ہوئے کرن نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔ وہ بھی پیار بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”وائے ڈاٹ۔“

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”سوچ رہا ہوں کیا میں اتنا خود پسند ہوں جو آپ معمولی سا کام بھی میری اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی ہیں۔“

”ارے نہیں یہ میں نے کب کہا؟ آپ تو گریٹ ہیں یہ ہر کام پوچھ کر کرنے والی عادت کو آپ محبت کہہ سکتے ہیں۔“ وہ یہ کہتی

ہوئی ان کے پاس سے اٹھنے لگیں تو انہوں نے ہاتھ پکڑتے ہوئے دھیمے اور پیار بھرے انداز میں کہا۔

”محبت کی انتہاؤں کو مات دے دی ہے تم نے یا ر اسی لیے میں نے تمہیں کبھی بیوی نہیں سمجھا۔“

”وہاٹ؟“ گویا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ پیچھے ہٹیں۔ ”معلوم ہے آپ کو..... کیا کہہ رہے ہیں؟“

”آف کورس۔“ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

”آپ کے ایسے مذاق مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔“

”آئی ایم سیریس۔“

”میں جارہی ہوں۔“

”بابا بابا.....“ وہ ساختہ تہقیر لگا کر گویا ہوئے۔ ”میں ہر دفعہ کہتا ہوں یا ر میں بیوی نہیں محبوبہ سمجھتا ہوں، پھر بھی تم مانیڈ کر جاتی

ہو..... یہ کوئی بات ہوئی؟“

”بٹ..... ہر بار ایسے ورڈز استعمال نہیں کئے۔“

”او کے ہماری جان سے پیاری بیٹی کدھر ہوتی ہیں آج کل؟ بہت کم اس کا پیارا چہرہ ہماری آنکھیں دیکھ پاتی ہیں۔“

”آفس جاتے وقت آپ مل کر گئے ہیں پھر آ کر شاہک سینٹر چلے گئے تھے۔ دراصل آج کل آشیانہ کی تیاریوں کی وجہ سے مصروفیات اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ ساتھ بیٹھنا بہت کم ہو رہا ہے۔“

”اس کو میرے پاس بٹھاتی ہوئی جانیں، مگرین ٹی کے حراہ۔“

”جی اچھا۔“

وہ کچن میں ملازمہ کو مگرین ٹی کا کہہ کر لاؤنج میں چلی آئیں جہاں تمام بیک جرنیشن جمع تھی۔ ڈرائی فروٹس کے ساتھ باتوں کا دور چل رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر وہ سب خوشی سے گویا ہوئے۔۔۔۔۔

”وینکم..... وینکم آئی!“ اسی نے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ مسکے کس لیے لگایا جا رہا ہے؟“ وہ ہنسی ہوئی گویا ہوئیں۔

”مسکے نہیں آئی! آپ تو ہمیں ویسے بھی اتنی اچھی لگتی ہیں۔ آپ کی اور اس اکل کی جوڑی آئیڈیل ہے۔ رینگی، آپ حورین کی ممانہیں، سسر لگتی ہیں۔“

”او کے، او کے، پلیز اتنی تعریفیں مٹرور کر دیں گی۔“ ان کے انداز پر وہ کھٹکھٹا کر ہنس پڑیں۔

”آئی ابائی دی وے، آپ کیا ہریرہ کو اپنی سرپرستی میں لے رہی ہیں؟“ اسی نے استفسار کیا۔

”ہریرہ تو ہے ہی میرا بیٹا، سرپرستی بچپن سے لی ہوئی ہے۔“ وہ ہریرہ کی طرف دیکھتی ہوئی شفقت سے گویا ہوئیں۔ ہریرہ کے خوب صورت چہرے پر مسرت و انجساز کے رنگ کھر گئے۔

”آئی آپ سمجھتی ہیں، ہمارا مطلب دوسرے رشتے سے ہے۔“ رؤف جھجکا ہوا بولا۔ انہوں نے سر ہلا کر تائید کی۔

”اچھا..... اچھا..... یہ بات ہے۔“ وہ شوخ لہجے میں ہریرہ کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئیں تو ہریرہ جھینپ گیا۔

”ارے آئی آپ کو پہلے سے معلوم نہ تھا کیا؟“ سرمد نے استغناء سے لہجے میں کہا۔

”نہیں مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔“

”کسی نے انکار نہیں کیا آپ کو؟“ سفیان کو تعجب ہوا۔

”اوہ..... ہو..... ہو!“ ککی معنی خیر نکلیں اور آواز میں ہریرہ کی جانب اٹھیں تو وہ مسکرا دیا۔ لڑکیوں میں سے ہلانے لب کشائی کی۔

”میری تو مرضی ہی مرضی ہے لیکن فیصلہ تو لیا ہی جان کو کرنا ہے۔ آشیانہ شفقت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہی ہے۔ لیا ہی جان کو وہاں جا کر پھول بھجیوں گی۔“

ہریرہ کے چہرے پر مسرتوں کے پھول کھل اٹھے۔ وہ اس سے تھیلر چھانچا میں مصروف ہو گئے۔

”ارے ہاں، میں تو حورین کو بلا نے آئی تھی، وہ یہاں نظر نہیں آ رہی، نہ مول ہے۔ کہاں ہے دونوں؟“ ان کو یاد آیا تو وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آئی اہم لوگ آج ماموں کے ہاں ملے ہوئے تھے، کچھ دیر قبل ہی واپسی ہوئی ہے، حورین اور مول سے ملاقات نہیں ہوئی۔“
 زویا کے کہنے پر وہ باہر نکل آئیں۔

انہوں نے باہر آمد حورین کو دیکھا، وہ کہیں نہیں تھی۔ وہ سیدھی مول کے بیڑوم کی طرف بڑھ گئیں کہ وہ یہی بتا دے گی۔ مول سے اس کی گاڑھی چھٹی تھی، ماکٹر دونوں ساتھ ہی رہتی تھی۔ نثر کے بعد مول کے قریب آ گئی تھیں۔

”مول! کیا ہوا؟ تم اس قدر پریشان اور گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ خیریت تو ہے ناں بیٹا؟“ مول کمرے سے باہر آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے قریب آ کر بکھلائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

”آپ پریشان مت ہوں آئی ایم راکٹ!“ کنوڑا عصاب و بے حوصلہ کرن بیگم اس کے متوہش چہرے کو دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھ چکی تھیں۔ مول نے جیڑی سے آگے بڑھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالا۔

درحقیقت وہ کتنی گھٹنوں سے حورین کو کال کر رہی تھی، وہاں سے جواب نہیں مل رہا تھا کیونکہ وہ کہہ کر گئی تھی کہ ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں رُکے گی اور اب اسے ملے ہوئے سات گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔

کیا ہوا ہے؟

کچھ سے باہر تھا، حورین پر ہتھ اٹھا دیا تھا، اتنا ہی اعتبار اسے ذوالنون کی شرافت پر بھی تھا۔ وہ ہر طریقے سے قابلِ بھروسہ تھا۔ لیکن..... پھر نہ معلوم کیا بات تھی کہ وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ وقت تھا کہ سرعت سے گزرے جا رہا تھا۔ ہرگز رتا تھا اسے فکرو پریشانی سے پاگل کر رہا تھا۔ وہ نئی طرح خوف زدہ ہو رہی تھی۔ اس کے کہنے پر ہی وہ تکی تھی، درندہ خود گھبرا رہی تھی۔ نہ معلوم کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ ڈرائیور بھی حورین کو چھوڑ کر گاؤں چلا گیا تھا، درندہ اس کے ساتھ چلی جاتی جہاں حورین کو اس نے ڈراپ کیا تھا۔ دوسرا ڈرائیور اس جگہ سے لاعلم تھا۔ لاعلم تو وہ خود بھی تھی۔

گزرتے وقت نے اسے بہت بے سکون کر دیا تھا۔ بدستی ہوئی سردی اور بدستور حورین کی کشمکش نے اسے بالکل ہی خوف زدہ کر دیا تھا۔

وہ ہر یہ کہ سب کچھ بتا کر مدد لینے کی نیت سے کمرے سے باہر نکلتی تھی جو کرن اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔

”پھر تمہارا چہرہ اس قدر زرد کیوں ہو رہا ہے؟“ کرن اس کے چہرے کو ہاتھ لگاتی ہوئی پوچھیں۔

”سر میں درد ہو رہا ہے۔“ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان بکھری۔

”کوئی میڈیسن لی؟ ڈاکٹر کو کال کرو؟“ دوسوں، اعدائوں میں دل اس حد تک پریشان تھا کہ اب کوئی معمولی یا غیر معمولی

بات پر دھڑکنیں اڑ گئی تھیں۔

”میں نے دوائی لے لی ہے آپ فکرت کریں آئی“۔ موٹل کا دل تھک کی ڈلی بننے لگا تھا۔ وہ ہوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی کچھ دیر بعد جب حورین کی کشمکش کا معلوم ہوگا تو پھر کیا یہ خود کو سنبھال پائیں گی؟

”چلو اندر چلو درود بہت زیادہ ہو رہا ہے، میں دواؤں کی تو لٹھوں میں آرام آ جائے گا۔ حورین سے سرو بھارتیں تو آرام آ جاتا۔ بلاتی ہوں اسے تمہارے روم میں ہی ہے وہ، سب جگہ تلاش کر کے آ گئی ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تمہارے روم میں ہوگی“۔ وہ نہ اعتماد لہجے میں کہتی ہوئی آگے بڑھیں۔

قل اس کے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر جائیں ملازمہ بدحواس سی وہاں بھاگتی ہوئی آئی۔

”جیکم صاحبیا جیکم صاحبیا“ بے تحاشا پھولی ہوئی سانسوں کی وجہ سے اس سے بات نہ کی جا رہی تھی۔

”یا اللہ! خیر کیا ہوا مہر و!“ ان کے علاوہ اس کا دل بھی خوف کے مارے کاپ اٹھا۔

”وہ..... جی! حورین بی بی..... اسٹیڈی روم میں بے ہوش پڑی ہیں“۔ ملازمہ کی بات سنتے ہی وہ دونوں اوپر بھاگیں۔ ان کی چیخ و پکار نے لٹھوں میں سب لوگوں کو ادھر جمع کر ڈالا۔

”حورین! حورین!“ سب سے آگے ناس صاحب تھے۔

کارپٹ پر اس کا وجود شاخ سے گرے پھول کی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔ آکے بڑھ کر انہوں نے اسے چھوا، اس کا جود صرف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا، انہوں نے اسے باروؤں میں بھر لیا۔ کرن پھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ہریرہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ کچھلی نشست پر بی بی جان حورین کا بے جان جسم سنبھال لے لی تھیں اور دکر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

یکے بعد دیگرے کئی کاریں ہاسپٹل کے کپاؤنگ میں زکیں۔ سب سے پہلے کونین کار سے اترا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا O-T کی جانب بڑھ گیا۔ باہر ہی آپریشن تھیٹر کے پاس صمد صاحب مل گئے، وہ ان کے گلے لگ کر خود پر قابو نہ رہ سکا۔

”اٹکل! یہ کیا ہوا؟ یہ کیسے ہو گیا؟“ کونین بھائی کی محبت میں پچھل کی مانند رونے لگا۔

”بی بی بی مائی سن! ایک کیر، اسے اس وقت دواؤں کی اشد ضرورت ہے، دواؤں سے زیادہ دوائیں اس کے لیے اہم ہیں پلیز دوائیں کرو اس کے لیے“۔

صمد صاحب ڈاکٹر ہونے کے باوجود اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ کچھ وجہ تھی کہ وہ تھیٹر سے باہر تھے۔

”اٹکل! وہ کیا تو جاتے؟ اسے زخم دہ رہتا ہوگا اٹکل! ابھی اس کی مری کیا ہے؟ اس نے دیکھا ہی کیا ہے؟ ابھی تو اسے پلا سے

بھی ملتا ہے، زندگی کو جتنی رنگ میں دیکھنا ہے۔ کوئی جیسا قابل و صابر بندہ حوصلہ چھوڑ بیٹھا تھا۔ یہ دکھ ہر دکھ سے ہماری اور ناقابل برداشت تھا۔

”ایک کیڑا رانٹا اللہ سے کچھ نہیں ہوگا۔ تم خود کو سنبھالو پتھر۔“ آگے پیچھے دو سب ہی چلے آئے تھے، گھر میں راجہ پنکھ کے پاس اریہ کو چھوڑ کر، کیونکہ ان کو اس حاوٹے کا تیا نہیں تھا۔ معین نے اسے گلے لگا کر تسلی دی، حالانکہ ان سب کے چہرے شکرت تھے۔ ہریرہ اور حضرت علی پہلے ہی آپریشن تھیر میں جا چکے تھے۔

منویر بیگم اور سونیا چپکے چپکے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ شرخ و کلنڈرے خسر کے چہرے پر بھی بے چینی کی سرخی تھی۔ معین ان سب کو تسلی دلا رہا تھا۔

ان سب سے آخر میں آنے والے حمزہ تھے، جن کی دھیمی چال سے ہلکی و ہر ہلکی ظاہر ہو رہی تھی مگر فوراً بارش چہرے پر وقار و سکون کی با اثر کیفیت طاری تھی۔ کوئی جو خود کو سنبھال نہ پا رہا تھا، بڑے جذباتی انداز میں ان سے لپٹ گیا۔

”بابا!.....! بابا! آپس؟“ وہ پھر شدت سے رو پڑا۔

”ممبر میرے بیٹے! ممبر سے ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کی دی ہوئی خوشیاں ہمیں خوشی پیش اور دکھوں پر داویلا عیا کرنا ہسری کا اظہار کریں۔ بہت غلط انداز ہے یہ۔“ وہ اسے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

”خوشیاں! خوشیاں ہمیں ملی ہی کہاں ہیں بابا! ہمیں دکھ ہی دکھ ملے ہیں۔ آج مکمل بار خوشی کا چہرہ دیکھا تھا کہ دکھوں نے پھر اپنے حصار میں لے لیا۔“

”اللہ سے شکایت کرنے کا بندے کو کوئی حق نہیں ہے، ہمیں جو بخشا جاتا ہے، ہمارے اعمالوں کے سبب سے بخشا جاتا ہے۔ جا کر وضو کرو اور اللہ سے مانگو جو وہ نواز دے تو شکر سے لے لو۔“

کوئین خاموشی سے آنسو صاف کرتا ہوا معین کے ساتھ وضو کرنے چلا گیا۔ منویر و سونیا پہلے ہی کوریڈور سے آگے بنے کٹہرے میں بنی نماز کی جگہ پر بیٹھیں قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھیں۔

”کیسا..... ہے..... وہ؟“ تنہائی پاتے ہی محمد صاحب ان کے سینے سے لگے تو وہ بولے۔

”دُعا کریں بھائی! وہ موت و نہایت کے درمیان ہے، اس کی کنڈیشن دیکھ، بلیڈنگ بہت ہو چکی ہے۔ ابھی بھی اور ہی ہے اگر یہی کنڈیشن رہی تو.....“ شدت جذبات سے ان کی آواز رنڈھ گئی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکے۔

”جو اس کی رضا ہے، وہ میری رضا ہے۔ ہم سب اس کی امانت ہیں اور ہم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے وہ جس حال میں بھی رکے صرف اور صرف اپنا دکھ کر کے، سب منظور ہے۔“

حمزہ نے سامنے برستے آسمان کی طرف دیکھا اور وہیں سبک مر مر سے بنی شیش پر بیٹھ گئے، جو برف کی طرح سرد تھی۔

”بھائی جان! آپ اندر چلیں، یہاں بہت سردی ہے۔“ صاحب نے بہت احترام سے ان سے کہا۔

”نہیں، جہاں میرے اندر بھڑک رہی ہے اگر باہر نکل گئی تو اس سارے ماحول میں لگ جائے گی، یہ سردی کچھ نہیں۔“

”بھائی جان! بھڑکی..... میں یا بچے آپ کو اس طرح یہاں نہیں دیکھ سکتے۔“ صاحب شکر تھے۔

”مما! جس حزمہ کو تم جانتے تھے، جو کالج کا دل، موتی جیسے جذبات رکھتا تھا، وہ بیس سال قبل جذباتی موت مر چکا ہے۔ اب

تمہارے سامنے وہ حزمہ ہے جو بالکل بدل چکا ہے۔ یہ بدلے موسم و وقت کے توراں کے لیے کچھ نہیں ہیں۔“ حزمہ کے نرم لہجے میں وہ جلالی

پن تھا جو عام بندوں پر ایک آن دیکھی ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ صمد نے پھر کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے وہاں سے ڈاکٹر زروم میں چلا گیا،

جہاں اس کی کال تھی۔

حزمہ وہاں بیٹھ کر سہانہ وہ کر میں مشغول تھے۔ صاحب بھی کئی چکرا، ٹی کے لگا چکے تھے۔ ہر بار ان کا چہرہ پہلے سے زیادہ نگر

منہ دکھائی دیتا تھا اور سب کے دل دھڑک اٹھتے تھے، وہاں کوئے کوئے میں گویا آداسیاں بکھری پڑی تھیں۔ عام حالات میں سرٹ ہما گئے

والی گھڑی کی سوئیاں چھوٹی سے بھی کم رفتار میں سرک رہی تھیں۔ وقت کی جگہ دل کی دھڑکنوں نے لے لی تھی۔

”کوئین! بھابی بیگم! رہی ہیں میز، انہیں سنبھالنا وہ شاکڈیز میں نے انہیں اختتام کر دیا ہے۔“

”اؤ، کے، وہ کب باہر آئے گا؟ بہت ناگم ہو گیا ہے اندر گئے ہوئے۔ کیا کنڈیشن بہت زیادہ سیریس ہے؟“ کوئین جو خود کو

سنبھال چکا تھا، اسے اپنے جذبات سے شدید جنگ لڑنی پڑی تھی، پھر سب سے زیادہ حوصلہ حزمہ کی موجودگی نے دیا تھا۔

”جوازہ طور پر خطرناک چٹوں سے دو فٹ گمایا ہے، جاپے حادثات میں عموماً لگا کرتی ہیں لیکن خون بہت ضائع ہوا ہے اور ابھی کم

ہوا ہے، بڑک نہیں رہا جیسے ہی ہلیڈ لک انڈر کنٹرول ہوتی ہے ہم اسے روم میں شفٹ کر دیں گے۔“

صدا نکل سے تفصیل بات کر کے اس کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ اسی وقت منال، فائڈ بیگم کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

”کیا ہوا؟ میرا پرس کہاں ہے؟“ وہ دہرایا لگی کے عالم میں آکر کوئین کو چھوڑتی ہوئی بولی۔

”وہ ٹھیک ہے ممما! آپ..... آپ پریشان مت ہوں۔“

”وہ ٹھیک ہے تو کہاں ہے؟ تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہے؟“

”منال! اوش میں آؤ، پرس آپریشن تھیٹر میں ہے۔“ فائڈ بیگم سارے راستے انہیں بہ شکل سنبھالتی لاتی تھیں۔ اب بھی ان کی نرم

دیوانگی کی حالت دیکھ کر گویا ہوئیں۔

”تم چپ کرو تم عورت نہیں ڈاؤن ہو، یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، ایسا ہمیشہ تم جیسی عورتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔“ وہ آنکھیں

نکال کر ان کی طرف بدھیں، اگر کوئین بروقت ان کے ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو ممکن تھا وہ ٹانگوں سے ان کا چہرہ لہو لہا کر دیتیں یا گلا ہی دہا دیتیں۔

”مما! ڈعا کریں، یہ دعا کا وقت ہے۔“

”صدمہ بڑا مثال بہت زیادہ ڈپریشن ہے پلیز، اسے کوئی انجکشن دے دیں جس سے یہ ریلیکس ہو جائے۔“ قافلہ پیگم بیٹی کے ہاتھوں قماشابننے کے خوف سے صدمہ کو بنا کر لے آئی تھیں۔ مثال ہوش و خرد سے بیگانہ انھیں نہ اہلا کہہ رہی تھی۔ صدمہ کی ہدایت پر کوئین انھیں وہاں سے روم میں لے آیا، جہاں نرس نے انھیں انجکشن دے دیا۔

”کوئین اپنس کی حالت کی ذمہ دار یہ عورت ہے، اس کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ اسے معاف.....“

انجکشن نے فوری اثر دکھایا۔ وہ کہتے کہتے سو گئی تھیں۔

”ایک دم ہی صدمہ نے لیا اور دیکھو ذرا..... ماں دشمن نظر آنے لگی۔ اپنی دے اٹھے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ تم بتاؤ، پرنس کی حالت کیسی ہے؟“

”ڈاکٹر جی“ کوئین کا دل اس وقت ہاں اور ناف سے بہت خراب تھا۔ وہ ان پر آگاہ ڈالے بیٹا ہر گھل آیا۔

”کوئین امبارک ہو، ذوالنون نے موت کو شکست دے دی۔“ ہریرہ بیٹی گرم جوشی سے اس سے آکر لپٹ گیا۔

”او.....!! اللہ حیرانہ لاکھ شکر ہے۔ میں بابا جان سے مل کر آتا ہوں۔“ کوئین کی سرخوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

”چچا جان شکر اے کے نوافل ادا کرنے گئے ہیں۔“

”میں بھی جا رہا ہوں۔“

جہاں کچھ دیر ٹھل ستانے، دیرانیاں اور سسکیاں تھیں، وہاں باب ذوالنون کی حیات لو کی خبر طمانیت و مسکراہٹ بن کر ہونٹوں پر کھلی ہوئی تھی۔ روشنی بن کر چہروں کو منور کر رہی تھی۔

ذوالنون روم میں شفٹ ہو چکا تھا۔ اس کا سر، بازو اور سینہ بیچوں میں جکڑا ہوا تھا۔ چہرے پر یہی کافی خراشیں تھیں۔ صبح صادق کے وقت اسے کچھ دیر کے لیے ہوش آیا تھا۔ وہ اب ڈاکٹر زکی ٹریٹمنٹ کے بعد سکون اور انجکشن کے باعث سو رہا تھا۔ صدمہ صاحب نے سب کو ذوالنون کی طبیعت بہتر ہوتے ہی گھر بھیج دیا۔ اب وہ خود اور حمزہ تھے، جو دل کی کیفیت سے مغلوب اس کا چہرہ یک نگہ دیکھ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

شعبہ انتہائی نگہداشت میں حورین کو فوری طور پر ایڈمٹ کیا گیا تھا۔ اس کا نرس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر زکی سرخوڑ و شش کے بعد وہ ہوش میں آئی تھی مگر دواؤں کے باعث اس پر ابھی خودگی طاری تھی۔ رات بھر سب لوگ ہسپتال میں جمع رہے تھے۔ بے شمار دعاؤں، فقیں، صمدتے اور خیرات کی رقم جھڑٹی میں دی گئی تھی۔

صبح بی بی جان نے سب کو گھر بھیج دیا تھا۔ کرن ادا اس صاحب وہاں سے ملنے کو تیار نہیں تھے۔ مول بھی بی بی جان کی منت سماجت کر کے رک گئی تھی۔ بی بی جان بھی محسوس کر رہی تھیں اس کی عبت کو کہ کل سے اب تک حورین کی محبت میں وہ خنجر کر رہی تھی، سو وہ کچھ تندرہ بول سکیں۔ مول کے لیے اس کا اسٹیلڈی روم سے اس حالت میں ملنا بہت بڑا اسمہ تھا۔ اب جب تک وہ یہ معلوم نہ کر لیتی کہ اصل قصہ

کیا ہوا؟ اسے محسن نہ تھا، کیونکہ اس بات نے اسے بے سکون کر رکھا تھا، اس کے اصرار پر جو رہن گئی تھی، وہ وہ اصرار کرتی، وہ وہ جاتی اور نہ ہی اس کی یہ حالت ہوتی۔

”مجھے نہیں آ رہی تھی کہ حور نے ایسی کس بات کی ٹینشن لی ہے جو اس حالت کو پہنچ گئی۔ ڈاکٹر زکیر ہے ہیں اگر معمولی سالیٹ ہو جاتے تو ہماری بیٹی؟“

کرن رات سے یہی بات کہہ کہہ کر رو رہی تھیں۔

”شکر ہے اس مالک کا..... کہ اس نے جان بخش دی، حساس بھی بہت زیادہ ہے۔ کوئی بات دل کو لگ گئی ہوگی، بلکہ کل صبح ہی تو بی بی کا ایک نوزائیدہ بچہ سردی سے مر گیا تھا۔ اس کے غم میں ناشہ بھی نہیں کیا تھا۔ بس وہی سوچا ہوگا۔“ بی بی جان کا چانک ہی کل صبح کی بات یاد آ گئی۔

”اسکی حساسیت بھی کیا جو جان پر بین جائے۔ آج کل تو انسان ہی انسان کو مار کر پھینک رہا ہے اور طال بکٹ نہیں کرتا۔“

”آئی اے اگلے آپ لوگ کچھ کھالیں ناں۔ رات سے صبح ہو چکی ہے۔“ موئل ان دونوں سے مخاطب ہوئی۔

”ہاں، بھئی! حور ہوتا تھا وہ ہو گیا۔ اب کھاؤ، دیکھو ڈراما چروں پر بھی رونق آئے۔ پتی جاگے گی تو مزید پریشان ہو جائے گی اور کرن! خبردار جواب پتی کے سامنے آسو بہائے۔ ایک تو وہ بیمار ہے پھر روز کر اور ڈرامو۔“

بی بی جان نے ان خود لہجہ سنیں بتایا۔

”بی بی جان! میں بے بس ہو جاتی ہوں۔“ کرن چھلک جانے والے آنسو صاف کر کے بولی۔

”ہمت پکڑ دیجئے! مضبوط ہو، اولاد ہی ماں باپ کی سب سے بڑی کمزوری ہے تو طاقت بھی ہے۔“

”میں اس کو اس طرح نہیں دیکھ سکتی۔“

”غلط بات بیٹی ذات کو آگے چل کر سو طرح کے مسئلے جوتے ہیں جو بیٹی کے لیے ماں کو ہی حال کرنے پڑتے ہیں اگر تم اس طرح آنسو بہانے بیٹھ جاؤ گی تو خود بھی مٹا شا ہوگی۔ بیٹی کو بھی بناؤ گی۔ کل رات یہاں کچھ لوگ اور بھی آئے تھے۔“

”حورین کے علاوہ؟“ انس صاحب نے دریافت کیا۔

”ہاں، کوئی تو جو ان ہے، کارورخت سے ٹکرائی ہے۔“

”کیا ہوا اس کا؟“

”میں فجر کی نماز پڑھنے لگی تھی جب لڑکے کی چچی سے پتا چلا تھا، آؤ معلوم کرنے چلتے ہیں وہ لڑکا کس حال میں ہے؟“

”بی بی جان! پہلے ناشہ کر لیں پھر چلی جائیے گا۔“

موئل نے ہریرہ کے لائے ہوئے نقن ہاکس میں سلاٹس، اٹھے، جیم اور بٹر نکالتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر قبل ہی ہریرہ نقن ہاکس اور فلاسک میں چائے دے کر گیا تھا۔ موئل نے سونے کے درمیان پڑی سیٹریٹیل پر ہاتھوں میں ناشہ لگا دیا۔

گھر جا کر فارسیا اور میرا بیگم نے ناشیدہ بیچ لوازمات بھیج دیا تھا۔ انہوں نے برائے نام ہی کھایا تھا۔

عورین شام تک نہ صرف مکمل طور پر ہوش میں آ چکی تھی بلکہ اس کی طبیعت بھی خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ بی بی جان کے خیال سے کسی نے بھی اس سے زیادہ بات کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

عورین کو ہوش میں آنے دیکھ کر کرن اور انس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اس نے دونوں زیادہ تر دواؤں کے زیر اثر سوتے ہوئے گزارا اور جاگنے پر بہت کم بات چیت کی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے ابھی چند دن تک ڈسچارج کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آج رات بی بی جان نے ذیہوتی انس صاحب اور کرن کو بھی گھر بھیج دیا تھا۔



چوتھیں بجنے لگے تھے، وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔ آتی جاتی سانسوں کا زیرو بم ان کی حیات کا یقین دے رہا تھا، ورنہ اس نے ایک بار بھی آنکھیں نہ کھولی تھیں۔ صدر صاحب نے گہرا کرکلی وغیرہ کی ڈاکٹر کا پورڈ طلب کر لیا، جہاں اس کی تمام رپورٹس کا اوسر نو جائزہ لیا گیا۔ رپورٹس تمام کی تمام ہی تسلی بخش تھیں، معمولی دھنوں کے علاوہ کوئی سیریس نگاہ نہیں تھا۔ خون زیادہ بہنے کی وجہ سے اس پر جو طاقت طاری ہوئی تھی اس کا سید باب بھی اسے خون کی کٹی بوتلیں چڑھا کر کیا تھا لیکن اب وہ بہت تھا۔ زخم اس کے بے شک شدید زخمیت کے تھے مگر وہ ہر قسم کے فریکچر سے محفوظ رہا تھا۔ یہ احساس ان سب کے لیے باعثِ تقویت تھا۔ ویسے بھی ان دنوں وہ بڑی شدتوں سے ماسٹیجی ڈاؤر جان کی دواؤں کے حصار میں رہا تھا۔

جہاں بزرگوں کی دعائیں حصار قائم رکھتی ہیں وہاں بڑی بڑی مشکلات ٹل جایا کرتی ہیں اگر وہ بھیانک و خطرناک بلاؤں سے بچا کھاتا تو وہ دواؤں کا ہی نتیجہ تھا جنہوں نے نہ صرف اسے ہسپتال میں گرنے سے بچایا بلکہ بخیرانہ طور پر زندگی بھی محفوظ رکھی تھی۔ چوت جب میرا بیگم پر لگتی ہے تو بے حس کی گریں کھائے لگتی ہیں، ہاٹن کی سیاہی چہرے پر چھانے لگتی ہیں، پس دم توڑنے لگتا ہے اور خود پرستی الیت بننے لگتی ہے۔ وہ بھی ایک طویل عرصے سے خود پرستی و خود پسندی کی گمراہ روش پر قائم رہی تھی۔ ان میں اچھی بننے کی آمنگ نہ تھی یا انہیں بننے نہیں دیا گیا تھا۔ ان کی تربیت ایک ایسی عورت نے کی تھی جو آزاد منش، حریص طبیعت، رشتوں اور ناٹوں کو ٹھوکر دین میں اُڑانے والی تھی جس کے نزدیک سب کچھ ”دولت“ تھی۔

فائدہ بیگم کی عقلی پکڑ کردہ چلتی رہی تھیں، ان کی آنکھوں سے دیکھتیں، ان کے کانوں سے سنتیں اور ان کے دماغ سے سوچتیں، خواہشوں کے حصول کی تک وہ دوسرے دیوانہ وار بھاگتی بھاگتی اتنی دور جا چکی تھیں کہ اب واپسی کا راستہ یاد نہ آ رہا تھا۔ کل سے رورو کر ان کی آنکھیں سوچ لگی تھیں۔ آنسو اب بھی ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ ماضی کے روزوں سے کرپہ ہوئے فریب حُرکتوں اور یادوں کے سیاہ ناگ خوب ڈستے رہے تھے پھر سب سے زیادہ جو چر کے لگ رہے تھے وہ ڈالٹون کے ساتھ کی لگی فلڈ بیانی تھی اور جواباً اس کی حالت مستزاد حقیقت دہجائی سے اس کا واقف ہو جانا..... وہ جانتی تھیں کہ اب وہ تاحیات اس سے آنکھ نہ ملا پائیں گی۔ بلندی سے گر کر اٹھا جاسکتا مگر

لگا ہوں سے گر کر نہیں۔ جزہ کی دالہی کی خبر نے انہیں حریہ منتعل کر ڈالا تھا۔ خمیر پر بڑھتا ہوا بوجھ محسوس ہونے لگا تھا۔ ان کے درمیان اختلاف اور جدائی کی وجہ یہی لڑائی بے راہ ردی وغیرہ طافطرت تھی۔ وہ برسوں سے جن خواہشوں و حسرتوں کے شیش ٹل میں آرزوؤں کے سنگھاسن پر ہرماں، ان کا انتظار میں تھیں کہ آنے والا وقت ان کا ہے، ہر کام ان کے فضا کے مطابق ہوگا..... سو جس تو سدا ہی لا حاصل رہی ہیں۔ پردہ بگنو ہیں جو دور دور سے جھلک دکھا کر آپ کو اسیر کر لیتے ہیں۔ جب آپ ان کے حصول کے لیے دیوانہ وار ان کی طرف دوڑتے ہیں تو یہاں آگے ہی آگے بھاگتے ہیں اور بھاگتے ہی چلے جاتے ہیں، کبھی ہاتھ نہ آنے کے لیے۔

مثال بیگم نے بھی ایک عمر گنوائی تھی، ان بگنوؤں کو پکڑنے کی خاطر اور پھر اپنی خوشیاں، مگر رستی، شخصیت، خود داری، دانا، عزت اور آخر میں اپنی کائنات..... اور اولاد بھی..... حاصل نہ ہوئی۔

حسرتیں، حسرتیں رہیں۔

خواہشیں، انکارے بن گئے۔

آرزوئیں خمیر میں چبے جانے کو کیلے کا نئے بن گئیں۔

ایک لا حاصل چاہت کی جستجو نے انہیں بے توقیر کر ڈالا تھا۔ اعمال نامہ ان کے ہاتھ میں تھا دیا گیا تھا جو ان کی بد اعمالیوں سے سیاہ تھا۔ وہ کل تک عطا کل بنی ہوئی تھیں، ہر شے کو خود کر رکھتی ہوئیں..... قدرت کی طرف سے صرف ایک معمولی سی ضرب لگائی تھی۔ مگر نہیں لگا تھا انہیں مرش سے فرش پر ادھ سے منہ گرنے میں۔ انسان خود کو کتنا ہی مضبوط سمجھے لیکن قدرت کی سمت سے لگائی گئی سی چھت سے ہی ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتا ہے، وہ بھی کھڑکی تھیں۔ جزہ ان کے سامنے بیٹھے تھے، ایک نئے روپ میں، ایک نئے انداز میں، وہ خاموش بیٹھیں گردن جھکائے آنسو بہا رہی تھیں۔ انہیں سامنے دیکھ کر پہلی بار احساس ہوا کہ ان کے بغیر وہ ادھوری اور تھا تھیں، ایک ادھورے مکان اور بنا چھت کے گھر کی طرح۔

”میں شرمندہ ہوں مثال! تم سے، بچوں سے اور تادم مرگ رہوں گا کہ میں نہ اچھا باپ ثابت ہوا، نہ شوہر، نہ ہی بہترین بیٹا اور بھائی۔ رشتوں کے ساتھ میں نے بڑی بے رحمی کرتی۔“ ان کی گھمبیر آواز تاسف، ملامت، شرمندگی اور ندامت سے لڑاں تھی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے لیکن بعض اوقات جذبات کے اظہار کے لیے لفظ اپنا وجود کو بیٹھتے ہیں، ان میں تاخیر نہیں رہتی پھر جہاں سارے حساب، زباں ہی زباں پر منتقل ہوں وہاں بچھتاؤں اور ملال کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

”جہیں چھوڑ کر گیا تھا اور آج سامنے ہوں، لگتا ہے کل کی بات ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

”اس کل میں گویا پورا جیون بیت گیا۔“ مثال کے دل سے ایک درو بھری آہ نکلی۔

”مجھے معاف کرو مثال! میں تمہارا مجرم ہوں۔“

”معافی؟ ہماری زندگی سے اس لفظ کی وقعت کتنا ہو سکتی ہے۔ قصور وار آپ تھے، لڑشیں مجھ سے بھی ہوئیں، آپ منہ پیر کر چلے

گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ جی کی جذبات میرے اندر پہلے ہی سرد پڑ چکے تھے۔ آپ کے جانے کے بعد مٹا کے احساسات بھی بے حسی و سرد مہری کی قبر میں دفن ہو گئے، خطا کار ہم تھے، سزا میرے بچے کو ملی۔ وہ میرے گناہوں کا عذاب بھگت رہا ہے۔ آپ اسے کسی بھی طرح بچا لیں۔ وہ واپس آ جائے میں اس کی خاطر ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔“ منال بیگم حنزہ کے شانے سے سر کا کر رونے لگیں۔

”کیوں بچے گئے تھے آپ اس طرح چھوڑ کر؟ میں نادان اور بھٹی ہوئی تھی، آپ کی محبت و سہارے کی ضرورت تھی مجھے۔ عورت کتنی ہی بہادری و مضبوطی کے دعوے کرے، کتنی ہی آزاد و خود مختار بن جائے۔۔۔۔۔ مگر ایک حد تک ہی وہ ان پر قائم رہ سکتی ہے۔ عورت و مرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یہ حقیقت ایک دن سمجھ میں آ جاتی ہے لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ بہت دیر۔۔۔“ شدت جذبات سے ان کی آواز رنڈھ گئی تھی۔

”میں۔۔۔۔۔ از حد شرمسار ہوں۔ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہا۔ نظریہ کے فیصلے شاید اسی طرح تھے۔ ہمیں اسی طرح جہاد کی کھانسی پڑا کر دی گئی تھی۔ لوگ کہتے ہیں بزدل نظریہ کو قصور وار ٹھہراتے ہیں۔ نظریہ کچھ نہیں ہوتی مگر میں کہتا ہوں نظریہ کا بھی ہماری زندگی پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ نظریہ جو چاہتی ہے وہ ہم از خود کرتے چلے جاتے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

کرن اور انس ابھی کچھ دیر قبل دوسرے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے گئے تھے۔ حورین کو دوسرا دن گزرنے کے بعد بھی ڈسچارج کرنے کو راضی نہ تھے۔ اس کا بی بی پوری طرح نامل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ زیادہ تر نیند آور دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی اور جب جاگتی تو بھی زیادہ تر خاموش رہتی۔ انس، کرن کے علاوہ کوئی بھی اس کی حمایت کو اتنا وہ مسکرا کر لیتی۔ ایسا ظاہر کرتی جیسے بہتر ہے اور تنہا ہوتے ہی اس کے لبوں پر چپ کی ہیرانگ جاتی، خصوصاً مومل سے وہ لگا ہیں چہرہ ہی تھی، اس سے بچ رہی تھی۔ وہ اسے کوئی سوال پوچھنے کا کوئی موقع دینا نہیں چاہتی تھی جس کو پوچھنے کے لیے وہ مضطرب تھی۔

وہ بھلا کس طرح اس داستان کو دہرا سکتی تھی؟ جس میں اس کے جذباتوں کا لہو شامل تھا، جس میں اس کی محبت کو بڑی درندگی سے قتل کیا گیا تھا جس میں اس کے اعتماد و اعتبار اور وفا کی دجیاں اڑا دی گئی تھیں۔ وہ وقت اسے کسی بھی لمحے نہیں بھولتا تھا۔ اس کا وہ لہجہ جو اس کا دل گھائل کرتا ہر پاتا اور اندر ہی اندر زلزلاتا تھا۔ بی بی جان نماز پڑھنے لگیں تو وہ بھاگ کر اس کے بیڈ کے پاس چلی آئی تھی۔ قتل اس کے بولنے کے منہ سے چلی آئی ڈرپ لگانے کے لیے۔

”ہیلو، آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟“ ترس نے پہلی ڈرپ نکال کر دوسری لگاتے ہوئے دریافت کیا۔

”فائن۔“ مختصر جواب ملا۔

”یہ نشان کیسے ہیں؟“ نیڈل درست کرتے ہوئے نرس کی نگاہ اس کی گردن پر پڑی تو چونک کر گویا ہوئی۔ حورین نے بے ہوشی میں گردن کے گرد لپٹا ہوا دوپٹہ جو سرک مٹا تھا، گھبرا کر درست کیا۔

سکتے ہیں جہان کے کردار کو پاش پاش کر دے؟ نہیں..... نہیں..... میرا دل نہیں مانتا، جس کی نگاہیں صعب چال کو دیکھ کر جھک جاتی ہوں، جو لڑکیوں کو دیکھ کر احتراماً راستہ بدل لیتا ہوں، وہ ایسی کوئی حرکت کر ہی نہیں سکتا مگر حورین کو تو انہوں نے ہمیشہ بہت عزت دو کا رہا تھا۔“

حورین نے خاموشی اختیار کر کے چہرے پر ہلکا سا ہنسی لہا تھا۔ سول کچھ دیر اس کی جانب سر اسیدہ انداز میں دیکھتی رہی اور اس کا سپاٹ و سر دیبا گئی مگر اندازاً اسے ہادر کر دیا گیا کہ وہ اب کچھ نہیں بولے گی۔ اس کے اندر سوال در سوال کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ وہ خود سے اُلجھتی ہار گیلیری میں آ کر تیزی سے تیل پر ایک نمبر پیش کر لے گی۔

☆.....☆.....☆

حیدر بے حد پریشان انداز میں ہسپتال پہنچا، اسے کوئین نے کال کر کے بلایا تھا اور کوریڈور میں ہی وہ اسے مل گیا تھا۔

”کوئین بھائی! سب ٹھیک ہے نا؟ ایکسٹینٹ کس طرح ہوا؟“ وہ کیسا ہے؟“ کوئین کے گلے لگ کر پریشانی سے استغفار کرنے لگا۔

”ہی! زرا سب ڈاکٹر کہتے ہیں اس کی کنڈیشن امپروو ہو رہی ہے مگر وہ خود زندگی سے دور ہوتا چاہ رہا ہے۔ وہ اپنی دل پاہ استعمال نہیں کر رہا۔ پرسوں رات سے آج تک اس نے آنکھیں نہیں کھولی ہیں۔ جیسے..... جیسے وہ کبھی آنکھیں کھولے گا ہی نہیں۔“ حساس و نرم دل بھائی سے ٹوٹ کر محبت کر لے والا کوئین رو ہانا ہو گیا۔

”بھائی! آپ ہرٹ مت ہوں، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔“ حیدر نے ان کے شانے پر ہادر کر کر تسلی دی۔

”وہ ٹھیک ہو گا ہی تو نہیں چاہ رہا۔“

”اگر آپ ہی صحت یار دیں گے تو ہمراہی اور نا تو کو حوصلہ کنن دے گا، پلیز..... ان کی خاطر خود کو سنبھالیے۔“

”میرا حوصلہ، میری ہمت تو وہی ہے جو دشمنوں کو چھوڑ کر اندھیروں کا باسی بنا چاہتا ہے۔ چلو شاید تمہاری محبت ہی اسے دوبارہ ہمارے درمیان لے آئے، وہ آنکھیں کھول کر جینے کی راہ پر چل پڑے۔“

کوئین آنکھیں صاف کر رہا ہوا حیدر کو اس کے دم میں لے آیا، جہاں موجود ایک ہادر و مہذب نظر آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ بے اختیار سلام کر بیٹھا۔ جواب بہت شفقت سے ملا تھا۔

”ہا ہا! آپس کا دوست ہے حیدر۔ حیدر اب ہمارے ہا ہا ہیں۔“

سرت و استجاب کا زبردست جھکا حیدر کو لگا تھا۔ اس نے، اس ہار ان کو بغور دیکھا۔ ہار عیب شخصیت، خوب صورت چہرہ، شفقت و حلاوت آمیز لہجہ والے ہا ہا میں اسے وہ بے رحمی و سنگ دلی ذرا نہ نظر آئی جو ایسے شخص میں نظر آنی چاہیے تھی جو ایسے وقت میں اپنے بچوں سے لاطلق ہو گیا جب انہیں اس کی ضرورت تھی۔

”آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی انکل اڈوالٹون نے ہر گھڑی، ہر مل آپ کی کمی محسوس کی۔ آپ کو بے حد مس کیا ہے۔“ وہ ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حیرت نے ڈکھ کے کچھ اور سنا تے حیدر کو اپنے قلب میں بچے سے محسوس کیا۔

”بیٹا! میرے وظائف کا وقت ہو رہا ہے، میں ابھی اجازت چاہوں گا۔ انشاء اللہ ملاقات ہوتی رہے گی۔“

حزہ کرے سے کل گئے تھے۔ کونین بھی وہاں سے چلا گیا۔ وہ خود انہیں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ حیدر اسے دیکھ رہا تھا۔ سفید لٹیوں میں بکڑا اس کا جسم بہت کمزور لگ رہا تھا۔ اس کے وجہ چہرے پر جو ہمدردی ایک دلکش سرخی چھائی رہتی تھی۔ وہ اب زردی میں بدل گئی تھی۔ وہ بیڈ پر اسی طرح لیٹا تھا گو یا زندگی سے ہار گیا ہو، کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔ لمبے بھر کو حیدر کانپ اٹھا۔ آنکھیں غم ہو گئی تھیں۔ جلد ہی اس نے خود پر تاقیو پایا اور اس کے بیڈ کے قریب جیسٹر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”ڈوائون اور ڈوائون میں جانتا ہوں، تم جاگ رہے ہو، آنکھیں کھولو، میری بات سنا، کیوں پریشان کر رہے ہو سب کو؟“

حیدر کے بار بار اصرار پر بھی اس کی کنڈیشن چورہی تھی۔

”محبت انسان کو وہی بنا دیتی ہے، جوگی بنا دیتی ہے لیکن... تم پر تھیں پھر ہے جو ”لا حولی“ بن گئے ہو، ایک ٹرین گئے ہو، حیدر اس کی بعد آنکھوں کی جانب جھکا ہوا ہر لفظ چبا کر اور کٹا دار انداز میں کہہ رہا تھا اس کے لہجے میں بڑی ذمہ داری تھی۔

”اپنی محبت کو قتل کر کے، کسی کی عزت و اعتماد کو روند کر، تم اس طرح دنیا سے فرار نہیں ہو سکتے ہو، تمہاری وحشتوں و سفاکیت کا حساب دیے بغیر تمہاری روح جسم سے آزاد نہیں ہو سکتی۔“ حیدر کے طریقہ انداز نے اس کے بے حس و حرکت جسم میں کچھ پچھل پیدا کی۔

”تم نے حورین کے ساتھ کیا کیا کہ اس کا رخسار پر یک ڈاؤن ہو گیا ہے۔۔۔۔۔“

اس کی بات مکمل ہونے سے قتل ہی میرا کئی انداز میں اس کی آنکھیں وا ہوئی تھیں جو سیدھی خود پر جھکے ہوئے حیدر کی لگا ہوں سے گھرائیں۔

”آگ! وہ سر تاپا لڑا اٹھا تھا۔“

زندگی کی چمک سے عاری کسی بے جان آنکھیں تھیں۔ ہڈیوں کی پامالی کے لیے سرخی ان خوب صورت آنکھوں میں جم کر رہ گئی تھی۔

”کیا ہوا ہے یا راتم حورین کو اتنی پرکھ، اتنی دلچسپ دیکھتے تھے کہ اس سے رو رو کر اظہار محبت کرنا بھی، محبت و شرافت کی توہین دیکھتے تھے، پھر... اچانک یہ سب کیا ہے؟“

چند لمبے قتل بہت روڈ لہجے میں بات کرنے والے حیدر کے لہجے میں اس ٹولے، بکھرے حوراؤں کی طرح بے رونق چہرے کو دیکھ کر نرمی در آئی تھی۔

”یہ مجھے زندگی کی جانب سے ملنے والے گفٹس میں سب سے مہنگا تحفہ ہے۔“ اس کی آواز میں درد تھا، ٹپ تھی اور ہر لفظ گھاسل تھا۔

”یہ سب کیا ہے برادر؟“ حیدر دونوں ہاتھ سے سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھا تھا۔

”یقیناً، احمقانہ بھروسہ، مجھے نفرت ہے ان الفاظ سے۔“ دنیا بھر کی نفرت و کراہیت اس کے لہجے سے حیاں تھی۔ اس کے لہجے، چہرے، آنکھوں سے جھڑپ اور دھشت چھنے لگی تھی۔

”ڈوالٹون ایک گڈ نوز ہے تمہارے لیے۔“ حیدر نے گھبرا کر بات بدلتے ہوئے کہا۔

”تمہارے بابا... آگئے ہیں تمہاری بڑی آرزو جی کہ وہ آجائیں۔“

”میری اب کوئی آرزو، کوئی خواہش نہیں ہے۔ یہ فیملی تگز زندہ لوگوں کی ہوتی ہیں۔ تمہارے سامنے ڈوالٹون سانس لے رہا ہے، باتیں کر رہا ہے لیکن زندہ نہیں ہے۔ وہ مر چکا ہے، مر گیا ہے۔“

وہ ہڈیانی انداز میں کہہ رہا تھا۔

”دو لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد دفن کر دیے جاتے ہیں، دنیا کے تمام دکھوں، مصائب و مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں مگر کچھ لوگ میری طرح بھی مرتے ہیں جو دفن نہیں کیے جاتے، اپنی لاش کا عرصوں پر ڈالے نامعلوم کب تک مجھے یہ سانس لینی ہوں گی؟ نامعلوم کب تک موت کی اذیت محسوس کروں گا؟ جاؤ چنے جاؤ، میں سب سے متعلق توڑ چکا ہوں۔“

حیدر حیرت و صدمے سے گنگ اسے ہڈیانی حالت میں پیچھے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت دوش و حواس سے عاری کوئی دیوانہ لگ رہا تھا۔ اکثر داس کی آواز سن کر چیزی سے کمرے میں آگئے۔

☆.....☆.....☆

منال کو مکافات عمل کی اذیت لے ادا ہو کر دیا تھا۔ مستزاد جو ذلت و رسوائی انہیں اپنے کمروں کے سبب ملی تھی اس نے ان کا ذہنی سکون محسوس کر ڈالا تھا۔ وہ تمام طمع طراقی اور دہد بہ بھول کر کسی پارے ہوئے ٹکڑے حال جواری کی طرح بے حال تھیں۔ اندھیرے کمرے میں لٹی دو اندھیرے کا ہی حصہ لگ رہی تھیں۔ کل تک دو جموت و بہکاؤ سے سراب کی مانند نظر آنے والے خوش گمانوں میں گم تھیں اور آج حقیقت کی دنیا میں داخل ہوئیں تو معلوم ہوا وہ اس راستے پر کچھ مڑیں جن کی منزل نہیں ہوتی۔ اس پر چلنے والا جب تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے تو پھر کسی سے ٹکا دلائے کے قابل نہیں رہتا۔ کوئین نے دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ڈوالٹون اور حیدر کی تمام گفتگوں لی تھی۔ معلوم کرنے پر حیدر نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ حتیٰ کہ موبل نے فون پر اسے حورین کے متعلق پوری تفصیل بتا دی تھی تا کہ وہ ڈوالٹون سے معلوم کرے کہ معاملہ کیا ہے؟ اس نے کوئین کو حورین سے ہونے والی پہلی ملاقات سے آخری تک بر بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ کوئین جو خود محبت کے کڑے امتحان سے گزر چکا تھا، اس کا دل بھائی کے ڈکھ کو محسوس کر کے نم ہو گیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ کچھ عرصہ قبل اس نے کم کو اور جیہائی پسند، بے حد ریزہ ریزہ بننے والے ڈوالٹون کے چہرے پر بڑی خوب صورت روشنی دیکھی تھی۔ وہ بدل گیا تھا اور محبت جذبہ ہی ایسا جو پھر میں بھی بھول کھلا دیتی ہے، محرواؤں کو نگہار بنا دیتی ہے، دیرانے سجا دیتی ہے۔ اسے یاد آیا وہ ابھی اس سے پوری طرح یہ معلوم ہی نہ کر سکا تھا کہ اس کے پھر دل کو کس پری ڈش نے، کس اپہرانے موم کر ڈالا تھا۔

مما اور نانولے بڑنس میں کچھ اس طرح انوا لٹو کیا کہ وہ بھول بیٹھا تھا۔ مما اور نانول کی جانب سے وہ پہلے ہی کچھ مشکوک تھا، حیدر کی باتیں، مما کا ہسپتال میں نانول سے جھگڑنا اور پھر نانول کا ناراض ہو کر لندن جانا اسے الجھا سا گیا تھا۔ ہسپتال سے وہ سیدھا صفا نکل کے ہاں

آج جہاں آج کل مما مقیم تھیں۔ ان کی ابتر حالت کے باعث داد نے انہیں وہاں روک لیا تھا۔

”مما پر بس کے ساتھ کیا ہوا ہے، آپ شاید جانتی ہیں پلیز..... پلیز بتادیں۔ آج پر بس نے حیدر سے بات کی ہے۔ اس کی کنڈیشن نارمل نہیں ہے، وہ اب نارمل ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے۔“

کوئین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مثال بھی مضبوط کر گئی۔

”کاش! ہمیں یہاں وقت معلوم ہو جائے جب ہم شروفساد کے بیچ پورے ہوتے ہیں۔ تھائی میں لگائی جانے والی اس جگہ کی فصل ہمیں تھائی نہیں جھم بھم بھراں میں کٹنی ہوگی۔“

”مما! یہ لگائی کا وقت نہیں ہے، ہمیں پر بس کو بچانا ہے، اسے نارمل لائف کی طرف لانا ہے اگر کسی طرح وہ نارمل ہو بھی گیا تو.....“

سوسائٹی کی کوشش کر سکتا ہے..... بلکہ ڈرائی کیا وہ ڈائریکٹ.....“

”بس..... بس چپ ہو جاؤ، میں سب بتاتی ہوں، سب بتاتی ہوں۔“

”کیا ہوا بہہ، خیریت تو ہے ناں؟“ ان کے رونے بچنے کی آواز سن کر حلیہ بیگم ہانچتی کا ہنسی اندر آئی تھیں۔ ان کے بعد منور بیگم، ٹھٹھری دار بیہ سوسائڈ اور آخر میں حزرہ داخل ہوئے۔ مثال بیگم ہاتھوں میں چہرہ چھپائے انک انک کرناستان دولت و رسوائی بتاتی چلی گئیں۔

کمرے کی فضا بھیانک سکون سے بھر گئی تھی۔ اٹھکوں میں ڈوبی عمارتوں سے لرزتی مثال بیگم کی آواز وہاں گونج رہی تھی۔ کوئین نے نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا۔ حلیہ بیگم کے علاوہ سب ہکا بکا تھے۔ حزرہ صاحبہ سوچ رہے تھے کہ عورت جب قربانی دیتی ہے تو عقمت کی بلند یوں کو چھو لیتی ہے اور قربانی لیتی ہے تو پاتال کی پتیلیوں میں جا گرتی ہے۔

☆.....☆.....☆

حیدر نے کوئین کے جانے کے بعد کھڑکی سے جھانک کرنا سے دیکھا۔ وہ کچھ پرل پاگلوں کی طرح چیخا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت اور ٹکا ہوں سے جھون جھک رہا تھا جیسے ہوش دھاس سے بالکل عاری ہو۔ ڈاکٹر کی دی جانے والی ٹریٹمنٹ کے باعث وہ اب بے سدھ پڑا تھا۔ ہمہ وقت کسی چٹان کی طرح مضبوط اور دیواروں کی طرح رواں دواں رہنے والا شخص ریڑیوں کی طرح بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی بند آنکھوں اور چہرے پر ابھی بھی گڑے جذبات اور مغرب احساسات کی زردی تھی کل وہ کیا تھا.....؟ آج کیا ہو گیا؟

حیدر سے مضبوط ہو کر اس کا دل دوست کے ڈکھ سے پھیل کر آنکھوں سے پہنے لگا۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر کارز پر بنی اسٹون بیچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے آنسوؤں کی آزادی کو سلب کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی۔ وہ روانی سے بیٹھ رہے۔ اس پر دوست کی محبت کی شدتیں کچھ اس طرح حاوی تھیں کہ وہاں سے گزرنے والے لوگوں کی بھی اسے پروا نہ رہی تھی۔ خاصی دیر بعد جذباتی خمار تمام کا تمام بہہ گیا تو اس نے رومال سے آنکھیں صاف کیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ موسم میں خشکی بدستور موجود تھی۔ اس کے قدم ایک بار پھر وہالوں کے کمرے کی جانب

تھے۔ گلاس وغیرہ سے اس نے جھانکا، دواؤں کے زیر اثر وہ اسی طرح بے سداہ پڑا تھا۔ بند کے قریب جھڑپراس کے ہا ہا بھانپتے تھے۔ ان کی انگلیاں سرعت سے تھک کے چپکے دھچک دار دانے کے بعد دیگرے گرا رہی تھیں۔ ان کے ہارعب دہ نور چہرے پر ایک جہاں کا ڈکھو کرب عیاں تھا۔ وہ نم آنکھوں سے ڈوا لون کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ حیدر گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

محبت کسی بھی جذباتی تعلق سے وابستہ ہو کر اس کی طلب، اس کی شدت صحرا میں گم ہوئے بیا سے کی مانند ہوتی ہے، بردقت اگر بیا س سیراب نہ ہو تو محبت کی تپیل کے سبز پتے زرد ہو کر تھڑ جاتے ہیں۔ پھول پھر کبھی نہ کھلنے کے لیے مرجھا جاتے ہیں اور پتی پتی ہو کر فضاؤں میں بکھر جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ تمام طلب.....؟ شدت، احساس صحرائن جاتے ہیں۔

اس شخص نے بھی بچپن سے محبت کی بیا س میں زندگی گزار دی تھی اور جب اس کی بیا س صحرائن مٹی تو کھجوں و شفتیوں کا سا گرنا آیا، نا معلوم کب، سیراب کرنا..... یا نہیں؟

☆.....☆.....☆

معا سے یاد آیا کہ مول نے اسی ہسپتال کا بتایا تھا۔ وہ ذہن میں اس کا بتایا کیا دم نمبر یاد کرنا آگئے بڑھا تو اگلی رو میں اسے کروٹ گیا، باہر ہی رہی جنگ کے قریب مول گم مسمی کھڑی تھی۔

”ہیلو..... مول!“ اس نے قریب جا کر دھیرے سے کہا۔

”اوو..... ٹھیکس گاڈ..... حیدر بھائی آپ آگئے۔“

”کوئی سیر میں نکلے تو نہیں ہے؟ حورین کیسی ہے؟“

”بس..... ٹھیک ہی ہے۔“ وہ دھجیدگی سے گویا ہوئی۔

”مطلب؟“ وہ اس کا اشارہ کرنے پر جھڑپریٹھ گیا اس سے کچھ دھلے پر مول بھی بیٹھ گئی۔ دو سخت مضحکہ اور بڑھ حال ہی تھی۔

شام اپنے سرمئی آنچل کو سمیٹ رہی تھی، ہسپتال کے لان میں بے شمار درختوں پر موجود پرندے اپنے اپنے آشیانوں کی جانب چکرارہے تھے۔ ان کی آوازیں اس خاموش فضا میں بڑ شور تھیں۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ڈوا لون بھائی..... ہمارے اتحاد واہبہار کو اس طرح چاہ کریں گے محبت کو اس طرح رسوا کریں گے؟ آئندہ ہم کبھی ان پر ہی کیا، کسی پر بھی اعتماد نہ کر سکیں گے۔ آپ ان کا گریبان پکڑ کر معلوم کریں، کیا کیا ہے انہوں نے حورین کے ساتھ؟“ مول کی دھیمی آواز میں ڈوا لون کے لیے نفرت و ناپسندیدگی تھی۔

”حورین بے حد ڈھڑپ ہے۔ میرے اصرار کے باوجود وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں کرواں کیا ہوا تھا۔ زیادہ اصرار کیا تو وہ دھکی دیتی ہوئی گویا ہوئی کہ اگر اس کی زندگی چاہیے تو اس سے کچھ معلوم نہ کیا جائے۔“

”تو ابھی خاموشی اختیار کرنا ہی بھر ہے۔“

”واٹ ایپ آپ کہہ رہے ہیں؟ آخر کہیں گے کیوں نہیں؟ دوست ہیں آپ کے وہ۔ ایک بہترین دوست وہی ہوتا ہے جو دوسرے دوست کے عجب کی پردہ پوشی ایمان داری سے کرے۔“

”پلیز مول ابدگمانی وہ بھی اس طرح اچھی نہیں ہوتی۔“

”بدگمانی نہیں، حقیقت یہی ہے، آپ ایسے فکریں گے جس سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس وحشی نے اسے سگریٹ سے دھاپا ہے اور بھی نہ معلوم۔۔۔“ مول شدت جذبات سے خاموش ہو گئی جب کہ حیدر نے یہی طرح چٹکا تھا۔ حورین کی گردن اور گردن سے پیچھے سینے تک اس نے بھی وہ چھوٹے چھوٹے سرخ دائرے دیکھے تھے جو اس کی سفید گت پر نمایاں تھے۔

”اسٹاپ! مول، پلیز آگے کچھ مت کہو، سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے، زمین و آسمان ایک ہو سکتے ہیں مگر۔۔۔۔۔ مجھے یقین واقعی ہے کہ وہ والنون کے کردار میں کبھی لغزش نہیں آسکتی۔ تمہاری دوست، پہلی حسین لڑکی نہیں ہے، لائقہ اور حسین و طرح دار لڑکیاں اس کے جنون میں جھٹک رہی ہیں۔ یہ تمہاری دوست کی خوش نصیبی ہے کہ وہ والنون کو اس کی نامعلوم کون سی کوالٹی شامین کر گئی جو وہ اس کا امیر ہو بیٹھا، ورنہ وہ حسن و خوب صورتی کے فسون میں گرفتار ہونے والا بندہ نہیں ہے، ہاں ہی اس کی محبت میں کوئی کوتاہی ہے، اگر یقین نہیں ہے تو آؤ میرے ساتھ۔“ مول کے لہجے میں جو نفرت و بے جا جھاری تھی وہ حیدر قلعی برداشت نہ کر سکا۔ مول کو دوسرے کو ریڈر میں لے آیا جہاں اشارے سے اس نے اسے گھاس و غود سے جھانکنے کو کہا۔

مول جو ہکا بکا اس کے ساتھ آئی تھی، گلاس وڈو کی دوسری طرف والے شخص پر نگاہ پڑے ہی حیرانی سے ساکت و صامت رہ گئی۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔؟ کیسے؟“

مول کا قصہ جھاگ کی مانند بڑھ گیا، مارے وحشت کے وہ مزید کچھ کہہ نہ پائی۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ محبت کی مثال، بے لوث چاہت اور بے غرض اُلفت ہے۔ اس سے بڑھ کر عشق کی سہائی کیا ہوگی کہ اگر۔۔۔۔۔ اس کو ریڈر کے اس طرف حورین بے سکون ہے تو اس طرف والنون بے مددہ پڑا ہے۔“

اپنی دوست کے غم کے چلے ہوئے چند نشان تھیں بڑا پار ہے ہیں تو اس کا زخموں سے بھر جہم کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ شخص اب زندہ رہنے کی تمنا نہیں رکھتا جس نے اپنی زندگی باپ کی دلچسپی کی دعا میں مانگتے ہوئے گزاری، اب برسوں سے مانگی گئی دعا پوری ہوئی بھی تو اس کے لیے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی حالت کا ڈرے وار کس کو ٹھہراؤں؟“

”مائی گاڈ ایہ کیا سسٹنس ہے؟“

”دونوں میں سے کوئی بھی بتانے کو تیار نہیں۔“

حیدر اس کے ساتھ حورین کے کمرے میں آگیا۔ حورین نے چہرے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا، نامعلوم سوری تھی یا مین ری تھی۔ بی بی جان جو مغرب کی نماز سے فارغ ہوئیں تھیں، اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

☆---☆---☆

تیزی سے بھاگتا ہوا وقت اپنے دامن میں بہت سے دل خراش واذیت ناک حادثات و درونی و بیرونی دسکتی کرب ناک یادیں سمیٹ کر لے گیا تھا۔ ان بدلے ہوئے وقتوں اور دنوں نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔ وہ دونوں ڈسپارچ ہو کر گھر چائے تھے۔ ذوالنون نے زندگی سے سمجھوتہ کیا تو تنہائی و خاموشی کو اچھا مسکن بنا ڈالا۔ ایک عرصے بعد لوٹ کر آنے والے باپ کی واپسی بھی اس کے مردہ احساسات کو سرت کی جلا نہیں بخش سکتی تھی۔ منال بیگم نے اپنے رویے کی معافی مانگنے کے لیے اس کے آگے ہاتھ جوڑے ہی تھے کہ اس نے بڑھ کر ہاتھ کھول دیے مگر ان کے قریب نہ گائیں۔

منال سرال میں ہی رہ رہی تھیں۔ ناکہ بیگم بیٹی کی بدلتی نظروں سے کم بدحواس تھیں کہ اس پر ان سب کا خمد ہو جانا انہیں بری طرح خوف زدہ کر گیا۔ وہ خاموشی سے ملک چھوڑ کر برہان صاحب کے پاس جا چکی تھیں۔

اپنا سبب و غیرت میں صرف اتنا ہی فاصلہ تھا جہاں رشتے لالچ و طمع و غرض و مفاد سے بندھ جاتے ہیں، دولت و آسائش و محنتوں پر مادی ہو جائے تو وہاں انہوں کو غیر بننے میں کوئی وقت نہیں لگتا ہے۔ بے حس و بے دھڑلگوں کا یہی دلیہ ہوتا ہے جو ناکہ بیگم کی سرشت تھی۔ آسمان کی نیلگوں و مستوں میں اس کی نگاہیں گم تھیں۔ وہ ادھر گرد سے بے خبر سوچوں میں گم تھا۔ بدن پر لگے تمام زخم مندمل ہو گئے تھے۔ جسم پر لگے زخم رفتہ رفتہ بھر جاتے ہیں، ٹھیک ہو جاتے ہیں، دوراں زخم زخم تو دور ہوتے ہیں جو درجہ پر لگ جاتے ہیں جن سے ضمیر داغ دار ہو جاتا ہے جن سے عزت نفس و حیثیت بھردھ جاتی ہے جو انسان کو ذل و درگور کر دیتی ہے۔ اندرونی طور پر نکلنے والے زخموں کی ٹیسوں نے اسے بے حال کر رکھ رکھا تھا۔ وہ جس قدر اس دشمن جاں کے تصور سے بھاگ رہا تھا، وہ اسی قدر ہی اس پر حاوی تھی۔ وہ اس سے بچتا بھڑانا چاہتا تھا، بھول جانا چاہتا تھا مگر وہ آنسوؤں سے بھیگا کھاب چہرہ۔

خوف سے بھری سرائی گزرتی ہیں۔

ڈکھ سے کپکپاتے باقوتی لب۔

اس کا ہر آنسو، ہر سسکی اس کے اندرونی زخموں پر ٹھک پاشی کرتی تھی اور وہ ڈکھ و درد سے تڑپ اٹھتا تھا۔ اپنی وحشت بھری حرکتیں یاد آتیں تو وہ بے خود سا ہو کر تڑپ اٹھتا اور خود کو اذیتیں دینے لگتا اس کے باوجود سکون سے کوسوں دور تھا۔

حوریں..... اس کی پہلی و آخری محبت، عشق و چاہت و محبت کی تمام شدتیں جس سے منسوب تھیں۔ جس نے محبت کی دل کشیوں سے جذبات و احساسات کو رنگین کیا تھا، جس نے دل و جاں کی تمام تر سچائیوں سے اسے چاہا تھا، پانے کی طلب تھی..... اور وہ طلب وقت کے بدھم بھوں میں بھنس کر ہمیشہ کے لیے "تڑپ"، "جدائی"، اور "حسرت" بن گئی تھی۔

"ذوالنون!" ایک شخص سا ہاتھ اس کے شانے پر آ کر ٹھہر گیا۔

"جی..... باہا جان!" وہ زخ بدل کر سپاٹ لپچ میں گویا ہوا۔

"طلوعلی مدت بعد ہم اس طرح ملے ہیں جیسے دو انجینی لے رہے ہیں۔ میں ہزار بار یہ قرار کر چکا ہوں اور مرتے دم تک کرتا رہوں گا۔"

جو میں نے غلطو جذبہ ہائی قدم اٹھا کر کیا۔ تم لوگوں کے حقوق و فرائض مذمے داریوں سے مجھ سے جو پہلو تکی ہوئی ہے وہ مجھے تاحیات شرمسار رکھیں گی کہ.....“

”پلیز بابا جان! آپ اتنے سنی مثل کیوں ہو رہے ہیں جو ہمارے مقدر میں تھا، مل گیا۔ مگر اوقت لوٹ نہیں سکتا بھراپ ان بچھتاؤں سے کیا حاصل، یہ سب لا حاصل اور انتہائی فضول ہے۔“

اس کے وجہ چہرہ چہرے پر صدیوں کی حکمن و اداسی دم تھی۔ سرسئی آنکھوں کی شفاف سطح پر آنکھوں کا کالا و سلک رہا تھا۔
 ”تم لوگوں کو چھوڑ کر جانے کے بعد کوئی ایسا دن نہیں گزرا جو میں نے یاد نہ کیا ہو، ہر پل، ہر ساعت میں نے تم سب لوگوں کو یاد کیا ہے، پھر سوچا کہ سب بھول کر تم لوگوں کے پاس آ جاؤ لیکن ذمے داریوں نے جکڑے رکھا اور نامعلوم کب تک میں تم سبوں کی یاد کو سینے سے لگاؤں خود ہی جبر کرتا۔ تمہاری اچانک گاؤں آمد میری محبت کی دیکھ کو میرا ب کر گئی تھی۔“

”آپ نے بچپن لیا تھا بھئی؟“ اس کا انداز ہنوز تھا۔

”ہاں، اسی لئے۔“

”کس طرح؟ اتنی طویل مدت کے بعد بھی.....“

”میں نے تمہیں اور کوئین کو کبھی دل سے دور نہیں ہونے دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بدلنے نقوش میرے شعور میں بننے رہے، آگہی مجھے عکس فراہم کرتی رہی جب تمہیں دیکھا تو مجھے ذرا وقت نہیں ہوئی شناخت کرنے میں۔ یہ فرق صرف یہ تھا کہ تم بہت سوہمراور کم گو ہو گئے تھے۔“

”یہ کیسی محبت ہے؟ شفقت کا یہ کون سا روپ ہے؟ جس نے آپ کو اس وقت بھی بیٹے کو بیٹا کہہ کر سینے سے لگانے پر مجبور نہیں کیا۔۔۔ اب بھی آپ کہتے ہیں کہ آپ نے ہمیں پل پل بس کیا ہے؟“ اس کا لہجہ نرم تھا مگر لفظ بڑے سخت و ٹوکیلے تھے۔

”دل تو بہت بے قرار تھا، بے حد مضطرب اور بے یقین مگر میں حوصلہ نہ کر سکا۔ بڑا دل تھا، بے ہمت و کمزور۔ مجھے خوف تھا اگر تم نے بچپن سے الٹا کر دیا تو وہ سارا مان اور یقین ٹوٹ جائے گا جس کے بھروسے پر اتنا وقت گزارتا رہا ہوں اور دیکھ لو تمہاری محبت و لگن نے وہاں سے ایسا دل اچاٹ کیا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ سوچا تھا جاتے ہی اپنے لہجہ جگر کو سینے سے لگاؤں گا۔ سالوں سے اسی خواہش میں جیتا رہا ہوں۔“

عزہ کے چہرے پر جدائی کی مسافت ابھر آئی۔ وہ شفقت بھری لگا ہوں سے روٹنے روٹنے سخت بدعین ہوئے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”میری غلطی کبھی معاف نہیں ہوگی بیٹا! اپنے بابا کے سینے سے نہیں لگو گئے؟ ساری زندگی ترسنے والا یہ بد نصیب باپ اب بھی ترسار ہے گا؟“ عزہ کے ہیکے لہجے میں جدائی کی اذیتیں سسکیاں بھر رہی تھیں، وہی سسکیاں جو اس کے اندر گونجا کرتی تھیں، وہی مانوس سا

درد، شہنشاہی اذیت آج وہ وجود پوری شفقت سے باز دوا کیس کے سامنے تھا جس کو اس انداز میں بارہا اس نے خوابوں میں دیکھا تھا۔
 ”آج اُدھر سے بچے اب مزید انتظار کی تاب نہیں ہے، قتل اس کے کہ یہ وجود بھر بھری مٹی کی طرح ڈبے جائے، سیٹ لٹا دینے سے مضبوط بازوؤں میں۔“

بیچہ بچی ونگلی کی برف لازوال و صادق جذلوں کی آغوش سے پھسل کر اپنا وجود لمبے بھر میں کھو بیٹھی تھی۔ وہ خود پر زیادہ جبر نہ کر سکا۔ وہ اسی انداز میں ان کے سینے سے لگا جیسے بچپن میں لگتا تھا۔ حزن کی آنکھیں فرط مسرت سے جھرجھری رہی تھیں، وہ بار بار اسے چوم رہے تھے، بے تحاشا پیار کر رہے تھے۔

”بہت دیر کو دیا بابا جان! آپ نے آنے میں۔“ اس کے اندر دور تک صدا بھری۔

”وعدہ کریں! آپ اب کبھی روٹھیں گے نہیں؟“

”جس سے زندگی روٹھ گئی وہ بھر کسی سے روٹھنے کا حق نہیں رکھ سکتا۔“

”پرنس میری روح اب بھی بچی بچی برقرار ہے۔ کیا بابا کو معافی نہیں ملے گی؟“ اس کی خاموشی سے گھبرا کر وہ انتظار کر بیٹھے۔
 ”ڈوٹ کیمر بابا جان! وقت گزر گیا ہے، شکوے شکایات کا، ناں میں آپ سے پہلے خفا تھا اور ناں اب ناراض ہوں۔“ بے حد عام سے لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ محبت کی وہ دلولہ شہری و احساسات کی روحانی سے محروم سپاٹ و غیر جذباتی لہجہ۔ حزن وہم، نودردہ گئے۔

”ڈوٹ! خون! محبت پانا مشکل ہے اور پا کر کھونا اس سے زیادہ مشکل۔ اس پانے اور کھونے کے درمیان اگر سچائی و صداقت سے بھرپور چاہ“ کے جذبے نہ ہوں تو محبت و رفاقت کے تمام احساسات خیالت بن جاتے ہیں۔ ”محبت“ نام ایک ہے مگر اس کے وجود سے بہت سے احساسات و جذبات چٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بہت رنگ، بہت روپ ہیں، ضرورت ہوتی ہے ان کو پہچاننے کی، سمجھنے کی، اگر ان کو شناخت کرنے میں معمولی سی بھی لغزش ہوگئی تو کئی زندگیوں کا جہاں ہو جاتی ہیں، خاندان کھرجاتے ہیں جیسے ہمارے ساتھ ہوا۔ کرن جو میری پھر پھر ہوا تھی، عمر کی جولانی میں مدوش ہو کر، میں اس کی پاکیزہ محبت کو کوئی اور ہی رنگ دے بیٹھا تھا۔ جب حقیقت کا اوراک ہوا تو شرمندگی و شرمندگی کے بحر میں غرق ہو گیا تھا۔ گناہ دانستہ کیا گیا ہو یا نادانستہ، انسان کو اس وقت تک بے سکون رکھتا ہے جب تک اسے معافی نہیں مل جائے کہ ان کی محبت کو میں نے غلط سمجھا۔ اس احساس نے مجھے بے کھل کیا ہوا ہے۔“
 وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”مثال نے جو کچھ بھی کیا دوسرا سرفلا اور ناچا نہ تھا، انسان جب عقل و شعور کے در بند کر کے گھٹیا جذباتی پن اور دل کے کہنے پر چلتا ہے تو اسی طرح ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گرتا ہے، اسی طرح اس عاقبت نا اندیش عورت کی یہ حالت ہے کہ وہ خود سے نگاہ لانے کے قابل نہیں ہے۔“

”بابا جان! پلیز میں اس ٹاپک کو کلوزڈ رکھنا چاہتا ہوں۔“

”ضروری نہیں ہے بیٹا جو غلطیاں ہم سے سرزد ہوئیں۔ وہ تم سے بھی ہوں۔ اپنی ماں کو معاف کرو وہاں صرف ماں ہوتی ہے۔“
اس نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں گردن ہلا دی۔

☆.....☆.....☆

ایک بار پھر صوفی کے سسرال کے بڑوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ بی بی جان کی خواہش تھی کہ جلد از جلد وہ ان فراخ نفس سے سبکدوش ہو جائیں، اس دوران انہوں نے سب کے رخصتے ان کی رضا و رغبت سے آپس میں ہی طے کر دیے تھے۔ حیدر کے گھر والوں کے اصرار پر وہ زو با کی شادی کی تیاریاں بھی کر رہی تھیں۔ پڑھائی سے ویسے بھی اس کی خاص دلچسپی نہ تھی۔

گھر میں گھما گھمی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر کوئی خوش و مطمئن نظر آتا تھا۔ ماسوائے اس کے جو اس اعزاز میں برباد ہوئی تھی کہ کئی مہینے گزرنے کے باوجود وہ خود کو سنبھال نہ پائی تھی۔ ہٹا برہہ ٹارٹل تھی مگر ایک عجیب سی خاموشی و سکوت اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ وہ جو ہنگاموں کی شوقین اور ایڈو جنر کی شیدائی تھی، تنہا اور خاموش رہتا جس کی سرشت نہ تھی وہ اب گھر کے ویران گوشوں میں گھنٹوں تنہا بیٹھی دکھائی دیتی۔
”حورا کب تک دل پر یو جہ برداشت کرتی رہو گی؟ جو کہتا ہے کہہ دو۔ میری تکلیف ہر تکلیف سے بڑی ہوتی ہے اگر بد وقت اس سے گلو خلاسی نہ کی جائے تو بہت پیچیدہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔“

جذبات آج پھر بری طرح مضطرب تھے دل کی دشتوں سے گھبرا کر وہ لان کے سنان حصے میں گھنٹوں میں منہ چھپا کے بیٹھی تھی۔
”بی بی جان! آپ یہاں؟“ انھیں قریب دیکھ کر وہ گویا ہوئی۔

”ہاں..... ہم ہمہ وقت میری نظروں میں ہوتی ہو۔“

”آپ کیوں بے سکون ہوتی ہیں میری خاطر؟“

”جس گھر کے بچے بے سکون ہوں وہاں کے بڑے کس طرح سکون سے رہ سکتے ہیں۔“ وہ اپنا نیت بھرے اعماز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”اگر میں کہوں کہ مول کے علاوہ میں بھی تمام ہاتوں سے واقف ہوں تو.....؟“

ان کے انداز پر وہ بی جان سے لرز اٹھی، لب پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

”خوفزدہ مت ہو، ہسپتال میں تمہاری اور مول کی اور مول دحیدر کی گفتگو سب سن چکی ہوں۔ تمہاری اور مول کی ہونے والی گفتگو نے مجھے در پردہ تمہاری گفتگو سننے پر مجبور کیا کیونکہ جب گھر میں جو ان بچے ہوں خصوصاً لڑکیاں تو بڑوں کو غفلت کی نیند نہیں سونا چاہیے۔“

”بی بی جان! مجھ سے غلطی ہو گی..... مجھے معلوم نہ تھا کہ ایسا ہو گا۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”غلطی تم سے نہیں ہم سے بھی ہوئی ہے، ماسطرح کس طرح چوک ہو گی جو اس طرح ہوا..... لیکن اللہ کا شکر ہے اس نے لاج رکھ لی۔“

”مجھے بھی لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے بی بی جان۔ کبلی بار میں نے ماما اور چچا کے اظہار کو مجروح کیا اور جو اب اس اعزاز

سے دھکاری مٹی کہ جذیوں دھاتوں کے وجود پر یقین کھو بیٹھی ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے حورین اتم کو اپنی غلطی کا احساس ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ بیٹیاں فقہ والدین کی عزت کا تاج ہی نہیں بلکہ خاندانوں کی حرمت ہوتی ہیں۔ شجاعت دیہادری سے لبریز آلے والی لسلوں کی امین ہوتی ہیں۔ ہمارے نازک شانوں پر بڑی بھاری ذمے داریاں ہوتی ہیں اگر خدا نخواستہ ہمارا ایک قدم بھی ڈگمگا جائے، بہک جائے تو فلسیں جاہ ہو جاتی ہیں۔ عزت بنانے میں عمریں رائیگاں ہو جاتی ہیں۔ عزت ملنے میں لمحہ بھی بہت ہے۔" بی بی جان رمانیت سے سمجھا رہی تھیں۔ اس کیے آنسو غاموٹی سے بہہ رہے تھے۔

"اٹھو، آؤ میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"کہاں؟"

"کرن اور انس کے پاس، بتا دو ان کو حقیقت تاکہ اعتماد بھرم بھی پارہ پارہ نہ ہو اور تمہاری سخاوت مندی و فرماں برداری بھی قائم رہے۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں بی بی جان! مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ میں لے بہت کوشش کی مگر۔۔۔ چچا کو بتانے کی مگر صحت نہیں ہوئی۔ وہ کیا سوچیں گے؟ ان کے بیار اور اعتماد کا یہ مسئلہ ہے؟" مٹی لے کتا سمجھا یا تھا۔ کتنی ٹھکر کرتی تھیں۔ مگر نامعلوم کیا ہوا۔۔۔ میں دھماکے کی طرح کھنچتی چلی گئی۔ "عداوت اور پشیمانی سے اس کی نگہیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ان کے کمرے میں لے آئیں۔ وہ آتے ہی انس کے سینے سے لگ کر معافی مانگنے لگی۔ ہسپتال سے آتے کے بعد سے وہ ان سے دور دور رہنے لگی تھی۔ اسے یہ احساس شرمندگی ان کے قریب نہیں آنے دیتا تھا کہ وہ ان کے اعتماد کو بھرج کر کے ڈالائوں سے ملنے لگی تھی۔

بی بی جان لے حورین کے پاس جانے سے قبل انس صاحب اور کرن کو بتا دیا تھا جسے سن کر کرن خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ اسی ڈر کی وجہ سے حورین کو کراچی بھیجنا نہیں چاہتی تھیں۔ نہ ہونی ہوتے وقت نہیں لگتا۔ کسی نجی طاقت نے ان کی عزت کی حفاظت کی تھی۔ وہ سب کچھ بھلا کر رب کا شکر ادا کر رہے تھے۔ حورین سے انہیں کوئی شکایت نہیں تھی۔ پہلی بار اس نے نامناسب قدم اٹھایا تھا جس پر وہ دل سے نادم اور شرمندہ تھی۔ کرن نے بھی اسے معاف کر دیا تھا۔

"جھینکس بی بی جان! آپ کی وجہ سے مجھے یہ سرخروئی حاصل ہوئی ہے اگر آپ مدد نہ کرتیں تو میں اندر ہی اندر گھٹ کر مر گئی ہوتی۔" وہ بی بی جان کا ہاتھ چومتے ہوئے گویا ہوئی۔

☆.....☆.....☆

"یارب! حاضر ہوں۔ تیرے روبرو، تیری یہ بھنگی ہوئی گنہگار، خطا کار، ظالم و حامی بندی، جو کل تک خود کو بہت اعلیٰ و برتر سمجھتی تھی اٹلیس کے بہکاوے میں آ کر خود کو مختار کل سمجھنے لگی تھی۔ اس جھوٹی اور سسطی خوش فہمی نے میرا کٹن خزاں بد کر دیا۔ آج بھی جی دوست و جی داماد، بے سکون اور بے قرار ہوں۔ ایک ماں اپنے بچوں کی نگاہوں سے گر کر بھلا کیسے خوش رہ سکتی ہے؟

”اے غفور الرحیم! تعریف کے لائق صرف تیری ذات ہے۔ تمام پڑائیاں تجھ ہی کو ذیوب و بیاتی ہیں۔ بے شک تو معافی کو پسند کرتا اور معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اے آدم کو معاف کرنے والے، مجھے بھی معاف کر دے۔ میں تمام خطاؤں کی معافی مانگتی ہوں۔“

رات کے سناٹے میں سسکیاں بھرنے والی آواز کسی مجبور بے بس عورت کی تھی۔ غرور و مطلقہ، تقار و برتری ساحل کی ریت کی طرح بیٹھ چکی تھی۔ اندر داخل ہونے والی راحیلہ بیگم نے اس روگی سے جھدے میں گرمی زار اور غبار روتی ہوئی مثال بیگم کی طرف دیکھا۔

”وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جو دوسرے کو ٹھوکر کھاتے دیکھ کر سنبھل جاتے ہیں، تمہاری اور میری بد نصیبی یہ رہی کہ ہم نے کبھی اپنے لیے پر نظر پانی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اقتدار کی مسند پر بیٹھ کر یہی سوچا کہ اختیارات کا چابکدہ کبھی ہمارے ہاتھ سے نہیں گرے گا۔ ظلم و بالادستی کی عکرائی سدا قائم و دائم رہے گی۔ ظلم کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ظلم کی رات کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن حق و سچائی کا سورج اسے نکل لیتا ہے، مٹا دیتا ہے۔ باطل مٹنے کے لیے ہی ہے جو اس کے دیر اثر ہوتا ہے۔ اس کا بھی یہی عبرت ناک انجام ہوتا ہے جو میرا اور تمہارا ہے۔“

سلام پھیرنے کے بعد مثال بیگم نے سانس کو قریب پیشہ دیکھنا تو بولیں

”نامعلوم کتنے عرصے بعد میں نے اپنے رب کو سجدہ کیا ہے، بڑی انوکھی لذت و طمانیت محسوس کی ہے۔ نماز کا تو سرور ہی الگ ہے۔“

”ہاں سجدہ ذات اپنے بعدوں کو ہر طرح نوازنے والی ہے۔“

”آئی! مثال نے ان کے شانے پر سر رکھتے ہوئے جھکے لیے میں کہا۔“ میں دعا مانگتی ہوں، آپ بھی دعا مانگیں کہ اللہ مجھے معاف کر دے جب وہ معاف کر دے گا تو سب کر دیں گے۔ میرے بچے بھی کر دیں گے۔ ان کی نگاہوں میں اپنے لیے بیگانگی و سرد مہری مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ کوئین تو میری طرف دیکھتا ہی نہیں اور ذوالنون تو سب سے ہی بیگانہ نہ رہنے لگا ہے۔ اس نے تو اپنی طرف بھی دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس سب کی ذمہ داری میں ہوں۔“

”رو نہیں، انا کی قید سے ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ کل جن اینٹوں کو ہم نے چھوڑا تھا، آج ان کو ہم اپنا نہیں گے۔ کل جن چراغوں کو ہم لے چھوٹوں سے بجھایا تھا۔ ان کو آگ سے لپوٹنے سے روشن کرنا پڑا تو ہم بچے نہیں بنیں گے۔ کرن اور اس کے پاس چلیں گے۔ ان سے معافی مانگیں گے، ان کو معافی مانگیں گے۔“ راحیلہ بیگم دل کی خواہش زبان پر لے آئی تھی۔

”آئی! کیا یہ ممکن ہے؟ وہ مان جائیں گے؟“ سانس کی بات نے جہاں ایک نئی روح پھوکی تھی وہاں دوسرے بھی تھے۔

”جب کوئی نیک نیتی و بھلائی کے لیے کیا جائے تو راپٹوں نہیں جاتا۔ ہندو و ازروں پر جب بار بار اور مسلسل دھک دی جائے تو وہ کھل ہی جاتے ہیں۔ ہمارے لیے بھی یہ عمل مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں پھر کرن جس صابر و نیک ماں کی بیٹی ہے، مجھے معلوم ہے وہ زیادہ وقت ہم سے غم نہیں رہ سکتی، ماں کی خصلت اس میں بھی ہے۔“

راحیلہ بیگم کی حوصلہ افزائیوں نے گویا ادبے کو جھکے کا سہارا دیا تھا۔

☆---☆---☆

عمر کا طویل حصہ کرن نے پہلے عرصوں و دیکھوں میں بسر کیا تھا پھر قسمت نے کروٹ لی، وہ جو کرن پرہان بین کر پتیلیں میں گری ہوئی تھیں، کرن انہیں بن کر یکدم ہی بخت کی بلند یوں کو چھوئے لگیں۔ جہاں بخت ان پر مہربان ہوا تھا، وہیں خوف و فکر نے بھی اپنے حصہ میں لیے رکھا تھا جس نے کبھی بھی انہیں ہچی مسرتوں سے ہمکنار ہونے نہ دیا تھا اور ان کی لاشعور میں کنڈلی مارے بیٹھا وہ خوف حدین کے حوالے سے قح ثابت ہو چکا تھا۔ بی بی جان کے سبھانے کے باوجود وہ یہاں رہنے کو تیار نہ تھیں۔ ان کو یقین تھا مثال انتقام لیے بغیر ماننے والی نہیں ہیں۔ وہ پھر وار کریں گی۔ انس صاحب بھی اس بار خاموش تھے۔ وہ مگر جو انہوں نے بڑی محبت سے مرمت کر دیا تھا جس کا نام آشیانہ رکھا تھا اس میں انہوں نے پھر قدم نہ رکھا۔ ساتھ ہی حدین کو یونہی مٹی جانے سے بھی روک دیا تھا۔ وہی اور زویا کی شادیوں کے بعد ان کا یہاں سے جانے کا ارادہ تھا۔ ایسے میں حیدر کے ہمراہ وہ فی سرائے آگئے تھے، ان کے یہاں آنے پر خوشیاں اور کچھ پریشان کن حالات ان کے منتظر تھے۔

جزرہ صاحب کی آمد سے لے کر مثال بیگم کی سیاست اور حورین و ذوالنون کے درمیان ہونے والے ناخوش گوار تعلقات بھی انہیں معلوم ہوئے۔ پھر حیدر کی کوشش کے باعث وہ بی بی جان سے ملے کیونکہ یہاں سب ہی کرن سے ملنے کو بے تاب تھے جن میں راحیلہ بیگم اور مثال بیگم بھی شامل تھیں البتہ یہ تمام بائیس ذوالنون سے پوشیدہ تھیں۔ حیدر نے بھی اسے نہیں بتایا تھا۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ حورین اس کی فرسٹ کزن ہے۔ حیدر اور سرائے آگئے، ان کی ہر اسی میں بی بی جان نے ایک ملاقات مثال، راحیلہ بیگم، جزرہ اور صدر صاحب و غیرہ سے کی۔ ان کی جہانگیرہ و دیگر لگاؤں نے بھانپ لیا کہ ماضی میں جہان سے ہوا، سوہا مگر اب وہ سچے دل سے اپنے رویوں پر تاب ہو چکے ہیں۔ ان کے دوستی کے لیے بڑھے ہاتھوں میں غلوں، محبت و اپنائیت کے پھول ہیں جن میں وقار و انار کی خوشبوئیں جھک رہی تھیں۔ بی بی جان نے کرن اور انس سے عندیہ بیان کیا تو پہلے پھل تو وہ دونوں بھونچا گئے اور پھر حیرت سے کم مہم ہو گئے۔

”بی بی جان ایہ ان کی مٹی چال ہے وہ اپنی ناکامی کو بدلنے کے لیے بہرہ و پزل رہے ہیں۔ وہ کبھی معاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔“

”کرن ٹھیک کہہ رہی ہے بی بی جان وہ جس قسم کی عورت ہے آپ نہیں سمجھتی ہیں وہ بہت چالاک و عیا و عورت ہے۔“ انس صاحب نے کرن کی تائید کرتے ہوئے انہیں سمجھانا چاہا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں تم لوگوں کی احتیاط دے، اعتباری کو جو تم لوگوں کے ساتھ ہوا ایسے اسی طرح کے فاصلے و فترتیں پیدا ہوتی ہیں۔“ سانپ کا ڈسارسی سے بھی خوفزدہ رہتا ہے مگر جس طرح موسم کبھی ایک ماٹھی نہیں رہتا۔ وقت بدلتا رہتا ہے اسی طرح انسان بھی تبدیلیوں کی زد میں رہتا ہے۔ کل تک پہاڑوں کی طرح مضبوط نظر آنے والے آج کزور تر دکھائی دیتے ہیں۔ آسمان کی طرف منہ کر کے چلنے والے ویسے بھی جلد زمین میں ہوتے ہیں۔ کیا حراج ہے میرے بچا ہر کام ہم اپنی رضا کے لیے کرتے ہیں اگر ایک کام اپنے رب کی رضا کے لیے کر لیں تو کتنی بڑی سعادت ہے۔“

بی بی جان کی آخری دلیل کے آگے پھر کسی انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی تھی۔ دیے بھی محبت پھول ہے اور نفرت کانٹوں والے انگاروں کا وجود رکھتی ہے جب چاہت و مروت کے پھول ہر سو جھک کر دلوں سے نفرت و بغض کی کثافت کو دور کر رہے ہوں تو کون دامن جھک کر ناشکری کرتا ہے۔ دو شام بڑی خوب صورت دکھائی تھی۔

برسوں کے چھڑے ایک ہو گئے تھے۔ وسیع و عریض لان میں صفوں پر وہ براجمانی تھے۔ بی بی جان خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل وہ خود راحیلہ بیگم، منال، حمزہ اور صمد کو لے کر آئیں۔ باقی لوگ مصلحتاً ساتھ نہ آئے تھے کہ بعد میں تو آنا جانا رہا ہی تھا۔ راحیلہ بیگم اس محبت سے غبی تھیں کہ ان کے آنسوؤں نے ماضی کی تمام ذیادتیاں دھو ڈالی تھیں۔ ان کا دل صاف ہو گیا تھا۔ منال سے تو کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ ان کا نونا کھرا شکستہ وجود، شرمندگی سے جھکی جھکی آنکھیں مسلسل بہتے اشک اور عداوت کرن کے گدا دہل کو مزید مہم کر چکے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا لیا اور خود بھی رہ پڑیں۔ یہ آنسو خوشی کے تھے۔ حمزہ نے بڑھ کر کرن کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ان کے اعزاز میں بڑے بھائیوں والی شفقت و اپنائیت تھی۔ صمد صاحب نے بھی آگے بڑھ کر کرن کو گلے سے لگا لیا۔ کھمرے مویوں کی مالا بکجا ہو چکی تھی۔

نفرت، دغے، انتقام کے بادل چھٹ چکے تھے۔ ہر طرف اب محبت، سکھ، اپنائیت و یکجہت کی خوش رنگ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سمیرا جمیرا، فارہ، ملازماؤں کے ساتھ مل کر کچن میں مصروف تھیں۔ چائے اور اسٹیکس کا دور چل رہا تھا۔ وہ سب لان میں خوش کیوں میں مصروف تھے۔ یک جزیشن کے لیے یہ حقیقت بڑی دلچسپ و حیرت انگیز تھی کہ ان کی سگی بھوپھونہ تھی وہ سب ان کے درمیان تھے۔ ماسوائے حمزہ کے جو خود ہی ان کے درمیان نہیں آئی تھی۔

☆---☆---☆

”پرنس کافی نام ہو گیا ہے، تم نے شاپنگ نہیں کی چلو ابھی چلتے ہیں۔ تمہارے ساتھ میں بھی شاپنگ کر لوں گا تم باہا اور ماما کے لیے بھی شاپنگ کریں گے۔“ کونین آکر اس سے قاطب ہوا۔

”مجھے ضرورت نہیں ہے آپ چلے جائیں۔“

”یہ کب تک چلے گا بار اتم کب تک اس طرح اپنے ساتھ ہم کو بھی سزا دیتے رہو گے؟ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔“ کونین نے نرم لہجے میں سرزنش کی۔

”میں نے کوئی حد کراس نہیں کی، منہ ہی میں سزا دیتے کا اختیار رکھتا ہوں۔“

”یہ سزا نہیں تو کیا ہے؟ نہ تم باہا کو کھنی دیتے ہو، نہ ماما سے ہٹ کرتے ہو۔ داد، انکل، آئی، مگر کے ہر فرد کو نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں کھوے کی طرح منڈی دہائے بیٹھے رہتے ہو۔ باہا خود کو تمہارا گناہ گار سمجھتے ہیں تو ماما مجرم۔“

”سب کی اپنی لپٹاگو ہیں میں نے کسی کو فوس نہیں کیا۔“ اس کے دھمے لہجے سے ٹنگی ویرہی جھک رہی تھی۔ کونین نے نظر بھر کر

اسے دیکھا اور اس کا حصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

فراخ پیشانی۔

خوب صورت سرمئی آنکھیں جن میں طال کار تک واضح تھا۔

ایک جہاں کا در درون رخ بسا تھا ان آنکھوں میں۔

مایوسی، اداسی، ہجر، فراق، حزن و ملال۔

”پرنس امیری جان! میرے بھائی!“ وہ اسے پوری شدت سے سینے سے لگا کر گویا ہوا۔

”مما کو مصاف کرو دو تمہاری خاطر وہ بدل گئی ہیں۔ بالکل پہنچ آ گیا ہے ان میں اگر تمہاری بے اعتنائی وہ بے رغبتی اسی طرح قائم رہی تو..... انہیں کچھ ہو جائے گا۔ وہ کرن آئی اور انس اکل سے معافی مانگ چکی ہیں۔“

”ہونہ جب بھی سب کا تھا تو اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی؟“ اس کے لہجے میں اڑوٹے کی سی پھنکار تھی۔

”ہذا بات انسان کو احمق بنا کر دیتے ہیں۔“

”میری تو زندگی ہی اندھی ہو گئی ہے، سب کے لیے بھولنا آسان ہو گا لیکن میرے لیے نہیں کیونکہ میں نے اپنی کشتیاں اپنے ہاتھوں سے جلائی ہیں۔ میرے لیے کوئی راستہ نہیں ہے، مجھے میرے حل پر چھوڑ دیا جائے۔“ وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

☆---☆---☆

”بولو اب کیا ہر وقت مجھ سے چھپنے کی کوشش میں لگی رہتی ہو عجیب دوستی ہے تمہاری جو تم میری پروا بھی نہیں کرتی۔“ کانی دل بعد ہریرہ کو حورین ملی تو وہ شکوہ کر بیٹھا۔

”ہم روز ہی تو ملتے ہیں۔“ وہ دھیسے سے بولی۔

”دور دور سے ایک جھلک۔“

”اوو..... فینول۔“

”بی بی جان نے گھر کے تمام لڑکے لڑکیوں کو ٹھکانے لگا دیا، ہم کو کس خوشی میں چھوڑا ہے، کہیں خدا نخواستہ ہمیں کھوارہ رنے کا ارادہ تو نہیں ہے ان کا؟“

”اوو مائی گاڈ! تم اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہو؟“

”جو بات ہے وہ کر رہا ہوں۔“

”کیوں تم صرف اپنی فکر کرو، میری فکر کی ضرورت نہیں ہے۔“

”آئی سی واسے ڈیروں کو نزل گئے اس وجہ سے مجھے ناک آؤٹ کر رہی ہوں۔“ وہ منہ چلا کر گویا ہوا۔

”تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا حق۔“ وہ مسکرائی۔

”لوہو، بالآخر آج تم نے اقرار کر لی لیا کہ میری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔“ ہریرہ خوشی سے گویا ہوا۔ دسی، مرون، سفیان، پلا، زویا وغیرہ سب وہاں جمع ہو چکی تھیں۔

”آج میرے یار کی دعا نہیں مستجاب ہوئیں۔“ دسی لے کہا۔

”بڑا مبارک دن ہے۔“

”اب زبردست سی لڑٹ ہونی چاہیے۔“

”وہ بھی کسی قاتلہاٹار ہوٹل میں۔“

”پلیز..... پلیز ماسیٹٹ پلیز، آگے بھی سنو۔“

”ہریرہ میرا..... بھائی ہے..... رضامی بھائی..... یعنی ہم دوہو شریک بہن بھائی ہیں..... جب میں چند ماہ کی تھی تو کسی کسی بھاری کی وجہ سے ہاسٹل تڑ ہوئی تھی، تب لاریا نئی لے مجھے فیڈ کیا تھا۔“

حورین کے انکشاف پر وہ لمبے بھر کو سکے میں رہ گئے۔

”تم دونوں کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی؟“

”آف کورس، ہمیں شروع سے معلوم ہے۔“

”ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟ ایک عرصے سے آلو بھاتے رہے۔“

ان دونوں کے مسکراتے چہرے دیکھ کر سرد معنی خیز انداز میں گویا ہوا۔

”جتنے بھائے کو حریہ بنا کر جو خوشی ملتی ہے وہ..... ہریرہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ وہ سب اس سے چمٹ گئے تھے۔“

☆.....☆.....☆

”کرن اڈیڈی کو کال کر کے میں نے سب کچھ بتا دیا ہے وہ تم سے سخت شرمندہ ہیں، بہت جلد آ رہے ہیں۔ وہ خود آ کر تم سے معذرت کریں گے اور اس سے بھی بہت زیادتیوں ہوئی ہیں ہم سے جن کی خلافی ممکن نہیں ہے۔“ دوسرے دن وہ پھر ان کے رویمہ چھیں۔

”یہ معذرتوں کا سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ اپنے کل کو بھلا کر ہم نے اپنا آج شروع کیا ہے اور ہمارے آج میں صرف محبت اور مروت ہے۔“ کرن نے کافی بنا لگ ان کی طرف بدھاتے ہوئے کہا۔

”ہمارے رشتے آج سے قائم ہوئے ہیں جو تاحیات جڑے رہیں گے۔ ان سے رشتوں میں ایک نئے رشتے کا اضافہ چاہتی ہوں۔“ محال کرن کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”کس رشتے کا؟“ کرن مسکرائیں۔

”پرنس اور حورین کے رشتے کا میں حورین کو اپنی بہن مانا چاہتی ہوں، انکار نہیں سنوں گی۔“ مثال بیگم از حد مان بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر.....“

”اُس کو اعتراض ہوگا؟“

”یہاں میرے پاس کے اعتراض کا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ ہے حورین کی مرضی کا۔“

”اُسے میں راضی کر لوں گی۔“

”وہ نہیں مانے گی اُس زبردستی کے خلاف ہیں۔“

”حورین وہ لڑکی ہے جو پرنس کی دعوگی میں روشنی بن کر آئی دیکتا خوش تھا، دعوگی میں پہلی بار میں نے اُسے اتنا خوش دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں حورین کی محبت، جگنوؤں کی طرح چمکنے لگی تھی۔ وہ بے حد خوش، بے حد مسرور تھا۔ دیا جہاں کی خوشیاں جیسے اس کی مٹھی میں آگئی تھیں اور مجھ سے ہی برداشت نہیں ہوا۔“

”آپنی ابھی ہم نے عہد کیا ہے ہاں ماضی کو نہیں دہرائیں گے۔“

”اُوہ سوری۔ میرے اندر جو آگ، سلگ رہی ہے وہ اس وقت تک شعلہ نہیں ہوگی جب تک میں اپنے بچوں کی رونمائی خوشیاں داپس نہ کر دوں۔“ وہ سخت آرزو تھیں۔

”کافی ٹکس شعلہ ہو رہی ہے۔“

”کرن اتم وعدہ کرو کل جب انا زے بچوں کے دلوں سے یہ تمام باتیں نکل جائیں گی تو تم ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے نہیں دو گی؟“

”وعدہ آپنی امیں یا اُس کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔“

”تم سکتی اچھی ہو کاش انا سارے درمیان یہ سب نہ ہوا ہوتا یا ہم دونوں ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔“

☆.....☆.....☆

”پرنس! کہاں کی تیاری ہے؟“

”یو نیورٹی چار ہا ہوں بابا جان۔“ وہ جو گرز کے فیتے باندھتا ہوا گویا ہوا۔

”مجھے خوشی ہے بیٹا اتم نے حقیقت سے سمجھوتا کر لیا ہے ورنہ محسوس ہوتا تھا کہ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے، مثال آپ کو زندگی کی طرف لوٹنے دیکر کس قدر خوش ہوگی اس کا تم انعام نہ نہیں لگا سکتے۔“

”آئی لو بابا مجھے احساس ہے۔“

کونین سے ہونے والی گفتگو نے مجھے مجبور کر رکھا تھا کہ وہ اپنے غموں میں ڈوب کر یہ احساس فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس کے کدھکی لپیٹ میں اس کے اپنے بھی تو تھے جو اس سے بڑھتی محبت کرتے تھے، اسے چاہتے تھے۔ چاہنے والوں کو دکھ دینا چاہت کی توہین ہوتی ہے۔ اپنے دکھ میں دوسرے دوسرے جل کر خاک ہونا اسے پسند تھا۔ اس نے تجبیہ کر لیا تھا کہ وہ ایسوں کے لیے بنے گا، مسکرائے گا۔ دل خواہ رو رہا ہو۔

پروفیسر آفتاب نے اس مشکل میں اس کا بھرپور ساتھ دیا مشکل وقت کی اس گھڑی میں وہ اسے تنہا چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ حیدر اور گھر کے دیگر لوگ اس کی تنہائی اور بٹ دھری کے آگے ہتھیار ڈال کر اسے، اس کی مرضی پر چھوڑ چکے تھے۔ پروفیسر آفتاب صاحب کو دو روک نہیں سکا تھا۔ ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئی تھیں۔

یونیورسٹی میں وہ پیریڈز اینڈ کرٹارہا۔ حیدر اور دیگر فریڈز کے اصرار کے باوجود وہ ادھر ادھر نہ گیا تھا۔ اس کے دل میں چھوڑنا جو حورین سے سامنا نہ چاہتا تھا۔ عجیب جذباتی کشش کا وہ دکھاتا تھا۔ اس سے ہی چھپ رہا تھا جس کو لاکھ کوششوں کے باوجود ہلانہ پایا تھا۔ آج بھی اس کے دل میں دھڑکنوں کی طرح ہستی تھی۔

پیریڈز سے فارغ ہوا تو سر آفتاب اسے اپنے گھر لے آئے جہاں ملازم نے کھانا تیار کیا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ اس کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہے تھے اور اندر ہی اندر لفظوں کو ترتیب دے رہے تھے۔ اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے۔

”ذوالنون! محبت، سماعت و بصارت سے محروم ہوتی ہے۔ اس میں وہ روشنی صرف اپنے محبوب کی ذات کے لیے ہوتی ہے، یہاں بدلہ نہیں چلتا۔ انتقام نہیں لیا جاتا۔ تم سے جو کچھ بھی ہوا وہ نارا نگہی میں ہوا، لفظی میں، ابھی بھی وقت ہے تم اپنی روشنی محبت کو متالو۔ کام مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔“ لاؤنج میں گرین ٹی کے سب لیتے ہوئے وہ موضوع چھیڑ بیٹھے۔

”سراجو مجھ سے خطا نہیں ہوئی ہیں ان کا ازالہ شاید کبھی نہ ہو سکے گا۔ میں انسانیت کی سطح سے گر چکا ہوں۔ وہ کیا مجھ پر اعتبار کرے گی..... اظہار کو بھی مجھ جیسے کم ظرف پر اب اعتبار نہ آئے گا۔“ اس کا دھچکھڑا ہوا سوز تھا۔ لہجے میں گفتہ آرزوؤں کی خاک تھی۔

”اس قدر ناامیدی و بدولی تم جیسے ہامت بہادر بچے کو سوت نہیں کرتی۔ میں حورین سے بات کر چکا ہوں۔“

”ہاٹ اس کی رگوں پہ میں نے عجیب سی سنسنی بٹ دوڑ گئی تھی۔“

”ہاں۔ دوہرٹ ہے، سخت کبیدہ ہے، اس کے اعتبار و اعتماد کو بہت ختم لگی ہے پھر لڑکیاں تو ہوتی ہی شیشہ دل اور شیشہ جذبات ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے، اس کا چھیننا ہوا اعتبار و اعتماد لوٹانا۔“

”ناممکن سر، میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا ہوں۔“ شدید اضطراب و اضطراب اس کے اعجاز سے عیاں تھا وہ کھڑا ہو گیا۔

”ناٹ امپائل۔ جب تم برائی کے راستے پر گامزن ہوئے تو قدم نہیں لڑکھڑائے تھے اب اچھائی و بہتری کی جانب بڑھنے سے قدم کیوں انکاری ہیں؟ پھر جانتے ہو وہ خاندان کتنی نکالیف و خوف سے گزر کر ایک ہوئے ہیں اگر تمہارے اور حورین کے درمیان فاصلوں

کی دیواریں اسی طرح حائل رہیں تو ان خاندانوں کو ٹوٹنے میں وقت نہیں لگے گا۔ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا..... اور سنو، محبت پانا اور پاکر کھودنا آسان نہیں ہوتا دانشمندی یہی ہے کہ کل کے انتظار میں آج ضائع نہ کرنا۔"

☆.....☆.....☆

آنسو روانی سے اس کے صبح چہرے سے پھسل رہے تھے۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ قریب بیٹھیں منال بیگم کی آنکھیں بھی میلی تھیں۔ سب سے پہلے بیٹے کے باوجود وہ حورین سے بیٹے کی ہمت خود میں نہ پا رہی تھیں مگر حمیرا کی جھپٹاؤں نے بے سکون کیے ہوئے تھی پھوٹی سی زندگی میں وہ کتنے بڑے بڑے گناہ کر بیٹھی تھیں۔ ہر رشتے کو نہیں پہنچائی تھی۔ ہر قسط کی بجز تھیں۔

کرن اور انس اس کے باعث بے سکون رہے خصوصاً کرن نے خوف میں وہ کراڈیت بھری زندگی گزار لی تھی۔ وہ کون سا سکھ میں رہی تھیں بروقت بدلے اور انتقام کے ڈرتے ناموں کی تکلیف سے وہ بھی بے کل رہی تھی وہی سہی کسر وہ النوب کو سکھا کر، بیکار پوری کر لی تھی۔ یہ چوٹ تاہوت میں آخری کیل ثابت ہوئی تھی اور وہ اپنی دنیا میں لوٹ آئیں۔ جب حقیقت سے روشناس ہوئیں تو معلوم ہوا وہ عورت جو اس کی ماں تھی ہمیشہ ان کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت نے ان کو نہیں کانہ رکھا تھا۔ لائقہ جو خود غرض و خود پرست عورت تھیں جنہیں پر تھیں زندگی و دولت سے بے حد پیار تھا۔ رشتے، ناٹے، تعلقات و دوستیاں سب ان کو مفاد و غرض میں لپٹی پسند تھیں۔ وہ خود تو بے لوث و سچی چاہتوں سے بے بہرہ تھیں، ساتھ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ چکی تھیں اور نا معلوم وہ کب تک ایسی بے روح زندگی گزارتی رہیں اگر وہ النوب کی حالت ان کے اندر سونے والی عورت کو، ان کو جگانے دیتی۔ اب وہ پوری شدت سے جاگ اٹھی تھیں۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے بیلدرم کو ان چروں سے پاک کیا جن کو وہ اپنا دکھ دیکھائی دور کرنے کے لیے استعمال کرتی تھیں پھر مدق دل سے اپنے رب سے معافی مانگی۔ تمام شکستہ و پارٹی چھوڑ کر گھر رستی میں مشغول ہو گئی تھیں۔

برہان نگاری جو ایک لمبے عرصے تک کرن سے لاپرواہ رہے تھے منال کی زبانی تمام صورت حال سے آگاہ ہونے کے بعد شرمندہ تھے۔ اب ان کے فون بھی گاہ بگاہ کرن اور انس کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ کرن کے پاس آچکے ہوئے اگر قافلہ بیگم خانج کے ایک کا شکار نہ ہوتیں۔

"میں جانتی ہوں، آپ جس تکلیف و پریشانی سے گزری ہیں محبت کا درد، فریب و جدائی کتنی جان لیوا ہوتی ہے میں خوب جانتی ہوں۔" وہ دیر سے دیر سے حورین سے کہہ رہی تھیں۔

"اس نے جو کچھ بھی کیا میرے کہنے پر کیا۔ پریس تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔ بہت چاہتا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارا عکس دیکھا ہے۔ اس کی زندگی میں جولا کی پہلی اور آخری بار آئی ہے وہ تم جو حورین مجھے معلوم ہے کہ اب وہ کسی اور لڑکی کو شہد کیے گا۔ وہ بچپن سے بہت ضدی ہے ایک بار جو کہا وہ کبھی بدلتا نہیں ہے۔" وہ رمانیت سے سمجھا رہی تھیں۔ حورین کے پاس گویا لفظ کھو گئے تھے۔ زبان گویائی سے آٹھ تھی۔ اس ستم گر کی جانب سے دل کا دروازہ بند تھا اور اس دروازے پر دستک دی جا رہی تھی، مسلسل وہ بھرپور.....

پروفیسر آفتاب صاحب کئی بار اسے سمجھا چکے تھے۔ ان کے بڑے شفقت لیے دہرا اعزاز میاں میں ایسی شدید تاخیر ہوتی تھی کہ منگلوار پر مرموم ہو جاتے تھے پھر وہ تو ایک نازک و گداز دل رکھتی تھی۔ حیدر ہر وقت اس کی وکالت کرتا دکھائی دیتا۔ مول، مزدی، شرین، وردا اور اب جوستی اس کے سامنے بیٹھی اسے منار ہی تھی، سب کا مقصد ایک ہی تھا۔

”حورین بیٹا اتم کو جر سزا دینا ہے مجھے دو۔ سزا کی حق دار میں ہوں پرس کو معاف کر دو۔ وہ بے قصور اور بے خطا ہے۔“

”آئی پلیز، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“ اس نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

اس نے سوچا تھا کبھی اس عورت پر تھوکتا بھی گمارا نہ کرے گی مگر وہ اس اعزاز میں سامنے آئی تھیں کہ وہ تمام کدورت و نفرت بھلا بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ سب جمع تھے، خوب خود غل مچا ہوا تھا۔ ابھی ابھی کرن نے آن کر خوش خبری سنائی تھی۔ مول اور ہریرہ کی نسبت طے ہو گئی تھی اور اس دن روف اور وحی وغیرہ سے بات وہ ان دونوں کے حوالے سے ہی کر رہی تھیں جو انٹرنی کے باعث وہ لوگ حورین و ہریرہ کی سمجھ رہے تھے۔

”اودہ گاڈا کس طرح سے ان دونوں نے تمہیں بے وقوف بنا رکھا تھا۔“ بیلا حورین اور ہریرہ کو گھورتے ہوئے گویا ہوئی۔

”مول! سنبھل کر رہنا بہت چار سو بیس شخص ملا ہے تمہیں۔“ زویا، مول کی جانب دیکھتے ہوئے بولی جس کے چہرے پر مسرت کے رنگوں کی قوس و قزح چھائی ہوئی تھی۔ ہریرہ بھی بے حد خوش تھا۔

”مجھے پرستم نکلے۔ اب شرافت سے گریڈ پارٹی دے دو۔“ وحی ہریرہ سے مخاطب ہوا تھا۔

”پارٹی سے یاد آ یا شام میں متال، آئی نے گریڈ پارٹی دی ہے، پہلے تو وہ پارٹی آئینڈ کرنی ہے اس کے بعد ہریرہ کا نمبر آئے گا۔“

سعود کے یاد دلانے پر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے لیکن حورین بیٹھی رہی تو مول اس کے قریب چلی آئی سب کے جانے کے بعد اس نے پوچھا۔

”تم..... نہیں چلو گی؟“

”نہیں۔ میں نہیں جاؤ گی“ وہ سپاٹ اعزاز میں بولی۔

”اتنی بڑی بڑی ہستیاں تمہیں سمجھا چکی ہیں اب تم جھوٹی انا کو چھوڑو۔“

”میں..... اس کا سامنا کس طرح کروں گی؟“

اس کا لہجہ نفرت و جھگڑ کے غبار سے پاک تھا مول کو اس کے اعزاز پر پڑھیں اور یہ یاد آ گیا کہ وہ روز کا دل پر دستک شرف قبولیت پا چکی تھی۔

”ڈونٹ وری مائی ڈیئر سب مجھ پر چھوڑ دو اور تیار ہو جاؤ۔“ اس نے، اس کا رخسار چم کر چمکتے ہوئے کہا۔ اندر داخل ہو تیس بی بی جان اور کرن کے چہروں پر بھی طمانیت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

آسمان کے سیاہ آئینے پر چاند تارے پوری آب و تاب سے جگمگا رہے تھے۔ ہوائیں سبک درات کی رانی اور گلاب کی دل آویز خوشبوؤں سے پُر ایک قہقہے۔ خوبصورت ملیحوات اور رنگین آئینے کی سرسراہٹیں فضا کو سحر انگیز بنائے ہوئے تھیں، بہت خوبصورتی سے ڈیکورٹ کیا گیا وہ وسیع و عریض لان بے تحاشہ روشنیوں سے جگمگا اور گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا۔ مزہ اور مثال نے یہ پارٹی کرن و انس کے اعزاز میں دی تھی اور خاندان کے لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ کچھ خاص دوست و احباب بھی مدعو تھے۔ مہمان سب آچکے تھے۔ گرے کلر کی بنیادی سادگی میں ملیش ہانگل سا وہ انداز میں مزہ صاحب کے پہلو میں کھڑی مثال آج مکمل نظر آ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر سحری خلوص و سادگی نے ان کے اندر دکھائی دینا شروع کر دی تھی۔ آف وائٹ سوٹ میں ملیش راحیلہ بیگم کرن اور انس کو منور بیگم، بہادر بچوں سے ملتا ہی تھیں۔ حورین بے حد نرم و ہور ہی تھی جو آٹو گئی تھی مگر عجیب سے احساسات سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی دل تھا کہ دھڑکے ہی جا رہا تھا۔ مثال اور مزہ نے بہت محبت سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ مزہ صاحب اور منور بیگم سے ملانے کے بعد مثال اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جنریشن کی طرف لے آئی تھیں۔

”بھئی! آپ لوگ ان سے ملیں یہ ہیں۔۔۔ ہماری اکلوتی اور جلاؤلی اور جتنی بھانجی، حورین۔“

”اوہ۔۔۔۔۔! سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔ بلیک جملہ لاتی فرائڈ سوٹ میں کنفیوزڈ کنفیوزی ستارہ آنکھوں اور چاند کی چاندنی کا سحر انگیز حسن لیے وہ لڑکی سب کو ہی پسند آئی۔ سو نیا، مریہ، ہنزہ، معیور اور مزمل جوش و خروش سے ملے پھر وہ اسے لے کر خضریٰ اور کوئین کی طرف آ گئیں جو ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی وہاں پر پہنچے تھے۔

”مما! ایشی! حورین! آئی ایم رائٹ؟“

کوئین کی بے شوق نگاہیں پوکھلائی، گھبراہٹ سی حورین پر تھیں۔ وہ دل ہی دل میں بھائی کی پسند کنیاد سے رہا تھا۔

”انس! تم نے خوب بچپانا۔“ مثال غصے سے۔

”بچپانا کیسے نہیں، اگلے لوگوں کی چٹائیں اٹھ رہی ہیں۔“ مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت سے کوئین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کے ڈوہتی لہجے نے حورین کو لگا ہی جھکانے پر مجبور کر دیا۔

”حورین! بیٹا! یہ خضریٰ ہے کوئین کی منگیتر چند دنوں بعد اس گھر میں بھوپن کرانے والی ہے۔“

خضریٰ نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا اور اسے لے کر آگے بڑھ گئیں جہاں وہ سب ایک ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے جہاں ہر پردہ و مسودہ رونق ہوں وہاں صرف تھمتھمے گھومتے ہیں ان کے ساتھ اب خضریٰ بھی شامل ہو گیا تھا۔

دیگر مشروبات سرد کر رہے تھے، ہر نو تھمتھ اور مسکراہٹیں تھیں۔ کرن اور انس ایک میبل پر جبکہ مزہ اور مثال کی میبل پر ہوفیسر ڈیپ بیٹھے تھے۔

حیدر لیٹ آیا تھا۔ دیو کی گیت کی طرف اٹھنے والی نگاہوں کو قرا ل گیا۔ حیدر نے بھی پہلی نگاہ اس پر ڈالی۔ حورین کی نگاہوں

نے غیر دانستہ ہی یہ سب نوٹ کیا تھا اور اس کے اندر سناٹے سے اترنے لگے تھے۔ دل نے ایک دم ہی کسی کی طلب محسوس کی تھی۔ بے اختیار اس کی نگاہیں ارد گرد کا جائزہ لینے لگیں۔

وہ یہاں کہیں نہیں تھا۔ نگاہیں ناکام لوٹ آئیں تھیں، دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ احوال میں یکدم ہی اداسی اور دریائی چھاتی چلی گئی۔

”اوہ۔“ حیدر کے ہاتھ سے گلاس پھسلا اور سارا مشروب اس پر گر گیا۔

”سو..... سوری“ وہ کھڑی ہوئی تو حیدر بھی کھڑا ہو گیا۔

”کوئی بات نہیں، میں دھولتی ہوں۔“ حورین دوپٹہ پکڑتے نرمی سے بولی۔ مشروب دوپٹے کے ایک حصے پر گر گیا تھا۔

”آئیں میں واش روم لے چلا ہوں۔“

وہ حیدر کے ہمراہ رہائشی حصے کی سمت چلی آئی۔ کئی کوریدرز، لافٹس سے گزر کر وہ واش روم پہنچی۔ واش ٹین میں جلدی جلدی دوپٹہ دھو کر وہ حیدر کے ساتھ چلتی تھی کہ اسی لمحے اندر سے نکلے والے شخص کو دیکھ کر اس کے قدموں میں پڑنے کی سکت نہ رہی۔ ایک لمحے کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں۔ کیا تھا ان آنکھوں میں؟

دروہی درد۔

کرب ہی کرب۔

تڑپ ہی تڑپ۔

بھر کا دکھ، نارمانی کی اذیت، دونوں کی ایک ہی اذیت تھی۔

”میں زیادہ نہیں صرف اتنا ہی کہوں گا، اس جہاں میں بچنے والے مشکلوں سے ملا کرتے ہیں یہ تمہارے بچے پیار کی سچائی ہے جو تم دونوں کو ایک بار پھر آمنے سامنے لے آئی ہے۔ خوش قسمتی بازار دستک نہیں دیتی۔“ یہ کہہ کر حیدر رُکنا نہیں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتہ وہاں سے چلا گیا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ حورین کی جھکی نگاہوں سے قطرہ قطرہ موتی ٹپکتے لگے تھے۔ وہ تمام اذیت ناک لحظات تازہ ہو گئے تھے۔

”پلیز ڈونٹ ویپ، میں نے جو کیا وہ مجھے میری نگاہوں سے گرا گیا ہے۔ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ تمہاری محبت کا جواب دھشت سے دیتا۔ تمہارے ساتھ میں نے جو کچھ کیا اس کی سزا میں آج تک خود کو دیتا رہا ہوں اور ساری زندگی دیتا رہوں گا، دیکھو.....“ اس نے تنہیدگی سے کہتے ہوئے شرٹ کے بٹن کھولے جہاں سینے کے اوپری حصے پر سیاہ چھوٹے چھوٹے دائرے چھپے ہوئے تھے۔ حورین کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں۔ جھلکے ہوئے حصوں پر زخم بن چکے تھے۔

”روزانہ ان زخموں کو تازہ کرتا ہوں اور اس اذیت کو، تکلیف کو محسوس کرتا ہوں جو میں نے اس لڑکی کو دی جو میری زندگی کی اولین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وآخرین آرزو تھی۔ جس کی مصوم ہونے پر کیزد چاہت کو میں نے دھوکا دیا۔ ”وہ تم کو اس ہفتہ حیدرین کے سامنے گفتگو کے بل بیٹھتے ہوئے بولا۔“
 ”پلیز، میرا اپنی سکون مجھے واپس مل جائے دعا کرو۔ میں بہت بے سکون ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔“
 ”میں سب بھول چکی ہوں، دل پر ایک بوجھ تھا، روح میں ایک بے کئی تھی وہ اس لیے فنا ہو گئی۔ میرے ذہن بھر گئے لیکن۔۔۔۔۔ یہ
 ۔۔۔۔۔ یہ آپ نے اپنے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔۔۔۔۔ بہت سزا دی ہے۔“ اس کا کٹا ریدھ دیکھ کر دلرز تھی۔
 پوری شدت سے رو پڑی۔

ذوالنون نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا سیاہ سوٹ جس پر اشارہ اور رکھنے ہوئے ہاتھوں پر سیاہ ہیکل ہیکل
 دراز پائلیں، نگاہیں بھرے بھرے دلکش ہونٹ، پشت پر پھیلے براؤن کھنکھنے بالوں کا جنگل اس کے اندر طمانیت بھری آسودگی اتارنے لگی۔ دل نے
 صرف اور صرف اس کی تمنا کی تھی نے عکاسی اس کی یاد بھری رفاقت کی خواہش مند تھی۔ تو انہوں میں ہر لمحہ، اس کے ہزار تھی۔
 ”بہت دیر لایا ہے میں نے تمہیں مگر آج کے بعد یہ آنسو گریں گے تو میری لاش پر۔۔۔۔۔“
 حیدرین نے گہرا کر جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
 ”اتنا چاہتی ہو مجھ جیسے وحشی کو؟“

اس کے بھاری لہجے میں شوخی ابھر آئی۔ اس نے اس کے شانے پر ہاؤز رکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔
 ”ہیلو۔۔۔۔۔ اگر آپ لوگوں کا رومانس سے پیٹ بھر کیا ہو تو اللہ کے واسطے لان میں آجائیں تاکہ ڈنر اشارت کیا جائے یہاں تو
 بھوک کے مارے چھوٹے چھوٹے ہونے تو ڈھونڈ شروع کر دی ہے۔“

خضر دہائی دیتا ہوا اندر داخل ہوا۔

”تم ہمیشہ فلفلہ نام پر انٹری دیتا۔“

وہ خضر سے بولا۔ حیدرین کے چہرے پر آسودگی پھیلی ہوئی تھی۔ ذوالنون نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس نے لجا کر گردن جھکا دی تھی۔



ختم شد